سلطنتِ عثمانیہ

ترکوں کی مفصل سیاسی تمدنی اور
تہذیبی تاریخ

قبولِ اسلام سے سقوط خلافت اور احیائے اسلام کے لیے
اُٹھنے والی موجودہ اسلامی تحریکوں تک کا ایک تاریخی جائزہ

تصنیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم
علامہ محمد ظفر اقبال کلیار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	سلطنت عثمانیہ (ترکوں کی مفصل سیاسی، تمدنی، تہذیبی تاریخ)
مصنف	ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم	علامہ محمد ظفر اقبال کلیار فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان
تاریخ اشاعت	اگست 2008ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TK19
قیمت	-/450روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل

عرض مترجم

زیر نظر کتاب عرب کے معروف تاریخ نگار ڈاکٹر محمد محمد الصلابی کی کتاب "الدولۃ العثمانیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں مؤلف نے سلاطین عثمانی کی تاریخ کے مختلف ادوار کو (ابتداء تا انتہاء) نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ عثمانیوں کے آباؤ اجداد، ان کے وطن اصلی، قبول اسلام، تحریک جہاد میں شمولیت، بیزنطینی حکمرانوں کے خلاف جہاد اور پے در پے فتوحات، یورپ کے مختلف علاقوں پر تسلط، تہذیب و تمدن اور علم و فن کی خدمت، پھر سنن الٰہی سے انحراف کے نتیجے میں ان کے زوال و انحطاط کی ابتداء، اسلامی علاقوں پر صلیبیوں کے حملے اور فتوحات، عالم اسلام کی بے بسی، مغربی سازشوں، یہودی مکر و فریب، ماسونی تحریکوں اور وطن پرست لیڈروں کے مقابلے میں عثمانی سلاطین، علمائے اسلام اور صوفیائے کرام کی کوششیں ان تمام موضوعات کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے اور عثمانیوں کی تاریخ کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑتی۔ میں یہاں ایک ایسی تحریک کے بارے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جو دولت عثمانیہ کے آخری دور میں اس وقت برپا ہوئی جب پورا یورپ اور دنیائے کفر اسلام کے خلاف برسرپیکار تھا اور عالم اسلام کے حصے بخرے کرنے کی سبیل کر رہا تھا۔ یہ تحریک عرب کے علاقہ نجد میں شروع ہوئی اور اس نے دنیا کی سیاست اور مذہبی افکار پر دور رس اثرات مرتب کیے۔

"تحریک وہابیت" کے نام سے معروف ہونے والی اس تحریک کے بانی عرب کے مشہور عالم دین شیخ محمد بن عبدالوہاب بن شیخ سلیمان ہیں۔ شیخ نے 1115ھ بمطابق 1703ء میں ریاض کے شمال میں واقع عیینہ نامی شہر میں جنم لیا۔ بحراللہ ہزاروی اپنی کتاب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود میں لکھتے ہیں "شیخ محمد کے دادا کا نام شیخ سلیمان بن علی تھا۔ وہ نجد کے مشہور عالم تھے اور حنبلی فقہ کے عظیم علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ فتویٰ بھی جاری کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار طلباء کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا" (1)۔ بحراللہ ہزاروی کے بقول "شیخ محمد کے والد محترم کا نام عبدالوہاب تھا۔ وہ بھی قاضی کے منصب پر فائز تھے"۔

گویا شیخ محمد ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوا جو مذہباً حنبلی اور مشرباً صوفی تھا۔ اور اپنے علاقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ محمد نے تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن سے کی۔ جب ان کی عمر دس سال ہوئی تو قرآن کریم حفظ کر لیا۔ دس سال کی عمر میں حفظ قرآن اگرچہ بہت بڑی سعادت ہے لیکن ایک عرب بچے کا دس سال تک قرآن کریم حفظ کرنا قطعاً اس کی ذہانت کی دلیل نہیں۔ اگر بالفرض انہوں نے پانچ سال کی عمر میں بھی پڑھنا شروع کیا ہو تو پانچ سال میں تکمیل ذہانت کی نہیں غباوت کی دلیل ہے۔ عجم میں ایک ذہین بچہ ڈیڑھ سال میں قرآن کریم حفظ کر لیتا ہے اور جو کند ذہن ہو اسے تین چار سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا بحراللہ ہزاروی کا یہ کہنا کہ دس سال کی عمر میں شیخ نے قرآن حفظ کر لیا جو ان کی ذہانت کی دلیل ہے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کے قول سے بھی ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ اما محمد بن

1۔ صفحہ 17

عبدالوهاب النجدی فکان رجلا بليدا قليل العلم وكان يتسارع الى الحكم بالكفر(1) ''محمد بن عبدالوہاب بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور مسلمانوں کی تکفیر میں بہت عجلت کرتا تھا''۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نہ صرف کند ذہن تھا بلکہ اکھڑ مزاج، گستاخ اور منہ پھٹ بھی تھا۔ حتیٰ کہ اپنے والد گرامی عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی الجھ پڑتا جو مجمع خلائق تھے۔ شیخ علی طنطاوی جوہری مصری (المتوفی 1335ھ) لکھتے ہیں۔ وجلس فی حلقة ابيه يحضر دروسه وينكر ماجرى من البدع والمخالفات فى ذالک حتى اثار عليه الناس ولم ترتض ابوه ويكره العنف فنهاه حتى اثار عليه الناس ولم يرتض ابوه هذا المسلک منه ولم يقره عليه وكان يوثر المسالحة ويكره العنف فنهاه حتى وقع بينهما كلام ولكنه استمر على دعوته و انكاره(2)

''شیخ اپنے والد گرامی کے حلقہ درس میں حاضر ہوا اور ان بدعتوں اور مخالف شرع رسومات کا انکار کرنے لگے جو اس دور میں مروج تھیں یہاں تک کہ لوگ ان کے مخالف بن گئے۔ ان کے والد گرامی بھی اس رویے سے خوش نہیں تھے۔ وہ ان کے نظریات سے اتفاق نہیں فرماتے تھے لیکن وہ باہمی صلح و آشتی کو ترجیح دیتے تھے اور سختی کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے محمد کو اس بات سے روکا لیکن وہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے اور بدعات کا انکار کرتے رہے حتیٰ کہ ان باپ بیٹا کے درمیان تو تو میں میں کی نوبت آ گئی''۔(3)

شیخ عبدالوہاب علیہ الرحمۃ کسی وجہ سے عیینہ کو چھوڑ کر حریملا تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ شیخ محمد بھی حریملا پہنچے اور اپنے والد گرامی کے درس میں شرکت کرنے لگے۔ لیکن یہاں بھی ان کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہی بے باکی اور مروجہ رسوم پر وہی اعتراضات، شیخ عبدالوہاب علیہ الرحمۃ نے بہت کوشش کی کہ محمد ہٹ دھرمی کی راہ ترک کر کے قرآن و حدیث کو سمجھنے کی کوشش کرے لیکن اس کی شدت پسندی میں کوئی فرق نہ آیا۔ والد پر معترض رہے۔ اسلاف کے افکار و نظریات کو شرک و بت پرستی کا نام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ والد گرامی کی خدمت میں گزارنے کے بعد حجاز مقدس کی راہ لی۔ مدینہ طیبہ پہنچے اور مختلف جلیل القدر علماء کے دروس میں شرکت کی۔ ''الجامع الفرید'' کے مترجم عطاء اللہ ثاقب لکھتے ہیں۔

''فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے تعلیم حاصل کی جن میں خاص اور قابل ذکر ہستیاں یہ ہیں۔

(۱) شیخ عبداللہ بن یوسف نجدی (۲) شیخ عبداللہ بن ابراہیم (۳) شیخ محمد حیات سندھی (۴) شیخ آفندی داغستانی (۵) شیخ اسماعیل عجلونی (۶) شیخ عبداللہ عفالقی احسائی (۷) شیخ محمد عفالقی احسائی۔

محمد حیات سندھی غیر مقلد عالم دین تھے اور ابن تیمیہ کے افکار سے بہت متاثر تھے۔ شیخ محمد ان سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں کی تقلید میں زائرین روضۂ اقدس پر اعتراض کرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں انہیں بعض صحیح العقیدہ علماء سے بھی اکتساب کا موقع ملا جنہوں نے ان کی پیشانی سے شقاوت کی تحریر پڑھ کر یہ پیش گوئی کر دی کہ یہ شخص خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی

1۔ صفحہ 17　　2۔ فیض الباری صفحہ 171　　3۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی، صفحہ 20

گمراہ کرے گا۔ شیخ جمیل آفندی صدقی زہاوی عراقی لکھتے ہیں۔

وکان الشیخان المذکوران وغیرھما من المشائخ الذین اخذ عنھم یتفرسون فیه الغوایة والالحاد ویقولون سیضل اللہ تعالیٰ ھذا ویضل به من اشقاہ من عبادہ فکان الامر کذالک وکذا کان ابوہ عبدالوھاب وھو من العلماء الصالحین یتفرس فیه الالحاد یحذر الناس منه وکذالک اخوہ الشیخ سلیمان۔(1)

"مذکورہ بالا دونوں عالم اور دونوں مشائخ جن سے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اخذ علم کیا فراست قلبی سے اس کی گمراہی اور الحاد کو پالیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کرے گا اور اس کی وجہ سے بہت سے بندگان خدا گمراہ ہوں گے اور ایسا ہی ہوا۔ شیخ محمد کے والد شیخ عبدالوہاب جو علماء صالحین سے تھے اپنے بیٹے میں الحاد کو تاڑ گئے وہ لوگوں کو اس سے خبردار کیا کرتے۔ اسی طرح ان کے بھائی شیخ سلیمان بھی لوگوں کو محمد بن عبدالوہاب سے بچنے کی تلقین کرتے تھے"۔

عالم اسلام ان دنوں چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں آ چکا تھا۔ مغربی مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوشش میں تھے جبکہ سلاطین عثمانی، علماء اور صوفیاء امت کو متحد کرنے کی سبیل کر رہے تھے۔ برطانیہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح اسلامی علاقوں پر اس کی گرفت مضبوط ہو جائے۔ سو اس نے مختلف اسلامی علاقوں میں اپنے تجربہ کار جاسوس پھیلا رکھے تھے جو ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے جو مسلمانوں میں منافرت کا بیج بو کر ان کو باہم دست بگریباں کر دیں اور ان کی طاقت کو ختم کر کے اپنے مقاصد میں کامیابی کی راہ ہموار کر سکیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب حصول علم کے لیے حجاز مقدس کے علاوہ شام اور عراق بھی گیا۔ بصرہ میں ان کی ملاقات شیخ محمد المجموعی سے ہو گئی جو تقلید ائمہ کا سخت مخالف اور شدت پسند عالم دین تھا۔ شیخ نے ان سے خوب استفادہ کیا اور پہلے سے کہیں بڑھ کر آزاد اور منہ پھٹ ہو گئے۔ اب وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ بلکہ محمد بن عبدالوہاب، امام بخاری علیہ الرحمۃ کو بھی خاطر میں بھی نہیں لاتے تھے اور کہا کرتے تھے آدھی سے زیادہ بخاری لچر ہے، گستاخی کی انتہا یہ کہ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابن تیمیہ بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی غلطیوں کی نشاندہی کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے" حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بہت سی غلطیاں کیں۔ ایک روایت میں ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تین سو غلطیاں کیں"۔(2)

برطانوی جاسوس عالم اسلام میں ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں تھے سو بصرہ میں انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی صورت میں گوہر مقصود پالیا۔ ایک بہت تجربہ کار برطانوی جاسوس ہمفرے نے شیخ محمد بن عبدالوہاب سے میل جول پیدا کیا اور ان کی خودسری، جہالت، اسلاف دشمنی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس مایۂ ناز جاسوس نے اپنی کارگزاریوں کو بعد میں تحریری شکل دی جس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر ہمارے لیے شیخ کی شخصیت اور ان کی کارگزاریوں کو سمجھنا آسان کر دیا گیا ہے۔

1۔ الجامع الفرید شیخ محمد بن عبدالوہاب کے آٹھ رسائل کا مجموعہ ہے
2۔ الجامع الفرید صفحہ 3-4

اب ہم شیخ کی کہانی ہمفرے کی زبانی قلم بند کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہابی تحریک کس طرح، کن مقاصد کے لیے معرض وجود میں آئی اور اس سے عالم اسلام کو کیا نقصانات اٹھانا پڑے۔ ہمفرے کہتا ہے:

''1710ء میں انگلستان کی نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے مصر، عراق، ایران، حجاز اور ان کے مرکز استنبول کی جاسوسی پر مامور کیا۔ مجھے ان علاقوں میں وہ راہیں تلاش کرنا تھیں جن سے مسلمانوں کو درہم برہم کر کے مسلم ممالک میں سامراجی نظام رائج کیا جا سکے۔ میرے ساتھ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نو اور بہترین تجربہ کار جاسوس اسلامی ممالک میں اس کام پر مامور تھے...... ان دنوں جب میں ترکھان کا کام کرتا تھا میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو وہاں اکثر آتا جاتا رہتا تھا...... وہ دینی طالب علموں کا لباس پہنتا تھا۔ اس کا نام محمد بن عبدالوہاب تھا۔ وہ ایک اونچا اڑنے والا، جاہ طلب، غصیلا انسان تھا۔ اسے عثمانی حکومت سے سخت نفرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کی برائی کرتا تھا۔ لیکن حکومت ایران سے اس کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ صفحہ 27

محمد بن عبدالوہاب ایک آزاد خیال آدمی تھا...... شیخ محمد کے نزدیک حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مکاتیب فکر میں سے کسی مکتب فکر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے جو کچھ قرآن میں کہہ دیا ہے بس وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ صفحہ 28

یہ شخص قرآن وحدیث کا اچھا مطالعہ رکھتا تھا اور اپنے افکار کی حمایت میں بزرگان اسلام کے اقوال و آراء کو بطور سند پیش کرتا تھا لیکن کبھی کبھی اس کی فکر مشاہیر علماء کے خلاف ہوتی تھی۔ صفحہ 29

محمد بن عبدالوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی اونچا اڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، غرور، علماء و مشائخ اسلام سے اس کی دشمنی، اس حد تک خودسری کہ خلفاء راشدین بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن وحدیث سے استفادہ اس کی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ صفحہ 31

شیخ محمد بن عبدالوہاب ابوحنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور اسے ناقابل اعتبار سمجھتا تھا۔ محمد کہتا تھا: ''میں ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں''۔ اس کا دعویٰ تھا کہ نصف بخاری بالکل لچر اور بیہودہ ہے۔

بہر صورت میں نے عبدالوہاب سے بہت گہرے مراسم قائم کر لیے اور ہماری دوستی میں ناقابل جدائی استحکام پیدا ہو گیا۔ میں بار بار اس کے کانوں میں یہ رس گھولتا تھا کہ خدا نے تمہیں حضرت علی اور حضرت عمر سے کہیں زیادہ صاحب استعداد بنایا ہے اور تمہیں بڑی فضیلت اور بزرگی بخشی ہے۔ اگر تم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً ان کی جانشینی کا شرف تمہیں ہی ملتا۔ میں ہمیشہ پر امید لہجے میں اسے کہتا ''میں چاہتا ہوں کہ اسلام میں جس انقلاب کو رونما ہونا ہے وہ تمہارے مبارک ہاتھوں سے انجام پذیر ہو۔ اس لیے کہ صرف تم ہی وہ شخصیت ہو جو اسلام کو زوال سے بچا سکتے ہو اور اس سلسلے میں سب کی امیدیں تم سے وابستہ ہیں۔ صفحہ 31

1۔ الفجر الصادق، صفحہ 17

میں نے محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ طے کیا کہ ہم دونوں بیٹھ کر علماء، مفسرین، پیشوایان دین و مذہب اور صحابہ کرام سے ہٹ کر نئے افکار کی بنیاد پر قرآن مجید پر گفتگو کریں گے۔ ہم قرآن پڑھتے اور آیات کے بارے میں اظہار خیال کرتے۔ میرا لائحہ عمل یہ تھا کہ میں کسی طرح اسے انگریز نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے دام میں پھنسا دوں۔ میں نے آہستہ آہستہ اس اونچی اڑان والے خود پرست انسان کو اپنی گفتگو کی لپیٹ میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے حقیقت سے سے کچھ زیادہ ہی آزاد خیال بننے کی کوشش کی''۔ صفحہ 32

قصہ مختصر آہستہ آہستہ میں محمد بن عبدالوہاب کے بدن سے ایمان کا لبادہ اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ صفحہ 32

اس دن کے بعد سے میرا مقصد محمد بن عبدالوہاب کو رہبری اور پیشوائی کی فکر دینا ہو گیا مجھے اس کے قلب و روح میں اتر کر شیعہ، سنی فرقوں کے علاوہ اسلام میں ایک تیسرے فرقے کی سربراہی کی پیش کش کو اس کے لیے قابل عمل بنانا تھا۔ صفحہ 36

میں اس کوشش میں تھا کہ جس پودے کو سینچنے میں میں نے اپنی جوانی کے دن صرف کیے ہیں اب جتنی جلد ممکن ہو سکے اس کے پھلوں سے استفادہ کروں۔ صفحہ 36

اس کے بعد ہمفرے واپس چلا جاتا ہے اور لندن میں حکومت برطانیہ کو اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرتا ہے۔ حکومت اس کی کارگزاری پر اطمینان کا اظہار کرتی ہے اور ہمفرے کو تاکید کرتی ہے کہ'' محمد بن عبدالوہاب پر تسلط نوآبادیاتی وزارت کا سب سے اہم مسئلہ ہے، وزارت نے بڑی شدت سے تاکید کی کہ میں محمد بن عبدالوہاب کو ایک منظم منصوبے کے تحت ان امور سے آگاہ کروں جنہیں آئندہ چل کر اسے ہمارے لیے انجام دینا ہے۔ صفحہ 47

اس کے بعد شیخ اصفہان جاتے ہیں دوسرے برطانوی جاسوس ہمفرے کی عدم موجودگی میں اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ عبدالکریم نامی شخص دو خواتین جاسوسوں کے ساتھ شیخ سے میل جول کا سلسلہ بڑھاتا ہے اور شیخ وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کی ایک عالم دین سے توقع نہیں کی جاسکتی لیکن یہ سب کچھ وہ جائز سمجھ کر کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ان سے کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس تعریف و توصیف اور ہمدردی کا مقصد عالم اسلام میں منافرت کا بیج بونا ہے۔ بہرحال ہمفرے لکھتا ہے'' اس کے بعد سیکرٹری نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا تمہیں محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں گفتگو کرنی ہے کیونکہ ہمارے عمال اصفہان میں اس سے بڑی صراحت کے ساتھ پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں اور وہ ان باتوں کو مان چکا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اسے عثمانی حکومت کے مقامی علماء اور متعصب لوگوں کے ہاتھوں آنے والے خطرات سے بچایا جائے اور اس کی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام کیا جائے۔ کیونکہ اس کی دعوت کے ظاہر ہوتے ہی ہر طرف سے اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور خطرناک صورتوں میں اس پر حملے کیے جائیں گے۔ صفحہ 72

حکومت برطانیہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اسلحے سے اچھی طرح لیس کرنے کے بعد ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کی تائید بھی کی تھی اور شیخ کی مرضی کے مطابق جزیرۃ العرب میں واقع نجد کے قریب علاقے کو اس کی حاکیت کا پہلا مقام

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ابن تیمیہ

قرار دیا تھا۔ صفحہ 73

شیخ کی موافقت کی خبر سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں نے سیکرٹری سے صرف یہ سوال کیا کہ میری آئندہ کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟ مجھے اس کے بعد کیا کرنا ہوگا اور شیخ سے کس قسم کا کام لینا ہوگا۔ نیز یہ کہ میں اپنے فرائض کا کہاں سے آغاز کروں؟

سیکریٹری نے جواب دیا: نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے تمہارے فرائض کو بڑی وضاحت سے متعین کیا ہے اور ان امور کی نگرانی ہے جنہیں شیخ کو تدریجاً انجام دینا ہے: وہ یہ ہیں۔

1. اس کے مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے مال، عزت اور آبرو کی بربادی کو روا سمجھنا۔ اس ضمن میں گرفتار کیے جانے والے مخالفین کو بردہ فروشی کی مارکیٹ میں غلام و کنیز کی حیثیت سے بیچنا۔
2. بت پرستی کے بہانے بصورت امکان خانہ کعبہ کا انہدام اور مسلمانوں کو فریضۂ حج سے روکنا اور حاجیوں کے جان و مال کی غارت گری پر قبائل عرب کو اکسانا۔
3. عرب قبائل کو عثمانی خلیفہ کے احکامات سے سرتابی کی ترغیب دینا اور ناخوش لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنا۔ اس کام کے لیے ایک ہتھیار بند فوج کی تشکیل، اشراف حجاز کے احترام اور اثر و نفوذ کو توڑنے کے لیے انہیں ہر ممکن طریقے سے پریشانیوں میں مبتلا کرنا۔
4. پیغمبر اسلام ﷺ، ان کے جانشینوں اور کلی طور پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں کی اہانت کا سہارا لے کر اور اسی طرح شرک و بت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔
5. جہاں تک ممکن ہو اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد، شورش اور بدامنی پھیلانا۔
6. قرآن میں کمی بیشی پر شاہد احادیث و روایات کی رو سے ایک جدید قرآن کی نشر و اشاعت۔ صفحہ 73

یہ ہدایات لے کر ہمفرے ایک بار پھر اسلامی ممالک کا رخ کرتا ہے۔ نجد میں وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے ملتا ہے اور اپنے مشن کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ ہمفرے کہتا ہے۔

''یہاں یہ بات بتانا بھی ضروری ہوگا کہ اس مقام پر شیخ کی دعوت کا سامان فراہم کرنے میں ہمیں دو سال کا عرصہ لگا۔ 1143ھ کے اواسط میں محمد بن عبدالوہاب نے جزیرۃ العرب میں اپنے نئے دین کے اعلان کا حتمی ارادہ کیا اور اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا جو اس کے ہم خیال تھے اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر چکے تھے۔ ابتداء میں صرف اپنے خاص اصحاب اور مریدوں کے دائرہ میں چند مبہم اور غیر واضح الفاظ میں بڑے اختصار کے ساتھ اس دعوت کا آغاز ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد نجد کے ہر طبقہ کے افراد کو بڑے پیمانے پر دعوت نامے بھیجے گئے۔ آہستہ آہستہ ہم نے پیسہ کے زور پر شیخ کے افکار کی حمایت میں ایک بڑا مجمع اکٹھا کیا اور انہیں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی تلقین کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جزیرۃ العرب میں شیخ محمد

بن عبدالوہاب کی دعوت کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخالفوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ صفحہ 75

ہمارے کامیاب پروگراموں میں ایک پروگرام شیخ محمد بن عبدالوہاب کے دشمنوں کو پیسے کے ذریعے توڑنا تھا۔ ہمارے یہ تنخواہ دار اب مخالفین کی صفوں میں رہ کر ہمارے لیے جاسوسی کرتے تھے اور ان کے ارادوں سے ہمیں آگاہ رکھتے تھے۔ صفحہ 76

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے برسوں کے بعد جب چھ نکاتی پروگرام کی کامیابی کی پوری منزلیں طے کر چکا تو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے ارادہ کیا کہ اب سیاسی اعتبار سے بھی جزیرۃ العرب میں کوئی کام ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے اعمال میں سے محمد بن سعود کو محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ اشتراک عمل پر مامور کیا اور اس کام کے لیے محمد بن عبدالوہاب کے پاس خفیہ طور پر ایک نمائندہ بھیجا تاکہ اس کے سامنے حکومت برطانیہ کے مقاصد کی توضیح کرے۔ صفحہ 76

اس وقت ہم ان کے ساتھ دوستی کی معراج پر ہیں۔ مرکزی حکومت تمام جزیرۃ العرب میں اپنا اثر ونفوذ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما نہ ہوا تو بہت جلد اسلامی سرزمینوں پر بکھرے ہوئے یہ بیج تناور درختوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ہمیں ان سے اپنے مطلوبہ پھل حاصل ہوں گے۔ صفحہ 77

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کہانی خاصی دلچسپ ہے۔ اختصار کے لیے ہم نے صرف چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اگر کوئی شخص تفصیل کا شائق ہو تو اسے "ہمفرے کے اعترافات" نامی کتاب پڑھنی چاہیے جو اب اردو میں بھی چھپ چکی ہے۔ پہلے پہل یہ اعترافات جرمنوں نے قسط وار مضامین کی صورت میں شائع کیے۔ پھر فرانس کے اخبار میں چھپے اور آخر ایک لبنانی ڈاکٹر نے اس کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے اہل اسلام تک پہنچایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک جعلی کتاب ہے۔ بالفرض یہ جعلی ہو تو بھی اس کو پڑھ کر شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جو تصویر بنتی ہے وہ اس تصویر سے مختلف نہیں جو ان کے ہم عصر اہل السنت والجماعت کی تحریروں کو پڑھ کر سامنے آئی ہے۔ اب ہم شیخ محمد کے افکار و نظریات کو بیان کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ علمائے اسلام کی تحریروں کی روشنی میں اس کے افکار کا رد بھی کرتے ہیں۔

(ا) محمد بن عبدالوہاب کے نزدیک پورا عالم اسلام شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو چکا تھا اور کوئی ایک انسان بھی توحید خالص پر قائم نہیں تھا۔ صدیوں بعد پہلی مرتبہ محمد بن عبدالوہاب نے توحید خالص کی دعوت دی سو جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا صرف وہی مسلمان ٹھہرے اور جنہوں نے اس دعوت کو رد کیا انہوں نے اسلام کا انکار کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جو شخص ابن عبدالوہاب کی دعوت کو قبول کرتا اسے اس بات کا اقرار کرنا پڑتا تھا کہ وہ پہلے مشرک تھا۔ اب اسلام قبول کیا۔ اگر کوئی شخص اس دعوت کو قبول کرنے سے پہلے حج بیت اللہ کر چکا ہوتا تو اس کے لیے لازم تھا کہ دوبارہ حج کرے کیونکہ ابن عبدالوہاب کے نظریہ کے مطابق اس کا پہلا حج حالت شرک میں ہوا اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ شیخ کے متعلق لکھنے والے تمام لوگوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ شیخ جملہ مسلمانوں کو صدیوں سے مشرک خیال کرتا تھا اور اس کی دعوت کو قبول کرنے والے پر لازم تھا کہ وہ صدیوں پہلے اکابر مسلمانوں کو مشرک قرار دے ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ شیخ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، ولید اور اس دور کے دوسرے مشرکین جن سے حضور ﷺ نے جنگ کی، ان سے کہیں زیادہ اپنے دور کے مسلمانوں کو شرک

میں مبتلا خیال کرتا تھا اور ان کے جان و مال کو ہدر یقین کرتا تھا۔ مثلاً شیخ اپنی کتاب کشف الشبہات میں لکھتے ہیں:

''جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہی وہ چیز ہے جس کو ہمارے دور کے مشرک ''اعتقاد'' کہتے ہیں۔ یہی وہ شرک ہے جس کے متعلق قرآن کریم نازل ہوا۔ اسی پر رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے جہاد کیا۔ اب آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے دور کے لوگوں کا شرک ہمارے دور کے مشرکین کے شرک سے دو وجوہ میں ہلکا ہے۔(1)

اسی کتاب کے صفحہ 33 پر شیخ لکھتے ہیں:

''جب یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ جن لوگوں سے رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تھی وہ آج کے مشرکوں سے شرک میں کم اور ان سے زیادہ عقل مند تھے''۔

شیخ کا ایک پیرو اپنے نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بل كثير من مبتدعة هذه الامة اعظم غلوا واعتقاداً فى ولائجهم من المشركين الاولين لان الله سبحانه اخبر عن المشركين الموجودين حين نزل القرآن انهم يخلصون لله الدعاء فى حال الشدة وهنسون الهتهم۔(2)

بلکہ اس امت کے بہت سارے بدعتی پہلے مشرکین سے زیادہ انتہا پسند اور اپنے افکار و نظریات میں غلو کرنے والے ہیں کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو مشرک لوگ موجود تھے وہ سختی اور شدت کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور اپنے جھوٹے خداؤں کو بھول جاتے تھے''۔

وكثير منها بمنزلة اللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى بل اعظم شركا عندها وبها والله المستعان(3)

''ان میں سے بہت سے لات، عزیٰ اور تیسرے بت منات کی جگہ ہیں۔ بلکہ ان (روضۂ رسول اور مزارات صالحین) کے ہاں اور ان کے ذریعے پہلے مشرکوں سے کہیں زیادہ شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے''۔

وانما كانوا يفعلون عندها وبها ما يفعله اخوانهم من المشركين اليوم عندطوا غيتهم(4)

''مشرکین عہد جاہلیت اپنے بتوں کے پاس اور ان کے ذریعے ایسے ہی شرک کا ارتکاب کرتے تھے جیسے شرک کا ارتکاب آج کے مشرک ان کے بھائی اپنے طاغوتوں (روضۂ رسول، مزارت صحابہ، اہل بیت و اولیاء) کے پاس کرتے ہیں''۔

اسی کتاب کے صفحہ 67 پر ابن عربی کی تکفیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من شك فى كفر طائفة ابن عربى فهو كافر

''جس نے ابن عربی کے گروہ کے کفر میں شک کیا وہ کافر ہے''۔

1۔ صفحہ 31، ترجمہ و تفہیم: عطاء اللہ ثاقب

2۔ عقیدۃ الموحدین۔ الشیخ عبداللہ سوری الغامدی العبدی صفحہ 21

3۔ عقیدۃ الموحدین صفحہ 30

4۔ ایضاً صفحہ 30

حالانکہ تمام اہل علم سلف صالحین اور شاید ابن تیمیہ بھی ابن عربی کو کافر نہیں کہتے اگر چہ ان کے نظریات سے اختلاف کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں پورا عالم اسلام کافر ہے کیونکہ وہ ابن عربی کی تکفیر کا قائل نہیں۔

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے مقلدین کے نزدیک صرف وہی مسلمان ہے باقی سب لوگ کافر ہیں اور شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں بلکہ ابوجہل اور ابولہب سے بھی بدتر ہیں۔

علامہ جمیل عراقی شیخ کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكان يسمي جماعته من اهل بلده الانصار ويسمى متابعيه من الخارج المهاجرين وكان يامر من حج حجة الاسلام قبل اتباعه ان يحج ثانية قائلا ان حجتك الاولى غير مقبولة لانك حججتها وانت مشرك و يقول لمن اراد ان يدخل في دينه اشهد على نفسك انت كنت كافراً واشهد على والديك انهما ماتا كافرين واشهد على فلان و فلان ويسمى له جماعة ان اكابر العلماء والصالحين انهم كانوا كفاراً فان شهد بذالك قبله و الا امر بقتله وكان يصرح بتكفير الامة منذ ستمائة سنة ويكفر كل من لايتبعه وان كان من اتقى المسلمين يسميهم مشركين ويستحل دماء هم واموالهم(1)

''شیخ محمد بن عبدالوہاب اپنے شہر میں قیام پذیر اپنی جماعت کے لوگوں کو انصار اور باہر سے آکر اتباع کرنے والوں کو مہاجرین کہتا تھا۔ ان اتباع کرنے والوں میں سے اگر کوئی شخص فریضہ حج ادا کر چکا ہوتا تو شیخ اسے دوبارہ حج ادا کرنے کا حکم دیتا اور کہتا کہ تمہارا پہلا حج قبول نہیں ہوا کیونکہ وہ حج تم نے حالت شرک میں کیا ہے۔ جب کوئی شخص اس کے گروہ میں شامل ہونا چاہتا تو شیخ محمد عبدالوہاب اس سے اس بات کا اقرار کراتا کہ وہ پہلے مشرک تھا۔ اس کے والدین حالت کفر پر مرے۔ وہ اس سے یہ بھی کہتا کہ گواہی دے فلاں فلاں لوگ کافر ہیں۔ بڑے بڑے بزرگان دین جو گزر چکے ہوتے ان کے نام لیتا اور اس سے ان کے کفر کی گواہی لیتا۔ اگر کوئی شخص گواہی دے دیتا تو وہ اس کی جماعت میں شریک ہو جاتا لیکن جو انکار کرتا اس کو قتل کر دیا جاتا۔ محمد بن عبدالوہاب چھ صدیوں سے پوری امت کو کافر کہتا تھا۔ اپنے مقلدین کے علاوہ باقی سب مسلمانوں کو مشرک کہتا ان کے خون بہانے اور ان کے مال غصب کرنے کو حلال بتاتا تھا''۔

امام اہل السنت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید میں فرماتے ہیں:

''غیر مقلدین ائمہ دین کی تقلید کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) کی تقلید شریعت سے انحراف، ائمہ کرام کی حیثیت راہبان اور احبار کی سی ہے۔ تمام مسلمان کافر اور مشرک ہیں۔ قرآن و حدیث کو ہر آدمی سمجھتا ہے۔ ائمہ کرام کے ارشادات کو پرکھ کر اپنی رائے قائم کر سکتا ہے۔ الغرض ان کے عقائد باطلہ کا یہ عالم ہے کہ صرف وہی چند لوگ موحد مسلمان ہیں باقی تمام اہل اسلام کافر و مشرک ہیں۔ اسی لیے انہوں نے حرمین شریفین یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو دار الحرب قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہروں کے باسیوں کو کافر و مشرک کہا۔ جہاد کے نام

1۔ الفجر الصادق: صفحہ 17-18

سے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور شیطان مردود کے پرچم کو بلند کیا''۔

حضرت امام محمد بن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

كما وقع في زماننا في اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين و كانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هو المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذالک قتل اهل السنة وقتل علماء هم حتى كسر الله تعالى شوكتهم و خرب بلادهم وظفربهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين وما ئتين والف(1)

''جیسے ہمارے زمانے میں محمد بن عبدالوہاب کے پیروجنہوں نے نجد سے دولت عثمانیہ کے خلاف خروج کیا ہے اور حرمین شریفین پر قبضہ کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن نظریہ یہ رکھتے ہیں کہ جو شخص ان کے نظریات کی مخالفت کرتا ہے مشرک ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اہل السنۃ کے عام افراد اور علماء کو قتل کرنا حلال خیال کرتے ہیں۔ (انہوں نے حجاز مقدس کے رہنے والوں پر بڑے مظالم ڈھائے ہیں) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی، ان کے زیر اقتدار علاقے تباہ و برباد ہوئے اور 1233ھ میں مسلمان فوجوں نے ان پر فتح حاصل کر لی''۔

الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اپنے علاوہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو مشرک یقین کرتے ہیں۔

اس نظریہ کی تردید

محمد بن عبدالوہاب کا یہ نظریہ کہ چھ صدیوں سے پورا عالم اسلام مشرک چلا آ رہا ہے اور صرف اس کے ماننے والے مسلمان ہیں غلط ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ یہ تمام لوگ اہل قبلہ ہیں اور کسی اہل قبلہ کو کافر کہنا روا نہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تكفروا احدا من اهل القبلة (ابوداؤد)

''اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کرو''۔

پھر یہ لوگ کسی ضرورت دینی کا انکار بھی نہیں کرتے اور جو کسی دینی ضرورت کا انکار نہیں کرتا وہ کافر نہیں ٹھہرتا کیونکہ دائرہ اسلام سے انسان صرف اس وقت خارج ہوتا ہے جب وہ اس چیز کا صراحتاً انکار کرے جس چیز کا اقرار کے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا جیسا کہ علمائے محققین لکھتے ہیں۔

لا يخرج الانسان من الاسلام الاجحود ما ادخله فيه

ائمہ کرام کی تقلید کو اگر وجہ شرک قرار دیں جیسا کہ وہابیوں کا نظریہ ہے تو وہابیوں کے ظہور سے دس صدیوں پہلے کے تمام مسلمان مشرک ہو جائیں گے کیونکہ تقلید تو دو صدیوں بعد شروع ہو گئی تھی جیسا کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

1۔ جلد سوم، کتاب الجہاد، باب البغاۃ، صفحہ 339، ناشر مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

بعد المائتین ظهر بینهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم فقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه۔

''دوصدیاں گزرنے کے بعد مسلمانوں میں تقلید شخصی شروع ہوئی اور کوئی کم ہی رہا جس نے کسی امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کیا ہو''۔

وہابیوں کے نظریہ کے مطابق دوصدیوں کے بعد محمد بن عبدالوہاب تک پورا عالم اسلام مشرک ٹھہرا۔نعوذ باللہ۔

اس نظریے کے غلط ہونے کی دوسری دلیل علماء نے یہ بیان کی ہے کہ حدیث کی رو سے امت مسلمہ من حیث المجموع کفر و شرک پر جمع نہیں ہوسکتی۔جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے:

من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین وانما انا قاسم واللّٰہ معطی ولا یزال امر هذه الامة مستقیما حتی تقوم الساعة۔

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فہم عطا فرما دیتا ہے اور یہ امت ہمیشہ صحیح دین پر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے''۔

جزیرۃ العرب کے بارے تو حضور ﷺ نے خصوصیت سے یہ خبر دی کہ وہ شرک میں مبتلا نہیں ہوں گے۔جیسا کہ بیہقی کی حدیث ہے:ان الشیطن قد یئس ان یعبد فی جزیر تکم هذه ولکن یطاع فیها تحتقرون من اعمالکم فقد رضی بذالک۔یعنی شیطان کو یہ امید نہیں رہی کہ اب تمہارے اس جزیرہ میں اس کی عبادت ہوگی۔ہاں ان اعمال میں اس کی اطاعت کرو گے جنہیں تم حقیر جانو گے اور وہ اس قدر کو غنیمت سمجھتا ہے''۔اسی طرح ابوداؤد شریف کی حدیث ہے: ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی جزیرة العرب ''بے شک شیطان ان سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب میں اس کی پرستش ہو''۔

ایک اور حدیث جسے امام احمد، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ان الشیطان قد یئس ان یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش بینهم۔بے شک شیطان اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ جزیرۃ العرب کے نمازی اس کی پرستش کریں ہاں وہ ان میں باہمی فساد پیدا کرنے کی لالچ رکھتا ہے''۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مسلمان کفر و شرک پر جمع نہیں ہوسکتے اور بالخصوص عرب کے لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوسکتے۔جبکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کا نظریہ یہ ہے کہ اس تحریک سے پہلے عرب و عجم کے لوگ مشرک اور بت پرستی پر جمع ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ دس صدیوں سے برابر جاری چلا آرہا تھا دنیا میں کوئی ایک بھی موحد موجود نہیں تھا نہ عجم میں اور نہ عرب میں حتیٰ کہ محمد ابن عبدالوہاب نے اس شرک اور بدعقیدگی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لوگوں کو دس صدیوں بعد پہلی مرتبہ صحیح اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی۔چونکہ یہ عقیدہ حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

شیخ کا دوسرا نظریہ

تقلید شخصی جائز نہیں اور ائمہ اربعہ کی حیثیت رہبان اور احبار کی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے کسی کی تقلید کی اس نے اس کو رب تسلیم کیا اور جس نے غیر اللہ کو رب تسلیم کیا وہ مشرک ٹھہرا۔

اس نظریہ کا بطلان

بلاشبہ اہل اسلام کے لیے قرآن وحدیث ہی حجت ہے۔ اگر کوئی حکم واضح طور پر قرآن وحدیث میں موجود ہے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس کو مانے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ قرآن کریم میں اجمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے قرآنی آیات کی تفسیر فرمائی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان، جن کی مادری زبان قرآن ہی کی زبان تھی قرآن کریم کی تفسیر حضور ﷺ سے اخذ کرتے تھے۔ پھر وصال نبوی کے بعد اصاغر نے اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے تفسیر قرآن کریم کو سیکھا حالانکہ وہ قرآن کی زبان بولتے تھے اور اسی زبان میں ادب کہتے اور لکھتے تھے۔ قرآن کریم کے بارے کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ حضور کے ارشادات عالیہ کو چھوڑ کر براہ راست استفادہ صحیح ہے۔ ہر ایک نے تفسیر نبوی پر اعتماد کیا۔ پھر تابعین نے صحابہ کی بیان کردہ تفسیر پر اعتماد کیا اور یہ سلسلہ بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا۔

حدیث پاک کی توضیح وتشریح کی بھی ضرورت محسوس کی گئی۔ حدیث کے بڑے بڑے علماء نے الفاظ حدیث کی شرح بیان کی۔ سند پر بحث ہوئی اور اس کے مقام کا تعین ہوا۔ صحیح وضعیف احادیث کی نشاندہی کی گئی۔ بظاہر متضاد احادیث کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی گئی۔ اس علم نے مستقل ایک فن کی حیثیت اختیار کی۔ بڑے بڑے علماء نے جو علم قرآن وحدیث پر دسترس کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے تقاضوں سے واقف تھے نے پیش آمدہ مسائل کے حل دریافت کیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دین کو سمجھنا آسان کر دیا۔ چونکہ یہ علماء علم وتقویٰ میں اپنے دور کے مسلمانوں سے بہت آگے تھے اور ان کو مسلمانوں کا مکمل اعتماد حاصل تھا اس لیے ان مسلمانوں نے جو خود براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال نہیں کر سکتے تھے ان کے استدلال پر اعتماد کیا اور ان کی کتابوں کو اپنے لیے حرز جاں بنایا۔ اسی چیز کا نام تقلید ٹھہرا۔ کسی مسلمان نے ان اماموں کے بارے بھی یہ عقیدہ نہیں رکھا کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں اور ان کا قول حجت ہے۔ ہاں وہ یہ بات ضرور کہتے ہیں کہ یہ لوگ ان سے زیادہ قرآن وحدیث کا فہم رکھتے ہیں لہٰذا قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے لیے ان کی سفارشات پر عمل کرنا بہتر ہے اور اس میں غلطی کا امکان براہ راست استدلال کی نسبت کم ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بہت سے لوگوں نے ان ائمہ کرام سے اختلاف کیا اور ان کی اصولی تقلید کے باوجود بہت سی فروعات میں اجتہاد کیا۔ کسی مسلمان نے ان اختلاف کرنے والے علماء پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کی بعض تحقیقات کو قبول کیا گیا۔ اسی وجہ سے اسلامی قانون کو جو وسعت نصیب ہوئی وہ کسی اور قانون کو حاصل نہ ہو سکی۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہابی عوام بھی مقلد ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ زبانی اس کو کفر وشرک کہتے ہیں اور براہ راست

قرآن وحدیث سے استدلال کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہابیوں میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر سکتے۔ عجم میں کم از کم اکثریت ناخواندہ لوگوں کی ہے۔ جو عربی زبان سے بالکل ناواقف ہیں ان میں اکثریت نے حدیث کی کتابیں دیکھی تک نہیں۔ وہ ائمہ اربعہ کی تقلید کے منکر لیکن عملاً اپنے محلے کی مسجد کے امام کے مقلد ہیں۔ وہابی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی پوری طرح تقلید کرتے ہیں اور شیخ کے قول کے مقابلے میں اگر کوئی آیت اور حدیث صحیح آ جائے تو بھی اس کی تاویل کر لیتے ہیں لیکن عقائد اور عبادات میں شیخ کی مکمل تقلید کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ تقلید شرک ہے کسی صورت صحیح نہیں ناخواندہ لوگوں نے جن کی بدقسمتی سے اسلامی معاشروں میں اکثریت ہے مقلد محض ہیں اگرچہ زبانی کلامی تقلید کا انکار کرتے ہیں۔

ائمہ اسلام نے تقلید کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی تصریحات کو بیان کیا جائے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ ہر شخص کا مجتہد ہونا ناممکن ہے۔ اجتہاد علماء کا کام ہے عوام کا نہیں۔ عوام کے لیے تقلید نہ صرف ضروری ہے بلکہ عوام کی مجبوری ہے کیونکہ وہ خود قرآن وحدیث سے استدلال کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ہر شخص کو اجتہاد اور براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کی اجازت دینا ایسے ہی ہے جیسے تمام لوگوں کو کہہ دیا جائے کہ وہ میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر اپنا علاج خود کریں انہیں کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جانے اور اس کی بات ماننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مخالفت صاحب مذہب خود کردن ہیچکس روانہ باشد (کیمیائے سعادت)

”کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مذہب کے امام کی مخالفت کرے“۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اهل السنة قد افترقت بعد القرون الثلاثة او الاربعة علی اربعة مذاهب ولم يبقی فی الفروع سوی هذه المذاهب الاربعة

”اہل سنت تین چار صدیوں کے بعد ان چار مذاہب میں منقسم ہو گئے اور فروع میں ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب نہ رہا“۔

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

مخالفة للمقلد متفق علی كونه منكراً بين المحصلين

”تمام بڑے بڑے علماء کا اجماع ہے کہ مقلد کا اپنے امام مذہب کی مخالفت کرنا بڑا گناہ ہے اور انکار کا موجب ہے“۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

علماء الفريقين لم يجوزوا ان ياخذ العاصي الحنفي الا بمذهب ابی حنيفة والعامي الشفعوی

1۔ مکتبہ جمال کرم، دربار مارکیٹ لاہور نے یہ رسالہ ”غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناروا ہے“ کے نام سے دوبارہ شائع کیا ہے۔ تدوین جدید راقم الحروف نے کی ہے۔ دیکھیے تفصیل کے لیے صفحات 6-7-8

الابمذهب الشافعي۔

''دونوں فریق (حنفی اور شافعی) کے علماء اس چیز کو جائز نہیں سمجھتے کہ ایک عام حنفی امام ابوحنیفہ کی یا عام شافعی حضرت امام شافعی کے سواء کسی دوسرے مذہب پر عمل کرے''۔

کیونکہ جیسے میں نے پہلے عرض کیا عوام میں یہ استعداد ہی نہیں کہ وہ براہ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کریں اور مسائل کا حل پیش کریں۔ اگر ہر شخص قرآن وحدیث سے بغیر کسی استاد کے استفادہ اور وہ بھی کما حقہ کرسکتا ہے تو تفسیر اور شروح حدیث کی ضرورت ہی نہ آتی۔ عوام الناس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقلید کریں اور اسی میں ان کی نجات ہے اگر وہ آزاد چھوڑ دیئے جائیں تو ایسے ایسے نظریات سامنے آئیں گے کہ اسلام بچوں کا کھیل بن جائے گا اور زمین میں وہ فساد پیدا ہوگا کہ الامان والحفیظ۔ ہاں جو لوگ درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں یا انہیں اللہ تعالیٰ نے روحانیت کے اس مقام پر فائز کیا ہے کہ وہ اس چشمہ صافی کو عیاں دیکھ سکتے ہیں جہاں سے یہ خیر کے دھارے پھوٹے ہیں تو ان کے لیے تقلید ضروری نہیں جیسا کہ سید عبدالوہاب شعرانی جن کی کتابوں سے غیر مقلدین نے جگہ جگہ استناد کیا ہے اپنی مشہور کتاب المیز ان میں لکھتے ہیں۔

يجب على المقلد العمل بالارجح من القولين في مذهب مادام لم يصل الى معرفة هذه الميزان من طريق الذوق والكشف كما عليه عمل الناس في كل عصر بخلاف ما اذا وصل الى مقام الذوق ورأى جميع اقوال العلماء وبحور علولهم تنفجر من عين الشريعة الاولى مبتدى منها و تنتهي اليها فان مثل هكذا لا يؤمر بالتعبد بمذهب معين لشهوده تساوى المذاهب في الاخذ من عين الشريعة(1)

غیر مقلد پر واجب ہے کہ صرف اس بات پر عمل کرے جو اس کے مذہب میں رائج ہے۔ ہر زمانے میں علماء کا اسی پر عمل رہا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا ولی جو ذوق ومعرفت کے ذریعے اس مقام کشف تک پہنچ جائے کہ شریعت مطہرہ کا پہلا چشمہ جس سے یہ چاروں دریا نکل رہے ہیں اسے نظر آنے لگے۔ وہاں پہنچ کر وہ علماء کے تمام اقوال کا مشاہدہ کرے گا کیونکہ یہ دریا اس چشمے سے نکلتے ہیں اور پھر اسی میں آکر گرتے ہیں۔ ایسے شخص پر تقلید شخصی لازم نہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ سب مذاہب اسی پہلے چشمہ سے یکساں فیض یاب ہیں''۔

اس گفتگو سے ثابت ہوا کہ جو آدمی مقام اجتہاد پر فائز نہیں اور نہ ہی صاحب کشف ہے اس کے لیے کسی نہ کسی امام کی تقلید ضروری ہے کیونکہ اس سے غلطی سے بچنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

اگر شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریہ کو قبول کیا جائے تو اسلام دو صدیوں بعد سے لٹ چکا ہے اور دنیا میں ایک شخص بھی مؤمن صادق موجود نہیں رہا تھی کہ محمد بن عبدالوہاب کا ظہور ہوا۔ نعوذ باللہ من ذالک

1۔ یہ عبارت المیز ان الکبری الشعرانیہ کے مقدمہ کی تلخیص ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔ تقلید شخصی کی ضرورت اور اہمیت پر شیخ عبدالوہاب شعرانی نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

مسئلہ شفاعت

مسئلہ شفاعت میں بھی محمد بن عبدالوہاب نے دنیائے اسلام سے بالکل مختلف نظریہ پیش کیا۔ اگر اس مسئلہ کے بارے میں ان کی تحریروں کو پڑھا جائے تو تقریباً تقریباً وہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ شیخ کی ایک عبارت ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔ جس سے شفاعت کے بارے ان کا نقطہ نظر واضح ہو جائے گا۔ شیخ اپنی کتاب کشف الشبہات میں لکھتے ہیں:

فان قال اتنکر شفاعة رسول الله ﷺ وتبرأ منها فقل لا انکرها ولا اتبرأ منها بل هو ﷺ الشافع المشفع وارجو شفاعته ولكن الشفاعة كلها لله كما قال تعالى قل لله الشفاعة جمعيا. ولا تكون الا من بعد اذن الله كما قال عزوجل، من ذاالذی يشفع عنده الا باذنه ولا يشفع النبی فی احد الا من بعد ان ياذن الله فيه كما قال عزوجل ولا يشفعون الا لمن ارتضى، وهو لايرضى الا التوحيد كما قال تعالى ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه، فاذا كانت الشفاعة كلها لله ولا تكون الا بعد اذنه ولا يشفع النبی ﷺ ولا غيره فی احد حتی باذن الله فيه ولا ياذن الله الا لاهل التوحيد، تبين لک ان الشفاعة كلها لله واطلبها منه واقول: اللهم لا تحرمنی شفاعته اللهم شفعه فی وامثال هذا.

فان قال النبی اعطى الشفاعة وانا اطلبه مما اعطاه الله، فالجواب ان الله اعطاه الشفاعة ونهاک عن هذا افقال فلا تدعوا مع الله احدا(1)

''اگر وہ کہے کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا انکار اور اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو؟ تو اس سے کہو کہ ہم شفاعت کے منکر نہیں اور نہ ہی اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ شافع اور مشفع ہیں اور ہم ان کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ لیکن شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کہہ دو کہ شفاعت تو سب خدا ہی کے اختیار میں ہے''۔ اور یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی ہوگی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی) کی شفارش کر سکے''۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر رسول اللہ ﷺ بھی کسی کی شفارش نہیں کریں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو''۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ صرف توحید کو پسند کرتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا''۔

جب شفاعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اللہ ہی کی اجازت کے بعد ہوگی اور رسول اللہ ﷺ اور کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکے گا اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل توحید کے لیے اجازت دے گا تو اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ شفاعت سب کی سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے یوں سوال کرتا ہوں اور

1۔ کشف الشبہات، صفحہ 97

کہتا ہوں کہ اے اللہ مجھے پیارے رسول ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ کرنا۔ اے اللہ! رسول مکرم ﷺ کو میرے متعلق شفاعت کی اجازت فرمانا۔

اگر وہ یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اذن شفاعت دے دیا گیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے مانگتا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو شفاعت عطا فرمادی ہے لیکن تم کو آپ سے شفاعت طلب کرنے سے روک دیا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو''۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حضور ﷺ سے یا کسی اور برگزیدہ شخصیت سے شفاعت کے لیے کہنا شرک ہے۔ کیونکہ طلب شفاعت عبادت ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طلب شفاعت سے منع فرمادیا ہے۔

اس نظریے کا رد

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ طلب شفاعت عبادت نہیں حضور ﷺ اور بزرگان دین سے یہ التجا کی جاسکتی ہے کہ وہ ہماری بارگاہ خداوندی میں سفارش کریں۔ یہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

''اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر وہ لوگ، جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آجاتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور رسول اللہ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو ضرور بضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا پاتے''۔

اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کی رہنمائی فرمادی ہے کہ جب وہ خطا کر بیٹھیں تو رسول مکرم کے پاس آئیں۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری طلب شفاعت کے لیے ہی تو ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمان ومکان کی قیود سے پاک ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں گناہ گار التجا کرے گا اور شفاعت کے لیے کہے گا تو تبھی آپ بارگاہ ایزدی میں اس کے گناہ کی معافی کی درخواست فرمائیں گے۔ آپ کے عقیدہ کے مطابق تو حضور دل کی بات سے آگاہ نہیں ہوسکتے۔ تو طلب شفاعت کیے بغیر وہ اپنے گناہ گار امتی کے لیے دعا کیسے کریں گے۔ اب میں امام ابن کثیر کی تفسیر نقل کرتا ہوں کیونکہ امام ابن کثیر کے بارے میں شیخ حسن ظن رکھتے تھے۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **یقول تعالیٰ (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ) ای فرضت طاعته علی من ارسل الیهم وقوله (بِاِذْنِ اللّٰهِ) قال مجاهد: ای لا یطیع احد الا باذنی یعنی لا یطیعه الا من وفقته لذلک قوله (ولقد صدقکم الله وعده اذ تحسونهم باذنه) ای عن امره وقدرته و**

مشیته وتسلیطه ایاکم علیهم، وقوله (وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ) یرشد تعالیٰ العصاة والمذنبین اذا وقع منهم الخطاء والعصیان ان یاتوا الی الرسول ﷺ فیستغفروا الله عنده ویسالوه ان یستغفرلهم فانهم اذا فعلوا ذالک تاب الله علیهم ورحمهم وغفرلهم ولهذا قال (لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اور نہیں بھیجا ہم نے رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے) یعنی اس رسول کی اطاعت ان لوگوں پر فرض کر دیا گیا ہے جن کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے اذن سے) مجاہد (اس کے بارے) کہتے ہیں، یعنی کوئی شخص اطاعت نہیں کرتا مگر میرے اذن سے یعنی اس کی اطاعت صرف وہی شخص کرتا ہے جس کو میں اطاعت کی توفیق دیتا ہوں۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور تحقیق اللہ نے تم سے اپنا وعدہ پورا فرما دیا جب تم کافروں کو اللہ کے اذن سے قتل کر رہے تھے) یعنی اس کے حکم، اس کی قدرت، اس کی مشیت سے اور ان کافروں پر تمہیں تسلط عطا کرنے کی وجہ سے اور ارشاد باری تعالیٰ (اور اگر جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں گناہ گاروں اور خطا کاروں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ جب ان سے خطا اور اللہ کی نافرمانی ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگیں اور رسول مکرم ﷺ سے سوال کریں کہ وہ ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔ پس جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمائے گا، ان پر رحم کرے گا اور ان کو بخش دے گا۔ اسی لیے فرمایا (یقیناً وہ پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا)''۔

اس کے بعد امام ابن کثیر شیخ ابو منصور الصباغ کی کتاب الشامل سے حضرت عتبی کے حوالے سے یہ مشہور واقعہ نقل کرتے ہیں۔ وہ واقعہ میں امام ابن کثیر کی تفسیر سے من وعن نقل کرتا ہوں اور بعد میں اس کا اردو ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وقد ذکر جماعة منهم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابه الشامل الحکایة المشهورة عن العتبی قال: کنت جالسا عند قبر النبی ﷺ فجاء اعرابی فقال: السلام علیک یا رسول الله سمعت الله یقول (ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما) وقد جئتک مستغفرا لذنبی مستشفعا بک الی ربی ثم انشا یقول:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

ثم انصرف الاعرابی فغلبتنی عینی فرایت النبی ﷺ فی النوم فقال یاعتبی الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفرله۔

''ایک گروہ نے اس بات کو ذکر کیا ہے جس میں شیخ ابو منصور صباغ بھی ہیں شیخ اپنی کتاب الشامل میں حضرت عتبی کے حوالے سے یہ مشہور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نبی پاک ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا کہ ایسے میں ایک اعرابی آیا اور

عرض گزار رہوا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ پر سلام ہو میں نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا ہے (اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے آپ کے پاس حاضر ہوتے اور اللہ سے گناہ کی معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کی بخشش کے لیے دعا کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا پاتے) میں آپ کے پاس آیا ہوں اپنے گناہ کی معافی مانگتے ہوئے اور اپنے رب کے پاس آپ کی شفاعت طلب کرتے ہوئے پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

''اے ان تمام لوگوں سے افضل ہستی جن کے اجزاء زمین میں دفن ہوئے اور ان اجزاء کی خوشبو سے تمام زمینیں اور ٹیلے مشک بار ہو گئے۔ میری جان اس قبر پاک پر قربان جس میں آپ تشریف فرما ہیں۔ اس قبر انور میں وہ ہستی تشریف فرما ہے جو سراپا عفو و بخشش اور جود و کرم ہے''۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت کی آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: عتبی! فوراً اس اعرابی سے جا کر ملو اور اسے خوشخبری دو کہ اسے معاف کر دیا گیا ہے''۔

امام ابن کثیر کے یہ الفاظ خصوصیت غور طلب ہیں: ویسالوا ہ ان یستغفر لھم۔ اور وہ سوال کریں حضور ﷺ سے کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں، حضور ﷺ کی بارگاہ میں شفاعت طلب کریں۔ گویا امام ابن کثیر بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جانا اور طلب شفاعت کرنا اللہ کریم کا حکم اور رہنمائی ہے۔ اللہ کریم نے یہ حکم مطلق دیا ہے۔ ظاہری حیات اور بعد وصال کی کوئی قید نہیں لہٰذا اس کو حیات کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب تو ظاہری حیات میں بھی طلب شفاعت کے منکر ہیں جب کہ امام ابن کثیر جو امام ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں بعد از وصال بھی طلب شفاعت کے قائل ہیں جیسا کہ عتبی کے واقعہ کو نقل کر کے آپ نے تصریح فرما دی ہے۔ صرف ایک ہی واقعہ نہیں بے شمار اور واقعات بھی ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور ﷺ سے شفاعت طلب کی اور حضور ﷺ نے ان کی بارگاہ خداوندی میں سفارش فرمائی۔ بلکہ بعض روایات میں تو براہ راست حضور سے سوال کیا گیا۔ مثلاً مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوش ہو کر حضور ﷺ نے فرمایا۔ سَلْ، مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ حضرت ربیعہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔ اسئلک مرافقتک فی الجنة۔ ''میں سوال کرتا ہوں آپ سے اس بات کا کہ آپ کے ساتھ ہوں جنت میں''۔ جنت دینے والا اللہ ہے جس کو چاہے عطا کرے۔ لیکن ایک صحابی رسول عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی سنگت کا سوال کرتا ہوں۔ غیر اللہ سے مانگنا اور وہ بھی جنت مانگنا اگر شرک ہے تو ایک صحابی حضور کی بارگاہ میں (نعوذ باللہ) ارتکاب شرک کرتا ہے اور حضور جو توحید کی اشاعت کے لیے تشریف لائے تھے ان کو اس بات سے نہیں روکتے۔ دراصل شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جو نظریہ قائم کیا ہے قرآن کریم اور حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کو اذن شفاعت مل چکا ہے اور آپ اپنی ظاہری حیات میں جس طرح شفاعت فرماتے تھے بعد از وصال بھی شفاعت فرماتے ہیں اور قیامت کے روز بھی لوگ آپ کی شفاعت سے بہرہ ور ہوں گے۔

شفاعت کیا ہے؟ جب کسی مسلمان سے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی ہو جائے تو اس کے لیے کسی دوسرے موحد مسلمان

کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عفو گناہ کی درخواست اور التجا کرنا شفاعت کہلاتا ہے۔ کوئی کافر اور کوئی مسلمان کسی کافر کی شفاعت نہیں کر سکتا۔ کافر کی شفاعت کسی بھی شخص کے حق میں مردود ہے کیونکہ کافر خود اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کی کسی کافر کے حق میں سفارش بھی مردود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو اس بات کا اذن ہی نہیں دیا کہ وہ کسی کافر کی شفاعت کریں حتی کہ حضور ﷺ کو کافروں کی شفاعت سے روک دیا گیا۔ آپ اسی وجہ سے کافروں کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے کیونکہ نماز جنازہ میں میت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے اے اللہ ہمارے زندوں، مردوں، موجود، غائب، چھوٹے، بڑوں اور مردوں، عورتوں کی بخشش فرمانا۔

اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کو مسلمانوں کی شفاعت کا اذن دے دیا ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی شفاعت اب بھی کرتے ہیں اور قیامت کے روز بھی کریں گے۔ اس میں زندہ اور مردہ کی قید خود ساختہ ہے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ صدہا آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں کہ مسلمان کی مسلمان کے حق میں شفاعت مطلقاً جائز ہے اور اس میں زندہ کی قید لگانا عام کو بغیر کسی دلیل کے خاص کرنا ہے جو کسی صورت جائز نہیں ہے۔ امام ابن کثیر کی تصریح آپ نے پڑھی جس میں بعد از وصال شفاعت کا ذکر ہے اور اس شفاعت کے مقبول ہونے کا بیان بھی موجود ہے۔ چونکہ صرف یہی طائفہ شفاعت کا منکر ہے اس لیے صرف امام ابن کثیر جو ان کے نزدیک معتبر ہیں کی تفسیر پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ پورا عالم اسلام مطلقاً شفاعت کا قائل ہے۔

توسل

توسل کے بارے بھی محمد بن عبدالوہاب نے جمہور مسلمانوں سے الگ راہ اختیار کی اور توسل کو حرام اور ناجائز قرار دیا۔ جبکہ تمام اہل اسلام کا شروع سے آج تک اس بات پر اتفاق چلا آتا ہے کہ توسل جائز ہے اور بطور دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو''۔

لفظ وسیلہ کا مفہوم کیا ہے؟

لفظ وسیلہ کا معنی حاجت ہے جیسا کہ کسی شاعر کا شعر ہے۔

ان الرجال لهم اليک وسيلة ان ياخذوک تکحلی وتخضبی

قاضی بغدادی نے ابن الانباری کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وسیلہ کا یہی معنی نقل کیا ہے۔

وسیلہ کا ایک معنی قرب بھی ہے جیسا کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

واذا مررت بآية فی ذکرها وصف الوسيلة والنعيم المعجب

فاسئل الهک بالانابة مخلصا دلو الخلود سوال من يتضرع

اس کا تیسرا معنی جنت میں ایک درجہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے سلوا اللہ لی الوسیلة۔

توسل کا لفظ وسیلہ سے مشتق ہے اور اس کا معنی بھی وہی ہے جو وسیلہ کا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس سے مراد ذریعہ تقرب ہے اسی طرح تاج اللغہ میں ہے۔ التوسل نزدیکی جستن، قرب تلاش کرنا۔ لفظ توسل کبھی با سے متعدی ہوتا ہے اور کبھی الی سے۔ کہا جاتا ہے توسلت الی فلان، وتوسلت بہ۔

شرعی اصطلاح میں توسل کا مطلب ہے انبیاء، اولیاء کرام کی برکت ان کی عزت وحرمت اور خصوصی قرب کی برکت سے رب کریم سے اپنی ضروریات کا طلب کرنا اور اہل السنۃ کے نظریہ کے مطابق توسل جس طرح اعمال صالحہ کا جائز اور مشروع ہے اس طرح ذوات سے بھی توسل جائز ہے اور اس کے دلائل بہت زیادہ ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(ا) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فسقوا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرتے اور دعا کرتے وقت کہتے: اے اللہ ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں التجا کرتے تو تو ہمیں بارش سے سیراب کرتا تھا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں ہم پر بارش برسا۔ سو اس دعا سے اللہ تعالیٰ انہیں سیراب فرما دیتا"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ذوات کا وسیلہ بھی جائز ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کہتے ہیں کہ اعمال کا وسیلہ جائز ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ زندوں کا وسیلہ بھی جائز ہے لیکن جو لوگ فوت ہو گئے ان کا وسیلہ جائز نہیں بلکہ شرک اور بت پرستی ہے۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ حدیث میں زندوں کی تخصیص نہیں۔ اگر آپ اس بات پر مصر ہیں تو ہم اس پر بھی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ (البقرہ)

" اس سے پہلے وہ حضور کے وسیلہ سے کافروں کے مقابلے میں فتح و کامرانی کی دعا کرتے تھے اور جب آ گئی وہ چیز جس کو وہ جانتے تھے تو اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ کی پھٹکار ہے کافروں پر"۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

نزلت فی بنی قریظة کانوا یستفتحون عل الاوس والخزرج برسول ﷺ قبل مبعثه، قاله ابن عباس رضی اللہ تعالی عنه وقتادة والمعنی، یطلبون من اللہ تعالی ان ینصرھم به علی المشرکین کما روی السدی، انه کان اذا اشتد الحرب بینھم وبین المشرکین اخرجوا التوراة ووضعوا ایدیھم موضع ذکر النبی ﷺ وقالوا انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعث فی آخر الزمان ان تنصرنا علی عدونا الیوم فینصرون فالسین للطلب والفتح متضمن معنی النصر بواسطة علی (روح المعانی جلد اول صفحہ 320)

"یہ آیت کریمہ بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی جو بعثت سے پہلے حضور ﷺ کے وسیلہ سے اوس اور خزرج پر فتح حاصل کرنے کی التجا کرتے تھے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت قتادہ کا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے مشرکین کے مقابلے میں فتح یاب ہونے کی دعا کرتے تھے۔ جیسا کہ سدی نے روایت کیا ہے کہ جب ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ شدت اختیار کر جاتی تو وہ تورات کھولتے۔ اپنے ہاتھ اس مقام پر رکھتے جہاں نبی پاک ﷺ کا ذکر خیر ہوتا اور دعا کرتے ہم تیرے نبی جس کی بعثت کا آخری زمانہ میں تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کے وسیلہ سے تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آج ہمارے دشمن کے مقابلے میں ہمیں کامیابی عطا فرما۔ سو اس دعا کی برکت سے انہیں فتح سے ہمکنار کر دیا جاتا۔ (یستفتحون میں) سین طلب کے لیے ہے اور فتح مدد کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا صلہ علی ہے۔

یہی معنی دوسرے مفسرین نے بھی بیان کیا ہے مگر چونکہ امام آلوسی کے بارے شیخ محمد بن عبد الوہاب حسن اعتقاد رکھتے ہیں اس لیے انہیں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ بنی قریظہ کے لوگ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے۔ گویا آپ کی روحانیت سے توسل کرتے تھے اور آپ کی روحانیت میں بعد از وصال کچھ فرق نہیں آیا یہی وجہ ہے کہ امت بعد از وصال بھی آپ سے توسل کو جائز سمجھتی ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔

تو اس کے بارے گزارش ہے کہ قرآن کریم کا اس کو نقل کرنا اور اس کی نفی نہ کرنا اس بات پر دال ہے کہ قرآن نے اس حکم کو باقی رکھا ہے۔ جیسے

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ

"ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ..."۔

قصاص کا یہ قانون اب ہماری شریعت میں بھی موجود ہے حالانکہ قرآن کریم نے اسے حکایۃً بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے چونکہ تورات شریف کے اس قانون کی تصدیق کی پھر اس کی تنسیخ نہ کر کے اس کو باقی رکھا ہے تو اب یہ شریعت محمدیہ کا بھی قانون ہے اور اسی کے مطابق قاتل اور مختلف اعضاء کے اتلاف کے مرتکب کو سزا دی جاتی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے توسل سے دعا کرنا ہماری شریعت میں مشروع ہوا نہ کہ ممنوع۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی اس دنیا میں ظاہری موجودگی توسل کے لیے شرط نہیں۔ پھر عقائد میں تو تنسیخ ہے ہی نہیں۔ جب کسی چیز کی قرآن تصدیق کر دے گا تو اس پر عمل ضروری ہو جائے گا۔ توسل کا تعلق چونکہ عقائد سے ہے اور قرآن کریم نے اس کی تصدیق کی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ کفر یا شرک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم نے اس کو بیان کر کے اس کی تردید نہیں فرمائی بلکہ صرف بنو قریظہ کے کفر کی تردید فرمائی ہے۔ اگر یہ عقیدہ باطل ہوتا تو اس کی تردید بھی ضرور فرما دی جاتی۔

ایک اور حدیث جسے دارمی نے روایت کیا ہے بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

عن ابی الجوزاء قال قحط اھل المدینۃ قحطا شدیداً فشکوا الی عائشۃ فقالت انظروا قبر النبی ﷺ فاجعلوا منہ کوی الی السماء حتی لا یکون بینہ وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطراً حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق

"حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے لوگ سخت قحط کا شکار ہوئے۔ تو انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ نبی پاک ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرو اور اوپر سے حجرہ مبارک کی چھت کھول کر ایک روشن دان بناؤ حتیٰ کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا۔ سو خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ گھاس اگی اور اونٹ خوب موٹے ہوئے حتیٰ کہ چربی سے پھٹ گئے۔ چنانچہ اس سال کو عام الفتق (اونٹوں کے پھٹنے کا سال) کا نام دیا گیا"۔

دیکھیے بعد از وصال بھی حضور کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی گئی اور حجرہ پاک کی چھت کھول کر طلب توسل میں مبالغہ کیا گیا۔ صاحب مرقاۃ علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وقد قیل فی سبب کشف قبر النبی ﷺ ان السماء لما رأت قبرہ بکت وسال الوادی من بکائھا۔ قال تعالیٰ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ حکایۃ عن حال الکفار فیکون امرھا علی خلاف ذالک بالنسبۃ الی الابرار۔

نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کی چھت کھولنے کی وجہ یہ تھی کہ جب آسمان نے آپ کی قبر انور کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کے رونے کی وجہ سے وادیاں بہنے لگیں۔ رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں۔ (ان پر نہ تو آسمان رویا اور نہ زمین) اس آیت میں کافروں کی حالت کی حکایت بیان کی گئی ہے تو ابرار کے حوالے سے معاملہ بالکل مختلف ہوتا ہے ان کی قبر کو دیکھ کر آسمان اور زمین رو پڑتے ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ آپ کی ذات پاک سے توسل کرنے میں مبالغہ ہے۔ اس حدیث کی بناء پر علماء اسلام نے حضور ﷺ کی ذات پاک سے (بعد از وصال) توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ بعد از وصال حضور کے وسیلہ سے دعا کرنا شرک ہے قرآن وحدیث میں کھلی تحریف کے مترادف ہے۔

علماء اہل السنۃ توسل کے جواز میں ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک اور حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال ادع الی اللہ لی ان یعافینی فقال ان شئت اخرت لک وھو خیر وان شئت دعوت فقال ادعہ فامرہ ان یتوضؤ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعاء: اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ یتقضی اللھم فشفعہ فی قال ابو اسحق ھذا حدیث صحیح۔ وقال الترمذی ھکذا حسن صحیح۔

''عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: (یا رسول اللہ!) میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت عطا فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کو مؤخر کر دو اور یہ تاخیر تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کر دیتا ہوں۔ نابینے نے عرض کیا: حضور آپ میری بینائی کے لیے دعا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اچھی طرح وضو کرو پھر دو رکعت نماز (حاجت) پڑھو اور نماز کے بعد ان الفاظ میں دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں تیرے (محبوب) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو نبی رحمت ہیں وسیلہ لاتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تیرے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ ابو اسحاق یعنی ابن ماجہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے''۔

امام بیہقی اس روایت کو صحیح قرار دینے کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں: فقام و قد ابصر۔ یعنی وہ شخص دعا کر کے اٹھا تو اس کی بینائی آ چکی تھی۔

احادیث میں آپ کی ذات سے کیا آپ کے استعمال کی چیزوں سے توسل کے واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً مسلم کی روایت ہے جسے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمال شدہ جبے کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلایا جاتا تھا اور وہ صحت یاب ہو جاتے تھے۔

اس طرح بعد از وصال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک سے توسل حاصل کیا جاتا اور اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتیں جیسا کہ بخاری کی روایت سے ثابت ہے۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے شیخ محمد بن عبدالوہاب حسن ظن رکھتے ہیں اپنی تفسیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کو جائز فرماتے ہیں۔ وبعد ذالک لا اری باسافی التوسل الی اللہ بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاً و میتاً۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزت و جاہ سے وسیلہ حاصل کرنا زندگی میں اور بعد از حیات ظاہری میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔ چند سطور آگے چل کر اولیاء و صالحین کے توسل کو بھی جائز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: بقی ھھنا امران الاول ان التوسل بجاہ غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا باس بہ ایضاً ان کان المتوسل بجاھہ..... '' یہاں دو چیزیں باقی ہیں: ایک غیر نبی کو وسیلہ بنانا، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت ہو''۔

آخر میں امام سبکی کا قول پیش کیا جاتا ہے۔ امام سبکی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ویحسن التوسل والاستغاثۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ربہ ولم ینکرہ احد من السلف والخلف حتی جاء ابن تیمیۃ فانکر ذالک وابتدع مالم یقل عالم۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کرنا ایک اچھا عمل ہے۔ سلف و خلف میں سے کسی مسلمان نے اس کا انکار نہیں کیا حتیٰ کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے اس کا انکار کیا اور پہلی مرتبہ ایک ایسی بات کہی جو اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کہی تھی''۔

گویا ابن تیمیہ سے پہلے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع تھا کہ حضور کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ کو مدد کے لیے عرض کرنا جائز ہے۔ اس اجماع کے خلاف سب سے پہلے جس شخص نے جسارت کی وہ ابن تیمیہ ہیں۔ اولہ شریعہ میں ایک دلیل شرعی اجماع بھی ہے۔ لہٰذا ابن تیمیہ کا اور بعد میں محمد بن عبدالوہاب کا اس اجماع کی مخالفت کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

صالحین کی قبور کی حاضری اور ان سے توسل

شیخ محمد بن عبدالوہاب اولیاء وعلماء صالحین کی قبور کی حاضری اور ان سے توسل کو بھی حرام اور شرک بتاتے ہیں۔ حالانکہ عالم اسلام کا سوائے ابن تیمیہ کے اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ صالحین کی قبور کی طرف سفر کرنا اور ان کی قبور کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جائز ہے۔ یہاں میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح بیان کرتا ہوں۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں۔

وقد ذهب بعض العلماء الى الاستدلال بهذا الحديث اى حديث (لا تشدوا الرحال......) فى المنع فى الرحلة لزيارة المشاهد و قبور العلماء والصلحاء و مابين لى الامر كذلك بل الزيارة مامور بها۔ قال عليه الصلوٰة والسلام (كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها ولا تقولوا هجراً) والحديث انما ورد فى المساجد وليس فى معناها المشاهد لان المساجد بعد المساجد الثلاثة متماثلة ولا بلد الا وفيه مسجد فلا معنى للرحلة الى مسجد آخر واما المشاهد (المقابر) فلا تتساوى بل بركة زيارتها على قدر درجاتهم عند الله عزوجل: نعم، لو كان فى موضع لا مسجد فيه فله ان يشد الرحل الى موضع فيه مسجد و ينتقل اليه بالكلية ان شاء، ثم ليت شعرى، هل يمنع هكذا القائل من شد الرحال الى قبور الانبياء، مثل ابراهيم و موسىٰ و يحيىٰ على نبينا وعليهم الصلوٰة والسلام وغيرهم فالمنع من ذالك فى غاية الاحالة فاذا جوز هذا قبور العلماء والاولياء والصلحاء فى معناها فلا يبعد ان يكون ذلك من اغراض الرحلة كما ان زيارة العلماء فى الحياة من المقاصد۔

''بعض علماء حدیث (لا تشدوا الرحال......) سے استدلال کرتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ علماء اور صلحاء کی قبروں اور زیارت گاہوں کی زیارت کے لیے سفر ممنوع ہے۔ میرے نزدیک یہ نظریہ صحیح نہیں ہے بلکہ قبور کی زیارت مامور بہ عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا۔ خبردار! قبروں کی زیارت کیا کرو اور کوئی غلط بات نہ کہا کرو''۔ رہی وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ سوائے تین مساجد کے سفر کا اہتمام نہ کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف سفر کرنا صحیح ہے۔ چوتھی کوئی ایسی مسجد نہیں جس کی طرف سفر ثواب کا موجب ہو۔ کیونکہ ان تین مساجد کے علاوہ باقی تمام مساجد ایک جیسی ہیں۔ اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں مسجد موجود نہ ہو۔ لہٰذا کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کا کوئی مطلب نہیں۔ رہے علماء و صالحاء کے مقابر تو وہ درجہ میں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کی زیارت سے حاصل ہونے والی برکت اللہ کے ہاں ان کے درجات کے مطابق ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے شہر میں ہے جس میں کوئی مسجد نہیں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ کی طرف سفر کرے جس میں مسجد ہو اور اگر چاہے تو وہاں پر

منتقل ہو کر ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے۔ کاش مجھے اس کی وجہ معلوم ہو جائے کہ کچھ لوگ ابراہیم، موسیٰ، یحیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے روکتے ہیں۔ انبیاء کی قبور کی زیارت سے روکنا بہت بڑی جسارت ہے جب قبروں کی زیارت جائز ہے تو علماء، اولیاء اور صلحاء کی قبور کی طرف سفر کرنا بھی جائز ٹھہرا۔ کیونکہ اس سفر سے مقصود ان کی قبروں کی زیارت ہی تو ہے اور یہ اس طرح جائز ہے جس طرح زندگی میں علماء و صالحین کی زیارت جائز اور مستحسن امر ہے''۔

رہی یہ بات کہ صالحین کی قبروں سے توسل جائز ہے یا نہیں تو اس بارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

قبر موسیٰ الکاظم ترياق مجرب لاجابة الدعاء۔

''حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف دعا کی قبولیت کے لیے مجرب تریاق کا درجہ رکھتی ہے''۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

من يستمد به في حياته يستمد به بعد مماته

''جس شخص سے اس کی زندگی میں استمداد جائز رہا اس کی وفات کے بعد بھی اس سے استمداد جائز ہے''۔

تفسیر روح البیان میں حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ کے ذکر میں ارشاد ہے کہ

ان السجدة لادم على نبينا وعليه الصلوة والسلام وهو مقبور كالسجدة له وهو غير مقبور اذ الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء عند ربهم و كذا اكمل الاولياء قدس الله اسرارهم كما قال الصائب

مشو بمرگ ز امداد اهل دل نومید که خواب مردم آگاه عین بیداریست

والشيطان الرجيم غفل عن هذا فنكل عن قبول الحق الصريح. ومثله من ينكر اولياء او زيارة قبورهم والاستمداد منهم. نسئل الله العصمة و نعوذ بالله من الخذلان (روح البیان جلد دوم صفحہ 90)

''بے شک آدم علیہ السلام کو اس حالت میں سجدہ کہ وہ قبر میں مدفون تھے اسی طرح تھا جس طرح ان کی ذات کو سجدہ اس حالت میں کہ وہ مدفون نہیں تھے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور اسی طرح کامل ترین اولیاء کرام قدس اللہ اسرارہم جیسا کہ صائب نے کہا ہے:

''اہل دل کی امداد سے ان کے وصال کی وجہ سے ناامید نہ ہو کیونکہ مرد آگاہ کی نیند عین بیداری ہے''۔

شیطان مردود اس بات سے غافل تھا۔ سو اس نے واضح حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو اولیاء کرام۔ ان کی قبور کی زیارت اور ان سے مدد مانگنے کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بدعقیدگی سے بچائے۔ ایسی گمراہی سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ عبس میں تدفین کو جلانے پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتوجہ روح بزائرین مستأنسین و مستفیدین بہ سہولت میشود کہ بسبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ھم متعین است و

آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہا و تلاوت قرآن مجید چون دراں بقعہ کہ مدفن بدن او ست واقع شود بہ سہولت واقع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا روح را مکان ساختن است بنا بریں کہ از اولیای مدفونین و دیگر صلحای مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنھا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ھای سوختہ کہ ایں چیز ھا اصلا نسبت بانھا در اصل مذہب آنھا واقع نیست۔

(دفن کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ) زائرین جو صاحب مزار سے انس حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے حاضر ہوتے ہیں روح ان کی طرف آسانی سے متوجہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بدن کے مکان کی تعیین سے روح کا مکان بھی متعین ہو جاتا ہے اور اس دنیا کے آثار جیسے صدقات، فاتحہ اور تلاوت کلام مجید جب اس مقام پر جہاں انسان دفن ہوتا ہے واقع ہوتا ہے تو سہولت کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ پس جلانا گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لیے مکان کا تعین کرنا ہے۔ اس بنا پر کہ اولیاء جو دفن ہو چکے ہیں اور نیک ایماندار لوگ ان سے استفادہ اور حصول نفع کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس طرح (دفن سے) ان بزرگوں کا دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور ان کی مدد کرنا متصور ہوتا ہے۔ بخلاف جلے ہوئے مردہ کے کہ ان کے مذہب میں ایسی چیزوں کی کوئی اصل نہیں ہے''۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا تو یہ عقیدہ تھا کہ انبیاء و صالحین کی قبور مہبط انوار الٰہی ہوتے ہیں۔ اور ان کے زائرین کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری وقت آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روضۂ اقدس میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ میں یہ تمنا رکھتی تھی کہ خود یہاں دفن ہوں لیکن اب میں امیر المومنین کے لیے ایثار کرتی ہوں۔ ایثار اس چیز میں کیا جاتا ہے جو مرغوب اور مطلوب ہو۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ تمنا کرنا کہ انہیں قربت رسول میسر آئے توسل ہی تو ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد بھی افادہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیک لوگوں کا قرب فائدہ دیتا ہے۔ حضور ﷺ تو بعد از وصال پوری امت کو فائدہ پہنچا رہے ہیں اور اس بات سے کسی شخص کو انکار نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان اعمالکم تعرض علی فان وجدت خیرًا حمدت اللّٰہ تعالیٰ وان وجدت غیر ذالک استغفر اللّٰہ لکم۔

بے شک تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر میں بھلائی پاتا ہوں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر برائی پاتا ہوں تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی کی درخواست کرتا ہوں''۔

اب حضور ﷺ کی قبر انور کو لات، عزیٰ اور منات کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ کہنا کہ آپ کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ کی عطا کا انکار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اسی طرح صالحین کی قبور سے بھی زائرین کو فائدہ پہنچتا ہے اور ان کے توسل سے جو دعا کی جاتی ہے اللہ کریم اسے قبول فرماتا ہے ان کا فیضان مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

وبالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحونند باخبار وآثار کہ دلالت میکند بر وجود علم مرموتی را بدنیا واھل آن پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار ومنکر دین وگفتم من بخدا التوفیق: واما استمداد باھل قبور منکر شدہ آنرا بعض فقہاء۔ واگر انکار از جہت آن است کہ سماع وعلم نیست مرایشاں رابزائران واحوال ایشاں پس بطلان او ثابت شد، واگر بسبب آن است کہ قدرت نیست مرایشان را دراں موطن تامدد کنند بلکہ محبوس وممنوع اند ومشغولند بآنچہ عارض شدہ است مرایشان رااز محنت وشدت وآنچہ باز داشتہ شدہ است از دیگران کہ این کلیہ نمی ماند خصوصاً درشان تیقن کہ دوستان خدا اند کہ حاصل شود ارواح ایشان رااز قرب در برزخ ومنزلت و قدرت برشفاعت ودعا وطلب حاجات مرزائران راکہ متوسل باایشان اند چنانچہ درروز قیامت خواہد بود وچیست دلیل برنفی آن...... لیت شعری چہ می خواہند ایشان بامداد واستمداد کہ ایں فرقہ منکرند آنرا آنچہ مافی فہیم ازان این است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعامیکند خدارا وطلب میکند حاجت خود رااز جناب عزت وی ومیگوید خداوندا ببرکت این بندۂ مکرم ومقرب کہ رحمت کردۂ بروی واکرام کردۂ اورا بلطف وکرمی کہ بوی داری برآوردہ گردان حاجت مراکہ تو معطی، کریمی یاندامیکند ایں بندۂ مکرم ومقرب راکہ ای بندۂ خداوولی وی شفاعت کن مراو بخواہ از خدا کہ بدھد مسؤل ومطلوب راوقضا کند حاجت مراپس معطی ومسؤل و مأمول پروردگار است تعالیٰ وتقدس۔ ونیست این بندہ درمیان مگر وسیلہ ونیست قادر وفاعل ومتصرف در وجود مگر حق سبحانہ۔

"الغرض کتاب وسنت ایسی آیات، احادیث اور آثار سے بھرے پڑے ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ مردے دنیا اور دنیا والوں کے امور سے آگاہی رکھتے ہیں۔ پس اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو احادیث سے ناواقف ہے اور دین کا منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں کہتا ہوں: اہل قبور سے امداد طلب کرنا بعض فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے (جبکہ جمہور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ امام شافعی کا قول حضرت امام موسیٰ کاظم کے بارے گزر چکا ہے) بعض فقہاء کے اس انکار کی وجہ اگر یہ ہے کہ مردے زائرین اور ان کے حالات سے بے خبر ہیں اور ان کی آواز نہیں سنتے تو اس کا بطلان بالکل واضح ہے۔ اور اگر وہ اس کا انکار اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کو قبروں میں رہتے ہوئے اس بات کی طاقت اور قدرت نہیں کہ وہ زندہ لوگوں کی مدد کریں کیونکہ وہ قبروں میں قید اور محبوس ہیں اور زائرین کی آمد اور ان کی پکار سے غافل ہیں کیونکہ قبر کی سختی اور شدت ان کو کسی اور طرف متوجہ ہونے سے عارض ہے اور اس محنت وشدت نے انہیں دیگر لوگوں کی طرف متوجہ ہونے سے باز رکھا ہوا ہے تو یہ بات قرآن وحدیث کی رو سے غلط ہے۔ بالخصوص اولیاء اللہ کے بارے میں جن کے متعلق یہ یقین ہے کہ ان کی روحوں کو قرب خداوندی عالم برزخ میں بھی حاصل ہے۔ وہاں بھی ان کو وہ قدر ومنزلت حاصل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی شفاعت کر سکتے ہیں ان کے لیے دعا کر سکتے ہیں زائرین کے لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی حاجات کے لیے التجا کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز بھی وہ اپنے متوسلین کو فائدہ پہنچائیں گے اور اس کی نفی پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے...... تعجب ہے کہ یہ فرقہ تصرفات اولیاء اللہ کا منکر ہے۔ حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں اور جو میں سمجھا ہوں وہ کوئی ایسی چیز طلب نہیں کرتے کہ ممنوع ہو۔ پس ایک دعا کرنے والا، محتاج اور اللہ تعالیٰ کے در کا فقیر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو عزت وغنی کا مالک ہے کی جناب میں التجا کرتا ہے اور اس بندہ کی روحانیت کو وسیلہ لاتا ہے

جو بارگاہ ایزدی میں مکرم ومقرب ہے اور کہتا ہے۔ خداوندا! اپنے اس مکرم ومقرب بندے کی برکت کے صدقے کہ جس پر تو نے رحمت کی اور اسے عزت سے نوازا اور اس پر کرم کیا میری حاجت کو پورا فرما کہ تو ہی عطا کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے"۔

یا وہ زائر اللہ کریم کے اس بندۂ مکرم ومقرب سے التجا کرتا ہے کہ اے اللہ کے دوست میری حضور باری میں شفاعت کر اور اللہ تعالیٰ سے سوال کر کہ وہ مجھے میرا مسئول، مطلوب اور مقصود عطا کر دے اور میری حاجت کو پورا فرما دے۔ پس عطا کرنے والا، جس سے سوال کیا گیا اور جس سے امید باندھی گئی وہ پروردگار ہے۔ جو سب سے بڑا اور مقدس ہے اور اللہ کا یہ ولی اپنے مولا اور اس کے بندے کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہے اور دنیا میں قدرت رکھنے والا، فاعل حقیقی اور متصرف کوئی نہیں سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے"۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ زائر کا صاحب قبر کو پکارنا بھی غلط نہیں چہ جائیکہ وہ مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور ان سے دعا کی التجا کرنا اس عقیدہ کے ساتھ کہ متصرف، عطا کرنے والا صرف اللہ ہے اور بندۂ مومن قبولیت دعا کے لیے وسیلہ ہے تو یہ شرک نہیں۔ اسے شرک اور قبر پرستی کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔

یہاں اس چیز کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کے حوالے سے کہا ہے کہ وہ بھی توسل کے عدم جواز کے قائل تھے۔ جناب ابن تیمیہ کا یہ کہنا کیونکہ درست ہو سکتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ بارگاہ نبوی میں پیش کیا جس کے دو شعر درج ذیل ہیں آپ فرماتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری جدلی بجودک وارضنی برضاک
انا طامع بالجود منک لم یکن لابی حنیفة فی الانام سواک

"اے جن وانس میں سب سے زیادہ عزت والی ذات، اے کائنات کے خزانے! مجھے اپنی جود وسخا سے عطا فرمایئے اور مجھے اپنی رضا سے خوشنود فرما دیجئے۔

میں آپ کے جود وکرم کا خواہش مند ہوں۔ (اے اللہ کے محبوب!) ابوحنیفہ کا لوگوں میں تیرے سوا کوئی نہیں ہے"۔

اس سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا نظریہ سامنے آ جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے بغیر کسی ثبوت کے توسل کے عدم جواز کے نظریے کی امام صاحب کی طرف نسبت کی ہے۔

اسی طرح امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

یا رحمة للعالمین ادرک لزین العابدین
محبوس ایدی الظالمین فی موکب والمزدحم

"اے رحمۃ للعالمین! زین العابدین کا ہاتھ پکڑ لیجئے۔ جو ظالموں کے ہاتھوں قید ہے ایک جلوس اور اژدحام میں"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت امام شافی لکھتے ہیں: قال الامام شافعی رحمة الله علیه انی لا تبرک بابی حنیفة رحمة الله علیه واجیئ الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وسألت الله عند قبره فتقضی سریعاً (جلد اول، صفحہ 39)

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے مزار اقدس سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں۔ مجھے جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں اور آپ کی قبر کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری کر دی جاتی ہے''۔

ان دلائل کے باوجود توسل کو شرک کہنا محض تعصب ہے۔ العیاذ باللہ

اور بھی کئی مسائل ہیں جن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جمہور علماء و فقہاء سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن ان کا زیادہ تر زور انہیں مسائل پر رہا جن کو یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔ قارئین! بعض مسائل کی توضیح حواشی میں بھی موجود ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مزارات اولیاء کو مسمار کرنا

شیخ محمد بن عبدالوہاب نے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور علماء و صلحاء کے مزارات پر بنے ہوئے قبوں کو مسمار کرنے میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ عثمان بن بشیر نجدی متوفی 1288ھ لکھتے ہیں:

ثم ان الشیخ اراد ان یهدم قبة قبر زید بن خطاب رضی الله تعالیٰ عنه التی عند الجبیلة

(عنوان المجد فی تاریخ نجد، صفحہ 9)

''پھر شیخ نے حضرت زید بن خطاب (حضرت عمر فاروق کے بھائی) رضی اللہ عنہما پر بنے ہوئے قبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا جو جبیلہ نامی بستی کے قریب تھا''۔

عثمان بن بشیر اس کتاب میں (جلد اول صفحہ 98) پر لکھتے ہیں:

ودخل المسلمون الاحساء وجمیع مافیه من القباب التی بنیت علی القبور والمشاهد فلم یترکوا لها اثراً

''مسلمان (یعنی وہابی) احساء کے شہر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے وہ تمام قبے گرا دیئے جو قبروں پر بنے ہوئے تھے اور ان کا نام و نشان مٹا دیا''۔

اسی کتاب (جلد اول) کے صفحہ 132 پر عثمان بن بشیر لکھتے ہیں:

لم نزل مسعود علی الجامع المعروف قرب الزبیر فنهضت جمیع القباب والمشاهد التی خارج سرر البلد وصنعت علی القبور وقبة الحسن وقبة طلحه ولم یبقوا لها اثراً۔

پھر سعود جامع پر ٹوٹ پڑا جو قرب الزبیر کے نام سے معروف تھا۔ اور شہر سے باہر مزارات پر جتنے قبے اور روضے تھے تمام کو مسمار کر دیا۔ حضرت حسن اور حضرت طلحہ کی قبروں کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا''۔

عثمان بن بشیر جلد اول صفحہ 122-121 پر لکھتے ہیں۔

ثم دخلت السنة السادسة عشر بعد المائتين والالف، وفيها سار سعود بالجيوش المنصورة والخيل والعتاق من جمیع حاضر نجد و باديها والجنوب الحجاز و تهامة وغير ذالک وقعد ارض كربلا و نازل اهل بلد الحسين و ذالک فی ذی القعدة فحشد عليها المسلمون تسورو جد رانها ودخلوها عنوة وقتلوا غالب اهلها فی الاسواق والبيوت وهدموا بقبة الموضوعة بزعم من اعتقد فيها علی قبر الحسين۔

پھر 1216ھ میں وہابی فوجیں عراق میں داخل ہوئیں۔ سعود اس سال اپنے فتح مند لشکر، گھڑ سواروں اور نجد، اس کے دیہاتی علاقوں، جنوب میں واقع قبائل حجاز، تھامہ اور دوسرے علاقوں سے تعلق رکھنے والے مشہور لشکر کو ساتھ لیے ارض کربلا پہنچا اور حسین علیہ السلام کے شہر پر حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ ذی القعدہ کے مہینہ میں ہوا۔ مسلمانوں (وہابیوں) نے اس پر ہلہ بولا۔ دیواروں کو عبور کر کے زبردستی شہر میں داخل ہوئے اور شہر کی اکثر آبادی کو بازاروں اور گھروں میں قتل کر دیا۔ وہ قبہ بھی منہدم کر دیا جو وہاں کے رہنے والوں کے خیال کے مطابق امام حسین کی قبر پر بنایا گیا تھا''۔

مکہ مکرمہ پر تسلط کے بعد وہابیوں کی کارگزاری کے بارے عثمان بن بشیر لکھتے ہیں:

فلما فرغ سعود والمسلمون من الطواف والسعی فرق اهل النواحی يهدمون القباب التی بنيت علی القبور والمشاهد الشركية (عنوان المجد فی تاریخ نجد 1، صفحہ 123)

جب سعود اور مسلمان (وہابی) طواف اور سعی سے فارغ ہوئے تو اردگرد رہنے والے لوگ بکھر گئے اور ان تمام قبوں کو جو قبور اور مزارات پر بنائے گئے تھے اور جن کی وجہ سے شرک ہو رہا تھا ڈھا دیئے''۔

علامہ جمیل عراقی شیخ کی جنگی کارروائیوں کو بیان کرتے ہوئے جہاں دوسرے مظالم کا ذکر کرتے ہیں وہاں وہ ان کے مزاروں کو مسمار کرنے کی کوشش کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب الفجر الصادق کے صفحہ 21 پر لکھتے ہیں۔

ومن قبائح ابن عبدالوهاب..... ونبشه بقور الاولياء وقد امر فی الاحساء ان تجعل بعض قبورهم محلاً لقضاء الحاجة۔

''محمد بن عبدالوہاب کی کارستانیوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے اولیاء کرام کی قبروں کو کھولنے کا حکم دیا اور احساء میں یہ حکم جاری کیا کہ اولیاء کرام کی بعض مزارات پر بیت الخلاء بنا دیئے جائیں''۔

سردار محمد حسنی اپنی کتاب سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود (صفحہ 48) پر لکھتے ہیں: ''چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی۔ حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے''۔

مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ طیبہ کی بھی بے حرمتی کی گئی۔ مزارات مقدسہ کو گرا دیا گیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ مسعود عالم ندوی اپنی کتاب محمد بن عبدالوہاب (صفحہ 86) میں لکھتے ہیں:

''1805ء کے آغاز میں اہل مدینہ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سمع و طاعت کا عہد کیا، حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں''۔

مرزا حیرت اپنی کتاب ''حیات طیبہ'' (صفحہ 303) میں لکھتے ہیں:

1803ء کے اختتام پر مدینہ بھی مسعود بن عبد العزیز کے قبضہ میں آ گیا۔ مدینہ کے لیے اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک ابال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم ﷺ کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار مقدس کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ کے مزار مقدس پر پڑی رہتی تھی''۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے مقدس مزارات اور آثار و مشاہد کی حفاظت کے لیے سعودی حکومت سے بار بار گزارش کی لیکن وعدوں کے باوجود انہوں نے مزارات و مشاہد کو محو کرنے سے دریغ نہ کیا۔'' خلافت کمیٹی نے اپنا وفد (سعود عرب) بھیجا وہ ان ارکان پر مشتمل تھا۔

مولانا عبد الماجد بدایونی، سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد عرفان، سید خورشید حسن، سعید قریشی۔

اس وفد نے مسلمانان ہند کو یہ اطلاع دی: '' مکہ میں جنت المعلیٰ کے مزارات شہید کر دیے گئے۔ مولد النبی (جس مکان میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی) توڑ دیا گیا'' (رپورٹ خلافت کمیٹی صفحہ 23)

شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور میں لکھتے ہیں:

جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل ترین قبرستان ہے۔ منیٰ کے راستے پر مسجد حرا سے ایک میل دور ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں، سب نشانات مٹا دیئے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں، چراغ نہ پھول، عجیب ویرانہ ہے جس حصے میں حضرت اسماء حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت ابن جبیر اور سعید بن مسیب کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کے لیے دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں بلکہ نئی میتوں کے لیے ہے اور جس حصے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے افراد خاندان آرام فرما ہیں یا حضور کے چچا ابو طالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہو گئی ہیں۔ کسی تودہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا''۔ (شب جائے کہ من بودم صفحہ 71)

ماہر القادری مدیر فاران کراچی نے 1954ء میں حج سے واپسی کے بعد اپنے سفرنامہ '' کاروان حجاز'' میں لکھا:

'' جنت المعلیٰ کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ اس میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور اکابر اولیاء آسودہ ہیں۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کو چھوڑ کر ہر طرف جھاڑ جھنکار، اونٹوں اور دنبوں کی مینگنیاں نظر آتی ہیں۔ یہ تو ان نفوس قدسیہ کی قبریں ہیں جو ہم سب کے مخدوم اور محسن ہیں۔ عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں''۔

(بحوالہ ماہنامہ معارف دار المصنفین اعظم گڑھ جون 1978ء)

شورش کشمیری اپنے سفرنامے شب جائے کہ من دوم میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:
جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دوتہائی افراد کا مدفن ہے، شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اوران گنت شہدائے کرام، صلحائے امت اور اکابرین دین کے سفر آخرت کی منزل ہے ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے''۔

قارئین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قبر پر بیٹھنے، قبرستان میں راستہ بنانے، قبر کے ساتھ ٹیک لگانے سے روکیں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب اوراس کے پیروں کی یہاں تک جسارت کہ صحابہ، شہداء، اہل بیت اور اولیاء وعلماء علیہم الرضوان کے ان مقدس مزارت کا نام ونشان مٹادیں۔ یہ بدعقیدگی نہیں تو اور کیا ہے یقیناً یہ سب کچھ غیر مسلموں کے ایماپر ہوا۔ (نعوذ باللہ)

وہابیوں کا مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرنا

محمد بن عبدالوہاب نے اپنے ماننے والوں کے دل ودماغ میں یہ بات اچھی طرح بٹھادی تھی کہ دنیا میں گنتی کے صرف یہی لوگ مسلمان ہیں باقی دنیا مشرک اور کافر ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں پہلے مشرکوں سے زیادہ شرک میں مبتلا ہیں اور جس طرح ان مشرکوں کا مال وجان اور عزت وآبرو حلال تھی ان مشرکوں کا قتل جائز، ان کا مال غنیمت، ان کی عورتیں جنگ میں ہاتھ آئیں تو لونڈیاں اور بچے غلام ہیں اور ان کے ساتھ شرعاً وہی معاملہ ہوگا جو دوسرے مشرکین کے بیوی بچوں کے ساتھ کیا گیا۔ چنانچہ جن علاقوں کو وہابیوں نے فتح کیا وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک مشترک اور کافر حربی سے کیا جاتا ہے۔ علامہ عراقی اپنی کتاب ''الفجر الصادق'' (صفحہ 21-22) میں وہابیوں کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن قبائح ابن عبدالوھاب احراقه كثيرا من كتب العلم وقتله كثيرا من العلماء وخواص الناس وعوامهم واستباحة دمائهم واموالهم ومن اعظم قبائح الوهابية اتباع ابن عبدالوهاب قتلهم الناس حين دخلوا الطائف. قتلاً عاماً حتى استأ صلوا الكبير والصغير واددوا بالمامور والامير، والشريف و الوضيع ووجدوا جماعة يتدار سون القرآن فقتلوهم عن آخرهم ولما ابادوا من فى البيوت جميعاً خرجوا الى الحوانيت والمساجد وقتلوا من فيها.

وقتلوا الرجل فى المسجد وهو راكع او ساجد حتى افنو المسلمين فى ذالک البلد ولم يبق فيه الاقدر نيف و عشرين رجلاً تمنعوا فى بيت الفتى بالرصاص ان يصلوهم وجماعة فى بيت الفعر قدر المائتين و سبعين قاتلوهم يولهم ثم قاتلوهم فى اليوم الثانى والثالث حتى راسلوهم بالامان مكرا و خديعة فلما دخلوا عليهم واخذوا منهم السلاح قتلوهم جميعاً واخرجو غيرهم ايضا بالامان والعهود الى وادى وج وتركوهم هنالک فى البر و الثلج حفاة عراة مشكو فى السوات هم ونساء هم من مخدرات المسلمين ونهبوا الاموال والنقود والاث وطرحوا الكتب على البطاح وفى الازقة والاسواق تعصف بهاالرياح وكان فيها كثير من المصاحف ومن نسخ البخارى ومسلم وبقية كتب الحديث

والفقه وغير ذالک تبلغ الوفا مولفة فمكثت هذه الكتب اياما وهم يطئونها بارجلهم ولا يستطيع احد ان يرفع منها ورقة ثم اخربوا البيوت وجعلوها قاعا صفصفًا وكان ذالک سنة (1217ھ)

''شیخ محمد بن عبدالوہاب کی قباحتوں میں ایک یہ ہے جو اس نے بہت سی علمی کتابوں کو جلایا، بہت سے علماء کو اور خاص و عام مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان کے خون اور مال کو مباح ٹھہرایا......

وہابیوں کی عظیم قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جب طائف کو فتح کیا اور اس میں داخل ہوئے تو وہاں کے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا۔ حتی کہ ان کی جڑ کاٹ دی۔ چھوٹا بڑا، امیر، غریب، شریف، وضیع کوئی بھی ان کی تباہ کاری سے نہ بچ پایا۔ انہوں نے اس حد تک ظلم کیا کہ دودھ پیتے بچوں کو ان کی ماں کے سینوں پر ذبح کیا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو ان پر پل پڑے اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اور جب گھروں میں چھپے ہوئے لوگوں کو چن چن کر قتل کر چکے تو دکانوں اور مسجدوں کی طرف نکلے اور جو ملا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

انہوں نے مسجدوں میں بھی لوگوں کو قتل کیا اس حال میں کہ وہ رکوع اور سجود میں تھے۔ طائف کے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا۔ سوائے بیس سے کچھ زائد آدمیوں کے جنہوں نے ایک جوان جو رصاص میں واقع تھا یہ لوگ وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ تقریباً دو سو ستر آدمیوں کی ایک جماعت جو بیت الضحی میں تھی، ان کے ساتھ وہابیوں نے جنگ کی۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی جنگ ہوتی رہی آخر وہابیوں نے لوگوں کو مکر وفریب سے ہتھیار ڈالنے پر رضامند کر لیا اور جان کی امان پر ان کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ لیکن جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے ہتھیار لے لیے تو ان تمام کو قتل کر دیا اور بھی بہت سے لوگوں کو فریب سے وادی مرج کی طرف نکل جانے پر رضامند کیا اور ان کو وہاں سردی اور برف میں ننگے بدن، ننگے پاؤں چھوڑ دیا۔ مسلمان مرد اور پردہ نشین مسلمان عورتیں کسی کا لحاظ نہ رکھا۔ سب سے مال ومتاع چھین لیا۔ کتابوں کو وادیوں، گلی کوچوں اور بازاروں میں پھینک دیا۔ اب انہیں ہوائیں اڑاتی پھرتی تھیں۔ قرآن کریم کے بہت سے نسخے، بخاری، مسلم اور حدیث اور فقہ کی دوسری کئی کتابیں جو ہزاروں تک پہنچتی تھیں کئی روز تک وہابی ان کو پاؤں میں روندتے رہے۔ کسی کے بس میں نہیں تھا کہ ان کتابوں میں سے ایک ورق بھی اٹھالیتا پھر انہوں نے گھروں کو برباد کیا اور ان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ یہ واقعہ 1217ھ کا ہے''۔

مشہور دیوبندی عالم حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل وقتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور انبیاء کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا۔ (شہاب ثاقب، صفحہ 42)

یاسین اختر مصباحی صاحب اپنی کتاب والیان نجد وحجاز میں لکھتے ہیں:

حجاز مقدس سے شریف حسین کی امارت کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبدالعزیز کو 1925ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا۔

سعودی ریال کے زیر سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستانی علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم اٹھا رکھی تھی اور جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بھی بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں تو ایک ترک مرد مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مر جانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرم محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں دیں گے''۔(صفحہ 24-25)

یہی مصنف علامہ سید ابراہیم الراوی الرفاعی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

سلطان نجد نے طائف پر قبضہ کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ ان مقتولین میں بہت سے علمائے کرام مثلاً سید عبداللہ الزوادی مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ۔ شیخ عبداللہ ابوالخیر قاضی مکہ، شیخ مراد قاضی طائف، سید یوسف الزوادی (جن کی عمر تقریباً اسی سال تھی) شیخ حسن الشیبی، شیخ جعفر الشیبی وغیرہم ہیں۔ انہیں امان دینے کے باوجود ان کے دروازوں پر ہی انہیں ذبح کر ڈالا''۔(والیان نجد و حجاز صفحہ 30)

وہابیوں کی طاقت کا راز

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عالم اسلام صلیبیوں سے ہر میدان میں بہت بری طرح پٹ رہا تھا، نہ ان کی شجاعت و بہادری کام دے رہی تھی اور نہ ہی سیاسی مہارت۔ ایسے میں وہابیوں نے درعیہ کے ایک گمنام علاقے سے اٹھ کر عرب کے مختلف علاقوں پر کیسے قبضہ کر لیا حتیٰ کہ وہ عرب کی سب سے طاقتور سلطنت بن گئی۔

اس سوال کا جواب بالکل سادہ سا ہے کہ ان کی پشت پناہی کوئی بہت بڑی طاقت کر رہی تھی۔ کیونکہ افرادی قوت کو مجتمع کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ایک بہت بڑی طاقت کے خلاف بغاوت کرنا اور پھر اس بغاوت کو کامیابی سے ہمکنار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ لامحالہ وہابیوں کو کہیں سے پیسہ اور رہنمائی ضرور مل رہی تھی۔ ہمفرے کی کتاب کے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں اگرچہ ان سے بالکل واضح اشارات ملتے ہیں کہ یہ طاقت حکومت برطانیہ تھی لیکن مزید توثیق کے لیے ہم کچھ اور حوالہ جات پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاسین اختر مصباحی...... مؤرخ اسٹینلے لین پول کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخرش بارآور ہوئیں اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں ''عرب نیشنلزم'' کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لا کر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لیے زائل کر دیا''۔(صفحہ 39)

وہابیوں کا الاحساء پر قبضہ کسی عرب سردار کی منصوبہ بندی کی چغلی نہیں کھاتا۔ اس قبضہ میں بھی انگریز جرنیلوں کی سوچ کار فرما نظر آتی ہے۔ الاحساء پر قبضہ 1913ء کو ہوا۔ بحر اللہ ہزاروی لکھتے ہیں: ''7 جنوری 1911ء کو جب خلیج میں برطانوی ایجنٹ نے شاہ عبدالعزیز سے ملاقات کی تو شاہ نے ان کو ایک دستاویز دکھائی جو عثمانی حکومت کی طرف سے تھی (صفحہ 121)

اس کا مطلب ہے شیکسپیئر خلیج میں ترکوں کے خلاف سعودیوں کے لیے فتح کی راہیں ہموار کر رہا تھا۔ بلکہ سات ستمبر 1911ء کو اس نے شاہ عبدالعزیز سے دوبارہ ملاقات کی اور برطانوی حکومت کو رپورٹ بھیجی کہ ہمیں عبدالعزیز کو اہمیت دینی چاہیے۔ بلکہ جراب کی لڑائی میں شیکسپیئر نے ترکوں کے خلاف سعودی فوج کا ساتھ دیا اور جہنم رسید ہوا دیکھیے تفصیل کے لیے بحر اللہ ہزاروی کی کتاب ''عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود صفحہ 121 اور مابعد)

وہابیوں کی مدد دراصل ترکی کو عراق اور شام سے بے دخل کرنے کی غرض سے تھی کیونکہ ترکوں کے ہوتے ہوئے وہ خلیج اور بحر احمر میں آزاد نہیں تھے۔ بحر اللہ ہزاروی لکھتے ہیں: ''اس وقت برطانوی حکومت کو صرف یہ فکر تھی کہ ترکی عراق اور شام سے نکل جائیں بلکہ تمام عرب ملکوں سے تاکہ ان کے جنگی جہازوں اور فوجیوں کو خلیج اور بحر احمر میں آزادی حاصل ہو۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سے طریقے اختیار کیے''۔ (صفحہ 125)

یاسین اختر مصباحی اپنی کتاب ''والیان نجد و حجاز'' کے صفحہ 40 پر لکھتے ہیں۔

''مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہو جائیں تو انگریز نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کر لیا ہے اور وہ ہے ابن مسعود''۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب العرب والاسلام کے صفحہ 9 پر لکھتے ہیں (اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے)

''قومیت پرستوں کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے جن کی پوری تاریخ اور جن کے خطا کار ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے اور مکروہ جرائم میں ملوث ہیں''۔

بحر اللہ ہزاروی اپنی کتاب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل مسعود' میں لکھتے ہیں:

''الاحساء پر قبضہ کرنا ایک طرح عثمانی حکومت کو کھلا چیلنج تھا دوسری طرف شاہ عبدالعزیز نے برطانوی حکومت کو حیران کر دیا کہ انہوں نے اپنے علاقے سے اتنی بڑی فوج کو شکست دے کر خالی کرا لیا ہے'' (صفحہ 118)

''انگریزوں کی نظر میں انہوں نے یہ ایک کارنامہ سرانجام دیا تھا کیونکہ ان تمام کارروائیوں میں باہر کی کسی قوت کا کوئی تعاون شامل نہیں تھا''۔ (صفحہ 118)

''شاہ عبدالعزیز بھی یہی چاہتے تھے کہ الاحساء پر قبضہ کرنے کی کارروائی سو فیصد سعودی افواج کریں اور باہر کا کوئی تعاون شامل نہ ہو''۔ (ایضاً)

ان اقتباسات میں بحر اللہ ہزاروی جس تعاون کی نفی کر رہے ہیں وہ برطانوی تعاون ہے۔ انہیں اس نفی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ظاہر ہے نجدیوں اور برطانیہ کے درمیان ایک عرصہ سے تعلقات قائم چلے آ رہے تھے لیکن وہابی نہیں چاہتے تھے

کہ ان تعلقات کا مسلمانوں کو علم ہو۔ قارئین یاد رہے ان تعلقات میں سرگرمی اس وقت آئی جب آل سعود کویت میں مقیم تھا۔ چونکہ برطانیہ اور کویت کے درمیان دوستی تھی اور کئی معاہدے ہو چکے تھے اس لیے سعودیوں نے بھی اپنی آبائی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے انگریزوں کی مدد حاصل کی لیکن اسی طرح کہ مسلمانوں کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ کیونکہ سعودی ظاہر یہ کر رہے تھے کہ ان کی تحریک خالصتاً مذہبی ہے اگر یہ تعلقات کھل کر سامنے آجاتے تو اس سے انہیں نقصان ہونے کا اندیشہ تھا۔

بحر اللہ ہزاروی کا یہ اقتباس ہمارے اندازے کو یقین میں تبدیل کر دیتا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اگر چہ اس سے قبل کویت میں مقیم برطانوی قونصل نجد کے دوروں پر آتا رہتا تھا لیکن ان دوروں کا مقصد نجدی علاقوں کا نقشہ بنانے تک محدود تھا۔ کچھ برطانوی نمائندوں نے شاہ عبدالعزیز سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن یہ ملاقاتیں صرف تعارف کی حد تک تھیں''۔ (صفحہ 119)

اس کتاب کے اسی صفحہ پر بحر اللہ ہزاروی لکھتے ہیں:

''کویت میں موجود برطانوی حکومت کے نمائندہ شیکسپیئر کو سرکاری سطح پر ہدایات ملیں کہ سیاسی بات چیت کے لیے وہ شاہ عبدالعزیز سے ملاقات کرے۔ شیکسپیئر پہلے بھی عبدالعزیز سے مل چکا تھا اور ان سے بہت متاثر تھا اس نے اپنے طور پر برطانوی حکومت کو رپورٹیں ارسال کی تھیں جن میں عبدالعزیز کی شخصیت، فراست اور تدبیر کے بارے میں برطانوی حکومت کو آگاہ کیا تھا''۔ (صفحہ 119)

شیکسپیئر عبدالعزیز سے بہت متاثر ہوا۔ اس کی اصل وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ عبدالعزیز خلافت اسلامی کا مخالف اور انگریزی استعمار کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی حامی بھر چکا تھا اور خطۂ عرب اور بالخصوص دنیائے اسلام کے مذہبی مرکز میں انگریزوں کے اثر و رسوخ اور نفوذ کے لیے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر وہابی تحریک اسلامی تحریک ہوتی اور عبدالعزیز سے برطانیہ کو ذرا سا بھی اندیشہ ہوتا تو برطانیہ کے جاسوس اپنی رپورٹوں میں ہرگز یہ نہ لکھتے کہ:

''میں آپ کو یہ رپورٹ پیش کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ ابن مسعود کو اہمیت دیں گے۔ کیونکہ جزیرہ نما عرب میں یہ واحد شخصیت ہیں جو صحیح حکمران ہیں اور جزیرۂ نما عرب کی قیادت کے لیے موزوں ترین ہیں''۔

ابن مسعود کی موزونیت کا مطلب ہے برطانیہ کے مقاصد میں تعاون اور خلافت اسلامیہ کی مخالفت اور برطانیہ اسی ایجنڈے پر کام کر رہا تھا، اس کے جاسوس عرب علاقوں میں گھوم پھر کر ایسے لوگوں کو تلاش کر رہے تھے جو ترکوں کو نیچا دکھانے میں ان کی مدد کر سکتے تھے۔ مغربی طاقتوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اسلامی خلافت تھی۔ کیونکہ اس گئے گزرے دور میں بھی نظریۂ خلافت مسلمانوں کو متحد کرنے میں معاون ثابت ہو رہا تھا۔ بالخصوص سلطان عبدالحمید اپنے سیاسی نمائندوں، علماء کرام اور صوفی سلاسل کی مدد سے عالم اسلام میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے حتیٰ کہ اتحاد کی ان کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے عالم مغرب اپنے تمام وسائل بروئے کار لا رہا تھا۔ عرب میں قومیت پرستوں اور علیحدگی پسند قوتوں کی ہر ممکن مدد کی جا رہی تھی کہ وہ کس طرح اتحاد کی ان کوششوں کو ناکام بنائیں۔ اس کتاب کے مصنف نے اس

موضوع پر بہت خوبصورتی سے بحث کی ہے اور صوفی سلاسل کے حوالے سے اتحاد کی کوششوں پر بہت خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ لیکن وہابی تحریک جو علیحدگی کی تحریک تھی اور جس کی پشت پناہی انگریز کر رہے تھے کو صاف بچا گیا ہے۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جہاں مصنف نے دوسری تمام علیحدگی پسند جماعتوں اور گروہوں کی مذمت کی ہے اس تحریک کے اصل مقاصد کو بھی قارئین کے سامنے پیش کرتے لیکن مسلکی اور مذہبی وابستگی نے انصاف کی بات کہنے سے انہیں روک دیا اور انہوں نے وہابی تحریک جو علیحدگی کی تحریک تھی اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لیے اور خلافت اسلامی کے خاتمے کے لیے مغربی قوتوں کی آلہ کار بنی ہوئی تھی کی نمائندگی کرنا شروع کر دی۔

درج بالا رپورٹوں سے میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ وہابی تحریک کی پشت پناہی انگریز کر رہے تھے۔ یہ کوئی مذہبی تحریک نہیں تھی۔ مذہب کا لیبل لگانا۔ ان کی مجبوری تھی کیونکہ یہ تحریک عالم اسلام کے جس علاقے میں برپا ہوئی وہ مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز تھا۔ اگر شروع سے مسلمانوں کو اس بات کا اندازہ ہو جاتا کہ اس کی پشت پناہی بیرونی غیر مسلم قوتیں کر رہی ہیں تو وہ بدک سکتے تھے اور اس تحریک کو نقصان پہنچ سکتا تھا، اس دور کے بعض بیدار مغز لیڈر ببانگ دہل مسلمانوں کو یہ باور کراتے نظر آتے کہ سعودی انگریز کے پٹھو ہیں۔ جیسا کہ تاریخ نجد وحجاز کے مصنف مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہو جائیں تو انگریز نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کر لیا ہے اور وہ ہے ابن سعود"۔ صفحہ 192

ترکی کے خلاف سعودیوں اور وہابیوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی وجہ برطانیہ کا جدید ترین اسلحہ اور ماہرین جنگ تھے۔ بحر اللہ ہزاروی نے اپنی کتاب میں سعودی برطانوی تعلقات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ ان کے بعض جملوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ برطانوی حکومت وہابیوں کی پوری طرح پشت پناہی کر رہی تھی۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھ گئے ہیں: "اس کے برعکس ہمیں لاتعداد ایسی مثالیں ملیں گی جن میں انہوں (وہابیوں) نے اپنے پروگرام کو مکمل کرنے کے لیے برطانیہ سے استفادہ کیا۔ بلکہ کئی موقعوں پر برطانوی حکومت کو حیران کر دیا"۔ (صفحہ 121)

بحر اللہ ہزاروی اعتراف کر رہے ہیں کہ وہابیوں نے برطانیہ سے استفادہ کیا۔ یہ استفادہ درحقیقت اسلحہ اور جنگیں تکنیکیں تھیں جس سے وہابی استفادہ کر رہے تھے۔

بہرحال 1915ء میں حکومت برطانیہ اور ابن سعود کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی اہم شقیں درج ذیل ہیں:

- حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات، نجد، احساء، قطیف، جبیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہوگی یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومت برطانیہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خود مختار حکومت ہے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے۔ لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت

کے انتخاب وتقرر کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنت برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا کے خلاف بھی نہ ہو۔

۲ اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ سے مشورہ کیے بغیر یا اس کو ابن سعود کے مشورہ کرنے کی فرصت دیئے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

۳ ابن سعود اس معاہدہ سے راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ کسی غیر یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

۴ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کیے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرف کا مجاز نہ ہوگا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔

ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ہر ارشاد کی تکمیل کرے گا۔ اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہے یا موافق۔

۵ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کے لیے جو راستہ اس کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے میں ان کی حفاظت کرے گا۔

۶ ابن سعود اپنے پیش رو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات کویت، بحرین، روساو شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہوگی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

۷ اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کے لیے ایک اور مفصل عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔ (26 نومبر 1915ء)

معاہدہ کی یہ عبارت والیان نجد و حجاز کا تاریخی جائزہ از یاسین اختر مصباحی سے من وعن نقل کی گئی ہے اس معاہدہ کی یہاں سات دفعات ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی دفعہ میں ابن سعود کے خاندان کی موروثی حکومت (آمریت) کو تسلیم کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت پورے مغرب میں جمہوری طرز حکومت کا شہرہ تھا اور انہیں ملکوں کی شہ سے مختلف لوگ خلافت اسلامی کے خلاف برسر پیکار جمہوریت کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ بالخصوص ترک آمریت کے خلاف بہت زور شور سے تحریک چلا رہی تھے اور جمعیت اتحاد و ترقی قومی حکومت کے قیام کے لیے ہر طرح کی کوشش میں مصروف تھی۔ آمریت کی اسلام میں بھی گنجائش نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ برطانیہ جیسا ترقی یافتہ ملک ابن سعود کی آمریت کی حمایت کر رہا تھا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ

سعودیوں کی مدد سے عرب علاقوں میں اپنی بادشاہت کا خواہاں تھا اور وہ بادشاہت آج تک قائم ہے۔

معاہدہ کی دوسری شق میں برطانیہ سعودیوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکومت قائم ہی برطانیہ کی مدد سے ہوئی۔

تیسری دفعہ میں ابن مسعود نے برطانیہ کی طرف سے عائد کی گئی ہر پابندی کو قبول کرنے کا وعدہ کیا خواہ وہ اس کے مفادات (قطع نظر دینی ودنیاوی) کے خلاف ہو۔ چوتھی دفعہ بہت اہم ہے۔ سعودی اپنے ملک میں حکومت برطانیہ کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتے۔ نہ وہ کسی ملک کے ساتھ معاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ کسی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ معاہدہ کی چھٹی دفعہ چغلی کھاتی ہے کہ برطانیہ کے ساتھ سعودی خاندان کے تعلقات بہت قدیم سے چلے آ رہے تھے۔ اس دفعہ کے الفاظ ''اپنے پیش روسلاطین نجد کی طرح'' یہ پیش روسلاطین نجد سعودی اور وہابی ہی ہیں۔ کیونکہ دوسرے تمام خاندان جن کی اس علاقے پر حکمرانی رہی وہ ترکی خلافت کے حمایتی رہے اور ہمیشہ علیحدگی پسند تحریکوں کے خلاف برسر پیکار رہے۔

الغرض وہابی تحریک کو ہم کسی صورت محض مذہبی تحریک یقین نہیں کر سکتے۔ عالم اسلام کو تقسیم کرنے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں اس تحریک نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو انیسویں صدی کے تبدیل ہونے والے عالمی حالات پر گہری نظر رکھتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے علماء اسلام کے تاثرات

اس مضمون کے آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے چند علماء کے تاثرات بیان کر دیئے جائیں۔ یہ تاثرات مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ نجد وحجاز اور دوسری کتابوں سے نقل کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ء)

هو بيان لمن خرجوا على سيدنا على رضى الله تعالىٰ عنه والا فيكفى فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه كما وقع فى زماننا فى اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكفهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون و استباحوا بذالك قتل اهل السن وقتل علمانهم (درالمختار، جلد 3، صفحہ 427)

امام شافعی لفظ خوارج کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خارجی سیدنا علی المرتضیٰ کے مخالف تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا کافر ہے بالکل وہابیوں کی طرح جنہوں نے ہمارے دور میں نجد کے علاقہ میں خلافت اسلامی کے خلاف بغاوت کی اور حرمین پر قابض ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مذہب امام حنبل کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے نظریات کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اس وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعت کے قتل کو جائز اور ان کے علماء کے خون بہانے کو روا سمجھتے ہیں''۔

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب (متوفی 1208ھ)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے وہابی اباطیل کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ''الصواعق الحرقہ'' ہے اس کتاب میں انہوں نے مختلف احادیث کی روشنی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات غلط ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات کو قرآن وحدیث کی تائید حاصل نہیں۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی قادری علیہ الرحمۃ نے (تاریخ نجد وحجاز میں) شیخ کی کتاب کے چند اقتباسات نقل فرمائے ہیں جو قارئین کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

سید احمد زینی دحلان مکی شافعی (متوفی 1304ھ)

انہوں نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام'' میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے نہایت سخت الفاظ کہے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

کان یضمر فی نفسه دعوی النبوة ولو امکنه اظهار هذا الدعویٰ لاظهرها

''شیخ محمد بن عبدالوہاب نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا اگر اس دعویٰ کے اظہار کا امکان ہوتا تو وہ اس کا اعلان ضرور کرتا''۔

سید علوی بن احمد حسن ابن القطب

ان کی کتاب کا نام ہے'' جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام'' وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

واصرح من ذالک ان هذا المغرور محمد بن عبد الوهاب من تمیم فیحتل انه من عقب ذی الخو یصرة التمیمی الذی جاء فیه حدیث البخاری عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال ان من صنئفی هذا اوفی عقب هذا قوماً یقرء ون القرآن لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان لئن ادرکتهم لا قتلهم قتل عاد فکان هذا الخارجی یقتل اهل الاسلام ویدع اهل الاوثان۔

''اس سے بھی زیادہ صریح بات یہ ہے کہ فریب خوردہ شیخ نجدی بنوتمیم کی نسل سے تھا اور یہ ممکن ہے کہ یہ ذوالخویصرہ (جو بنی تمیم سے تھا) کی نسل سے ہو جس کے بارے صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص (ذوالخویصرہ) کی زمین یا اس کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا ہو گی کہ وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے نرخرہ سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کفار سے تعرض نہیں کریں گے۔ اگر اس وقت میں ان کا زمانہ پاتا تو ان کا اس طرح قتل عام کرتا جس طرح قوم عاد کا قتل عام ہوا تھا: یہ خارجی (محمد بن عبدالوہاب) مسلمانوں کو قتل کرتا ہے اور کفار سے اس کا کوئی جھگڑا نہیں''۔

امام اہل سنت حضرت الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

''ان کو پیدا ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ بہر حال جب سے سر اٹھایا ہے سارا غصہ مسلمانوں پر اتارا ہے۔ ہمیشہ سے

مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے آئے ہیں۔ مسلمانوں سے جنگ و جدل کر رہے ہیں کچھ عرصہ تک بعض علاقوں پر غلبہ بھی رہا۔ ایک لشکر بھی ہاتھ لگا لیکن کیا کفار سے جنگ کی کوئی ملک فتح کیا ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کے خلاف لڑے مصطفیٰ کریم ﷺ کے شہر کو دار الحرب قرار دیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کا خون بہایا''۔

(النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید صفحہ 16-17)

علامہ جمیل آفندی صدقی زہاوی عراقی

ومن قبائح ابن عبدالوهاب احراقه كثيراً من كتب العلم وقتله كثيراً من العلماء و خواص الناس و عوامهم واستباحة دمائهم واموالهم ونبشه الاولياء وقد امر في الاحساء ان تجعل بعض قبورهم محلاً لقضاء الحاجة۔

ابن عبدالوہاب کی کارستانیوں میں سے قبیح ترین کام یہ ہیں۔ اس نے بہت سی علمی کتابوں کو جلا کر خاکستر کیا۔ بہت سے جلیل القدر علماء کو قتل کروایا۔ خواص و عوام کے خون سے ہاتھ رنگین کیے۔ مسلمانوں کی جان و مال کو مباح قرار دیا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو اکھاڑا اور احساء میں اولیاء کرام کی بعض مقبروں کی جگہ لیٹرینیں بنانے کا حکم دیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

ابو حامد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے محمد بن عبدالوہاب کے ان چار بنیادی عقائد کو بیان کیا ہے جن میں محمد بن عبدالوہاب نے ابن تیمیہ کی تقلید کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ چاروں عقائد دراصل کرامیہ، مجسمہ اور خوارج کے عقائد ہیں۔ ان عقائد کو بیان کرنے بعد ابو حامد بن مرزوق لکھتے ہیں:

كان محمد بن عبدالوهاب ينهى عن الصلوة على النبي ﷺ يتاذى من سماعها وينهى عن الاتيان بهاليلة الجمعة وعن الجهر بها على المنابر يوذى من يفعل ذالک ويعاقبه اشد العقاب حتى انه قتل رجلا اعمى كان مؤذنا صالحا ذا صوت حسن نهاه عن الصلوة عن النبي ﷺ في المنارة بعد الاذان فلم ينته فامر بقتله فقتل۔

''شیخ محمد بن عبدالوہاب حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنے کو ناپسند کرتا تھا اور درود شریف سننے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی اور جمعہ کی رات کو خصوصاً درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا اور مسجد کے میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے سے منع کرتا تھا۔ جو شخص درود شریف پڑھتا محمد بن عبدالوہاب اسے اذیت دیتا یہاں تک کہ اس نے ایک نیک و پارسا مؤذن کو جس کی آواز بہت خوبصورت تھی صرف اس جرم کی پاداش میں قتل کر دیا کہ وہ حضور پر درود پڑھتا تھا''۔

قارئین درود پاک پڑھنے کا حکم قرآن میں صراحۃً موجود ہے۔ ہر مومن نماز میں حضور پر درود سلام بھیجتا ہے۔ جمعہ کے روز درود پڑھنے کا حکم خود حضور ﷺ نے دیا ہے اور اپنی امت کو بتایا کہ اس روز میں درود خود سنتا ہوں پڑھنے والا دنیا کے حجاب

جس کونے میں ہو۔طبرانی شریف کی حدیث ہے:

اکثروا الصلوٰة علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود شهدده الملائکة لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان

''جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ کیونکہ جمعہ کا دن حاضری کا دن ہے اس روز فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے وہ کہیں بھی ہو''۔

حضرت شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مے بیند و مے شنود کلام ترا......

''جان لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں اور تمہاری بات سن رہے ہیں''۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی

آپ اپنی کتاب ''فیض الباری'' جو بخاری شریف کی شرح ہے، میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن عبدالوهاب النجدی فکان رجلا بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر

''محمد بن عبدالوہاب نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت تیز تھا۔

حسین احمد مدنی

دیوبندی مکتب فکر کے جلیل القدر عالم حسین احمد مدنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے اپنی کتاب ''شہاب ثاقب'' میں اپنے تاثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔..... اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا..... سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے..... وہ ایک ظالم اور باغی خونخوار، فاسق شخص تھا..... محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل علم و تمام مسلمان دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے..... انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اس زمانہ تک ہے..... زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضوری آستانہ شریف و ملاحظہ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام وغیرہ لکھتا ہے..... بعض ان میں سے سفر زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں..... وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ، مراقبہ، ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں..... وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو سخت منع کرتے ہیں..... وہابیہ سوائے علم شرائع، جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں..... وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس اذکار

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (حسین احمد مدنی، شہاب ثاقب صفحہ 42 تا 67)

خلیل احمد انبیٹھوی

ہمارے نزدیک ان (وہابیوں) کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے:

قارئین یاد رہے امام شافعی نے انہیں خوارج کے حکم میں رکھ کر ان کی تکفیر نہیں کی۔ ان کے نزدیک وہابی باغی ہیں جنہوں نے اسلامی خلافت کے خلاف بغاوت کی اور مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عرب وعجم میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ شاید کسی دوسرے ہندی عالم دین کے حصے میں نہیں آئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال علمی بصیرت سے نوازا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ابوحنیفہ ثانی فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے سینکڑوں رسائل اور کتابیں تصنیف فرمائیں جو آپ کے تبحر علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے سخت خلاف تھے بالکل اسی طرح جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گستاخی کرنے والوں کا سرتن سے جدا کر دیتے تھے اور یہ آپ کے عشق مصطفیٰ اور ایمان خالص کی دلیل ہے۔ اتنی شدت فی الدین کے باوجود تکفیر میں احتیاط کا یہ عالم ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسے شخص کی تکفیر نہیں فرمائی حالانکہ عرب وعجم کے جلیل القدر علمائے اسلام نے شیخ نجدی کے خلاف کتابیں لکھیں اور بعض نے تکفیر بھی کی۔

آپ اپنے رسالے المسمی النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید" جسے کاشف مکائد لا مذہبان بھی کہا جاتا ہے، میں نجدیوں کی اباطیل کا رد فرمایا لیکن احتیاط کی وجہ سے شیخ نجدی کی تکفیر نہیں فرمائی۔ یہ رسالہ تدوین جدید کے بعد "غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناروا ہے" کے نام سے مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور سے چھپ چکا ہے۔ تدوین جدید کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہوئی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نجدیوں کی اباطیل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہابی بدعتی ہیں بلکہ بدترین بدعتی ہیں...... غیر مقلدین (وہابی) فاسق ہیں اور فاسق بھی ایسے جن کا فسق وفجور کسی سے مخفی نہیں اور وہ علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں...... چونکہ وہ بدعتی اور فاسق ہیں اس لیے ان کی اقتداء نہیں۔ یہاں ایک اور چیز کو بیان کرنا مقصود ہے جس سے ان کا مسلمان ہونا مشکوک ہو جاتا ہے ان سے ایک اتنی بڑی غلطی صادر ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور جمہور علماء فقہ کے اقوال کی روشنی میں ان کا صریح کافر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وہابیوں کے عقائد ونظریات اور ان کی بدعقیدگی کو بیان کرنے کے بعد آپ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"بدمذہب لوگ ہمیں گمراہ کہتے ہیں اور ہم پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ ہم کسی طرح حد ادب سے باہر نہیں آتے۔ وہ اس فکر میں رہیں کہ ہمیں مشرک ٹھہرائیں۔ ہماری ہمیشہ یہ سوچ ہوتی ہے کہ انہیں مسلمان سمجھیں۔ ان کی ہر وقت یہ کوشش ہے کہ ہمیں مشرک اور بدعتی بنائیں اور ہمیں یہ خیال دامن گیر رہے کہ جیسا بھی ہو انہیں دائرہ اسلام میں ہی رہنے دیں۔ (صفحہ 39)

درج بالا سطور سے پہلے ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

''اگر تاویل کرنے والے کے بارے احتیاط کا حکم نہ ہوتا تو نہ جانیں میں ان کے بارے کیا کچھ کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین پر ثابت قدم رہنے اور کلمہ طیبہ کا ادب واحترام کرنے کی توفیق ہم اہل سنت کو ہی عطا فرمائی ہے''۔ (صفحہ 38)

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ وہابیوں کے بارے اپنے نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مگر اس کے باوجود بھی ہم احتیاط کرتے ہیں اور یہ جو چاہیں کریں ہمیں ہزار بار کافر و مشرک کہیں مگر ہم انہیں کافر یا مشرک نہیں کہتے۔ ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ گناہگار، خطاکار، ظالم، بدعتی، گمراہ، گمراہ کرنے والے، راہ راست سے دور، دوسروں کو راہ راست سے دور کرنے والے ہیں۔ مگر کافر بالکل نہیں، نہ ہی مشرک ہیں، اپنی جان کے دشمن ضرور ہیں۔ لیکن خدا کے دشمن نہیں۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

کفو المن اهل لا اله الا الله، لا تکفروهم بذنب فمن اکفر لا اله الا الله فهو الی الکفر اقرب۔

یعنی لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو کسی گناہ پر کافر نہ کہو۔ جو لا الہ الا اللہ کہنے والے کو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے''۔ (صفحہ 57)

اس کے بعد امام مجدد ملت نے احادیث اور ائمہ مذاہب کے ارشادات کی روشنی میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کی تکفیر جائز نہیں (جب تک کہ وہ بالتصریح ضروریات دین کا انکار نہیں کرتا جیسے ختم نبوت، مقام رسالت، توحید باری تعالیٰ، قیامت وغیرہ ذالک)

اللہ کریم ہمیں توحید خالص، ادب رسالت، تعظیم وتوقیر، صحابہ اہل بیت اور اولیاء اللہ پر قائم رکھے اسی پر ہمارا خاتمہ ہو اور ان نفوس قدسیہ کے طفیل اللہ کریم کی نوازشیں اور برکتیں دارین میں ہمیں حاصل ہوں۔ آمین

محمد ظفر اقبال کلیار

فاضل بھیرہ شریف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ

بیشک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ہم جس کی تعریف کرتے ہیں، جس سے مدد طلب کرتے ہیں اور جس سے اپنے گناہوں کی معافی کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں اور اپنی بداعمالیوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ کریم گمراہ کردے اس کو کوئی سیدھی راہ نہیں دکھا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (آل عمران)

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۝ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۝ (الاحزاب)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کردے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی"۔

ازیں بعد:

اے میرے پروردگار! حمد وستائش صرف تجھی کو زیبا ہے۔ ایسی حمد جو تیری جلیل القدر اور عظیم قدرتوں کی مالک ذات کے شایان شان ہو۔ تیرے لیے ہی حمد ہے حتیٰ کہ تو راضی ہوجائے اور تیرے لیے ہی تعریف ہے حتیٰ کہ تو اس سے خوش ہوجائے۔ یہ کتاب تاریخ اسلامی کے سلسلہ کی چھٹی کتاب ہے۔ اس میں دولت عثمانیہ کی تاریخ اور اس کے عروج وزوال کے اسباب کو بیان کیا گیا ہے۔ ترکوں کے آباء واجداد کون تھے۔ کب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے؟؟؟ یہ تمام باتیں بالتفصیل اس کتاب میں درج ہیں۔ بعض عربی مصادر اور مراجع کی مدد سے سلطان سلجوق، الپ ارسلان، نظام الملک طوسی اور ملک شاہ جیسی بعض اہم شخصیات کے حالات زندگی کی جھلکیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ قرآنی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اس کے علاوہ ترک سلاطین کی جہادی سرگرمیوں، تبلیغی کوششوں، علم وادب کے ساتھ ان کی محبت اور عدل وانصاف پر مبنی ان کے نظام حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ سلطنت عثمانیہ جس کی ابتداء خاندان سلاجقہ سے ہوئی، کی بنیاد کس شخصیت نے رکھی؟ عثمان اول، اورخان، مراد اول، محمد چلپی، مراد ثانی، اور محمد فاتح جیسے عظیم عثمانی سلاطین

کی سوانح، ان کے اخلاق و کردار، منہج سیاست، سنن خداوندی کی پاسداری، ظاہری و باطنی اسباب تدابر سے استفادہ انقلابی مساعی، دفاع کے لیے خصوصی کوششیں ان تمام موضوعات کے علاوہ قسطنطنیہ کی فتح، اس عظیم فتح میں علماء، فقہاء، سپاہ، قائدین اور صوفیاء کا کردار، ان تمام باتوں کو بڑے موثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب قارئین کو بتاتی ہے کہ دولت عثمانیہ کا عروج ہمہ جہت تھا۔ علم، سیاست، اقتصاد، انفارمیشن اور حرب وضرب کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں عروج کی جھلک نمایاں نہ ہو۔ کتاب بتاتی ہے کہ ملکی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ قیادت اعلیٰ اخلاق کی مالک ہو اور عوام میں جذبہ خیر وفلاح موجود ہو۔ اگر کسی قوم میں من حیث القوم اعلیٰ اخلاقی قدروں کا فقدان ہو جائے تو سلطنت کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں اور وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔

دولت عثمانیہ کی عظیم ترین اور پر شکوہ عمارت کن ستون پر ایستادہ تھی؟ ترکوں نے کیا عظیم کارنامے سرانجام دیئے۔ امت مسلمہ کو گرداب بلا سے نکالنے کے لیے کیا کیا جتن کیے۔ پرتگال کی صلیبی سازشوں اور ہسپانیہ کے حملوں کو کیسے ناکام بنایا۔ مقدس مقامات کی کیسے حفاظت کی۔ شمالی افریقہ کو صلیبی حملوں سے کیسے نجات دی۔ عربی ولایات کے درمیان طبعی وحدت کے قیام، شام، مصر اور کئی دوسرے اسلامی علاقوں سے استعماری فوجوں کو مار بھگانے کے لئے عملی اقدامات کے علاوہ زیرنگیں علاقوں میں اثناعشری رافضی شیعی نظریات کو پھیلنے سے روکنا، یہودیوں کے فلسطین میں قیام پر قدغن لگانا، یورپ کے اندر اسلام کی نشرو اشاعت کی سرتوڑ کوشش کرنا ان تمام موضوعات پر بالتفصیل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں دولت عثمانیہ کی ان کمزوریوں کو بھی آشکارہ کیا گیا ہے، جن کی بدولت یہ عظیم سلطنت اپنا وقار کھو بیٹھی اور اس کی شان وشوکت کا سورج نصف النہار پر چمکنے کے بعد غروب ہو گیا۔ مثلاً عربی زبان جو قرآن کی زبان تھی، سے بے اعتنائی، حدیث رسول کی اشاعت میں سستی، صحیح اسلامی شعور سے محرومی، شریعت اسلامیہ سے انحراف، یورپی تہذیب وثقافت کا فروغ وغیرہ۔

دولت عثمانیہ اور وہابی تحریک کی چپقلش، محمد علی کے مشکوک کردار اور ماسونی تحریک کے بارے بھی بات کی گئی ہے۔ محمد علی نے مصر، حجاز مقدس، اور شام میں اسلامی نظریات پر کاری ضرب لگائی۔ اور ماسونیوں نے اس سلسلہ میں اس کی پوری مدد کی۔ محمد علی ایک زہرآلود خنجر تھا جسے دشمنان اسلام نے اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہود ونصاریٰ نے علمی، اقتصادی اور اس کے عسکری پروگرام میں اس کی مدد کی۔ محمد علی کے اس کردار کی وجہ سے یورپیوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ دولت عثمانیہ زوال کا شکار ہے اور جب بھی سیاسی حالات سازگار ہوئے تو اس کے حصے بخرے کرنے میں دیر نہیں ہوگی۔

زیرنظر کتاب سلطان محمود ثانی کے بارے میں بھی بات کرتی ہے جس نے اپنی اصلاحی تحریک میں مغربی تہذیب کے نقش و نگار کو مرتسم کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے بیٹے عبدالحمید کے بارے بھی بتاتی ہے جو سلطان محمود کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور جو اپنے وزیر رشید پاشا کے اشاروں پر ناچتا رہا۔ یاد رہے رشید پاشا ماسونی فکر وفلسفہ اور اقدار کا اسیر تھا۔ اس نے اپنے اعوان و انصار کے ساتھ مل کر دولت عثمانیہ میں مغربیت کے فروغ کے لئے کوششیں کیں۔ جن تین اہم مرکزی امور پر اس نے کام کیا وہ

یہ ہیں۔

1-فوج کی مغربی خطوط پر تشکیل نو۔

2-سیکولرازم کے لئے ذہن سازی اور

3-استنبول اور صوبوں میں اختیار کی مرکزیت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔

کتاب بیان کرتی ہے کہ سیکولر ذہنیت کا شکار ترکوں نے سلطنت کو سیکولر سلطنت بنانے میں کیا کیا جرأت مندانہ اقدامات کیے۔ عربی رسم الخط کی جگہ کلخانہ اور ہمایوں رسم الخط کو رواج دینے کی کوشش کی۔ اسلامی قانون کی جگہ مدحت پاشا (1876ء) کے وضع کردہ دستور کو نافذ کرنے کے لیے زمین ہموار کی۔ یہ تاریخ اسلام میں پہلا واقعہ تھا کہ دولت عثمانیہ، فرانس، بلجیم، سوئٹزرلینڈ کے دساتیر سے ماخوذ دستور کے مطابق چل رہی تھی۔ یہ تمام دساتیر انسان کے وضع کردہ تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

کتاب اس بات کی توضیح بھی کرتی ہے کہ دولت عثمانیہ بحیثیت ایک اسلامی سلطنت کے کیسے اپنے اختتام کو پہنچی۔ کیسے تمام اداروں اور تنظیموں کو قانونی طور پر سیکولر بنایا گیا۔ قوانین کیسے وضع ہوئے۔ قانون ساز اداروں کو کن خطوط پر تشکیل دیا گیا۔ کس طرح یہ عظیم اسلامی مملکت، تجارت، معیشت اور سیاست غرضیکہ ہر میدان میں اسلامی قوانین سے دور ہوتی چلی گئی؟ اور ان تبدیلیوں کی وجہ سے اس کی شرعی حیثیت مسلمانوں کی نظروں میں ختم ہو کر رہ گئی۔

سلطان عبدالعزیز کے دور میں دولت عثمانیہ پر مغرب زدہ لوگ چھا گئے اور جب سلطان نے ان کے بہت سے مذموم مقاصد سے تعرض کیا تو انہوں نے اسے معزول کر دیا اور بالآخر اسے قتل کر دیا۔

کتاب ان عظیم کوششوں کے بارے میں بھی بات کرتی ہے جو سلطان عبدالحمید نے خدمت اسلام اور مسلمانوں کو متحد کرنے کے سلسلے میں سرانجام دیں۔ سلطان عبدالحمید کے دور حکومت میں اسلامی اتحاد کے قیام کی سوچ کیسے پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس میدان میں کیا اقدامات کیے۔ مبلغین اور صوفیاء کے مختلف سلسلوں سے رابطہ کر کے ملک میں مغربیت کے خاتمے اور اسلامیت کے فروغ کے لیے کیا کوششیں کیں۔ دینی مدارس کا قیام حجاز مقدس میں ریلوے لائن بچھانے کا منصوبہ، مخالفین کے اقدامات اور نظریات کا ابطال ان تمام موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

کتاب ان عالمی صیہونی کوششوں کی بھی قلعی کھولتی ہے جو سلطان عبدالحمید کے مخالفین کی مدد کے سلسلے میں کی گئیں۔ جیسے ارمنی باغیوں، بلقان کے قوم پرستوں، تحریک ترقی واتحاد اور علیحدگی پسند تحریکوں کی حوصلہ افزائی کے لئے صیہونیوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی امداد، ہم پڑھتے ہیں کہ سلطان عبدالحمید کیسے معزول ہوئے۔ خلافت عثمانیہ کیسے ختم ہوئی۔ جھوٹے ہیرو مصطفیٰ کمال پاشا کی شخصیت کیسے سامنے آئی۔ کس طرح اس نے ترکی سے اس کا عقیدہ، اس کا دین اور اسلامی اقدار چھین کر اسے مغربیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ مبلغین اور صوفیاء پر کیا مظالم توڑے گئے۔ بے پردگی اور اختلاط مرد وزن جیسے مغربی افکار کو کیسے رواج دیا گیا۔

کتاب ترکی میں اسلام کے روشن مستقبل کے بارے بھی خاموش نہیں رہتی۔ اوران متعدد و متنوع کوششوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ترکی کے مسلمان اسلام کی ترویج اور ترقی کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کرایک مسلمان قاری محسوس کرتا ہے اوراپنے باطن کی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ صرف ترکی میں ہی نہیں پوری دنیا میں اسلام کا مستقبل روشن ہے۔

کتاب کے آخر میں مصنف نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں امت مسلمہ کے زوال کے اسباب کو طشت ازبام کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ قاری ان اسباب کو سمجھ سکے۔ ذیل میں ان اسباب کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا۔

ملت اسلامیہ کا اپنے دینی نظریات سے انحراف، جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور گناہوں سے کنارہ کشی کا عقیدہ، عبادت کی افادیت اور اہمیت کا احساس نہ رہنا، شرک، بدعت اور گناہوں کا عام ہونا، جھوٹے صوفیوں کا اسلامی معاشرے میں ایک منظم گروہ کی صورت میں ظہور اور ایسے عقائد، افکار اور نظریات کی تبلیغ جو کتاب وسنت سے کچھ تعلق نہیں رکھتے تھے۔ کتاب مسلمان قاری کو تنبیہ کرتی ہے کہ وہ ان گمراہ فرقوں سے بچے جو اسلام مخالف راہ پر گامزن ہیں اور اسے بتاتی ہے کہ ملت اسلامیہ ربانی قیادت سے محروم ہے اور ایسی قیادت سے محرومی زوال کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جب علماء ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔ وظائف، تنخواہوں، اعلیٰ مناصب حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنے لگتے ہیں اور دینی تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تو امت کا زوال یقینی بن جاتا ہے۔ کتاب بیان کرتی ہے کہ دولت عثمانیہ کے آخری دور میں دینی علوم سے کس طرح بے توجہی برتی گئی۔ کیسے علماء جمود کا شکار ہوئے۔ تن آسانی اور تعطل کی بدولت کیسے خلاصوں، شروح، حواشی اور نوٹس کا اہتمام کیا جانے لگا۔ کیسے اسلام کی حقیقی روح یعنی کتاب وسنت سے دور ہوئے۔ کئی علماء نے اجتہاد کے دروازے کے کھلے رہنے کا انکار کیا۔ اوران کی نظر میں اجتہادی کوششوں اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ فکری کاوشوں کو اسلام کے خلاف اعلان جنگ اور گناہ کبیرہ کا نام دیا جانے لگا۔ کتاب اس ظلم کو بھی بیان کرتی ہے جس کا پوری سلطنت میں دور دورہ تھا۔ عیش وعشرت، شہوات میں انہماک، مسلمانوں کا باہمی اختلاف اور فرقہ بندی اور شریعت اسلامیہ سے دور ہونے پر مرتب ہونے والے خطرناک اثرات جیسے سیاسی، حربی، اقتصادی، علمی، اخلاقی، معاشرتی کمزوریاں، امت نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے اوران کی سازشوں کو ناکام بنانے کی طاقت اور قدرت کو کیسے کھودیا؟ غلبہ واقتدار کی شروط کیسے کھو گئیں جن کے نتیجے میں پوری قوم استعماریت کا شکار ہوئی اور فکری جنگ ہار گئی۔ کیسے مادی اور روحانی اسباب سے دور ہوئی اوراُن الٰہی قوانین سے بے بہرہ ہوگئی۔ جو امتوں کے عروج وزوال میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الاعراف)

"اوراگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

یہ معمولی سی کوشش یقیناً تنقید وتوجیہ کے قابل ہے۔ یہ دراصل دولت عثمانیہ کے دور میں رونما ہونے والے حالات وواقعات

کو جمع کرنے، ترتیب دینے اور ان کی تفسیر و تحلیل کی ایک کوشش ہے۔ یہ ایسے حالات و واقعات ہیں جن پر مختلف معاشرتی گروہوں کے عقائد و نظریات اہداف، اطوار اور پسند و ناپسند کے معیار کا اثر نمایاں ہے۔ اگر میں اس کوشش میں کامیاب رہا ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو میں اس سے رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کتاب پر تنقید اور رائے دینے کا دروازہ کھلا ہے۔ کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے جو امور میرے پیش نظر رہے وہ یہ ہیں۔

1. دولت عثمانیہ کے عثمان اول، اور خان محمد فاتح جیسے عظیم فرمانرواؤں کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالنا۔
2. اس منہج سیاست کو اجاگر کرنا جس پر ایک طویل عرصہ تک یہ عظیم مملکت گامزن رہی۔
3. ان عوامل پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے جنہوں نے دولت عثمانیہ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے اور ان اسباب کا بڑی محنت سے کھوج لگایا گیا ہے، جن کی بدولت یہ عظیم سلطنت شکست و ریخت اور زوال و انحطاط کا شکار ہو گئی۔
4. مختلف ممالک کے حالات کی معرفت اور انفس و آفاق اور مختلف انسانی معاشروں میں جاری قوانین خداوندی میں غور و فکر کے ذریعے نصیحت آموزی کے اصول کو آسان بنانا اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔
5. ایک بہت بڑی سازش کا بیان جس کا دولت عثمانیہ نے سامنا کیا۔ یہ سازش نصرانیوں، یہودیوں اور سیکولر ذہنیت رکھنے والے ترکوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھی۔
6. اس جھوٹ اور بہتان کی قلعی کھولنا جس کا دولت عثمانیہ کو زہر آلود قلموں کی طرف سے سامنا کرنا پڑا۔ اور ان لوگوں کی اس بات کی تردید کہ عثمانی حکومت استعماریت ہے اور اس میں اور فرانسیسی اور انگریزی استعماریت میں کچھ فرق نہیں۔
7. اپنے مسلمان عثمانی بھائیوں کے نظریات و افکار کا دفاع جن کو ظلم کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تاریخ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب ہوئیں اور یہود و نصاریٰ اور عرب و ترک مذہب بیزار سیکولر ذہنیتوں نے ان کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے جو بہتان تراشیاں کیں ان کا رد کر کے آنیوالی نسلوں کے سامنے ان کی اصل تاریخ کو پیش کرنا۔
8. عثمانیوں کے جنگی کارناموں، تبلیغی کوششوں کا تذکرہ جن کے بارے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں اور دشمنان اسلام نے عملاً ان کوششوں کی صورت مسخ کر کے ان کو کیا سے کیا بنا دیا۔
9. اسلامی تاریخ، میں ایک ایسی کتاب کا اضافہ جس میں صحیح اسلامی عقیدہ اور محفوظ تصور دین کو پیش کیا گیا ہو اور ان اباطیل اور اغلاط کا رد جو مستشرقین اور مذہب بیزار مورخین نے مسلمانوں کی طرف منسوب کر کے اسلامی اقدار کو ہدف تنقید بنایا ہے۔
10. اس بات کا بیان کہ اصلاح کی صرف وہی تحریکیں ملت اسلامیہ میں احترام اور قدر و منزلت کی مستحق ہیں جو قرآن کریم اور سنت خیر المرسلین ﷺ کے منہج کے مطابق چلیں یا چل رہی ہیں اور عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات اور تمام امور حیات میں اسلامی روح سے کلیۃً متفق ہیں۔
11. بعض باعمل علماء اور راسخ العقیدہ فقہاء کا تذکرہ جنہوں نے دولت عثمانیہ کی تعمیر و ترقی اور ملت اسلامیہ کی تعلیم و تربیت میں فعال کردار ادا کیا جیسے شیخ احمد کورانی، شمس الدین آق (محمد بن حمزہ) وغیرہ

میں نے اس کتاب کو مدخل (ابتدائیہ) سات فصلوں اور نتائج البحث میں تقسیم کیا ہے۔

مدخل: اس میں ان ہم عصر مورخین کے اسلوب تاریخ پر گفتگو کی گئی ہے جنہوں نے عثمانی تاریخ کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

پہلی فصل

اس میں ترکوں کے آباء واجداد پر مفصل بات کی گئی ہے۔

یہ فصل تین مباحث پر مشتمل ہے۔

1. ترکوں کی اصل اور ان کا وطن
2. دولت سلجوقیہ کا قیام
3. دولت سلجوقیہ کا اختتام

دوسری فصل

اس فصل میں دولت عثمانیہ کے قیام اور اس کی فتوحات کا تذکرہ ہے۔ اور یہ چھ مباحث پر مشتمل ہے۔

1. دولت عثمانیہ کا موسس اول، عثمان خان
2. سلطان اورخان بن عثمان
3. سلطان مراد خان اول
4. سلطان بایزید اول
5. سلطان محمد خان اول
6. سلطان مراد خان ثانی

تیسری فصل

اس فصل میں سلطان محمد خان فاتح اور قسطنطنیہ کی فتح کا تذکرہ ہے اور یہ فصل سات مباحث پر مشتمل ہے۔

1. سلطان محمد خان فاتح
2. قسطنطنیہ کے معنوی فاتح عظیم صوفی بزرگ شیخ شمس الدین آق
3. فتح قسطنطنیہ کا اثر یورپ اور اسلامی دنیا پر
4. فتح قسطنطنیہ کے اسباب
5. محمد خان فاتح کے اہم اوصاف وخصائل
6. محمد خان فاتح کے کچھ تہذیبی کارنامے

۷ سلطان محمد خان فاتح کی وصیت اپنے بیٹے کے نام

چوتھی فصل

اس فصل میں محمد فاتح کے بعد آنے والے طاقتور سلاطین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ فصل نو مباحث پر مشتمل ہے۔

۱ سلطان بایزید ثانی
۲ سلطان سلیم اول
۳ سلطان سلیمان قانونی
۴ دولت عثمانیہ اور شمالی افریقہ
۵ مجاہد کبیر حسن آغا طوشی
۶ عظیم مجاہد حسن خیر الدین باربروسہ
۷ صالح رائیس کی پالیسی
۸ ہسپانیہ کے اردگرد دائرہ تنگ کرنے کے سلسلہ میں حسن بن خیر الدین کی پالیسی
۹ المتوکل علی اللہ ابن عبداللہ الغالب السعدی

پانچویں فصل

اس فصل میں دولت عثمانیہ کے زوال کی ابتداء کے بارے بات کی گئی ہے یہ فصل گیارہ مباحث پر مشتمل ہے۔

۱ سلطان سلیم ثانی
۲ سلطان مراد ثالث
۳ سلطان محمد خان ثالث
۴ سلطان احمد اول
۵ بعض کمزور سلاطین
۶ سلطان سلیم ثالث
۷ فرانسیسی صلیبی حملے کی بنیاد
۸ سلطان محمود ثانی
۹ سلطان عبدالحمید اول
۱۰ سلطان عبدالعزیز
۱۱ سلطان مراد خامس

چھٹی فصل

یہ فصل سلطان عبدالحمید سے متعلق ہے اور اس میں آٹھ مباحث ہیں۔

1. سلطان عبدالحمید
2. اسلامی اتحاد
3. سلطان عبدالحمید اور یہودی
4. سلطان عبدالحمید اور انجمن اتحاد و ترقی
5. سلطان عبدالحمید کی معزولی
6. اتحادیوں کی حکومت اور دولت عثمانیہ کا خاتمہ
7. سیکولر ترکی میں اسلامی آثار
8. اسباب زوال امت

نتائج البحث۔ آخر میں نتائج البحث کے عنوان سے خلاصہ کلام پیش کیا گیا ہے۔

آخر میں، میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ یہ میری حقیر سی کوشش اس کی رضا کا ذریعہ بن جائے گی۔ ہر حرف بر جو میں نے لکھا ثواب عطا کرے گا۔ اسے میری نیکیوں کے پلڑے میں رکھے گا اور میرے ان بھائیوں کو بھی اجر و ثواب سے نوازے گا جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری ہر ممکن مدد کی۔

اے اللہ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور تو سب تعریفوں کے لائق ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں میں اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتا ہوں اور تیری جناب میں رجوع لاتا ہوں۔

اللہ کریم کی بخشش اور مغفرت کا محتاج
علی محمد محمد الصلابی

نقطۂ آغاز

دولت عثمانیہ کی تاریخ اور معاصر تاریخ نگاروں کے اسالیب

تمہید

متعصب یورپی، یہودی، نصرانی اور سیکولر ذہنیت رکھنے والے مورخین دولت عثمانیہ کی تاریخ کو ہدف تنقید بنانے سے باز نہیں رہے۔ انہوں نے اسلام اور اسلامی نظریات کے سلسلہ میں کی جانے والی تمام عثمانی کوششوں اور خدمات پر سخت تنقید کی۔ ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کی شکل کو مسخ کرنے کے لئے تاریخ نگاری کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا۔ ان مورخین کا اسلوب نگارش بہت دلخراش ہے اور انہوں نے انصاف سے کام لینے کی بجائے جھوٹی اور من گھڑت باتیں عثمانیوں کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ ان کے دیکھا دیکھی بعض عرب تاریخ نگاروں نے بھی اپنے قومی اور سیکولر رجحانات اور تعلقات کی وجہ سے اسی راہ کو اختیار کیا ہے اور سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ کئی ترک مورخین بھی ان کے ہم نوا ہیں اور وہ بھی ان سے ذہنی طور پر مرعوب نظر آتے ہیں۔ بہت سے لوگ جن کا مقصد حقائق کو مسخ کر کے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنا تھا۔ جیسے مصطفیٰ کمال پاشا، انہوں نے یہودیوں اور نصرانیوں کی ہاں میں ہاں ملائی اور خود اپنے تابناک ماضی کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کی۔ ایسے تمام لوگوں کو یہودیوں اور نصرانیوں کی کتابوں سے کافی مواد مل جاتا ہے۔ یہ کتابیں دراصل پہلی جنگ عظیم کے بعد یہود ونصاریٰ نے قومیت پرستوں کی امداد کے لئے تحریر کی تھیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے تاریخی حقائق کو بالکل مسخ کر دیا تھا۔

دولت عثمانیہ کے بارے یورپی مورخین کے معاندانہ موقف کی اصل وجہ وہ شاندار فتوحات ہیں جو عثمانیوں نے نصرانیوں کے خلاف حاصل کیں۔ یہ فتوحات آج تک ان کے دل میں چبھ رہی ہیں اور وہ برابر ان جنگی مہمات کو دہشت گردی کا نام دے کر مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی سے بدظن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بالخصوص بیزنطینی عیسائی سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ کا ترکوں کے ہاتھوں سقوط اور اس کا اسلام بول (اسلام کا قلعہ) بن جانا ایک ایسا واقعہ ہے جسے یورپی کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔ اسلام دشمنی یورپیوں اور عیسائیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور اس دشمنی کا وہ اظہار برملا کرتے ہیں۔ ان کے قول وفعل سے اسلام کے خلاف ان کی دشمنی عیاں ہے وہ اپنی تحریروں میں اس عناد کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ بھلا وہ ان عثمانیوں سے کیسے انصاف برت سکتے ہیں جنہوں نے روم کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنایا۔ ان کی مسلسل سرکوبی کرتے رہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے۔ یورپ کے وسط تک جا پہنچے حتیٰ کہ اندلس پر بار بار حملے کئے اور وہاں کے مظلوم مسلمانوں کو نصرانی مظالم سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ یہ وہ دور تھا کہ یورپ خوف و ہراس اور سخت گھبراہٹ کی زندگی بسر کر رہا تھا حتیٰ کہ سلطان محمد علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تب کہیں جا کر ان کے دلوں کو سکون نصیب ہوا۔

مسیحی زعماء، پادریوں، راہبوں اور بادشاہوں نے یورپ کے گلی کوچوں میں مسلمانوں کے خلاف وہ نفرت پھیلائی کہ مسلمان دہشت اور خوف کا نمونہ بن گئے۔ انہوں نے کھل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے کینہ اور عناد کا اظہار کیا دین

مسیحی کے علمبرداروں نے بے تحاشا دولت صرف کی اور بربر مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لئے کئی رضا کار تیار کیے۔ لیکن جب عثمانیوں نے ان صلیبی لشکروں کے خلاف کامیابی حاصل کی اور ان کی درگت بنائی تو اسلام کے خلاف نصرانیوں کی نفرت اور کینہ پہلے سے کہیں بڑھ گیا۔ چونکہ وہ میدان جنگ میں عثمانیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اس لئے ان کے خلاف الزامات عائد کرنے شروع کیے۔ انہیں ڈاکوؤں وحشیوں اور غیر مہذب انسانوں کا نام دے دیا۔ اور یہ الزامات یورپیوں کی یادداشت میں پیوست ہو کر رہ گئے۔

مسیحی زعماء کا یہ پروپیگنڈہ اور میڈیا جنگ دراصل سیاسی اور مادی مفادات کی حفاظت کی کوشش تھی۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ دل سے اسلام اور اہل اسلام کو ناپسند کرتے تھے۔ اور عملاً ہوا بھی ایسے ہی، کئی خاندان ایک طویل عرصہ تک یورپی ملکوں پر حکومت کرتے رہے اور انہوں نے یہاں کی آبادی کو خوب لوٹا۔ بے تحاشا دولت کمائی اور اپنے اردگرد تقدس و احترام کا ایک ہالہ قائم کر لیا۔ انہوں نے عثمانیوں کو اور اسلام کو ہوا بنا کر محض اس لئے پیش کیا اور ان کے خلاف جھوٹا مذموم پروپیگنڈا کیا کہ ان کی سیادت باقی رہے انہوں نے اپنی عوام کی آنکھوں پر تعصب کی وہ پٹی باندھی کہ وہ آج تک اسلام اور اہل اسلام کا صحیح چہرہ نہیں دیکھ پائے۔

اس کے باوجود کہ یورپی معاشروں نے ان گروہوں (مذہبی اور سیاسی زعماء) کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور یورپی تاریخ کے جدید دور اور عصر جدید کی ابتداء میں جب یہ انکشاف ہوا کہ یہ تو سب خود بھی گمراہ ہیں اور ہمیں بھی گمراہ کر رہے ہیں تو انہوں نے ان کی غلامی کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا لیکن مسلمانوں کے بارے میں یورپیوں کا نقطہ نظر تبدیل نہ ہوا۔ اور وہ پہلے کی طرح انہیں موروثی الجھنوں میں پھنسے رہے جن میں عرصہ سے پھنسے چلے آ رہے تھے۔ یورپی معاشروں نے اگرچہ ہر پہلو سے جدید نظریات قائم کئے لیکن اسلام کے بارے بالعموم اور دولت عثمانیہ کے بارے بالخصوص انہوں نے اپنی رائے نہ بدلی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عسکری طاقتوں نے جنہیں مادی تہذیب کی پشت پناہی حاصل کی تھی۔ مسلمانوں سے خوب انتقام لیا۔ ان کے دینی، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی مفادات نے ان سے حق کہنے کی جرأت چھین لی۔ ان کے لکھنے والوں اور تاریخ نگاروں نے بھی ان کی مدد کی۔ انہوں نے اسلامی تاریخ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔ اسلام، اسلامی عقائد اور اسلامی تاریخ کو عمداً مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ اور دولت عثمانیہ کو سب سے زیادہ ہدف تنقید بنایا گیا۔

دولت عثمانیہ کے خلاف بالخصوص اور اسلام کے خلاف بالعموم اس جاری پروپیگنڈہ جنگ میں یورپ کے یہودی بھی شریک ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنے زہر آلود قلموں کے ذریعے اسلام اور دولت عثمانیہ کے خلاف خوب زہر اگلا اور اپنی بیمار ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ یہودی جو پہلے بھی اسلام کے دشمن تھے جب عثمانیوں نے اپنی قلم رو میں انہیں اپنے سیاسی پلان کے لئے جگہ نہ دی تو ان کی نفرت پہلے سے کہیں بڑھ گئی وہ چار صدیوں تک مسلسل کوشش کرتے رہے تھے لیکن عثمانیوں نے انہیں ایک بالشت زمین بھی نہ دی تھی۔ ان یہودیوں نے صلیبیوں اور استعماری طاقتوں کی ہمنوائی کی اور اپنی ماسونی کانفرنسوں اور عالم اسلام میں قائم اپنی قومی انجمنوں کے ذریعے اسلام اور عثمانیوں کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا اور صلیبیوں کے کندھے پر

بندوق رکھ کر اپنے اہداف تک پہنچنے کی کوشش کی۔ انہوں نے لوگوں کو باور کرایا کہ نصرانی اور یہودی ترقی کو پسند کرتے ہیں۔ تہذیب یافتہ ہیں۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کا سمبل ہیں جبکہ مسلمان اور دولت عثمانیہ کی تاریخ قدامت پرستی، رجعیت، جمود، انحطاط کا نمونہ پیش کر رہی ہے۔ یہودی اور ماسونی انجمنوں اور خفیہ تحریکوں اور اسلام دشمن عالمی طاقتوں کو یقین تھا کہ دولت عثمانیہ کی تاریخ کو مسخ کر کے ہی وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جب تک مسلمان اپنی تاریخ سے وابستہ رہیں گے اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں گے کسی میدان میں ناکام نہیں رہیں گے۔

رہی بات عرب مؤرخین کی تو ان کے خلافت عثمانیہ کے مخالف دھڑے میں شریک ہونے کی کئی وجوہات ہیں سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ اتاترک مصطفیٰ کمال نے 1924ء میں اسلامی خلافت کے خاتمے کا اعلان کر کے ترکی میں سیکولر نظام حکومت قائم کر دیا۔ اس نے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی ہر پہلو سے ملک کو سیکولر بنا دیا۔ اسلام جو صدیوں سے ترکوں کا ملکی قانون تھا اس کی عملداری ختم ہو گئی۔ اب ترکی کی سیکولر حکومت اسلام اور عرب مخالف یورپی سیاست کی ہمنوائی کر رہی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ترکی یورپی عسکری اتحاد کا رکن بن گیا۔ اور جب عرب کے مسلمانوں نے اس اتحاد سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور بعض حکومتوں نے بھی اس کی مخالفت کی تو ترکی وہ پہلا اسلامی ملک ہے۔ جس نے فلسطین کے اندر 1948ء کو قائم ہونے والے اسرائیلی سیاسی ڈھانچے کو تسلیم کیا۔ یہی وجہ تھی کہ عرب مسلمان ترکوں کی اس ملی حکومت کے مخالف ہو گئے جو اس دولت عثمانیہ کے بعد قائم ہوئی تھی جو ہر اس طاقت سے جنگ کرنا اپنا قومی فریضہ خیال کرتی تھی جو مسلمانوں کی ایک بالشت زمین بھی ہتھیانے کی کوشش کرتی تھی۔

ایک اور اہم چیز جس کی وجہ سے عربوں نے خلافت عثمانیہ کو ہدف تنقید بنایا ہے عربی مکتبہ تاریخ کا مغربی منہج تاریخ کی غلامی کو قبول کرنا ہے۔ بالخصوص جب یورپی اور عرب مورخین کے نقطہ ہائے نظر میں یکجہتی پائی جاتی ہے تو خلافت اسلامیہ عثمانیہ کو الزامات دیئے جاتے ہیں اور ان پر تنقید کی جاتی ہے۔

بہت سے عرب مؤرخین یورپ کی مادیت پرست تہذیب سے متاثر ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقوں کی تاریخ کے ہر روشن پہلو کو اس مادی تہذیب کے ساتھ تصادم کے ابتدائی مرحلے کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو منہج ربانی سے کلیۃً دور تھی۔ ان کے خیال میں ان کی جدید تاریخ کی ابتداء مصر و شام پر فرانس کے حملے، مشرق اور مغرب کے درمیان جدائی کی دیوار کے مکمل انہدام اور مصر میں محمد علی کے عہد میں قومی سلطنت کے قیام سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس سے پہلے کی تاریخ کو مورد طعن گردانتے ہیں اور دولت عثمانیہ کے بارے میں ایک غاصب اور استعماریت پسند سلطنت کا نظریہ رکھتے ہیں جس نے اسلامی معاشروں کے عقیدہ، دین اور ان کی اقدار کو یورپ کے نصرانیوں کے وحشی حملوں سے بچایا۔

یورپی طاقتوں نے خلافت اسلامیہ کے مخالف رجحانات کو عام کرنے کے لیے مصر اور شام میں کئی نام نہاد مؤرخین اور مفکرین کی پیٹھ ٹھونکی جنہوں نے قومی حکومتوں کے استحکام اور مضبوطی کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کی۔ ان نام نہاد مفکرین اور مورخین میں بستانی، یازجی، جرجی زیدان، ادیب اسحاق، سلیم نقاش، فرح انطوان، شبلی شمیل، سلامہ موسیٰ، ھنری کوریل

اور ہلیل شفارتز کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان میں سے اکثریت عیسائیوں اور یہودیوں کی ہے۔ اب نہیں تو ان میں غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے جو ماسونی تحریک سے تعلق رکھتے تھے اور اس تحریک کا محمد علی کے دور میں خاص غلغلہ تھا۔ایما تحریک کا بیج نپولین کی آمد کے ساتھ ہی بو دیا گیا جو فرانسیسی فوجوں کی قیادت کرتا ہوا مصر آیا تھا۔

اسلام مخالف قوتیں اس حقیقت سے بخوبی واقف تھیں کہ امت مسلمہ کے زوال اور دولت عثمانیہ کے خاتمے کا واحد راستہ قوم پرست لیڈروں اور مذہب بیزار دانشوروں کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا ہے۔

ماسونی مجالس مسلم معاشروں کے اندر موجود قوم پرست لیڈروں کے دل و دماغ پر یوں چھا گئیں کہ یہ لیڈر اپنے قومی اور ملی مفادات کو پس پشت ڈال کر آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ چونکہ ماسونی اسلام، مسلم تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم کے بارے میں معاندانہ رویہ رکھتے تھے اس لیے ان کی راگنی الاپنے والے قوم پرست لیڈروں نے ان کے مفادات کی خاطر کام کیا اور اپنی تہذیب وثقافت اور نظریات وافکار پر انہیں کی زبان میں بات کرنے لگے۔ مصر کے اندر 1952ء میں جب فوجی انقلاب آیا تو عرب مورخین کے ہاں عموماً اس منحرف منہج میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ کیونکہ مصر میں شروع دن سے فوجی حکومتوں نے قومیت پرستانہ رجحانات کو تقویت دینے کی پالیسی اختیار کی۔ اکثر فوجی حکومتوں کی کوشش رہی کہ ملک ثقافتی اور فکری ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ سیکولر بنیادوں پر قائم ہو۔ ان کی نظر میں خلافت عثمانیہ اور عثمانی حکومت مسلمان اور عرب معاشروں پر ایک غیر قوم کا دوسری قوم پر جابرانہ قبضہ اور تسلط تھا اور ان معاشروں میں جس قدر بھی جمود اور ضعف پیدا ہوا اور ترقی کی راہ میں پیچھے رہے اس کی وجہ عثمانیوں کا تسلط تھا۔ ان کے نزدیک وہ تمام بغاوتیں اور شورشیں جو عرب اور اسلامی علاقوں پر عثمانیوں کی حکومت کے دوران ظہور پذیر ہوئیں وہ آزادی کی تحریکیں تھیں جن پر قومی چھاپ نمایاں تھی حالانکہ حقیقت میں ان تمام بغاوتوں اور شورشوں کا محرک ذاتی مفادات تھے اور انہیں خلافت اسلامیہ کے بیرونی دشمنوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسی تحریکوں میں درج ذیل نام زیادہ معتبر خیال کیے جاتے ہیں۔ جیسے مصر میں علی بیگ کی تحریک، لیبیا میں قرمانلین کی تحریک، فلسطین میں ظاہر العمر کی تحریک، تیونس میں حسینیوں کی تحریک اور لبنان میں معنیوں اور شہابیوں کی تحریک وغیرہ ان کے خیال میں محمد علی ایک قومی لیڈر تھا جس نے عرب دنیا کو متحد کرنے کی کوشش کی لیکن اس وجہ سے ناکام رہا کہ وہ عربی النسل نہیں تھا۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ محمد علی ایک حریص اور خود غرض شخص تھا۔ اس کے اپنے ذاتی مفادات تھے جن کی تکمیل اسے اسی صورت میں نظر آ رہی تھی۔ سوان مقاصد کی تکمیل کی خاطر اس نے استعماری سیاست کو اختیار کیا جس نے اس کے وجود کی مدد کی۔ اپنے مذموم مقاصد تک پہنچنے کے لئے اس نے دولت سعودیہ سلفیہ (1) پر کاری ضرب لگائی۔ خلافت عثمانیہ کو کمزور کیا اور ماسونی مجالس کو تقویت پہنچا کر عالم

1۔ سلطنت اسلامیہ ترکیہ کی گرفت جب کمزور پڑی تو بہت سے عرب رہنماؤں نے خودمختاری حاصل کرنے کے لئے استعماری طاقتوں کی پشت پناہی سے مختلف علاقوں میں خلافت اسلامی کے خلاف بغاوت کی ان میں سے سعود خاندان کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ اس نے بظاہر مذہبی انقلاب کی بات کی اور محمد بن عبد الوہاب کی مذہبی سلفی تحریک نے اپنے اہداف کی خاطر اس سے اتحاد کیا۔ خلافت عثمانی نے اس تحریک کو جو دراصل مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھی محمد علی کے ذریعے دبانے کی کوشش کی۔ پہلے تو انہیں کامیابی ہوئی لیکن بعد میں جب سعودیوں نے استعماریوں سے اتحاد کیا تو حجاز مقدس پر اور پھر کئی دوسرے علاقوں پر ان کی گرفت مضبوط ہوگئی اور وہ الگ حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔

اسلام میں اسلامی طاقتوں پر ضرب لگائی اور مغرب کی مسیحی طاقتوں کے غلبے کی راہ ہموار کی۔ اور اس طرح ایک سہ فریقی اتحاد وجود میں آ گیا۔ یہودی ماسونی، مغربی استعمار اور مقامی نیشلسٹ ایجنٹ جنہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی طاقت کو مل کر نیست و نابود کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے ان کی آزادی سلب کی ان کی اخلاقی قدروں پر قدغن لگائی اور مغرب کے جدید اسلحہ کے زور پر اسلامی ملکوں میں آمریت کے استحکام کو یقینی بنایا۔ محمد علی انہیں طاقتوں کا نمائندہ تھا۔

خطہ عرب کے مشرقی علاقوں میں رہنے والے بعض وہابی(1) مؤرخین بھی دولت عثمانیہ کے عہد حکومت پر حملہ کرنے میں شریک ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو وہ پرانی رنجش تھی جو دولت عثمانیہ نے اپنے پیچھے چھوڑی اور عثمانیوں نے مختلف مراحل میں وہابی تحریک کے خلاف عملی اقدامات کیے۔ دولت عثمانیہ اور وہابی تحریک کے درمیان اس چپقلش کا سبب بھی استعماری طاقتیں تھیں جنہوں نے سازش کر کے دولت عثمانیہ کو اس تحریک کی بیخ کنی کے لئے ابھارا اور عثمانیوں نے اس تحریک کے مرکز نجد پر حملہ کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عثمانی صوفی ازم کے قائل تھے جبکہ وہابی تحریک اسے دین سے خروج خیال کرتی تھی۔ اس وجہ سے بھی سلفیوں نے عثمانی تاریخ کو ہدف تنقید بنایا۔ اور تیسری وجہ عرصہ خلافت کو بدنام کرنے کی یہ تھی کہ آخری دور میں اس پر ترکی نیشلسٹ چھا گئے تھے جنہوں نے اس اسلامی منہج کے التزام سے دوری اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے دولت عثمانیہ کو اپنے طویل ترین دور میں امتیازی شان حاصل رہی تھی اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کو پشت پناہی اور تائید حاصل تھی۔ رہے مارکسی مؤرخ تو یہ لوگ تو ہمیشہ دولت عثمانیہ سے جنگ آزما رہے ہیں۔ وہ اس عرصہ کو جاگیردارانہ نظام کا تسلسل خیال کرتے تھے جو قرون وسطی کی تاریخ پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مارکسیوں کا خیال تھا کہ عثمانیوں نے وسائل پیدا کر کے ارتقاء یا نئی پیداواری قوتوں کے کھوج کا کوئی سراغ نہ لگایا جبکہ جدید دور میں سرمایہ دارانہ نظام اور ساہوکار طبقہ کا غلبہ شروع ہو چکا تھا۔ جنہوں نے انیسویں صدی کی ابتداء میں اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں میں کافی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں اور یورپی مورخین مذہب بیزار اور نیشلسٹوں کے ساتھ مل گئے اور ان کی ہمنوائی کرنے لگے۔

بعض نصرانی اور یہودی تاریخ نگاروں اور دانشوروں نے تالیف و تصنیف اور تراجم کے ذریعے مارکسی اور مغربی نقطہ ہائے نظر کو متحد کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ماسونی مجالس نے ان کی مدد کی۔ انہوں نے کوشش کی کہ عالم اسلام کسی صورت متحد نہ ہونے پائے اور امت مسلمہ مختلف نسلی اور علاقائی گروہوں میں بٹ کر اپنی قوت کھو دے۔ انہوں نے بعض لوگوں کو قومیت کی تبلیغ میں اپنا ہمنوا بنا لیا اور قومیت پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو کر مسلمان من حیث القوم اپنا قومی وجود برقرار نہ رکھ سکے۔ شام میں سبز ہلال، مصر اور سوڈان میں وادی نیل کی اقوام کی وحدت جیسی سکیمیں اور منصوبے سامنے آئے۔ اس کے

1۔ اس سے ہمارے اس نقطہ نظر کی تائید ہو جاتی ہے کہ وہابی تحریک بھی دوسری علیحدگی پسند تحریکوں کا حصہ تھی جنہوں نے عالم اسلام کو کمزور کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کیا۔ اس تحریک کی امتیازی شان یہ تھی کہ قادیانیت کی طرح اسے مذہبی رنگ دیا گیا تھا تا کہ مسلمان اس کا ساتھ مذہبی جوش و جذبہ سے دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس تحریک نے ترکوں کے خلاف اس وقت علم بغاوت بلند کیا جب وہ چاروں طرف سے دشمن سے گھر چکے تھے۔ حالانکہ یہ وقت اتحاد و اتفاق کا متقاضی تھا نہ کہ افتراق و انتشار کا۔ مسلم زعماء نے عالم اسلام کے مختلف خطوں سے حجاز مقدس پہنچ کر ان لوگوں کو بہت سمجھایا لیکن یہ بہت بری طرح دشمن کی سازشوں کا شکار ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے قتل عام کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ (مترجم)

علاوہ محدود قومی رجحانات کی ترویج بھی ہونے لگی جیسے مصر میں فرعونی عراق میں آشوری اور شام میں فنیقی تہذیب کو دوبارہ قائم کرنے کی باتیں ہونے لگیں۔

رہے ترک مورخین جو ترکی قومیت کی تبلیغ کے دوران سامنے آئے تو انہوں نے خلافت عثمانیہ کے عہد کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے۔ خواہ اس کی وجہ اس سیاسی اور فکری نقطۂ نظر کا پرچار ہو جس کی اس علاقے پر سیادت تھی۔ اور جس نے کمزوری اور زوال کے تمام پہلوؤں کی ذمہ داری سابقہ دور پر ڈال دی تھی یا اس بھونڈے موقف سے ترکوں کا متاثر ہونا ہو جس پر آخری دور میں خلافت قائم تھی اور 1909ء میں سلطان عبدالحمید کی معزولی کے وقت جو اس کی شکل بن گئی تھی۔ کیونکہ جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو خلافت کو کئی معرکوں میں شکست ہوئی اور اس کے نتیجے میں اسے اپنے بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ 1918ء میں معاہدہ سیفر پر دستخط کر کے دولت عثمانیہ نے اپنے بہت سے علاقے مخالفین کے حوالے کر دیئے تھے اور حقیقت میں یہ شکست خلافت کی شکست نہیں تھی بلکہ اتحاد و ترقی کے ہمنواؤں کی شکست تھی اور یہ ان کی سیاست کا نتیجہ تھا۔ لیکن مصطفیٰ کمال پاشا کی سربراہی میں قومی تحریک ترکی کو اس اہانت سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس تحریک نے بہت سے ترکی علاقوں کو واپس لے لیا اور یونان اور اس کے مددگاروں کو نیچا دکھایا۔ اس کے علاوہ بعض ترک مورخین ان عرب مورخین سے متاثر ہوئے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم میں اپنے مغربی حلیفوں کی مدد کی اور پہلی بار 1916ء میں دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔

اسباب میں تفاوت اور تباین کے باوجود اکثر جدید مورخین اسلام کی نمائندہ عثمانی خلافت کی تاریخ کو مسخ کرنے اور اس کے بارے کذب و افتراء بازی میں متحد نظر آتے ہیں۔ ان مورخین نے اپنی تحریروں کی بنیاد علمی حقائق پر نہیں رکھی بلکہ کذب و افتراء، جھوٹ اور بہتان، حقائق کو مسخ کر کے تشکیک اور تدلیس سے کام لیا ہے۔ ایسی تمام کتابوں اور تحریروں پر اندھی تقلید اور تعصب کی چھاپ واضح نظر آتی ہے اور اصول پسندی اور امانت علمی کہیں نظر نہیں آتی۔ ایسی متعصب اور غیر علمی اور غیر تحقیقی کتابوں کے رد میں کئی کتابیں تحریر ہوئیں جن میں ان الزامات اور شبہات کا بھرپور علمی رد کیا گیا۔ شاید ان تمام کتب میں اہم ترین اور سب سے زیادہ نمایاں کتاب ڈاکٹر عبدالعزیز شناوی کی کتاب ''الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیھا'' ہے جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے محنت کا حق ادا کر دیا۔ بڑے خلوص سے اور پوری علمی امانت داری سے حقائق کو بیان کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکے۔ بعض اہل علم نے ان کی تحریر پر کچھ اعتراضات کیے ہیں مثلاً ینگ چری فوج کی حقیقت کے بارے ان کا موقف صحیح نہیں اور انہوں نے اس سلسلہ میں جو دلائل دیئے ہیں شاید وہ غیر جانبدارانہ علمی تحقیق کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

اس میدان میں دوسری اہم اور قابل داد کوشش ڈاکٹر محمد حرب کی ہے جو تاریخ دولت عثمانیہ میں پی ایچ ڈی کر چکے ہیں اور اس حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کے لئے بڑی قیمتی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مثلاً ''العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ''، ''سلطان محمد الفاتح فاتح القسطنطنیۃ وقاھر الروم''، ''سلطان عبدالحمید آخر سلاطین العثمانیین الکبار''۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر موفق بنی المرجہ کا وہ رسالہ بھی دولت عثمانیہ کی تاریخ پر ایک نہایت علمی تحقیق ہے جو انہوں نے ایم۔

اے کے تھیسز (Thesis) کے طور پر لکھا۔ اس رسالے کا عنوان ہے'' صحوۃ الرجل المریض او السلطان عبد الحمید و الخلافۃ الاسلامیۃ'' ڈاکٹر موصوف نے بڑی عرق ریزی سے یہ مقالہ تیار کیا ہے اور خلافت عثمانیہ کے حق میں ایسے علمی اور تحقیقی دلائل و شواہد پیش کیے ہیں جو نا قابل تردید ہیں ان مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ کئی دوسری کتابیں بھی ہیں جو خلافت کی مشروعیت اور اہمیت اور دولت عثمانیہ کے تاریخ کے روشن پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔ لیکن اب تک دور جدید کی ہماری اسلامی تاریخ کے بعض پہلو ایسے ہیں جن پر داد تحقیق دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جدید تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ سے متاثر اور قومیت پرست مؤرخین نے جان بوجھ کر بعض ایسی باتیں خلافت اور ہماری اسلامی تاریخ کی طرف منسوب کر دی ہیں جن کا اس تاریخ سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اور وہ الزامات اور بہتان طرازیاں آج تک ہماری تاریخ کا حصہ چلی آ رہی ہیں۔ ان الزامات کی تردید اور ان بہتان طرازیوں اور تشکیک و شبہات کو دور کرنے کی بہر حال ضرورت ہے تاکہ نسل نو علمی حقائق کا نور لے کر آگے بڑھ سکے اور اپنی شاندار ماضی سے اپنا تعلق استوار رکھ سکے۔

تاریخ جدید پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ضروری ہے کہ تاریخ کو بگاڑنے اور اس کو غلط رنگ دینے میں ماسونی مجالس اور مغربی پالیسیوں کے کردار کو عیاں کریں جن کو یہودیوں اور نصرانیوں کے ایجنٹوں نے وضع کیا تھا۔ ان تمام کا تعلق لبرل اور نیشلسٹ دعویداروں سے تھا۔ ان لوگوں نے ماسونی عناصر کو تاریخ کے میدان میں نمایاں کیا اور ماسونی تحریک کے کردار کو آزادی کی تحریکوں کے کردار کا نام دیا اور لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ آزادی کی ان تحریکوں کا ساتھ دیں حالانکہ یہ آزادی کی تحریکیں نہیں تھیں ماسونی تحریکیں تھیں جن پر آزادی کی تحریکوں کا لیبل لگا دیا گیا تھا۔

قدیم اور جدید اسلامی تاریخ ایک ایسا علم ہے۔ جس کو اسلام دشمن طاقتوں نے ہدف تنقید بنایا ہے۔ کیونکہ یہ مسلمان گروہوں کے تشخص کی تعمیر و تشکیل میں ایک اہم نظریاتی، فکری اور تربیتی محافظ کی حیثیت رکھتا ہے(1)۔

عمومی طور پر اس کتاب میں تاریخ عثمانی کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ لیکن شمالی افریقہ میں خلافت عثمانیہ کے کردار پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس تحقیق میں ان قدیم بنیادوں جن پر دولت عثمانیہ قائم کی گئی سے لے کر انگریزی ایجنٹ اور ملحد کبیر مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں خلافت کے سقوط تک کے عرصہ سے بات کی گئی ہے۔ اس مطالعہ کے دوران مولف نے دولت عثمانیہ کے عروج وزوال کے اسباب، ارکان دولت کے کردار، طاقتور سلاطین، علماء کی قدر افزائی، شریعت اسلامی کے نفاذ، اسلام کی اشاعت میں عثمانیوں کی کوششوں، اسلامی ملکوں کے صلیبیوں کے مسلسل حملوں سے دفاع کے بارے تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ مولف نے حالات وواقعات کو پیش کرتے ہوئے اہل السنت کے منہج کا التزام کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ واقعات پر حکم لگاتے وقت عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تاکہ وہ اس طرح ان بہت سارے غلط احکام اور مفاہیم کو درست کرنے میں اپنا حصہ ڈال سکے جو اسلامی عثمانی سلطنت کے بارے میں مشہور ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے اور وہی راہ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

1- دیکھیے قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین، ڈاکٹر زکریا بیومی ص 9,8,7 تا 17,16

پہلی فصل

ترکوں کے آباؤ اجداد

پہلی بحث

ترکوں کا حسب ونسب اوران کا اصلی وطن

ماوراء النہر کا علاقہ جسے آج ہم ''ترکستان'' کا نام دیتے ہیں اور جو مشرق میں منگولیا اور شمالی چین کی پہاڑیوں سے مغرب میں بحرخزر (بحرقزوین) اور شمال میں سبیریا کے میدانی علاقوں سے جنوب میں برصغیر اور فارس تک پھیلا ہوا ہے (1) غز خاندانوں کا وطن ہے اس علاقہ میں اس خاندان کے بڑے بڑے قبائل رہائش پذیر تھے اور ترک یا اتراک کے نام سے پہچانے جاتے تھے (2)۔

چھٹی صدی عیسوی کے نصف ثانی میں ان قبیلوں نے اپنے وطن اصلی کو خیرباد کہہ کر گروہ در گروہ ایشیاء کو چک کی راہ لی۔ مورخین ان کی اس نقل مکانی کی کئی توجیہات کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی وجہ اقتصادی بدحالی تھی۔ شدید قحط اور بڑھتی ہوئی آبادی نے انہیں ترک وطن پر مجبور کیا اور وہ ایسے علاقوں میں آکر بسے جہاں وسیع چراگاہیں اور خوشحال زندگی کے اسباب وافر مقدار میں موجود تھے (3)۔

بعض تاریخ نگاروں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس نقل مکانی کے پیچھے سیاسی عوامل کارفرما تھے۔ ترکوں کو بعض ایسے طاقتور قبائل کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا جن کی طاقت اور تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی جیسے منگولیا، اس دشمنی سے بچنے کے لئے انہوں نے ترکستان (4) کو چھوڑ کر ایک ایسے علاقے کی راہ لی جہاں وہ امن وآشتی کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ یہ رائے ڈاکٹر عبداللطیف عبداللہ بن دھیش کی ہے (5) لہٰذا منگولیوں کی دشمنی سے بچنے کے لئے ان قبیلوں نے مغرب کی راہ لی اور دریائے جیحوں کے قریبی علاقوں میں بس گئے۔ جہاں سے بعد میں وقتاً فوقتاً طبرستان اور جرجان (6) آئے اور یہاں بودوباش اختیار کر لی۔ اس طرح ترک ان اسلامی علاقوں سے قریب ہو گئے۔ جن کو مسلمانوں نے 21ھ، 641ء میں معرکہ نہاوند اور فارس میں دولت ساسانیہ کے سقوط کے بعد فتح کیا تھا۔ (7)

اسلامی دنیا کے ساتھ ترکوں کا اتصال

22ھ، 652ء کو اسلامی فوجوں نے باب کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کی تاکہ ان علاقوں کو فتح کریں۔ یہ وہ علاقے تھے جن میں ترک سکونت پذیر تھے۔ اسلامی سپاہ کے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ترکوں کے سردار شہر براز سے

1۔ دیکھیے: تاریخ الترک فی آسیا الوسطی بانولڈ۔ ترجمہ احمد العید، ص 106

2۔ دیکھیے: اخبار الامراء والملوک السلجوقیہ۔ تحقیق ڈاکٹر محمد نورالدین: ص 4،2

3۔ قیام الدولۃ العثمانیۃ: ص 8

4۔ کتاب السلوک: احمد مقریزی: ج 1۔ قسم 1۔ ص 3

5۔ قیام الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر عبداللطیف دھیش: ص 8

6۔ الکامل فی التاریخ: (22/8)

7۔ شوقی ابوخلیل: نہاوند (ص 55-70)

ملاقات کی۔ شہر براز نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ارمن پر حملہ کرنے کے لئے اسلامی لشکر میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں اپنے قائد سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ شہر براز نے سراقہ سے ملاقات کی اور ان سے اپنی خدمات پیش کرنے کے سلسلہ میں بات کی۔ سراقہ نے ان کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ اور اس بارے ایک عریضہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نام تحریر کیا اور انہیں اس بارے اطلاع دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی سراقہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اس کے بعد مسلمانوں اور ترکوں میں باقاعدہ معاہدہ طے پا گیا۔ یوں مسلمانوں اور ترکوں میں کسی قسم کی جنگ نہ ہوئی بلکہ یہ دونوں لشکر ارمن پر حملہ آور ہوئے اور وہاں اسلام کی اشاعت ہوئی(1)۔

اس کے بعد اسلامی لشکر فارس کے شمال مشرقی علاقوں کی طرف بڑھے تاکہ مسلمان لشکروں کے ہاتھوں دولت ساسانی کے سقوط کے بعد ان علاقوں میں الٰہی دعوت کی ترویج ہو سکے۔ یہ وہ علاقے تھے جو شمال کی طرف اسلامی سپاہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ جب صلح کے معاہدہ کی بدولت یہ مشکلات ختم ہو گئیں تو ان علاقوں اور ملکوں تک پہنچنے کی راہ ہموار ہوگئی اور ترکوں اور مسلمانوں کے درمیان ربط وضبط پیدا ہو گیا۔ ترک اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر کے اسلام کی اشاعت اور غلبہ دین کے لئے مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے(2)۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طبرستان کا پورا علاقہ فتح ہوا۔ 31ھ کو اسلامی لشکر دریائے جیحوں سے پار اترا اور ماوراء النہر کے علاقے میں پڑاؤ کیا۔ اس علاقے کے ترک جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کا دفاع کرنے اور خدائی پیغام کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے جہادی سرگرمیوں میں شریک ہو گئے(3)۔

اس کے بعد بھی اسلامی لشکر کی پیش قدمی جاری رہی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بخارا فتح ہوا۔ کامیابی و کامرانی کا یہ سلسلہ آگے بڑھا اور سمرقند بھی اسلامی قلم رو میں شامل ہوا حتیٰ کہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہوتی گئیں اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ ماوراء النہر کے تمام علاقے اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے اور ان میں بسنے والے ترک قبائل نے خالص اسلامی تہذیب وتمدن کو اختیار کیا(4)۔

عباسی خلفاء اور امراء کے درباروں میں ترکوں کا اثر ونفوذ بڑھنا شروع ہوا۔ ہر شعبے میں ترکوں کی ایک معتدبہ تعداد دیکھی جانے لگی۔ فوج، کاتب اور حکومت کے دوسرے اعلیٰ مناصب غرضیکہ کوئی ایسا شعبہ نہیں تھا جہاں ترک موجود نہ ہوں۔ اپنی خداداد صلاحیتوں اور اخلاص کی بدولت انہیں بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا گیا ہے۔

جب معتصم تخت خلافت پر متمکن ہوا تو ترکی اثر ونفوذ کے سامنے اعلیٰ مناصب کے سب دروازے کھل گئے۔ بڑے بڑے منصب ترکوں کے سپرد ہوئے۔ ترک اب سلطنت کے ہر شعبہ میں کلیدی آسامیوں پر کام کرنے لگے۔ دراصل معتصم ایرانی اثر

1۔ تاریخ الامم والملوک: محمد بن جریر طبری: (257,256/3)
2۔ الدولۃ العثمانیۃ والشرق العربی: محمد انیس، ص 12-13
3۔ فتوح البلدان۔ احمد یحیٰ بلاذری: ص 409.405
4۔ خراسان، محمود شاکر۔ ص 20 تا 35

ونفوذ کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ ایرانی خلیفہ المامون کے دور سے ایک بہت بڑی طاقت کی حیثیت سے حکومتی عہدے پر فائز چلے آرہے تھے اوران میں کافی حد تک خودسری کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔(1)

معتصم کے اس اقدام نے لوگوں کو کافی حد تک مشتعل کردیا۔ عوام اور سپاہ دونوں میں بے چینی پھیل گئی یہی وجہ تھی کہ معتصم نے اپنے لیے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جہاں اس کی ذاتی فوج اور اعوان ومددگار رہائش پذیر ہوئے یہ نیا شہر سامرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اور بغداد سے 125 کلومیٹر دور تھا۔

یوں تاریخ اسلامی کے اہم ترین دور میں ترکوں کو سلطنت میں خاصی اہمیت حاصل ہوگئی حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا کہ ترکوں نے ایک بہت بڑی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس سلطنت کا دولت عباسیہ کے خلفاء کے ساتھ مضبوط تعلق تھا۔ یہ سلطنت تاریخ میں سلجوقی سلطنت کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔(2)

دوسری بحث

دولت سلجوقیہ کا قیام

عربی اسلامی مشرق میں رونما ہونے والے واقعات کے سٹیج پر سلجوقیوں کے ظہور کے ان علاقوں کی سیاسی تبدیلی پر بہت گہرے اثرات پڑے جن کو ایک طرف عباسی خلفاء اپنی قلمرو میں شامل رکھنے کے لئے کوشش کررہے تھے اور دوسری طرف شیعوں کی فاطمی خلافت اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

ایسے حالات میں سلجوقیوں نے ایک بہت بڑی ترکی سلطنت کی بنیاد رکھی جو پانچویں صدی ہجری بمطابق گیارہویں صدی عیسویں میں سامنے آئی یہ سلطنت خراسان ماوراء النہر، ایران، عراق بلادشام اور ایشیائے کوچک کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ اس سلطنت کا مستقر پہلے ایران کا شہر رے تھا اور بعد میں عراق کا شہر بغداد قرار پایا۔ اسی دوران خراسان، ماوراء النہر (کرمان) بلادشام (سلاجقہ شام) اور ایشیائے کوچک (سلاجقہ روم) میں کئی چھوٹی چھوٹی سلجوقی سلطنتیں معرض وجود میں آئیں یہ تمام سلطنتیں ایران اور عراق میں سلجوقی سلطان کے تابع تھیں۔

سلجوقیوں نے بغداد کی عباسی خلافت اور اس کے مذہب اہل السنت والجماعت کی خوب مدد کی۔ یہ سلطنت ایک طرف ایران وعراق میں شیعہ بویہی اور دوسری طرف مصروشام میں عبیدی (فاطمی) اثرونفوذ کے درمیان میں گھری زوال کے قریب پہنچ چکی تھی۔ سلجوقیوں نے بویہی اقتدار کا خاتمہ کردیا اور عبیدی (فاطمی) خلافت کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوگئے۔(3)

سلجوقی سردار طغرل بیگ نے 447ھ میں بغداد کے اندر بویہی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔ تمام شورشوں پر قابو پالیا مساجد کے دروازوں سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سب وشتم پر مبنی تحریریں مٹادیں اور رافضیوں کے شیخ ابوعبداللہ

1۔ قیام الدولۃ العثمانیہ۔ ص 12
2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ۔ ص 12
3۔ السلاطین فی المشرق العربی۔ ڈاکٹر عصام محمد شبارو: ص 171

الجلاب کو رفض میں غلو کی وجہ سے قتل کر دیا۔(1)
بو یہی شیعہ نفوذ بغداد اور عباسی خلیفہ پر چھا چکا تھا۔ جب سلجوقیوں نے بغداد سے دولت بو یہی کا خاتمہ کر دیا اور سلطان طغرل بیگ عباسی خلافت کے دار الحکومت میں داخل ہوا تو خلیفہ قائم بامر اللہ نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ انہیں نہایت قیمتی خلعت عطا کی اپنے پاس بٹھایا اور بڑے معزز القابات سے نوازا۔ ان القابات میں ایک لقب سلطان رکن الدین طغرل بیگ ہے۔ اس کے علاوہ عباسی خلیفہ نے یہ حکم صادر کیا کہ سلطان طغرل بیگ کا نام سکوں پر کندہ کیا جائے۔ بغداد کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اس کے حق میں جمعہ و عیدین کی نمازوں میں دعا کی جائے۔ خلیفہ کی اس قدر افزائی کی وجہ سے سلجوقیوں کو پوری اسلامی دنیا میں بے پناہ قدر و منزلت حاصل ہوئی اور وہ بغداد میں بو یہیوں کی جگہ سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ عباسی خلیفہ اب ان کے ہر مشورہ کو بطیب خاطر قبول کرتا تھا اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔(2)
طغرل بیگ بڑی طاقتور شخصیت کا مالک تھا۔ بڑا ذہین، کمال شجاع دیندار، نیک اور عدل گستر تھا۔ انہیں خصائل حمیدہ کی وجہ سے اس کی حمایت میں آئے روز اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس نے ایک نہایت ہی طاقتور لشکر تیار کر لیا۔ طغرل بیگ نے کوشش کی کہ تمام سلجوقی ترک متحد رہیں اور اسلام کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔(3)
خلیفہ قائم بامر اللہ نے سلجوقی سلطنت کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی خاطر طغرل بیگ کے بڑے بھائی جعفری بیگ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ یہ شادی 448ھ بمطابق 1059ء میں ہوئی پھر شعبان 454ھ بمطابق 1062ء میں طغرل بیگ کی شادی خلیفہ عباسی قائم بامر اللہ کی بیٹی سے ہوئی۔ لیکن اس کے بعد طغرل بیگ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔ آٹھ رمضان المبارک 454ھ بمطابق 1062ء کو یعنی صرف ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا اس وقت طغرل بیگ کی عمر ستر سال تھی۔ اپنی وفات سے پہلے طغرل بیگ خراسان، ایران اور عراق کے شمال مشرقی علاقوں میں اپنے ہاتھ سے سلجوقی اقتدار اور غلبہ کا کام مکمل کر چکے تھے۔(4)

سلطان محمد الپ ارسلان (بہادر شیر)

الپ ارسلان نے اپنے چچا طغر بیگ کی وفات کے بعد زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔ اگرچہ اقتدار کی خاطر ملک میں کچھ جھگڑے ہوئے لیکن الپ ارسلان نے ان تنازعات پر بروقت قابو پا کر حالات کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ الپ ارسلان اپنے مرحوم چچا طغرل بیگ کی طرح ایک نہایت مدبر، تجربہ کار لیڈر اور جرأت مند شخصیت کا مالک مخلص قائد تھا۔ اس نے ملکی سرحدوں کو وسیع کرنے کے لئے ایک نہایت ہی دانشمندانہ پالیسی اختیار کی جو علاقے سلجوقی سلطنت کے زیر نگیں تھے۔ پہلے ان کے استحکام کو یقینی بنایا اور اس کے بعد بیرونی دنیا کی طرف پیش قدمی کی۔ سلطان الپ ارسلان ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ اور اپنی پڑوسی مسیحی سلطنتوں میں اسلام کی اشاعت کے لئے بے قرار رہتا تھا۔ اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ ارمن اور روم کے

1۔ لعبید التاریخ نفسہ: محمد العبدہ: ص 67
2۔ قیاما الدولۃ العثمانیۃ: ص 19
3۔ قیاما الدولۃ العثمانیۃ ص 17
4۔ تاریخ الدولۃ العلیہ العثمانیہ: محمد فرید بیگ: ص 25

علاقے اسلامی قلم رو میں شامل ہوں دراصل وہ ایک مخلص مجاہد تھا اور اسلامی جہاد کی روح ہی وہ واحد عامل تھا جس کی بدولت الپ ارسلان کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اور اس کی جہادی سرگرمیوں نے دینی رنگ اختیار کر لیا۔

سلجوقی سلطنت کا یہ عظیم قائد ایک مخلص جہادی شخصیت اور مسیحی علاقوں میں اسلام کی اشاعت و ترویج کے لئے بے حد حریص انسان کی شکل میں نمودار ہوا اور دولت بیزنطیہ کے بہت سارے علاقوں پر اسلام کا علم لہرا دیا۔(1)

الپ ارسلان اپنی مملکت کی سرحدوں کو وسیع کرنے سے پہلے سات سال کے عرصہ تک اپنی مملکت کے دور دراز علاقوں کے حالات کا جائزہ لیتا رہا اور جب ان علاقوں میں امن و امان کی صورت حال سے مطمئن ہو گیا تو اپنے عظیم مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پلاننگ شروع کر دی۔ ان کے سامنے اب ایک ہی ہدف تھا۔ سلجوقی سلطنت کے پڑوس میں واقع مسیحی علاقوں کو فتح کرنا، مصر میں فاطمی دولت کے اقتدار کو ختم کرنا اور تمام اسلامی دنیا کو عباسی خلفاء اور سلجوقی اقتدار کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنا۔ الپ ارسلان نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس لشکر کی قیادت کرتا ہوا ارمن اور جورجیا کی طرف روانہ ہوا۔ یہ علاقے بہت جلد ان کے ہاتھوں فتح ہوئے (2)۔ الپ ارسلان آگے بڑھا اور شام کے شمالی علاقے پر یورش کی حلب میں مرداسی حاکم تھے۔ اس سلطنت کی بنیاد 414ھ بمطابق 1023ء میں صالح بن مرداس نے رکھی تھی۔ یہ ایک شیعہ سلطنت تھی۔ الپ ارسلان نے مرداسی سلطنت کا محاصرہ کر لیا اور اس سلطنت کے فرمانروا محمود بن صالح بن مرداس کو مجبور کیا کہ وہ مصر کے فاطمی خلیفہ کی بجائے عباسی خلیفہ کی حکومت کو تسلیم کرے اور لوگوں کو اس حکومت کے احکام کا پابند کرے (3) اس کے بعد الپ ارسلان نے ایک ترکی نژاد قائد اتنسز بن اوق خوارزمی کو جنوبی شام پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا خوارزمی نے فاطمیوں سے رملہ اور بیت المقدس چھین لئے لیکن عسقلان پر قبضہ نہ ہو سکا جسے مصری حدود میں داخلہ کے لئے ایک بہت بڑے دروازے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس طرح سلجوقی بیت المقدس کے اندر خلیفہ عباسی اور سلطان سلجوقی کے مرکز کے قریب ہو گئے۔(4)

426ھ میں مکہ مکرمہ کے گورنر محمد بن ہاشم کا قاصد سلطان الپ ارسلان کے دربار میں پہنچا۔ قاصد نے اطلاع دی کہ شریف مکہ خلیفہ القائم پاشا اور سلطان الپ ارسلان کے نام کا خطبہ دے رہا ہے اور آئندہ سے وہ عبیدی سلطنت کی بجائے عباسی خلافت کے احکامات کی پابندی کرے گا۔ قاصد نے یہ بھی بتایا کہ مکہ شریف میں آئندہ حی علی خیر العمل کے الفاظ (اور دوسرے شیعی الفاظ) اذان میں نہیں دہرائے جائیں گے۔ سلطان نے شریف مکہ کے قاصد کی بڑی عزت افزائی کی۔ تیس ہزار دینار گورنر مکہ کی خدمت میں ارسال کئے اور کہلا بھیجا کہ اگر گورنر مدینہ ایسا کرے گا تو اس کی خدمت میں بیس ہزار دینار پیش کئے جائیں گے۔(5)

الپ ارسلان کی ان فتوحات نے رومی شہنشاہ ڈومانوس ڈیوجیس کو آتش زیر پا کر دیا اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ ہر

1۔ قیام الدولۃ العثمانیۃ: ص 20 2۔ قیام الدولۃ العثمانیۃ: 20 3۔ السلاطین المشرق العربی۔ ڈاکٹر عصام محمد: ص 25

4۔ مرآۃ الزمان: سبط ابن الجوزی: ص 161 5۔ التحید التاریخ نفسہ: محمد العبدہ۔ ص 68

قیمت پر اپنی شہنشاہیت کا دفاع کرے گا۔ سو اس مقصد کی خاطر اس نے اپنی پوری فوج سلجوقیوں کے خلاف جنگ میں جھونک دی۔ رومی اور سلجوقی فوجوں میں کئی خونریز معرکے ہوئے۔ ''ملاذ کرد'' کا معرکہ ان سب میں زیادہ اہم ہے جو 463ھ بمطابق اگست 1070ء کو برپا ہوا۔(1)

ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ''اور اس معرکے میں روم کا بادشاہ ڈومانوس پہاڑ کی مانند لشکروں کو لیکر روانہ ہوا۔ ان لشکروں میں روم، روس، برطانیہ اور کئی دوسرے ملکوں کے سپاہی شریک تھے۔ ڈومانوس کی جنگی تیاریاں بھی خوب تھیں۔ اس لشکر میں 35 بطریق بھی شریک تھے۔ اور ہر بطریق کے ساتھ دو دو لاکھ گھوڑ سوار تھے۔ 35 ہزار فرنگی اور 15 ہزار دوسرے جنگ جو اس کے علاوہ تھے جو قسطنطنیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ نقاب (نقب لگانے والے)(2) ایک لاکھ کھدائی کرنے والے، ایک ہزار روز جاری، چار سو بیل گاڑیوں جن پر فوجوں کی وردیاں، اسلحہ، گھوڑوں کی زینیں، منجنیقیں، قلعہ شکن آلات لدے ہوئے تھے۔ ان منجنیقوں میں ایک منجنیق ایسی بھی تھی جس کو ایک ہزار دو سو آدمی چلاتے تھے۔ ڈومانوس (خدا اس کا ستیاناس کرے) یہ سب لاؤ لشکر لے کر اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کا مقصد لے کر آگے بڑھا تھا۔ اس کو اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ فتح سے پہلے ہی اسلامی علاقے اس نے اپنے بطریقوں کو جاگیر میں دینے کا اعلان کر دیا حتیٰ کہ بغداد بھی ایک بطریق کے نام کر دیا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ جب عراق اور خراسان کے علاقے فتح ہو جائیں گے تو وہ یکبارگی حملہ کر کے شام کے علاقے مسلمانوں سے واپس لے لیں گے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے اور تقدیر ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ سلطان الپ ارسلان اور رومی فوجوں کا آمنا سامنا الزھوہ کے مقام پر بدھ کے روز ہوا۔ ذی قعد کے مہینے کے ابھی پانچ دن باقی تھے۔ رومی فوج کی کثرت تعداد کو دیکھ کر الپ ارسلان کچھ پریشان ہوا۔ لیکن فقیہہ ابو نصر محمد بن عبد المالک بخاری (یہ حنفی بزرگ تھے) نے ان کو حوصلہ دیا اور کہا: سلطان محترم! جمعہ شریف کے روز جب خطباء جمعہ کے خطبے پڑھ رہے ہوں اور مجاہدین کے لئے دعائیں مانگ رہے ہوں عین اس وقت دشمن پر حملہ کر دیں۔ اللہ کریم مسلمانوں کی دعاؤں کے طفیل سلطان کو فتح عطا فرمائے گا۔

جب وہ وقت آیا اور دونوں لشکر میدان میں اترے تو الپ ارسلان اپنے گھوڑے سے اترا۔ زمین پر سر رکھ کر اور اپنی پیشانی کو خاک آلود کر کے بارگاہ خداوندی میں فتح و نصرت کے لئے ملتجی ہوا۔ اللہ کریم نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اور نصرانیوں کے سروں کو جھکا دیا۔ مسلم سپاہ نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے رومی بادشاہ اور سپہ سالار فوج ڈومانوس گرفتار ہوا۔ اسے ایک رومی غلام نے گرفتار کیا۔ جب شاہ روم کو سلطان الپ ارسلان کے حضور پیش کیا گیا تو سلطان نے اپنے ہاتھ سے اسے تین کوڑے مارے اور پوچھا: اگر میں گرفتار ہو کر تیرے سامنے پیش ہوتا تو تو میرے ساتھ کیسا سلوک کرتا؟ ڈومانوس نے کہا: میں تم سے انتہائی برا سلوک کرتا۔ الپ ارسلان نے کہا: میرے بارے میں تیرا کیا گمان ہے؟ ڈومانوس بولا۔ تو یا تو مجھے قتل کر دے گا یا اپنے ملک میں میری تشہیر کرے گا یا معاف کر دے گا یا فدیہ لے کر رہا کرے گا۔ الپ ارسلان نے کہا: میرا ارادہ یہ

1۔ العہد التاریخ نفسہ: محمد العبدہ۔ ص 68

2۔ نقاب اور حفار: نقب لگانے والے اور کھدائی کا کام کرنے والے۔

ہے کہ تجھ کو معاف کر دوں اور فدیہ لے کر چھوڑ دوں۔ لہٰذا سلطان نے اس سے پندرہ لاکھ اشرفیاں فدیہ لے کر اسے آزاد کر دیا۔ جب ڈومانوس روانہ ہونے لگا تو سلطان نے اسے پینے کے لئے مشروب دیا۔ وہ سلطان کے اس نیک سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ زمین بوس ہوا۔ تعظیم بجالایا۔ سلطان نے از راہ عنایت دس ہزار دینار فدیہ سے چھوڑ دیئے تا کہ وہ ان سے زادِ راہ خرید سکے۔ خود اس کی پیشوائی کے لئے دور تک چلا۔ گرفتار شدہ بطریقوں کی ایک جماعت کو آزاد کر کے بادشاہ کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ تنہا سفر نہ کرے۔ ان تمام نوازشات کے علاوہ اپنی طرف سے ایک محافظ دستہ بھی ان کے ساتھ کر دیا تا کہ کوئی گزند نہ پہنچائے۔ اس محافظ دستہ کے پاس ایک جھنڈا تھا جس پر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ (1)

الپ ارسلان کا ایک مختصر سے لشکر جس کی تعداد 15 ہزار سے زیادہ نہیں تھی کی مدد سے شہنشاہ روم ڈومانوس کے ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل بہت بڑے لشکر کو شکست فاش سے دوچار کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس واقعہ نے رومیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ ایشیائے کوچک کے اکثر علاقوں میں رومی شہنشاہیت کی چولیں ہل گئیں۔ یہی وہ علاقے تھے جو رومی شہنشاہیت کے ستون اور بنیادیں خیال کئے جاتے تھے۔ سلجوقیوں کی اس شاندار فتح نے بیزنطینی حکومت کو ان علاقوں میں بالتدریج کمزور کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ اس قدیم ترین سلطنت کا عثمانیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا۔

الپ ارسلان ایک متقی اور پرہیز گار انسان تھا۔ فتح کے مادی اور معنوی ہر دو اسباب سے استفادہ کرتا تھا۔ علمائے اسلام کی ہم نشینی سے بہرہ ور ہوتا۔ ان کی نصیحتوں کو گوش ہوش سے سنتا اور ان پر عمل کرتا۔ کیا ہی خوب نصیحت تھی جو عالم ربانی ابونصر محمد بن عبدالمالک بخاری حنفی نے کی۔ معرکہ ''ملاذ کرد'' جس کا ابھی ذکر ہوا ہے میں جب الپ ارسلان رومی فوج کی کثرت دیکھ کر پریشان ہوا تو اس صوفی منش عالم نے اس کی ڈھارس بندھائی اور کہا: سلطان! تو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے جنگ کر رہا ہے اور اللہ کریم کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا آگے بڑھیے اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی آپ کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ بروز جمعہ جب خطبائے اسلام منبروں پر آپ کے نام کا خطبہ پڑھ رہے ہوں اور مجاہدین کے لئے دعا کر رہے ہوں تو عین اس وقت جنگ کا آغاز فرمایئے۔ اللہ کریم مسلمانوں کی دعاؤں کی لاج رکھے گا اور آپ فتح یاب ہوں گے۔

جب وہ گھڑی آئی تو سلطان نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ دھاڑیں مار کر رویا فوج کی بھی ہچکی بندھ گئی۔ پورے لشکر نے رب کے حضور گڑ گڑا کر دعا کی۔ جب سلطان نماز سے فارغ ہوا۔ تو فوج سے مخاطب ہوا۔ جو واپس جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے میری طرف سے تمہیں اجازت ہے میں نہ تمہیں روکتا ہوں اور نہ حکم دیتا ہوں کہ واپس جاؤ۔ تمہیں اختیار دیتا ہوں لیکن میں اس رومی سپاہ سے تنہا بھی لڑوں گا۔ یہ کہہ کر تیر اور کمان پھینک دی۔ اپنے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی دم باندھی۔ جنگی سامان زیب تن کیا تلوار بے نیام کی اور ایک آہ سرد بھر کر بولا۔ اگر میں میدان جہاد میں قتل ہو جاؤں تو یہی جنگی لباس میرا کفن ہوگا (2)۔ اللہ اکبر واقعی ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

1۔ البدایۃ والنہایۃ (108/12)

2۔ تاریخ الاسلام: امام ذہبی۔ حوادث ووفیات: (461، 470) ص (2)

اسلام کا یہ بطل جلیل اور عظیم سپہ سالار ایک باغی کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اس باغی کا نام یوسف خوارزمی تھا۔ آپ کا سن وصال 10 ربیع الاول 465ھ بمطابق 1072ء ہے۔ آپ مرو کے شہر میں اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اور ملک شاہ کو اپنے پیچھے جانشین چھوڑا۔ (1)

سلطان الپ ارسلان کا اخلاق و کردار

آپ بڑے خداترس اور غریب پرور تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجالاتے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کا گزر مرو میں خراسین کے فقراء سے ہوا۔ آپ ان کی حالت زار کو دیکھ کر رو پڑے اور بارگاہ خداوندی میں التجا کی یا اللہ ان غریبوں کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ آپ بہت زیادہ صدقہ، وخیرات کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار اشرفیاں صدقہ کرنا آپ کا معمول تھا۔ ملک کے طول وعرض کے فقراء و مساکین کے نام ایک رجسٹر میں درج کر رکھے تھے جنہیں معقول وظائف دیئے جاتے تھے۔ اور ان کے جملہ اخراجات کی کفالت حکومت کرتی تھی۔ پورے ملک میں کوئی جرم اور زیادتی نہیں تھی۔ رعایا خوش حال تھی اور خراج کی حقیقی آمدنی کے علاوہ کسی سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اور سالانہ خراج یکبارگی لینے کی بجائے سال میں آدھا آدھا کر کے دو مرتبہ لیا جاتا تھا تاکہ لوگ آسانی سے خراج ادا کر سکیں۔ (2)

صدقہ وصول کرنے والے بعض عاملین نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں وزیر مملکت نظام الملک طوسی کی شکایت کی کہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہے۔ آپ نے نظام الملک کو بلا بھیجا باز پرس کی اور کہا: اگر یہ شکایت صحیح ہے تو اسے سنجیدگی سے لو۔ اپنے اخلاق کو سنوار دو اور اپنی اصلاح کر دو اور اگر یہ الزام ہے تو شکایت کنندہ کی غلطی کو معاف کر دو۔

رعایا کے مال کی حفاظت کا جذبہ

ایک دفعہ آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے ایک غلام نے اپنے کسی ساتھی کا تہبند چرایا ہے تو آپ نے اسے سولی پر لٹکا دیا۔ یہ دیکھ کر غلاموں میں خوف وہراس چھا گیا اور اس کے بعد چوری کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ (3)

آپ بادشاہوں کے سوانح حیات ان کے اخلاق و کردار اور شرعی احکامات پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ سے خاصا شغف رکھتے تھے۔ جب آپ کو اپنے حسن کردار اور ایفائے عہد کی بدولت دنیائے اسلام میں شہرت نصیب ہوئی تو کئی فرمانرواؤں نے خود بخود آپ کی اطاعت قبول کر لی اور مخالفت ترک کر کے آپ کے ہمنوا بن گئے۔ ماوراء النہر سے لے کر شام تک کے دور دراز علاقوں کے بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اتحاد کیا۔ (4)

ملک شاہ اور سلطنت کو متحد رکھنے میں اس کی ناکامی

الپ ارسلان کے وصال کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ آپ کے چچا قاوردبن جغری جو کرمان کے سلجوقیوں کا

2۔ قیام الدولۃ العثمانیۃ ص 21
3۔ البدایۃ والنہایۃ: (114/12)
2۔ تاریخ کامل: ابن اثیر (252/6)
4۔ الکامل، ابن اثیر: (253/6)

حاکم تھا نے آپ کی تخت نشینی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خود طالب تخت ہوا۔ ہمدان کے قریب چچا بھتیجا میں خونریز معرکہ ہوا۔ قاورد کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ میں کام آیا۔ کرمان کے علاقے پر قبضہ کر کے ملک شاہ نے 465ھ، 1073ء میں سلطان شاہ بن الپ ارسلان کو اس علاقے پر حاکم مقرر کر دیا۔

سلطان ملک شاہ سلجوقی کے دور میں سلجوقی سلطنت کو بڑی وسعت نصیب ہوئی۔ مشرق میں اس سلطنت کی سرحدیں افغانستان تک، مغرب میں ایشیائے کوچک تک، اور جنوب میں بلاد شام تک وسیع ہوگئیں۔ سلجوقی سلطنت کا یہ حدود اربع فتح دمشق کے بعد کا ہے۔ دمشق 468ھ، 1075ء میں سلجوقی سپہ سالار اتسز کے ہاتھوں فتح ہوا اور یہاں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ جاری ہوا۔

ملک شاہ نے شام کے مقبوضات اپنے بھائی تاج الدولہ تتمش کے حوالے کر دیئے تاکہ فتوحات کے سلسلے کو آگے بڑھایا جا سکے۔ یہ واقعہ 470ھ بمطابق 1077ء کا ہے۔ تاج الدولہ ہی کے ہاتھوں شام کی سلجوقی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اسی طرح ملک شاہ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار سلیمان بن قتلمش بن اسرائیل کو ایشیائے کوچک کا والی مقرر کیا۔ سلطان ملک شاہ دراصل جہاد کے سلسلہ کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ ایشیائے کوچک کے علاقے پہلے رومیوں کے زیرنگیں تھے۔ 470ھ، 1077ء میں سلیمان ان علاقوں کا والی مقرر ہوا اور اس کے ہاتھوں سلطنت سلاجقۂ روم کی بنیاد پڑی۔(1)

آخرالذکر سلطنت 224 سال تک قائم رہی اور ابوالفوارس قتلمش بن اسرائیل کی نسل سے چودہ فرمانرواؤں نے اس پر حکومت کی۔ ان میں سب سے پہلا حکمران سلیمان بن قتلمش ہے جسے اس سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے(2)۔ سلیمان نے 477ھ، 1084ء کو انطاکیہ فتح کیا۔ 480ھ، 1087ء میں اس کے بیٹے داؤد نے قونیہ فتح کیا۔ اور اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ قونیہ ایشیائے کوچک کا خوبصورت ترین اور امیر ترین شہر تھا۔ سلجوقیوں نے اس شہر کو بیزنطینی مسیحی شہر سے سلجوقی اسلامی شہر بنا دیا۔ 700ھ، 1300ء میں یہ سلطنت منگولوں کے ہاتھوں فتح ہوئی(3) اور بعد میں دولت عثمانیہ کے قلمرو میں شامل ہوگئی۔

سلاجقۂ روم ایشیائے کوچک کو ترکی اور سنی اسٹیٹ بنانے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت انہیں کے ہاتھوں ممکن ہوئی۔ انہوں نے اجنبیت کی اس دیوار کو گرا کر پیوند خاک کر دیا جو یورپ میں اسلام کی اشاعت و ترویج میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی(4)۔

ملک شاہ کے دور حکومت میں اگرچہ اس سلطنت کو کافی تقویت حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود سلجوقی سپہ سالار اتسز شام اور مصر کے علاقوں کو متحد کرنے میں ناکام رہا حالانکہ وہ اس سے پہلے مصر کے اندر عبیدی (فاطمی) سلطنت کو عملاً چیلنج دے چکے تھے۔ جب اتسز نے مصر پر حملہ کیا تو بڑے مصری لشکر جس کی قیادت بدر الجمالی کر رہا تھا سے پہلے اسے عربوں کے ایک چھوٹے سے لشکر نے شکست سے دوچار کر دیا۔ یہ واقعہ رجب 469ھ، 1076ء کا ہے۔ اتسز کی اس شکست کے نتیجے میں سلجوقی

1۔ السلاطین فی المشرق العربی: ص28
2۔ السلاطین فی المشرق والمغرب: ص29
3۔ السلاطین فی المشرق العربی: ص29
4۔ ایضاً

سلطنت پہلے سے کہیں زیادہ افتراق وانتشار کا شکار ہوگئی۔ سیاسی اختلافات سامنے آئے۔ خونریز تصادم ہوئے اور بالآخر 571ھ، 1078ء کے ایک تصادم میں اتسز کو قتل کر دیا گیا۔(1)

اس طرح ملک شاہ عباسی خلافت کو اپنی خاندانی سلجوقی سلطنت میں تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہوا جبکہ وہ 480ھ، 1087ء میں اپنی بیٹی عباسی خلیفہ مقتدی بامر اللہ کے نکاح میں دے چکا تھا۔ اس خاتون سے عباسی خلیفہ کا بیٹا بھی ہوا۔ ملک شاہ نے اپنی دوسری بیٹی عباسی خلیفہ المستظہر باللہ کے نکاح میں دی لیکن خلافت اپنے نواسے کے قبضہ میں نہ دے سکا۔(2)

ملک شاہ کا وصال

سلطان ملک شاہ فوت ہوا اور اس کی وفات کے ساتھ ہی قوت وطاقت اور مجد و بزرگی کا وہ دور ختم ہو گیا جو تین سلجوقی بادشاہوں طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ سے چلا آرہا تھا (447ھ تا 485ھ بمطابق 1055ء تا 1092ء) اور جنگ وجدل اور زوال وانحطاط کا دور شروع ہو گیا۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ کے دور میں ایک اور شخصیت جو بہت نمایاں ہوئی نظام الملک طوسی کی شخصیت ہے جو وزارت کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ اس عظیم المرتبت شخصیت کی سیرت وکردار کا مطالعہ بہت ضروری ہے جس کی حکمت ودانائی کی بدولت سلجوقی سلطنت کو استحکام نصیب ہوا۔

نظام الملک

امام ذہبی ان کے بارے فرماتے ہیں۔ ''وزیر کبیر، نظام الملک، قوام الدین ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق طوسی بڑے زیرک، معاملہ فہم، بیدار مغز، سعادت مند، دیندار اور باوقار انسان تھے۔ ان کی مجلس علماء وفقہاء سے ہمیشہ سجی رہتی تھی۔

نظام الملک نے بغداد میں ایک بہت بڑی درسگاہ قائم کی اسی طرح کی ایک درسگاہ نیشاپور اور ایک طوس میں قائم کی۔ وہ بڑا علم پرور اور علم دوست تھا۔ طلبہ کے لئے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ ان کے ایماء پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدوین عمل میں آئی اور ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔(3)

وہ یکے بعد دیگرے سلطان ارسلان اور اس کے بیٹے ملک شاہ کا وزیر رہا اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت ممالک محروسہ کی تدبیر کی ظلم وستم کا خاتمہ کیا۔ رعایا کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک روا رکھا سرائیں بنوائیں اور مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھنے والے لوگوں کو دنیا کے کونے کونے سے لا کر بغداد میں بسایا اور ان سے استفادہ کیا۔(4)

نظام الملک کے ایماء پر ملک شاہ نے با اخلاق، دیندار اور حوصلہ مند سپہ سالاروں اور امیروں کا انتخاب کیا۔ آنے والے دنوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ نظام الملک کا مشورہ صائب تھا واقعی یہ لوگ ان بڑے مناصب کے اہل تھے۔

جن قائدین کا انتخاب عمل میں آیا ان میں سے ایک عظیم نام آق سنقر کا ہے جو نور الدین محمود کے جد امجد تھے۔ جو حلب دیار بکر اور جزیرہ کے فرمانروا رہے۔ علامہ ابن کثیر ان کے متعلق لکھتے ہیں ''وہ سیرت وکردار اور جود وسخا میں تمام فرمانرواؤں

1۔ مرآۃ الزمان: سبط ابن جوزی: ص 182
2۔ السلاطین فی المشرق العربی: ص 30
3۔ سیر اعلام النبلاء: (94/19)
4۔ ایضاً (95/19)

سے بڑھ کر تھے۔''(1)

آپ کے والد عماد الدین زنگی نے صلیبیوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی ابتداء کی۔ پھر اس کام کو نور الدین محمود نے آگے بڑھایا۔ یہی وہ خاندان ہے جس نے صلاح الدین ایوبی، ظاہر بیبرس اور قلاوون کے ذریعے صلیبیوں کے مقابلے میں فتوحات کی بنیاد رکھی اور دنیائے اسلام میں وحدت اور یکجہتی کے عہد کی ابتداء کی۔(2)

آق سنقر برستی سلطان محمود سلجوقی کے بہترین قائدین میں سے تھا۔ آق موصل کا امیر بھی تھا۔ اس نے صلیبیوں کے خلاف جہاد شروع کیا اور 520ھ باطنیوں کے ہاتھوں اس وقت شہید ہوا جب موصل کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ابن اثیر ان کے متعلق لکھتے ہیں۔'' آپ ایک ترکی غلام تھے اور اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔ اہل علم اور صالحین کو بہت پسند کرتے تھے۔ عدل و انصاف ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ اور ہر فیصلہ میں عدل و انصاف کا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ بہترین فرمانروا تھے۔ نمازوں کو ان کے اوقات پر پوری پابندی سے ادا کرتے تھے اور رات کے وقت تہجد کی نماز بھی پڑھتے تھے۔(3)

مورخ ابوشامہ سلجوقی تاریخ بالخصوص نظام الملک کے زمانے کے واقعات کے بارے بات کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

'' جب وہ سلجوقی سلطنت کا فرمانروا بنا تو عہد رفتہ کا رعب و دبدبہ عود کر آیا بالخصوص نظام الملک کے دور میں جنہوں نے اس مملکت کی عزت بحال کی۔ اس کے رعب و دبدبہ کو بہتر حالات کی طرف واپس لائے''۔

امور مملکت کا نظم وضبط

جب ملک شاہ نے عنان حکومت سنبھالی تو فوج میں وہ پہلا سا ڈسپلن نہ رہا۔ سپاہ کے ہاتھوں لوگوں کا مال و متاع لٹنے لگا۔ سپاہی کہا کرتے تھے سلطان کو کوئی چیز نہیں روکتی کہ ہمیں مال و دولت سے نوازیں۔ صرف نظام الملک ہے جو اس کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ لوگوں کو سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ نظام الملک نے اس بات کا تذکرہ سلطان سے کیا اور انہیں بتایا کہ اس سے تو فوج میں کمزوری آ جائے گی، اس کا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا، ملک میں فساد پیدا ہو جائے گا اور ملکی امور کی انجام دہی متاثر ہو گی۔ سلطان نے کہا۔ آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کریں۔ نظام الملک نے عرض کیا۔ میں آپ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ سلطان نے کہا: میں نے چھوٹے بڑے تمام امور آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ آپ میرے والد کی جگہ ہیں اور ان کے دوست اور ساتھی ہیں۔ پھر سلطان نے نظام الملک کو پہلے سے کہیں زیادہ جاگیر عطا کی۔ خلعت بخشی اور القابات سے نوازا۔ ان القابات میں ایک لقب اتابک ہے۔ جس کا معنی ہے: ایسا امیر جو باپ کی جگہ ہو نظام الملک کی قابلیت، شجاعت اور حسن اخلاق کی بدولت کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے لوگوں کے سینوں میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اس طرح کا ایک واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے آپ سے کسی معاملے میں امداد طلب کی۔ آپ اس سے گفتگو کرنے لگے اور دیر تک اس کی باتیں سنتے رہے۔ نظام الملک کے ایک حاجب نے بوڑھی کو یہاں سے ہٹانا چاہا تو نظام الملک نے اس سے کہا: میں نے تمہاری خدمات ایسے ہی لوگوں کی لئے لی ہیں۔ امراء اور اعیان مملکت کو تیری کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اس

1۔ البدایہ والنہایہ: (157/12) 2۔ العید التاریخ نفسہ: 68 3۔ الکامل (633/10) بحوالہ: العدی التاریخ نفسہ ص 68

حاجب کو اس خدمت سے الگ کر دیا۔(1)

علم دوستی، علماء کا احترام اور تواضع

نظام الملک علوم سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے۔ اور علم حدیث سے تو انہیں خصوصی شغف تھا۔ آپ کہا کرتے تھے: میں جانتا ہوں میں حدیث روایت کرنے کے اہل نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ لکھنے والوں کی صف میں میرا بھی شمار ہونے لگے۔(2)

آپ نے قشیری ابی مسلم بن مہر بزداور ابو حامد الازہری سے حدیث کی سماعت کی۔

نظام الملک دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا کہ مدارس جو اس نے قائم کئے ہیں ان امیدوں پر پورے اتریں جو امت مسلمہ نے ان سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ جب ابوالحسن محمد بن علی واسطی فقیہ شافعی نے ان کو چند اشعار بھیجے جن میں نظام الملک سے درخواست کی تھی کہ وہ ان فتنوں کو ختم کرنے میں مدد دیں جو حنبلیوں اور اشاعرہ کے درمیان واقع ہوئے ہیں تو نظام الملک نے فوری کارروائی کی اور اس ابھرتے ہوئے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ابوالحسن واسطی کے شعر یہ ہیں۔

یا نظام الملک قدحل ببغداد النظام

وابنک القاطن فیها مستهان مستضام

وبها اودی له قتلی غلام و غلام

والذی منهم تبقی سالما فیه سهام

یا قوام الدین لم یبق ببغداد مقام

عظم الخطب و للحرب اتصال و دوام

فمتیٰ لم تحسم الداء ایادیک الحسام

ویکف القوم فی بغداد قتل و انتقام

فعلی مدرسة فیها ومن فیها السلام

واعتصام بحریم لک من بعد حرام(3)

1- اے نظام الملک بغداد کا نظام سست اور ڈھیلا ہو گیا ہے۔

2- آپ کا بیٹا بھی جو شہر میں قیام پذیر ہے۔ اس کی اہانت ہو رہی ہے اور اس کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔

3- اور یہاں پر اس کے بیٹے کو زندہ دفن کر کے قتل کیا جا رہا ہے۔

4- اور جو ان میں سے قتل ہونے سے بچ گیا ہے اس کے جسم میں بھی تیر پیوست ہیں۔

5- اے دین کے محافظ بغداد میں اب کوئی جگہ نہیں رہی۔

1۔ الکامل از ابن اثیر ج 2 ص 256 2۔ البدایہ والنہایہ 150/12 3۔ کامل: 276/6

۷ حالات بہت بگڑ گئے ہیں اور جنگ و جدل کا بازار گرم ہے۔

۸ تیز تلوار کی طرح آپ کے ہاتھ جب اس بیماری کو دور نہیں کریں گے۔

۸ اور بغداد میں قتل و انتقام قوم کی دھجیاں اڑاتے رہیں گے۔

۹ تو پھر اس میں درسگاہوں اور ان میں پڑھنے والے طلبہ کا خدا حافظ ہے۔

۱۰ اور قابل عزت و تکریم چیز کا پکڑنا اس کے بعد تجھ پر حرام ہو جائے گا۔ (یعنی دینداری کی کوئی قدر نہیں رہے گی)

نظام الملک کی مجلس علماء و فقہاء سے آباد رہا کرتی تھی۔ آپ پورا پورا دن ان کے ساتھ گزار دیتے۔ ایک دفعہ ان سے کہا بھی گیا۔ "یہ لوگ آپ کو بہت سے مفید کاموں سے غافل کر دیتے ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ دنیا اور آخرت کا حسن ہیں۔ اگر میں انہیں اپنے سر پر بٹھاؤں تو بھی کم ہے۔ ابو القاسم قشیری اور ابو المعالی جوینی جب بھی ان کے پاس تشریف لاتے آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور انہیں اپنی نشست گاہ پر اپنے ساتھ بٹھاتے۔ اور اگر ابو علی فارندی تشریف لاتے تو نشست گاہ چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ انہیں اپنی جگہ بٹھاتے اور خود ان کے سامنے بیٹھتے۔ اس بارے جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا۔ ابو القاسم قشیری اور ابو المعالی جوینی جب آتے ہیں تو میری تعریف کرتے ہیں۔ اور میری عزت کرتے ہیں اور میرے بارے ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ایسے خصائل مجھ میں نہیں ان کی باتیں سن کر میں بتقاضائے بشری پھول جاتا ہوں۔ لیکن ابو علی فارندی آتے ہیں تو مجھے میرے عیوب اور مظالم یاد دلاتے ہیں۔ اور میں اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔(1)

ابن اثیر لکھتے ہیں۔" نظام الملک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ عالم، دیندار، سخی، عادل، حلیم گناہ گاروں سے درگزر کرنے والے۔ خاموش طبع انسان تھے۔ ان کی محفل قراء، فقہاء، ائمہ مسلمین، اہل خیر و صلاح سے بھری رہتی تھی"۔(2)

آپ حافظ قرآن تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا اور مذہب شافعی کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ ہمیشہ باوضو رہتے اور جب بھی وضو کرتے تحیۃ الوضو (دو نفل) پڑھتے، جب اذان کی آواز کان میں پڑتی تو جس حالت میں ہوتے رک جاتے اور کام سے ہاتھ کھینچ لیتے اور جب اذان ہو چکتی تو نماز پڑھتے اور اس سے پہلے کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ اگر مؤذن اذان سے غافل ہو جاتا اور اذان کا وقت ہو جاتا تو آپ اذان کا حکم دیتے۔ حفظ اوقات اور لزوم صلوٰت میں یہ وہ بلند مرتبہ ہے جو صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو دنیا کے علائق سے الگ ہو کر عبادت خداوندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔(3)

کمال خدا رسیدہ تھے۔ ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں ابلیس کو دیکھا اور اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو! اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا اور براہ راست تجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا لیکن تو نے نافرمانی کی۔ دیکھ مجھے اس نے بالمشافہ سجدے کا حکم نہیں دیا لیکن میں روزانہ اس کی بارگاہ میں کئی بار سجدہ ریز ہوتا ہوں۔ اور پھر یہ شعر پڑھا۔

من لم یکن للوصال اھلاً فکل احسانہ ذنوب (4)

1۔ البدایہ والنہایہ 150/12
2۔ الکامل 337/6
3۔ الکامل: 337/6
4۔ البدایۃ والنہایۃ: 150/12

ترجمہ: جو وصال یار کا اہل نہیں اس کی سب نیکیاں گناہ شمار ہوتے ہیں۔

ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ ان کی اپنی ایک مسجد ہوتی جس میں وہ عبادت کرتے اور بس دو وقت کی روٹی ملتی رہتی۔ اس بارے ان کا کہنا ہے میں اس بات کا متمنی رہا کرتا تھا کہ میرا اپنا چھوٹا سا قریہ ہو اور اس میں ایک مسجد ہو جس میں میں علائق دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہوں۔ پھر کچھ عرصہ بعد میری آرزو یہ رہی کہ مجھے روزانہ ایک روٹی مل جائے اور ایک مسجد ہو جس میں اللہ کریم کی عبادت میں مشغول رہوں۔(1)

عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک رات کھانا کھانے بیٹھے تو دستر خوان پر ایک طرف ان کے بھائی ابوالقاسم، دوسری طرف والئی خراسان اور والی کے پہلو میں ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا جس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ نظام الملک نے دیکھا کہ والی خراسان اس فقیر کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کر رہا ہے تو انہوں نے فقیر کو کہا آپ میرے ساتھ آجائیں۔ اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

آپ کی عادت تھی کہ اپنا کھانا فقیروں کو پیش کر دیتے۔ انہیں اپنے پاس بٹھاتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔(2)

آپ کا شعر ہے۔

بعد ثمانين ليس قوة قد ذهبت شهوة الصبوة
كانني والعصا بكفى موسى ولكن بلا نبوة (3)

ترجمہ: اسی سال کے بعد قوت وطاقت نہیں رہی۔ اس عمر میں جوانی کا جوش وولولہ سرد پڑ گیا ہے۔
گویا میں موسیٰ ہوں اور میرے ہاتھ میں عصا ہے لیکن بلا نبوت (کے موسیٰ ہوں)''

یہ اشعار بھی انہیں کی طرف منسوب ہیں۔

تقوس بعد طول العمر ظهرى وداستنى الليالى اى دوس
فامسى و العصا تمشى امامى كان قوامها وتر بقوس،

ترجمہ: طوالت عمر کے بعد میری کمر کمان بن گئی ہے۔
راتوں نے مجھے بہت بری طرح کچل ڈالا ہے۔
میری حالت یہ ہو گئی ہے کہ عصا میرے آگے آگے چلتا ہے گویا وہ کمان کی تانت ہے۔

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ دوسرے شعراء کے شعر سنتے اور ان سے متاثر ہوتے تھے۔ جب بیمار ہوئے اور ابوعلی قومسانی عیادت کو آئے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا مرضنا نوينا كل صالحة فان شفينا فمنا الزيغ و الزلل
نرجو الاله اذا خفنا و نسخطه اذا امنا فما يزكولنا عمل

1۔ الکامل: 338/6 2۔ الکامل: 338/6 3۔ تاریخ الاسلام حوادث ووفیات 481-490 ص 147

ترجمہ: ''جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو ہر نیکی کی نیت کر لیتے ہیں۔ اور اگر ہمیں تندرستی حاصل ہو جائے۔ تو ہم حق سے منحرف ہو جاتے ہیں اور گناہ کرنے لگتے ہیں۔

جب ہم ڈرتے ہیں تو معبود حقیقی سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں اور جب ہمیں امن حاصل ہوتا ہے تو ہم معبود برحق کو ناراض کرنے لگتے ہیں۔ اور ہمارا عمل پاکیزہ نہیں رہتا۔''

یہ اشعار سن کر نظام الملک بہت رویا۔ اور کہا: میری حالت ایسی ہی ہے جیسے شاعر نے کہا ہے۔

وصال

485 سن ہجری تھا۔ جمعرات کا دن اور رمضان شریف کا دسواں روزہ تھا۔ جب افطار کا وقت ہوا تو نظام الملک نے مغرب کی نماز ادا کی اور دستر خوان پر بیٹھ گیا۔ فقہاء، قراء، صوفیاء اور ضرورت مندوں کا ایک انبوہ کثیر موجود تھا۔ اسلامی تاریخ کا تذکرہ شروع کر دیا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب مسلمان نہاوند پہنچے تو وہ کونسا مبارک علاقہ ہے جہاں انہوں نے پڑاؤ کیا۔ فارسیوں اور مسلمانوں کے درمیان کیسے کیسے خونی معرکے ہوئے کون کون سی عظیم شخصیات تھیں جنہیں شہادت سے سرفراز کیا گیا۔ شہداء کا ذکر کرنے کے بعد بولے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں ان شہداء کی معیت حاصل ہو جائے۔

جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے مکان سے نکلے اور زنان خانے کی طرف چل دیے۔ حدث دیلمی ساتھ ہو لیا۔ گویا وہ اپنے کسی جرم کی معافی مانگ رہا ہے۔ یا مدد طلب کر رہا ہے۔ لیکن اس کی نیت اچھی نہیں تھی۔ فوراً ہاتھ مارا اور نظام الملک کو شہید کر دیا۔ آپ کو حرم (زنان خانہ) میں لے جایا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسماعیلیوں (باطنیوں) کے ہاتھوں قتل ہونے والے آپ پہلے شخص ہیں۔ نظام الملک کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اسلامی سپاہ چیخ اٹھی۔ بادشاہ حزن وملال کی تصویر بنے فوراً پہنچے اور اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ وہ ایک گھنٹہ تک شہید کے پاس بیٹھے رہے۔ نظام الملک نے دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی زندگی صرف کر دی اور پھر دین ہی کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ وہ خوش بختی کی زندگی جیے اور قابل تعریف، شاندار اور شہادت کی موت مرے۔(1)

قاتل خیمے کی رسی سے الجھا اور گر پڑا۔ نظام الملک کے غلاموں نے اسے فوراً آ لیا اور قتل کر دیا آپ کے خادموں کا بیان ہے کہ جب ان کے آخری سانس تھے تو آخری الفاظ جو منہ سے نکلے وہ یہ تھے۔ میرے قاتل کو قتل نہ کرنا۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔(2)

اہل بغداد کو جب نظام الملک کی شہادت کی خبر ہوئی تو سارا شہر تصویر غم بن گیا۔ وزیر اور رؤسا تین روز تک تعزیت کی غرض سے بیٹھے۔ شعراء نے مرثیے لکھے۔ مقاتل بن عطیہ کا مرثیہ انہیں میں سے ایک ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

1۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، 323,322/4

2۔ ایضاً، 323/4

كان الو زير نظام الملك لولؤ يتيمة صاغها الرحمن من شرف
عزت فلم تعرف الايام قيمتها فردها غيره منه الى الصدف

ترجمہ: ''وزیر نظام الملک ایک دریتیم تھے جسے رحمٰن ذات نے بڑے اعزاز سے ڈھالا تھا۔
وہ نایاب ہوا اور وقت نے اس کی قدر نہ پہچانی۔ اور اس کے ایک دشمن نے اسے اس دنیا سے پھر صدف کی طرف لوٹا دیا''۔(1)

ابن عقیل نظام الملک کے بارے کہتے ہیں۔

''نظام الملک کے جود و کرم، عدل و انصاف اور احیائے دین کے لئے اس کی کوششوں نے دنیا کو حیران کر دیا۔ آپ کا دور اہل علم کی حکومت کا دور تھا۔ پھر یہ دور آپ کی شہادت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ وہ رمضان میں حج کے لئے جانے والے تھے لیکن سفر آخرت اختیار کیا۔ اللہ کریم آپ پر رحمت فرمائے۔ آپ دنیا و آخرت کے ایک بادشاہ کی حیثیت سے فوت ہوئے''۔(2)

تیسری بحث

سلجوقی سلطنت کا خاتمہ

ملک شاہ فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے۔ برکیاق، محمد، سنجر اور محمود۔ محمود جو بعد میں ناصر الدین محمود کے نام سے پہچانا گیا بچہ تھا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ کیونکہ اس کی ماں ترکان خاتون کو ملک شاہ کے دور حکومت میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ محمود تقریباً دو سال 485ھ بمطابق 1092ء تا 487ھ بمطابق 1094ء حکمران رہا کیونکہ ان کا اور ان کی والدہ کا وصال ہو گیا۔ ان کے بعد رکن الدین ابوالمظفر برکیاق بن ملک شاہ آیا اور 498ھ بمطابق 1105ء تک حکمران رہا۔ پھر رکن الدین ملک شاہ ثانی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور اسی سال اقتدار غیاث الدین ابوشجاع محمد کے ہاتھ لگا اور وہ 511ھ بمطابق 1128ء تک مسند حکومت پر جلوہ افروز رہے۔

عظیم دولت سلجوقیہ کا آخری حکمران غیاث الدین ابوشجاع محمد تھا۔ جس کا پایہ تخت ماوراء النہر کا علاقہ تھا اور خراسان، ایران اور عراق کے علاقوں پر بھی اس کی حکمرانی تھی۔ بالآخر 522ھ/1128ء میں سلجوقی سلطنت شاہنات خوارزم کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔

ماوراء النہر سے سلجوقیوں کی عظیم سلطنت کے خاتمے کے ساتھ ہی سلاجقہ افتراق و انتشار کا شکار ہو گئے اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ ان کی طاقت اس قدر کمزور ہو گئی ہے۔ کہ سلجوقی متعدد گروہوں، اور باہم متصادم لشکروں میں تبدیل ہو گئے جو تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے باہم دست بگریباں رہتے تھے۔ عظیم سلجوقی دولت کئی چھوٹی چھوٹی امارات اور دول میں تقسیم ہو گئی اور یہ امارات اور سلطنتیں کسی ایک سلطان کے اقتدار کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئیں۔ جیسا کہ وہ سلطان طغرل بیگ، سلطان ارسلان اور سلطان ملک شاہ اور ان کے اسلاف کے دور میں متحد رہی تھیں۔ ہر ایک علاقہ خود مختار تھا ہر ایک کا اپنا

1۔ البدایہ والنہایہ، 12-151 2۔ سیرۃ اعلام النبلاء، 96/19

فرمانروا تھا اور ان چھوٹی چھوٹی امارات میں کسی قسم کا تعاون نہیں تھا۔

اس افتراق و انتشار کے نتیجے میں ماوراء النہر سے ایک اور طاقت ابھر کر سامنے آئی۔ یہ خوارزمی سلطنت تھی جو ایک عرصہ تک منگولی حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی۔ خوارزمی سلطنت کے ساتھ سلجوقی امارات، عراق اور شام کے شمال میں قائم ہوئیں جو اتابک امارات کے نام سے پہچانی جاتی تھیں۔ اسی عرصہ میں سلاجقہ، روم کی سلطنت سامنے آئی یہ وہ سلطنت ہے جس نے صلیبی حملوں کو روکا اور ایشیاء کوچک کا شمال مغربی کو نادشمن کی دست برد سے محفوظ رکھا۔ لیکن یہ سلطنت منگولیوں کے تابڑ توڑ حملوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور بالآخران غارت گروں نے اس علاقے میں تباہی مچادی۔

سلجوقی سلطنت کے سقوط میں متعدد عوامل کارفرما تھے اور یہی عوامل عباسی خلافت کے سقوط کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

ان عوامل میں سے چند یہ ہیں۔

1. سلجوقی گھر کے اندر بھائیوں، چچاؤں، بیٹوں اور پوتوں کے درمیان تخت و تاج کے لئے چپقلش
2. بعض امراء، وزراء اور اتابکوں کی طرف سے سلجوقی حکمرانوں کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا۔
3. حکومتی امور میں خواتین کا عمل دخل۔
4. عباسی خلفاء کا سلجوقی فوجی قوت کے سامنے کمزور اور بے بس ہونا اور ہر طاقتور سلجوقی سلطنت کے تاجور کی حکومت کو تسلیم کر کے خطبہ میں اس کے نام کو شریک کرنے کی اجازت دے دینا اور اس سلسلہ میں احتیاط نہ کرنا۔
5. سلجوقی سلطنت کا شام، مصر اور عراق کو عباسی خلافت کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنے میں ناکام ہونا۔
6. سلجوقیوں کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہنا۔ اسی چیز نے ان کی قوت کا خاتمہ کیا حتیٰ کہ عراق میں ان کی سلطنت ختم ہوگئی۔
7. سلجوقی سلطنت کے خلاف باطنیوں کی مذموم سازشیں اور سلجوقی سلاطین ان کے قائدین اور زعماء کو دھوکے سے قتل کرنے کے لئے ان کی مسلسل کوششیں اور خونی حملے۔
8. سمندر پار سے آنے والے صلیبی جنگجو اور سلجوقی سلطنت کا یورپ سے آنے والے وحشی جنگجو لشکروں کے ساتھ ٹکراؤ ان کے علاوہ کئی دوسرے اسباب بھی تھے۔

لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کہ اپنے دور حکومت میں سلجوقیوں نے بہت ہی عظیم کارنامے سرانجام دیے جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

ا۔ دولت سلجوقی کی بدولت عباسی خلافت کا زوال قریبا دو صدیاں مؤخر ہوگیا۔ اگر سلجوقی نہ ہوتے تو شیعہ رافضیوں کے ہاتھوں بہت پہلے عباسی خلافت کا وجود مٹ جاتا۔

ب۔ مصر کی سلطنت عبیدی فاطمی سلجوقیوں کی طاقت کی وجہ سے مشرق کے عرب مسلمانوں کو باطنی عبیدی رافضی سلطنت کے جھنڈے تلے جمع نہ کر سکی اور اس طرح ان کے مذموم مقاصد پورے نہ ہوئے۔

ج۔ دولت سلجوقی کی کوششیں اسلامی مشرق کے اتحاد کی تمہید اور پیش خیمہ تھیں اور یہ اتحاد سنی سلطنت عباسی کے جھنڈے کے نیچے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

د۔ سلجوقیوں نے اپنے زیر نگیں خطے میں علمی اور انتظامی ترقی کے حوالے سے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور اس علاقے میں امن و امان قائم کیا۔

ھ۔ بیزنطی شہنشاہیت کی طرف سے ہونے والے صلیبی حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کافی حد تک منگولی خطرے سے نمٹنے کی کوشش کی۔

و۔ ان علاقوں میں سنی مذہب کی ترویج کی کوشش کی اور سنی علماء کی قدر و منزلت کو بڑھایا۔

یہ ہے سنی سلجوقیوں کے بارے ایک مختصر سا جائزہ اور دین اسلام کی خدمت میں ان کے کردار کا تذکرہ بلاشبہ یہ ظلم، جھوٹ اور بہتان ہوگا اگر ہم ان چند لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر کان دھریں جوان جوانمرد اور شجاع مجاہدین اسلام کے بارے بے سروپا باتیں کرتے ہیں۔ جیسے پروفیسر نجیب زیب نے تاریخ مغرب اور اندلس'' کے عنوان سے جنرل انسائیکلوپیڈیا میں ان کی طرف کئی من گھڑت باتیں منسوب کر کے ان کی سیرت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

دوسری فصل

دولت عثمانیہ کا قیام اور فتوحات

عثمانیوں کا تعلق ایک ترکمانی قبیلہ سے ہے جو ساتویں صدی ہجری بمطابق تیرھویں صدی عیسویں کو کردستان میں آباد تھا۔ اور چرواہا پیشہ کرتا تھا۔ چنگیز خان کی قیادت میں جب منگولیوں نے عراق اور ایشیاء کوچک کے مشرقی علاقوں پر حملے کئے تو عثمان کا دادا سلیمان اپنے قبیلہ کے ساتھ ہجرت کر کے کردستان سے اناضول کے علاقوں میں آبسا اور اخلاط کے شہر کو اپنا مستقر بنایا(1)۔ یہ 617ھ، 1220ء کی بات ہے سلیمان 668ھ بمطابق 1230ء کو فوت ہوا اور اپنے منجھلے صاحبزادے ارطغرل کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔ ارطغرل اناضول سے شمال مغرب کی طرف مسلسل بڑھتا رہا۔ اس کے ساتھ تقریباً سو خاندان اور چار سو سے زائد شہسوار تھے۔(2)

عثمان کا والد ارطغرل جب اپنے قبیلہ کو لے کر منگولیوں کے خطرے سے بچنے کے لئے بھاگا تھا تو اس کی تعداد چار سو خاندانوں سے زیادہ نہیں تھی۔ راستے میں ایک مقام پر اچانک شور و غوغا بلند ہوا۔ ارطغرل جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان جنگ کا میدان گرم ہے اور بیزنطی عیسائی مسلمانوں کو پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ ارطغرل کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ پوری شجاعت و بہادری کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے ہم مذہب و ہم عقیدہ بھائیوں کو اس مشکل سے نکالے۔ ارطغرل نے اس زور سے حملہ کیا کہ نصرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اس کی پیش قدمی مسلم لشکر کی فتح کا سبب بن گئی۔ جب معرکہ کارزار ختم ہوا تو سلجوقی اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے ارطغرل اور اس کے دستے کی بروقت پیش قدمی کی تحسین کی، انہیں رومی سرحدوں کے پڑوس میں اناضول کی مغربی سرحدوں میں ایک جاگیر عطا کی(3) اور اس طرح انہیں موقع دیا کہ وہ رومی علاقوں کی طرف پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے سلجوقی سلطنت کی توسیع کا موجب بنیں۔ سلجوقیوں کو ارطغرل اور اس کے قبیلہ کی صورت میں ایک طاقتور حلیف مل گیا۔ جس نے رومیوں کے خلاف جہاد میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اس ابھرتی ہوئی سلطنت اور سلاجقہ روم کے درمیان ایک گہرا تعلق پیدا ہو گیا جس کا سبب رومی تھے جو ان کے مشترکہ دشمن تھے اور عقیدہ و مذہب میں دونوں کے مخالف تھے۔

ارطغرل جب تک زندہ رہا محبت کا یہ تعلق باقی رہا۔ حتیٰ کہ جب 699ھ، 1299ء میں اس کا وصال ہوا(4) تو اس نے اپنے بیٹے عثمان کو اپنا نائب مقرر کیا اور عثمان اراضی روم کی طرف پیش قدمی کر کے سلجوقی سلطنت کی توسیع کی سابقہ پالیسی پر قائم رہا۔(5)

1- موجودہ ترکی کے مشرق میں ایک شہر ہے جو آرمینیا میں بحیرہ وآن کے قریب واقع ہے۔

2- قیام الدولۃ العثمانیہ ص 26

3- الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ڈاکٹر عبدالعزیز عموی ص 353

4- تاریخ سلاطین آل عثمان از قرمانی، تحقیق بسام جابی ص 10

5- تاریخ الدولۃ العلیۃ محمد فرید ص 115

پہلی بحث

دولت عثمانیہ کا بانی عثمان

656ھ، 1258ء ارطغرل کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ والدین نے اس کا نام عثمان رکھا۔ اسی عثمان کی طرف عثمانی سلطنت منسوب کی جاتی ہے(1)۔ یہ اسی سال کی بات ہے جس سال ہلاکو خان کی قیادت میں منگولیوں نے عباسی خلافت کے دارالحکومت بغداد پر حملہ کیا۔ بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی مصیبتیں دیکھیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''وہ شہر کی طرف پلٹے مرد عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ادھیڑ عمر الغرض جو بھی ملا اسے قتل کر دیا۔ بہت سے لوگ (غیر آباد) کنوؤں، جنگلوں اور ویرانوں میں چھپ گئے۔ اور ایک عرصہ تک غائب رہے۔ کئی لوگ دکانوں میں جمع ہوئے اور اپنے آپ پر دروازوں کو بند کر دیا۔ تاتاریوں نے دروازوں کو آگ لگا کر یا توڑ کر کھول لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جو بچ گئے۔ پہاڑی چوٹیوں کی طرف بھاگ نکلے۔ ان وحشیوں نے یوں خونریزی کی کہ خون گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح بہتا تھا۔ کسی کی جان بخشی نہ ہوئی سوائے یہودیوں، نصرانیوں اور ان لوگوں کے جنہوں نے ان کی پناہ لی۔(2)

یہ بہت بڑا واقعہ اور عظیم حادثہ تھا۔ جس سے امت مسلمہ کو گزرنا پڑا۔ ایک ایسی امت جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے کمزور ہوگئی اور اس کی طاقت جاتی رہی تھی۔ تاتاریوں نے دل کھول کر خونریزی کی۔ بے شمار انسانوں کو قتل کیا۔ مال و دولت کو لوٹا۔ گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان مشکل حالات میں جبکہ امت مسلمہ من حیث المجموع پٹ چکی تھی۔ دولت عثمانیہ کا موسس عثمان پیدا ہوا۔ یہاں پر ایک نہایت ہی لطیف نکتہ موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ امت مسلمہ جب ضعف ونکبت کی انتہاء کو پہنچ چکی تھی وہاں سے اسے دوبارہ عروج وتمکنت حاصل ہوئی اور وہ عزت وکامیابی کی انتہائی بلندیوں کی طرف پرکشا ہونے کے لئے تیار ہوگئی۔ یہ حکمت خداوندی ہے وہ جیسے چاہتا ہے ویسے ہوتا ہے اس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص)

''بیشک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین مصر میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو بیشک وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

1۔ سلطان محمد فاتح، از عبدالسلام عبدالعزیز، ص 12

2۔ البدایہ والنہایہ: 13/192,193

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ (القصص)

''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا۔ ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں''۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے کمزور بندوں کو صرف ایک دن یا دن کے کچھ حصے میں بلکہ پل جھپکنے کی دیر میں تسلط بخش دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (النحل)

''ہمارا فرمان کسی چیز کے بارے میں جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس (کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے''۔

اہل حق اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بارے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اللہ اپنے بندوں سے مدد و نصرت اور غلبہ و فتح کا جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے لیکن تکوینی اور شرعی اصولوں کی پاسداری ضروری ہے۔ اللہ کریم کے دین پر ثابت قدمی سے چلتے رہنا لازم ہے۔

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (محمد:4)

''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے''۔

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور اپنے ارادہ کو تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے پورا کرتا ہے نہ کہ یکبارگی، دولت عثمانیہ کے تسلط کی کہانی عظیم قائد عثمان کے ظہور کے ساتھ شروع ہوئی جو اسی سال پیدا ہوا جس سال بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہوا۔

عثمان اول میں اعلیٰ قائدانہ صلاحیتیں

جب ہم عثمان اول کی سیرت میں غور وفکر کرتے ہیں تو ایک فوجی سپہ سالار اور سیاسی شخصیت کی حیثیت سے بعض نہایت ہی اعلیٰ صفات کا پرتو ہمیں ان کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ ان اعلیٰ صفات میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

شجاعت وحوصلہ مندی

جب بیزنطینیوں نے بورصہ، مادانوس، ادرہ، نوس، کتہ، کستلہ کے نصرانی امراء کو 700ھ، 1301ء میں دولت عثمانیہ کے مؤسس عثمان بن ارطغرل سے جنگ کرنے کی غرض سے ایک صلیبی معاہدہ تشکیل دینے کی دعوت دی اور نصرانی امراء نے اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس نوزائدہ سلطنت کو ختم کرنے کے لئے ایکا کر لیا تو عثمان اپنی فوجوں کو لے کر آگے بڑھا، خود جنگوں میں گھس گیا اور صلیبی فوجوں کو تتر بتر کر کے شجاعت و بہادری کا وہ مظاہرہ کیا کہ عثمانیوں کے نزدیک اس کی بہادری

ضرب المثل بن گئی۔(1)

حکمت و دانائی

عثمان جب اپنی قوم کا رئیس اعظم مقرر ہوا تو اس نے بڑی دانائی کا مظاہرہ کیا اور سلطان علاء الدین کی نصرانیوں کے خلاف مدد کی۔ بہت سے نا قابل شکست شہروں اور مضبوط قلعوں کو فتح کرنے میں اس کے ساتھ رہا۔ اسی وجہ سے دولت سلاجقہ روم کے فرمانروا سلجوقی سلطان علاء الدین نے اسے بڑی عزت دی۔ اسے اپنے نام کا سکہ ڈھالنے اور اپنے ماتحت علاقوں میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔(2)

اخلاص وللّٰہیت

عثمان کے زیر نگیں علاقوں کے قریب بسنے والے لوگوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ وہ دین اسلام کا ایک مخلص سپاہی ہے تو وہ اس کی مدد پر کمر بستہ ہو گئے اور ایک ایسی اسلامی سلطنت کے ستونوں کو مستحکم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے جو اسلام دشمن (نصرانی) سلطنت کے سامنے نا قابل عبور دیوار بن کر کھڑی ہوگئی۔

صبر واستقامت

جب عثمان نے قلعوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کیا تو یہ صفت ان کی شخصیت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی 707ھ میں اس نے (یکے بعد دیگرے) کتہ، لفکہ، آق حصار، قوج حصار کے قلعے فتح کئے۔ 712ھ میں کبوہ، یکیجہ طراقلوا اور تکرر بیکاری وغیرہ قلعے فتح کئے۔ انہیں فتوحات نے بروسہ شہر کی فتح کو آسان بنا دیا حالانکہ یہ مشکل ترین معرکہ تھا۔ لیکن عثمان کے حوصلہ اور استقامت نے فتح کا تاج اس کے سر پر سجا دیا۔ کئی سال تک عثمان اور امیر شہر اقرینوس کے درمیان سخت معرکے ہوئے لیکن بالآخر نصرانی سپہ سالار کو سر جھکانا پڑا اور شہر عثمان کے حوالے کرنا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران)

"اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لئے) اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ۔"

جذبہ ایمانی

یہ خوبی اس وقت زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئی جب بروسہ کے سپہ سالار اقرینوس نے عثمان کے بارے چھان بین کی اور اسلام قبول کیا۔ سلطان نے اسے "بیگ" کا لقب دیا اور وہ بعد میں دولت عثمانیہ کے معروف سپہ سالاروں میں شمار ہوا۔ بیزنطی سلطنت کے کئی سپہ سالار عثمان کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور اس کے طریقہ جنگ اور سیاست کو پسند کیا۔ حتیٰ کہ عثمانیوں کی صفیں نومسلم سپہ سالاروں سے بھر گئیں بلکہ بہت سی اسلامی جماعتیں خدمت اسلام کے جذبہ سے سرشار سلطنت عثمانی کے

1۔ جوانب مضیئۃ فی تاریخ العثمانیین الاتراک ص 197

2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ ص 25

جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئیں۔ جیسے "جماعت غزایا روم" یعنی رومی غازی، یہ وہ اسلامی جماعت ہے جو حدود روم پر نظر رکھتی تھی اور ہمیشہ سرحد پر خیمہ زن رہتی تھی۔ یہ جماعت عباسی خلافت کے دور سے رومی حملوں کے سامنے سد سکندری بنی ہوئی تھی۔ ہمیشہ سرحد پر رہنے کی بدولت رومیوں کے خلاف جہاد کے سلسلہ میں اس جماعت کو بڑے تجربات حاصل ہوئے اور کافروں کی اخلاقی گراوٹ نے ان کی اسلام سے وابستگی اور نظام اسلام پر یقین کو بہت پختہ کر دیا۔

اسی طرح کی ایک اور جماعت جو مخیر حضرات کی تھی بڑی مشہور ہے۔ اس کا نام" الاخیان" یعنی الاخوان ہے۔ یہ جماعت مسلمانوں کی مالی مدد کرتی تھی۔ ان کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی اور غازیان اسلام کی خدمت کے لئے لشکروں کا ساتھ دیتی تھی۔

اس جماعت کے اکثر ارا کین کا تعلق بڑے بڑے تاجروں سے تھا۔ جنہوں نے اپنی دولت اسلامی خدمات کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ سماجی کام مثلاً مساجد، خانقاہوں، دکانوں اور ہوٹلوں کی تعمیر، سلطنت میں ان لوگوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس جماعت میں ممتاز علماء بھی شامل تھے جو اسلامی تہذیب کی ترویج کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اور لوگوں کے دلوں میں تمسک بالدین کا جذبہ بیدار کرتے تھے۔ ایک جماعت حاجیوں پر مشتمل تھی اس کا نام تھا" حاجیات روم" یعنی حجاج ارض روم۔ اس جماعت کا کام اسلامی شعور کی بیداری اسلامی علوم کی ترویج واشاعت اور اسلامی تشریعات وقوانین میں گہری بصیرت پیدا کرنا تھا ان کے علاوہ کئی دوسری جماعتیں بھی تھیں جن کا ہدف مسلمانوں کی بالعموم اور مجاہدین کی بالخصوص مدد کرنا تھا۔ (1)

عدل وانصاف

اکثر ترکی مراجع جنہوں نے عثمانیوں کی تاریخ قلم بند کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ارطغرل نے اپنے بیٹے عثمان بانی دولت عثمانیہ کو قرہ جہ حصار میں قاضی مقرر کیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب 684ھ، 1285ء میں اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ عثمان نے ایک جھگڑے میں ایک مسلمان کے خلاف حکم سناتے ہوئے بیزنطینی نصرانی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ بیزنطی کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور اس نے عثمان سے پوچھا: آپ میرے حق میں فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں جب کہ میں آپ کے دین پر نہیں ہوں تو عثمان نے اسے جواب دیا۔ میں آپ کے حق میں فیصلہ کیسے نہ دوں جبکہ اللہ تعالیٰ جس کی ہم بندگی کرتے ہیں ہم سے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔" (النساء:58)

عثمان کے اس عدل وانصاف کی بدولت یہ شخص اور اس کی قوم کو ہدایت نصیب ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

عثمان اول اپنی رعایا کے ساتھ اور ان علاقوں میں جو اس نے فتح کئے عدل وانصاف کو کام میں لایا اور مفتوح اقوام کے

1۔ التراجع الحضاری فی العالم الاسلامی، ڈاکٹر علی عبدالحلیم (ص 332,331)

ساتھ جور و ستم، ظلم و زیادتی، جبر و سرکشی اور لوٹ کھسوٹ کا سلوک نہ کیا۔ بلکہ ان کے ساتھ اس ربانی حکم کے مطابق سلوک کیا۔

اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ا۟لْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ (الکہف)

''جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے۔ پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے''۔

اس ربانی دستور پر عمل کرنا ایمان، تقویٰ، فطانت، فہم و ذکا، عدل، نیکی اور رحم دلی کی دلیل ہے۔

وعدہ کی پابندی

وعدہ کی پاسداری کا انہیں بڑا خیال تھا۔ جو وعدہ کرتے پورا کرتے۔ قلعہ اولوباد کے بیزنطی امیر نے جب عثمانی سپاہ کے ہاتھ میں قلعہ کی چابیاں دیں تو یہ شرط عائد کی کہ کوئی عثمانی مسلمان پل سے گزر کر قلعہ میں داخل نہیں ہوگا۔ عثمان نے اس کا پورا پورا التزام کیا اور ان کے جانشینوں نے بھی اس عہد کو نبھایا۔ (1)

فتوحات میں فقط اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا خیال

دولت عثمانیہ کے بانی عثمان بن ارطغرل کی کارروائیاں اور فتوحات اقتصادی، عسکری یا کسی اور مصلحت کے لئے نہیں تھیں بلکہ ان کی غرض و غایت اعلائے کلمہ حق اور دین اسلام کی ترویج تھی۔ اسی لئے مورخ احمد رفیق اپنے انسائیکلوپیڈیا ''التاریخ العام الکبیر'' میں لکھتے ہیں کہ ''عثمان انتہائی درجہ کا دیندار شخص تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسلام کی نشر و اشاعت ایک مقدس فریضہ ہے۔ وہ نہایت سنجیدہ اور وسیع سیاسی فکر و نظر کا مالک تھا۔ عثمان نے اپنی سلطنت کی بنیاد اقتدار کی محبت پر نہیں رکھی بلکہ اس کی بنیاد اسلام کی اشاعت کی محبت پر رکھی۔ (2)

مصر اوغلو لکھتے ہیں ''عثمان بن ارطغرل اس بات پر گہرا یقین رکھتے تھے کہ ان کی زندگی کا وظیفہ صرف اور صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کرنا ہے۔ اس نے اپنی تمام ذہنی اور جسمانی قوتیں اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے وقف کر دیں''۔ (3)

یہ تھیں عثمان اول کی بعض اعلیٰ صفات جو درحقیقت ایمان، روز آخرت کے لئے تیاری، اہل ایمان کے ساتھ محبت اہل کفر و عصیان سے نفرت اور جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت حق کے ساتھ ان کی محبت کا طبعی ثمرہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عثمان اپنی فتوحات میں ایشیاء کوچک کے علاقہ میں رومی حکمرانوں سے تین میں سے ایک چیز اختیار کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اسلام قبول کریں۔ جزیہ دیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بعض نے جزیہ دینے پر صلح

1۔ جوانب مضیئہ ص33
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

کرلی۔لیکن جن لوگوں نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ ہی جزیہ دینے پر راضی ہوئے عثمان نے ان کے خلاف جہاد کیا اور اس میں کسی سستی کا مظاہرہ نہ کیا۔اور اس طرح رومیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بہت سے علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

ایمان باللہ اور خوف آخرت کی بدولت عثمان کی شخصیت میں بڑی سنجیدگی اور جاذبیت تھی۔اسی وجہ سے اس کی قوت اس کی عدالت پر اس کا اقتدار اس کی رحمت پر، اس کا غنا اس کی تواضع پر غالب نہ آئے۔وہ اللہ کی تائید ونصرت کا مستحق بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اقتدار اور غلبہ کے اسباب مہیا کئے۔یہ اللہ کریم کا اپنے بندے عثمان پر خصوصی فضل تھا۔اللہ کریم نے حسن تدبیر ورائے، کثرت جنود اور ہیبت ووقار کے ذریعے ایشیائے کوچک میں انہیں تصرف واقتدار بخش دیا۔اللہ کریم کی اس پر خصوصی نگاہ تھی کہ اس پر توفیق کا دراوازہ کھول دیا اور اس کے بلند مقاصد اور اہداف کو پورا کردیا۔دعوت الی اللہ کی محبت کے سبب انہوں نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔انہوں نے اپنی تلوار خارہ شگاف کے ذریعے جہاں عظیم فتوحات حاصل کیں وہاں ایمان اور حسن کردار کے ذریعے دلوں کو مسخر کیا۔جب بھی کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوا اسے حق، اور ایمان باللہ کی دعوت ضرور دی۔وہ اپنی سلطنت کے تمام علاقوں اور شہروں میں اصلاحی کاموں کے حریص تھے۔انہوں نے حق اور عدل وانصاف کی حکمرانی عام کرنے کی کوشش کی۔انہیں اہل ایمان سے گہری محبت اور سچی لگن تھی۔اور جس طرح وہ اہل ایمان کو دل وجان سے چاہتے تھے۔اسی طرح اہل کفر وعصیان سے بیر رکھتے تھے۔

عثمانیوں کا دستور حکمرانی

دولت عثمانیہ کے بانی امیر عثمان کی زندگی جہاد اور دعوت دین سے عبارت تھی۔علماء اسلام امیر کو گھیرے رہتے تھے۔اور سلطنت میں شرعی احکام کی تنفیذ اور انتظامی امور کی منصوبہ بندی کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔عثمان کی اپنے بیٹے کے نام وصیت آج بھی تاریخ میں موجود ہے جس کا ہم مطالعہ کرسکتے ہیں۔اس سے تہذیبی اور شرعی طریقہ کار جس پر بعد میں عثمانی سلطنت قائم رہی کے بارے رہنمائی ملتی ہے۔عثمان جب بستر مرگ پر تھا تو اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اے بیٹے! کسی ایسے کام میں مصروف نہ ہونا جس کے کرنے کا پروردگار عالم نے حکم نہ دیا ہو۔جب بھی امور سلطنت کی انجام دہی میں کوئی مشکل پیش آئے تو علمائے دین سے مشورہ لینا اور ان سے امداد طلب کرنا۔

اے بیٹے! فرمانبردار لوگوں کو اعزاز سے نوازنا، فوجوں پر انعام واکرام کرنا کہیں سپاہ اور دولت کی وجہ سے شیطان تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔اہل شریعت سے دور ہونے سے احتراز کرنا۔

بیٹا! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا مقصود رب العالمین کی رضا جوئی ہے اور یہ کہ ہم جہاد کے ذریعے تمام آفاق میں اپنے دین کے نور کو عام کردیں لہٰذا وہی بات کرنا جس میں اللہ کریم کی خوشنودی ہو۔

بیٹے! ہم وہ لوگ نہیں جو کشور کشائی اور لوگوں کو غلام بنانے کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ہم نے زندہ رہنا ہے تو اسلام کی خاطر اور مرنا ہے تو بھی اسلام کی خاطر۔اور یہ ہے وہ چیز میرے بیٹے! جس کا تو اہل ہے۔''(1)

1۔العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ، ڈاکٹر محمد حرب ص 16

''التاریخ السیاسی للدولۃ العلیہ العثمانیہ''(1) میں ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں عثمان کی اپنے بیٹے کے نام وصیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''اے بیٹے! اسلام کی اشاعت، لوگوں کی اس دین کی طرف رہنمائی اور مسلمانوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت تمہارے ذمے قرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور تمہیں اس بارے جواب دہ ہونا ہے''۔

اور کتاب ''مأساۃ عثمان'' میں اس وصیت کو قدرے مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ عثمان اپنے بیٹے اور خان کو وصیت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''اے بیٹے! میں اپنے رب کی بارگاہ میں جا رہا ہوں۔ مجھے آپ پر فخر ہے کہ آپ رعایا کے ساتھ عدل کریں گے اور راہ خدا میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے جہاد کریں گے۔''

اے بیٹے! میں وصیت کرتا ہوں ہمیشہ علمائے امت کا خیال رکھنا۔ ان کی عزت و تکریم میں کوئی فرق نہ آنے دینا۔ ان کے مشوروں پر عمل کرنا کیونکہ وہ بھلائی ہی کا حکم دیتے ہیں اے میرے لخت جگر! ایسا کام نہ کرنا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو۔ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو علماء شریعت سے پوچھنا۔ وہ یقیناً بھلائی کی طرف آپ کی رہنمائی کریں گے۔

یاد رکھیے اے میرے بیٹے! اس دنیا میں ہمارا راستہ صرف وہی راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ اور ہمارا مقصد وحید دین کی اشاعت ہے۔ ہم جاہ و مال کے طالب نہیں۔''(2)

اور ''التاریخ العثمانی المصور'' میں اس وصیت کی ایک اور عبارت بھی منقول ہے۔ عثمان اورخان سے کہتا ہے۔

''بیٹوں اور دوستوں کو میری وصیت: جہاد فی سبیل اللہ کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے دین اسلام کو ہمیشہ سربلند رکھنا۔ مکمل ترین جہاد کے ذریعے اسلام کے مقدس جھنڈے کو تھامے رکھنا۔ ہمیشہ اسلام کے خادم رہنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے ایک کمزور بندے سے شہروں کو فتح کرنے کی خدمت لی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے کلمہ توحید کو اقصائے عالم میں پہنچا دو۔ میری نسل سے جو شخص بھی حق اور عدل سے روگردانی کرے گا روز حشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

اے میرے بیٹے! دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جو اپنا سر موت کے سامنے خم نہیں کرے گا۔ مجھے پیغام اجل آ پہنچا ہے۔ یہ سلطنت میں تیرے حوالے کرتا ہوں اور تجھے اپنے مولا کو سونپتا ہوں اپنے تمام کاموں میں عدل کرنا۔''(3)

یہ وصیت ایک ضابطہ تھی جس پر بعد میں عثمانی عمل پیرا رہے۔ انہوں نے علم اور تعلیمی اداروں، لشکر اور عسکری اداروں، علماء اور ان کے احترام اور جہاد فی سبیل اللہ کا اہتمام کیا جس کی بدولت وہ ارجائے عالم میں جا پہنچے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو ان دور دراز علاقوں تک پہنچایا جہاں تک اسلامی جھنڈا پہنچا۔

یہ وہ زندہ جاوید وصیت ہے جس پر عثمانی حکمران اپنے دور عروج میں عمل پیرا رہے۔ اس دور میں جبکہ انہیں،(4)

1۔ جوانب مضیئہ ص 21 2۔ ایضاً، ص 3 3۔ السلاطین العثمانیون ص 33 4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ ص 28

مجد و بزرگی اور عزت و غلبہ حاصل تھا۔

عثمان اول جب دولت عثمانیہ کو چھوڑ کر واصل بحق ہوئے تو اس کا رقبہ 16000 مربع کلومیٹر تھا۔ وہ اپنی نوزائدہ مملکت کے لئے بحر مرمرہ تک راستہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔(1)

اور اس دور کے دو اہم شہر ازنیق اور بورصہ جو بیزنطی سلطنت میں بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے فتح ہوئے۔

دوسری بحث

سلطان اورخان بن عثمان

726ھ تا 761ھ بمطابق 1327ء تا 1360ء

عثمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اورخان تخت نشین ہوا اور حکومت اور فتوحات میں اپنے والد ہی کی پالیسی کو اختیار کیا۔ 727ھ بمطابق 1327ء میں اس کے ہاتھوں نیقومیدیا فتح ہوا۔ یہ استنبول کے قریب ایشیاء کوچک کے شمال مغرب میں واقع ایک شہر ہے جس کا موجودہ نام ازمیت ہے۔ اورخان نے یہاں پہلی عثمانی یونیورسٹی قائم کی اور داؤد قیصری کو اس کا پرنسپل مقرر کیا جو عثمانی علماء میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور انہوں نے مصر سے علوم کی تحصیل کی تھی۔(2)

اورخان نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایک لشکر بھی تشکیل دیا اور اسے مستقل لشکر کی حیثیت دی۔(3)

سلطان اورخان رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کرنا چاہتے تھے جو آپ ﷺ نے فتح قسطنطنیہ کے بارے دی تھی۔ انہوں نے ایک نہایت ہی اہم حکمت عملی ترتیب دی جس کے مطابق بیزنطی دارالحکومت کا یکبارگی مشرق و مغرب دونوں سے محاصرہ کرنا تھا اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اورخان نے اپنے بیٹے اور ولی عہد سلیمان کو بھیجا کہ وہ تنگ نائے ''دردنیل'' کو عبور کر کے بعض مغربی گوشوں میں موجود مقامات پر قبضہ کرلے۔

758ھ میں سلیمان نے رات کے اندھیرے میں چالیس مسلمان گھوڑ سواروں کے ساتھ اس تنگ نائے کو عبور کیا مغربی کنارے پر پہنچ کر لنگر انداز رومی کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں مشرقی کنارے پر لے آیا۔ وجہ یہ تھی کہ عثمانیوں کے پاس اس دور میں بحری بیڑا نہیں تھا کیونکہ ان کی سلطنت ابھی تک اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ مشرقی کنارے پر پہنچ کر سلیمان نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ ان کشتیوں میں سوار ہو کر یورپی ساحل پر پہنچ جائیں۔ سو ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں نے یورپی ساحل پر پہنچ کر قلعہ ''ترنب'' کی بندرگاہ غالیبولی جس میں قلعہ ''جنا قلہ'' ''ابسالا'' اور ''رودستو'' واقع تھے پر قبضہ کر لیا۔ یہ تمام شہر اور قلعے تنگ نائے ''دردنیل'' پر واقع تھے اور جنوب سے شمال کی طرف دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس طرح سلطان نے ایک بہت ہی بڑا اقدام کیا جس سے ہر اس شخص کو فائدہ پہنچا جس نے فتح قسطنطنیہ کے لئے کوشش کی۔(4)

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ 15

2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ ص 29

3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ ص 17

4۔ الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر جمال عبد الہادی ص 22

جدید لشکر کی تاسیس۔ ینگ چری

سلطان اورخان کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ اسلامی لشکر کی تاسیس اور اسے ایک خاص فوجی نظام کا پابند بنانے کے لئے منصوبہ بندی کرنا ہے۔ یہ لشکر کئی یونٹوں میں منقسم تھا۔ ہر یونٹ میں دس، سو یا ہزار سپاہی تھی۔ مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) اس لشکر پر خرچ ہوتا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ فوج تھی۔ اس سے پہلے صرف جنگ کے وقت لوگ رضا کارانہ جمع ہوتے تھے کسی باقاعدہ فوج کا انتظام نہیں ہوا تھا۔ اورخان نے اس لشکر کے لئے چھاؤنیاں بنائیں جہاں انہیں جنگ کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔(1)

انہوں نے ایک اور لشکر کا بھی اضافہ کیا جو''انکشاریہ'' کے نام سے پہچانا جاتا تھا(2)۔ اس میں ان نومسلموں کو بھرتی کیا گیا جو سلطنت کی حدود کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے عثمانی سلطنت کے شہری بن گئے تھے اور غیر مسلم، اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ جنگ میں مسلمانوں کی کامیابیوں اور مفتوحہ علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بدولت کافی تعداد میں اسلامی قلمرو میں آباد تھے۔ اورخان نے انہیں مسلم سپاہ میں شمولیت کی دعوت دی اور اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں ان کی خدمات حاصل کیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان نومسلموں کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور جب ان کی فکری اور حربی تعلیم وتربیت مکمل ہو جاتی تو انہیں مختلف جہادی مراکز میں بھیج دیا جاتا تھا۔ علماء اور فقہاء نے اپنے سلطان اورخان سے مل کر یہ کوشش کی کہ ان کے دل میں جذبہ جہاد، حفاظت دین اور فتوحات کا شوق اور شہادت فی سبیل اللہ کی محبت پیدا کی جائے اسی لئے جب وہ کسی میدان جنگ میں اترتے تو ان کا نعرہ ہوتا تھا''غازی یا شہید''۔(3)

کئی متعصب تاریخ نگاروں کا خیال ہے کہ انکشاری فوج نصرانیوں کے ان بچوں سے بنائی گئی تھی جو ان کے والدین سے چھین کر جبراً مسلمان بنائے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے لئے باقاعدہ ایک نظام اور قانون تھا۔ ان کے خیال میں اس نظام کو دفشرمی نظام کہتے تھے۔ ان کے بقول اس نظام کے مطابق نصرانیوں سے بچوں کی صورت میں اسلامی شرعی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جسے ''بچہ ٹیکس'' کا نام دیا جاتا تھا۔ اور کبھی اسے بچوں کا ٹیکس کہا جاتا تھا۔ اس قانون کے تحت مسلمان اس بات کے مجاز تھے کہ وہ ہر شہر اور نصرانی دیہات سے مال غنیمت میں خمس کے طور پر پانچ بچوں کو پکڑ کر زبردستی مسلمان بنالیں۔ ان متعصب تاریخ نگاروں میں جنہوں نے حقیقت مسخ کرنے کی کوشش کی ہے کارل بروکلمان، جیبونز اور جب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(4)

حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ ان کے مزعومہ نظام جس کے تحت مسلمان بچوں کی صورت میں ٹیکس لیتے تھے ایک جھوٹی کہانی ہے جسے اورخان اور مراد خان بن اورخان کی تاریخ میں زبردستی داخل کیا گیا ہے۔ اور بعد میں آنے والے تمام عثمانیوں کو اس کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ دولت عثمانیہ نے نصرانیوں کے ان بچوں کی کفالت کا ایک باضابطہ انتظام کر رکھا تھا جو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے یتیم رہ جاتے تھے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ اسلام جو دولت عثمانیہ کا دین تھا بچوں کی صورت میں ٹیکس لینے کی کسی بھی صورت اجازت نہیں دیتا یہ محض الزام ہے جو

1۔ قیام الدولۃ العثمانیہ ص 302
2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ ص 302
3۔ قیام الدولۃ العثمانیہ ص 302
4۔ جوانب مضیئہ ص 122

درحقیقت متعصب نصرانی مورخین کی اسلام دشمنی کی غمازی کرتا ہے۔

جنگوں اور معرکوں کی وجہ سے بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے ماں باپ سے بچھڑ جاتی تھی۔ مسلم حکمران عثمانیوں نے ایسے تمام بچوں جن کے باپ اور مائیں ان سے بچھڑ گئی تھیں اور وہ مفتوحہ شہروں کے گلی کوچوں میں آوارہ پھر رہے تھے، کی کفالت کا اہتمام کیا۔ ان کے روشن مستقبل کی انہیں ضمانت مہیا کی۔ اور کیا روشن مستقبل کی دائمی ضمانت اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں موجود ہے؟ اگر مسلمان اس بات کے حریص تھے کہ آوارہ گرد کسمپرسی کا شکار بچے اسلام کو اپنے گلے کا زیور بنائیں تو صرف اس بات پر انہیں یہ جھوٹے لوگ یہ الزام دے سکتے ہیں کہ مسلمان بچوں کو ان کے ماں باپ سے زبردستی چھین کر انہیں جبراً مسلمان بنا لیتے تھے؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس کذب بیانی، الزام تراشی، سفید جھوٹ اور بہتان عظیم کی قلعی کھولنے کے بجائے بعض مسلم تاریخ نگار اپنے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس کا باقاعدہ درس دیتے ہیں اور وہ اسے اس انداز سے اپنے طلبہ کے سامنے بیان کرتے ہیں گویا یہ ایک مسلمہ حقیقت اور کھلی سچائی ہے بہت سے مسلمان تاریخ نگار ایسے ہیں جنہوں نے ان متعصب مؤرخین کی کتب سے بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں سو یہ لوگ اس بہتان کا اپنی کتابوں میں بار بار تذکرہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایڈووکیٹ مورخ محمد فرید بیگ اپنی کتاب ''الدول العلیۃ العثمانیہ'' میں ڈاکٹر علی حسون اپنی کتاب ''تاریخ الدولۃ العثمانیہ'' مورخ محمد کرد علی اپنی کتاب ''خطط الشام'' میں، ڈاکٹر عمر عبدالعزیز اپنی کتاب ''محاضرات فی تاریخ الشعوب الاسلامیہ'' میں، اور ڈاکٹر عبدالکریم غریبہ اپنی کتاب ''العرب والاتراک'' میں اس بہتان کا بار بار اعادہ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کہانی محض جھوٹ، افتراء پردازی اور الزام ہے اور اس کی دلیل کسی مسلم کتاب میں موجود نہیں۔ صرف مستشرقین کی تحریریں اس کہانی کا ماخذ ہیں کہ مسلمان نصرانیوں سے بچوں کی صورت میں ٹیکس لیتے تھے۔ اور ایک قانون کے تحت شہروں اور دیہاتوں سے بچوں کو ان کے والدین سے زبردستی چھینا جاتا تھا۔ ایسے متعصب مستشرق علماء میں جب، نصرانی مؤرخ سوموفیل اور بروکلمان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اسلامی نظریہ حیات اور تاریخ اسلامی کے بارے ان کے عزائم کے بارے ہم اطمینان کا اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ مسلم تاریخ کو جان بوجھ کر مسخ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح آنے والی مسلم نسلوں کو اپنی تابناک تاریخ سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔

جن بچوں کو خصوصی جہادی تربیت دی جاتی تھی وہ نصرانی نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ ان مسلمان والدین کے بچے ہوتے تھے جو نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیتے تھے۔ اور اسلام کو بطور حیات بخوشی اپنا لیتے تھے۔ یہ لوگ بخوشی اپنے بیٹے حاکم وقت کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے تاکہ ان کی اسلامی اصولوں پر تعلیم و تربیت ہو سکے۔ رہے باقی بچے تو ان کا تعلق ان بچوں سے ہوتا تھا جو جنگوں میں یتیم رہ جاتے تھے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ دولت عثمانیہ ایسے بچوں کو اپنا لیتی تھی اور ان کی اسلامی اصولوں پر تربیت کرتی تھی۔

اورخان بن عثمان نے جو جدید لشکر تشکیل دیا درحقیقت وہ ایک باضابطہ لشکر تھا جو ہر وقت قطع نظر حالت جنگ وامن کے جنگ کے لئے تیار اپنی چھاؤنی میں موجود رہتا تھا۔ اس لشکر میں شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اس گروہ کے مجاہدین جو ہر وقت جہاد کی دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہتے تھے اور امراء روم اور ان کے لشکری جن کے دل میں اسلام کا نور سمایا ہوا تھا اور وہ بہت اچھے مسلمان تھے سب لوگ شامل تھے۔ اورخان جونہی اس لشکر کی تنظیم سے فارغ ہوا تو فوراً ایک عالم دین جو نہایت پارسا، صاحب یقین وتقویٰ تھے کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دعائے خیر کی درخواست کی۔ یہ عالم ربانی الحجاج بکتاش تھے۔ یہ عالم دین بادشاہ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ایک سپاہی کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی اللہ تعالیٰ انہیں سرخرو کرے۔ ان کی تلواروں میں تیزی اور کاٹ پیدا کرے اور انہیں ہر اس معرکے میں فتح سے ہمکنار کرے جس میں وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے اتریں۔ پھر وہ عالم دین اورخان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: آپ نے اس لشکر کا کوئی نام بھی رکھا ہے کہ نہیں؟ بادشاہ نے عرض کیا: حضور اس کا میں نے کوئی نام تجویز نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا اس کا نام ''ینگ چری'' ہے جس کا مطلب ہے نیا لشکر۔

اس نئے لشکر کا جھنڈا سرخ رنگ کے کپڑے کا تھا جس پر ہلال بنا ہوا تھا۔ ہلال کے نیچے تلوار کی تصویر تھی جس کو یمن و برکت کے لئے ''ذوالفقار'' کا نام دیتے تھے۔ ذوالفقار حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا نام تھا۔(1)

اورخان کے بھائی علاء الدین صاحب فکر آدمی تھے۔ علم شریعت کا صحیح فہم رکھتے تھے اور زہد وورع اور تصوف میں مشہور تھے۔(2)

جب بیزنطیوں کے ساتھ مقابلوں کا سلسلہ دراز ہو گیا اور جہادی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو اس نئے لشکر میں بھی اضافہ کر دیا گیا سلطان نے ترک اور ان بیزنطی جوانوں کا انتخاب کیا جو مسلمان ہو چکے تھے اور ان کا کردار اچھا تھا اور انہیں نئے لشکر میں بھرتی کر دیا۔ پھر ان کی اسلامی اصولوں پر جہادی تربیت کی اور یوں نئے لشکر کی تعداد بڑھ کر کئی ہزار مجاہدین تک پہنچ گئی۔

اورخان اور علاء الدین اس بات پر متفق تھے کہ نئے لشکر کی تشکیل کا مقصد اور ہدف بیزنطیوں کے خلاف سلسلہ جہاد کو قائم رکھنا اور اسلام کی نشر واشاعت کے لئے ان کے علاقوں کو زیادہ سے زیادہ اپنی قلمرو میں شامل کرنا ہونا چاہئے اور ان بیزنطیوں سے استفادہ کرنا ہو جو ترویج اسلام کی مہم میں مسلمان ہو چکے تھے۔ نیز ان نومسلموں کو اسلامی جہاد کی تربیت دینا اور ان کے دلوں میں اسلامی تہذیب کا شوق اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔

الغرض: سلطان اورخان نے کسی ایک بھی نصرانی بچے کو اس کے ماں باپ سے نہیں چھینا اور ایک بھی نصرانی بچے کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ بروکلمان، جب اور جیبونز جو کچھ گمان کرتے ہیں وہ کھلا جھوٹ ہے اور بہتان ہے۔ ہماری تاریخ کی کتابوں کو اس طرح کے بے بنیاد الزامات سے پاک ہونا چاہئے۔(3)

علمی امانت اور اسلامی بھائی چارہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر غیرت مند مسلمان بالخصوص علماء، تعلیم یافتہ طبقہ، مفکرین، مورخین،

1۔ جوانب مضیئہ ص 147 2۔ ایضاً، ص 144 3۔ ایضاً، ص 155

اساتذہ محققین اور اخباری نمائندگان اس جھوٹ کی قلعی کھولیں اور عثمانیوں پر لگائے جانے والے جھوٹے الزامات اور شبہات کا رد کریں۔ یہ ان کے ذمہ ایک قرض ہے جسے انہوں نے اتارنا ہے۔ مستشرقین نے اس کذب بیانی کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا ہے کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت کا روپ دھار چکی ہے جس پر گویا کسی اختلاف، مناقشے اور (Debate) کی ضرورت نہیں۔

اورخان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی

اورخان کے تمام غزوات رومیوں کے خلاف تھے لیکن 736ھ بمطابق 1336ء میں قرہ سی کے امیر کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ قرہ سی ان امارات میں سے ایک تھی جن کی بنیاد سلاجقہ روم کی سلطنت کے کھنڈرات پر رکھی گئی تھی۔ والد کی وفات کے بعد بھائیوں میں سلطنت کے لئے نزاع پیدا ہوا۔ اورخان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس امارت پر قبضہ کر لیا۔ یہ بات نوزائدہ دولت عثمانیہ کے اہداف میں شامل تھی کہ ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی سلطنت کی وارثت حاصل کی جائے۔ اور جو علاقے ان کے زیرنگیں رہ چکے تھے ان پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ اسی وجہ سے محمد فاتح کے دور حکومت تک ان کے اور دوسری اماراتوں کے درمیان چپقلش چلتی رہی حتیٰ کہ پورا ایشیائے کوچک عثمانی سلطنت میں شامل ہوگیا۔

استحکام سلطنت کے لئے اورخان نے اصلاحی اور عمرانی امور کی طرف توجہ مبذول کی۔ نظام سلطنت کو نئے خطوط پر استوار کیا فوجی طاقت کو بڑھایا۔ مساجد تعمیر کیں۔ علمی ادارے قائم کئے (1)۔ اور ان پر بہترین علماء اور اساتذہ کو نگران مقرر کیا۔ پورے ملک میں ان علماء کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہر دیہات میں مدرسہ تھا اور ہر شہر میں کالج تھا جس میں علم نحو، تراکیب لغویہ، منطق، فزکس، فقہ، لغت، علم بدیع، علم البلاغۃ، علم ہندسہ، علم فلکیات (2) اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کا حفظ، تفسیر، سنت، علم فقہ اور علم العقائد بھی پڑھائے جاتے تھے۔

قرہ سی کی امارات پر غلبہ پانے کے بعد بیس سال تک اورخان نے کسی علاقے پر چڑھائی نہیں کی۔ بیس سال کا یہ عرصہ ملکی نظم و نسق کو بہتر بنانے، شہروں کے انتظامی امور کو نئے خطوط پر استوار کرنے اور فوجی تنظیم نو میں گزار دیے۔ اس عرصہ میں اورخان نے ملک کے کونے کونے میں امن عامہ کی صورت حال کو بہتر بنایا۔ مسجدیں تعمیر کیں اور ان کی ضروریات کے لئے محکمہ اوقاف تشکیل دیا۔ اور ایسے وسیع پبلک ادارے بنائے جو اورخان کی عظمت شان، تقویٰ اور دانائی کا پتہ دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے جنگ پر جنگ کرنے کی پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ اپنے زیرنگیں علاقوں میں حکومتی استحکام کے حریص رہے۔ اور ہر وہ علاقہ جو فتح کیا اس پر شہری، عسکری، تربیتی اور ثقافتی چھاپ لگانے کی کوشش کی اسی وجہ سے ہر نئی زمین ان کی سلطنت کا اٹوٹ انگ بن گئی اور باہمی اتحاد و یگانگت کی وجہ سے ایشیائے کوچک میں سلطنت عثمانیہ کے علاقے ایک مثال بن گئے۔

یہ چیز اورخان کی فراست، سلطنت کی تعمیر و ترقی میں تدریج کی پالیسی کو مکمل طور پر اپنانے، تہذیب کے قیام اور معاشروں کے احیاء کی بہت بڑی دلیل ہے۔

1۔ محمد فاتح، ڈاکٹر سالم رشیدی: ص 25

2۔ فی اصول التاریخ العثمانی: محمد عبدالرحیم ص 40

اورخان داخلی امن واستحکام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ دولت بیزنطیہ کے اندر حکومت کے بارے جھگڑا پیدا ہو گیا اور شہنشاہ ''کونتا کوزینوس'' نے اپنے مخالف کے مقابلے میں اورخان سے مدد طلب کی۔ سلطان کے لئے یہ بہت اہم موقع تھا۔ انہوں نے یورپ میں عثمانی نفوذ کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کر دیں۔ 1358ء میں تراقیا کے شہر میں زلزلہ آیا۔ اور اس زلزلے نے غالیبولی کی دیواریں ہلا کر رکھ دیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کی آبادی علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔

عثمانیوں کے لئے اب شہر میں داخل ہونا بالکل آسان ہو گیا تھا۔ بیزنطی شہنشاہ نے بہت احتجاج کیا لیکن بے سود۔ اور خان نے جواب دیا عنایت ربانی نے شہر کے دروازے اس کی فوج پر وا کر دیے ہیں۔ اور کچھ ہی عرصہ میں غالیبولی کا شہر یورپ میں عثمانیوں کا ہراول دستہ بن گیا۔ وہ اولین حملے جو جزیرہ نمائے بلقان کی فتح پر منتج ہوئے اسی شہر سے کئے گئے تھے۔

جب حنا پنجم بالیولوجس بیزنطہ کا واحد حکمران بنا تو اس نے یورپ میں سلطان کی تمام فتوحات کو تسلیم کر لیا اس شرط پر کہ سلطان قسطنطنیہ تک رسد اور خوراک پہنچنے کو آسان بنائے گا۔ اور خان نے بہت سے مسلمان قبیلوں کو اس غرض سے ان علاقوں میں بھیجا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں اور یورپ سے عثمانیوں کے انخلاء کو نصرانیوں کے لئے ناممکن بنا دیں۔ (1)

وہ عوامل جن کی بدولت اورخان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا

❶ اورخان کا مرحلہ وار آگے بڑھنا اور اپنے والد عثمان کی کوششوں سے استفادہ کرنا۔ نیز مادی اور معنوی امکانات کی موجودگی جو اناضول کے علاقوں پر فتح اور ان پر عثمانیوں کے تسلط میں معاون ثابت ہوئے اور خان کی کوششیں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس نے اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے جو اقدامات کئے وہ مرحلہ وار اور فیصلہ کن تھے۔ عالم مسیحیت کو اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ یہ سلطنت یورپ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ انہیں اس بات کا احساس اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے سمندر کو عبور کیا اور غالیبولی پر قبضہ کر لیا۔ (2)

❷ بلقانیوں اور عثمانیوں کے درمیان جو دو بدو لڑائیاں ہوئیں ان میں عثمانیوں کو جو امتیاز حاصل تھا وہ بھی ان کی کامیابی کا ایک اہم محرک ہے۔ عثمانیوں کی صفوں میں اتحاد تھا۔ دینی اور فکری لحاظ سے یہ ایک تھے۔ پوری فوج ایک ہی مذہب پر یقین رکھتی تھی۔

❸ بیزنطی سلطنت مرحلہ اضمحلال میں تھی۔ بیزنطی معاشرہ سیاسی انتشار اور دینی و معاشرتی گراوٹ کا شکار ہو چکا تھا۔ سو اس چیز نے اس سلطنت کو اپنی سلطنت میں ضم کرنا عثمانیوں کے لئے آسان بنا دیا۔

❹ بیزنطیہ، بلغاریہ، سربیہ اور ہنگری کی حکومتوں کے درمیان عدم اعتماد نے مسیحی محاذ کو کمزور بنا دیا تھا۔ اسی لئے اکثر اوقات عثمانیوں کے خلاف سیاسی اور عسکری اتحاد قائم کرنے میں یہ لوگ ناکام رہے۔ (3)

❺ روما اور قسطنطنیہ کے درمیان دینی اختلافات، یعنی کیتھولک اور آرتھوڈکس فرقوں کی چپقلش یہ دونوں فرقے کافی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ اور ان کے حلقہ ہائے اثر خاصے مستحکم ہو چکے تھے۔ اس فرقہ بندی نے فریقین کے دلوں میں شدید نفرت

1۔ اصول التاریخ العثمانی ص 47
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 22
3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 22

پیدا کر دی تھی۔

❺ عثمانیوں کا جدید فوجی نظام جسے نظریاتی بنیادوں، تربیتی منہج، ربانی اہداف کے مطابق تشکیل دیا گیا تھا۔ اور اس کی نگرانی عثمانیوں کے بہترین قائدین کر رہے تھے۔

تیسری بحث

سلطان مراد اول

761ھ تا 791ھ بمطابق 1360ء تا 1389ء

مراد اول بہادر، مجاہد، کریم اور دیندار فرمانروا تھا۔ نظم وضبط کا بڑا پابند، نہایت عدل گستر، غریب پرور، رعایا کے ساتھ انصاف برتنے والا، سپاہ کا خیال رکھنے والا، غزوات کا شغف رکھنے والا، مساجد، مدارس اور پناہ گاہوں کے قیام کا شوقین۔ اس کے حاشیہ نشینوں میں بہترین سپہ سالار، تجربہ کار جرنیل اور فوجی تھے۔ یہ تمام لوگ مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اور سلطان ان کے تجربات سے پورا پورا استفادہ کرتا تھا۔ انہوں نے بیک وقت ایشیائے کوچک اور یورپ میں اپنی سلطنت کی سرحدوں کو وسیع کرنے کے اقدامات کیے۔

یورپ میں عثمانی سپاہ بیزنطی سلطنت کے محروسہ علاقوں پر حملہ آور ہوئی اور 762ھ بمطابق 1360ء کو ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیا۔ بلقان میں اس شہر کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ قسطنطنیہ کے بعد بیزنطی شہنشاہیت کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ 768ھ بمطابق 1366ء میں مراد نے اسے عثمانی سلطنت کا دارالحکومت بنالیا اس کے ساتھ ہی اس عظیم سلطنت کا دارالحکومت ایشیا سے یورپ میں منتقل ہو گیا اور ایڈریانوپل کا شہر ایک اسلامی دارالسلطنت بن گیا۔ دارالحکومت کی اس منتقلی میں مراد کے پیش نظر درج ذیل اہداف تھے۔

❶ ایڈریانوپل کے حربی استحکامات سے فائدہ اٹھانا اور جہادی سرگرمیوں کے علاقے سے اس کا قریب تر ہونا۔

❷ یورپی اقالیم جن تک جہاد کی بدولت ان کو رسائی حاصل ہو چکی تھی انہیں اپنی سلطنت کا حصہ بنانے میں مراد کی رغبت اور ان علاقوں میں اپنے قدم جمانا۔

❸ مراد نے سلطنت کی ترقی واستحکام کے تمام ذرائع اور فرمانروائی کے تمام اصولوں کو اس دارالسلطنت میں یکجا کر دیا اور اس میں ملازمین، سپاہ، قانون دان، علماء دین ہر قسم کے لوگوں کی مجلسیں اور تنظیمیں تشکیل دے دیں، عدالتیں قائم کیں، شہری مدارس اور انکشاریہ کی تربیت کے لئے عسکری ادارے بنائے۔ ایڈریانوپل کی سیاسی، عسکری، انتظامی، ثقافتی اور دینی حیثیت برابر قائم رہی حتیٰ کہ 857ھ بمطابق 1453ء میں عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور ایڈریانوپل سے دارالحکومت منتقل ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا۔(1)

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث، ڈاکٹر اسماعیل یاغی ص 38-34

مراد کے خلاف صلیبی اتحاد

مراد کی جہادی اور دعوتی تحریک جاری رہی اور وہ یورپ کی اقالیم کو یکے بعد دیگرے فتح کرتا چلا گیا حتیٰ کہ اس کا لشکر مقدونیا کو فتح کرنے کی غرض سے چل دیا۔ اس کی کامیابیوں کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ سو اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لئے یورپی بلقانی صلیبی معاہدہ ہوا۔ پوپ اور بانچم نے اس معاہدہ کی تحسین کی اور سربیوں، بلغاریوں، ہنگریوں اور اقالیم ولائیشیا کے باسیوں کو بھی اس معاہدہ میں شرکت کی ترغیب دی۔ اس معاہدہ میں شریک تمام ملکوں نے ایک بہت ہی بڑا لشکر تیار کیا جس کی تعداد ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ عثمانی سپہ سالار ''لالا شاہین'' نسبتاً ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ اس لشکر جرار کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں لشکر دریائے ''مارتیزا'' پر ''تشیرمن'' کے قریب ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ زور کا رن پڑا۔ صلیبی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سربیہ کے دونوں امیر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن دریائے مارتیزا کی فوجوں کا لقمہ بن گئے۔ ہنگری کا امیر حیرت انگیز طریقے سے بچ نکلا۔ اس اثناء میں سلطان مراد ایشیاء کو چک میں برسرپیکار تھا۔ جہاں اس نے متعدد شہروں کو فتح کر لیا تھا۔ پھر وہ اپنی سلطنت کے مرکز کو واپس ہوا تا کہ مفتوحہ اقالیم اور شہروں کا نظم ونسق بہتر بنائے جیسا کہ وہ اکثر کیا کرتا تھا۔(1)

دریائے مارتیزا پر عثمانیوں کی یہ فتح کئی اہم امور کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جن میں سے چند یہ ہیں۔

1. اس فتح کے نتیجے میں تراقیا اور مقدونیا کی اقالیم فتح ہوئیں اور مسلمان جنوبی بلغاریا اور مشرقی سربیا پہنچے۔
2. سلطنت بیزنطیہ کی املاک اور شہر نیز بلغاریا اور سربیا موسم خریف کے پتوں کی طرح یکے بعد دیگرے جھڑتے گئے۔ اور ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا گیا۔(2)

سلطنت عثمانیہ اور مسیحیوں کے درمیان معاہدہ

سلطنت عثمانیہ کے بازوؤں میں کمال طاقت دیکھ کر دائیں بائیں کی تمام اقالیم کانپنے لگیں۔ بالخصوص ان میں سے جو اقالیم کمزور تھیں ان کا خوف دیدنی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راجوزہ(3) کی جمہوری سلطنت نے پہل کرتے ہوئے سلطان مراد کی خدمت میں سفارت روانہ کی اور دوستی کے معاہدے کی درخواست کی۔ اس معاہدہ کی رو سے دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی روابط کا قیام بھی عمل میں آیا اور قرار یہ پایا کہ جمہوریہ راجوزہ اس معاہدے کے بدلے میں 500 سنہری ڈوق (اس ملک کی کرنسی) سالانہ جزیہ ادا کرے گی۔ یہ پہلا معاہدہ ہے جو دولت عثمانیہ اور ایک دولت مسیحی کے درمیان طے پایا۔(4)

کوسوو کا معرکہ

سلطان مراد اپنے سپہ سالاروں کے طریق کار کو چھوڑ کر بذات خود دور تک بلقان میں گھستا چلا گیا جس کی وجہ سے سربیا

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ العلیہ ص131
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص37
3۔ یہ سلطنت دریائے اوریاتیکی کے نزدیک واقع تھی۔
39۔ تاریخ الدولۃ العلیہ العثمانیہ، ڈاکٹر محمد فرید ص132

والوں کوشہ ہوئی اور انہوں نے یورپ سے بادشاہ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کئی مرتبہ بلقان میں عثمانی فوجوں پر حملہ کیا۔ لیکن انہیں عثمانیوں کے خلاف کوئی قابل ذکر کامیابی نہ ہوئی۔ لہٰذا سربیا والوں اور بوسنیا والوں نے بلغاریہ کے باسیوں سے معاہدہ کیا اور ایک یورپی صلیبی لشکر ترتیب دیا یہ ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ ادھر سلطان مراد پوری تیاری کے ساتھ اپنی فوجوں کے ساتھ بلقان میں کوسوو کے علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان مراد کے وزیر جن کے پاس جنگ کے دوران قرآن کریم کا ایک نسخہ ہوتا تھا، نے اتفاقاً بغیر کسی ارادے کے قرآن کریم کھولا تو ان کی نظر فوراً اس آیت کریمہ پر پڑی

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ (الانفال)

"اے نبی! اہل ایمان کو جنگ کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو ہوئے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ یہ وہ قوم ہیں جو کچھ سمجھ نہیں رکھتے"۔

وزیر محترم نے اسے نیک شگون گمان کیا اور اسے مسلمانوں کی فتح پر محمول کیا۔ اس واقعہ سے تمام فوج کو بھی فتح کا یقین ہو گیا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئیں دوسرے ہی لمحہ جنگ شروع ہوئی۔ زور کا رن پڑا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اور بالآخر یہ جنگ مسلمانوں کی واضح اور یقینی کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی۔(1)

سلطان مراد کی شہادت

کوسوو میں اس کامیابی کے بعد سلطان مراد میدان جنگ کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ مسلم شہداء کی صفوں کے درمیان پھرنے لگا اور ان کے لئے دعا کرنے لگا۔ اسی طرح زخمیوں کو تلاش کیا اور ان کی مرہم پٹی کے احکامات صادر فرمائے۔ اسی اثناء میں ایک سپاہی اٹھا جو مردوں میں پڑا اپنے آپ کو مردہ ظاہر کر رہا تھا۔ اس کا تعلق سربیا سے تھا۔ وہ سلطان کی طرف دوڑ پڑا۔ محافظوں نے اسے گرفتار کر لیا لیکن اس نے یہ بہانہ بنایا کہ وہ سلطان سے بات کرنا چاہتا ہے اور ان کے ہاتھ پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کا آرزومند ہے۔ سلطان نے اپنے محافظوں کو اشارہ کیا کہ وہ اسے چھوڑ دیں۔ اس نے سلطان کے ہاتھ چومنے کی ایکٹنگ کی اور پھر فوراً اپنا زہر آلود خنجر نکال کر سلطان پر حملہ آور ہوا۔ سلطان زخمی ہوا اور 15 شعبان 791ھ کو شہادت کا تاج سر پر سجائے راہی ملک بقا ہوا۔ اللہ کریم ایسے پاک باز مجاہد اور مسلم سلطان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔(2)

سلطان مراد کی زبان سے صادر ہونے والے آخری کلمات

"میرے پاس صرف اتنی مہلت باقی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں بیشک وہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے اور اس فقیر کی دعا کو قبول کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ شکر اور حمد وثنا کا مستحق صرف

1۔ محمد فاتح، ڈاکٹر سالم رشیدی ص 30، الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ص 389

2۔ تاریخ سلاطین آل عثمان۔ قرمانی ص 6

اور صرف وہی ہے میرا خیال ہے میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ میں اسلامی لشکر کی کامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ میرے بیٹے بایزید کی اطاعت کرنا۔ قیدیوں کو اذیت نہ دینا اور انہیں برہنہ نہ کرنا۔ میں تمہیں اس لمحے الوداع کہتا ہوں اور اپنے عظیم فاتح لشکر کو اللہ کریم کی رحمت کے سپرد کرتا ہوں۔ وہی ہماری سلطنت کو ہر طرح کی برائی سے محفوظ فرمائے گا(1)۔ یہ عظیم فرمانروا شہید ہوا تو اس کی عمر 65 سال کو پہنچ چکی تھی۔

جنگ کوسوو سے پہلے سلطان کی دعا

سلطان مراد جانتا تھا کہ وہ راہ خدا میں جہاد کرنے والا ہے اور فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے جب بھی وہ میدان کارزار میں اترتا تو خوب دعا کرتا بارگاہ ایزدی میں گریہ وزاری کرتا اور اللہ کریم کی ذات پر توکل کرتا تھا۔ ان کی عاجزانہ دعائیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ سلطان معرفت خداوندی کا نور اپنے دل میں رکھتے تھے اور بندگی کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ سلطان مراد اس معرکہ میں اترنے سے پہلے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے۔

"اے اللہ! اے رحم فرمانے والے، اے آسمانوں کے رب! اے وہ جو دعاؤں کو سنتا ہے! مجھے حزن وملال میں مبتلا نہ کر۔ اے رحمٰن ورحیم اپنے عاجز بندے کی دعا کو اس بار قبول فرما۔ ہم پر (اپنی رحمتوں کی) آسمان سے موسلا دھار بارش برسا کہ تاریکی کے یہ بادل چھٹ جائیں۔ ہم تیرے دشمنوں کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہیں اور ہم کچھ نہیں صرف تیرے گناہ گار بندے ہیں۔ تو بے دریغ عطا وبخشش کرنے والا ہے اور ہم تیرے در کے فقیر ہیں میں کچھ بھی نہیں۔ صرف تیرا ایک عاجز بندہ ہوں۔ تو سب کچھ جانتا ہے اے غیب کی باتیں اور مخفی اسرار جاننے والی ذات۔ اے وہ کہ دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ میرے سامنے کوئی ذاتی مصلحت اور منفعت نہیں اور نہ مال غنیمت کی طلب مجھے آمادہ جنگ کر رہی ہے۔ میں صرف تیری رضا کا طالب ہوں۔ اے اللہ! اے علیم! اے ہر موجود میں موجود ذات(2) میں اپنی روح تیرے سپرد کرتا ہوں۔ میری التجا کو قبول فرما۔ دشمن کے سامنے مسلمانوں کو ذلیل ورسوا نہ کر انہیں فتح سے ہمکنار کر۔ اے اللہ! اے ارحم الراحمین! مجھے ان کی موت کا سبب نہ بنا بلکہ ان کی فتح وکامرانی کا موجب بنا۔

اے میرے رب میں اپنی روح تیرے لئے قربان کرتا ہوں۔ میں چاہتا اور میں ہمیشہ چاہتا رہا ہوں کہ میں لشکر اسلام کی خاطر شہید ہو جاؤں۔ الٰہی! مجھے ان کی تکلیف دیکھنا نصیب نہ ہو۔ اے میرے مولا! اس بار تو مجھ پر کرم فرما کہ میں تیری راہ میں تیری رضا کے لئے شہید ہو جاؤں......(3)

ایک روایت میں دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ الٰہی میں تیری عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میرا مقصود اس جہاد سے یہ فانی دنیا نہیں۔ میں تو تیری رضا چاہتا ہوں اور مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے۔ اے اللہ! میں تیری عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تیرے رستے میں نکلا ہوا ہوں۔ اپنے راستے میں موت دیکر میری عزت افزائی فرما"(4)

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ص 391

2۔ یعنی ہر موجود میں اپنے علم کے ساتھ موجود (حلول کی نفی) (مترجم)

3۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ص 390

4۔ جوانب مضیئہ، ص 190

ایک اور روایت میں دعا کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔

"اے میرے معبود! اے میرے مولا! میری دعا اور یہ گریہ وزاری قبول فرما۔ اور ہم پر اپنی رحمتوں کی وہ بارش برسا جو ہمارے اردگرد اٹھنے والی آندھیوں کے گرد وغبار کو دھوڈالے۔ اور ہمیں وہ روشنی عطا کر جس سے ہمارے اردگرد پھیلے سب اندھیرے چھٹ جائیں اور ہم اپنے دشمنوں کے پڑاؤ کی جگہوں کو دیکھ سکیں اور انہیں تیرے معزز دین کی سر بلندی کے لئے میدان میں للکار سکیں۔"

اے میرے معبود! اے میرے مالک! بادشاہی اور قوت واقتدار صرف تجھے زیبا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے ملک واقتدار عطا کرتا ہے میں تیرا ایک عاجز بندہ ہوں۔ تیرے در کا فقیر ہوں۔ تو میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ مجھے تیری عزت وجلال کی قسم! میں اپنی جہادی سرگرمیوں کے بدلے اس فانی دنیا کا ایندھن نہیں چاہتا بلکہ تیری رضا چاہتا ہوں اور تیری رضا کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔

الٰہی! میں تیری کریم ذات کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے تمام مسلمانوں پر قربان کردے اور مجھے کسی مسلمان کی راہ مستقیم کے سوا کسی اور راہ میں موت وہلاکت کا سبب نہ بنا۔

اے میرے معبود! اے میرے مالک! اگر میری شہادت میں مسلم لشکر کی نجات ہے تو مجھے اپنی راہ میں شہادت سے محروم نہ کرنا تاکہ میں تیرے حریم قدس سے فیض یاب ہو سکوں۔ اور تیرا جوار کتنی بڑی نعمت ہے۔

اے میرے معبود! میرے مولا! تو نے مجھے یہ عزت دی ہے کہ میں تیرے راستے میں جہاد کی غرض سے نکلا ہوں مجھ پر مزید کرم فرما اور اپنے راستے میں مجھے شہادت کا شرف عطا کر۔(1)

یہ عاجزانہ دعا اس بات کی دلیل ہے کہ سلطان مراد کو معرفت خداوندی حاصل تھی۔ اور اس نے کلمہ توحید (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کی شروط کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اور اس کلمہ کی شروط اس کے چال چلن اور زندگی میں جمع ہوگئی تھیں۔

سلطان مراد جانتا تھا کہ نفی واثبات جو معرفت سے ناواقفی کے منافی ہے کا کیا معنی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد:19)

"اور جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ (الزخرف)

"مگر جنہوں نے حق کی گواہی دی اس حال میں کہ وہ جانتے تھے۔"

یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کی اور جو کچھ وہ اپنی زبانوں سے بول رہے تھے ان کے دل اس کو جانتے تھے۔

سلطان اس بات سے آگاہ تھا کہ شک اور یقین دو متضاد کیفیتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ سلطان اس کلمہ کے مدلول پر

1۔ جوانب مضیئہ ص 41,40

پختہ یقین رکھتے تھے اور وہ دل کی گہرائیوں سے مانتے تھے کہ ایمان میں صرف یقین کامل ہی فائدہ دے سکتا ہے ظن نہیں(1)۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ (الحجرات)

"(کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں یہی لوگ راستباز ہیں۔"

سلطان اس کلمے کے تقاضوں کو بدل و جان قبول کرتا تھا اور جن اوامر و نواہی پر یہ کلمہ دال تھا اس کی پوری اتباع کرتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ (لقمان)

"اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے دراں حال کہ وہ محسن ہو، تو بیشک اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام"۔

اور ارشاد باری ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ (النساء)

"(اے مصطفیٰ ﷺ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے"۔

سلطان مراد کا اپنے رب پر سچا ایمان تھا۔ وہ ایمان میں بالکل خالص تھا اس کے دل میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ (البینہ:5)

"حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر"۔

وہ اپنے خالق سے بڑا مخلص تھا۔ اور راہ خدا میں جان و مال کی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

1۔ معارج القبول: 419/2

''اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اوروں کو اللہ کا مد مقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہئے۔ اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ سے''۔ (البقرہ: 165)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدہ: 54)

''اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بد نصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے، جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہونگے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے''۔

حدیث صحیح میں ہے۔

ثلاث من كن فيه وجدبهن حلاوة الايمان ان يكون الله و رسوله احب اليه مما سواه وان يحب المرء لا يحبه الا لله و ان يكره ان يعود في الكفر بعد ان انقذه الله منه كما يكره ان يقذف في النار

''تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ان کی بدولت ایمان کی چاشنی کو پالے گا۔ پہلی یہ چیز کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول باقی ہر چیز سے اسے زیادہ محبوب ہوں دوسری یہ کہ وہ کسی شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت رکھے۔ اور تیسری یہ کہ حالت کفر میں اسے واپس جانا ایسے ہی ناپسند ہو جیسے آگ میں اس کا پھینکا جانا اسے ناپسند ہے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر کی حالت سے نکال لیا ہے''۔ (1)

سلطان مراد ایمان اور کلمہ توحید کی حقیقت کو سمجھتا تھا اس نے اپنی زندگی میں اس کے اثرات کو محسوس بھی کیا تھا۔ ایمان باللہ کی بدولت اس کے اندر کمال خودداری اور عزت و وقار پایا جاتا تھا۔ اسے اس بات کا یقین کامل تھا کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ کریم ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت کی نیند سلاتا ہے۔ حکومت، اقتدار اور سیادت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دل میں کسی چیز کا خوف نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے رب سے ڈرتا تھا اور اس کا سر مخلوق میں کسی کے سامنے نہیں جھکتا تھا۔ نہ وہ کسی غیر سے دست سوال دراز کرتا نہ کسی کی بڑائی اور عظمت کو تسلیم کرتا تھا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ قدرت و عظمت کی مالک صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ ایمان باللہ کی بدولت اسے عزم، اقدام، صبر، ثبات، توکل اور عظیم کارناموں کو سرانجام دینے کی عظیم قدرت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ جس میدان کارزار میں اترتا۔ بلند و بالا پہاڑ کی مانند ثابت قدم رہتا۔ اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ اس کی جان و مال کا مالک صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ اس لئے اسے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں تھی کہ وہ ہر مہنگی اور سستی چیز اللہ کی رضا کے لئے قربان کر رہا ہے۔

1۔ بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان: 11/1 حدیث نمبر 16

سلطان مراد نے حقیقی ایمان کی زندگی بسر کی اسی لئے وہ میدان ہائے جہاد میں کود پڑا اور اپنا سب کچھ دعوت اسلام کی خاطر قربان کر دیا۔

سلطان مراد نے تیس سال تک اس حکمت اور مہارت کے ساتھ عثمانی سلطنت کی فرمانروائی کی کہ کوئی ہم عصر ان کی برابری نہ کر سکا۔ بیزنطی مؤرخ ''ھالکوندیلاس'' مراد اول کے بارے لکھتا ہے: ''سلطان مراد نے بہت سے اہم کام سرانجام دیے وہ 37 معرکوں میں خواہ وہ اناضول میں ہوئے یا بلقان میں، اترا اور تمام میں کامیابی سے ہمکنار رہا۔ وہ اپنی رعایا سے شفقت کا سلوک کرتا اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی کچھ تمیز نہ کرتا۔'' (1)

فرانسیسی مؤرخ ''کرینارڈ'' لکھتا ہے'' مراد خاندان عثمان کی عظیم ترین شخصیات میں سے تھا۔ جب ہم ان کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو ہم انہیں اس عہد کے تمام یورپی حکمرانوں سے بہت بلند سطح پر پاتے ہیں''۔(2)

مراد کو اپنے والد سے ایک بہت بڑی سلطنت وراثت میں ملی جس کا رقبہ 95,000 مربع کلومیٹر تھا۔ اور جب وہ شہید ہوا تو اپنے بیٹے بایزید کو 500,000 مربع کلومیٹر کی سلطنت وراثت میں دی۔ گویا اس نے 29 سال میں اپنے باپ اور خان کی چھوڑی ہوئی سلطنت میں پانچ گنا سے زیادہ اضافہ کیا۔(3)

معرکہ کسوو میں مسلمانوں کی فتح پر جو نتائج مرتب ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

1. علاقہ بلقان میں اسلام کی اشاعت، اور قدیم اشراف اور شیوخ کا محض اپنے ارادے سے اسلام میں داخل ہونا۔
2. یورپی سلاطین کی بے چینی اور عثمانی دولت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ان میں سے بعض نے فوراً جزیہ دینے کی حامی بھر لی اور بعض نے عثمانیوں کی طاقت سے خوفزدہ ہو کر ان کے حملوں سے بچنے کے لئے خیر سگالی کا اعلان کیا۔
3. عثمانی اقتدار ہنگری، رومانیا اور ان علاقوں تک پھیل گیا جو دریا تیک کے قرب و جوار میں تھے حتیٰ کہ ان کا اثر ورسوخ البانیا تک جا پہنچا(4)

چوتھی بحث

سلطان بایزید اول

791ھ تا 805ھ بمطابق 1389ء تا 1402ء

سلطان مراد کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا بایزید تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا بہادر، حوصلہ مند، فیاض اور اسلامی فتوحات کے بارے بڑا جذباتی تھا۔ اسی وجہ سے اس نے فوجی امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اناضول میں قائم نصرانی امارات کو نشانہ بنایا حتیٰ کہ ایک سال کے قلیل عرصہ میں یہ تمام امارات سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گئیں بایزید نے بلقانی اور اناضولی محاذوں

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص19
2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص19
3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص20
4۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ڈاکٹر عبد العزیز عمری ص388

پر اس برق رفتاری سے حملے کیے کہ اسے "الصاعقۃ" کا لقب دیا گیا۔(1)

سربوں کے بارے بایزید کی پالیسی

سربیہ کے ساتھ بایزید نے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ حالانکہ سرب ہی عثمانیوں کے خلاف بلقانی اتحاد کے قیام کا سبب تھے۔ اس سے بایزید کی غرض یہ تھی کہ وہ دولت سربیہ سے اپنے اور ہنگری کے درمیان ایک دیوار کا کام لیں۔ بایزید ایک ایسے حلیف کی ضرورت محسوس کرتا تھا جو ایشیائے کوچک کی اسلامی ترکی سلجوقی امارات کے بارے اس کی نئی عسکری پالیسی میں اس کے کام آسکے (2)۔ اس لئے بایزید نے سربیہ والوں سے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ شاہ لازار جو معرکہ کوسووو میں قتل ہوگیا تھا، کے دونوں بیٹے سربوں پر اس علاقے کے رسم ورواج، قوانین، روایات اور عادات کے مطابق حکومت کریں۔ سلطنت عثمانیہ سے دوستی کے تعلقات رکھیں۔ جزیہ دیں اور سپاہیوں کی ایک مقررہ تعداد مہیا کریں جو جنگوں میں ایک الگ یونٹ کی صورت میں سلطان کی فوج میں شامل ہو سلطان نے شاہ لازار کی بیٹی سے شادی کر کے اس معاہدہ کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

عثمانی فرمانروائی کے سامنے بلغاریہ کا سر تسلیم خم کرنا

سربوں کے ساتھ افہام وتفہیم کے بعد 797ھ،1393ء کو بایزید بڑی برق رفتاری کے ساتھ بلغاریہ کی طرف بڑھا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ یہاں کی پوری آبادی نے اپنی گردنیں خم کردیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی سیاسی آزادی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ بلغاریہ کا سقوط کیا عمل میں آیا کہ پورے یورپ میں کہرام مچ گیا۔ تمام یورپی طاقتیں شاہ مراد کے رعب ودبدبہ سے تھر تھر کانپنے لگیں۔ صلیبی مسیحی فوجوں نے بادل نخواستہ ایکا کرلیا اور بلقان سے عثمانیوں کا نام ونشان مٹانے کی سبیل کرنے لگے۔(3)

دولت عثمانیہ کے خلاف صلیبی گٹھ جوڑ

شاہ ہنگری سجسموند اور پوپ نہم بونیفارس دولت عثمانیہ کے خلاف صلیبی مسیحی یورپی اتحاد کی تبلیغ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ ان اتحادوں میں سب سے بڑا اتحاد تھا جس کا چودھویں صدی عیسوی میں دولت عثمانیہ کو سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اس اتحاد میں پہلے کی نسبت زیادہ سلطنتیں شامل تھیں اور ان تمام نے اسلحہ، فوجی سازوسامان، مال ودولت اور فوجوں کی فراہمی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس صلیبی حملہ میں تقریباً 1200000 جنگجوؤں نے حصہ لیا جو مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً جرمنی، فرانس، انگلستان، سکاٹ لینڈ، سوئٹزرلینڈ، جنوبی زیریں علاقے اور اٹلی کی بعض امارات۔(4)

800ھ،1396ء میں صلیبی فوجیں ہنگری کی طرف بڑھیں۔ لیکن سپہ سالاروں اور سرداروں کے درمیان اور سجسموند کے درمیان جنگ سے پہلے اختلافات پیدا ہوگئے۔ سجسموند اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ صلیبی لشکر انتظار کرے اور جب عثمانی

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 40
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 41
3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 41
4۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر علی حسون: ص 25,24

لشکر حملہ کرے تو وہ تب جنگ شروع کرے۔ لیکن باقی سپہ سالار اس انتظار کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے بغیر کسی انتظار کے اپنی فوجوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ وہ دریائے ڈانوب کے ساتھ ساتھ نشیب میں اترتے گئے حتیٰ کہ بلقان کے شمال میں نیکوپولیس تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شروع شروع میں انہیں عثمانی فوجوں کے مقابلے میں کامیابی ہوئی لیکن بایزید اچانک نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ سپاہی تھے۔ یہ تعداد یورپی صلیبی اتحادی فوجوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ لیکن عسکری نظام اور اسلحہ کے لحاظ سے وہ یورپیوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ سوا کثر نصرانی شکست خوردہ بھاگ کھڑے ہوئے کئی قتل ہوئے اور ان کے بہت سے قائد گرفتار ہوئے۔

اس جنگ میں بے انداز مال غنیمت عثمانیوں کے ہاتھ لگا۔ وہ دشمن کے ذخیروں کے مالک ہوئے (1)۔ فوز و کامرانی کے نشہ میں سلطان بایزید کہہ اٹھا: ''میں اٹلی کو فتح کر دوں گا اور اپنے گھوڑے کو روم میں پطرس رسول (مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو مسیحی رسول کہتے ہیں) کی قربان گاہ میں جو کے دانے کھلاؤں گا۔ (2)

فرانس کے بڑے بڑے رئیس جن کی تعداد بہت زیادہ تھی گرفتار ہوئے جن میں کاؤنٹ ڈی نیفر کا نام سرفہرست ہے۔ سلطان بایزید نے ان قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کی تجویز منظور کر لی۔ تمام قیدی رہا ہو گئے۔ کاؤنٹ ڈی نیفر کو بھی رہائی مل گئی جس نے قسم کھائی کہ وہ جنگ کے لئے دوبارہ نہیں آئے گا۔ بایزید نے کہا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اگر تم دوبارہ میرے خلاف میدان جنگ میں اترنا چاہو تو اتر سکتے ہو۔ کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں یورپ کے تمام مسیحیوں سے لڑوں اور ان پر فتح حاصل کروں۔ (3)

رہا شاہ ہنگری جس کا غرور اس حد تک بڑھا ہوا تھا اور وہ اپنی فوجی قوت کے بارے اس قدر پر اعتماد تھا کہ اس نے کہا تھا کہ اگر آسمان اوپر سے گر پڑے تو ہم اسے اپنے نیزوں پر اٹھا لیں گے وہ بھی فرار ہوا۔ اس کے ساتھ روڈس کے گھوڑ سوار دستہ کا رئیس بھی تھا۔ جب یہ دونوں بھگوڑے بحر اسود کے کنارے پہنچے تو نصرانی بحری بیڑے کو لنگر انداز دیکھا۔ کود کر ایک کشتی میں سوار ہوئے اور سر پر پاؤں رکھ کر یوں بھاگے کہ کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ نیکوپولیس کے معرکہ کے بعد یورپی معاشرے کی نظروں میں ہنگری کی قدر و منزلت بہت گر گئی اور ان کی ہیبت اور سطوت کا محل زمین بوس ہو گیا۔ (4)

اس عظیم کامیابی کا بایزید کے دل پر بہت اثر ہوا۔ بلکہ یورپی اسلامی دنیا خوشی کے شادیانے بجانے لگی۔ بایزید نے مشرق کے اسلامی فرمانرواؤں کی خدمت میں قاصد روانہ کئے اور نصرانیوں کے مقابلے میں کامیابی کی خوشخبری دی۔ بایزید کے قاصد جب مسلمان ملوک کے درباروں میں پہنچے تو مسیحی قیدی ان کے ساتھ تھے۔ یہ قیدی ان بادشاہوں کو تحفہ میں دیے گئے۔ نیز یہ اس بات کی حسی دلیل تھے کہ بایزید کو یورپ کے مقابلے میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بایزید نے ''سلطان روم'' کا لقب اختیار کیا جو اس بات کی دلیل تھا کہ دولت سلاجقہ کی وراثت کا وہ امین ٹھہرا ہے اور جزیرہ نمائے اناضول پر اسے اقتدار

1۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 42
2۔ محمد فاتح، ڈاکٹر سالم رشیدی ص 33
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ العلیۃ، محمد فرید بیگ ص 144
4۔ محمد فاتح، ڈاکٹر سالم رشیدی ص 33

حاصل ہو گیا ہے۔ بایزید نے قاہرہ میں مقیم عباسی خلیفہ کی خدمت میں بھی سفارت روانہ کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ اس لقب کا اعتراف کیا جائے تا کہ جن علاقوں پر اس کی اور اس کے آباؤ اجداد کی عملداری رہی ہے ان پر قانونی، شرعی اور سیاسی طور پر ان کا قبضہ تسلیم ہو جائے سو عالم اسلام میں اس کے رعب و دبدبہ میں بہت اضافہ ہوا عباسی خلیفہ کے حامی مملوکی سلطان برقوق نے اس درخواست کو منظور کر لیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بایزید اس کا واحد ایسا حلیف ہے جو تیمور لنگ کی فوجوں کے خلاف اس کی مدد کر سکتا ہے جو دولت مملوکی اور دولت عثمانیہ کے خلاف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ ہزاروں مسلمانوں نے اناضول کی طرف ہجرت کی یہ لوگ دولت عثمانیہ کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ مہاجرین میں ہر قسم کے لوگ تھے کچھ واقعی صلیبیوں کے خلاف جہاد کے شائق تھے۔ کچھ ایسے تھے جو اس عظیم سلطنت کی اقتصادی اور علمی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اس سے قبل وہ ایران، عراق اور ماوراالنہر کے ملکوں میں اقتصادی، علمی اور سیاسی میدانوں میں اپنی قابلیت کا لوہا منوا چکے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو ایشیاء وسطی پر تیمور لنگ کے حملوں سے خائف کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں تھے۔(1)

قسطنطنیہ کا محاصرہ

نیکوبولیس کی جنگ سے پہلے بیزنطی شہنشاہیت پر بایزید دباؤ سخت کرنے اور قسطنطنیہ میں مسلمانوں کے امور کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی کے تقرر پر حکومت کو مجبور کرنے میں کامیاب رہا۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد اس نے بیزنطی دارالحکومت کا محاصرہ کر لیا۔ شہنشاہ نے اسلامی محکمہ قضا کی تشکیل، مساجد کی تعمیر اور اسلامی برادری کے لئے شہر کے اندر 700 گھروں کی تخصیص کو منظور کر لیا۔ اس کے علاوہ بایزید کی خاطر ایک کثیر آبادی والے محلے کے نصف حصے کو چھوڑ دیا جس میں عثمانی فوج حفاظتی دستہ ٹھہرا جو چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دولت بیزنطیہ پر مقرر جزیہ بڑھا دیا گیا۔ انگور اور شہر سے باہر واقع سبزیوں کے کھیتوں پر عثمانی خزانہ نے پیداواری ٹیکس لاگو کر دیا اس کے علاوہ یہ اجازت بھی لی گئی کہ بیزنطی دارالحکومت میں مسلمان اذان پڑھ سکیں گے۔(2)

معرکہ نیکوبولیس میں عظیم کامیابی کے بعد عثمانیوں نے اپنے پاؤں بلقان میں جما لئے۔ جس کی وجہ سے بلقانیوں کے اندر خوف و ہراس پھیل گیا۔ بوسنیا اور بلغاریا نے بھی دولت عثمانی کی اطاعت قبول کر لی۔ عثمانی لشکروں نے نصرانی جنگجوؤں کا پیچھا جاری رکھا تا کہ انہیں کسی میدان میں واپس آنے کی ہمت نہ ہو۔ سلطان بایزید نے جزیرہ نمائے مورہ کے حکام کو سزا دی جو صلیبی اتحاد کے لئے عسکری مدد لے کر آئے تھے(3)۔ اور بیزنطی شہنشاہ کو سزا دینے کے لئے بایزید نے مطالبہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ اس کے حوالے کر دے۔ سلطان کے مقابلے میں شاہ مانویل نے یورپ سے امداد کی اپیل کی لیکن بے سود، حقیقت یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر قبضہ بایزید اول کے جہادی پروگرام میں بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اسی لئے وہ ایک لشکر جرار لے کر بڑھا اور بیزنطی دارالحکومت کا سخت محاصرہ کر لیا اور اس پر ہر طرح سے سختی کی یہ محاصرہ باقی رہا حتیٰ کہ شہر فتح ہونے میں چند ساعتیں باقی تھیں اور یورپ اس انتظار میں تھا کہ آج یا کل کس وقت اس قدیم دارالحکومت کا سقوط عمل میں آتا ہے کہ سلطان ایک نئے خطرے سے

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی، احمد عبدالحلیم ص 55,54 2۔ ایضاً ص 53 3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 42

نمٹنے کے لئے محاصرہ اٹھا کر مشرقی علاقوں کی طرف روانہ ہو گیا۔(1)

تیمور لنگ اور بایزید کے درمیان تصادم

تیمور لنگ ماوراء النہر میں مقیم ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ 1369ء میں خراسان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا جس کا دارالحکومت سمرقند تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام کے ایک بہت بڑے حصے پر چھا گیا اس کے خوفناک اور عظیم لشکر پورے ایشیا میں دلی سے لے کر دمشق تک اور بحر آرال سے خلیج عرب تک پھیل گئے۔ فارس، آرمینیا، فرات اور دجلہ کے بالائی علاقے، بحر قزوین سے بحر اسود تک کے درمیانی علاقے اس کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ روس میں وہ کئی علاقوں پر چھا گیا دریائے فولجا کے ساتھ دور تک پھیلے ہوئے علاقے، اور دون، دنیبر پر بھی اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ پوری دنیا پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑھے گا اور پوری دنیا پر بلا شرکت غیرے حکومت کرے گا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ "یہ ضروری ہے کہ زمین پر صرف ایک شخص حکمرانی کرے کیونکہ آسمانوں میں صرف ایک الٰہ ہے۔"(2)

تیمور لنگ بہادری، حربی عبقریت اور سیاسی مہارت جیسی اعلیٰ صفات سے متصف تھا۔ وہ کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے معلومات جمع کرتا تھا اور جاسوس بھیجتا تھا پھر عجلت سے بچتے ہوئے پوری فراست کے ساتھ احکام صادر کرتا تھا۔ اس کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ وہ جو بھی حکم دیتا تھا لشکر اسے کر گزرتا تھا۔

بحیثیت مسلمان تیمور علماء، مذہبی افراد بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا دل و جان سے احترام کرتا تھا۔

تیمور لنگ اور بایزید کے درمیان چپقلش میں مختلف عوامل اور اسباب کارفرما تھے جن میں سے چند یہ ہیں۔

1. عراق کے وہ امیر جن کے علاقوں پر تیمور نے قبضہ کر لیا تھا وہ بایزید کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ اسی طرح ایشیاء کوچک کے بعض امراء نے آ کر تیمور کی پناہ لے لی تھی اور دونوں جانب پناہ لینے والے یہ امراء تیمور اور بایزید کو جنگ پر اکساتے رہتے تھے۔
2. نصرانیوں نے تیمور لنگ کو شہ دی کہ وہ بایزید پر حملہ آور ہو اور اس کا خاتمہ کر دے۔
3. طرفین کی طرف سے ایسے خطوط تحریر ہوئے جنہوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بایزید کے نام ایک خط میں تیمور لنگ نے اس کی اہانت کر ڈالی اور لکھا کہ اس کے خاندان کی اصل پردہ خفا میں ہے اور کہا کہ میں تجھے صرف اس لئے معافی دیتا ہوں کہ آل عثمان نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ تیمور لنگ نے اپنے خط کے آخر میں بایزید کی شان کو گھٹایا کہ وہ ترکوں کا سردار ہے۔ جس کی وجہ سے بایزید طیش میں آ گیا اور اس نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ وہ تیمور لنگ کو تبریز، اس کی سلطنت کے مرکز میں اس گستاخی کی سزا دے گا۔

اور سب سے بڑا عامل یہ تھا کہ دونوں فرمانروا اپنی سلطنت کی توسیع چاہتے تھے اور یہی چیز اس چپقلش کا اصل محرک ثابت ہوئی۔

1۔ الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر اسماعیل احمد ص 43
2۔ فی اصول التاریخ الاسلامی ص 56

دولت عثمانیہ کا زوال

تیمور لنگ اپنے لشکر کو لئے آگے بڑھا سیواس پر قبضہ کر لیا۔ اور شہر کے محافظ لشکر کو جس کی قیادت بایزید کا بیٹا ارطغرل کر رہا تھا شکست دی۔ بایزید 20,00000 مجاہدوں پر مشتمل ایک لشکر لئے 804ھ بمطابق 1402ء کو تیمور لنگ کے مقابلے کے لئے انقرہ پہنچا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ 20 جولائی 1402ء (804ھ) کو تیمور اپنا لشکر جرار لئے آگے بڑھا۔ دونوں لشکر آپس میں گتھ گئے۔ مغلوں کو کامیابی ہوئی۔ بایزید گرفتار ہو گیا اور قید کی حالت میں ایک سال بعد راہی ملک عدم ہوا۔(1)

تیمور لنگ کے مقابلے میں بایزید کی ناکامی کی وجہ اس کی عجلت اور وہ جنگی جنون تھا جس کی بدولت وہ اپنے مدمقابل کی صحیح طاقت کا اندازہ نہ لگا سکا تھا۔ اپنی بیس لاکھ فوج کے ہمراہ جہاں بایزید نے پڑاؤ کیا اور جسے میدان کارزار کے طور پر منتخب کیا وہ کسی لحاظ سے اس قابل نہیں تھا کہ اسے میدان جنگ منتخب کیا جاتا۔ پھر تیمور کی فوج اور بایزید کی فوج تعداد کے لحاظ سے بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ تیمور کی فوج اسی ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ پھر بایزید کے بہت سارے فوجی تو پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے پیاس سے مر گئے۔ کیونکہ بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ جونہی دونوں لشکر آپس میں گتھے تتاری لشکروں کے پاؤں اکھڑ گئے جو بایزید کی فوج میں تھے۔ اور وہ انقرہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح اسیویہ امارات کے لشکر جو اس کی فوج میں ان علاقوں کی فتح کے بعد شامل ہوئے تھے ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ بایزید اور اس کی بقیہ فوج بڑی بہادری سے لڑی لیکن ان کی ایک نہ گئی اور میدان تیمور کے ہاتھ رہا۔(2)

مغرب کی نصرانی حکومتیں تیمور لنگ کی کامیابی سے بہت خوش ہوئیں اور اسلام دشمن فرمانروا بایزید کی موت کی وجہ سے خوشی سے جھوم اٹھے۔ انگلستان، فرانس، قشتالہ کے ملوک اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے تیمور لنگ کو مبارک بادی کے پیغام بھیجے۔ یورپ کو یقین ہو گیا تھا کہ عثمانی خطرہ جس سے وہ عرصہ دراز سے ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے ٹل گیا ہے۔(3)

بایزید کی شکست کے بعد تیمور نے ازنیق، بروسہ اور دوسرے کئی شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور ازمیر کے دروازے پر دستک دی اور اسے روڈس کے گھوڑسواروں کے قبضہ سے نجات دی۔ مقدس یوحنا کے گھوڑسواروں پر حملہ دراصل تیمور کی ایک چال تھی۔ عالم اسلام اسے لعن طعن کر رہا تھا بایزید کی یورپ کی طرف بڑھتی ہوئی فوجوں پر حملہ کر کے اس نے اسلام پر کاری ضرب لگائی ہے۔ تیمور کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنے آپ کو اس الزام سے بری الذمہ ثابت کرے اور لوگوں کو یہ باور کرائے کہ یورپ کی طرف بڑھتے ہوئے مسلمانوں کے قدموں کو کوئی نہیں روک سکتا اور یہ کہ تیمور کے پیش نظر بھی یورپ کو فتح کرنا ہے۔ مقدس یوحنا کے گھوڑسواروں کے ساتھ جنگ کر کے انا ضول پر حملوں کو وہ جہاد کا رنگ دینا چاہتا تھا۔(4)

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث ص 3,2
2۔ محمد فاتح، ڈاکٹر سالم رشیدی ص 35
3۔ ایضاً ص 36
4۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 59

اسی طرح تیمور نے ایشیائے کوچک کے امراء کو اپنی سابقہ املاک کی طرف واپس کر دیا اور اس طرح وہ امارات جن کو بایزید نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا دوبارہ خود مختار ہو گئیں۔ تیمور ایک اور سیاسی چال چلا اور بایزید کے بیٹوں میں پھوٹ ڈال کر تاج و تخت کے لئے ان کو آپس میں لڑا دیا۔(1)

خانہ جنگی

دولت عثمانیہ کو ایک اندرونی خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ بایزید کے بیٹوں کے درمیان تخت و تاج کے لئے گھریلو تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ اور یہ خانہ جنگی دس سال 806ھ تا 816ھ بمطابق 1403ء تا 1413ء تک جاری رہی۔(2)

بایزید کے پانچ بیٹے تھے اور یہ پانچوں ہر معرکے میں اپنے باپ کے شانہ بشانہ لڑے۔ ان میں سے ایک کا نام مصطفیٰ تھا جس کے بارے گمان کیا جاتا ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا۔ دوسرا بیٹا سلیمان اپنے باپ کے ساتھ تیمور کی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ باقی تینوں بھاگنے میں کامیاب رہے۔ ان میں سے بڑا جس کا نام سلیمان تھا۔ ایڈریانوپل پہنچا اور اعلان کر دیا کہ وہ یہاں کا فرمانروا ہے۔ عیسیٰ بروسہ پہنچا اور لوگوں کے سامنے اپنے باپ کے جانشین ہونے کا اعلان کیا جبکہ محمد جو ان سب میں چھوٹا تھا ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں آماسیا چلا گیا۔ اس کے ہم رکاب کچھ سپاہی بھی تھے اور تینوں بھائی جو لخت لخت سلطنت کے ٹکڑوں پر لڑ رہے تھے، کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ دشمن چاروں طرف سے انہیں دیکھ رہے تھے ادھر تیمور لنگ نے موسیٰ کو رہا کر دیا تاکہ وہ فتنہ وفساد کی اس آگ کو تیز تر کر دے اور اس کے شعلوں کو ہوا دے وہ انہیں جنگ پر اکسانے لگا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما ہونے کی ترغیب دینے لگا۔(3)

جب خشک و تر سب جل کر راکھ ہو گیا تو تیمور لنگ اپنے لشکر کو لئے آگے بڑھا اور اپنے پیچھے شہروں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ سب بری حالت میں ویرانوں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ لاقانونیت اور بدحالی گویا صدیوں سے ان شہروں کا مقدر تھی۔(4)

دولت عثمانیہ کی تاریخ میں یہ مرحلہ ابتلاء و آزمائش کا مرحلہ تھا۔ جسے فتح قسطنطنیہ کی صورت میں متشکل عملی غلبہ سے پہلے آنا ضروری تھا۔ یہ الٰہی قانون ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک غلبہ اور اقتدار عطا نہیں کرتا جب تک اسے ابتلاء و آزمائش کے مختلف مرحلوں سے نہ گزارے اور سونے کو بھٹی میں ڈال کر اسے کندن نہ بنا لے۔ اللہ کریم اپنی ابدی سنت کے ذریعے انسانوں کو آزمائش سے گزارتا ہے تاکہ کھوٹا اور کھرا، پاک و ناپاک الگ ہو جائے۔

امت مسلمہ کے بارے بھی خداوند عالم کا یہی قانون ہے جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ سو اللہ کریم کی یہ مشیت تھی کہ وہ اہل ایمان کو آزمائے ان سے سخت امتحان لے تاکہ ان کے ایمان میں کوئی کجی کوئی کھوٹ باقی نہ رہے اور پھر اس کے بعد وہ انہیں زمین پر غلبہ و تسلط عطا کرے۔

غلبہ واقتدار سے پہلے مسلمانوں کو ابتلاء و آزمائش سے دوچار کرنا تاکہ ان میں کسی طرح کی کھوٹ باقی نہ رہے ایک حتمی

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 59
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 43
3۔ محمد فاتح: ص 36
4۔ ایضاً

امر ہے۔ تاکہ اس کے بعد ان کی بنیادیں تمکین ورسوخ پر قائم ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ۝ (العنکبوت)

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بیشک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو"۔

آیت میں لفظ فتنہ کا معنیٰ ہے شدید تکالیف کے ذریعے امتحان جیسے وطن سے جدائی، دشمنوں سے جنگ، سخت شرعی احکام کی پابندی، خواہشات نفس کو چھوڑنا، فقر و فاقہ، قحط، جان و مال میں طرح طرح کی مصیبتیں، اور کفار کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں اور ان کے مکر و فریب کا مقابلہ۔(1)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "احسب الناس" میں استفہام انکاری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ان کے درجہ ایمان کے مطابق ضرور آزمائے گا(2)۔ اسی چیز کو حدیث صحیح میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الصالحون ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان فی دینه صلابة زید له فی البلاء

"لوگوں میں شدید ترین آزمائش کا سامنا انبیاء علیہم السلام کو کرنا پڑا۔ پھر صالحین کو۔ پھر ان (لوگوں) میں جو زیادہ افضل تھے ان کو پھر ان (کے بعد) جو نسبتاً زیادہ فضیلت والے تھے۔ انسان کو اس کے حسب دین آزمایا جاتا ہے۔ اگر اس کے دین میں پختگی ہو تو اس کی آزمائش کو زیادہ کر دیا جاتا ہے"۔(3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آزمائش مومن کی لازمی صفت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل المومن کمثل الزرع لاتزال الریح تمیله و لایزال المومن یصیبه البلاء و مثل المنافق کمثل شجرة الارز لاتهتز حتی تستحصد

"مومن کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جسے ہوا ہمیشہ جھکاتی رہتی ہے۔ مومن کو ہمیشہ آزمائش کا سامنا رہتا ہے۔ اور منافق کی مثال چاول کے پودے کی سی ہے جو (ہوا سے بالکل) نہیں جھومتا حتیٰ کہ اسے کاٹ لیا جاتا ہے"۔(4)

آزمائش کا یہ قانون تمام ملتوں، ملکوں، انسانی گروہوں اور معاشروں میں جاری و ساری ہے۔ اسی وجہ سے دولت عثمانیہ کو بھی اس سنت ابتلاء سے گزرنا پڑا۔

اندرونی اختلافات کے باوجود عثمانی انقرہ میں پہنچنے والی مصیبت کے سامنے ڈٹ گئے یہاں تک کہ 1413ء کو محمد اول بلا

1۔ تفسیر نسفی: 249/3
2۔ ابن کثیر: 405/3
3۔ سنن الترمذی: 601/4 حدیث حسن صحیح ہے۔
4۔ مسلم شرح نووی، کتاب صفة القیامة والجنة والنار: 151/17

شرکت غیر عثمانی سلطنت کے تاجور قرار پائے۔اور وہ تمام علاقے جو اس عظیم سلطنت کے زیرنگیں رہ چکے تھے ایک ایک کر کے دولت عثمانیہ کے زیرنگیں ہوتے چلے گئے۔انقرہ کے حادثہ سے دولت عثمانی کا بچ نکلنا اس کے اس منہج ربانی کی وجہ سے ہے۔ جس پر یہ عظیم دولت چل رہی تھی۔ کیونکہ اللہ کریم نے عثمانیوں کو عقیدہ، مذہب، اخلاق، عادات اور جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے باقی تمام مسلمانوں پر خاص فوقیت عطا فرما رکھی تھی۔اللہ کے فضل و کرم سے عثمانیوں نے اپنا دینی جذبہ اور اپنے اچھے اخلاق کی پوری طرح حفاظت کی۔(1)

پھر وہ کمال مہارت جس کے ساتھ اورخان اور اس کے بھائی علاالدین نے اپنی دولت کی تنظیم فرمائی تھی وہ حیرت افزاء عدلیہ کا ادارہ اور عثمانی جوانوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور دوسرے کئی اسباب ایسے تھے جنہوں نے عثمانیوں کو ایک فعال اور مکمل قوت بنا دیا تھا۔واقعہ انقرہ کے بعد بہت ہی تھوڑے عرصہ میں کھنڈرات اور ویرانوں کے درمیان سے یہ سلطنت دوبارہ ابھری، اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کیا اور اس کی رگوں میں زندگی اور شریعت کی لہر دوڑ گئی اور اس نے پورے عزم و استقلال کے ساتھ اس کمال سے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی کہ دشمن اور دوست سب دنگ رہ گئے۔(2)

پانچویں بحث

سلطان محمد اول

سلطان محمد اول 781ھ بمطابق 1379ء کو پیدا ہوئے(3)۔اپنے والد بایزید کی وفات کے بعد عثمانیوں کے فرمانروا قرار پائے۔اور تاریخ میں محمد چلبی کے نام سے شہرت پائی۔

درمیانہ قد، گول چہرہ، ملے ہوئے ابرو، سفید رنگت، سرخ گال، کشادہ سینہ، گھنا ہوا طاقتور جسم جس میں بلا کی پھرتی تھی۔ یہ تھے سلطان محمد اول، اللہ نے انہیں کمال شجاعت و بہادری سے نوازا تھا۔ کشتی بہت اچھی کرتے تھے۔جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ کئی کمانوں کی تانتوں کو بیک وقت کھینچ لیتے تھے۔اپنے دور حکومت میں 24 جنگوں میں شریک ہوئے اور چالیس زخم کھائے(4)۔حزم و احتیاط فہم و فراست اور اپنی دور اندیشی کی بدولت خانہ جنگی پر بڑی مہارت سے قابو پالیا اور اپنے تمام بھائیوں پر یکے بعد دیگرے غلبہ پایا حتیٰ کہ سلطنت کا واحد حکمران قرار پایا۔سلطان محمد نے اپنے آٹھ سالہ دور حکومت میں سلطنت کو نئی بنیادوں پر استوار کیا اور اس کے ستونوں کو مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی(5)۔اس کی حکومت کا طویل دورانیہ اسی کام میں صرف ہو گیا۔بعض مورخین اسے دولت عثمانیہ کا موسس ثانی خیال کرتے ہیں۔(6)

سلطان محمد کو جو چیز دوسرے سلاطین سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے آپ کا حزم و احتیاط اور اس کے ساتھ حلم و برداشت۔جس

1۔فی اصول التاریخ العثمانی: ص 61
2۔محمد فاتح: 37
3۔اخطاء یجب ان تصحح (الدولۃ العثمانیہ) ص 33
4۔السلاطین العثمانیون: ص 41
5۔محمد فاتح ص 37
6۔السلاطین العثمانیون: ص 41

شخص نے قانون شکنی کی اور سلطنت کی اطاعت سے سرتابی کی تو سلطان نے اس کے معاملے میں حلم و بردباری کا مظاہرہ کیا۔ قرمان کے علاقے کے امیر نے جب خود مختاری کا اعلان کیا اور پابجولاں سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو قرآن کریم کی قسم کھانے کی وجہ سے سلطان نے اسے معاف کر دیا۔ پھر جب دوبارہ قسم توڑ کر آمادہ بغاوت ہوا اور منہ کی کھائی اور دوبارہ سلطان کے سامنے پیش ہوا تو اسے دوبارہ معاف کر دیا(1)۔ سلطان محمد کی پالیسی کا اہم ہدف سلطنت کی تعمیر نو اور داخلی طور پر اسے مضبوط کرنا تھا۔ اسی لئے کلیتبولی کے مقابلے میں جب سلطان کو شکست ہوئی تو انہوں نے بحر اسود کے ساحل اور نسالیا نیز صالح بندقیہ کے بعض شہر قسطنطنیہ کے امیر کو واپس کر دیے۔ اس کے ساتھ معاہدہ کیا اور تمام فتنوں کا قلع قمع کیا۔ ایشیاء اور یورپ کی بغاوتوں کو سر کیا اور ایشیا کی بعض امارتوں کو اطاعت پر مجبور کیا جن کو تیمور لنگ نے بغاوت پر اکسایا تھا۔ یہ امارات دوبارہ عثمانی سلطنت کی اطاعت اور دوستی کا دم بھرنے لگیں۔(2)

سلطان محمد کے زمانے میں بدرالدین نامی ایک شخص ظاہر ہوا جس نے مسلم علمائے دین کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ سلطان محمد کے بھائی موسیٰ کے لشکر میں تھا۔ اور اس دور کے دولت عثمانیہ کے سب سے بڑے منصب قاضی العسکر کے عہدے پر فائز ہوا۔ موسیٰ بن یزید نے اسے اپنا مقرب خاص بنالیا اور یوں وہ لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز بن گیا۔

الشقائق النعمانیہ کے مصنف کہتے ہیں۔ ''شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل جو ابن قاضی سیماونہ کے نام سے مشہور تھا بلاد روم میں واقع سیماونہ قلعہ میں پیدا ہوا جو ایڈریانوپل کا ایک دیہات ہے اور ترکی کے اس علاقہ میں واقع ہے جو یورپ میں آتا ہے۔ اس کا باپ یہاں کا قاضی تھا۔ اور وہ یہاں پر مقیم مسلم فوج کا امیر بھی تھا۔ اس قلعہ کی فتح کی سعادت بھی بدرالدین کے والد کو حاصل ہوئی تھی۔ شیخ بدرالدین کی ولادت سلطان غازی خداوندکار (مراد اول) کے دور حکومت میں ہوئی۔ بچپن میں اس نے اپنے والد سے اکتساب علم کیا۔ قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر مولانا شاہدی کے نام سے معروف ایک عالم سے ابتدائی کتب پڑھیں۔ صرف ونحو کی کچھ کتابیں مولانا یوسف سے پڑھیں۔ پھر مصر چلا گیا اور سید شریف جرجانی کی معیت میں مولانا مبارک شاہ منطقی مدرس قاہرہ سے اکتساب کیا۔ پھر مبارک شاہ کے ساتھ حج بیت اللہ کیا اور مکہ شریف میں شیخ زیلعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ مکہ مکرمہ سے دوبارہ قاہرہ آیا اور سید جرجانی کی معیت میں شیخ اکمل الدین ''بابوری'' سے استفادہ کیا۔ شیخ اکمل مملوکی شاہ مصر سلطان فرج بن سلطان برقوق کے استاد تھے۔

ظاہری تعلیم سے فراغت پاکر شیخ بدرالدین کو تصوف کا شوق ہوا اور وہ اس دور میں مصر کے عظیم روحانی پیشوا شیخ سعید اخلاطی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیخ اخلاطی نے اسے تبریز بھیجا کہ وہ لوگوں کو اللہ اللہ کرنا سکھائیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب تیمور لنگ تبریز آیا تو اس نے بدرالدین کی بڑی عزت افزائی کی اور بے تحاشا دولت اس کی نذر کی۔ یہ تمام دولت چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ پہلے وہ بدلیس گیا۔ پھر مصر کی طرف سفر کیا۔ ازیں بعد حلب اور قونیہ سے ہوتا ہوا بلاد روم میں تبرہ پہنچا۔

یہاں اسے جزیرہ ساقز کے رئیس جو مذہبا نصرانی تھا، کا دعوت نامہ پہنچا۔ بدرالدین اس کی دعوت پر ساقز گیا۔ نصرانی امیر

1۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص 249 2۔ محمد فاتح: ص 37

نے اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی...... اس کے بعد جب موسیٰ بن سلطان غازی کی عملداری ہوئی تو موسیٰ نے اسے قاضی عسکر کے منصب پر فائز کیا۔ موسیٰ اپنے بھائی محمد کے ہاتھوں قتل ہوا تو بدرالدین اپنے اہل وعیال سمیت ازنیق کے شہر میں محبوس ہو کر رہ گیا۔ ازنیق ترکی میں ایک شہر ہے۔ بدرالدین نے لوگوں کو اپنے غلط اور فاسد مذہب کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ وہ لوگوں کو مال ومتاع اور ادیان میں مساوات کی دعوت دیتا تھا۔ اور مسلم وغیر مسلم کے درمیان عقیدہ میں کسی تفریق کا قائل نہیں تھا۔ وہ کہا کرتا تھا سب انسان بھائی بھائی ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کے نظریات اور ان کے دین کیا ہیں۔ یہودی ماسونیت کی دعوت بھی یہی تھی۔ وحدت الادیان کی اس دعوت پر بہت سے جاہلوں، ناسمجھوں اور ابن الوقت لوگوں نے لبیک کہا اور بدرالدین کے بہت سے مرید اور شاگرد اس دعوت کے پرچارک بن گئے۔ جو لوگوں کو بدرالدین کے منہج اور مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ ان مبلغین میں ایک شخص کا نام بہت مشہور ہوا جسے پیر قلیجہ مصطفیٰ کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ''طورہ کمال'' جو دراصل یہودی نسل سے تھا۔ کافی شہرت رکھتا تھا۔ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے آرہے ہیں۔ الغرض ''وحدۃ الادیان'' کا یہ باطل مذہب کافی پھیل گیا اور اس کے پیرو بہت زیادہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس باطل عقیدہ کی بازگشت سلطان محمد چلپی کے کانوں تک پہنچی لہٰذا سلطان نے اپنے ایک قائد کو لشکر جرار کے ساتھ بدرالدین کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے بھیجا لیکن صد افسوس کہ اس لشکر کا سپہ سالار سیسمان، جس کو محمد چلپی نے بھیجا تھا'' پیر قلیجہ'' کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ سلطان محمد چلپی نے اپنے وزیر خاص ''بایزید پاشا'' کی سرکردگی میں ایک اور لشکر روانہ کیا جس نے ''پیر قلیجہ'' سے جنگ کی اور اسے ''قرۃ بورنو'' کے مقام پر شکست دی اور ''پیر کلیجہ مصطفیٰ'' پر جنگ کرنے کی حد لاگو کی یہ دراصل اللہ کریم کے اس حکم کی تابعداری تھی۔ (1)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدہ)

''بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں (اس سے بھی بڑی) سزا ہے''۔

شیخ بدرالدین اپنی گمراہی پر قائم رہا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ وہ اس علاقے پر غلبہ حاصل کرلے گا کیونکہ وہ علاقہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور ہر طرف سے حملوں کی وجہ سے اس میں لاقانونیت کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ بدرالدین کہا کرتا تھا'' میں پوری دنیا کو زیر نگیں کرنے کے لئے تحریک چلاؤں گا۔ اور میرے عقائد جن کے بارے غیبی اشارے ملے ہیں۔ دنیا میں مقبول ہوں گے۔

1۔ اخطاء یجب ان تصحح (الدولۃ العثمانیہ) ص35

دنیا کو اپنے دو مریدوں میں علم اور رازِ توحید کی طاقت سے تقسیم کروں گا۔ اہل تقلید کے قوانین اور ان کا مذہب عنقریب باطل کر دوں گا۔ اور اپنے وسیع المشربی کی بدولت بعض شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہراؤں گا۔" (1)

رومانیا کے امیر الاخلاق نے اس بدعتی اور خارجی (جس نے اہل اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی) کی مدد کی۔ سلطان محمد چلبی اس مادیت پرست اور دشمن اسلام زندیق اور اس کی باطل دعوت کی تاک میں تھا اس نے اس زندیق کا ناطقہ بند کر دیا حتی کہ بدر الدین مجبوراً دلی اور مان کے علاقہ میں چلا گیا جو آج کل بلغاریا میں ہے (2)۔ محمد شرف الدین شیخ بدر الدین کے دلی اور مان کی طرف جانے کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ اور اس کے اردگرد کے علاقے باطنی مذہب کا گڑھ تھے۔ یہی وہ علاقہ ہے جو بابا اسحاق کی تحریک کا مرکز رہا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے نصف میں دولت عثمانیہ کے خلاف آمادہ بغاوت ہوا۔ شیخ بدر الدین کا اس علاقے کی طرف جانا اور اپنے لاکھوں مریدوں کے ساتھ وہاں پر غلبہ پانا اور ان علاقوں میں اس کی تحریک کا زور پکڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ نے اس علاقے کا انتخاب اپنی مرضی سے کیا تھا۔ (3)

دلی اور مان میں یورپی امداد شیخ کو برابر پہنچنے لگیں۔ اور عثمانی فرمانروا سلطان محمد اول کے خلاف بغاوت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور حقیقی اسلام کے دشمن ان باطنیوں کی تعداد 8,7 ہزار جنگجوؤں تک پہنچ گئی۔ (4)

سلطان محمد اول بڑا بیدار مغز اور محتاط شخص تھا۔ وہ ہر کام کو پوری احتیاط اور سوچ سمجھ کے ساتھ سرانجام دیتا تھا۔ وہ اس گٹھ جوڑ سے غافل کیسے رہ سکتا تھا۔ بدر الدین اور اس کے حواریوں کی اس تحریک کو دبانے کے لئے اس نے کسی دوسرے قائد کا انتخاب نہ کیا۔ خود ہتھیار سجا میدان میں اترا اور ایک لشکر جرار کی قیادت کرتا ہوا دلی اور مان میں جا پہنچا۔

سلطان محمد نے سیروز جو اب یونان میں ہے، کو اپنی قیادت کا مرکز بنایا اور اپنی فوجوں کو باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ دونوں طرف سے حملے ہونے لگے۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کا سرغنہ بدر الدین دلی اور مان میں اس شکست کے بعد سلطان کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ (5)

سلطان کے مخبروں نے پوری کوشش کی۔ باغیوں کی صفوں میں گھس گئے اور پوری ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے بالآخر باغیوں کے سرغنہ بدعتی، بدمذہب بدر الدین کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (6)

بدر الدین کو جب سلطان محمد کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے اس سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا چہرہ زرد پڑ چکا ہے؟

بدر الدین نے بادشاہ کو جواب دیا اور کہا: اے میرے آقا! سورج جب غروب ہونے لگتا ہے تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ سلطنت کے علماء نے بدر الدین سے آزادانہ مناظرہ کیا پھر اس کو شرعی قانون کے مطابق سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 140
2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: 140
3۔ ایضاً: ص 140
4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: 140
5۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: 141
6۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 142,141

علماء اسلام نے حدیث ذیل کی روشنی میں یہ سزا تجویز کی۔

من اتاکم و امرکم جمیعاً علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم و یفرق جماعتکم فاقتلوہ

''جو تمہارے پاس آئے اور تمہیں ایک ایسے شخص کو حاکم بنانے کا حکم دے جو تمہارا عصا توڑنا چاہتا ہو اور تمہاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہو تو اس کو قتل کر دو۔''(1)

وہ باطل نظریہ جس کی بدرالدین دعوت دیا کرتا تھا وہ بعینہ ماسونی یہودی نظریہ ہے۔ جس کی پندرھویں صدی ہجری، بیسوی صدی میلادی میں پورے زور شور سے دعوت دی گئی۔ اس دعوت کا مقصد صحیح اسلامی عقیدہ رکھنے والوں اور باطل نظریات کے پجاریوں کے درمیان سے تمام پردوں کو ہٹا کر انہیں ایک ہی ملت بنانے کی سازش کرنا ہے۔ کیونکہ ''وحدت ادیان'' کا پرچار کرنے والے یہ یہودی مکار تمام انسانوں، مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں، گائے کی پوجا کرنے والوں اور کمیونسٹوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اور یہ بات اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے۔ کہ مسلمانوں اور باطل نظریات کے حامل افراد کے درمیان کوئی بھائی چارہ نہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں اور توحید کی آواز بلند کرنے والے اہل ایمان کے درمیانی رشتہ اخوت کیسے قائم ہو سکتا ہے۔(2)

سلطان محمد اول شعر و ادب اور فنون لطیفہ کا قدردان تھا۔ یہ پہلا سلطان ہے جس نے امیر مکہ کی خدمت میں سالانہ ہدیہ بھیجا جس کو ''الصرۃ'' (تھیلی) کہا جاتا تھا۔ دراصل یہ ایک مخصوص رقم تھی جو امیر مکہ کو بھیجی جاتی تھی تاکہ وہ اس رقم کو مکہ شریف اور مدینہ شریف کے فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔(3)

عثمانی سلطان محمد اول کو بہت پسند کرتے تھے اور انہیں پہلوان کا نام دیتے تھے۔ اور اس کی وجہ اس کی کمال مستعدی اور شجاعت تھی۔ اس کے علاوہ اس کی منفرد عبقری شخصیت اور عظیم کارنامے تھے جن کی وجہ سے دولت عثمانیہ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی پھر سلطان اپنی عادات و خصائل، حوصلہ مندی علم دوستی اور عدل گستری کی بدولت اس قابل تھا کہ اس کی قوم اس سے محبت کرتی اور اس کو چلبی کے لقب سے ملقب کرتی۔ یہ بھی ایک معزز و محترم لقب ہے۔ جس میں شہامت و وقار اور بطالت و بہادری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

اگرچہ آل عثمان کے بعض دوسرے حکام اس سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ عثمانی سلاطین میں بلندی اخلاق کے حوالے سے عظیم ترین انسان سمجھے جاتے تھے۔ مشرقی اور یونانی مورخین نے بھی ان کی بلندی اخلاق کا اعتراف کیا ہے۔ اور عثمانی مورخین نے اسے ایک ماہر ناخدا کی حیثیت دی ہے(4)۔ جس نے دولت عثمانی کی ڈولتی کشتی کو اس وقت ساحل آشنا کیا جب تاتاری حملوں، داخلی جنگوں اور باطنی فتنوں کے طوفان میں وہ بری طرح گھر چکی تھی۔

1۔ مسلم: کتاب الامارۃ باب: اذا بویع لخلیفتین: 1480/3، حدیث نمبر 1852

2۔ اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ (الدولۃ العثمانیہ) ص 38

3۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ: ص 152

4۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 62

سلطان محمد اول کی وفات

سلطان محمد اول جب ان تمام فتنوں کو فرو کر چکا جن کا دولت عثمانیہ کو سامنا تھا تو ملک کے داخلی نظم و استحکام کی طرف توجہ دی تاکہ مستقبل میں افتراق و انتشار کے اس طرح کے واقعات رونما نہ ہوں ایسے میں پیغام اجل آ پہنچا۔ اس نے بایزید پاشا کو بلایا اور کہا: ''میں نے اپنے بیٹے مراد کو اپنا نائب متعین کیا ہے اس کی اطاعت کرنا اور اس سے اسی طرح مخلص رہنا جس طرح مجھ سے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم فوراً اسی لمحے مراد کو میرے پاس لے آؤ کیونکہ میں اب بستر سے اٹھ نہیں سکوں گا۔ اگر مراد کے آنے سے پہلے امر الٰہی واقع ہو جائے تو خبردار اس کی آمد تک میری موت کا اعلان نہ کرنا۔''(1)

824ھ، 1421ء کو سلطان محمد اول ایڈریانوپل کے شہر میں واصل بحق ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 43 سال تھی۔

اسی اندیشے سے کہ سلطان کے وصال کی خبر سے کہیں کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو جائے دونوں وزیر ابراہیم اور بایزید نے اس بات پر اتفاق کیا کہ فوج سے اس بات کو مخفی رکھا جائے حتیٰ کہ مراد ثانی پہنچ جائے۔ انہوں نے فوج میں یہ خبر مشہور کر دی کہ سلطان بیمار ہے۔ ادھر ان کے بیٹے کو بلا بھیجا۔ مراد اکتالیس روز کے بعد ایڈریانوپل پہنچا اور وزراء نے سلطنت کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔(2)

سلطان محمد اول اسلام، علم اور فقہاء کا دلدادہ تھا۔ اسی لئے ایڈریانوپل جو نمازیوں کا شہر تھا اس سے دارالحکومت کو بروسہ کے شہر میں منتقل کیا جو فقہاء کا شہر تھا(3)۔ سلطان بڑا خلیق، عالی مرتبت، سنجیدہ فکر، حلیم و بردبار اور دوستوں اور دشمنوں کے معاملے میں منفرد پالیسی رکھنے والا بادشاہ تھا۔

چھٹی بحث

مراد الثانی

مراد ثانی اپنے والد ''محمد چلپی'' کی وفات کے بعد 824ھ، 1421ء میں تخت نشین ہوا اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اس کم سنی کے باوجود وہ ایک عظیم فرمانروا ثابت ہوا۔ مراد جہاد فی سبیل اللہ کا بڑا شائق تھا اور دعوت اسلام کو یورپ کے علاقوں تک پہنچانے میں بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔(4)

وہ اپنی پوری رعایا میں تقویٰ، عدل و انصاف اور شفقت و رحمدلی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا تھا(5)۔ سلطان مراد ان تمام داخلی بغاوتوں کو فرو کرنے میں کامیاب رہا جن کا سرغنہ اس کا چچا مصطفیٰ تھا اور جن کی پشت پناہی ملک دشمن عناصر کر رہے تھے۔ سلطان مراد جن سازشوں، دسیسہ کاریوں اور مشکلات کا سامنا کر رہا تھا اس کے پیچھے بیزنطینی فرمانروا مانویل ثانی کا بھی ہاتھ تھا۔ یہی شخص مراد کے چچا جس کا نام مصطفیٰ تھا کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے غالیبولی کے شہر کا محاصرہ کر لیا

1۔ السلاطین العثمانیون: ص 41
2۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص 152
3۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 63
4۔ اخطاء یجب ان تصحح (الدولۃ العثمانیۃ) ص 38
5۔ السلاطین العثمانیون: ص 43

تا کہ وہ سلطان سے چھین کر اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنائے۔ لیکن سلطان مراد نے اپنے چچا کو گرفتار کر لیا اور اسے سولی دے کر موت کی گھاٹ اتار دیا۔ اس پر بھی مانویل ثانی بیزنطینی فرمانروا سلطان کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ اس نے سلطان کے حقیقی بھائی کو ورغلایا اور اسے اس فوج کا سپہ سالار بنا دیا جو اناضول کے شہر نیقیا پر قابض ہوگئی۔ مراد نے بھی فوج کو کوچ کا حکم دیا اور بڑی تیزی سے بڑھتا ہوا دشمن کی فوجوں کو آلیا۔ مخالف فوجوں کو شکست دی اور ان کا مخالف ان کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوگیا۔ سلطان نے اس کا بھی کام تمام کیا اور بادشاہ قسطنطنیہ کو اس کی کارستانیوں کا سبق سکھانے کے لئے سلونیک پر دھاوا بول دیا۔ مراد کی فوجوں کا راستہ روکنا نصرانی فرمانروا کے بس کی بات نہیں تھی۔ مارچ 1431ء، 833ھ کو شہر فتح ہوا اور دولت عثمانیہ کا ہمیشہ کے لئے ایک حصہ قرار پایا۔

سلطان مراد نے بلقان کے علاقوں میں سر اٹھانے والی بغاوتوں کا بھی قلع قمع کیا اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے وقتاً فوقتاً لشکر بھیجے جنہوں نے علیحدگی پسند تحریکوں کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔ آپ چاہتے تھے کہ ان علاقوں میں عثمانی حکومت کو استحکام نصیب ہو سو اس غرض کے لئے وہ عثمانی لشکر کو لے کر اقلیم والاشا کو مطیع و منقاد کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ ولاشیا والوں نے سالانہ جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ سربیا کے نئے بادشاہ ''ستیف لازار میتش'' نے بھی مجبوراً عثمانیوں کے سامنے سر جھکا دیا اور اس کے قبضہ کو تسلیم کر لیا۔ اور سلطان کی دوستی کی تجدید کی۔ عثمانی لشکر جنوب کی طرف روانہ ہوا اور بلاد یونان میں عثمانی اقتدار کے استحکام کے لئے خصوصی اقدامات کئے۔

اور بہت تھوڑے عرصے میں اپنی دعوتی جہاد کو جاری رکھتے ہوئے البانیا اور ہنگری کے تمام آزاد علاقوں کو زیر نگیں کر لیا۔ عثمانی 834ھ، 1431ء میں البانیہ فتح کرنے میں کامیاب ہوئے اور اپنے حملوں کو اس علاقے کے جنوبی حصے پر مرکوز کر دیا۔ رہا شمالی البانیا تو عثمانیوں کو یہاں سخت ترین جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ البانیہ کے پہاڑوں میں عثمانی فوجوں کے مقابلے میں شمالی البانیا کی فوجوں کو کامیابی ہوئی۔ اور ان کے بعد دیگر دو حملوں کو انہوں نے ناکام بنا دیا۔ حالانکہ سلطان مراد فوج کی خود قیادت کر رہا تھا۔ اور جب عثمانی فوج نے پسپائی اختیار کی تو اسے بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا نصرانی ممالک البانیوں کی پشت پر کھڑے ہو گئے اور عثمانیوں کے خلاف انہیں امداد دینے لگے۔ بالخصوص بندقیہ کی حکومت جسے اس بات کا خطرہ تھا کہ اس کے قرب و جوار میں واقع یہ سلطنت عثمانیوں کے قبضے میں چلی جائے گی اور وہ ساحل اور بندرگاہیں جو بحر متوسط میں اس کے گھسنے اور خارجی دنیا تک اس کے پہنچنے کا واحد راستہ ہے اس سے چھن جائیں گی اور وہ ایک چھوٹے سے بند سمندر یعنی بحر الادریاتیک میں قید ہو کر رہ جائیں گے۔ اس طرح سلطان مراد ثانی البانیا میں اپنی حکومت کو مستحکم نہ دیکھ سکا۔ (1)

رہا ہنگری کا محاذ تو عثمانیوں نے ہنگری والوں کو 842ھ، 1438ء میں شکست دی اور ان کے ستر ہزار فوجیوں کو قیدی بنا لیا ہنگری کے بہت سے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد وہ سربیا کے دارالحکومت بلغراد کو فتح کرنے کے لئے بڑھے لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔

1۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 46

بہت جلد ایک بہت بڑا صلیبی معاہدہ عمل میں آیا جس کی پوپ کی طرف سے پشت پناہی کی گئی اور پوپ نے اس کی کامیابی کے لئے دعا بھی کی۔ اس معاہدہ کا مقصد پورے یورپ سے عثمانیوں کو نکال باہر کرنا تھا۔ اس معاہدے میں ہنگری، پولینڈ، سربیا، افلاق کے علاقے، جنیوہ، بندقیہ، بیزنطینی شہنشاہ اور برجندیا کا ڈوق شامل تھے۔ اور پوپ کی طرف سے اسے اشیرباد بھی حاصل تھی ان کے علاوہ اس معاہدہ میں جرمنی اور سلوا کی فوجیں بھی شامل تھیں ان اتحادی صلیبی فوجوں کی زمام قیادت ایک نہایت تجربہ کار جرنیل کے ہاتھ میں دی گئی جس کا نام یوحنا ضیادی تھا۔

بنیادی صلیبی بری فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھا اور جنوب کی طرف دانوب سے گزرتے ہوئے عثمانیوں پہ دھاوا بول دیا۔ 846ھ، 1442ء میں عثمانی فوجوں کو پے در پے دو شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عثمانیوں نے مجبوراً صلح کی پیشکش کی اور ''سیز جادن'' میں بیس سال کے لئے صلح کا معاہدہ لکھ دیا۔ یہ معاہدہ جولائی 848ھ، 1444ء کو عمل میں آیا۔ عثمانی فرمانروا حسب معاہدہ سربیا سے دست بردار ہو گیا اور اس پر ''جارج بہ انکوفیتش'' کی حکومت تسلیم کر لی۔ اسی طرح سلطان مراد نے افلاق، ہنگریوں کے حوالے کر دیا۔ اور اپنی بیٹی کے شوہر محمود شلبی کو 60 ہزار ڈوقیہ کی رقم دے کر رہا کروایا جو عثمانی لشکر کا کمانڈر انچیف تھا۔ یہ معاہدہ عثمانیہ اور ہنگری دو زبانوں میں لکھا گیا۔ ''لادیسلاسی'' کے بادشاہ نے انجیل کی قسم کھائی اور سلطان مراد نے قرآن کریم کی قسم کھائی کہ وہ شروط معاہدہ کی پابندی کریں گے اور پوری ذمہ داری کا ثبوت دیں گے۔

مراد جب اپنے یورپی دشمنوں سے معاہدہ کر چکا تو اناضول کی طرف پلٹا۔ اسی اثناء میں اسے اپنے بیٹے علاء کی موت کی خبر پہنچی اسے اپنے بیٹے کی جدائی کا بڑا صدمہ ہوا اور دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اپنے بیٹے محمد کو زمام اقتدار دے تخت سے الگ ہو گیا اور ملکی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ محمد کی عمر صرف چودہ برس تھی۔ صغرسنی کی وجہ سے والد نے سلطنت کے خیر خواہ تجربہ کار، اصحاب رائے لوگوں کی ایک ٹیم اس کے ساتھ کر دی کہ وہ ہر معاملہ میں بادشاہ کی معاونت کریں اور اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کریں۔ سلطان مراد یہ تمام بندوبست کرنے کے بعد مغنیسیا چلا گیا تاکہ وہ اپنی باقی ماندہ عمر عزلت وتنہائی میں گزارے اور دنیائے دوں کے بکھیڑوں سے الگ ہو کر پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کریم کی عبادت کرے۔ اور ملک کے کونے کونے میں امن وامان قائم ہونے سے مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں غور وفکر کرے۔ اس عزلت اور تنہائی میں سلطان نے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزارا تھا کہ کارڈینل سیزارینی اور اس کے کچھ اعوان ومددگار عثمانیوں سے عہد شکنی کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ وہ عثمانیوں کو یورپ سے نکال باہر کریں گے۔ دوسری وجوہات کے علاوہ اس جسارت کی وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان مراد نے تخت وتاج اپنے ایک نوعمر بچے کے سپرد کر دیا تھا جسے کوئی تجربہ نہیں تھا اور یورپی فوجیں اسے کسی خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔ عہد شکنی کی یہ رائے پوپ اوجینن کی شیطانی سوچ کا نتیجہ تھی۔ اس نے نصرانیوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ مسلمانوں سے کیا گیا عہد وپیمان توڑ ڈالیں اور ان کے خلاف جنگ کریں۔ اس نے اس بات کی وضاحت کی کہ مسلمانوں سے کیا گیا عہد باطل ہے کیونکہ عہد کرتے وقت پوپ سے مشورہ نہیں لیا گیا جو زمین پہ خداوند یسوع مسیح کا نائب ہے۔ کارڈنل سیزارینی بڑا سرگرم، متحرک اور انتھک آدمی تھا۔ اس کی ہمیشہ سے یہ

کوشش رہی تھی کہ وہ کسی طرح عثمانیوں کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس لئے اس نے نصرانی فرمانرواؤں سے ملاقاتیں کی اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کو توڑنے کی ترغیب دی۔ جو شخص عہد شکنی میں متامل ہوتا اور اس پر معترض ہوتا وہ اسے یہ کہہ کر تسلی دیتا کہ یہ پوپ کے نام سے عہد شکنی ہو رہی ہے اور وہ اس کے عہد کو توڑنے کی ذمہ داری سے انہیں سبکدوش کر رہا ہے۔ وہ ان کے لشکروں اور ان کے سامان جنگ کو برکت دے رہا ہے۔ لہٰذا ان پر ضروری ہے کہ وہ پوپ کا حکم مانیں کیونکہ یہی عزت اور نجات کا راستہ ہے۔ اس پر بھی اگر کسی کا ضمیر اس سے جھگڑتا ہے اور وہ عہد شکنی کے گناہ سے ڈرتا ہے تو پوپ اس کے اس بوجھ اور گناہ کو خود اٹھا لے گا۔(1)

نصرانیوں نے معاہدہ توڑ ڈالا۔ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے لشکر فراہم کر کے بحر اسود پر واقع بلغاریا کے ایک شہر ''فارنا'' کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں آزاد ہوا تھا چونکہ عہد شکنی دین اسلام کے دشمنوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ۝ (التوبہ)

''تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آ جائیں۔''

یہ لوگ کسی وعدے اور کسی معاہدے کی پاسداری نہیں کرتے۔ عہد شکنی ان کا ہمیشہ سے وطیرہ ہے۔ یہ کسی قوم پر حملہ کرنے سے بلکہ کسی انسان کو جس میں کمزوری پائی جاتی ہو قتل کرنے اور ذبح کرنے سے نہیں چوکتے۔(2)

اللہ کریم نے ان کے بارے میں خوب فرمایا ہے:۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ (التوبہ)

''نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں''۔

جب نصرانی فوجوں نے پیش قدمی کی اور دولت عثمانیہ کی طرف بڑھے اور ایڈریانوپل میں صلیبی فوجوں کی اس جسارت کا مسلمانوں کو علم ہوا تو انہیں اندیشہ لاحق ہوا۔ انہوں نے فوراً سلطان کی خدمت میں ایلچی روانہ کئے کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو اس خطرے کا سامنا کرنے کے لئے آئیں۔ سلطان اپنی خلوت سے باہر آیا اور صلیبی خطرے کے خلاف عثمانی فوجوں کی خود قیادت کرنے کے لئے چل دیا۔ سلطان نے جنیوہ کے بحری بیڑا کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ کہ وہ عثمانی لشکر کے چالیس ہزار فوجیوں کو ایشیاء سے یورپ کے ان علاقوں میں پہنچائے جو صلیبی بیڑے کی نظر میں ہیں۔ ایک فوجی کے بدلے میں عثمانی سلطنت اسے ایک دینار دے گی۔

سلطان مراد بڑی سرعت کے ساتھ چلا اور اسی دن ایڈریانوپل پہنچا جس دن صلیبی فوجیں یہاں پہنچی تھیں۔ دوسرے دن دونوں فوجوں (نصرانی اور مسلمان) کے درمیان جنگ ہوئی زور کا رن پڑا اور دونوں فوجوں نے اپنی بہادری کے خوب جوہر

1۔ محمد فاتح: ص 44　2۔ اخطاء یجب ان تصحح

دکھائے۔ سلطان مراد نے اس عہد نامہ کو جسے نصرانیوں نے توڑا تھا نیزے کی انی پر باندھ کر بلند کیا تا کہ وہ اسے دیکھیں اور زمین و آسمان اس وعدہ خلافی اور دشمنی کا مشاہدہ کریں اور اس لئے تا کہ اسلامی فوج کا جذبہ جہاد بلند ہو۔(1)

دونوں فوجوں نے تلوارزنی اور تیر افگنی کے خوب جوہر دکھائے۔ معرکہ کارزار خوب گرم ہوا۔ قریب تھا کہ نصرانی فوجوں و اپنی دینی غیرت اور کمال جوش و جذبہ کی بدولت کامیابی ہوتی۔ مگر مسلمانوں کی جہادی روح کے سامنے یہ دینی جذبہ کچھ کام نہ آیا۔ اس اثناء میں جب کہ مسلمان فوج کے میمنہ اور میسرہ کی فوجیں کمزوری کا مظاہرہ کر رہی تھیں سلطان مراد اور نصرانی لشکر کے سپہ سالار لیڈ سلاس کا آمنا سامنا ہوا۔ اب موقع تھا کہ سلطان اس عہد شکن بادشاہ سے دوبدو لڑائی کرتا اور اسے اپنے کئے کی سزا دیتا۔ دونوں میں قوت آزمائی ہوئی۔ خوفناک تصادم ہوا۔ سلطان مراد شیر کی طرح دھاڑا اور ایک ہی لمحہ میں اپنا نیزہ خائن نصرانی کے پیٹ میں اتار دیا جو اس کی پیٹھ سے پار ہو گیا۔ ہنگری کا یہ بادشاہ اپنے گھوڑے سے پکے ہوئے پھل کی طرح گرا اور ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا(2) اور اس خائن کے کٹے ہوئے سر کو نیزے پر بلند کر کے دشمن افواج کو ان کے بادشاہ کا عبرت ناک انجام دکھایا۔ مسلمان سپاہیوں میں سے ایک سپاہی بلند آواز سے پکارا:

"اے کافرو! یہ ہے تمہارے بادشاہ کا سر"۔

اس منظر نے دشمن فوج کو سراسیما کر دیا۔ نصرانیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اسی اثناء میں مسلم افواج نے یکبارگی بڑے زور کا حملہ کیا جس نے ان کی جمعیت کو پارا پارا کر دیا اور انہیں شکست فاش دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ نصرانی لشکر پیٹھ پھیر کر بھاگا اور ان پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے چلے گئے۔ سلطان نے اسی کامیابی پر اکتفا کیا اور اپنے دشمن کا تعاقب نہ کیا۔ بیشک یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔(3)

یہ معرکہ کوسوا کے میدانی علاقوں میں 17 اکتوبر 852ھ، 1448ء کو شروع ہوا اور تین دن تک رہا۔ اور بالآخر عثمانیوں کی شاندار کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس جنگ نے ہنگری کو کم از کم دس سال کی مدت کے لئے ان سلطنتوں کی فہرست سے خارج کر دیا جو عثمانیوں کے خلاف جنگی کارروائیوں کے قابل تھیں۔(4)

سلطان نے اپنی زاہدانہ زندگی ترک نہ کی دوبارہ سلطنت سے دستبردار ہو کر مغنیسیا میں عزلت نشین ہو گیا اور تمام امور جہانبانی اپنے بیٹے محمد کے سپرد کر دیے جس طرح کے ایک شیر شکار کرنے کے بعد اپنی کچھار میں واپس چلا جاتا ہے۔

تاریخ میں ایسے کئی بادشاہوں کا ذکر ہے جو تخت سے اترے اور دنیا سے ناطہ توڑ کر الگ ہو گئے۔ خلوت گزینی اختیار کی ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو دوبارہ واپس آئے۔ تاج پہنا اور تخت نشین ہوئے لیکن ایسا کوئی فرمانروا نہیں گزرا جس نے دو مرتبہ تخت و تاج کو خیر باد کہا ہو سوائے سلطان مراد کے۔ سلطان مراد کو ایشیائے کوچک میں خلوت نشین ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایڈریانوپل میں عثمانی لشکر کا وہ حصہ جسے ینگ چری کہتے تھے اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے سلطنت عثمانیہ میں فساد

1۔ محمد فاتح: ڈاکٹر سالم رشیدی: ص 45

2۔ محمد فاتح: ڈاکٹر عبدالسلام عبدالعزیز: ص 22

3۔ محمد فاتح: ڈاکٹر عبدالاسلام عبدالعزیز: ص 46

4۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 47

برپا کردیا۔ شہروں کولوٹا، لوگوں کوقتل کیا۔ شوروغل مچایا (ان کا مطالبہ تھا کہ ان کی تنخواہیں بڑھائی جائیں) سلطان محمد چونکہ بچہ تھا اور بہت کم سن تھا۔ اس لئے سلطنت کے بعض خیر خواہوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے، خطرہ بڑھ نہ جائے۔ حالات سنگین صورت اختیار کر کے کسی بہت بڑی تباہی کا نتیجہ نہ بن جائیں۔ انہوں نے آدمی بھیج کر دوبارہ سلطان سے درخواست کی کہ وہ آئیں اور خود معاملے کو سنبھالیں (1)۔ سلطان مراد کو دوبارہ آنا پڑا۔ اس نے آتے ہی حالات کو سنبھال لیا۔ ینگ چری فوج نے سلطان کے پہنچتے ہی سراطاعت خم کرلیا۔ سلطان نے اپنے بیٹے کو اناضول بھیجا اور مغنیسیا کی حکومت اس کے حوالے کردی۔ اس کے بعد آخر دم تک سلطان خود حکومت کرتے رہے اور بقیہ زندگی بھی جنگوں اور فتوحات میں گزاردی۔(2)

مراد ثانی کی شعراء اور علماء کی قدر دانی اور نیکی کے کاموں میں دلچسپی

محمد حرب لکھتے ہیں کہ مراد ثانی اگر چہ بہت کم شعر کہتا تھا اور اس کے بہت تھوڑے شعر ہمارے پاس موجود ہیں لیکن ادب و شعر میں اس کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ شعراء کو خوب نوازتا تھا۔ اور ہفتہ میں دو مرتبہ انہیں اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیتا تھا تاکہ وہ تازہ کلام پیش کریں اور سلطان سے مختلف موضوعات پر بات چیت کریں سلطان سخن شناس تھا اور شعراء کی خوب حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ سلطان کی طرف سے شعراء ادباء اور علماء کو باقاعدہ وظیفہ دیا جائے یا انہیں کسی ایسی خدمت پر مامور کیا جائے کہ وہ دل جمعی سے شعروادب اور فن لطیف کی خدمت کرسکیں۔ سلطان کی مجلس میں بولنے کی آزادی تھی اور سلطان جہاں اچھی بات کو پسند کرتا تھا اور اس پر داد دیتا تھا وہاں غلط نظریات اور افکار پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتا تھا اور ٹوکتا تھا۔ الغرض شعروادب کے حوالے سے سلطان مراد ثانی کا عہد امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔(3)

شاہی محل ایک علمی اکیڈمی میں تبدیل ہوگیا تھا اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ شعراء جہاد میں بھی بادشاہ کے ہمرکاب ہوتے تھے۔(4)

سلطان مراد کا ایک شعر ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) ''آؤ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں کیونکہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔''(5)

سلطان بلاشبہ علم وآگہی، فہم وفراست، عدل وانصاف اور شجاعت و بہادری کا پیکر تھے۔ ہر سال حرمین شریفین اور بیت المقدس کے باسیوں کے لئے اپنی ذاتی دولت سے تین ہزار پانچ سو دینار بھیجتے اور صوفیا، علماء، مشائخ اور صلحاء کے معاملے پر خصوصی توجہ دیتے۔ زیرنگیں تمام علاقوں میں اقتدار کو مستحکم کیا۔ امن وامان کی صورت حال کو بہتر بنایا۔ ملک میں شرعی اور دینی احکام لاگو کیے۔ کافروں کو سرجھکانے پر مجبور کیا۔ بے دینوں کو ذلیل ورسوا کیا(6)۔ یوسف آصاف ان کے بارے کہتے ہیں۔
''وہ متقی، نیک، جواں مرد، بہادر، بھلائی کے شائق اور رحمت واحسان کی طرف بے حد میلان رکھنے والے تھے۔''(7)

1۔ محمد فاتح: 47 2۔ ایضاً: 23 3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 246
4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 246 5۔ السلاطین العثمانیون الکتاب المصور: ص 46
6۔ تاریخ السلاطین آل عثمان للقرمانی: ص 25 7۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: ص 55

مراد ثانی کی وفات اور وصیت

النجوم الزاہرہ کا مصنف لکھتا ہے۔ وہ اپنے دور کے تمام بادشاہوں سے خواہ وہ مشرق میں تھے یا مغرب میں اچھا تھا۔ فہم، فراست، حزم واحتیاط عزم وشجاعت، رحم وکرم اور شان وشوکت میں کوئی دوسرا ان کا ثانی نہیں تھا۔ ساری عمر جہاد فی سبیل اللہ میں گزار دی۔ کئی جنگیں کیں اور متعدد معرکے مارے اور کئی نا قابل شکست قلعوں، گھڑھیوں اور شہروں پر دشمن کو شکست دے کر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ ہاں یہ بھی صحیح ہے کہ لذت دنیا کا اسیر ہوا اور خواہشات نفسانی میں منہمک رہا۔ شاید اس کی حالت اس صوفی کی مانند ہو جس سے اس کے دین کے بارے پوچھا گیا تو اس نے کہا تھا ''میں اسے گناہوں سے تار تار کر دیتا ہوں اور پھر استغفار کر کے اس کے پھٹے ہوئے ٹکڑوں کو سی لیتا ہوں۔'' سلطان مراد اللہ کریم کی بخشش اور کرم کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کی پالیسی بڑی واضح تھی۔ اسلام کی اشاعت اور دشمن کو نیچا دکھانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ حتیٰ کہ ان کے بارے کہا جاتا ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے باڑ (محافظ) تھے۔ اللہ کریم ان سے درگزر فرمائے اور جوانی (کی موت) کے بدلے انہیں جنت عطا فرمائے۔......(1)

سلطان ایڈریانوپل کے محل میں 47 سال کی عمر میں فوت ہوا اور اپنی وصیت کے مطابق بورصہ کی جامع مسجد مراد کے پہلو میں دفن ہوا۔ اس نے مرتے دم اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اس کی قبر پر مقبرہ نہ بنانا۔ قبر کے اردگرد کمرے بنانا جہاں حفاظ بیٹھ کر تلاوت کلام مجید کریں۔ یہ بھی وصیت کی کہ مجھے جمعہ کے دن دفن کرنا۔ ان کی وصیت پر عمل کیا گیا اور انہیں جمعہ کے روز دفن کیا گیا نیز حفاظ کے لئے کمرے بھی تعمیر کئے گئے۔(2)

انہوں نے مرتے وقت ایک شعر بھی کہا کیونکہ انہیں اب یقین ہو گیا تھا کہ ایک بہت بڑی قبر میں اسے دفن کیا جائے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی قبر پر کوئی مکان نہ بنے۔ اس نے ایک شعر کہا: ایک دن آئے گا کہ لوگ اس قبر میں میری مٹی دیکھیں گے۔(3)

سلطان مراد نے مدارس، جامعات، محلات، پل تعمیر کرنے کا اہتمام کیا ان میں سے ایڈریانوپل کی جامع مسجد قابل دید ہے جو تین منزلوں پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا اور ایک تکیہ بھی جس میں فقراء ومساکین کھانا کھاتے تھے۔(4)

1۔ النجوم الزاہرہ: 3/16۔ مصنف جمال الدین ابی المحاسن یوسف تغری
2۔ السلاطین العثمانیون: ص 43
3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 246
4۔ السلاطین العثمانیون: ص 43

تیسری فصل

محمد فاتح اور فتح قسطنطنیہ

پہلی بحث

سلطان محمد فاتح

سلطان محمد ثانی جو سلطان محمد فاتح کے نام سے معروف ہوئے۔ 833ھ بمطابق 1429ء کو پیدا ہوئے اور 886ھ بمطابق 1481ء کو دار فانی سے [illegible] کے عالم بقا کی راہ لی۔ آل عثمان کے سلسلہ سلاطین کے یہ ساتویں سلطان ہیں جنہیں فاتح اور ابوالخیرات کے لقب سے شہرت ملی۔ انہوں نے تقریباً تیس سال تک حکومت کی۔ ان کا دور حکومت [illegible] لئے خیر و فلاح اور عزت و جاہ کا باعث ہوا(1)۔ اپنے والد کے وصال کے بعد 16 محرم 855ھ بمطابق 18 فروری 51[illegible] کو تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف بائیس سال تھی۔ سلطان محمد فاتح بے مثال شخصیت کا حامل انسان تھا۔ اس میں قوت اور عدل دونوں صفات بیک وقت جمع تھیں۔ اسی طرح مختلف علوم و فنون میں وہ اپنے ہم عصروں پر صغر سنی سے فوقیت رکھتا تھا۔ یہ علوم اس نے مدرسۃ الامراء سے حاصل کئے تھے۔ بالخصوص مختلف زبانوں میں مہارت کے حوالے سے وہ دوسروں سے کہیں آگے تھا اور کتب تاریخ کے مطالعہ کا خاص شغف رکھتا تھا۔ اسی چیز نے بعد میں انتظامی امور اور جنگی میدانوں میں ان کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ وہ تاریخ میں محمد فاتح کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور قسطنطنیہ جیسے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

سلطان محمد فاتح نے وہی پالیسی اختیار کی جو اس کے آباؤ اجداد نے اختیار کی تھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے مختلف تنظیمی اداروں کی تنظیم نو کی۔ اور مالی امور کو بہتر بنانے کی طرف خصوصی توجہ دی اس نے ملکی ذرائع آمدنی اور اخراجات کی اس طرح منصوبہ بندی کی کہ اسراف اور عیش و عشرت کی گنجائش نہ رہی۔ فوج کی بھی تنظیم نو کی اور اس کی مختلف شعبوں میں پائی جانے والی کمزوریوں کو دور کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ فوج کے لئے خصوصی رجسٹر بنائے اور ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ نیز اس دور کے جدید اسلحہ سے انہیں ہر طرح سے لیس کیا۔ ڈسپلن قائم کرنے کی غرض سے فوج کے لئے سخت قوانین تشکیل دیے۔ اگر کسی فوجی نے کوتاہی کی یا اپنی ڈیوٹی میں سستی و کاہلی کا شکار ہوا تو اسے نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ دربار شاہی کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی۔ تجربہ کار منتظمین اور بہترین جرنیل اس کی مدد پر متعین کئے جنہوں نے سلطنت کے استحکام اور ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔ اور جب داخلی امور کی طرف سے کلی طور پر مطمئن ہو گیا تو مسیحی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو فتح کرنے اور ان میں اسلام کی اشاعت کے بارے سوچنے لگا۔ ان اہداف کو پورا کرنے کے سلسلہ میں بہت سے عوامل اس کے مددگار ثابت ہوئے۔ ایک تو بیزنطینی شہنشاہیت یورپ کی دوسرے سلطنتوں کے ساتھ تنازعات کے سبب کمزور ہو چکی تھی اور اسے داخلی اختلافات کا بھی سامنا تھا۔ اس کے تمام علاقوں اور شہروں میں حکومت کے خلاف لاوا

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 253

پک رہا تھا۔ سلطان محمد یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی تمام قوتیں داؤ پر لگا دیں۔ تا کہ بیزنطینی شہنشاہیت کے دارالحکومت قسطنطنیہ کو فتح کر کے کامیابیوں کا تاج سر سجائے اور عالم اسلام کے خلاف صلیبی تحریکوں کے ایک اہم اور مرکزی قلعہ کو منہدم کر دے جو عرصہ سے اسلام دشمن سازشوں میں مصروف تھا۔ اور اس طرح پوری مسیحیت بالعموم اور بیزنطینی شہنشاہیت کو بالخصوص مغلوب کرے محمد اسے دولت عثمانیہ کا دارالحکومت بنا کر اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتا تھا جس کی تعبیر سے اس کے پیشرو اسلامی لشکروں کے قائدین عاجز رہ گئے تھے۔(1)

قسطنطنیہ کی فتح

قسطنطنیہ دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی بنیاد 330ء میں بیزنطینی شہنشاہ قسطنطین اول نے رکھی(2)۔ قسطنطنیہ کو پوری دنیا میں ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی حتیٰ کہ اس کے بارے کہا جاتا ہے۔ ''اگر پوری دنیا ایک ملک ہوتی تو قسطنطنیہ اس قابل تھا کہ اس ملک کا دارالحکومت بنتا'' (3)۔ جب سے اس شہر کی بنیاد پڑی یہ بیزنطینیوں کا دارالحکومت رہا یہ دنیا کے عظیم ترین اور اہم ترین شہروں میں سے تھا۔(4)

جب مسلمانوں نے بیزنطینی سلطنت کے ساتھ جہاد شروع کیا تو اس شہر کو اس جنگ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو کئی مواقع پر اس کی فتح کی بشارت دی۔ ان میں سے ایک موقع غزوہ خندق میں پیش آنے والا مشہور واقعہ ہے(5)۔ اسی لئے مسلمان خلفاء اور اسلامی عساکر کے کئی قائدین مختلف ادوار میں اس کو فتح کرنے میں مسابقت کرتے رہے تا کہ یہ بشارت رسول ان کے حق میں پوری ہو کہ ''قسطنطنیہ جس شخص کے ہاتھ پر فتح ہوگا وہ امیر بہترین امیر ہوگا اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا۔''(6)

اسی لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے عساکر اسلامیہ کے ہاتھ اس کی طرف بڑھتے رہے ہیں۔ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا حملہ 44ھ میں ہوا۔ لیکن یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کئی دوسرے حملے بھی ہوئے۔ لیکن سب ناکام رہے۔ اسی طرح اموی سلطنت نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے ایک اور کوشش کی۔ یہ حملہ اموی دور کا سب سے بڑا حملہ شمار ہوتا ہے۔ یہ حملہ سلیمان بن عبدالملک کے دور حکومت میں 98ھ کو کیا گیا۔(7)

شہر قسطنطنیہ پر حملوں کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں دولت بیزنطینی پر بہت زیادہ حملے ہوئے لیکن کوئی حملہ کامیاب نہ ہوا۔ نہ تو قسطنطنیہ فتح ہوا اور نہ اس کی دفاعی پوزیشن کو کچھ زیادہ نقصان پہنچا۔ ہاں بیزنطینی حکومت کی

1۔ قیام الدولۃ العثمانیہ: ص43

2۔ اوربہ فی العصور الوسطی، سعید عاشور: ص29

3۔ فتح القسطنطنیہ وسیرۃ السلطان محمد فاتح: ڈاکٹر محمد مصطفیٰ: ص37,36

4۔ المجتمع المدنی (الجہاد ضد المشرکین) ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری: ص115

5۔ مسند احمد: 335/4

6۔ ایضاً: 335/4

7۔ ابن خلدون: العبر (70/3) تاریخ خلیفہ بن خیاط ص315

چولیں ہل گئیں اور اس کے داخلی صورت حال پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ بالخصوص ہارون الرشید کے عہد خلافت میں 190ھ کو جو حملہ ہوا اس نے اس حکومت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔(1)

اس کے بعد ایشیائے کوچک میں کئی اسلامی ریاستیں ابھریں جن میں سلجوقی ریاست بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ سلطنت ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کا فرمانروا (455۔465ھ بمطابق 1063-1072ء) سلطان الپ ارسلان بڑا بہادر اور مجاہد تھا۔ اس نے 464ھ، 1070ء میں ملاذ کرد کی جنگ میں روم کے بادشاہ ڈیمونوس کو شکست فاش دے کر قسطنطنیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس جنگ میں شاہ روم بذات خود اسیر ہوا اور ایک مدت بعد اس شرط پر اسے چھوڑ دیا گیا کہ وہ سلطان سلجوقی کو سالانہ جذیہ ادا کرے گا۔ اور یہ بات اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ روم کے بہت زیادہ علاقوں نے سلجوقی ریاست کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ عظیم سلجوقی سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد کئی سلجوقی ریاستیں سامنے آئیں جن میں سے سلاجقہ روم بڑی شہرت کی حامل ہے۔ اس کی حکومت ایشیائے کوچک کے علاقے میں تھی اور اس نے اپنی حدود کو مغرب میں بحر ریجہ کے ساحل تک وسیع کر لیا تھا اور رومانیہ کی حکومت اس کے سامنے بے بس ہوگئی تھی۔

آٹھویں صدی ہجری، چودھویں صدی عیسوی میں سلاجقہ روم کی جگہ عثمانیوں نے لی(2)۔ اور قسطنطنیہ کی فتح کی کوششیں ایک بار پھر شروع ہوگئیں۔ اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب بایزید جو الصاعقہ کے نام سے معروف تھے نے فتح قسطنطنیہ کی کوشش کی اور 796ھ بمطابق 1393ء میں بڑی شدت سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔(3)

سلطان نے شہر کا محاصرہ اس شدت سے کیا کہ بیزنطینی شہنشاہ سے مذاکرات کے دوران یہ مطالبہ کیا کہ وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دے۔ لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ اور مذاکرات کو طول دے کر اسلامی فوجوں کو قسطنطنیہ سے پیچھے دھکیلنے کے لئے یورپ سے مدد طلب کرتا رہا۔ قریب تھا کہ بایزید کے ہاتھ پر قسطنطنیہ فتح ہو جاتا لیکن اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ مغلوں نے تیمور لنگ کی قیادت میں عثمانی علاقوں پر حملہ کر دیا ہے اور ان علاقوں میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ سلطان بایزید کو مجبورا محاصرہ اٹھانا پڑا اور اپنی فوجوں کو لے کر مغلوں سے جنگ کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مغلوں کے خلاف فوج کشی میں بھی سلطان بایزید نے خود قیادت کی اور انقرہ کے مقام پر دونوں مسلم فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بالآخر بایزید کی فوجوں کو شکست ہوئی سلطان تیمور کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور قید کی حالت میں 1402ء کو راہی ملک عدم ہوا(4)۔ نتیجتاً دولت عثمانیہ افتراق و انتشار کا شکار ہوگئی اور فتح قسطنطنیہ کی سوچ کچھ وقت تک کے لئے مدہم پڑ گئی۔

دولت عثمانیہ کو جونہی استحکام نصیب ہوا اور حالات درست ہوئے تو روح جہاد پھر سے عود کر آئی۔ اور سلطان مراد ثانی (824ھ بمطابق 863ھ) کے دور حکومت میں قسطنطنیہ کی فتح کی پھر سے کوششیں ہونے لگیں۔ عثمانیوں نے اس کے دور

1۔ خلیفہ بن خیاط، تاریخ ص458، تاریخ الطبری: 69/10، ابن الاثیر، الکامل: 185/6

2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ: ص46

3۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: ص18

4۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ڈاکٹر عبدالعزیز عمری: ص358

حکومت میں کئی بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ ان کوششوں کے عرصہ میں بیزنطینی بادشاہ عثمانیوں کی صفوں میں فتنہ وفساد پیدا کرنے اور بیرونی طاقتوں کو سلطان کے خلاف مدد دینے کی کوششوں میں مصروف رہا(1)۔ اور اس طرح نصرانی بادشاہ سلطان کو اپنے مقصد سے جس پر وہ بہت حریص تھا غافل رکھنے میں کامیاب رہا۔ عثمانی اپنے ارادوں کو پورا نہ کر سکے حتیٰ کہ بایزید کے بیٹے محمد فاتح کے دور میں مسلمانوں کی فتح قسطنطنیہ کی یہ آرزو پوری ہوئی۔

سلطان محمد فاتح اپنے والد کی زندگی میں بھی امور جہاں بانی سرانجام دیتا رہا اور اسی دور سے وقتاً فوقتاً بیزنطینی سلطنت کے ساتھ اس کی چپقلش جاری رہی وہ ان تمام کوششوں سے واقف تھا جو فتح قسطنطنیہ کے سلسلہ میں اس سے پہلے عثمانی خلفاء کر چکے تھے۔ بلکہ وہ ان کوششوں سے بھی آگاہ تھا جو مختلف اسلامی ادوار میں کئی بار فتح قسطنطنیہ کے لئے کی جاتی رہی تھیں۔ اسی لئے جونہی وہ سلطنت عثمانیہ کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ (855ھ بمطابق 1451ء) (2)۔ تو فتح قسطنطنیہ کی تمنا اور اس کے لئے سوچ و بچار کرنے لگا۔ علماء کی تربیت نے اس کے اندر اسلام اور ایمان کی محبت اور قرآن وسنت پر عمل کا جذبہ پیدا کرنے میں خاص کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے وہ شریعت اسلامیہ کے التزام کی محبت پر پروان چڑھا اور تقویٰ وورع، علم وعلماء کی محبت اور علوم کی نشر و اشاعت کے جذبہ جیسی اعلیٰ صفات سے متصف تھا۔ اس کا انتہائی اعلیٰ دینی جذبہ اسلامی تربیت کا نتیجہ تھا اور یہ تربیت اس کے والد کی توجہات کا نتیجہ تھی جو اسے صغر سنی سے میسر رہی تھیں۔ نیز وہ علمی شخصیات جنہوں نے اس کی تعلیم وتربیت میں اہم کردار ادا کیا ان کے اثرات بھی اس کی شخصیت میں دیکھے جا سکتے تھے۔ (3)

سلطان محمد فاتح لڑکپن سے ہی علماء ربانیین سے متاثر تھا۔ بالخصوص مشہور عالم ربانی "احمد بن اسماعیل کورانی" سے اور ان کے علم وفضل کے پوری طرح قائل تھے۔ احمد بن اسماعیل سلطان مراد ثانی کے دور میں محمد فاتح کے استاد تھے۔ ان دنوں محمد ثانی یعنی محمد فاتح صوبہ مغنیسیا کے امیر تھے۔ باپ نے ان کی تعلیم کے لئے کئی معلم بھیجے لیکن محمد فاتح نے کسی کا حکم نہ مانا اور ان اساتذہ سے ایک حرف بھی نہ پڑھا حتیٰ کہ اس نے قرآن کریم بھی ختم نہ کیا۔ سلطان مراد ثانی نے ایک بارعب اور سخت مزاج معلم کی ضرورت محسوس کی۔ لوگوں نے مولانا کورانی کے بارے بتایا۔ سلطان نے انہیں اپنے بیٹے کی تعلیم پر مامور کرتے ہوئے ایک ڈنڈا دیا اور کہا کہ شہزادہ اگر حکم عدولی کرے تو اس ڈنڈے سے خبر لینا۔ مولانا کورانی جب مغنیسیا پہنچے اور شہزادہ کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ ڈنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ شہزادہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا مجھے تیرے والد نے تیری تعلیم کے لئے بھیجا ہے۔ اور یہ ڈنڈا بھی انہیں کا عطا کردہ ہے تاکہ حکم عدولی کی صورت میں تیری خبر لوں۔ یہ بات سن کر سلطان محمد خان کی ہنسی نکل گئی۔ مولانا نے ڈنڈا سنبھالا اور اسی مجلس میں شہزادے کی خوب پٹائی کی حتیٰ کہ شہزادہ ڈر گیا اور تھوڑے سے عرصہ میں قرآن کریم ختم کر لیا۔

یہ ہے اسلامی سچی تربیت اور یہ ہیں قابل قدر مربی جن کی بدولت ایک شہزادہ میں اعلیٰ اخلاقی قدریں اور شریعت اسلامی

1۔ الفتوح الاسلامیۃ عبر العصو.. ڈاکٹر عبد العزیز عمری: ص 359

2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ڈاکٹر عبد العزیز عمری: ص 358

3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر علی حسون ص 42

کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا ہوا۔ بالخصوص علامہ کورانی جیسے لوگ جن میں یہ جرأت تھی کہ جب بھی وہ شریعت کی مخالفت دیکھتے تو سلطان کو ٹوکتے۔ علامہ کورانی بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیتے تھے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کی طرح ان کے سامنے جھکتے تھے۔ بلکہ بادشاہ ان کے ہاتھ چومتا تھا اور انہیں جھک کر سلام کرتا تھا۔ علامہ کورانی محمد فاتح کو نام لیکر پکارتے تھے۔ اور سلطان ان کی تعظیم بجالاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تربیت میں رہنے والے محمد فاتح بن کر نکلے۔ ایک سچے مؤمن متشرع اوامر ونواہی کے پابند، دین کی قدر کرنے والے پہلے اپنی ذات پر اسلامی احکام نافذ کرنے والے اور پھر رعایا پر، متقی، صالح جو ہمیشہ نیک طینت علماء وصلحاء سے طالب دعا رہا کرتے تھے۔ (1)

سلطان محمد فاتح کی شخصیت کی تکوین وتعمیر میں شیخ آق شمس الدین کا کردار بھی بہت نمایاں ہے۔ شیخ نے صغرسنی سے ہی ان کے دل پر دو چیزوں کو نقش کر دیا۔

1. ایک جہاد فی سبیل اللہ کی عثمانی تحریک کو آگے بڑھانا

2. اور دوسری یہ چیز کہ جس امیر کی حدیث میں بشارت دی گئی ہے کہ وہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور بہترین امیر ہوگا۔ وہ محمد ہی ہے۔ اسی لئے محمد فاتح کی دلی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا مصداق ٹھہرے۔ (2)

فتح قسطنطنیہ کی تیاری

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے پوری طرح پلاننگ کی اور اس منصوبہ میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں حتیٰ کہ جو لشکر فراہم ہوا اس کی تعداد تقریباً چوتھائی ملین سپاہی تھی (3)۔ یہ اس دور کے لحاظ سے مختلف اقوام کے لشکروں کی نسبت ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ پھر اس لشکر کی تدریب اور ٹریننگ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا۔ طرح طرح کے سپاہیانہ فنون کی تعلیم دی گئی اور انواع واقسام کے اسلحہ کا بندوبست کیا گیا جو آنے والی جہادی کارروائی کا انہیں اہل بنا سکتا تھا۔ اس ظاہری تیاری کے ساتھ ساتھ محمد فاتح نے سپاہیوں کی معنوی تیاری (روحانی) کا بھی خصوصی اہتمام کیا۔ ان میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ کے فاتح لشکر کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ہو سکتا ہے یہی لشکر آپ کا مقصود ہو۔ اس چیز نے ان میں معنوی قوت اور بے مثال بہادری کا جذبہ پیدا کر دیا۔ پھر لشکر میں علماء پھیل گئے اور ان کی وجہ سے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان میں حقیقی جہاد کا جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ اللہ کریم کے فرمان پر اپنی جان دینے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

سلطان نے تنگنائے باسفورس کے یورپی کنارے پر ایک بہت تنگ جگہ پر اس قلعہ کے سامنے جس کی بنیاد سلطان بایزید کے عہد میں ایشیائی خشکی کے ٹکڑے پر رکھی گئی تھی۔ قلعہ ''رومیلی حصار'' قائم کیا۔ بیزنطینی فرمانروا نے سلطان فاتح کو یہ پیشکش کی کہ وہ خطیر رقم لے لے لیکن یہاں قلعہ تعمیر نہ کرے لیکن سلطان قلعہ بنانے پر مصر رہا۔ کیونکہ وہ اس جگہ کی عسکری اہمیت

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر علی حسون ص 43
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 359
3۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ: محمد فرید بیگ: ص 161

کو سمجھتا تھا۔ ایک بلند و بالا نا قابل تسخیر قلعہ مکمل ہو گیا جس کی بلندی 82 میٹر تھی۔ آمنے سامنے کے ان دونوں قلعوں کا درمیانی فاصلہ 660 میٹر کے برابر تھا۔ جہاں سے عثمانی باسفورس پر نظر رکھ سکتے تھے اور کوئی جہاز ان کی اجازت کے بغیر مشرق سے مغرب کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ آمنے سامنے کے ان دونوں قلعوں پر توپیں نصب کی گئی تھیں اور جو بھی جہاز مشرقی علاقوں سے قسطنطنیہ کو آتا تھا یہ توپیں ان پر گولہ داغ کر ان کو روک دیتی تھیں اور طرابزون جیسی مشرقی علاقوں کی سلطنتیں جو ضرورت کے وقت قسطنطنیہ کی مدد کرتی تھیں باسفورس میں آنے سے گھبراتی تھیں۔(1)

ضروری اسلحہ جمع کرنے کا اہتمام

قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے سلطان نے ضروری اسلحہ جمع کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ جن میں سے توپیں خاص اہمیت کی حامل تھیں۔ توپ سازی پر خاص توجہ دی گئی۔ سلطان نے ایک ہنگری مہندس "اوربان" کو بلا بھیجا جو توپ سازی کی صنعت میں کمال مہارت رکھتا تھا اس کا پرجوش استقبال کیا اور اسے ہر طرح کی مالی، مادی اور افرادی امداد دیکر حکم دیا کہ توپیں تیار کرے۔ اس انجینئر نے بہت سی بڑی بڑی توپیں بنائیں۔ ان میں سے ایک توپ تو اتنی بڑی تھی کہ اس کا وزن سوٹن تھا اور اسے سو بیل کھینچتے تھے۔ اسے سلطانی توپ کہا جاتا تھا۔ ان توپوں کو بنانے اور پھر ان کو چلانے کے کام کی نگرانی سلطان نے خود کی۔(2)

بحری بیڑے کا اہتمام

اس تیاری کے علاوہ جس چیز کی طرف سلطان محمد فاتح نے خصوصی توجہ مرکوز رکھی وہ تھی عثمانی بحریہ کو پہلے سے زیادہ مضبوط بنانا اور اس میں کئی کشتیوں کا اضافہ کرنا۔ تاکہ وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کے اہل بن سکے۔ قسطنطنیہ تھا بھی ایک ایسا سمندری شہر جس کا محاصرہ طاقتور بحریہ کے بغیر غیر مکمل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے جو کشتیاں تیار کی گئیں ان کی تعداد چار سو سے زیادہ تھی۔(3)

مختلف ممالک سے معاہدے

قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے پہلے سلطان محمد فاتح نے اپنے کئی دشمنوں سے صلح کر لی تاکہ وہ ہر طرف سے مطمئن ہو کر صرف ایک دشمن سے نبرد آزما ہو سکے۔ لہٰذا قسطنطنیہ کی پڑوسی امارت غلطہ جو اس کے مشرق میں واقع تھی اور قسطنطنیہ سے اسے تنگنائے شاخ زریں جدا کرتی تھی سے معاہدہ صلح کیا گیا اسی طرح ہنگری اور بلگیریا کی سلطنتوں سے بھی معاہدے ہوئے۔ یہ دونوں یورپی سلطنتیں تھیں جو قسطنطنیہ کے پڑوس میں واقع تھیں۔ لیکن جب قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تو یہ معاہدے برقرار نہ رہے، دوسرے نصرانی ممالک کی فوجوں کے علاوہ ان امارات کی فوجیں بھی قسطنطنیہ کے دفاع میں شریک ہو گئیں(4)۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے سب عہد و پیمان توڑ کر اپنے ہم مذہب نصرانیوں کا ساتھ دینے لگیں۔

1۔ سلاطین آل عثمان ص 26
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 361
3۔ محمد فاتح: سالم رشیدی ص 90
4۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: ص 58

سلطان محمد فاتح جب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے دن گن رہا تھا تو شاہ بیزنطینی نے انہیں محاصرہ اٹھانے پر بے تحاشا دولت کی پیشکش کی کئی علاقوں سے دستبرداری کے لئے بھی تیار ہوا اور اس نے سلطان کو اس ہدف سے ہٹانے کی (1) پوری کوشش کی لیکن سلطان نے اس کی ایک نہ مانی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت اس شہر کو فتح کر کے دولت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کے اس مرکز کو نیست و نابود کرے گا۔ جب بیزنطینی فرمانروا کو یقین ہو گیا کہ مسلم فوجیں کوئی رشوت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور ہر صورت شہر لینے کے لئے پر عزم ہیں تو اس نے مختلف یورپی ممالک اور شہروں سے امداد طلب کی۔ بالخصوص کیتھولک فرقہ کے مذہبی رہنما سے امداد دینے کی درخواست کی۔ حالانکہ قسطنطنیہ آرتھوڈکس فرقہ والوں کا مرکز تھا اور کیتھولک فرقہ والوں سے ان کے شدید اختلاف تھے۔ لیکن بیزنطینی فرمانروا نے مذہب کی قربانی دے کر شہر کو بچانے کے لئے پاپائے روم سے درخواست کی۔

بیزنطینی فرمانروا نے مجبوراً پوپ سے رکھ رکھاؤ کی پالیسی اختیار کی اور اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور اس کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ مشرقی آرتھوڈکس کلیسا کو اتحاد بین النصاریٰ کی خاطر پوپ محترم کا مطیع کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ اس وقت ہو رہا تھا جب آرتھوڈکس فرقہ والے اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ الغرض پوپ نے اپنا ایک مندوب قسطنطنیہ بھیجا جس نے قسطنطنیہ کے سب سے بڑے چرچ آیا صوفیہ میں تقریر کی۔ پوپ کے لئے دعا کی اور دونوں کلیساؤں کو ایک کلیسیا میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو سن کر آرتھوڈکس کی اکثریت کا غصہ بھڑک اٹھا اور شاہ اور بابا کے اس اتحاد کی مخالفت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ہم دیار بیزنط میں لاطینی جبہ کو دیکھنے سے بہتر سمجھتے ہیں کہ ترکوں کے عمامے دیکھیں"۔ (2)

حملہ

قسطنطنیہ کا شہر تین طرف سے آبنائے باسفورس، بحر مارمورا اور شاخ زریں کے سمندری پانیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور کشتیوں کو اس تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ایک بہت بڑی زنجیر سے کام لیا گیا تھا۔ جس کو ضرورت کے وقت ڈھیلا کیا جاتا تو جہاز اندر آ سکتا تھا۔ اور اگر زنجیر کھینچ لی جاتی تو راہ مسدود ہو جاتی تھی اس کے علاوہ خشکی کی طرف دو بلند بالا فصیلیں تھیں جو بحر مارمورا سے لے کر شاخ زریں تک چلی جاتی تھیں۔ یہ دونوں فصیلیں متوازی تھیں اور ان کے درمیان ایک نہر تھی جس کا نام لیکوس تھا۔ ان دونوں متوازی فصیلوں کا درمیانی فاصلہ 60 فٹ تھا۔ ان میں سے جو اندر والی فصیل تھی اس کی بلندی 40 فٹ تھی اور اس پر برج بنے ہوئے تھے۔ جن کی بلندی 60 فٹ تک پہنچتی تھی۔ رہی باہر والی فصیل تو اس کی بلندی تقریباً 25 فٹ تھی اور اس پر کئی برج تھے جو سپاہیوں سے بھرے رہتے تھے۔ (3)

ان پانیوں اور فصیلوں کی بدولت فوجی نقطہ نظر سے یہ شہر دنیا کے مضبوط ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اور فطرت نے چاروں طرف سے اسے ایسے قدرتی قلعے، حصون اور فصیلیں عطا کر دی تھیں کہ اس تک پہنچنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے

1۔ فتح القسطنطنیہ، محمد صفوت، ص 69 2۔ محمد فاتح، رشیدی، ص 89 3۔ سلاطین آل عثمان، ص 2، محمد الفاتح، ص 96

سینکڑوں حملوں کو پسپا کیا جو اس کو فتح کرنے کے لئے کئے گئے۔ گیارہ حملے تو اس سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے ہو چکے تھے۔
سلطان فاتح قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ وہ اس کے بارے مکمل معلومات رکھتا تھا۔ اس کے محاصرہ کے لئے ضروری نقشہ جات تیار کر لئے تھے اور خود جا کر شہر اور اس کی فصیلوں کی مضبوطی کے لئے کئے گئے انتظامات کا معائنہ کر چکا تھا۔ (1)
سلطان نے ایڈریانوپل اور قسطنطنیہ کے درمیانی راستہ کو آسان بنانے کے لئے عملی اقدامات بھی کئے تا کہ وزنی توپوں کو قسطنطنیہ تک منتقل کرنے میں آسانی رہے۔ ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ کا راستہ ان توپوں نے دو ماہ میں طے کیا۔ شہر کے قریب مناسب فاصلہ پر ان توپوں کو کچھ سپاہ کی نگرانی میں چھوڑ دیا گیا۔ حتیٰ کہ عثمانی لشکر جس کی قیادت سلطان محمد فاتح خود کر رہے تھے جمعرات 26 ربیع الاول 857ھ بمطابق 6 اپریل 1453ء کو قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا۔ فوج کو اکٹھا کیا گیا۔ کل تعداد پچاس ہزار دو سو سپاہی تھی۔ سلطان نے ان سے ایک پر جوش خطاب کیا۔ انہیں جہاد کی ترغیب دی۔ غازی یا شہید ہونے تک لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیا۔ انہیں نصیحت کی کہ جنگ میں ثابت قدمی اور شجاعت کا مظاہرہ کریں۔ آیات قرآنی جو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب میں تھیں پڑھ کر سنائیں اور ان احادیث کو بھی بیان کیا جن میں فتح قسطنطنیہ کی بشارت دی گئی تھی اور اس لشکر اور قائد لشکر کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ سلطان نے بیان کیا کہ اس فتح سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا عظمت اور عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ سلطان نے کچھ اس انداز سے اور اتنے موثر الفاظ میں خطاب کیا کہ نعرہائے تکبیر، اللہ اکبر سے فضا گونج اٹھی اور پوری فوج اللہ کریم سے اس شہر کی فتح کے لئے دعا کرنے لگی۔ (2)
جنگجو لشکروں کی صفوں میں علماء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جو ان کے شانہ بشانہ جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ علماء کی موجودگی نے فوجیوں کے جذبوں کو مہمیز کیا حتیٰ کہ ہر سپاہی بڑی بے صبری سے جنگ کا انتظار کرنے لگا تا کہ وہ اپنا فریضہ ادا کر سکے۔ (3)
دوسرے دن سلطان نے بری فوج کو مختلف یونٹوں کی صورت میں شہر کی بیرونی فصیلوں کے سامنے مامور کر دیا۔ اس فوج کو تین بڑی یونٹوں میں تقسیم کیا اور انہوں نے مختلف اطراف سے پوری شدت سے محاصرہ کر لیا۔ ایک لشکر ان تینوں لشکروں کے پیچھے، ریزرو کے طور پر متعین کیا تا کہ ضرورت کے وقت اس فوج کی مدد کر سکے۔ ان فصیلوں کے سامنے جگہ جگہ توپیں نصب کر دی گئیں۔ ان میں اہم ترین سلطانی توپ تھی جو بہت بڑی اور وزنی تھی۔ اسے شہر کے "طوب قاپی" دروازہ کے سامنے نصب کیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی دستوں کو شہر کے قریب اور بلند جگہوں پر مامور کیا تا کہ وہ جنگی کارروائیوں پر نظر رکھیں۔ اسی دوران شہر کے اردگرد پانی میں عثمانی کشتیوں کو پھیلا دیا گیا۔ لیکن بڑی زنجیر کی وجہ سے یہ کشتیاں شاخ زریں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ بلکہ جو کشتی بھی آگے بڑھی اور قریب جانے کی کوشش کی اسے تباہ کر دیا گیا۔ البتہ عثمانی بحریہ بحر مارمورا میں امراء کے جزیروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ (4)

1۔ محمد الفاتح: سالم رشیدی ص 82، فتح القسطنطنیہ محمد صفوت ص 57
2۔ سلاطین آل عثمان: ص 25,24
3۔ الفتوحات الاسلامیہ عبر العصور ص 364
4۔ فاتح ص 98، العثمانیون والبلقان ص 89

بیزنطیوں نے قسطنطنیہ کو بچانے کے لئے اپنی تمام کوششیں داؤ پر لگا دیں۔ فوجوں کو فصیلوں پر تقسیم کر دیا۔ اور قلعہ بندیوں کو مضبوط کر دیا۔ سلطانی فوجوں نے شہر پر قبضہ کرنے کے لئے محاصرہ سخت کر دیا۔ محاصرے کے ابتدائی دنوں سے ہی عثمانیوں اور شہر کا دفاع کرنے والی بیزنطینی فوجوں کے درمیان جنگ میں کوئی چیز مخل نہ ہوئی۔ شہادت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور عثمانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد تاج شہادت سر پر سجا چکی تھی۔ بالخصوص وہ افراد جو دروازوں کے قریب متعین تھے۔ عثمانی توپ خانہ مختلف مقامات سے شہر پر گولہ باری کر رہا تھا اور اس کے گولے اور خوفناک آواز بیزنطینیوں کے دلوں میں رعب پیدا کرنے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کر رہے تھے۔ توپ خانہ کی گولہ باری سے فصیلوں میں کئی جگہ شگاف بھی پڑ گئے تھے۔ لیکن مدافعین نے بہت جلد ان رخنوں کو دوبارہ بھر دیا اور فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے کو دوبارہ تعمیر کر دیا۔

یورپ سے مسیحی امداد بھی مسلسل پہنچ رہی تھے جنیوہ سے جو امداد آئی اس میں پانچ بحری جہاز بھی تھے۔ اس بحری لشکر کی قیادت جنیوہ کے سپہ سالار جسٹنین کر رہا تھا اور اس کے ساتھ سات سو رضا کار بھی تھے جو یورپ کے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان بحری بہازوں کی عثمانی بحریہ کے ساتھ مڈ بھیڑ ہوئی لیکن وہ بیزنطینی دارالحکومت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان جہازوں کا پہنچنا تھا کہ بیزنطیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور جسٹنین کو شہر کا دفاع کرنے والی پوری فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ (1)

عثمانی بحری فوجوں نے اس موٹی زنجیر کو توڑنے کی بہت کوشش جس نے شاخ زریں کو نا قابل عبور بنا دیا تھا اور کوئی اسلامی جہاز اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ عثمانی سپاہیوں نے یورپی جہازوں پر کئی بار گولہ باری کی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ جس کی وجہ سے شہر کا دفاع کرنے والی فوجوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ (2)

بشپ اور نصرانی نیچے نہ بیٹھے وہ شہر کی سڑکوں اور قلعہ بندیوں کا چکر پر چکر لگاتے رہے اور مسیحیوں کو ثابت قدمی اور صبر کی تلقین کرتے رہے وہ لوگوں کو ترغیب دیتے رہے کہ وہ کلیساؤں میں جا کر خداوند یسوع مسیح اور سیدہ مریم عذراء والدہ خداوند سے دعا کریں کہ وہ شہر کو نجات دیں۔ قسطنطین بذات خود بھی کئی بار ایا صوفیا چرچ میں گیا اور نجات کے لئے دعا مانگی۔ (3)

محمد الفاتح اور قسطنطین کے درمیان مذاکرات

عثمانی حملہ آوروں نے شہر پر زوردار حملے کئے اور موت کی کچھ پروا نہ کی۔ ان حملہ آوروں میں محمد فاتح کا نام سرفہرست ہے۔ بیزنطینیوں نے شہر کے دفاع میں بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور قسطنطین کی قیادت میں بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ بیزنطینی فرمانروا نے کوشش کی کہ وہ اپنے شہر اور اس کے شہریوں کو اس گرداب بلا سے نکالے خواہ اس کے لئے اسے کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اس نے سلطان کو محاصرہ اٹھا لینے کے عوض مال و دولت، اطاعت اور کئی دوسری طرح سے پیش کش کی لیکن سلطان فاتح رحمۃ اللہ علیہ نے تمام پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور بیزنطینی حکمران سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ شہر اس کے حوالے کر دے (4)۔ سلطان نے وعدہ کیا کہ اگر قسطنطین اس شہر کو جنگ کئے بغیر مسلمانوں کے حوالے کرے گا تو مسلمان کسی

1۔ العثمانیون والبلقان
2۔ محمد فاتح از رشیدی: ص 120
3۔ ایضاً ص 100
4۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: ص 58

شہری اور کسی کلیسا سے تعرض نہیں کریں گے۔

سلطان کے خط کا مضمون یہ تھا۔" اپنی شہنشاہی (یعنی) قسطنطنیہ کا شہر میرے حوالے کر دو۔ میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میری فوج کسی شخص کے مال جان اور عزت وآبرو سے تعرض نہیں کرے گی۔ جس شخص کا جی چاہے گا وہ شہر میں باقی رہ جائے گا اور امن و سلامتی کی زندگی گزارے گا اور جس کا جی چاہے گا امن وسلامتی کے ساتھ جہاں چاہے گا چلا جائے گا۔

آبنائے شاخ زریں چونکہ بیزنطینی بحریہ کے قبضے میں تھی اس لئے یہ محاصرہ نامکمل تھا۔لیکن اس کے باوجود عثمانی لشکر پوری شدت سے فصیلوں پر حملے کر رہا تھا۔ ینگ چری فوج کی شجاعت اور بہادری دیدنی تھی۔توپ کے ہر گولے کے ساتھ سپاہی فصیل کی طرف بڑھتے تھے اور موت کی پرواہ کئے بغیر فصیلوں کو عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔18 اپریل کو عثمانی توپ خانہ نے وادی لیکوس کے نزدیک فصیلوں کے مغربی حصے میں ایک شگاف ڈال دیا۔فوجی اس شگاف کے راستے شہر میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھے لیکن جسٹین کی قیادت میں شہر کا دفاع کرنے والی بیزنطینی فوج سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئی۔کئی مسلمان فوجیوں نے کمند ڈال کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن صلیبی فوج نے ان کی اس کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔دونوں طرف کے بہادر جوانمردی کی ایک نئی تاریخ رقم کر رہے تھے۔اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس جنگ کا انجام کیا ہوگا۔مغربی فصیل میں پڑنے والا شگاف بہت چھوٹا تھا۔جو مسلمان مجاہد اس شگاف سے گزرنے کی کوشش کرتا نصرانی فوج اس پر تیروں کی بارش برسا دیتی نیزہ زنی اور رال کے جلتے ہوئے گولوں کی وجہ سے کسی شخص میں یہ تاب نہیں تھی کہ وہ فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے سے شہر میں داخل ہوتا۔رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا تھا۔دشمن پوری طرح چوکس تھا اور اس چھوٹے سے شگاف کے ذریعے شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔اس لئے سلطان نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔لگتا تھا کہ سلطان کسی اور منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا سوچ رہا ہے۔(1)

عثمانی بحریہ نے پوری کوشش کی کہ زنجیر توڑ کر شاخ زریں تک رسائی حاصل کرے جس کی وجہ سے محاصرہ ابھی تک نامکمل تھا۔لیکن مخالف فوج اور ان کی بحریہ نے مسلمانوں کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔بلکہ اس کوشش میں کئی مسلمانوں کے بحری جہاز بیزنطینی توپوں کا نشانہ بنے اور غرق آب ہوئے۔الغرض یہ کوشش بھی ناکام رہی اور بحریہ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔(2)

عثمانی امیر البحر کی معزولی اور محمد فاتح کی شجاعت

اس معرکہ (18 اپریل) کے دو دن بعد (20 اپریل) کو عثمانی بحریہ اور یورپی جہازوں کے درمیان ایک اور تصادم ہوا۔ یورپی جہاز خلیج میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسلامی بحریہ نے ان پر حملہ کر دیا۔دونوں طرف کے بہادروں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی پوری کوشش کی۔یورپی جہاز آگے بڑھتے گئے۔عثمانی بحریہ نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ کمک شہر تک نہ پہنچنے پائے لیکن مسلمانوں کی ایک نہ گئی اور یورپی جہاز لڑتے بھڑتے آگے بڑھتے چلے گئے۔سلطان ساحل پر کھڑا دونوں بیڑوں کے درمیان جاری یہ جنگ دیکھ رہا تھا اس نے اسلامی بحریہ کے امیر کے نام یہ پیغام بھیجا۔" ان جہازوں پر قبضہ کر لو یا

1۔ محمد الفاتح: عبد السلام فہمی ص 123
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 368

انہیں ڈبودو اور اگر تم سے ایسا کچھ نہیں ہوتا تو خود ڈوب مرو۔ ہمارے پاس زندہ واپس آنے کی ضرورت نہیں۔'' (1)

مسلمانوں نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی لیکن یورپی جہاز اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ نتیجتاً سلطان آگ بگولا ہو گیا۔ اور جب امیر البحر پانی سے باہر آیا تو اس کے ساتھ بہت سختی کی اور اسے بزدلی کا طعنہ دیا۔ امیر البحر جس کا نام بالطہ اوغلی تھا بے حد پریشان تھا۔ لیکن ایک بہادر شخص کے لئے نامردی سے بڑا طعنہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہ بول اٹھا، سلطان میں خوشی سے موت کو گلے لگاتا لیکن میرے لئے یہ بات نہایت ہی تکلیف کا باعث ہوگی کہ میں مروں اور بزدلی کا داغ میرے سر ہو۔ میں نے اور میرے تمام ساتھیوں نے اپنی ساری صلاحیتیں ساری طاقتیں صرف کر دیں لیکن اتنے بڑے بیڑے کے سامنے ہماری ایک نہ گئی۔ امیر البحر کی آنکھیں اشکوں سے بھیگ گئیں۔ اس نے اپنے عمامے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور

محمد فاتح سمجھ گیا کہ امیر البحر بے قصور ہے (2)۔ اس سے درگزر کیا صرف معزولی پر اکتفا کیا اور بالطہ اوغلی کے بعد حمزہ پاشا کو عثمانیہ بحریہ کا امیر مقرر کیا۔ (3)

کتب تاریخ بیان کرتی ہیں کہ سلطان محمد فاتح بحری معرکوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار کنارے کنارے معرکہ کارزار کا مشاہدہ کرتا تھا۔ اس معرکہ میں اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور اسلامی بیڑے کے قریب پہنچ گیا۔ ایسے میں سلطان بلند آواز سے بالطہ اوغلی سے مخاطب ہوا اور چیختے ہوئے کہا۔ اے کپتان! اے کپتان! اور پھر اپنے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اسے احکام صادر کئے۔ اپنے سپہ سالار کی یہ جانفروشانہ ادا دیکھ کر عثمانیوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا لیکن ان کی کوششوں کا کچھ خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ (4)

عثمانی بحریہ کی ناکامیوں کا اس بات میں بہت عمل دخل ہے کہ سلطان کے بعض مشیروں جن میں وزیر خلیل پاشا کا نام سرفہرست ہے، نے یہ کوشش کی کہ سلطان قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا خیال دل سے نکال لے اور شہر کے باسیوں سے اس پر قبضہ کی شرط کے علاوہ کسی اور شرط پر مصالحت کر لے اور محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے لیکن سلطان فتح کی کوشش پر مصر رہا اور ہر طرف سے شہر پر توپوں سے گولہ باری کراتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ شاخ زریں میں اسلامی جہازوں کو پہنچانے کے بارے سوچ و بچار کرتا رہا۔ شاخ زریں کی طرف سے فصیل کچھ زیادہ بلند نہیں تھی۔ سلطان چاہتا تھا کہ کسی صورت جہاز شاخ زریں میں پہنچ جائیں تاکہ مغربی سمت کی حفاظت کی خاطر دشمن کو فوج تقسیم کرنا پڑے اور خشکی کی سمت سے ان پر دباؤ بڑھایا جا سکے۔ (5)

بے مثال جنگی صلاحیت

سلطان محمد فاتح کے دل میں ایک نہایت ہی انوکھی سوچ آئی۔ اس نے جہازوں کو بشکطاش کی بندرگاہ سے شاخ زریں میں لے جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن کیسے؟ گویا ایک معجزہ رونما ہونے والا تھا۔ ایک انہونی بات سامنے آ رہی تھی۔ سلطان نے سوچا کہ جہازوں کو دونوں بندرگاہوں کے درمیان خشکی کے راستے کھینچ کر شاخ زریں تک لایا جائے۔ لیکن پوری رازداری اور

1۔ محمد الفاتح: رشیدی ص 101 2۔ محمد الفاتح: رشیدی: ص 103 3۔ محمد الفاتح: رشیدی: ص 103
4۔ محمد الفاتح: رشیدی: ص 103 5۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 369

احتیاط سے تاکہ جنیوا کے جہاز ان پر حملہ نہ کر دیں۔ دونوں بندرگاہوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً تین میل تھا۔ اور راستہ ہموار اور میدانی نہیں تھا۔ بلکہ اونچے نیچے ٹیلے اور غیر ہموار پہاڑیاں تھیں۔

محمد فاتح نے اپنے جنگی مشیروں کو بلایا ان کے سامنے اپنی یہ انوکھی تجویز رکھی اور اپنی جنگی پالیسی پر بات کی کہ وہ کس طرح کس سمت سے حملہ آور ہونا چاہتا ہے تمام مشیروں نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور بادشاہ کی سوچ کی داد دی۔

اس منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہوا۔ سلطان محمد فاتح نے حکم دیا کہ راستہ ہموار کیا جائے۔ فوج کے بہادر سپاہی اپنے قائد کی اس حیرت انگیز تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جت گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمین ہموار ہوگئی اور چند گھنٹوں میں زمین برابر ہوگئی۔ لکڑی کے تختے لائے گئے جنہیں تیل اور چربی کے ذریعے چکنا کیا گیا تھا۔ پھر ان تختوں کو ہموار زمین پر اس طرح بچھایا گیا کہ جہاز آسانی سے پھسل سکیں اور بسہولت کھینچے جاسکیں۔ سب سے مشکل کام تھا بلند ٹیلوں کی ڈھلوانوں پر سے جہازوں کو آگے لے جانا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ عثمانی بحریہ کے زیادہ تر جہازوں کا حجم کم تھا اور وزن ہلکا تھا۔(1)

باسفورس سے خشکی کی طرف جہازوں کو کھینچ کر لایا گیا جہاں سے انہیں تیل لگے چکنے تختوں کی مدد سے تین میل کھینچ کر اس جگہ پہنچا دیا گیا جہاں ہر طرح سے امن تھا اور کسی طرف سے حملے کا اندیشہ نہیں تھا۔ جب رات ہوئی اور تاریکی چھا گئی تو بڑی راز داری سے ان جہازوں کو شاخ زریں کے پانیوں میں اتار دیا گیا۔ ان جہازوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ یہ سلطان کا ایک بے مثال کارنامہ تھا۔ اس سے پہلے اس طرح کا کام کسی سپہ سالار کے ہاتھوں سرانجام نہیں پایا تھا۔ دشمن جب غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ سلطان محمد فاتح خشکی پر سے جہازوں کی منتقلی کے کام کا خود معائنہ کر رہا تھا اور دشمن کی نظروں سے اوجھل جہازوں کو دشمن کے عقب میں اتار رہا تھا۔(2)

یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا اور جس دور میں یہ وقوع پذیر ہوا اس دور کے لحاظ سے ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔ اس سے کمال فراست اور کام کرنے کی کمال استعداد کی عکاسی ہوتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عثمانیوں کو رب قدوس نے بے مثال فراست کمال مہارت اور عظیم ہمتوں سے نوازا تھا۔ جب رومیوں کو معلوم ہوا کہ عثمانی جہاز رات کے اندھیرے میں خشکی کے راستے شاخ زریں میں اتر آئے ہیں تو ان پر خوف و دہشت چھا گئی۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ایسا ہو گیا ہے۔ لیکن وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کی وجہ سے اس ماہرانہ منصوبہ بندی پر ان کا یقین کرنا ضروری تھا۔

کھلے ہوئے بادبانوں کے ساتھ کھیتوں کے درمیان میں جہازوں کے چلنے کا یہ منظر کیا ہی حیرت افزا اور حوصلہ بخش اور ہیبت ناک ہوگا گویا سمندری طوفان کا انہیں سامنا ہے اور وہ اٹھتی موجوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا۔ پھر یہ کریڈٹ سلطان کی ہمت، کمال دیانت اور بلند ہمتی کو جاتا ہے جنہوں نے ہر قیمت پر اس ناقابل تسخیر شہر کو فتح کرنے کے لئے یہ منصوبہ تشکیل دیا۔ نیز عثمانی سلطنت کے انجینئر اور کام کرنے والے بہت سے ہاتھوں کو جاتا ہے جنہوں نے پورے جذبے اور حوصلے سے اس بڑے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔

1۔ السلطان محمد فاتح: عبدالسلام فہمی: ص 100
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 370

یہ سب کچھ صرف ایک رات میں ہوا۔ قسطنطنیہ کے باسی ابھی تک اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کر رہے تھے۔ 22 اپریل کی صبح کو جب ان کی آنکھ کھلی تو شاخ زریں میں ہر طرف عثمانیوں کے فلک شگاف نعروں، ایمان افروز ترانوں اور اللہ اکبر کی تکبیروں کی آواز گونج رہی تھی۔ عثمانی جہاز فوراً سمندری راستے پر قابض ہو گئے۔ اب قسطنطنیہ کا دفاع کرنے والی فوج اور عثمانی سپاہ کے درمیان کوئی رکاوٹ باقی نہیں تھی۔(1)

ایک بیزنطینی مورخ نے اس کارنامے کے بارے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے "ہم نے اس طرح کا معجزہ نہ پہلے دیکھا اور نہ اس کے بارے سنا۔ محمد فاتح نے زمین کو سمندر میں تبدیل کر دیا اور موجوں کی بجائے اپنے جہازوں کو پہاڑ کی چوٹیوں پر چلایا اس کارنامے کی وجہ سے محمد ثانی سکندر اعظم سے بھی سبقت لے گیا ہے"۔(2)

قسطنطنیہ کے رہنے والوں میں مایوسی کے آثار نمایاں ہونے لگے طرح طرح کی افواہیں اور باتیں ہونے لگیں۔ یہ افواہ بھی عام ہوئی کہ قسطنطنیہ اس وقت فتح ہوگا جب جہاز خشکی پر چلیں گے"۔(3)

اسلامی جہازوں کی شاخ زریں میں موجودگی کا شہر کا دفاع کرنے والی فوج کے مورال (morale) پر بہت برا اثر ہوا اور ان کی معنوی روح (جذبوں) کو بہت ضعف پہنچا۔ یہ لوگ مجبور ہو گئے کہ دوسری طرف کی فصیلوں کا دفاع کرنے والی فوج کی ایک بہت بڑی تعداد کو شاخ زریں کی طرف پست فصیل کے دفاع پر متعین کریں تا کہ اس طرف سے مسلمانوں کے حملوں کو روکا جا سکے۔ کیونکہ یہ دیوار بہت کمزور تھی اور اس سے پہلے سمندری پانی اس کی حفاظت کرتے تھے سو فوجوں کی تقسیم نے دوسری فصیلوں کے دفاع کو متاثر کر دیا۔(4)

بیزنطینی فرمانروا نے شاخ زریں میں عثمانی بحریہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے کئی تدبیریں کیں لیکن اس کی جاں فروشانہ کوششیں جن کو عثمانی فوج وقت سے پہلے بھانپ لیتی تھی کارگر ثابت نہ ہوئیں اور سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ عثمانیوں نے شہر کا دفاع کرنے والے مورچوں اور فصیلوں پر مسلسل گولہ باری کی۔ اور کمندیں ڈال کر دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کی۔ بیزنطینی فوج بھی فصیلوں کی تعمیر اور شگافوں کو بھرنے میں جت گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے دیواروں کو پھاندنے کی جب بھی کوشش ہوتی اسے ناکام بنا دیا جاتا۔ مسلمانوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا جس کی وجہ سے محصورین کی مشقت تھکاوٹ اور پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ وہ دن رات مشغول رہے اور کافی حد تک پریشان ہو گئے۔(5)

عثمانیوں نے باسفورس اور شاخ زریں کے قریبی ٹیلوں پر توپیں نصب کر دیں تا کہ بیزنطینی جہازوں اور ان کے مددگار جہازوں کو نشانہ بنایا جا سکے۔ اس تدبیر نے دشمن کے جہازوں کی نقل و حرکت کو ناممکن بنا دیا اور دشمن کی بحریہ شاخ زریں باسفورس اور اردگرد کے پانیوں میں پوری طرح مفلوج ہو کر رہ گئی۔(6)

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 370
2۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: یلماز اوزتونا۔ ص 135
3۔ محمد فاتح: ص 106
4۔ محمد فاتح ص 106
5۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 371
6۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 371

قسطنطین کی اپنے مددگاروں سے میٹنگ

قسطنطین، اس کے مددگاروں، مشیروں اور نصرانی سرداروں نے شہر میں ایک میٹنگ کی۔ شرکاء میٹنگ نے قسطنطین کو مشورہ دیا کہ وہ کسی طرح یہاں سے نکل جائے اور مسیحی قوموں اور یورپی ملکوں سے امداد طلب کرے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ نصرانی لشکر آ جائیں اور محمد فاتح محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن قسطنطین نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے کہا کہ وہ آخری لمحہ تک مقابلہ کرے گا اور اپنی رعایا کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ تاکہ شکست کی صورت میں اس کا مدفن اپنی رعایا کے ساتھ ہو۔ اس نے کہا اس شہر میں رہ کر اس کا دفاع کرنا ایک مقدس فریضہ ہے اور میں اس فریضے کو ضرور ادا کروں گا۔ لہٰذا شرکاء مجلس مجھے یہ مشورہ ہرگز نہ دیں کہ میں شہر چھوڑ کر نکل جاؤں۔ الغرض قسطنطین نے وفود بھیجے جنہوں نے قسطنطین کی نمائندگی کی۔ یہ وفود امداد کی خاطر یورپ کے کونے کونے میں گئے(1)۔ لیکن خائب و خاسر واپس آئے اور محمد فاتح کے خلاف انہیں کہیں سے امداد نہ مل سکی۔

دولت عثمانیہ کے خبر رساں اداروں نے قسطنطنیہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو چھان مارا اور خبر رسانی کی انتہاء کر دی۔ عثمانی قیادت اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کے بارے تمام معلومات رکھتی تھی۔

عثمانیوں کی طرف سے نفسیاتی حملہ

سلطان محمد ثانی نے فصیلوں پر حملوں کا زور بڑھا دیا اور ہر حملے کو ٹھوس اور سخت کر دیا تاکہ وہ منصوبہ جو دشمن کو کمزور کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے اس میں کامیابی ہو۔ عثمانی فوجوں نے فصیلوں پر حملوں کی کارروائی اور کمند ڈال کر دیواروں پر چڑھنے کی کوشش جاری رکھی۔ ہر حملہ اور کوشش شجاعت و بہادری اور ایثار و قربانی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے شاہ قسطنطین کی فوجوں کا دل دہلا رہے تھے اور عثمانیوں کے ترانے ان پر بجلی بن کر گر رہے تھے۔(2)

سلطان محمد فاتح نے بڑی بڑی توپوں کو غلطہ کے پیچھے پہاڑی چوٹیوں پر نصب کرانا شروع کیا اور ان توپوں نے بندرگاہ کی طرف گولہ باری شروع کر دی۔ ایک گولہ ایک تجارتی جہاز کو جا لگا جو اسی وقت غرق آب ہوا۔ دوسرے جہازوں پر خوف طاری ہوا اور وہ وہاں سے نکل بھاگے۔ اور غلطہ کی فصیل کی جا کر پناہ لی۔ عثمانی فوج کے بری حصہ نے بجلی کی تیزی سے یکے بعد دیگرے کئی حملے کئے اور نصرانی فوجوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

سلطان محمد فاتح رات دن بغیر کسی وقفہ کے بری اور بحری علاقوں پر حملے کرتا رہا اور آگ پھینکتا رہا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ محاصرین کی طاقت جواب دے جائے اور رات دن کے کسی حصے میں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہ کر سکیں۔ اس طرح ان کے ارادے پست ہو جائیں گے۔ ان کے دل کمزور اور مردہ اور ان کے اعصاب بوجھل اور ناکارہ ہو جائیں گے۔ اور ایک چھوٹی بات بھی ان کے لئے پہاڑ ثابت ہو گی۔ یہ ایک نفسیاتی جنگ تھی اور سلطان اس کی منصوبہ بندی کر کے اس کو عملی جامہ پہنا

1۔ محمد فاتح: ص 116
2۔ محمد فاتح: 106

چکا تھا۔ محصور فوج ایک دوسرے کے چہروں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور ان کے چہروں پر چھایا خوف و ہراس اور مایوسی کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے کہ اس بلا نا گہانی سے نجات کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا اس عذاب سے ہماری روحیں چھٹکارا حاصل کر لیں گی وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اگر عثمانیوں کو شہر میں داخل ہونے میں کامیابی ہوگئی تو وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

شاہ قسطنطین نے مجبوراً دوبارہ مجلس مشاورت منعقد کی۔ ایک نصرانی سپہ سالار نے یہ تجویز پیش کی کہ عثمانیوں پر ایک سخت حملہ کیا جائے اور بیرونی دنیا تک پہنچنے کے لئے راستہ بنایا جائے۔ یہ مجلس مشاورت قائم تھی اور مختلف تجاویز پیش ہو رہی تھیں کہ ایک فوجی بھاگتا ہوا اس کانفرنس میں آ گھسا اور شرکاء کانفرنس کو بتایا کہ عثمانیوں نے وادی لیکوس پر بہت بڑا اور سخت ترین حملہ کر دیا۔ قسطنطین نے کانفرنس ختم کر دی، چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنی محافظ فوج کو ساتھ لئے میدان جنگ میں کود پڑا۔ رات گئے تک جنگ جاری رہی اور بالآخر عثمانی فوج واپس چلی گئی۔ (1)

سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ اچانک حملے پر حملہ کرتا تھا۔ اور ہر حملہ میں نئی جنگی تکنیک، محاصرہ کا نیا انداز اور نفسیاتی جنگ کا ایک انوکھا طریقہ کام میں لاتا تھا۔ اس کی ہر جنگی چال پہلے سے مختلف ہوتی تھی جس سے دشمن کلی طور پر ناواقف ہوتا تھا۔ (2)

محاصرے کے ابتدائی مراحل میں عثمانی فوجوں نے شہر میں داخل ہونے کے لئے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا۔ زیر زمین سرنگیں کھود کر مختلف مقامات سے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی گئی۔ جب شہر کی محافظ فوج نے زیر زمین سخت ضربوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ شہر سے قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ شاہ قسطنطین اپنے فوجی جرنیلوں اور مشیروں کو ساتھ لئے بڑی تیزی سے اس جگہ پہنچا جہاں سے ضربوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ فوراً بھانپ گئے کہ عثمانی فوج سرنگیں کھود کر شہر میں داخل ہونے کی تدبیر کر رہی ہے۔ دفاعی فوج بھی حملہ آور فوج کی سرنگوں کے بالمقابل اسی طرح کی سرنگیں کھود کر اس حملے کے جواب کے لئے مستعد ہوگئی۔ بیزنطینی فوج بڑی رازداری سے یہ سرنگیں کھود رہی تھی۔ اور مسلمانوں کو ذرا بھی علم نہیں تھا کہ ان کے بالمقابل سرنگیں کھودی جا رہی ہیں۔ عثمانی جب سامنے والی اس سرنگ تک پہنچے جو ان کے لئے تیار کی گئی تو وہ سمجھے شاید وہ ان تہہ خانوں یا خفیہ سرنگوں تک پہنچ گئے ہیں جو شہر میں جاتی ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے لیکن فرحت و انبساط کے یہ لمحے کچھ زیادہ طویل نہیں تھے۔ فوراً رومی فوج نے انہیں آ لیا اور ان پر آگ کے آلاؤ اور جلتی ہوئی رال پھینکی جس کی وجہ سے بہت سے آدمی جو سرنگوں میں موجود تھے دم گھٹ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کچھ جل گئے اور جو زندہ بچے جہاں سے آئے تھے وہاں واپس چلے گئے۔ (3)

لیکن یہ ناکامی عثمانیوں کے حوصلے پست نہ کر سکی۔ انہوں نے سرنگیں کھودنے کا دوبارہ پروگرام بنایا۔ ''اکری فو'' اور شاخ زریں کے کنارے کے درمیان پھیلا ہوا علاقہ سرنگیں کھودنے کے لئے مناسب تھا۔ مسلم فوجوں نے بڑی جانفشانی سے مختلف جگہوں سے سرنگیں کھودنا شروع کر دیں اور محاصرہ کے آخری دن تک ان کی یہ کوشش جاری رہی۔ اس جرأت اور بہادری کی وجہ سے اہل قسطنطنیہ پر اس قدر خوف و ہراس چھایا کہ بیان سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ چل رہے ہوتے تھے اور اپنے

1۔ السلطان محمد الفاتح: ص 108 2۔ ایضاً 3۔ الفتوح الاسلامیہ عبد العصور: ص 372

قدموں کی چاپ سنتے تو انہیں گمان ہوتا کہ یہ کدالوں اور کسیوں کی آواز ہے اور عثمانی پھر سے سرنگیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ کئی بار انہیں یہ وہم گزرا کہ زمین پھٹ جائے گی اور اس سے عثمانی فوج نکل کر شہر کے گلی کوچوں کو بھر دے گی۔ وہ اچانک دائیں دیکھتے اور پھر فوراً اپنے بائیں نظر دوڑاتے کبھی گھبراہٹ سے ادھر اشارہ کرتے اور کبھی ادھر اور کہہ اٹھتے وہ ترک آ رہا ہے۔ دیکھو وہ شخص ترک لگتا ہے اپنے سایے سے ڈرنے لگے تھے۔ اپنی پرچھائی دیکھتے تو کہہ اٹھتے ترک انہیں بھگا رہے ہیں۔ افواہیں عام تھیں۔ لوگ ایک دوسرے کو جھوٹی خبریں اس انداز سے سنا رہے تھے کہ جیسے وہ حقیقت ہوں اور کسی نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہو۔ اس طرح قسطنطنیہ کے باسیوں میں شدید خوف و ہراس پایا جاتا تھا حتیٰ کہ اس خوف کے سبب ان کے ذہن ماؤف ہو گئے تھے یوں لگتا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں ہیں حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں تھے۔ ایک گروہ جرأت سے کام لے رہا تھا تو دوسرا خوف کے مارے ٹکٹکی باندھے آسمان کو دیکھ رہا تھا ایک فریق غور و فکر کرتے ہوئے زمین کرید رہا تھا تو ایک اپنے ساتھیوں کے چہروں کو ناکامی اور واضح اپنائیت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

عثمانیوں کا کام کچھ آسان نہیں تھا۔ سرنگیں جو وہ کھود رہے تھے ان کے کئی جوانوں کو زندہ درگور کر چکی تھیں۔ کئی جوان دم گھٹنے سے اور کئی زمین کے باطن میں جل کر ابدی نیند سو گئے تھے۔ اور ان کوششوں کے دوران ایک بہت بڑی تعداد رومیوں کے ہاتھوں قید ہو گئی تھی جن کے سر کاٹ کر رومیوں نے عثمانیوں کے فوجی پڑاؤں میں پھینک دیے تھے۔(1)

عثمانی فوجوں کا غیر متوقع حملہ

شہر میں گھسنے کے لئے عثمانیوں نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ لکڑی کے تختوں سے ایک بہت بڑا اور بلند چلتا پھرتا قلعہ بنایا۔ اس موبائل (mobile) قلعہ کی تین منزلیں تھیں۔ یہ مصنوعی قلعہ شہر کی فصیلوں سے زیادہ اونچا تھا۔ اس قلعہ کو زرعوں اور گیلے چمڑے کا لباس پہنا دیا گیا تا کہ آگ اثر نہ کرے۔ ہر منزل میں آدمی بٹھا دیے گئے۔ اوپر والی منزل میں تیرانداز تھے جو ہر اس شخص کو نشانہ بناتے تھے جو فصیل سے سر نکالتا تھا۔ جب عثمانی اس قلعہ کو لیکر آگے بڑھے تو شہر کا دفاع کرنے والوں کے دلوں پر رعب چھا گیا۔ مسلمان اپنے اس متحرک قلعہ کو "باب رومانوس" کی فصیل کے قریب لائے۔ شاہ قسطنطین بذات آگے بڑھا اور اس کے ساتھ اس کے سپہ سالار بھی تھے تا کہ وہ اس متحرک قلعہ کی راہ روکیں اور اسے فصیل سے پیچھے دھکیلنے کی سبیل کریں۔ عثمانی اسے فصیلوں تک لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعہ فصیل سے جوڑ دیا گیا اور متحرک قلعہ والوں اور فصیلوں پر موجود نصرانی فوجوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ معرکہ کارزار خوب گرم ہوا۔ مسلمان قیدی جو ابھی تک قلعہ میں زندہ تھے۔ فصیلوں پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور قید سے رہائی پائی۔ قسطنطین کو یقین ہو گیا کہ شکست ہو کر رہے گی۔ لیکن محصورین نے قلعے پر خوب آتش باری کی حتیٰ کہ اس کا قلعہ پر بھی اثر ظاہر ہوا۔ متحرک قلعہ آگ پکڑ گیا۔ اور جل گیا اور اپنے قریب بیزنطی برجوں پر گر پڑا۔ اس قلعہ میں جتنے دفاع کرنیوالے سپاہی تھے تمام کو قتل کر دیا گیا۔ اور خندق کو مٹی اور پتھروں سے بھر دیا گیا۔(2)

عثمانی مایوس نہ ہوئے اور کوشش کرتے رہے۔ فاتح جو اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہنے لگا کل ہم ایسے چار

1۔ السلطان محمد فاتح: ص 110 2۔ محمد فاتح رشیدی: ص 144

متحرک قلعے اور بنائیں گے۔(1)

محاصرہ طول پکڑ گیا اور اس میں سختی برتی گئی حتیٰ کہ بیزنطینی تھک ہار گئے۔ 24 مئی کو سرداران شہر نے شاہی محل میں میٹنگ کی جس میں قسطنطین بذات خود شریک ہوا۔ میٹنگ میں شریک سب لوگ افق پر یاس وقنوط کے چھائے ہوئے بادل دیکھ رہے تھے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ وہ شہر فتح ہونے سے پہلے نکل جائیں لیکن بادشاہ نے دوبارہ اس تجویز کو رد کر دیا اور شہر میں رہنے کے عزم کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ آخری لمحہ تک اپنی رعایا کے ساتھ رہے گا۔ میٹنگ ختم ہوئی تو بادشاہ محل سے باہر آیا اور فصیلوں اور قلعہ بندیوں کا معائنہ کرنے لگا۔

کئی افواہیں شہر میں گردش کر رہی تھیں اور شہر کا دفاع کرنے والی فوجوں کے حوصلے پست ہو رہے تھے۔ ان افواہوں میں سب سے اہم 16 جمادی الاول بمطابق 25 مئی کو پیش آنے والا واقعہ تھا۔ ہوا یہ ہے کہ شہری حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مورتی اٹھائے شہر میں گھوم رہے تھے دعائیں کر رہے تھے اور دشمنوں کے خلاف مدد کی درخواست کر رہے تھے کہ اچانک مورتی ان کے ہاتھوں سے گری اور چکنا چور ہو گئی۔ مورتی کا یوں ٹوٹنا مسیحیوں کے نزدیک ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ جو آنے والے کسی خطرناک امر کی طرف اشارہ تھا۔ شہر کے رہنے والے اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے بالخصوص شہر کا دفاع کرنے والی فوج بے حد پریشان ہوئی۔ پھر دوسرا دن یعنی 26 مئی کو ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ زوردار بارش ہوئی۔ بجلی چمکی اور آسمانی آگ کا ایک گولہ عین آیا صوفیہ کی چھت پر آ کر گرا۔ بشپ نے اسے شہر کے لئے بدشگونی خیال کیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ شہر عنقریب عثمانی مجاہدوں کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ بشپ کی یہ باتیں سن کر بادشاہ اس قدر پریشان ہوا کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔(2)

عثمانی توپ خانہ مسلسل گولہ باری کر رہا تھا اور فصیلوں اور قلعہ بندیوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ فصیل میں اب جگہ جگہ رخنے پیدا ہو گئے تھے۔ عثمانی لشکریوں نے قلعہ سے گرے ہوئے پتھروں اور اینٹوں سے خندقوں کو پر کرنا شروع کر دیا تھا اور یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ کسی بھی لمحے مسلمان حملہ کر کے شہر میں گھس جائیں گے لیکن کس جگہ سے شہر میں داخل ہونگے قطعی طور پر ابھی تک کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔(3)

محمد فاتح اور قسطنطین کے درمیان آخری مذاکرات

محمد فاتح کو اس بات کا یقین کامل ہو چکا تھا کہ شہر فتح ہونے کو ہے۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ خونریزی نہ ہو۔ اس لئے اس نے شہر میں امن وسلامتی سے داخلے کی کوشش کی بادشاہ کے نام ایک خط تحریر کیا اور اسے خونریزی کے بغیر شہر عثمانیوں کے حوالے کرنے کی ترغیب دی۔ اور اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ وہ خود، اس کے اہل خانہ، اعوان وانصار اور تمام لوگ جہاں چاہیں گے امن کے ساتھ جا سکیں گے (4)۔ شہر میں کسی قسم کی خونریزی نہیں کی جائے گی کسی کو تکلیف نہیں دی جائے گی۔ لوگوں کو اختیار

1۔ السلطان محمد فاتح: ص 122
2۔ محمد فاتح۔ رشیدی: ص 118
3۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 375
4۔ محمد فاتح۔ رشیدی: ص 119

دیا جائے گا۔ چاہیں تو اسی شہر میں رہیں چاہیں تو نکل جائیں۔ جب یہ خط بادشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہنچا تو اس نے مجلس مشاورت منعقد کی اور معاملہ لوگوں کے سامنے رکھا۔ بعض لوگوں نے شہر عثمانیوں کے حوالے کرنے کی تجویز دی۔ بعض نے آخری سانس تک دفاع کرنے پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے جنگ کرنے کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور محمد فاتح کو جواباً خط لکھا میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ سلطان صلح کی طرف مائل ہوا ہے۔ میں سلطان کو بخوشی جزیہ دوں گا۔ رہا قسطنطنیہ! تو میں قسم کھاتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک اس کا دفاع کروں گا۔ یا تو میں اپنے پایہ تخت کی حفاظت میں کامیاب ہو جاؤں گا یا اس کی فصیلوں کے نیچے دفن ہو جاؤں گا(1)۔ یہ خط جب سلطان محمد فاتح کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: ''اچھا بہت جلد قسطنطنیہ کا تخت میری ملکیت ہوگا یا یہ شہر میرا مدفن بن جائے گا۔''(2)

جب سلطان کو یقین ہو گیا کہ بیزنطینی شہر حوالے نہیں کریں گے تو انہوں نے زوردار حملوں کا حکم دے دیا۔ بالخصوص توپ خانے کو حکم دیا کہ وہ اپنی کارروائی تیز کرے۔ مسلمانوں نے حملوں کا زور بڑھا دیا اور توپ خانہ نے تو اس قدر گولہ باری کی کہ بڑی شاہی توپ کثرت استعمال کی وجہ سے پھٹ گئی جو لوگ اس توپ کو چلا رہے تھے ان کا نگران معروف آہن گر اوربان تھا جس نے فوراً اس توپ کو درست کیا۔ سلطان نے آگ اگلتی توپوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے تیل کے استعمال کا حکم دیا۔ یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور ایک مرتبہ پھر شہر پر گولوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ بلکہ مسلمانوں توپچیوں نے اس مہارت سے گولہ باری کی کہ گولے فصیلوں اور قلعہ بندیوں سے گزر کر شہر کے وسط میں گرنے لگے۔(3)

سلطان محمد فاتح کی مجلس شوریٰ کا انعقاد

سلطان محمد فاتح نے شورائی مجلس کا اہتمام کیا جس میں مشیر، سپہ سالاران فوج اور علماء ومشائخ سب شریک ہوئے۔ سلطان نے حاضرین مجلس سے مطالبہ کیا کہ وہ بغیر کسی تردد کے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کریں اور مشورہ دیں کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں نے محاصرہ اٹھالینے کا مشورہ دیا۔ ان لوگوں میں سلطان کے وزیر خلیل پاشا پیش پیش تھے۔ پاشا نے کہا کہ ہمیں محاصرہ اٹھا لینا چاہئے۔ اور اگر مسلمان شہر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیتے ہیں تو اس میں خون ریزی سے اجتناب کرنا چاہیے اور مسیحی یورپ کی ناراضگی مول نہیں لینی چاہئے۔ اس کے علاوہ اس نے کئی اور باتیں بھی کیں کہا جاتا ہے کہ در پردہ خلیل پاشا بیزنطیوں سے ملا ہوا تھا اور ان کو بچانا چاہتا تھا۔(4)

حاضرین میں سے بعض لوگوں نے فتح تک حملے جاری رکھنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ ہمیں یورپ اور یورپ کی فوجوں کو نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ فتح کو مکمل کرنے کے لئے سپاہ میں جوش اور ولولہ پیدا کرنا چاہئے۔ اور ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیں جن سے ان کا جہادی جذبہ پست ہوتا ہو۔ یہ رائے ایک بہادر سپہ سالار کی تھی جس کو کئی دوسرے لوگوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ ان کا نام ''زوغنوش پاشا'' تھا۔ یہ البانی الاصل تھے۔ جو پہلے

1۔ محمد الفاتح: عبدالسلام فہمی: ص116
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص376
3۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور ص376
4۔ فتح القسطنطنیہ: محمد صفوت: ص103، الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص377

نصرانی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے سلطان کے سامنے یورپی فوجوں کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی اور تجویز دی کہ سلطان کو قطعاً محاصرہ نہیں اٹھانا چاہئے۔

تاریخ کی کتابوں نے زوغنوش پاشا کے موقف کو اس طرح ذکر کیا ہے انہوں نے کہا'' سلطان محمد فاتح نے جونہی زوغنوش سے اس کی رائے پوچھی تو وہ یوں بیٹھ گیا جیسے ابھی اٹھنے کے لئے تیار ہے۔ اور ترکی زبان میں قدرے چیختے ہوئے گویا ہوا۔ حاشا وکلا اے سلطان ہرگز ہرگز نہیں۔ خلیل پاشا نے جو رائے دی ہے میں اسے کبھی قبول نہیں کروں گا۔ ہم یہاں صرف اس لئے آئے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جانیں ہار دیں۔ اس لئے نہیں آئے کہ واپس پلٹ جائیں۔ ان کی گونج دار اس آواز نے حاضرین کو بہت متاثر کیا اور لمحہ بھر کے لئے مجلس پر خاموشی طاری رہی۔ زوغنوش پاشا نے اس سکوت کو توڑا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ خلیل پاشا اپنی اس بات کے ذریعے تمہارے اندر سے حمیت وغیرت کی آگ بجھانا چاہتا ہے۔ وہ شجاعت و بہادری کا گلہ گھونٹنا چاہتا ہے لیکن اسے ہر صورت منہ کی کھانا ہوگی۔ ناکامی اور نامرادی کے علاوہ اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ سکندر اعظم کا لشکر جو یونان سے اٹھا۔ ہندوستان پہنچا اور ایشیا کے ایک وسیع اور بہت بڑے علاقے پر قبضہ جما لیا۔ ہمارے اس لشکر سے بڑا نہیں تھا۔ اگر سکندر اعظم کا لشکر ان وسیع وعریض علاقوں پر قبضہ کر سکتا ہے تو ہمارا لشکر پتھروں کے اس ڈھیر سے کیوں نہیں گزر سکتا۔

خلیل پاشا کا کہنا ہے مغربی حکومتیں ہم پر حملہ آور ہو جائیں گی۔ اور ہم سے فتح قسطنطنیہ کا انتقام لیں گی۔ لیکن یہ مغربی ممالک ہیں کیا؟ کیا وہی لاطینی ممالک جو ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہیں؟ کیا بحر متوسط کے ملک جو سوائے ڈاکہ زنی اور چوری چکاری کے کچھ کر نہیں سکتے؟ اگر یہ ممالک بیزنطینیوں کی مدد کرنے کے اہل ہوتے تو اب تک میدان میں آ چکے ہوتے اور انکے لشکر ہم سے برسر پیکار ہوتے۔ ان کے جہاز سمندر کی لہروں کو چیرتے ہوئے ہمارے جہازوں سے ٹکرا چکے ہوتے۔ ہم فرض کرتے ہیں قسطنطنیہ کے سقوط کے بعد یورپ پورا ہم پر ٹوٹ پڑتا ہے اور ہم سے جنگ کرتا ہے تو کیا ہم بے حس وحرکت ان کے سامنے کھڑے رہیں گے۔ کیا ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے پاس ایسا لشکر نہیں جو ہماری عزت وکرامت کی حفاظت کر سکے؟

اے سلطنت کے مالک! آپ نے مجھ سے میری رائے دریافت کی ہے۔ میں واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہوں۔ ضروری ہے کہ ہمارے دل پتھر کی مانند ہوں۔ ضروری ہے کہ ہم کسی سستی وکاہلی کے بغیر جنگ جاری رکھیں۔ اس کام کو ہم نے شروع کیا ہے اب ہم پر لازم ہے کہ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ ہمیں اپنے حملوں میں شدت اور تیزی لانا چاہئے۔ ہمیں نئے رخنے پیدا کرنے چاہئیں ہمیں دشمن پر مردانہ وار ٹوٹ پڑنا چاہئے۔ میں تو صرف یہی جانتا ہوں اور اس کے علاوہ کوئی اور بات عرض کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔(1)

یہ باتیں سن کر محمد فاتح کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اس کا دل بہت خوش ہوا۔ وہ سپہ سالار طرخان کی طرف مڑا اور اس سے

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، ص 377

اس کی رائے طلب کی طرخان نے فوراً جواب دیا۔ زوغنوش پاشا نے جو بات کی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اے میرے شاہ! میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ سلطان نے اپنے مرشد آق شیخ شمس الدین اور مولانا کورانی سے ان کی رائے کے بارے استفسار کیا۔ سلطان ان پر پورا پورا اعتماد کرتا تھا انہوں نے بھی زوغنوش پاشا کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا: ''جنگ جاری رکھنا ضروری ہے اللہ نے چاہا تو عنقریب ہمیں کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی۔''(1)

یہ باتیں سن کر حاضرین میں جوش و ولولہ کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان محمد فاتح بہت خوش ہوا اور دونوں بزرگوں کی فتح و نصرت کی دعا کی وجہ سے اسے بہت اطمینان حاصل ہوا۔ اور بے ساختہ اس کے دل سے یہ جملہ نکلا۔ میرے آباء و اجداد میں کون طاقت و قوت میں میری طرح تھا؟''(2)

جنگ جاری رکھنے کی رائے کو علماء کی تائید حاصل ہوگئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کیونکہ یہ انہیں کی رائے کی ترجمانی تھی۔ وہ تمام جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھے۔ محفل سلطان کی ان ہدایات پر برخاست ہوئی۔ ''رات بڑی تیزی سے گزر رہی ہے۔ کل انشاء اللہ ہم شہر پر زوردار حملہ کریں گے اور مناسب موقع کی تلاش میں رہیں گے۔ ہماری فوج کو چاہئے کہ وہ کل کے حملہ کے لئے تیار رہے''۔(3)

محمد فاتح فوج کو حملے کی ہدایات دیتا اور خود اس حملے کی نگرانی کرتا ہے

18 جمادی الاول بمطابق 27 مئی کو سلطان نے اپنی سپاہ کو تلقین کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کا اظہار کریں۔ اپنے دلوں کو شیطانی وساوس اور برے خیالات سے پاک کریں اور نماز، اطاعت، عاجزی اور اس کے حضور میں التجا کر کے اس کا قرب حاصل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ فتح کو ان کے لئے آسان بنا دے۔ سلطان کے یہ ارشادات تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔ ہدایات دینے کے بعد سلطان نے شہر کی فصیلوں کا معائنہ کیا۔ ان کی موجودہ حالت کو دیکھا۔

دفاع کرنے والی فوج کے بارے جو اطلاعات ان تک پہنچی تھیں ان کے بارے مزید معلومات حاصل کیں۔ ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں گولہ باری مقصود تھی۔ اپنی فوج کی حالت کو دیکھا اور ان کو کوشش اور دشمن کے خلاف جہاد میں تمام وسائل قربان کرنے کی تلقین کی۔ غلطہ کے باسیوں کو دوبارہ پیغام بھیجا کہ جس طرح وہ اب تک غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں آئندہ بھی اسی غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں اور مسلمانوں سے کئے گئے معاہدہ پر قائم رہیں۔ جنگ کی وجہ سے ان کا جتنا بھی نقصان ہوگا مسلمان اس کو پورا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔

اسی دن شام کے وقت عثمانی لشکر نے اپنے پڑاؤ کے چاروں طرف آگ کے بڑے بڑے آلاؤ روشن کئے اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صداؤں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا(4)۔ حتیٰ کہ رومیوں کو خیال گزرا کہ عثمانیوں کے کیمپ میں آگ بھڑک اٹھی ہے۔ لیکن فوراً ہی ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عثمانی فوج فتح سے پہلے فتح کا جشن منا رہی ہے۔ اس جشن فتح سے ان کے دلوں میں

1۔ محمد فاتح۔ ص 122
2۔ ایضاً
3۔ تاریخ الدولہ العلیہ محمد فرید: ص 164
4۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: یوسف آصاف: ص 60

رعب پیدا ہوا اور ان کی پریشانی پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔ دوسرے دن 28 مئی کو عثمانی لشکر کی جنگی تیاریاں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ توپیں بیزنطینیوں پر گولے برسا رہی تھیں۔ سلطان گھوڑے پر سوار جنگی کارروائیوں کی خود نگرانی کر رہا تھا اور اپنی فوج کے ہر دستے کو ہدایات دے رہا تھا محمد فاتح کی آواز گونج رہی تھی۔ ''مسلمانو! یہ جنگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ اللہ تمہیں فتح عطا کرے۔ جانیں اس کی راہ میں قربان کر دو جہاد سے اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دو''۔(1)

سلطان محمد فاتح جب بھی کسی دستے کے پاس سے گزرتا انہیں خطاب کرتا۔ انہیں غیرت دلاتا اور انہیں بتاتا قسطنطنیہ کی فتح سے انہیں بہت بڑا شرف، ہمیشہ کی عزت وعظمت اور بے انداز ثواب نصیب ہوگا۔ اور اس شہر کو ان تمام دسیسہ کاریوں سے نجات مل جائے گی جو مختلف آمروں اور ظالموں نے انسانیت کے خلاف کر رکھی ہیں۔ جو سپاہی سب سے پہلے قسطنطنیہ کی فصیلوں پر اسلامی پرچم لہرائے گا اسے پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور انعام میں اسے وسیع جاگیر ملے گی۔(2)

علماء و مشائخ لشکر کے درمیان چکر لگا رہے تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کے بارے قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے تھے اور سپاہیوں کو بتا رہے تھے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والے کو کیا جزا ملے گی۔ وہ ان شہداء کا ذکر کر رہے تھے جو اس سے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی غرض سے جان کی بازی لگا کر ابدی حیات پا گئے تھے۔ وہ حضرت ابوایوب انصاری کا ذکر خیر کر رہے تھے اور مجاہدین کو بتا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے موقع پر حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں اترے تھے اور میزبان رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاری نے بھی اس علاقہ کا قصد فرمایا تھا وہ اس جگہ اترے تھے اور انہوں نے اس شہر کو فتح کرنے کی غرض سے پیرانہ سالی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ باتیں سن کر مسلم سپاہ انگاروں کا روپ دھار رہی تھی۔ اور ان کے دلوں میں جذبوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔(3)

سلطان جب اپنے خیمے میں تشریف لائے تو لشکر کے سینئر (senior) افراد کو بلایا اور انہیں آخری ہدایات دیں پھر ان سے مخاطب ہوا اور کہا: ''جب ہمارے ہاتھ پر قسطنطنیہ کا شہر فتح ہو جائے گا تو ہمارے حق میں حدیث رسول پوری ہو جائے گی اور ہمارے ہاتھ پر رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ظہور پذیر ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے جس عزت اور فضیلت کی پیش گوئی کی تھی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔ اپنے جنگجو بیٹوں کو فرداً فرداً یہ بات پہنچا دو کہ یہ عظیم کامیابی جو عنقریب ہمیں حاصل ہو جائے گی اسلام کی قدر ومنزلت کو بڑھا دے گی۔ اس لئے ہر سپاہی پر لازم ہے کہ وہ اپنی روشن شریعت کی تعلیمات کو اپنا نصب العین بنا لے۔ کسی سے ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو شرعی تعلیمات کے خلاف ہو۔ سنو کلیساؤں کی بے حرمتی سے اجتناب کرنا۔ عبادت گاہوں کا تقدس مجروح نہ کرنا۔ کسی کو تکلیف نہ دینا، مذہبی رہنماؤں، کمزوروں اور (بچے، عورتیں کو) جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے چھوڑ دینا۔

ادھر اسی لمحے بیزنطینی بادشاہ نے بھی لوگوں کو شہر میں جمع کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائیں، عورتوں، بچوں اور مردوں سب کو دعا اور آہ وزاری اور کلیساؤں میں نصرانی طریقہ کے مطابق آہ وفغاں کے لئے بلایا کہ ہوسکتا ہے ان کی دعا قبول

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 378
2۔ محمد فاتح: ص 125
3۔ ایضاً، ص 126

ہو اور شہر کو محاصرے سے نجات مل جائے۔ شاہ قسطنطنیہ نے لوگوں کے سامنے ایک نہایت ہی بلیغ تقریر کی یہ اس کی آخری تقریر تھی۔ لوگوں کو تاکید کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو بھی آخری سانس تک جنگ جاری رکھیں اور عثمانی مسلمانوں کے مقابلے میں نصرانیت کی حفاظت کی خاطر جان کی بازی لگا دیں۔ مورخین کہتے ہیں کہ شاہ قسطنطنیہ کا یہ خطبہ ایک کمال خطبہ تھا۔ حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ خطاب کے بعد بادشاہ نے دوسرے نصرانیوں کے ساتھ مل کر آیا صوفیہ کے مقدس ترین کلیسا میں آخری نماز ادا کی (1)۔ پھر اپنے محل میں گیا سب کو آخری سلام کیا۔ سب کے ساتھ آخری بار ہاتھ ملایا۔ ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھا بادشاہ اس کے بیوی بچے اور خادم سب رو رہے تھے اور بادشاہ کو آخری سلام کر رہے تھے۔ یہ منظر بھی دیدنی تھا۔ نصرانی مورخین نے اس منظر کو نہایت ہی پرتاثیر انفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہر شخص جو اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہہ اٹھا: ''اگر کسی شخص کے پہلو میں پتھر ہوتا تو بھی اس کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر ضرور اشک بار ہو جاتیں۔'' (2)

قسطنطین گھر والوں کو الوداع کہہ کر ایک تصویر کے سامنے سرنگوں ہوا۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی خیالی تصویر تھی جو ایک کمرے میں دیوار پر لٹکی ہوئی تھی۔ قسطنطین نے اس تصویر کے سامنے زیر لب کچھ دعائیں کیں۔ پھر کھڑا ہو گیا خود پہنا اور آدھی رات کے وقت اپنے مخلص دوست اور قابل اعتماد ساتھی اور معروف تاریخ نگار فرانتزس کی معیت میں محل سے باہر نکل آیا۔ پھر شہر کا دفاع کرنے والی نصرانی فوجوں کا ایک بار پھر جائزہ لیا اور تازہ دم عثمانی فوج کی نقل و حرکت کو ملاحظہ کیا جو بحری اور بری حملے کے لئے پر تول رہی تھی۔ دن کے پچھلے پہر ہلکی سی بوندا باندی ہو گئی تھی گویا زمین پر آسمان نے پانی چھڑک دیا تھا۔ سلطان اپنے خیمہ سے نکلا۔ نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: اللہ کریم نے ہم پر اپنی رحمت اور کرم کی بارش برسا دی ہے اور عین وقت پر مہر کی وہ بارش نازل فرمادی ہے کہ جس سے گرد و غبار چھٹ جائے گا اور فوج کی نقل و حرکت میں آسانی رہے گی۔ (3)

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ

بروز منگل 20 جمادی الاول 857ھ بمطابق 29 مئی 1435ء صبح ایک بجے شہر پر عام حملے کا حکم دے دیا گیا۔ مجاہدین کو ضروری ہدایات تو پہلے ہی مل چکی تھیں۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی اور مسلم فوج نے فصیلوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ نصرانیوں پر وہ خوف و ہراس طاری ہوا کہ کئی کلیساؤں میں جا چھپے اور کلیساؤں کے ناقوس بجانے لگے۔ پروگرام جو بڑی باریک بینی سے تیار کیا گیا تھا کے مطابق بحری اور بری حملے نے ایک ہی وقت ایک ساتھ ہونا تھا مجاہدین شوق شہادت میں مست پوری بہادری اور جذبہ ایثار سے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور کئی تو ایسے خوش قسمت تھے کہ حملہ شروع ہوتے ہی اس جانفشانی سے لڑے کہ شہادت کا تاج سر پر سجا کر سرخرو ہو گئے۔ حملہ کئی طرف سے کیا گیا تھا۔ لیکن وادی نیکوس پر زیادہ زور صرف کیا جا رہا تھا۔ سلطان محمد فاتح بذات خود اسی دستہ کی قیادت کر رہا تھا۔ عثمانیوں کا مقدمۃ الجیش نصرانیوں اور شہر کی فصیلوں پر گولوں اور تیروں کا مینہ برسا رہا تھا اور کسی نصرانی سپاہی کی جرات نہیں تھی کہ سر اٹھا سکے۔ بیزنطینی بھی جان کی بازی لگا رہے تھے۔ دونوں فوجوں کے سپاہی سر پر کفن باندھ چکے تھے اور زندگی کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لاشوں

1۔ محمد فاتح، ص 129 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 130

کے ڈھیر لگے ہوئے تھے (1)۔ جب پہلا حملہ آور دستہ تھک کر چور ہو گیا تو سلطان نے تازہ دم دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اور پہلا دستہ پیچھے ہٹ آیا۔ دفاع کرنے والی فوج بری طرح تھک چکی تھی اور ان کے مقابلے میں اب ایک تازہ دم دستہ تھا آخر تھکا ماندہ دستہ کب تک مسلمان مجاہدین کا راستہ روکنے میں کامیاب ہوتا۔ مسلمان بہت تھوڑے وقت میں فصیل تک پہنچ گئے۔ اور شہر میں گھسنے کے لئے پہلے سے تیار سینکڑوں سیڑھیاں فصیل کے ساتھ کھڑی کر دیں۔ لیکن نصرانیوں نے جان کی بازی لگا کر سیڑھیوں کو پیچھے پلٹ دیا۔ دونوں لشکروں کی خونریز لڑائی جاری رہی اور نصرانی کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھنے والے سپاہیوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کرتے رہے۔

دو گھنٹوں کی مسلسل زوردار جنگ کے بعد محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا اور ان پیچھے آنے والوں کی جگہ ایک اور تازہ دم لشکر کو فصیلوں پر ہلہ بولنے کا حکم دے دیا۔ بیزنطینی سمجھ رہے تھے کہ شاید ستانے کے لئے کچھ وقت مل گیا ہے لیکن عین اسی لمحے انہیں ایک اور تازہ دم لشکر کا سامنا تھا۔ نصرانی جو تھکاوٹ سے چور چور ہو چکے تھے۔ اپنے سامنے جنگ کے لئے ہر طرح سے تیار لشکر کو دیکھ کر خاصے پریشان ہوئے ہوں گے (2)۔ جس طرح بری لڑائی میں نصرانیوں کی تھکی ماندی فوج کے سامنے ایک مکمل آرام کے بعد اٹھنے والی، نئے جذبوں کی حامل اور جنگ میں اپنا حصہ لینے میں سخت رغبت رکھنے والی فوج تھی (3)۔ اسی طرح سمندر میں دست بدست لڑائی جاری تھی اور خوب زور کا رن پڑ رہا تھا جس کی وجہ سے دفاعی فوج کئی ٹولیوں میں بٹی ہوئی تھی اور ایک ہی وقت میں انہیں کئی محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔

صبح کی روشنی پھوٹی تو حملہ آور اس قابل ہو چکے تھے کہ دشمن کے مورچوں کو اچھی طرح دیکھ سکیں اور اپنے حملوں میں تیزی لا سکیں۔ مسلمان بڑے پر جوش تھے اور ان کے سر میں حملے کی کامیابی کا سودا سمایا ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سلطان نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا تاکہ توپ خانے کو دوبارہ اپنی کارروائی جاری رکھنے کا موقع مل سکے۔ فوج جونہی پیچھے ہٹی توپ خانے نے شہر کی فصیلوں اور دفاعی فوج پر گولوں کا مینہ برسا دیا۔ وہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے ان کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ کچھ دیر گولہ باری کرنے کے بعد توپ خانے کو روک دیا گیا اور بہادر انکشاریہ فوج جس کی قیادت سلطان خود کر رہا تھا شہر پر ٹوٹ پڑی اور تیروں کی وہ بارش برسائی کہ دفاعی فوج سر نہ اٹھا سکی۔ اس روز انکشاریہ نے کمال شجاعت اور بے مثال بہادری کے جوہر دکھائے۔ تیس سپاہی دشمن کی مزاحمت کے باوجود دیواروں پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ ان میں سے کافی لوگ جن میں ان کا قائد بھی شامل تھا شہید ہو گئے لیکن وہ طوب قاپی کے نزدیک شہر میں داخل ہونے کے لئے راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ عثمانی جھنڈا جب فضا میں بلند ہوا تو باقی لشکر کے جذبات میں طلاطم پیدا ہو گیا اور وہ شہر میں گھسنے کے لئے بے تاب نظر آنے لگے۔ انہوں نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمنوں کی طاقت جواب دے گئی۔

اسی دوران دفاع کرنے والی فوج کے سپہ سالار اعظم جسٹنین کو کاری زخم لگے اور وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ (4)

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 380 2۔ ایضاً، ص 381 3۔ ایضاً، ص 380 4۔ محمد فاتح: ص 137

نصرانی فوج جو پہلے ہی ہمت ہار چکی تھی اپنے سپہ سالار کے زخمی ہونے سے اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔ جسٹنین جو ایک کشتی پر سوار ہو کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا کے بعد قسطنطین نے بذات خود فوج کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ مقاومت سے مایوس اپنی فوج کو ثابت قدمی پر آمادہ کرے لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ جس وقت قسطنطین میدان جنگ میں اپنی فوج کی ہمت بڑھانے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھا عین اسی لمحے سلطان محمد فاتح شمشیر برآں ہاتھ میں لئے بڑی جگر سوزی سے خود دشمن پر حملے کر رہا تھا اور نصرانی فوج کے جذبوں کو پست کر رہا تھا۔

عثمانیوں نے شہر کے ایک اور حصے پر اپنے حملے جاری رکھے ہوئے تھے اور ان کے بہت سے سپاہی فصیلوں پر چڑھنے بلکہ بعض برجوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ باب ایڈریانوپل کے پھاٹک پر موجود دفاعی فوج کا خاتمہ کر کے عثمانی اس پر اپنا جھنڈا لہرا چکے تھے۔ راستہ بنتے ہی عثمانی لشکر بڑی تیزی سے شہر میں داخل ہونے لگے۔ قسطنطین نے شہر کے شمالی پھاٹک پر جب عثمانی جھنڈا لہراتے دیکھا تو وہ خود بھی مایوس ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب دفاع بے سود ہے۔ اپنا شاہی لباس اتارا، عام سپاہی کا لباس پہنا تا کہ پہچانا نہ جا سکے اور اپنے گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگا دی اور اس جگر سوزی سے برسر پیکار ہوا کہ بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہو گیا اور بالآخر یہ نصرانی بادشاہ جواں مردوں کی طرح میدان جنگ میں قتل ہو گیا۔(1)

قسطنطین کی موت کا سنتے ہی جہاں عثمانی سپاہ کے جوش و جذبہ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہاں دفاع کرنے والے نصرانیوں کے عزائم پست ہو گئے۔ عثمانی سپاہ مختلف مقامات سے شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ قیادت نہ ہونے کے بعد دفاعی فوج کے سپاہی بھی فرار ہو گئے۔ اور اس طرح مسلمان قسطنطنیہ کے شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ ان لمحوں میں اپنی فوج کے ساتھ تھے اور اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے فتح کی خوشی اور دشمنوں پر غلبہ پانے میں کامیاب ہونے کی لذت کو ان کے ساتھ شیئر (share) کر رہے تھے۔ لشکر کے قائد انہیں مبارک باد دے رہے تھے اور وہ جواباً کہہ رہے تھے۔ الحمد للہ! اللہ کریم شہداء پر رحم فرمائے اور مجاہدین کو شرف و عزت عطا کرے۔ یہ پوری قوم کے لئے فخر کی بات ہے۔ پوری ملت اسلامیہ کو شکر کرنا چاہئے۔(2)

شہر کے اندر بعض مقامات پر دفاعی سرنگیں تھیں جن کی وجہ سے بہت سے مجاہدین شہید ہوئے۔ شہر کی زیادہ تر آبادی کلیساؤں کی طرف بھاگ گئی منگل 20 جمادی الاولی 857ھ بمطابق 29 مئی 1453ء کا سورج ابھی سر سے ڈھلا نہیں تھا کہ سلطان محمد فاتح شہر کے وسط میں اپنی فوج اور قائدین کے جلو میں پھر رہا تھا اور ان کی زبان پر بار بار یہ کلمہ جاری ہو جاتا تھا۔ ماشاء اللہ! سلطان اپنی فوج اور قائدین کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ تمہیں قسطنطنیہ کے فاتح ہونے کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ اور اس شہر کے فاتحین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ وہ بہترین فوج ہو گی۔ سلطان نے اپنی سپاہ کو اس شرف اور فتح کی مبارکباد دی اور انہیں قتل و غارت سے روک دیا۔ حکم دیا کہ لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان پر احسان کرنا۔ پھر اپنے گھوڑے سے نیچے اترا، اللہ کے حضور سجدہ شکر بجا لایا۔ حمد و ثنا کی اور اس کی بارگاہ میں اپنی بندگی اور عاجزی و انکساری کا

1۔ محمد فاتح: ص 139
2۔ محمد فاتح: ص 131

اظہار کیا۔(1)

محمد فاتح کا مغلوب نصرانیوں کے ساتھ برتاؤ

سلطان محمد فاتح کلیسا آیا صوفیہ تشریف لے گئے۔ وہاں بہت زیادہ لوگ جمع ہو چکے تھے ان لوگوں کے ساتھ بشپ اور وہ راہب بھی تھے جو ان کے سامنے ان کی نمازیں اور دعائیں پڑھ رہے تھے۔ جب سلطان کلیسا کے دروازے پر پہنچے تو کلیسا میں موجود نصرانی بہت ڈرے۔ ایک راہب نے اٹھ کر سلطان کے لئے دروازہ کھولا۔ سلطان نے راہب سے کہا کہ لوگوں سے کہو پرسکون رہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ کریں اور اطمینان سے اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ یہ بات سن کر لوگ خوش ہوئے۔ بعض راہب کلیسا کے تہ خانوں میں چھپے ہوئے تھے جب انہوں نے فاتح کے عفو و درگزر کو دیکھا تو باہر نکل آئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد فاتح نے اعلان کیا۔ کہ آج سے یہ کلیسا مسجد ہے اور آنے والے جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی جائے گی لہٰذا ضروری تیاری کر لی جائے۔ مزدوروں نے گرجا کو مسجد بنانے کا کام شروع کر دیا۔ دیواروں پر لٹکتی تصویروں اور صلیبوں کو اتارا گیا۔ پینٹنگ (Painting) کر کے جو تصویریں دیواروں پر بنائی گئی تھیں ان کو مٹا دیا گیا۔ خطیب کے لئے منبر بنایا گیا۔ کلیسا کو مسجد میں تبدیل کرنے کا یہ عمل اس لئے جائز تھا کہ شہر بذریعہ جنگ فتح ہوا تھا اور اسلامی شریعت میں اس کا یہی حکم ہے۔

سلطان نے نصرانیوں کو مکمل مذہبی آزادی دے دی وہ آزادانہ مسیحی شعائر پر عمل کر سکتے تھے۔ اپنے مذہبی رہنماؤں کا انتخاب بھی ان کی اپنی صوابدید پر تھا۔ ان کو اپنے رئیس منتخب کرنے کا اختیار دے دیا گیا اور انہیں حق دیا گیا کہ وہ ان کے عائلی معاملات کا فیصلہ ان کے رواج اور مذہب کے مطابق کریں۔ سلطان نے یہ حق اپنی سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی دے رکھا تھا۔ کلیسا کے مذہبی رہنما با اختیار تھے اور وہ مسیحی برادری کے فیصلے ان کی دینی تعلیمات کے مطابق کرتے تھے۔ ان تمام سہولیات کے عوض ان لوگوں پر جزیہ لاگو کیا گیا۔(2)

انگریز مورخ ایڈورڈ سپرڈ کریسی نے اپنی کتاب "عثمانی ترکوں کی تاریخ" میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی عثمانی تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ سلطان محمد فاتح سے بغض و عناد اور اسلامی فتح کے اس عظیم واقعہ سے اپنی دشمنی کی بنا پر سلطان کی طرف بعض ایسی چیزوں کو منسوب کیا ہے جو قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہیں(3)۔ امریکی انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ 1980ء نے بھی اسلام کے خلاف اپنے روایتی صلیبی کو کینہ کا ثبوت دیتے ہوئے سلطان پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے قسطنطنیہ کے مسیحیوں کی غالب آبادی کو غلام بنا کر ایڈریا نوپل کی منڈی میں بیچ دیا۔(4)

حالانکہ تاریخ کے روشن حقائق یہ کہتے ہیں کہ سلطان محمد فاتح نے اہل قسطنطنیہ سے شفقت و رحمت کا برتاؤ کیا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ قیدیوں سے حسن سلوک کریں اور ان سے نرمی سے پیش آئیں۔ قیدیوں میں سے بہت سے لوگوں نے اپنی ذاتی دولت فدیہ میں دے کر آزادی حاصل کر لی۔ بالخصوص یونانی امراء اور مذہبی رہنما، سلطان مذہبی رہنماؤں کے مجمع میں گیا۔ ان

1۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 383 2۔ ایضاً، ص 384 3۔ جوانب مضیئۃ: ص 265 4۔ ایضاً، ص 267

کے خوف کو دور کیا اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ ان کے عقائد و نظریات ان کے مذہبی قوانین اور ان کی عبادت گاہوں کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ سلطان نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا نیا بشپ منتخب کر لیں۔ مسیحیوں نے اپنی صوابدید پر "اجنادیوس" کو نیا بشپ منتخب کیا۔ اجنادیوس بطریق منتخب ہونے کے بعد پادریوں کے ایک بہت بڑے جلوس میں سلطان کی رہائش گاہ پر آیا۔ سلطان نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور اس کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ یہاں تک کہ سلطان نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور مختلف دینی، سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر گفتگو کی اس ملاقات کے بعد جب بشپ سلطان کی رہائش گاہ سے باہر آیا تو عثمانی ترکوں اور سلاطین بلکہ عام مسلمانوں کے بارے اس کے نظریات تبدیل ہو چکے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک مہذب، دیندار، راسخ العقیدہ، بلند انسانیت کے حامل اور مکمل بہادر انسان سے مل کر آ رہا ہے۔

رومی بذات خود اپنے بشپ سے کچھ کم حیران اور متاثر نہیں تھے۔ وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ انہیں قتل عام کا سامنا ہو گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ انہیں ہر طرح کی مکمل آزادی حاصل ہو گئی۔ اور تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ لوگ اطمینان اور امن و سلامتی سے دوبارہ پہلے کی سی زندگی گزارنے لگے۔(1)

عثمانی سلاطین شریعت کے بڑے پابند تھے۔ اس لئے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ ان اہم امور میں سے ایک تھا جس کے وہ حریص تھے۔ نصرانیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ہر قسم کے تعصب اور ظلم سے پاک تھا۔ عثمانیوں کے دل میں بھی یہ خیال نہیں گزرا ہو گا کہ عقائد و نظریات کی وجہ سے نصرانیوں کے ساتھ ظلم و تعدی کا سلوک روا رکھا جائے۔(2)

عثمانی سلطنت میں نصرانیوں کے تمام فرقوں کو مکمل دینی حقوق حاصل تھے۔ ہر ایک فرقہ کا اپنا مذہبی رہنما تھا جو براہ راست سلطان کے سامنے جواب دہ تھا۔ ان فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا اپنا الگ دینی ادارہ تھا۔ ان کا اپنا چرچ اور اپنی خانقاہ تھی۔ کوئی ان کے مالی معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں یہ آزادی بھی حاصل تھی کہ وہ جو زبان بولنا چاہیں بولیں۔(3)

نصرانیوں کے ساتھ سلطان محمد فاتح کا یہ حسن سلوک اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر قائم رہنے کا نتیجہ تھا۔ وہ خلفاء راشدین کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا تھے۔ دشمن کے ساتھ ان کے کریمانہ برتاؤ اور حسن سلوک سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔(4)

دوسری بحث

شیخ آق شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت آق شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن حمزہ دمشقی رومی ہے۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ روم تشریف لے گئے اور مختلف علوم و فنون میں کمال پیدا کیا۔ عثمانی دور حکومت میں اسلامی تہذیب کے ستونوں میں ایک اہم ستون کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

1۔ السلطان محمد الفاتح: ص 135,134 2۔ جوانب مضیئۃ: ص 274 3۔ ایضاً: ص 283 4۔ ایضاً: ص 287

حضرت آق شمس الدین سلطان محمد فاتح کے استاد اور مرشد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ 792ھ بمطابق 1389ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ اماسیا اور پھر حلب میں عربی و اسلامی تعلیم حاصل کی اس کے بعد انقرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے اہل علم سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کا وصال 1459ء میں ہوا۔

حضرت شیخ آق شمس الدین نے امیر محمد فاتح کو اس دور کے بنیادی علوم پڑھائے یعنی قرآن و سنت، فقہ، علوم اسلامیہ اور لسانیات (عربی، فارسی اور ترکی) کے علاوہ جدید علوم مثلاً ریاضی، فلکیات، تاریخ اور فنون حرب۔ شیخ نے کئی دوسرے علماء و یہ ذمہ داری بھی سونپی کہ وہ سلطان کو سیاسی امور کی انجام دہی اور حکومت کے اصول و قواعد سکھائیں تاکہ وہ بہترین حکمران ثابت ہو۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سلطان مغنیسیا میں امارات کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

شیخ آق شمس الدین نے اس صغر سنی میں امیر کو یہ بات باور کرادی تھی کہ حدیث نبوی "لتفتحن القسطنطنية فلنعم الامير اميرها ولنعم الجيش ذالک الجيش" (1)۔ قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا اور اس کا امیر بہترین امیر اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا"۔ کا مصداق وہ خود ہے۔(2)

اور جب یہ امیر تخت نشین ہوا اور دولت عثمانیہ کی عنان حکومت سنبھالی تو وہ جوان ہو چکا تھا۔ شیخ نے اسے حکم دیا کہ فوراً اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ان کے حق میں پوری ہو۔ سلطان نے اپنے مرشد کے حکم سے چاروں طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا اور 54 روز تک دونوں فوجوں میں خونریز جنگ جاری رہی۔

عین جنگ میں جبکہ زور کا رن پڑ رہا تھا۔ بیزنطینیوں کے پاس بروقت مدد پہنچ گئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پوپ نے چار جہاز بھیجے تھے وہ عثمانی جہازوں سے لڑ بھڑ کر قلعہ کے سامنے پہنچ چکے تھے اور اس کامیابی نے محصورین کے حوصلوں کو مہمیز کردیا تھا۔ ایسے میں عثمانی امراء اور وزراء جمع ہوئے اور سلطان محمد فاتح کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کی۔ آپ نے ایک شیخ کے کہنے پر اتنے بڑے لشکر کو اس شہر کے محاصرے پر لگا دیا ہے۔ ان کا مقصد شیخ شمس الدین تھے۔ بہت سا لشکر ہلاک ہو چکا ہے اور بہت زیادہ ساز و سامان برباد ہو چکا ہے۔ پھر قلعہ میں موجود کافروں کو انگریزوں کی طرف سے مدد پہنچنے والی ہے اور فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔(3)

سلطان نے اپنے وزیر ولی الدین احمد پاشا کو شیخ آق شمس الدین کے خیمے میں بھیجا تاکہ وہ پوچھیں کہ اس کا حل کیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا۔ "اللہ کریم ضرور فضل فرمائے گا اور شہر فتح ہوگا"۔(4)

1۔ تخریج حدیث گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

2۔ آق شمس الدین اللہ کے ولی تھے جو باطن کی نظر سے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو باذن اللہ دیکھ رہے تھے۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا کہ ایسے عظیم انسانوں سے جھوٹ کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ (مترجم)

3۔ البطولة والفداء عند الصوفية، اسعد الخطيب: ص 146

4۔ العثمانيون في التاريخ والحضارة: ص 373

سلطان اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ اور اپنے وزیر کو دوبارہ شیخ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کی کہ قدرے وضاحت فرما دیں۔ شیخ نے اس گزارش پر اپنے شاگرد اور وزیر محمد فاتح کے نام یہ والا نامہ تحریر فرمایا:

''اگر ان جہازوں کے واقعہ نے تمہاری دل شکنی کی ہے اور لوگوں نے تمہیں ملامت کیا ہے اور کفار کو خوشی اور شادمانی حاصل ہوئی ہے تو یاد رکھ یہ ایک ثابت شدہ اصول ہے کہ بندہ تدبیر کرتا ہے اور اللہ کریم فیصلہ فرماتا ہے۔ اور حکم اللہ کا پورا ہو کر رہتا ہے۔ ہم نے اللہ سے التجا کی ہے، اور قرآن کریم کی تلاوت کی اور اس کے بعد اونگھ آ گئی۔ اللہ کریم کی کرم نوازیاں رونما ہوئیں اور ایسی بشارتیں نصیب ہوئیں جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھیں۔'' (1)

اس گفتگو نے امراء اور لشکر میں راحت و اطمینان پیدا کر دیا۔ عثمانیوں کی جنگی کونسل نے فوراً جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ پھر سلطان محمد بذات خود شیخ کے خیمہ کی طرف گیا ان کی دست بوسی کی اور عرض کی: میرے آقا! مجھے کوئی دعا تعلیم فرمایئے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے فتح کی توفیق عطا فرما دے۔ شیخ نے انہیں کوئی دعا سکھائی۔ سلطان اپنے پیر و مرشد کے خیمے سے باہر آئے اور عام حملے کا حکم دے دیا۔ (2)

سلطان چاہتا تھا کہ ان کے پیر و مرشد حملہ کے دوران ان کے ساتھ ساتھ رہیں۔ آدمی بھیج کر ان سے استدعا کی لیکن شیخ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی آدمی ان کے خیمے میں داخل نہ ہو دربان نے سلطان کے فرستادہ کو اندر آنے سے روک دیا۔ فرستادہ واپس لوٹ گیا۔ سلطان کو دربان کی اس بات پر بڑا غصہ آیا۔ وہ خود شیخ کے خیمے کی طرف آیا تاکہ ان سے گزارش کرے۔ دربان نے سلطان کو بھی خیمے میں جانے سے روک دیا کہ یہ شیخ کا حکم ہے۔ سلطان نے آستین سے اپنا خنجر نکالا۔ خیمے کا کپڑا ایک طرف سے چاک کر کے اندر جھانکا تو عجیب منظر تھا۔ شیخ اللہ کریم کے حضور سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کا عمامہ ان کے سر سے گر چکا تھا۔ ان کے سفید بال زمین پر بکھرے ہوئے تھے اور ریش مبارک اور سر کے بالوں سے ایک نور ہویدا ہو رہا تھا۔ سلطان اپنے پیر و مرشد کی اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک شیخ نے اپنا سر سجدے سے اٹھایا۔ آنسو ان کے رخساروں پر موتیوں کی طرح چمک رہے تھے وہ اپنے رب سے دعا کر رہے تھے اور فتح و نصرت کے لئے التجا کر رہے تھے۔ (3)

سلطان اس کے بعد اپنی قیام گاہ میں آیا اور فصیل شہر پر نظر کی اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں فصیل میں شگاف پیدا ہو چکے ہیں اور مسلم لشکر بڑی تیزی سے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ (4)

سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور کہنے لگا میں اس لئے خوش نہیں کہ شہر فتح ہو گیا ہے بلکہ میری خوشی اس وجہ سے ہے کہ میرے دور میں ایسی بابرکت ہستیاں موجود ہیں۔ (5)

علامہ شوکانی اپنی کتاب ''البدر الطالع'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ شمس الدین کی برکت اور فضل و کمال کا ظہور ہوا۔ انہوں نے سلطان کو بتا دیا تھا کہ کس روز ان کے ہاتھ پر قسطنطنیہ کا شہر فتح ہوگا۔ (6)

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 373
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً، ص 374
4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 374
5۔ البدر الطالع (167/2)
6۔ ایضاً، (166/2)

جب عثمانی سپاہ پوری قوت اور جذبے سے شہر پر ٹوٹ پڑیں تو حضرت شیخ شمس الدین سلطان محمد فاتح کے پاس تشریف لائے تاکہ حالت جنگ میں انہیں الٰہی شریعت یاد دلائیں۔ اور انہیں مفتوح و مغلوب قوم کے حقوق کی پاسداری کی تلقین کریں جیسا کہ اسلامی شریعت میں تفصیل موجود ہے۔(1)

سلطان محمد فاتح نے تمام فوج کی حوصلہ افزائی کے لئے تحائف اور عطیات دیئے اور ان کے لئے ایک بہت بڑے کھانے کا اہتمام کیا۔ فتح کا یہ جشن تین دن تک جاری رہا اور اس دوران زینت و آرائش اور خوشیاں منانے کا پورا اہتمام کیا گیا۔ سلطان فوج کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا رہا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔'' قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔'' اس تقریب کے بعد سلطان کے پیرومرشد جو بہت بڑے عالم اور تقویٰ و ورع حامل بہت بڑے انسان تھے کھڑے ہوئے اور فوج سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا: اے اسلام کے سپاہیو! جان لو اور یاد رکھو نبی کریم ﷺ نے تمہارے بارے فرمایا تھا۔

لتفتحن القسطنطينية فلنعم الامير اميرها و لنعم الجيش ذلک الجيش (2)

''قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا اور اس کا امیر بہترین امیر اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا۔''(3)

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں (بھلائی کی) توفیق عطا کرے اور ہماری کوتاہیوں کو بخش دے۔ خبردار! مال غنیمت جو تم نے حاصل کیا ہے اس میں اسراف نہ کرنا۔ اسے فضول خرچ کرنے کی بجائے شہر کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرنا۔ اپنے سلطان کی بات سننا۔ اس کی اطاعت کرنا اور اس سے محبت کرنا۔ پھر شیخ فاتح کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے میرے سلطان! تو آل عثمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گیا ہے۔ ہمیشہ کے لئے مجاہد فی سبیل اللہ بن جا۔ پھر شیخ نے بلند آواز سے بڑے مضبوط لہجے میں اللہ اکبر کہا۔(4)

حضرت شیخ شمس الدین نے اپنے نور ولایت سے صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پاک کی نشاندہی بھی کی۔ آپ کی قبر قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب ایک جگہ واقع ہے۔(5)

شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد آیا صوفیا میں جمعۃ المبارکہ کا خطبہ ارشاد فرمایا۔(6)

شیخ شمس الدین ڈرتے تھے کہ سلطان غرور میں مبتلا نہ ہو جائے

سلطان محمد فاتح اپنے پیرومرشد سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے دل میں ان کی بے پناہ عزت تھی۔ فتح کے بعد سلطان نے اپنے اردگرد لوگوں کو بتایا کہ'' تم مجھے بہت خوش دیکھ رہے ہو۔ میری خوشی صرف اس وجہ سے نہیں کہ یہ قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ بلکہ میری خوشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ میرے عہد میں ایک جلیل القدر شخص موجود ہیں اور وہ ہیں میرے پیرومرشد شیخ آق شمس الدین''۔

سلطان نے اپنے شیخ سے ڈرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے اپنے وزیر محمود پاشا سے کہا: '' میرا شیخ آق شمس الدین کا

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 374
2۔ اس کی تخریج گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔
3۔ محمد فاتح: 149
4۔ ایضاً
5۔ محمد فاتح: ص 149
6۔ ایضاً

احترام کرنا غیر اختیاری فعل ہے۔ جب میں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے دل میں ان کا رعب و دبدبہ محسوس کرتا ہوں۔''(1)

''البدر الطالع'' کے مصنف لکھتے ہیں۔'' فتح کے ایک دن بعد سلطان آق شمس الدین علیہ الرحمۃ کے خیمے میں حاضر ہوا۔ شیخ لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے سلطان کی آمد کی کوئی پروانہ کی اور لیٹے رہے۔ سلطان نے ان کی دست بوسی کی اور عرض کیا۔ میں ایک ضرورت لے کر حاضر ہوا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: کیا؟ سلطان نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ عزلت نشینی چاہتا ہوں۔ شیخ نے انکار کر دیا۔ سلطان نے اصرار کیا اور بار بار گزارش کی لیکن شیخ کا ایک ہی جواب تھا۔ نہیں۔ سلطان ناراض ہو گیا اور عرض کرنے لگا۔ ایک ترک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور وہ صرف ایک بار کہتا ہے اور آپ اسے اپنے ساتھ عزلت نشینی کی اجازت دے دیتے ہیں اور میں بار بار گزارش کرتا ہوں لیکن آپ انکار فرما رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: جب آپ خلوت نشینی کی لذت سے شاد کام ہونگے تو سلطنت و امارت آپ کی نظروں میں حقیر ہو جائے گی اور نتیجۃً امور سلطنت بگڑ جائیں گے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ خلوت نشینی سے مقصود عدالت (ہر ایک چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا) ہے۔ تجھ پر لازم ہے کہ فلاں فلاں کام کرو۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے سلطان کو بہت ساری نصیحتوں سے نوازا۔ سلطان نے شیخ کی خدمت میں ایک ہزار دینار بطور نذرانہ پیش کیے۔ شیخ نے قبول نہ فرمائے۔ سلطان جب شیخ سے اجازت لے کر اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا تو اپنے کسی مصاحب سے پوچھا۔ شیخ میری آمد پر کھڑے نہیں ہوئے کیا وجہ ہے؟ مصاحب نے جواب دیا۔ شاید انہوں نے آپ کے اندر خود پسندی کے آثار دیکھے ہیں اور اتنی بڑی فتح کے بعد آپ جیسے عظیم سلاطین میں اس کا پیدا ہونا کوئی اچنبے کی بات بھی نہیں۔ شیخ نے آپ کے غرور کو توڑنے اور آپ کی خود پسندی کو آپ سے دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے......(2)

اس جلیل القدر عالم جس نے محمد فاتح کی تربیت ایمان، اسلام اور احسان کی بنیادوں پر فرمائی کی شخصیت گوناگوں اوصاف کی حامل تھی۔ وہ صرف ایک تبحر عالم دین اور صوفی ہی نہیں تھے بلکہ نباتات، طب، میڈیکل سائنسز میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ وہ اپنے دور کے دنیاوی علوم کے ماہر سب سے مشہور عالم تھے۔ علم نباتات میں تحقیق اور جڑی بوٹیوں سے مختلف امراض کے علاج میں ان کی مہارت اور شہرت اس حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی۔'' نباتات آق شمس الدین سے باتیں کرتی ہیں۔''(3)

امام شوکانی حضرت کے متعلق لکھتے ہیں۔'' وہ دلوں کے طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی جسم کے بھی طبیب تھے۔'' ان کے بارے مشہور تھا کہ درخت اور بوٹیاں ان سے بات کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں میں فلاں مرض کی دوا ہوں۔ پھر (فتح قسطنطنیہ کے موقع پر تو) ان کی برکت اور فضیلت بالکل ظاہر ہو گئی......(4)

شیخ جس قدر نفسیاتی امراض پر توجہ مبذول فرماتے تھے اسی قدر بدنی امراض کا بھی علاج فرماتے تھے۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 375
2۔ البدر الطالع: 167/2
3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 375
4۔ البدر الطالع: 166/2

متعدی امراض کے علاج پر حضرت شیخ شمس الدین نے خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ متعدی امراض اس دور میں ہزاروں افراد کی موت کا سبب بن رہے تھے۔ شیخ نے متعدی امراض کے بارے ترکی زبان میں ایک کتاب بھی تحریر فرمائی جس کا نام "مادۃ الحیاۃ" ہے آپ ایک جگہ لکھتے ہیں۔" یہ سمجھنا غلط ہے کہ امراض براہ راست اشخاص پر ظاہر ہوتی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امراض ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف متعدی صورت میں منتقل ہوتی ہیں۔ جس کیڑے کے ذریعے یہ امراض ایک شخص سے دوسرے شخص تک پہنچتی ہیں وہ نہایت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ اتنا چھوٹا کہ خالی آنکھ سے نظر نہیں آتا اور یہ کیڑا زندہ ہوتا ہے۔"(1)

اور اس طرح شیخ آق شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے میکروسکوپ (microscop) کی تعریف وضع فرمائی۔ یہ بات پندرھویں صدی عیسوی کی ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ نظریہ دیا۔ اس وقت تک میکروسکوپ ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی حیات ظاہری کے چار سو سال بعد فرانسیسی سائنس دان لویس پاسٹر پیدا ہوا جس نے کیمسٹری اور بیالوجی میں داد تحقیق دی اور اسی نتیجہ پر پہنچا جس پر شیخ چار صدیاں پہلے پہنچ چکا تھا۔

شیخ آق شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سرطان کے بارے بھی تحقیق فرمائی۔ اور اس موضوع پر اپنی تحقیقات کو قلم بند بھی کیا۔ شیخ کی دو کتابیں طب سے متعلق ہیں۔ ایک "مادۃ الحیاۃ" اور دوسری "کتاب الطب" اور یہ دونوں کتابیں ترکی اور عثمانی زبان میں ہیں۔ سات کتابیں عربی زبان میں لکھیں جو مختلف موضوعات پر ہیں۔ حل المشکلات، الرسالۃ النوریہ، مقالات الاولیاء، رسالۃ فی ذکر اللہ، تلخیص المتائن، دفع المتائن، رسالۃ فی شرح حاجی بہرام ولی۔(2)

وصال

شیخ نے جب وطن واپسی کی ضرورت محسوس کی تو گونیوک جو ان کا اصل وطن تھا واپس آ گئے۔ اگرچہ سلطان نے انہیں استنبول (پرانا نام قسطنطنیہ) میں رہنے کے لئے بہت اصرار کیا۔ آپ 863ھ بمطابق 1459ء کو فوت ہوئے۔ اللہ کی آپ پر رحمت، مغفرت ہو اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو۔(3)

یہ اللہ کریم کی اپنی مخلوق کے بارے سنت ہے کہ کوئی بھی ربانی قائد اور قابل فخر فاتح اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک اسے علماء ربانی کی صحبت میسر نہیں آتی جو اس کی تعلیم و تربیت میں اپنا کردار ادا اور اس کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرے۔ اس سلسلہ میں بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔" دولت مرابطین" میں ہم نے یحیٰ بن ابراہیم کی تربیت میں عبداللہ بن یاسین اور دولت ایوبیہ میں صلاح الدین ایوبی کی تعلیم و تربیت میں قاضی فاضل کے کردار کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اسی کتاب میں محمد فاتح کی تعلیم و تربیت اور تعمیر سیرت میں خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پاکان امت پر اپنی رحمت فرمائے۔ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور مصلحین میں ان کے ذکر کو بلند فرمائے۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 376 2۔ ایضا 3۔ ایضا

تیسری بحث

فتح قسطنطنیہ کے یورپی اور اسلامی دنیا پر اثرات

قسطنطنیہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اسی لئے اس کے سقوط کا مطلب تھا یورپ میں مسلمانوں کی پہلے سے کہیں زیادہ طاقت اور سلامتی کے ساتھ اسلام متعارف کرانے میں کامیابی۔ قسطنطنیہ کی فتح کو تاریخ عالم کے اہم ترین واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ بالخصوص یورپ کی تاریخ اور اسلام کے ساتھ اس کے تعلق کے حوالے سے یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حتیٰ کہ یورپی مؤرخین اور ان کے بعد آنے والے تاریخ نگاروں نے اسے ازمنہ وسطیٰ کا اختتام اور عہد ہائے جدید کی ابتداء شمار کیا ہے۔(1)

فتح کے بعد سلطان نے شہر کی تعمیر نو کے سلسلہ میں بہت سے کام کئے۔ اس کی فصیلوں اور قلعہ بندیوں کو مضبوط کیا۔ اسے دولت عثمانیہ کا دار الحکومت بنایا اور اس کا نیا نام "اسلام بول" یعنی اسلام کا شہر تجویز کیا۔ جو بعد میں استنبول مشہور ہو گیا اور عرصہ تک ترکی کا دار الحکومت رہا۔

مغرب کی نصرانی دنیا اس فتح کی خبر سے بہت متاثر ہوئی۔ نصرانیت پر خوف و ہراس اور ناکامی کا احساس چھا گیا۔ اور استنبول سے آنے والی فوجوں کا انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہنے لگا۔ نصرانی شعراء اور ادباء نے حتی المقدور کوشش کی کہ نصرانیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف کینہ کی آگ اور غیظ و غضب کا لاوا پھوٹ پڑے۔ امراء اور ملوک نے مسلسل کئی کئی روز تک میٹنگز (meetings) کیں۔ نصرانیوں کو تمام اختلافات اور رنجشیں بھلا دینے کی صدائیں دی گئیں۔ پوپ نیقولا پنجم سقوط قسطنطنیہ کی خبر سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے اپنا سارا وقت اور تمام کوششیں اطالوی ملکوں کو متحد کرنے کے لئے صرف کر دیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی ترغیب دی۔ روما میں پوپ کی سربراہی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شریک تمام ملکوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اس سلسلہ میں پورا پورا تعاون کریں گے اور اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف اپنی تمام کوششیں اور وسائل صرف کریں گے۔ قریب تھا کہ یہ معاہدہ اپنی تکمیل کو پہنچتا کہ اسی دوران پوپ کو موت نے آ لیا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سقوط قسطنطنیہ کے روح فرسا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ یہ واقعہ اس پر غم واندوہ کا پہاڑ بن کر ٹوٹا اور وہ اندر ہی اندر گھٹ کر 25 مارچ 1455ء کو فوت ہو گیا۔(2)

امیر فلپ طیب ڈیوک آف برگنڈی کے جذبات کو بھی بڑی ٹھیس پہنچی وہ غیظ و غضب اور غیرت وحمیت سے جل بھن کر رہ گیا۔ نصرانی بادشاہوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ کئی دوسرے جنگجو، گھوڑ سوار، انتہا پسند اور نصرانیت سے قلبی لگاؤ رکھنے والے بھی اس کے قدم بقدم چلے۔ مسلمانوں کے خلاف یہ جنگ ایک مقدس عقیدے کا رنگ اختیار کر گئی۔ پورا یورپ اپنے اپنے ملکوں کو بچانے کے لئے آمادہ قتال ہو گیا۔ مسلمانوں کے خلاف نصرانیوں کی ان جنگوں کی سربراہی روم کے

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: یلماز اوزتونا: ص 384

2۔ السلطان محمد الفاتح: ص 136,137

پوپ کر رہے تھے۔ سلطان محمد فاتح نصرانیوں کی ان حرکتوں سے قطعاً غافل نہیں تھا۔ وہ ان کے بارے پوری اطلاعات رکھتا تھا۔ اس نے بھی اپنی دولت کی تقویت اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بڑی احتیاط سے منصوبہ بندی کی اور وہ تمام اقدامات کئے جو ضروری تھے۔ جو نصرانی علاقے سلطان محمد کے پڑوس میں تھے یا آماسیا، باادموره اور طرابزون جیسے علاقے جن کی حدود سلطنت عثمانیہ سے آ کر ملتی تھیں نے اپنے حقیقی جذبات کو چھپائے خوشی و مسرت کی ایکٹنگ (acting) کرتے ہوئے اپنے وفود سلطان کی خدمت میں بھیجے اور اس عظیم کامیابی پر انہیں مبارکباد دی۔(1)

پوپ بیوس ثانی اپنی چرب زبانی اور سیاسی مہارت کو کام میں لاتے ہوئے نصرانی قوم، بادشاہ، قائدین اور سپاہ کے دل میں اپنے روایتی صلیبی کینہ کی آگ کو تیز تر کرنے کی پوری کوشش کرنے لگا اور بعض ملک عثمانیوں کے خاتمے کی اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن جب لشکر کشی کا وقت آیا تو ان میں سے بعض نے معذرت کی کہ ان کے ملک کو داخلی مسائل کا سامنا ہے۔ انگلستان اور فرانس کی سو سالہ جنگ نے انہیں تھکا دیا تھا۔ اور اب یہ کسی نئے میدان جنگ میں اترنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ برطانیہ اپنی گھریلو جنگوں اور دستوری بکھیڑوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہسپانیہ اندلس کے مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروف تھا۔ جبکہ اٹلی کی جمہوری سلطنتیں مجبوراً طلب زر کے لئے دولت عثمانیہ سے اپنے تعلقات مضبوط کرنے میں مصروف تھیں۔

اس صلیبی حملے کا پروگرام پوپ کی موت کے ساتھ ختم ہو گیا جو اس حملے کی سربراہی کر رہا تھا۔ ہنگری اور بلگیریا نے اکیلے دولت عثمانیہ کا سامنا کیا پھر بلگیریا نے تو فوراً دوستی کا معاہدہ کر لیا اور اپنے ذاتی مفادات کی خاطر عثمانیوں کے ساتھ بہترین پڑوسی کی حیثیت سے رہنے کے عزم کا اظہار کیا جبکہ ہنگری کو عثمانیوں کے مقابلے میں شکست کا سامنا ہوا اور عثمانی فوجوں نے سربیا، یونان، افلاق، قرم اور ارخبیل کے بڑے بڑے جزیروں کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور یہ سب کچھ بہت تھوڑے عرصہ میں ہو گیا۔ سلطان محمد اچانک ان پر حملہ آور ہوا ان کی جمعیت کو بکھیر دیا اور انہیں خوب سزا دی۔''(2)

پوپ بیوس ثانی نے اپنی پوری مہارت اور سیاسی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی توجہ دو پہلوؤں پر مرکوز رکھی۔ ایک تو اس نے کوشش کی کہ عثمانی نصرانی مذہب کو قبول کر لیں۔ اس نے اس مقصد کے لئے بشارتی وفود بھیجنے کی بجائے سلطان کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ نصرانیت کو مدد باہم پہنچائیں۔ جس طرح اس سے پہلے قسطنطین اور کلوفیس نے اس کی سرپرستی کی۔ پوپ نے سلطان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ نصرانیت کو قبول کرے گا تو پوپ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اس کو اپنی برکتوں اور سرپرستی سے نوازے گا۔ پوپ نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر سلطان اخلاص کے ساتھ نصرانی مذہب کو قبول کرے گا تو پوپ اسے جنت میں جانے کا سرٹیفکیٹ دے گا۔ جب پوپ اپنے اس منصوبے میں ناکام ہوا تو اپنے دوسرے منصوبے کو کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطان کو دھمکی دی۔ انہیں ڈرایا اور طاقت استعمال کرنے کی بات کی۔ اس دوسرے منصوبے کے نتائج بھی بہت جلد سامنے آ گئے۔ صلیبی لشکروں کو شکست ہوئی اور وہ حملہ جس کی

1۔ السلطان محمد الفاتح ص 140

2۔ ایضاً

قیادت ہونیاد ہنگری کر رہا تھا بری طرح ناکام ہوگیا۔(1)

رہے قسطنطنیہ کی فتح کے اثرات مشرق کی اسلامی سلطنتوں پر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایشیاء اور افریقہ کے علاقوں میں مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ یہ فتح ان کے آباءواجداد کا خواب تھی اور کئی نسلوں سے وہ اس خواب کی تعبیر کے لئے بے قرار چلے آتے تھے۔ اب ایک عرصہ بعد وہ اپنی آنکھوں سے اس خواب کی تعبیر کو دیکھ رہے تھے۔ سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ نے مصر، حجاز، بلاد فارس اور ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کو خطوط ارسال کئے اور انہیں اس عظیم اسلامی فتح کی خوش خبری سنائی۔ اسلامی ممالک میں اس عظیم کامیابی کی برسر منبر تشہیر کی گئی۔ شکرانہ کی نماز ادا کی گئی۔ گھروں اور دکانوں کو سجایا گیا۔ اور دیواروں، فصیلوں اور کپڑے کے بینروں پر مختلف رنگوں میں لکھ کر اس خبر کی خوب تشہیر کی گئی۔

کتاب ''بدائع الزھور'' کے مصنف ابن ایاس اس واقعہ کے بارے لکھتے ہیں۔'' جب یہ خبر مصر پہنچی اور سلطان محمد فاتح کا وفد آیا تو قلعہ پر خوشی سے دمدمے بجائے گئے اور قاھرہ کے گلی کوچوں کو سجا کر اس خبر کی تشہیر کی گئی۔ پھر سلطان نے برسبای امیر آخور ثانی کو ابن عثمان کی طرف بھیج کر اس فتح کی مبارک باد دی''۔

مؤرخ ابو المحاسن بن تغری بردی کا ذکر کرنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں جنہوں نے لوگوں کے جذبات اور ان کی قلبی کیفیات کو بہت خوبصورت طریقہ سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب فاتح کا وفد تحائف سے لدا پھندا روم کے زعماء میں سے کچھ اسیروں کو لئے مصر پہنچا تو'' میں نے کہا: الحمدللہ یہ عظیم کامیابی محض اللہ کا احسان ہے۔ قاصد مذکور تشریف لائے۔ استنبول کے رئیس اسیروں کی صورت ان کے ساتھ تھے۔ قاصد انہیں لے کر سلطان (سلطان مصر اینال) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ دونوں قیدی قسطنطنیہ سے تھے۔ قسطنطنیہ استنبول میں ایک بہت بڑا کلیسا ہے۔ سلطان بہت خوش ہوا اور تمام لوگ بھی اس فتح کا سن کر مسرور ہوئے۔ اس واقعہ پر جشن منایا گیا۔ دمدمے بجائے گئے۔ شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ پھر قاصد مذکور ان دونوں قیدیوں کو ساتھ لئے سوموار 25 شوال کو قاہرہ کی مختلف سڑکوں سے گزرتا قلعہ کی جانب بڑھا۔ لوگوں نے دکانوں اور گھروں کو خوب سجایا تھا۔ سلطان نے پہاڑی قلعہ کے سلطانی احاطے میں ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا......(2)

ابن تغری بردی نے قاہرہ میں لوگوں کے جس طرح کے اجتماعات اور فتح قسطنطنیہ پر ان کی خوشی وشادمانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح کی محافل اور جشن کا پوری اسلامی دنیا میں اہتمام کیا گیا۔ سلطان نے فتح کی خوشخبری کے خطوط مختلف اسلامی فرمانرواؤں کو بھیجے جیسے سلطان مصر، شاہ ایران، شریف مکہ، امیر کرمان وغیرہ اس طرح بعض خطوط پڑوسی مسیحی ممالک کو بھی بھیجے گئے۔ جیسے مورہ افلاق، ہنگری، بوسنیا، سربیا، البانیا اور ارد گرد کی کئی دوسری سلطنتیں۔(3)

سلطان مصر کے نام سلطان محمد فاتح کا خط

ذیل میں سلطان محمد فاتح کے خط سے ایک اقتباس دیا جاتا ہے جو انہوں نے مصر کے سلطان اینال کے نام تحریر کیا۔ یہ خط احمد کورانی کا تحریر کردہ ہے:'' ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ راہ خدا میں جنگ کی اور کسی ملامت کرنے

1۔ السلطان محمد الفاتح: ص 141
2۔ النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ: 71/16
3۔ محمد الفاتح: ص 142

والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کی۔ ہم اسی طریقہ پر قائم ہیں اور انہی مقاصد کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہیں۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان سے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے''۔ اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر کار بند ہیں۔ من اغبرت قدماه فی سبیل الله حرمه الله علی النار ''جس کے پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ حرام فرمادی'' اس سال اللہ تعالیٰ نے اپنی برکتوں سے ہمیں نوازا۔ ہم پر انعام فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لیا۔ اللہ کریم کے فضل و کرم کے طفیل اپنے اس دینی فریضہ کی ادائیگی اور اللہ کریم کے اس فرمان عالیشان: قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (التوبہ:123) پر عمل کرتے ہوئے محض اللہ کے بھروسے پر نمازیوں اور مجاہدوں کے بری اور بحری عساکر تیار کئے تا کہ اس شہر کو فتح کریں جو گناہ اور کفر سے بھرا ہوا تھا اور اسلامی ممالک کے درمیان میں ابھی تک فتح نہیں ہوا تھا۔ یہ شہر اپنے کفر پر نازاں تھا۔

فکانها حصف علی الخد الاغر
وکانها کلف علی وجه القمر

''گویا وہ چمکتے گال پر بدصورت (خارش کا) نشان ہو یا چاند کے چہرے پر داغ''۔

......اس شہر کا ایک حصہ سمندر میں ہے اور دوسرا خشکی پر ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال:60) پر عمل پیرا ہو کر اس کے لئے ہر طرح کی تیاری کی جو کہ ہماری استعداد میں تھی۔ اور گولہ، بارود، منجنیق، نقب زنی کا سامان، پتھر وغیرہ جو چیزیں کہ خشکی کی طرف سے کام آسکتی تھیں اور سامان سے بھرے ہوئے بحری جہاز اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند بلند ہونے والی کشتیاں جو بحری حملہ میں کام آسکتی تھیں سب اس کے لئے تیار کیں۔ اور 26 ربیع الاول 857ھ کو اس شہر (کے مضافات میں) جا اترے۔

فقلت للنفس جید الان فاجتهدی
وساعدینی فهذا ماتمنیت

''میں نے اپنے دل سے کہا اب کوشش کر اور محنت سے کام لے اور میری مدد کر۔ یہی تو ہے جس کی مجھے تمنا رہی ہے۔''

جب بھی ان (کافروں) کو حق کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کفر پر اصرار کیا اور تکبر کیا اور وہ حق کے منکر تھے۔ ہم نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہم ان سے لڑے اور وہ ہم سے لڑے ہم نے ان سے قتال کیا اور انہوں نے ہم سے قتال کیا۔ ہمارے اور ان کے درمیان چون دن رات لڑائی جاری رہی۔

اذاجاء نصر الله و الفتح مبین
علی المرء معسور الامور و صعبها

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح و نصرت پہنچ جائے تو انسان کے لئے مشکل اور دشوار کام آسان ہو جاتے ہیں''۔

بیس جمادی الاول منگل کے روز صبح صادق کے وقت ہم نے اس طرح حملہ کیا جس طرح شیاطین پر ستارے ٹوٹ کر

گرتے ہیں۔ حکومت صدیقی نے عدل فاروقی اور ضرب حیدری کے طفیل آل عثمان کے لئے اس شہر کو مسخر کر دیا اور اس سے پہلے کہ سورج مشرق سے مغرب کو آتا سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۞ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ۞ (القمر) ''عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے بلکہ ان کے وعدے کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔'' (کا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے تھا) جو شخص سب سے پہلے قتل ہوا اور اس کا سر قلم کیا گیا ان کا مردود اور ناشکرا بادشاہ تھا۔ یہ لوگ عاد و ثمود کی طرح ہلاک ہوئے۔ عذاب کے فرشتوں سے انہیں پا بجولاں جہنم رسید کیا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ قتل ہوئے جو قتل ہوئے اور قیدی کر لئے گئے جو بچ گئے مسلمانوں نے ان کے خزینوں پر غارت گری کی۔ ان کے کنوز اور دفینوں کو نکالا جو بہت بڑی مقدار میں تھے۔ اور ان کافروں پر وہ وقت بھی آیا کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھے۔'' فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ (الانعام) '' کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے۔ سارے جہان والوں کا''۔ سو اس دن اہل ایمان خوش ہوئے کہ اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب ہم ان پلید، نجس اور لالچی لوگوں پر غالب آ چکے تو ہم نے خانقاہوں کو پادریوں سے پاک کیا، اس سے صلیب اور ناقوس کو نکال باہر کیا اور صنم پرستوں کی عبادت گاہوں کو اہل اسلام کے لئے مساجد میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ خطہ (اسلامی) سکہ اور خطبہ کے مشرف سے شرف ہوا۔ حکم خداوندی پورا ہوا اور جو کچھ وہ کرتے رہے تھے سب باطل ٹھہرا......(1)

سلطان محمد فاتح نے ایک خط شریف مکہ کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ یہ خط سلطان مصر کی وساطت سے مکہ مکرمہ پہنچا۔ سلطان مصر نے محمد فاتح کے جواب میں ایک خط ارسال کیا اور کچھ تحائف بھی بھیجے۔ یہ خط بلند پایہ ادبی نثر کا نمونہ ہے۔ اور اس میں کئی خوبصورت اشعار بھی ہیں۔

مثلاً ایک شاعر کے اشعار ہیں۔

خطبتها بکراً وما امهرتها　　الاقنا وقواضبا و فوارسا
من کانت السمر العوالی مهره　　جلبت له بیض الحصون عرایسا
الله اکبر ما جنیت ثمارها　　الاو کان ابوک قبلک غارسا (2)

''میں نے اس دوشیزہ کو پیغام نکاح دیا اور میں نے اسے مہر میں نیزے تلواریں اور ماہر گھوڑ سوار دیے جن کے پاس گندم گوں بلند نیزے مہر ہوں انہیں سفید قلعے دولہا کی حیثیت سے کھینچ لے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! آپ نے جن درختوں کے پھل چنے ہیں وہ آپ سے پہلے آپ کے والد گرامی کے لگائے ہوئے ہیں۔''

سلطان مصر کے خط میں یہ شعر بھی مرقوم ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

الله اکبر هذا النصر و الظفر　　هذا هو الفتح لایزعم البشر (3)

1۔ محمد الفاتح: ص 167،163　　2۔ محمد الفاتح: ص 175　　3۔ محمد الفاتح: ص 176

''اللہ اکبر! یہ فتح وظفر! یہ وہ کامیابی ہے جس کا ایک انسان گمان بھی نہیں کرسکتا۔''

سلطان مصر کے شاعر نے فتح قسطنطنیہ کی مناسبت سے کہا:

کذا فلیکن فی اللہ جل العزائم — والا فلا تجفو الجفون الصوارم

کتائبک البحر الخضم جیادھا — اذا ماتھدت موجد المتلاطم

تحیط بمنصور اللواء مظفر — لہ النصر والتائید عبد و خادم

فیا ناصر الاسلام یا من بغزوہ — علیٰ الکفر ایام الزمان مواسم

تھن بفتح سار فی الارض ذکرہ — سری الغیث یحدوہ الصبا و النعایم(1)

''اسی طرح اللہ کی رضا کی خاطر عظیم ارادے ہونے چاہئیں وگرنہ تیز تلواریں میانوں سے جدا نہیں ہوتیں۔ آپ کی سپاہ وہ ہے جس کے گھوڑے اس بہت بڑے سمندر کی مانند ہیں جس کی تلاطم خیز موجیں ہیبت طاری کر رہی ہوتی ہیں۔ اس نے کامیابی کے جھنڈے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ یہ جھنڈا کامیابی کا جھنڈا ہے۔ (بلکہ) کامیابیاں و کامرانیاں اس کی غلام اور خادم ہیں۔

اے اسلام کے مددگار! اے وہ کہ کفر پر جس کی یلغار کی داستان ابدالآباد تک کتاب دہر کے صفحات پر مرتسم رہے گی''۔

تمہیں یہ فتح و کامرانی مبارک ہو کہ اس کا ذکر روئے زمین پر یوں ہو رہا ہے جیسے وہ بادل جو چلتا ہے تو صبا اور چاند کی منزلیں اس کے لئے حدی خوانی کرتی ہیں۔''

سلطان محمد فاتح کا خط شریف مکہ کے نام

سلطان محمد فاتح نے شریف مکہ کے نام ایک خط لکھا اور اس میں انہیں فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے دعا کی درخواست کی۔ شریف مکہ کی خدمت میں اس خط کے علاوہ قیمتی تحائف بھی ارسال کئے۔ اس خط کے چند فقرے درج ذیل ہیں۔

مقدمہ جس میں شریف مکہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے کے بعد لکھتے ہیں: ''ہم نے یہ خط اس لئے ارسال کیا ہے کہ آپ کو اس فتح کی خوشخبری سنائیں جس سے اس سال اللہ کریم نے ہمیں نوازا ہے۔ یہ ان کامیابیوں میں سے ایک ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے۔ یہ فتح مشہور شہر قسطنطنیہ کی تسخیر ہے۔ میں آپ کی قدر و منزلت سے امید کرتا ہوں کہ خوشی کی اس عظیم خبر اور بہت بڑی نعمت کی اطلاع پہنچنے پر خوش ہوں گے اور آپ کے ساتھ حرمین شریفین کے باسی، علماء، ہدایت یافتہ سادات، زہاد، عبادت گزار، صالحین، مشائخ، واصلین باللہ، نیک اور متقی ائمہ کرام اور چھوٹے بڑے سب لوگ بھی خوشی و مسرت کا اظہار کریں گے۔ وہ لوگ جو بیت اللہ شریف کے غلاف کے دامن سے لپٹے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ دامن جو ایک مضبوط گرہ ہے جو کبھی کھلے گی نہیں وہ جو زمزم، مقام ابراہیم کو دیکھ رہے ہیں وہ جو رسول اللہ ﷺ کے جوار میں معتکف ہیں۔ وہ جو عرفات میں ہماری سلطنت کے دوام کے لئے اللہ کے حضور آہ وزاری کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی

1۔ محمد الفاتح، ص 177

برکتوں کے طفیل ہم پر اپنے فضل و کرم کی بارش برسائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔ہم قاصد کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ہدیہ ارسال کر رہے ہیں۔یہ ہدیہ خالص آپ کے لئے ہے۔خالص سونے کے مکمل وزن کے دو ہزار فلوری اور مال غنیمت میں لیا گیا ایک تیز رفتار گھوڑا سات ہزار فلوری الگ سے فقراء کے لئے ہیں۔ان میں دو ہزار سادات اور نقباء کے لئے ایک ہزار حرمین شریفین کے خاص خادموں کے لئے اور باقی مکہ شریف اور مدینہ منورہ زادھما اللہ شرفا کے ضرورت مندوں کے لئے۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ یہ رقم ان لوگوں میں ان کے ضرورت اور احتیاج کے مطابق تقسیم کر دیں گے۔میری ان تمام لوگوں کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ وہ ہمیں اپنی دعاؤں میں ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھیں اور ہم پر لطف و احسان فرماتے رہیں۔اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی حفاظت فرمائے اور قیامت تک آپ لوگوں کو ابدی سعادت اور سرمدی سیادت عطا فرمائے۔(1)

شریف مکہ کا جواب

''ہم نے اسے کمال ادب کے ساتھ کھولا اور اہل حجاز اور عرب کے لوگوں کے سامنے کعبہ معظمہ کے بالمقابل اس کو پڑھا۔ہم نے دیکھا کہ اس خط میں قرآن کریم کی آیات ہیں جو اہل ایمان کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔اور ہم نے اس کے معانی میں رسول خدا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزہ کا ظہور پایا ہے اور وہ فتح قسطنطنیہ اور اس کے ماتحت علاقوں کی تسخیر ہے جن کے قلعوں کی مضبوطی لوگوں میں مشہور ہے۔اور فصیلوں کی سختی خاص و عام میں معروف ہے۔ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس مشکل کام کو آسان بنا دیا اور اس خطرناک مہم کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ہم بے حد خوش ہیں۔ہم اس وجہ سے بھی خوش ہیں کہ آپ نے اپنے عظیم آباء و اجداد کے طور طریقوں کو زندہ کر دکھایا۔اللہ کریم ان کی ارواح کو سکون بخشے۔جنت میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔آپ نے اراضی مقدسہ کے باسیوں کے لئے اپنی محبت کا جو اظہار کیا ہم اس پر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔(2)

چوتھی بحث

فتح قسطنطنیہ کے اسباب

قسطنطنیہ کا مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونا محض اتفاق نہیں بلکہ اسلام کے ابتدائی ادوار سے ایک طویل عرصہ پر محیط ان کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارت کو پورا کرنے کے لئے کئی نسلوں نے کوشش کی اور بنی عثمان کے دور حکومت سے ان کوششوں میں بہت تیزی آگئی۔ہم دیکھتے ہیں کہ دولت عثمانیہ کے فرمانروا اسباب کو بروئے کار لانے کی سنت پر بڑی شدت سے کاربند تھے۔محمد فاتح نے اسی سوچ کی پیروی کی اور یہ بات ان کی جہادی زندگی سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنے میں بڑے حریص تھے۔وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (الانفال:60)

''اور تیار رکھو ان کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت'' محمد فاتح اس حقیقت کا ادراک رکھتے تھے کہ اس دین کا

1۔الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 47　　2۔الدولۃ العثمانیہ، ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 48

12A غلبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر طرح کی قوت فراہم کی جائے اور جنگی تیاری میں کوئی دقیقہ فروگزشت نہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنے مبارک جہاد کی صورت میں اس آیت کی عملی تفسیر مہیا فرمائی۔ قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ایک لشکر جرار تیار کیا۔ اور اپنے دور کا مروج ہر طرح کا اسلحہ جمع کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ مثلاً توپیں، گھوڑ سوار دستے اور تیر انداز

محمد فاتح کی قیادت میں جس لشکر نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا اس کی تیاری دینی اصولوں پر کی گئی تھی۔ اور اس کی تربیت میں ایمان، تقویٰ، امانتداری، اور فرض شناسی جیسی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔ ان کی ٹریننگ کے دوران پختہ اسلامی عقیدہ کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔ اس تربیت کی نگرانی علمائے ربانین نے کی۔ افراد کی تربیت میں کتاب اللہ اور سنت نبوی کو منہاج بنایا۔ ان کی ان اصولوں پر تربیت فرمائی کہ

❶ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ ہی اپنا بیٹا۔ وہ تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور تمام کمالات سے متصف ہے اور ان کمالات کی کوئی حد نہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق، مالک ہے اور ہر کام کی تدبیر فرمانے والا ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:54)

''سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔''

❸ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کائنات میں ہر نعمت کا منبع ومصدر ہے۔ خواہ وہ نعمت چھوٹی ہو یا بڑی، ظاہر ہو یا مخفی:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل:53)

''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔''

❹ اس کا علم ہر ایک چیز کو محیط ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی مخفی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور جو کچھ انسان چھپاتا ہے اور جو ظاہر کرتا ہے سب اس پر عیاں ہے۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (الطلاق:12)

''اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔''

❺ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کو اپنے فرشتوں کے ذریعے ایک ایسی کتاب میں محفوظ کر رہا ہے جو چھوٹی بڑی ہر چیز کا شمار رکھتی ہے اور مناسب وقت پر ان کو نشر کر دے گی۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ (ق)

''وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے''۔

❻ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کو کئی امور کے ذریعے آزماتا ہے ایسے امور جو اس کی پسند اور منشا کے خلاف ہوتے ہیں اور وہ اس طرح انسانوں کی اصلیت کو (عملاً) جانتا ہے کہ کون اللہ کے فیصلے اور قضاء پر راضی ہوتا ہے اور ظاہر و باطن سے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہے اور اس طرح نیابت، امامت اور سیادت کے لائق ٹھہرتا ہے اور کون ان میں سے بے صبری،

غیض وغضب کا مظاہرہ کرتا ہے اور ناکام ٹھہرتا ہے۔ اور نیابت وسعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:2)

''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔''

❼ اللہ تعالیٰ اس شخص کو توفیق دیتا ہے اور اسے نصرت وتائید سے نوازتا ہے جو اس کی پناہ حاصل کرتا ہے اور اس کی نگہبانی میں چلا جاتا ہے اور ہر حال میں اس کے حکم کی پابندی کرتا ہے۔

اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ (الاعراف)

''یقیناً میرا حامی اللہ ہے جس نے اتاری یہ کتاب اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی''۔

❽ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کی یکتائی کو تسلیم کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ (الزمر)

''بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے''۔

❾ اللہ کریم نے قرآن پاک میں توحید اور عبودیت کے مضمون کی خوب وضاحت فرمادی ہے۔

دولت عثمانیہ کے علماء نے افراد اور سپاہ کی تعلیم وتربیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہج تربیت کی پوری طرح پابندی کی ہے۔ اور درج ذیل پہلوؤں پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے۔

❶ یہ زندگی کتنی ہی لمبی ہو جائے فانی ہے اور اس کی زیب وزینت کا سامان کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو تھوڑا ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (یونس)

''پس حیات دنیوی (کے عروج وزوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے سو گھنی ہو کر اگی پانی کے باعث سرسبزی زمین کی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہوگئی اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پالیا ہے اس پر (تو اچانک) آپڑا اس پر ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کے وقت۔ پس ہم نے کاٹ کر رکھ دیا اسے گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں۔ یونہی ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی) نشانیوں کو اس قوم کے لئے جو غور وفکر کرتی ہے۔''

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (النساء:77)

''کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے''۔

❷ ساری خلق خدا نے اس کے حضور لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اعمال کے بارے جواب دہ ہونا ہے۔ نیک جنت میں اور بدکردار دوزخ میں ہوں گے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ (القیامۃ)

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔"

❸ جنت کی نعمتیں دنیا کے سب درد و غم اور تلخی و تھکاوٹ کو بھلا دیں گی اور اسی طرح جہنم کی آگ اس دنیا کی ہر راحت اور آسودگی کے خیال کو دل سے محو کر دے گی۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ (الشعراء)

"کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال پھر (یہ عرصہ گزرنے کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا نفع دیں گے انہیں (اس وقت) وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے"۔

❹ زوال دنیا، جنت یا دوزخ میں انسان کے ٹھہرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ہولناکیوں اور شدتوں کے ایک طویل سلسلے سے گزرنا ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾ (الحج)

"اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا۔ اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)"۔

اور اللہ کریم کا ارشاد ہے:

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ (المزمل)

"(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا"۔

❺ ان ہولناکیوں اور تکلیفوں سے نجات، جہنم سے دوری اور جنت کی کامیابی کا واحد راستہ اللہ پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی کے لئے اعمال صالحہ کی بجا آوری ہے۔(1)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ

"جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (البروج)

دولت عثمانیہ کے علمائے ربانی منہج رسول ﷺ پر کاربند رہے اور افراد، سپاہ، قائدین اور معاشرہ کو زمین میں پیغام الٰہی کو پھیلانے اور اعلائے کلمۃ اللہ میں اپنا کردار ادا کرنے پر صبر و استقامت کی تلقین کرتے رہے۔ ان علماء کرام نے انہیں یہ احساس دلایا کہ اللہ کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ وہ صبر و استقلال اور نصیحت و موعظت کے ذریعے انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی نیک اعمال کا اجر انہیں اس کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ اسی تربیت کی وجہ سے سپاہ اور قائدین کے اندر غیرت و حمیت اور جزیہ و عزیمت جیسی اعلیٰ صفات کا پرتو جھلکنے لگا۔ خود محمد فاتح کی بھی اسی نہج پر تربیت ہوئی تھی۔ اسی لئے تو وہ اپنے اشعار میں ان چیزوں پر فخر کیا کرتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے۔

"میری آرزو ہے کہ میری تمام کوششیں میرے دین یعنی اللہ کے دین کی خاطر صرف ہوں۔ میرا عزم ہے کہ میں اپنے لشکر و سپاہ جو درحقیقت خدائی لشکر ہے کی مدد سے تمام کافروں کے خلاف جنگ کروں۔

میری سوچ کا محور و مرکز فتح و نصرت اور اللہ کے فضل و کرم سے کافروں پر کامیابی حاصل کرنا ہے۔

میرا جہاد جان و مال کا جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔

میرا شوق ہے کہ میں کروڑوں مرتبہ اللہ کی رضا کی خاطر جنگ کروں۔

میری امید: اللہ کی مدد اور دشمنان خدا کے مقابلے میں اس سلطنت کا عروج ہے۔"(2)

سلطان محمد فاتح نے جب طرابزون کے شہر جس کا حکمران نصرانی تھا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے مکمل تیاری کی۔ ایسے بہت سارے مزدور اپنے ساتھ لئے جو درختوں کی کٹائی اور راستوں کو درست کرنے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ایسے بلند و بالا اور دشوار گزار پہاڑ آئے جہاں وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور ایک عام سپاہی کی طرح ہاتھ پاؤں سے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ ترکمانوں کے سردار حسن اوزون کی والدہ ان کے ساتھ تھی جو سلطان محمد اور اپنے بیٹے کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے آئی تھی۔ بوڑھی نے محمد سے پوچھا: بیٹا اتنی مشقتیں کیوں جھیل رہے ہو اور اتنی جگر سوزیوں سے کیا مطلوب ہے۔ کیا طرابزون کا شہر اس لائق ہے کہ اس کے لئے اتنی مشکلات کا سامنا کیا جائے؟

محمد فاتح نے جواب دیا: اماں! اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں یہ تلوار اس لئے دی ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کی راہ میں جہاد کروں۔ اگر میں ان مشکلات کو برداشت نہیں کروں گا اور اس تلوار کا حق ادا نہیں کروں گا تو غازی کا لقب جو مجھے دیا گیا ہے اس کے ساتھ انصاف نہیں ہو گا۔ اگر آج اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ

1۔ منہج الرسول فی غرس الروح الجہادیہ: ص 34،19

2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 258

کو کیا منہ دکھاؤں گا؟(1) ایک سلطان محمد پر ہی موقوف نہیں اس عمیق ایمانی تربیت کی بدولت پوری سپاہ اور اس کے قائدین سچے مجاہد تھے۔

قسطنطنیہ کے محاصرہ کے دوران محمد فاتح کا لشکر اس صحیح عقیدہ، عبادات، دینی شعائر کی بجا آوری اور اللہ رب العالمین کے حضور خضوع وخشوع پر کاربند رہا۔(2)

مؤرخین نے قسطنطنیہ کی فتح کے کئی اسباب کا ذکر کیا ہے جیسے بیزنطینی دولت کی کمزوری، اندرونی مذہبی جھگڑے، طویل عرصہ تک باہمی جنگ وجدل کی بدولت یورپی ملکوں کا اندر سے کھوکھلا ہو جانا۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے اسباب کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

سلطان محمد فاتح کے عہد حکومت میں سلطنت عثمانیہ میں شرعی قوانین کی عملداری کے اثرات

قرآن کریم، سنت رسول ﷺ اور سابقہ امتوں اور انسانی گروہوں کی زندگیوں میں غور وفکر انسان کو انفس وآفاق میں الٰہی قوانین کے اثرات کی حقیقی معرفت عطا کرتا ہے۔ کتاب اللہ ایسے الٰہی قوانین وسنن سے بھری پڑی ہے جو معاشروں، ملکوں اور انسانی گروہوں میں ہر کہیں نظر آتے ہیں۔ رب قدوس کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ (النساء)

"چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لئے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے"۔

الٰہی قوانین قرآن وسنت میں غور وخوض کرنے سے آشکارہ ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مناسب مواقع کی تلاش میں ہوتے تھے اور حالات سے استفادہ کرتے تھے تاکہ وہ اپنے صحابہ کرام کو دکھائیں کہ ان حالات وواقعات میں سنن خداوندی کس طرح کارفرما ہیں۔ اس طرح کا ایک واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ناقہ جس کا نام "عضباء" تھا بہت تیز تھی اور دوڑ میں کسی بھی اونٹ کو اپنے سے آگے نہیں نکلنے دیتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک اعرابی کا اونٹ اس اونٹنی سے آگے نکل گیا۔ یہ بات صحابہ کرام علیہم الرضوان پر گراں گزری۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے سامنے سنن خداوندی میں سے ایک سنت کو عیاں کرتے ہوئے فرمایا:

حق على الله ان لا يرفع شيئًا من الدنيا الا و ضعه

"اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے (یعنی یہ الٰہی قانون ہے) کہ وہ جس چیز کو دنیا میں عروج عطا کرے اسے ضرور زوال پذیر کرے"۔(3)

1۔ محمد الفاتح: ص263
2۔ الحسبہ فی العصر المملوکی ڈاکٹر حیدر الصافح: ص206
3۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ناقۃ الرسول اللہ: 86/6

قرآن کریم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم زمین پر چل پھر کر مختلف مقامات اور تاریخ وسیر کے مختلف ازمنہ میں موجود سنن الٰہی کے آثار کا کھوج لگائیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران)

''گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج وزوال کے) قاعدے۔ پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیز گاروں کے واسطے''۔

قرآن کریم نے ہماری رہنمائی کی ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان جاری قاعدوں کو دیکھ کر اور ان میں غور وفکر کر کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

''فرمایئے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ پس وہ انتظار نہیں کر رہے ہیں مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے۔ آپ فرمایئے اچھا انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں''۔ (یونس)

قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ الٰہی قوانین کچھ خصائص کے ساتھ مختص ہیں۔

طے شدہ حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿۳۸﴾ (الاحزاب)

''نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسا کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے۔ اللہ نے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا ہوتا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ جو وہ کرتا ہے ہر حال میں وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس حکم کے نافذ ہونے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو سکتی وہ جو چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

الٰہی قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ۞ مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ۞ (الاحزاب)

"اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر۔ پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے"۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَوۡ قٰتَلَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوَلَّوُا الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ۞ سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلُ ۚۖ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۞ (الفتح)

"اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دیکر بھاگ جاتے۔ پھر نہ پاتے کسی کو (دنیا بھر میں) اپنا دوست اور مددگار۔ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔"

خدائی فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے رکتا نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ وَ اِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۞ (الانفال)

"فرما دیجئے! کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ۔"

دستور خداوندی کی مخالفت ممکن نہیں اور اس کی مخالفت فائدہ بخش ہو ہی نہیں سکتی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَ اَشَدَّ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ حَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۞ فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗ وَ کَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشۡرِکِیۡنَ ۞ فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُہُمۡ اِیۡمَانُہُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِہٖ ۚ وَ خَسِرَ ہُنَالِکَ الۡکٰفِرُوۡنَ ۞ (غافر)

"کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو

ان سے پہلے گزرے۔ وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنر مند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا۔ اور (آخرکار) گھیر لیا انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے۔''

سنت الٰہی سے سرکش کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے بلکہ اہل تقویٰ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ (آل عمران)

''گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے طریقے) پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا۔ یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے''۔

دستور خداوندی بحر و بر میں جاری ہے

انبیاء اور اہل ایمان تمام انسانوں سے قدر و منزلت میں اعلیٰ و ارفع ہیں۔ ان میں بھی دستور خداوندی جاری ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جاری ان سنتوں کے اثرات ہر شخص پر اس کے عمل کے مطابق مرتب ہوتے ہیں خواہ وہ فرمانبردار ہو یا فاسق و فاجر، اسی وجہ سے عثمانیوں نے ہر کام میں قانون خداوند کا التزام کیا۔ اور اپنی سیاسی زندگی میں انہیں طبعی مراحل سے گزرے سوان میں اللہ کے حکم کا اثر بالکل واضح اور عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کلام نازل کیا ہے اس کے حکم کے اثرات دنیاوی بھی ہیں اور اخروی بھی۔ دولت عثمانیہ کے مطالعہ کے دوران جن دنیوی اثرات کا مجھ کو علم ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

نیابت اور اقتدار

ہم عثمانیوں کے سب سے پہلے سربراہ عثمان سے لیکر محمد فاتح تک اور ان کے بعد آنے والے تمام سلاطین کو دینی شعائر پر کاربند پاتے ہیں۔ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کے حریص رہے اور اپنے ماتحت افراد کو بھی شرعی احکام کی پابندی کی عادت ڈالی۔ عثمانی دین کے بارے بڑے مخلص تھے اور شریعت اسلامیہ کی پاسداری پر بڑا زور دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

اللہ کریم نے انہیں قوت واقتدار بخشا۔ انہیں زمین میں اپنی نیابت کا شرف عطا کیا۔ جن علاقوں میں عثمانیوں نے حکومت کی وہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کیا اور اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار اور فرمانروائی سے نوازا۔

یہ الٰہی دستور ہے جو کائنات میں نافذ ہے اور اس میں ذرا برابر بھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی کہ جو معاشرہ اور قوم الٰہی دستور پر عمل کرتی ہے رب کریم اسے دنیا کی زمام اقتدار عطا کر دیتا ہے۔

اللہ کریم نے اس امت کے اہل ایمان سے بھی وہی وعدہ فرمایا جو اس سے پہلی امتوں کے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا تھا۔ سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور:55)

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔"

عثمانیوں نے اللہ کو سچے دل سے مانا۔ اور اس کے قانون کے مطابق فرمانروائی کی تو اللہ کریم نے انہیں اقتدار اور سلطنت بخشی جو اس ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اور ثمرہ تھی۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (النور:55)

"اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ان کے لئے"۔

عثمانیوں نے ایمان باللہ کے تقاضوں کو پورا کیا اور اللہ تعالیٰ نے غلبہ واقتدار کو ان کے لئے یقینی بنا دیا۔

امن واستحکام

ایشیائے کوچک اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس میں باہم متنازع کئی امارتیں تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے عثمانیوں کو ان امارتوں کو متحد کرنے کی عزت سے نوازا اور پورا علاقہ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی سعادت سے بہرہ مند ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دولت عثمانیہ کے لئے امن اور استحکام کو آسان بنا دیا اور پورے ملک میں اسلامی قانون کی بدولت امن وآشتی کا دور دورہ ہو گیا۔

دولت عثمانیہ کو جب نیابت بخشی گئی تو اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت عطا کی اور امن واستحکام کے اسباب اور دواعی پیدا کر دیئے حتیٰ کہ وہ اپنی قدر و منزلت کی حفاظت کرنے میں کامیاب رہی۔ اور یہ وہ دستور ہے جو گزشتہ امتوں میں بھی جاری رہا اور آج بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور شریعت پر عمل پیرا لوگوں کو یہ ضمانت فراہم کر دی ہے کہ ان کے لئے امن وامان قائم کرنا آسان رہے گا ان کے دلوں میں خوف وہراس ہو گا اور نہ ہی انہیں کوئی ناگہانی آفت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ کریم ہی کے ہاتھ میں ہیں تمام امور کی چابیاں اور وہی فیصلوں کو تبدیل کرنے کے لائق ہے۔ وہ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ جو لوگ توحید پر قائم رہتے ہیں اور ہر طرح کے شرک سے بچتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں مکمل امن عطا کرتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝ (الانعام)

''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

ان کے دلوں سے تمام اندیشے اور عذاب وشقاوت کا تمام خوف جاتا رہا کیونکہ وہ شرک خفی وجلی سے بالکل پاک ہوکر خالص ایمان باللہ کی لذت سے شادکام ہوگئے تھے۔ الٰہی قانون کی پابندی نے ان کے دلوں کو راحت واطمینان کی دولت سے بہرہ ور کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کے دلوں نے خدائی عدل، الٰہی رحمت اور ربانی رحمت کو پالیا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نیابت اور غلبہ واقتدار کا وعدہ فرماتا ہے تو انہیں امن وآشتی، اطمینان قلبی اور تمام اندیشوں سے بے خطر ہونے کی نعمت سے محروم نہیں رکھتا۔

عثمانیوں نے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کو یقینی بنالیا اور شرک کی تمام صورتوں سے الگ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے معاشرتی اور ملکی سطح پر دلوں میں امن کی کیفیت پیدا فرمادی۔

نصرت اور فتح

عثمانی اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے قربان کرنے کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دستور کے مطابق کہ ''جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔'' ان کی مدد فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ شریعت پر استقامت اختیار کرنے والے ہر شخص کو یہ ضمانت فراہم کرتا ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف اس کی ہر حالت میں مدد فرمائے گا اور انہیں ان پر تسلط بخشے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ۝ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ۝ (الحج)

''اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام۔''

تاریخ بشریت میں ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ کوئی جماعت ہدایت خداوندی پر استقامت اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو کمال قوت، سیادت اور تسلط سے نہ نواز دے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی اور اس کی رہنمائی میں چلنے سے ڈرتے ہیں تو ایسے لوگ اللہ کے دشمنوں کی عداوت ان کی ناراضگی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں اور انہیں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں دشمن ان کے خلاف متحد نہ ہوجائیں۔ کہیں انہیں اقتصادی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑجائے۔ وہ ہر وقت اسی طرح کے خطرات سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ قریش مکہ اسی طرح کے اوہام کا شکار تھے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا (القصص:57)

''اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے''۔

لیکن جب یہ لوگ غلامی رسول ﷺ کو قبول کر کے راہ ہدایت پر گامزن ہوئے تو صرف ربع صدی یا اس سے بھی کم عرصہ میں زمین کے مشارق و مغارب پر چھا گئے۔(1)

اللہ تعالیٰ نے عثمانیوں کی دشمن کے خلاف مدد فرمائی اور فتح سے ہمکنار کر کے ان پر احسان فرمایا۔ انہوں نے جہاں مختلف علاقے فتح کر کے ان کو اللہ حکم کے سامنے سرنگوں کیا وہاں قلوب کو بھی فتح کیا اور انہیں دین اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

عثمانیوں نے جب شریعت الٰہی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کو دل سے تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا اور ان پر رحمت کا نزول ہوا۔

مسلمان معاشرے جو اللہ تعالیٰ کے قانون سے دوری برت رہے ہیں۔ دنیا اور آخرت، دونوں جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ حکام، قضات، علماء اور الٰہی قانون کے نفاذ کی دعوت دینے والے مبلغین پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کی گئی ہے اور اس ذمہ داری کے بارے قیامت کے دن اللہ کے حضور انہیں جواب دہ ہونا ہے۔ جب حکام شریعت اسلامیہ سے ہٹ کر حکم دیتے ہیں تو ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور جنگ و جدل کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور حکومتوں کی تبدیلی کے اسباب میں یہ سب سے بڑا سبب ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ہوا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو سعادت سے بہرہ ور کرنا چاہتا ہے تو دوسروں کی غلطیوں کو اس کے لئے عبرت بنا دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرتا ہے جن کو الٰہی تائید اور نصرت حاصل ہوئی اور ان لوگوں کی راہ کو چھوڑ دیتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خائب و خاسر ٹھہرایا اور ذلت و مسکنت ان پر مسلط کر دی۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے:

وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۝ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ۝ (الحج)

''اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام''۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ اللہ کی مدد کیا ہے؟ اس کی کتاب، اس کے دین، اس کے رسول کی مدد، جو لوگ قرآن و سنت سے ہٹ کر فیصلہ کرتے ہیں یا جہالت کی زبان بولتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں فرماتا۔(2)

1۔ فی ظلال القرآن قطب شہید:2704/4

2۔ مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ:388/35

عزت وشرف

عثمانیوں کی عزت اوران کا وہ عظیم مقام جو کتب تاریخ میں مذکور ومسطور ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اوراس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تمسک کی راہ اختیار کی۔ جس شخص کو کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہونے کی عزت حاصل ہوتی ہے اس کا قدم راہ مستقیم سے نہیں ہٹتا۔ اور وہ اس الٰہی سنت کو پالیتا ہے جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے والوں کو عزت وشرف کی ضمانت دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝ (الانبیاء)

”بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ کا معنی ہے فیه شرفکم (اس میں تمہاری عزت ہے)(1)

عثمانیوں نے اسلامی احکام پر عمل کر کے عزت اور عظمت حاصل کی۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ ”ہم ذلیل ترین قوم تھے اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو عزت بخشی ہے اس کو چھوڑ کر ہم جتنی بھی عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ذلت سے ہمکنار کرے گا۔“(2)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس ارشاد سے عزت وذلت اور عروج وزوال کے فلسفہ کو کھول کر بیان کر دیا۔ جو معاشرہ قرآن وسنت کی پیروی پر کمر بستہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عزت اور ترقی سے ہمکنار کرتا ہے اور جو انحراف کی راہ اختیار کرتا ہے ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا (فاطر:10)

”جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جو عزت چاہتا ہے وہ اطاعت خداوندی کر کے عزت حاصل کرلے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِہٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (المنافقون)

”حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں“۔

عثمان اول، مراد اور محمد فاتح جیسے سلاطین کی سیرت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اسلام ہی کو باعث عزت سمجھتے تھے، قرآن کریم سے محبت کرتے تھے اور راہ خدا میں مرمٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انہیں زندگی کی ہر آسائش اور اچھی زندگی کا ہر ذریعہ حاصل تھا اور یہ سب راحتیں اور آسائشیں دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ تفسیر ابن کثیر: 170/3
2۔ حاکم فی المستدرک، کتاب الایمان: 26/1

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الاعراف)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انہوں نے جھٹلا دیا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اچھی باتوں کا فروغ اور بری باتوں کی حوصلہ شکنی

سلطان محمد فاتح کے دور حکومت میں اچھی باتوں کو جہاں فروغ حاصل ہوا وہاں برائیوں اور منفی رجحانات کی حوصلہ شکنی بھی ہوئی۔ اسی وجہ سے ایک ایسی نسل تیار ہوئی جس میں شرافت، سخاوت، شجاعت، عطاء اور دین و شریعت کے لئے مر مٹنے کے جذبہ جیسی اعلیٰ صفات موجود تھیں۔ یہ نسل اللہ کے ہاں مقدر ثواب کی متمنی اور اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے والی تھی۔ اس نسل نے اپنے معاشرہ، ملک اور حکام کی ہر اس آواز پر لبیک کہا جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی اور اسلام کی تعلیمات کی دعوت تھی۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ایک شخص ان معاشروں اور ملکوں میں شرعی احکام کے اثرات کو بالکل واضح دیکھتا ہے جن میں شرعی احکام اور اوامر و نواہی کا نفاذ ہوتا ہے۔ دولت عثمانیہ کو جو اچھے اثرات حاصل ہوئے وہ ان کی دیانتداری اور اسلام وابستگی کا نتیجہ تھے اور کائنات میں جاری سنت خداوندی جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی کی عکاسی کرتے تھے۔ ہر وہ گروہ جو اس عظیم مقصد اور اہم کام کے لئے کوشش کرتا ہے وہ ان اثرات تک ضرور پہنچ جاتا ہے خواہ اس کو کچھ وقت لگ جائے شریعت کے نفاذ کے یہ اثرات افراد، حکام اور ملک میں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کے ان مباحث کو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی سیرت سے اچھی طرح استفادہ کر سکیں جو ہم سے پہلے گزرے ہیں ان کی جہادی، علمی تربیتی سرگرمیوں، اللہ کی شریعت کی عملداری کے لئے حتی المقدور ان کی کوششوں، غلبہ کے اصولوں، تدریج اور مرحلیت، معاشرے کے مختلف افراد کی تربیت اور اسلام کے مطلوبہ کمالات تک ان کی بتدریج ترقی کے قوانین کو دیکھ سکیں اور ان کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔

ملت اسلامیہ کی تاریخ میں جو عظیم کامیابیاں وقوع پذیر ہوئیں وہ ان لوگوں کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئیں جو اپنے رب اور اپنے دین سے مخلص تھے۔ شریعت الٰہی پر کاربند تھے اور اپنے دل کو ہر طرح کی کدورتوں سے پاک کر چکے تھے۔ اس لئے عظیم فتح اور کوئی بڑی کامیابی آئندہ بھی صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہو سکے گی جن میں غلبہ و اقتدار کی وہ اعلیٰ صفات بدرجہ اتم موجود ہوں گی جن کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

پانچویں بحث

محمد فاتح کی شخصیت کے اہم پہلو

اس مطالعہ کے دوران محمد فاتح کی شخصیت کی جو بعض قائدانہ صفات سامنے آئی ہیں ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

حزم واحتیاط

سلطان محمد فاتح کی شخصیت کا یہ پہلو اس وقت نمایاں ہو کر سامنے آیا جب انہیں یہ گمان گزرا کہ عثمانی بحریہ کے کپتان بالطہ اوغلی سے قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران غلطی ہوئی ہے یا اس نے سستی کا مظاہرہ کیا ہے سلطان محمد فاتح نے انہیں یہ پیغام بھیجا۔ ''یا تو ان جہازوں پر قبضہ کرلو یا انہیں غرق کردو اگر ایسا نہ کرسکو تو پھر ہمارے پاس زندہ نہ لوٹنا۔''(1)

جب بالطہ اوغلی اپنی مہم میں کامیاب نہ ہوا تو سلطان نے اسے معزول کردیا اور اس کی جگہ حمزہ پاشا کو بحریہ کا کمانڈر مقرر فرمایا۔

شجاعت و بہادری

سلطان رحمۃ اللہ علیہ جنگی معرکوں میں بذات خود گھس جاتے اور اپنی تلوار سے خود جنگ کرتے۔ بلقان کے علاقوں میں لڑی جانے والی ایک جنگ میں بوغدان کے فرمانروا استفان کی طرف سے جیش عثمانی کو گھات کا سامنا کرنا پڑا۔ استفان اپنے لشکر کے ساتھ نہایت گھنے درختوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب مسلم لشکر ان درختوں کے قریب سے گزرنے لگا تو انہوں نے درختوں کے درمیان سے توپوں کے ذریعے شدید گولہ باری شروع کردی۔ مسلم لشکر منہ کے بل گر پڑا اور قریب تھا کہ پورے لشکر میں یہ پریشانی پھیل جاتی۔ سلطان نے جواں مردی کا مظاہرہ کیا۔ بڑی تیزی سے توپوں کی پہنچ سے دور نکل گیا۔ ینگ چری فوج کے سپہ سالار محمد طرابزولی پر اس لشکر کی پسپائی پر بہت طلملائے اور للکار کر کہا اے غازیو مجاہدو! اللہ کے سپاہی بن جاؤ اور اسلامی غیرت کا مظاہرہ کرو۔''(2)

ڈھال ہاتھ میں لی۔ تلوار سونتی اور گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگا کر دشمن کی طرف بڑھتا چلا گیا اور کسی چیز کی طرف مڑ کر نہ دیکھا۔ اور اس طرح اپنی فوج کے دلوں میں غیرت وحمیت کی آگ لگادی۔ سپاہی اپنے قائد کے پیچھے مردانہ وار بڑھے۔ جنگل میں گھس کر دشمن سے دوبدو ہوئے اور درختوں کے درمیان اپنی تلواروں سے وہ زور کی لڑائی کی کہ دشمن ٹھٹک کررہ گیا۔ یہ لڑائی چاشت کے وقت سے شروع ہوئی اور عصر اور مغرب کے درمیانی وقت تک جاری رہی۔

عثمانیوں نے بوغدانی لشکر کو پیس کر رکھ دیا۔ استفان اپنے گھوڑے سے گرا اور بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ عثمانیوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ لگا۔(3)

فہم وذکاء

اس کا اندازہ آپ کی اس بے مثال سوچ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے ذریعے آپ نے جہازوں کو بشکطاش جہاں لنگر انداز تھے سے شاخ زریں تک پہنچایا اور یہ کام خشکی کے راستے جو دونوں بندرگاہوں کے درمیان واقع تھا جہازوں کو خشکی پر کھینچ کر کیا گیا۔ انہیں جنیوہ کے جہازوں سے بچنے کے لئے غلطہ سے ہٹ کر یہاں پہنچنا پڑا اور اس طرح یہ مسافت تین میل ہوگئی۔

1۔ محمد الفاتح، ص 101 2۔ ایضاً، ص 246 3۔ ایضاً، ص 247

تین میل تک خشکی پر جہازوں کو چلانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پھر یہ راستہ بھی کوئی ہموار نہیں تھا۔ اونچے نیچے پہاڑ اور ٹیلے تھے۔ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا اور تھوڑے ہی وقت میں اس منصوبے پر کام شروع ہو گیا۔ راستہ ہموار کیا گیا پھر لکڑی کے تختے بچھا کر ان پر چربی اور تیل ڈالا گیا۔ اور جب یہ چکنا ہو گئے تو انہیں اس طریقہ سے راستے پر بچھایا گیا کہ جہاز خود بخود گھسٹتے چلے گئے اور انہیں لے جانے میں کوئی زیادہ وقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس دور کی مناسبت سے یہ ایک عظیم کارنامہ تھا۔ اس سے محمد فاتح کی فہم کی تیزی اور سرعت تنفیذ واضح ہو کر سامنے آ گئیں اور اس نے ثابت کر دیا کہ محمد فاتح بلا کا ذہین تھا۔ (1)

عزم وہمت

سلطان نے شاہ قسطنطنیہ، قسطنطین کے نام خط بھیجا اور اس سے مطالبہ کیا کہ شہر حوالے کر دو تا کہ خونریزی نہ ہو۔ اگر تم شہر میرے حوالے کر دو گے تو کسی کو کسی طرح کی تکلیف اور اذیت نہیں ہوگی۔ جو شہر میں رہنا چاہیں گے انہیں ہر طرح کی آزادی ہو گی اور جو شہر سے جانا چاہیں گے ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن قسطنطین نے جب شہر سلطان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو سلطان نے پر عزم لہجے میں کہا: ''ٹھیک ہے! عنقریب قسطنطنیہ میں میرا تخت ہو گا یا پھر اس میں میری قبر ہو گی۔'' (2)

جب لکڑی سے بنائے گئے بہت بڑے متحرک قلعہ کو بیزنطینوں نے جلا ڈالا تو اس پر سلطان کا ردعمل تھا۔ ''کل ہم اسی طرح کے چار قلعے اور بنائیں گے۔'' (3)

یہ چیز سلطان کی عزیمت اور اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے ڈٹ جانے کا پتہ دیتی ہے۔

عدل وانصاف

سلطان کے عدل وانصاف کے دنیا میں چرچے تھے۔ اسلامی شریعت کے مطابق آپ اہل کتاب سے حسن سلوک کا برتاؤ کرتے۔ انہیں ان کے تمام مذہبی حقوق دیتے۔ کسی نصرانی کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کی جاتی۔ بلکہ سلطان نصرانی زعماء کی عزت افزائی فرماتے۔ ان کے سرداروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ سلطان کا نعرہ تھا۔ ''عدل سلطنت کی بنیاد ہے۔'' (4)

اپنی طاقت، کثرت سپاہ اور وسعت سلطنت پر غرور نہیں تھا

ہم دیکھتے ہیں کے جب یہ عظیم فرمانروا قسطنطنیہ جیسے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کرتا ہے اور شہر میں داخل ہوتا ہے تو غرور وتکبر نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور کہتا ہے: ''الحمد للہ! اللہ کریم شہداء کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور مجاہدین کو عزت وبزرگی سے نوازے۔ میری قوم (مسلمانوں) کے لئے یہ فخر کی بات ہے انہیں اس عظیم فتح پر اللہ کا شکر بجا لانا چاہئے''۔ (5)

انہوں نے اس فتح کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم خیال کیا اور اسی لئے اپنے مالک وخالق کی اس مدد ونصرت پر اس کی حمد کی اور

1۔ السلطان محمد الفاتح ص 102
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور، 376
3۔ السلطان محمد فاتح ص 102
4۔ السلطان محمد الفاتح ص 152
5۔ ایضاً ص 131

شکر بجالایا اور یہ بات ان کے مضبوط ایمان کی دلیل ہے۔

اخلاص وللہیت

محمد فاتح علیہ الرحمۃ کی زندگی کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جن سے ان کے اخلاص اور للہیت کا اندازہ ہوتا ہے وہ دین اسلام کے بارے مخلص اور سختی سے اسلامی عقیدہ پر کاربند تھے۔ ان کی دعاؤں میں بھی اس بات کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہ کہا کرتے تھے۔

میری نیت: اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ (المائدہ:35) اور جہاد کرو اللہ کے راستہ میں''

میرا جذبہ: تمام کوششیں اپنے دین یعنی دین خداوندی کی خدمت کے لئے صرف کر دینا۔

میرا عزم: میں اپنے لشکر جو درحقیقت اللہ کا شکر ہے کے ساتھ ملکر تمام دشمنان اسلام کو مغلوب کر دوں۔

میری سوچ: اللہ کے لطف وکرم کے طفیل کامیابی وکامرانی اور فتح حاصل کرنا۔

میرا جہاد: جان ومال کے ساتھ۔ اطاعت خداوندی کے بعد دنیا میں اور رکھا ہی کیا ہے؟

میری امید: اللہ کی تائید ونصرت میں ہے اور دشمنان خدا پر سلطنت کا غالب ہونا ہے۔

علم وفن

آپ کے والد نے عہد طفولیت سے ہی آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ اسی لئے محمد فاتح نے اس تربیتی نظام کے سامنے اپنا سر جھکالیا جس کی نگرانی اس دور کے معروف ترین علماء کا ایک گروہ کر رہا تھا۔ آپ نے قرآن کریم پڑھا اور حدیث، فقہ، اور اس دور کے عصری علوم جیسے ریاضی، فلکیات، تاریخ اور نظریاتی اور عملی عسکری علوم میں دسترس حاصل کی۔

سلطان محمد فاتح کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی تعلیم وتربیت کی نگرانی اپنے دور کے ماہر ترین اساتذہ نے کی جن کے سرخیل ان کے پیرومرشد شیخ آق شمس الدین اور ملا کورانی تھے۔ (علامہ کورانی عثمانیوں دور حکومت میں اس دور کے کئی مروجہ علوم میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے تھے) محمد فاتح اپنے اساتذہ اور شیوخ کی تربیت سے بہت متاثر ہوئے اور یہ تربیت ان کے ثقافتی، سیاسی اور عسکری رجحانات میں بہت نمایاں رہی۔(1)

سلطان محمد فاتح نے تینوں اسلامی زبانوں میں خوب مہارت باہم پہنچائی اور یہ زبانیں جن سے اس دور کا کوئی بھی متمدن شخص مستغنی نہیں رہ سکتا تھا عربی، فارسی اور ترکی ہیں۔ سلطان محمد فاتح شاعر تھے اور انہوں نے ترکی زبان میں اپنا ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے۔(2)

1۔ السلطان محمد الفاتح ص 131
2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ ص 259,254

چھٹی بحث

سلطان محمد فاتح کے چند تہذیبی کارنامے

مدارس اور تعلیمی اداروں کا قیام

سلطان محمد فاتح علم وعلماء سے بہت محبت کرتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنی سلطنت کے طول وعرض میں کئی مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔ سلطان اورخان وہ پہلا فرمانروا ہے جس نے سلطنت عثمانیہ میں ایک مثالی سکول قائم کیا اور بعد میں آنے والے تمام سلاطین نے اس منہج تدریس کی پیروی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بروسہ ایڈریانوپل اور ملک کے کئی دوسرے شہروں میں مدارس اور تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھ گیا۔ سلطان محمد فاتح اس میدان میں بھی اپنے آباؤ اجداد سے سبقت لے گئے اور علم کی اشاعت، مدارس اور تعلیمی اداروں کے قیام میں اپنی کوششیں صرف کر دیں۔ انہوں نے تعلیم کے شعبے میں بعض اصلاحات کیں۔ منہج ہائے تعلیم کی بہتری اور ترقی کے لئے خودنگرانی کی خدمات سرانجام دیں۔ چھوٹے بڑے تمام شہروں میں مدارس اور سکول قائم کئے۔ اسی طرح دیہاتوں میں بھی تعلیم کا بندوست کیا۔ اور تعلیم کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کر دیں۔

ان مدارس کی تنظیم نو کی گئی، کلاسز اور درجات بنائے گئے اور ہر کلاس اور درجہ کے لئے نصاب مقرر کیا گیا۔ امتحانات کا نظام وضع کیا۔ کوئی طالب علم ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں جانے کا مجاز نہیں ہوتا تھا جب تک کہ وہ پہلے مرحلہ کا نصاب اچھی طرح پڑھ کر امتحان نہ دے دیتا۔ سلطان محمد فاتح تعلیمی امور کی کڑی نگرانی کرتے تھے اور خود اس بارے ہدایات دیتے تھے۔ کبھی کبھار طلبہ کے امتحانات کے دوران حاضر ہو جاتے وقتاً فوقتاً مدارس کا معائنہ کرتے۔ اساتذہ جو درس دے رہے ہوتے تھے اسے طلبہ میں بیٹھ کر سنتے اور اسے عار خیال نہیں کرتے تھے۔ طلبہ کو محنت، کوشش اور جدوجہد کی تلقین کرتے تھے اور جو اساتذہ یا طلبہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے انہیں عطیات دیتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ پورے ملک میں تعلیم مفت دی جاتی تھی اور اس پر طلبہ کا کچھ خرچ نہ اٹھتا تھا۔ ان مدارس کے اندر جو نصاب تعلیم مروج تھا ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، بلاغت، معانی، بیان، بدیع اور ہندسہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

قسطنطنیہ میں ان کی مسجد کے پہلو میں آٹھ مدرسے تھے جہاں پر آخری مرحلہ کی تعلیم مکمل کروائی جاتی تھی۔ ان مدارس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لئے کمرے بھی تھے۔ سونے اور کھانے کے کمرے الگ الگ تھے۔ ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان مدارس میں پورا سال تعلیم ہوتی تھی۔ مدارس کے ساتھ لائبریری بھی ہوتی اور لائبریرین کی خدمت صرف اس شخص کے سپرد کی جاتی تھی جو علم وتقویٰ کا حامل ہوتا اور کتابوں اور مصنفین کے اسماء میں کامل مہارت رکھتا ہوتا۔ لائبریرین طلبہ اور اساتذہ کو مطلوبہ کتاب عاریتاً دیتے اور ایک خاص نظام کے تحت کتاب ''ایشو'' (issue) کی جاتی۔ وہ کتابیں جو ایشو کی جاتیں ان کے نام ایک الگ رجسٹر میں درج ہوتے۔ کتاب لینے والا اس بات کا پابند ہوتا تھا کہ وہ کتاب مقررہ تاریخ پر واپس کرے اور

کتاب کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔ اس کی جلد بھی سلامت ہو اور اوراق بھی پھٹے ہوئے نہ ہوں(1)۔ کم از کم ہر تین ماہ کے بعد لائبریری کا آڈٹ کیا جاتا۔ ان مدارس میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے علاوہ پی ایچ ڈی تک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ علوم نقلیہ اور عقلیہ کے مخصوص سیکشن تھے اسی طرح تطبیقی (ٹیکنیکل) علوم کے بھی کئی سیکشن تھے پورے ملک میں تعلیم کی قدردانی عروج پر تھی۔ وزراء، علماء اور اہل ثروت مدارس، مساجد تعلیمی ادارے اور ویلفیئر ٹرسٹ بنانے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہتے تھے۔(2)

علماء کی قدردانی

محمد فاتح علماء وادباء کا بڑا قدردان تھا۔ ان کی نظر میں اہل علم انسانیت کا فخر تھے۔ انہوں نے علماء کو اپنے قریب کیا۔ ان کی عزت افزائی کی۔ انہیں کام کرنے اور نئی نئی کتابیں لکھنے کی ترغیب دی۔ اور ان پر اپنی دولت خرچ کی۔ علماء کے عطیات اور تنخواہوں میں اضافہ کیا اور ان کے لئے وظائف جاری کئے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ تعلیم و تعلم کی طرف توجہ دے سکیں۔ آپ نے ان کی بے حد تعظیم کی اگر کوئی دشمن بھی عالم ہوتا تو اس کی بھی قدردانی کرتے اور اس کی دشمنی کو اس راہ میں آڑے نہ آنے دیتے۔ جب آپ نے قرمان کو اپنی سلطنت میں شامل کیا تو مزدوروں اور کاریگروں کو قسطنطنیہ لے جانے کا حکم صادر کیا۔ ان کے وزیر روم محمد پاشا نے لوگوں پر سختی کی جن میں کچھ علماء بھی تھے۔ ان میں ایک عالم کا نام احمد چلپی تھا جو سلطان امیر علی کے فرزند تھے۔ جب سلطان کو معلوم ہوا کہ احمد چلپی عالم ہیں اور وزیر روم محمد پاشا نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے تو سلطان نے ان سے معذرت کی اور انہیں اپنے رفقاء کی معیت میں عزت واکرام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

اوزون حسن ترکمانوں کے سردار جو کئی بار علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔ اور کئی بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے ہزیمت خوردہ سلطان محمد فاتح کے سامنے پیش کئے گئے۔ ان کے ساتھ کئی دوسرے قیدی بھی تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ سوائے اہل علم و معرفت کے ان قیدیوں میں قاضی محمد شریح بھی تھے جو اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم تھے سلطان نے ان کی حد درجہ تعظیم کی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

سلطان محمد فاتح علماء اور اہل تقویٰ وورع کا بڑا احترام کرتا تھا۔ کبھی کبھار وہ معمولی غلطی پر آپے سے باہر ہو جاتا لیکن بہت ہی جلد وہ اپنے وقار کی طرف لوٹ آتا اور علماء کی عزت کرنے لگتا۔

کتب تاریخ بیان کرتی ہیں کہ سلطان محمد نے اپنے ایک خادم کے ہاتھ علامہ کورانی کی طرف شاہی فرمان بھیجا۔ ان دنوں علامہ کورانی لشکر کے قاضی تھے اس فرمان شاہی میں علامہ کورانی نے کوئی بات خلاف شرع دیکھی تو آگ بگولا ہو گئے۔ فرمان شاہی کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور سلطان کے خادم کی خوب پٹائی کی سلطان کو اطلاع ملی تو وہ شیخ کے اس عمل سے بہت برہم ہوئے۔ فوراً انہیں ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔ دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔ علامہ کورانی مصر چلے گئے جہاں سلطان قیتبائی نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ان کی نہایت عزت و تکریم کی انہیں ایک عرصہ تک اپنے پاس ٹھہرایا۔ کچھ عرصہ

1۔ محمد الفاتح، ص 385,384　　2۔ ایضاً، ص 384

بعد محمد فاتح کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سلطان قیتبائی کو خط لکھا اور شیخ کورانی کو واپس بھیجنے کی درخواست کی۔ سلطان مصر قیتبائی نے سلطان محمد فاتح کے خط سے شیخ کورانی کو آگاہ کیا اور عرض کیا کہ آپ نہ جائیں ہمارے پاس ٹھہریں میں ان سے بڑھ کر آپ کی خدمت کروں گا۔ علامہ کورانی نے کہا: ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میرے اور ان کے درمیان محبت کا ایک عظیم رشتہ ہے جیسے باپ بیٹے میں ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ہمارے درمیان رنجش پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں ان سے طبعاً محبت کرتا ہوں۔ اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ آپ نے مجھے نہیں جانے دیا اور اس طرح تم دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو جائے گی۔ سلطان مصر قیتبائے کو یہ بات بہت پسند آئی۔ شیخ کو مال و دولت سے خوب نوازا۔ انہیں زادراہ بھی دیا۔ ان کے ہاتھوں سلطان کو تحائف بھیجے اور انہیں بڑی عزت سے رخصت کیا۔ علامہ کورانی کو دوبارہ منصب قضاء دیا گیا۔ اور سلطان نے انہیں خوب نوازا اور ان کی پہلے سے بڑھ کر تکریم کی۔ (1)

شوکانی لکھتے ہیں: "عسکری عدالت سے انہیں منصب فتویٰ کی طرف منتقل کیا گیا۔ بعض اکابر کے بارے انہیں کچھ تردد ہوا تو انہوں نے "جمع الجوامع" تصنیف کی اور اس میں محلی (جلال الدین محلی جو مفسر تھے) کا خوب تعاقب کیا۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر پر بھی کام کیا۔ بخاری شریف کی شرح لکھی۔ اور تقریباً چھ سو اشعار پر مشتمل علم عروض کے بارے ایک قصیدہ رقم فرمایا۔ علامہ کورانی نے استنبول میں ایک مسجد تعمیر کی اور ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام دار الحدیث تھا۔ دنیا ان پر ٹوٹ پڑی۔ مدرسہ کے تمام کمرے طلبہ سے بھر گئے۔ انہوں نے علم کی اشاعت میں خوب حصہ لیا۔ بڑے بڑے لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ 761ھ میں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی جلالت کے ساتھ بقیہ زندگی پوری کی اور 793ھ کے آخر میں وصال فرمایا۔ سلطان اور ان کے علاوہ کئی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ علامہ کورانی شاعر بھی تھے۔ انہوں نے سلطان محمد فاتح کی تعریف میں جو قصیدے لکھے ان میں سے ایک قصیدہ کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

هو الشمس الا انه الليث باسلا
هو البحر الا انه مالك البر

"میرا ممدوح سورج ہے لیکن وہ ایک بہادر شیر بھی ہے۔ وہ سمندر ہے لیکن وہ خشکی کا مالک ہے"۔

علامہ کورانی کے حالات زندگی "الشقائق النعمانیہ" کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ قلم بند کئے ہیں۔ آپ سلطان سے ان کا نام لے کر بات کرتے تھے۔ ان کے سامنے نہ تو جھکتے نہ ہاتھ چومتے بلکہ سلطان سے عام لوگوں کی طرح مصافحہ کرتے۔ وہ کبھی سلطان کے دربار میں نہ جاتے جب تک کہ سلطان خود ان کو نہ بلا بھیجتے۔ وہ سلطان کو سرزنش کرتے اور کہا کرتے تھے تیرا کھانا پینا اور لباس حرام ہے۔ احتیاط کیا کر۔ آپ کے بے شمار مناقب کتب تاریخ میں بیان کئے گئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ باعمل علماء میں سے تھے۔ (2)

سلطان محمد فاتح کو جب معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کوئی عالم ہے اور تنگ دست ہے تو فوراً اس کے پاس پہنچتے۔ اس کی دلجوئی

1۔ محمد الفاتح، ص 389　　2۔ البدر الطالع، 41/1

کرتے اوراس کی مدد کر کے اسے امور دنیاداری سے بے نیاز کر دیتے۔

رمضان شریف میں سلطان کا یہ معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد قصر شاہی میں آتے اور علماء مفسرین کی ایک جماعت ساتھ ہوتی۔ ان میں سے ایک مفسر روزانہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتا اور دوسرے علماء اس کے ساتھ بحث کرتے۔ سلطان خود بھی اس مباحثہ اور مناقشہ میں حصہ لیتا۔ سلطان ان علماء کی خوب عزت افزائی کرتا۔ انہیں عطیات سے نوازتا اور خطیر رقم ان کی خدمت میں پیش کرتا۔

شاعروں اور ادیبوں کی قدر افزائی

ادب عثمانی کے مورخ نے ذکر کیا ہے کہ ''سلطان محمد فاتح ادبی ترقی کے سرپرست اور ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے تیس سال حکومت کی۔ یہ تیس سال شادابی، خوشحالی، برکت اور ترقی کے سال تھے۔ ابوالفتح کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ کئی مطلق العنان بادشاہوں پر غالب آئے۔ سات ملک فتح کیے۔ دوسو شہروں پر قبضہ کیا علم اور عمل کو بڑی حیثیت دی اسی طرح وہ ابوالخیرات کے نام سے بھی معروف ہوئے۔(1)

سلطان محمد فاتح ادب کے بالعموم اور شعر کے بالخصوص قدردان تھے شعراء کو اپنی بارگاہ میں باریابی کی اجازت دیتے تھے۔ انہیں سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بہت سے شعراء کو انہوں نے اپنی مصاحبت کے لئے چن رکھا تھا۔ ان میں احمد پاشا محمود، محمد پاشا اور قاسم جذری پاشا کے نام سرفہرست ہیں۔ یہ اور چند اور شعراء درباری شاعر تھے اور ان کی کل تعداد تیس بنتی ہے(2)۔ ان میں سے ہر ایک شاعر کو تقریباً ایک ہزار درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ آپ طبعی طور پر چاہتے تھے کہ شعراء اور ادباء ان کے علمی اور ادبی کارناموں کا تذکرہ کریں اور اس سلسلہ میں بہترین شعر موزوں کریں۔

سلطان محمد فاتح شعراء سے وقار سے گری ہوئی باتوں، بے حیائی اور بدخوئی کو ناپسند کرتے تھے اور جو لوگ آداب شعری سے نکل جاتے انہیں قید کی سزا دیتے یا اپنے دربار سے نکال دیتے۔(3)

تراجم کتب کا اہتمام

سلطان محمد فاتح خود رومی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اسلامی دنیا میں فکری ونظریاتی ترقی کے لئے یونانی، لاطینی، عربی اور فارسی کی بہت سے کتب کو ترکی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک مشہور کتاب ''بلوتارک'' کی کتاب ''شاہیر الرجال'' ہے اسی طرح امام زہراوی جو اندلس سے تعلق رکھتے تھے اور طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے کی کتاب ''التصریف فی الطب'' کا ترجمہ کروایا اور اس میں اضافہ کرتے ہوئے ان آلات جراحی کی تصویریں بھی دیں جو آپریشن میں کام آتے تھے۔

جب بطلیموس کی کتاب جو جغرافیہ میں تھی ہاتھ لگی اور اس میں ایک نقشہ دیکھا تو خود اس کے مطالعہ اور تحقیق کا اہتمام کیا اور معروف رومی عالم جارج امیروتزوس کو بھی اپنا شریک کیا۔ پھر محمد فاتح نے اس رومی عالم اور اس کے بیٹے سے جو رومی اور عربی

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ، ص 247 2۔ ایضاً 3۔ محمد الفاتح ص 393

دونوں زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا مطالبہ کیا کہ وہ اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کریں اور شہر کے ناموں کی تحقیق کر کے نقشہ کو دوبارہ تیار کریں۔ اس رومی عالم نے دو نسخے تیار کئے ایک عربی میں اور دوسرا رومی میں۔ سلطان نے ان کی اس کارکردگی کو سراہا اور انہیں اس کام کا بہت بڑا معاوضہ دیا۔ علامہ علی قوشجی جو اپنے دور کے علم ریاضی اور فلکیات کے بہت بڑے عالم تھے نے فارسی میں ایک کتاب تصنیف کی تو اس کتاب کی ایک عربی نقل بھی تیار کی اور یہ عربی مسودہ سلطان فاتح کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔

سلطان کو عربی زبان سے خاص لگاؤ تھا کیونکہ وہ قرآن کریم کی زبان تھی اور اس دور کی یہ علمی زبان سمجھی جاتی تھی جس میں قدیم و جدید ہر قسم کے علوم مدون ہو چکے تھے۔ عربی زبان سے محبت اور اس کی ترویج کے لئے کوشش کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے آٹھ مدارس کے مدرسین کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چھ کتابوں کو علم الفقہ میں جمع کریں۔ جیسے صحاح ستہ، تکملہ، القاموس اور اس طرح کی دوسری کتابیں۔ محمد فاتح علیہ الرحمۃ نے ترجمہ و تالیف کی تحریک کی مدد کی تا کہ پبلک لائبریریاں قائم ہوں اور اسلامی اور علمی معارف سے لوگ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے محل میں ایک بہت بڑی ذاتی لائبریری قائم کی جس میں انواع و اقسام کی تالیفات جمع کیں۔ شیخ لطفی کو اس کا نگران مقرر کیا جو ایک بہت بڑے عالم تھے۔ اس لائبریری میں بارہ ہزار کتابیں تھیں۔ یہ لائبریری 1465ء میں نذر آتش ہو گئی تھی۔ پروفیسر دیزمان نے اس لائبریری کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ لائبریری مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ایسا مرکز تھی جہاں سے علوم ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں منتقل ہوتے تھے اور اخذ و قبول کا سلسلہ اس کی وساطت سے ممکن بن گیا تھا۔ (1)

تعمیرات

سلطان محمد فاتح مساجد، علمی ادارے، محلات، ہسپتال، بازار، حمام بڑی بڑی مارکیٹیں اور پبلک پارک بنانے کے بہت شائق تھے۔ انہوں نے خاص پلوں کے ذریعے شہر میں پانی کا اہتمام کیا۔ وزیروں، ملک کی بڑی بڑی شخصیات، امراء اور اعیان مملکت کو دکانیں، حمام اور دوسری کئی ایسی عمارتیں بنانے کی ترغیب دی کہ جن سے شہر کی رونق دوبالا ہو جائے۔ دارالحکومت استنبول کی تزئین و آرائش پر تو خصوصی توجہ دی۔ وہ اسے دنیا کا خوبصورت ترین دارالحکومت بنانے کے خواہش مند تھے۔ چاہتے تھے کہ یہ شہر خوبصورتی کے ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون کا مرکز بھی ہو۔ محمد فاتح علیہ الرحمۃ کے دور میں تعمیرات کی کثرت ہوگئی۔ جگہ جگہ بلند و بالا عمارتیں نظر آنے لگیں۔ ہسپتالوں کی عمارتیں کافی تعداد میں تعمیر ہوئیں اور ان کی خوبصورتی، دلکشی اور حسن و جمال کے لئے ایک خاص مثالی نظام وضع کیا گیا۔ بڑے ہسپتالوں کے علاوہ دارالشفاء بھی بنائے گئے۔ ہر دارالشفاء میں پہلے ایک ڈاکٹر مقرر رہوا۔ پھر ان کی تعداد بڑھا کر دو کر دی گئی۔ یہ ڈاکٹر میڈیکل سپیشلسٹ ہوتے تھے۔ اور مرد اور عورتیں دونوں اس شعبہ سے وابستہ ہوتے تھے۔ میڈیکل سپیشلسٹ ڈاکٹروں کے علاوہ ان ہسپتالوں میں آئی سپیشلسٹ، سرجن، نرسنگ اور ایک جماعت ایسے افراد کی ہوتی تھی جو مریضوں کی خدمت بجالاتے تھے۔ اور بعض ان میں سے دربانی کا

1۔ محمد الفاتح: ص 396

کام کرتے تھے۔

ہسپتالوں میں کام کرنے والے ڈاکٹر کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ طبعی طور پر انسان دوست، ہمدرد اور قانع ہو۔ ڈاکٹر کی ڈیوٹی تھی کہ وہ مریضوں کو روزانہ دوبار چیک کرے اور اس وقت تک مریضوں کو دوائی نہ دے جب تک اچھی طرح یقین نہ کر لے کہ دوائی صحیح ہے اور مریض کے لئے موزوں ہے۔ ہسپتال میں مریضوں کو کھانا بھی ملتا تھا اور ماہر ترین خانسامے یہ فریضہ سرانجام دیتے جو مختلف اجناس کی طبی خصوصیات سے واقف ہوتے تھے اور صرف وہی خوراک تیار کرنے کے پابند ہوتے تھے جو مریضوں کے لئے موزوں ہو۔ علاج معالجے کی سہولیات مفت ہوتی تھیں اور تمام لوگ بلاتفریق مذہب وملت اور قطع نظر اس کے کہ ان کا تعلق کس علاقے سے ہے میڈیکل سہولیات سے فائدہ اٹھانے کے مجاز تھے۔(1)

صنعت وتجارت کا اہتمام

سلطان نے صنعت وتجارت پر بھی خصوصی توجہ دی اور اس کو فروغ دینے کے لئے تمام وسائل، اسباب اور عوامل کام میں لائے۔ اور اس طرح وہ اپنے آباءواجداد کے نقش قدم پر چلے جنہوں نے صنعت وتجارت کو اپنی رعایا میں فروغ دینے کی ہمیشہ کوشش کی۔ کئی بڑے شہر جب فتح ہوئے اور بیزنطینی حکومت کی لوٹ کھسوٹ سے انہیں نجات ملی تو ان کو رونق اور خوشحالی نصیب ہوئی اور بیزنطینیوں کی حکومتی ثروت کی طغیانی کی بدولت ان کی رکی ہوئی ترقی اور تحریک دوبارہ شروع ہوگئی۔ اس کی اہم مثال نیقیا کا شہر ہے۔ عثمانی عالمی منڈیوں، بحری وبری راستوں سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے پرانی شاہراہوں کو بہتر بنایا اور نئی شاہراہیں تیار کی۔ جن کی وجہ سے پورے ملک میں تجارتی سامان کی باہم رسائی آسان ہوگئی۔ دوسرے ملک مجبور ہوگئے کہ وہ اپنی بندرگاہوں کو عثمانی دولت کی رعایا کے لئے کھول دیں تاکہ وہ عثمانی جھنڈے کے سایے میں تجارت کے پیشے میں عملی تجربات کر سکیں۔

صنعت وتجارت کے میدان میں ملک کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا۔ اس کے طول وعرض میں ثروت ودولت کی ریل پیل دکھائی دینے لگی اور ملکی کرنسی دوسرے ممالک کی کرنسی سے قیمت میں بہت بڑھ گئی(2)۔ کیونکہ یہ کرنسی سونے کی ہوتی تھی۔ ملک میں کئی فیکٹریاں لگائی گئیں جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا تھا۔ پھر اس اسلحہ کو ذخیرہ کرنے کے لئے گودام بھی تیار ہوئے اور ملک میں عسکری اہمیت کے حامل مقامات پر قلعے اور حصون تعمیر ہوئے۔(3)

اداری تنظیمیں

سلطان محمد فاتح نے اپنی سلطنت کو ترقی دینے کے لئے کئی عملی اقدامات کئے اور اس کے لئے کئی قوانین بنائے تاکہ ملک کے اندر مقامی ایڈمنسٹریشن کے کام منظم ہو سکیں۔ یہ قوانین شریعت اسلامی کی روشنی میں بنائے گئے تھے۔ اس کی نگرانی کے لئے سلطان نے علماء کی ایک کمیٹی بھی تشکیل دی جو وقتاً فوقتاً قرآن وسنت کی روشنی میں نئے قوانین کی اجراء کی تجاویز پیش کرتی رہتی

1۔ محمد الفاتح: ص396 2۔ محمد الفاتح: ص414 3۔ محمد الفاتح: ص410

تھی اگر کوئی قانون شریعت کی روح کے منافی ہوتا اس کمیٹی کو مکمل اختیار تھا کہ وہ اس میں ترمیم کر دے۔ قرآن وسنت ہی ملک کا اساسی قانون اور دستور تھا اور یہ قانون تین ابواب پر مشتمل تھا۔ بعض قوانین ملازمین کے مناصب ملکی رسوم ورواج سرکاری تقریبات اور شاہی جلوس سے متعلق تھے۔ اسی طرح بعض قوانین سزاؤں اور جرمانوں سے متعلق تھے۔ دستور میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ تمام ملک میں اسلامی احکام کی پابندی کی جائے گی اور قرآن وسنت کو ہی بالادستی حاصل ہوگی اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کہ اس علاقہ کی اصل اور شہریت کیا رہی ہے۔(۱)

محمد فاتح علیہ الرحمۃ نے ایسے قوانین بنانے کا بھی اہتمام کیا جو ملک میں بسنے والے غیر مسلم آبادکاروں اور ان کے ساتھ بسنے والے مسلمانوں کے تعلقات کو منظم کرتے تھے۔ ان قوانین میں غیر مسلموں کے ملک کے ساتھ تعلق کی بھی وضاحت کی گئی تھی جو ملک ان پر حکومت کرتا تھا اور ان کے تمام امور کی نگہداشت کرتا تھا۔ سلطان نے اپنی رعایا کے درمیان عدل وانصاف قائم کیا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے کی کوشش کی۔ اور ان پر اسلامی احکام لاگو کیے۔ پوری سلطنت عثمانیہ میں امن قائم کیا اور طمانیت کو فروغ دیا۔ سلطان نے اس نظام کو بھی باقی رکھا جو اس کے پیشروؤں کے دور سے مختلف صوبوں میں چل رہا تھا۔ ہاں ان قوانین میں اپنے دور اور اپنی سلطنت کے تقاضوں کے مطابق بعض ضروری اور مناسب ترمیمات کیں۔

ملک بڑی بڑی امارتوں (صوبوں) میں منقسم تھا۔ ہر صوبہ پر ایک امیر مقرر تھا جسے ''بکلر بک'' کہتے تھے۔ اور بعض صوبے جو چھوٹے تھے ان پر امیر اللواء (جھنڈے والا امیر) حاکم ہوتا تھا۔ جسے ''سنجق بک'' کہتے تھے۔ یہ دونوں امیر بیک وقت شہری اور عسکری معاملات سرانجام دیتے تھے۔ سلطان نے ابتداء میں بعض صلیبی امارات کو کسی حد تک داخلی خودمختاری دے رکھی تھی۔ ان پر بعض امراء حکومت کرتے تھے جو انہیں میں سے ہوتے تھے لیکن وہ ہوتے عثمانی دولت کے ماتحت اور پوری طرح سلطانی احکام پر عمل کرتے تھے۔ سلطان ہی انہیں معزول کرتا تھا اور اگر وہ آمادہ بغاوت ہوتے یا اس کی نافرمانی کرتے تو انہیں سزا دیتا تھا۔

جب سلطنت جہاد کا اعلان کرتی اور امراء ولات اور امراء الالویہ کو بلاتی تو وہ اس بات کے پابند ہوتے تھے کہ حکومت کی اس دعوت پر لبیک کہیں اور ان جنگجوؤں کے ساتھ لڑائی میں شامل ہوں جو پہلے سے اس مقصد کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے ہوتے تھے۔ امارات سے پہلے طے کیا جا چکا ہوتا تھا کہ وہ جنگ کی حالت میں مرکزی حکومت کو کتنی فوجی امداد باہم پہنچائیں گی۔ ہر پانچ ہزار آقچہ زمین کے بدلے میں امیر کو فوجی امداد دینا پڑتی تھی۔ جب ایک امیر کو پچاس ہزار آقچہ زمین پیش کی جاتی تو اس پر لازم ہوتا تھا کہ وہ ایک سو سوار لڑائی کے لئے مرکزی حکومت کو بھیجے۔ صوبوں کی فوج میں پیدل اور گھوڑ سوار دونوں طرح کے جنگجو ہوتے تھے۔ اور ان کی قیادت پاشے اور امراء الویہ کرتے تھے۔(2)

محمد فاتح علیہ الرحمۃ نے تمام پرانے ملازمین جن میں مساوات نہیں تھی کی وسیع پیمانے پر تطہیر کی تحریک شروع کی اور ان تمام کو ہم مرتبہ بنا دیا۔ ان کی کوالیفکیشن مقرر کی جس کے مطابق مختلف خدمات کے لیے ان کا چناؤ ہوتا تھا۔ اسی طرح ان کے

1۔ السلطان محمد الفاتح: ص 154

2۔ السلطان محمد الفاتح: ص 155

معاونین اور دوسرے ملازمین کے لئے الگ کوالیفکیشن مقرر کی گئی۔ مالیات کا نظام تشکیل دیا گیا۔ ملکی آمدنی کی وصولیابی کے لئے سخت اور قطعی قوانین بنائے اور ملکی آمدنی کو فضول خرچیوں اور لہو ولعب میں خرچ ہونے سے روک دیا گیا اور اس طرح ملک کی بہت بڑی رقم ضائع ہونے سے بچ گئی۔

سلطان نے انتظامی امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی سیاسی اور حربی شعبوں کو بہتر اور خود کفیل بنانے میں کسی طرح کی سستی کا مظاہرہ نہ کیا۔

بری اور بحری فوج کی تیاری

سلطان اور خان کے زمانے سے عثمانیوں کے پاس مستقل فوج چلی آرہی تھی۔ ان کے بعد ہر آنے والے حکمران نے فوجی طاقت کو بڑھانے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ بالخصوص سلطان محمد فاتح نے سپاہ کی تیاری تربیت اور نظم ونسق میں بہت زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی نظر میں سپاہ کسی ملک کی اہم ترین بنیاد اور ستون کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے فوج کی نئے سرے سے تنظیم وتربیت کی۔ ہر گروہ کے لئے ایک قائد مقرر کیا جو آغا کہلاتا تھا۔ ینگ چری قائدین کو باقی تمام پر فوقیت دی اس فوج کا سپہ سالار براہ راست صدر اعظم سے آرڈر لیتا تھا اور صدر اعظم کو سلطان نے سپاہ کی اعلیٰ قیادت کا رئیس (وزیر دفاع) مقرر کیا تھا۔

سلطان محمد فاتح کا دور حکومت عسکری قوت، عددی برتری اور متعدد ومتنوع عسکری ایجادات کے حوالے سے ممتاز ومنفرد ہے۔ انہوں نے عسکری صنعت خانے بنائے جہاں فوجی ضروریات کی تمام چیزیں، لباس، گھوڑوں کی زینیں، زرہیں بنائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اسلحہ اور دوسرا فوجی ساز وسامان بنانے کے کارخانے، جہاں مناسب خیال کیا وہاں قلعے اور حصون تعمیر کروائے۔ گھوڑسوار، پیدل، توپ خانہ ان کے مددگار کئی ایسے دستے تھے جن کی فوجی تربیت اور تنظیم پر خاصی توجہ دی گئی تھی اور انہیں اس دور کے جدید اسلحہ سے لیس کیا گیا تھا۔ خدمت گار دستے (آجکل انہیں آرمی سروس کور کا نام دیا جاتا ہے) گولہ بارود خوراک، جانوروں کے لئے چارہ کا بندوبست کرنے اور سامان جنگ ذخیرہ کرنے کے لئے صندوق تیار کرنے اور میدان جنگ تک ان کی سپلائی کو یقینی بنانے کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔

ایک اور کور (Corps) جسے ''لغجہ'' کہا جاتا تھا اس کا کام محصور شدہ شہر کی فصیلوں کو بارودی سرنگوں سے گرانا اور زمین دوز راستے بنانا ہوتا تھا۔ اسی طرح ایک دستہ کا کام پانی کی سپلائی کو یقینی بنانا ہوتا تھا۔ عین حالت جنگ میں مجاہدین کو یہ دستہ پانی مہیا کرتا تھا۔ سلطان محمد فاتح کے دور میں عسکری یونیورسٹی نے بڑی ترقی کی اور ان کے دور میں انجینئرز، ڈاکٹرز، گھوڑوں کے معالج، علماء طبیعات اور ماہرین مساحت (سرویر) کی پے در پے کئی کھیپیں فارغ التحصیل ہوئیں۔ مختلف فنون میں سپشلائیزیشن کرنے والے یہ لوگ اسلامی سپاہ کی مساعدت کرتے تھے۔ ان عثمانیوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور ڈسپلن کی بدولت بڑی شہرت حاصل کی۔(1)

1۔ محمد الفاتح: ص 162

سلطان محمد فاتح بری اور بحری فوج کی ترقی کے بہت شدت سے خواہش مند تھے۔ بحریہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ انہیں قسطنطنیہ کی فتح کے دوران ہو گیا تھا۔ جہاں عثمانی بحریہ نے محاصرہ سخت کرنے اور خشکی و تری دونوں طرف سے اس کا زور بڑھانے کے سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بحری آلات جنگ کی طرف توجہ زیادہ مبذول کی گئی حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عثمانی بحریہ دونوں سمندر، بحر اسود اور بحر ابیض پر چھا گئی۔

جب ہم اسماعیل سرھنک کی کتاب ''حقائق الاخبار عن دول البحار'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سلطان محمد فاتح نے عثمانی بحریہ پر خصوصی توجہ دی حتیٰ کہ وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ مورخین انہیں عثمانی بحریہ کا موسس اول شمار کریں۔ انہوں نے ان ملکوں سے پوری طرح استفادہ کیا جو بحری بیڑوں کی صنعت میں اعلیٰ معیار کے حامل تھے جیسے اٹلی کی جمہوری حکومتیں، بالخصوص بالکیریا، بندقیہ اور جنیوہ جو اس دور میں سب سے بڑی بحری سلطنتیں شمار ہوتی تھیں (1)۔ اور جب سنکوب میں ایک بہت بڑا بے مثال جہاز دیکھا تو سلطان نے حکم دیا کہ اس جہاز کو پکڑ لو اور اسی نمونہ پر جہاز بناؤ اور اس میں کچھ مفید اضافے کر دو تاکہ یہ پہلے سے بہتر جہاز بن جائے (2)۔ جہاز سازی کے لئے مستقل ایک ادارہ تھا جو فوج کی ہی ایک شاخ شمار ہوتا تھا اسے ''طائفۃ العزب'' کا نام دیا جاتا تھا اس میں کام کرنے والوں کی تعداد تین ہزار بحری سپاہی ہوتی جس میں کپتان، جہازوں کے قائد، آفیسر اور جہاز ران شامل ہوتے تھے۔ (3)

عدل وانصاف

لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کا قیام عثمانی سلاطین کے فرائض میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ سلطان محمد فاتح بھی اپنے اسلاف کی طرح اپنی مملکت کے طول وعرض میں عدل وانصاف جاری کرنے کے بے حد خواہش مند تھے۔ عدل وانصاف کے قیام کو یقینی بنانے کے لئے وہ وقتاً فوقتاً بعض نصرانی مذہبی رہنماؤں کو بھیجتے تھے کہ وہ ملک میں گھومیں پھریں اور دیکھیں کہ ملک میں عدل وانصاف کی کیا صورت حال ہے۔ ان لوگوں کو پرمٹ دیا جاتا تھا جس میں ان کے کام کی نوعیت تحریر ہوتی تھی۔ یہ لوگ پوری آزادی کے ساتھ تفتیش کرنے کے مجاز ہوتے تھے اور ان پر کسی طرح کی پابندی نہیں ہوتی تھی یہ اس لئے تھا کہ وہ اس بات کا پتہ چلا سکیں کہ مملکت کے امور کس طرح سرانجام دیے جا رہے ہیں۔ عدالتوں میں (نصرانی) لوگوں کے ساتھ کس حد تک عدل وانصاف برتا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہوتی تھی کہ وہ چھان بین کریں اور جو کچھ دیکھیں نوٹ کر کے سلطان کی خدمت میں براہ راست پیش کریں۔

ان نصرانی نمائندوں کی رپوٹوں کی وجہ سے عدالتوں کا نظام کافی حد تک تسلی بخش رہا لوگوں کے تنازعات کا بغیر کسی طرف داری کے بڑے اچھے طریقہ سے فیصلہ ہوتا رہا۔ اور عدل وانصاف کی پوری طرح پاسداری ہوتی رہی۔ سلطان جب کسی جنگی مہم پر روانہ ہوتے تو بعض اقالیم میں کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے خیمہ نصب کرتے اور لوگوں کو شکایات کا موقع دیتے اس طرح لوگ براہ راست سلطان سے ملتے اور ان کی خدمت میں شکایات پیش کرتے۔

1۔ محمد الفاتح: ص 411 2۔ محمد الفاتح: ص 411 3۔ محمد الفاتح: ص 162

سلطان اچھی طرح جانتے تھے کہ فقہاء اور مذہبی رہنماء سب سے زیادہ عدل وانصاف کی اہمیت کو سمجھتے ہیں ان کی بصیرت عدل وانصاف کے تقاضوں کو بہتر انداز سے سمجھتی ہے۔ اور وہ عدل وانصاف کے نفاذ کے خواہش مند بھی ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ علماء کی حیثیت ملک میں اس طرح ہے جس طرح جسم میں روح، جب یہ لوگ ٹھیک ہوں تو پورا ملک ٹھیک ہوتا ہے۔ اسی لئے فاتح علم اور اہل علم کا قدر دان تھا اور طالبان علم پر علم کے راستوں کو آسان بنانے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے اہل علم کو دنیاوی ضروریات سے کافی حد تک مستغنی کر دیا تھا تاکہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ دینی امور سرانجام دے سکیں۔ انہوں نے علماء کی قدر افزائی کی۔ ان کی عزت ومنزلت کو بڑھایا اور قاضیوں پر تو آپ کی خصوصی نظر تھی۔ کیونکہ یہ لوگ عدل وانصاف کے قیام میں بادشاہ کے معاون تھے اور لوگوں کے تنازعات حل کرنے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ ان علماء کے لئے صرف فقہ و شریعت میں مہارت تامہ رکھنا اور پاکدامنی، استقامت جیسی صفات کا حامل ہونا کافی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں ان کی مقبولیت اور باوقار ہونا بھی ضروری تھا۔ حکومت ان کی جملہ مادی ضروریات کو پورا کرتی تھی تاکہ تحریص اور رشوت کا سد باب ہو سکے۔ سلطان نے ان کو زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کر رکھی تھیں اور انہیں عزت، جلالت، اور قداست و حمایت عطا کر کے لوگوں کی نظروں میں پر ہیبت بنایا تھا۔(1)

تاریخ کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ محمد فاتح کے کسی بیٹے سے ایڈریانوپل میں کوئی فساد ہوا۔ قاضی نے اپنے کسی خادم کو اسے روکنے کے لئے بھیجا لیکن وہ شاہزادہ نہ رکا اور فساد مچاتا رہا۔ قاضی گھوڑے پر سوار ہو کر خود اس کے پاس گیا۔ سلطان زادے نے قاضی کی ایک نہ سنی اس سے جھگڑ پڑا اور قاضی کو خوب زدوکوب کیا۔ بات سلطان کے کانوں تک پہنچی وہ آپے سے باہر ہو گیا اور حکم صادر کیا کہ فوراً سلطان زادہ کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے شریعت کی نمائندہ شخصیت کی تحقیر کی ہے۔ وزراء نے بادشاہ سے بچے کی سفارش کی۔ لیکن سلطان نے ان کی سفارش کو رد کر دیا۔ یہ لوگ مولانا محی الدین محمد سے ملتمس ہوئے کہ آپ سلطان کے پاس جائیں اور اس عقدے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن محمد فاتح نے ان کی بات بھی نہ مانی اور اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔ مولانا محی الدین نے کہا: قاضی غصے کی حالت میں اپنے منصب سے ساقط ہو جاتا ہے اس کا فیصلہ ناقابل نفاذ ہوتا ہے۔ جب قاضی محترم سلطان زادے سے الجھ رہے تھے تو وہ قاضی نہیں تھے بلکہ ایک عام آدمی تھے۔ لہٰذا اس سے شریعت کی تحقیر لازم نہیں آتی کہ بچے کو قتل جیسی سخت سزا کا حکم سنایا جائے تب جا کر سلطان خاموش ہوا۔

یہ بچہ قسطنطنیہ آیا۔ وزراء اسے لے کر سلطان محمد خان کی خدمت میں لائے تاکہ وہ ان کی دست بوسی کرے اور سزا معاف کرنے پر شکریہ ادا کرے۔ سلطان محمد خان نے ایک ڈنڈا منگوایا اور خود اس بچے کی پٹائی کی اتنا مارا کہ چار ماہ تک بچہ بیمار رہا اور بستر پر پڑا رہا۔ طبیبوں نے علاج کیا تب جا کر یہ تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔ یہ بچہ بعد میں سلطان بایزید خان کا وزیر بنا۔ اس کا نام داؤد تھا۔ یہ سلطان محمد خان کو دعائیں دیتا تھا اور کہتا تھا میری اصلاح سلطان کی اس زدوکوب سے ممکن ہوئی(2)۔ سلطان کے دربار میں نیک خصلت عدل گستر قاضی کی بڑی عزت تھی لیکن رشوت خور کی فاتح کے نزدیک صرف اور

1۔ محمد الفاتح: ص 409
2۔ محمد الفاتح: ص 409

صرف ایک سزا تھی کہ اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔

سلطان محمد فاتح اگرچہ جہاد و فتوحات میں ہمہ وقت مشغول رہتا تھا لیکن ملک میں ہونے والی تمام سرگرمیوں پر پوری طرح نظر رکھتا تھا۔ اور بڑی بیدار مغزی اور توجہ سے مسائل کو حل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فہم و فراست، کمال بصیرت یاداشت اور طاقتور جسم عطا کیا تھا اس کو کام میں لاتا تھا اور عدل و انصاف میں قاضیوں کی اعانت کرتا تھا کئی بار راستوں اور گلیوں میں جانکلتا اور براہ راست لوگوں کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ اور ان کی شکایات سنتا۔ ملک میں ایک ایسا ادارہ بھی تھا جو امن و امان کو قائم رکھنے کے لیے بروقت معلومات فراہم کر کے سلطان کی اعانت کرتا تھا اور براہ راست رعایا کے حالات کی رپوٹیں سلطان کو بھجواتا تھا۔ یہ ادارہ ملک کے کونے کونے سے مختلف امور کی ٹوہ لگاتا اور جہاں کہیں افراد یا جماعت میں کوئی خرابی ہوتی اس سے آگاہی دیتا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے قرآن کریم کی آیت و تفقد الطیر جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے سے ان معانی کا استنباط کیا تھا اور یہ جاسوسی اور تفتیشی ادارہ قائم کیا تھا یہ ادارہ ملکی تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ اس سے پورے ملک میں بسنے والے لوگوں کی دادرسی ممکن بن گئی تھی ہر شخص سلطان کی نظر کو اپنی طرف ملتفت کر سکتا تھا بالخصوص ملک کے غریب اور کمزور طبقہ کو اس سے کافی فائدہ پہنچتا تھا۔ (1)

ساتویں بحث

سلطان محمد فاتح کی اپنے بیٹے کے نام وصیت

یہ سلطان محمد خان فاتح کی اپنے بیٹے کے نام وصیت ہے یہ وصیت انہوں نے اس وقت لکھوائی جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ اسے ان کے منہج حیات، اخلاق و کردار اور نظریات کی بالکل سچی تعبیر کہا جا سکتا ہے۔ ان کے بعد آنے والے ان کے جانشین ہمیشہ اس کی پیروی کی تمنا کرتے رہے۔ ''گو میں اب دنیا سے جا رہا ہوں لیکن اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ میں تم جیسا جانشین چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ (بیٹا!) عادل، نیک اور رحم دل بن جا۔ بغیر کسی فرق کے رعایا پر اپنی حمایت (کا دامن) پھیلا دے۔ دین اسلام کی ترویج کے لئے سرگرم عمل ہو جا اور زمین پر بادشاہی کرنے والوں پر یہ چیز فرض ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کو ہر چیز پر مقدم رکھ۔ اس پر مداومت کے سلسلہ میں مت سستی کر۔ ایسے لوگوں کی خدمات حاصل نہ کر جو دینی امور میں دلچسپی نہیں لیتے، گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے اور فحاشی میں منہمک رہتے ہیں۔ فساد انگیز نئے کام سے الگ رہ اور ان لوگوں سے دور رہ جو تجھے اس کام پر ابھاریں۔ جہاد کر کے اپنے ملک کی حدود کو وسیع کر۔ بیت المال کی رقم کو بکھرنے سے بچا۔ اس بات سے بچ کہ تیرا ہاتھ اپنی رعایا کے کسی شخص کے مال کی طرف بڑھے مگر جس کا حق اسلام نے دیا ہے۔ ضرورت مندوں کو ان کی خوراک کی ضمانت فراہم کر اور مستحقین کی عزت کر۔

چونکہ علماء سلطنت کے اندر جسم میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کی تعظیم کر اور ان کی حوصلہ افزائی کر۔ جب ان

1۔ تفسیر قرطبی: 177/13

میں سے کسی کے بارے سنے کہ کسی دوسرے شہر میں ہے تو اسے اپنے پاس لے آ اور مال کے ذریعے اس کی عزت افزائی کر خبردار! خبردار! تجھے دولت اور لشکر دھوکہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ اہل شریعت کو اپنے دروازے سے دور کرنے سے بچ۔ ایسے کام سے اجتناب کر جس سے شرعی احکام کی مخالفت لازم آتی ہو۔ دین ہمارا مقصود ہے اور ہدایت ہمارا طریقہ کار ہے اسی سے ہمیں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

مجھ سے نصیحت حاصل کر۔ میں اس ملک میں آیا تو یہ ایک چھوٹی چیونٹی کی مانند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں۔ میرے مسلک پر کاربند ہو۔ میری پیروی کر اس دین کی عزت افزائی کے لئے کام کر۔ مسلمانوں کی عزت و توقیر کے لئے کوشاں ہو۔ ملکی خزانے کو عیش و عشرت اور لہو و لعب میں نہ اڑا دے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کر۔ کیونکہ یہی چیز ملکی دولت کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔(1)

عادل، نیک اور رحم دل بن جا

محمد فاتح انہیں اصولوں پر عمل کرتے ہوئے نصرانی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ جب وہ فاتح کی حیثیت سے قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تو اسلامی نظریہ جنگ پر عمل پیرا ہوئے۔ (جس کی رو سے نہ کسی کی عزت و حرمت مجروح کی جاتی ہے نہ کسی بچے، بوڑھے، عورت کو قتل کیا جاتا ہے نہ کھیتوں اور باغوں کو جلایا جاتا ہے نہ کسی جانور کو مارا جاتا ہے نہ کسی انسان کے اعضاء کاٹے جاتے ہیں اور سوائے ان لوگوں کے جو مسلمانوں کے سامنے ہتھیار اٹھاتے ہیں کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچائی جاتی ہے)۔(2)

محمد فاتح جنگ میں اپنے دین اسلام، عقیدے اور اسلامی منہج کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان ہدایات پر عمل کرتے تھے جو انہوں نے رومیوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے دی تھیں۔ (خیانت نہ کرنا، حد سے نہ بڑھنا، بدعہدی نہ کرنا، مردوں کے اعضاء نہ کاٹنا، کھجور کے درختوں کو نہ کاٹنا اور نہ انہیں آگ لگانا۔ کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، بکری کو یا کسی اونٹ کو کھانے کے لئے ذبح نہ کرنا۔ تمہارا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جو خانقاہوں میں اپنے آپ کو دنیا سے الگ کر چکے ہونگے انہیں چھوڑ دینا۔ اور ان کے عقیدہ سے بھی تعرض نہ کرنا...... اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔"(3)

سلطان محمد فاتح بیزنطینی دارالحکومت کے قلب میں داخل ہو گئے اور مغرب کی نصرانی دنیا کو عدالت اور رحمت کے سبق سکھائے اور وہ عثمانی تاریخ کے نشان راہ قرار پائے۔

عثمانی سلطنت نے اسلامی اصولوں پر عمل کیا اور دین حنیف سے محکوموں کے ساتھ عدل و انصاف اور رحمت و شفقت برتنے کا درس لیا۔ عبد الرحمٰن عزام محکوم و مغلوب رعایا کے ساتھ عثمانیوں کے حسن سلوک، رحمت و عدل کے بارے بات کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "بعض لوگ دولت عثمانیہ کے بعض ادوار کے بارے بات کرتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ایک عظیم مملکت تھی لیکن رحم دلی اس کی امتیازی خصوصیات میں سے نہیں تھی۔ یہ لوگ غلط کہتے ہیں اور یہ غلطی تحقیق اور تفحص کے سامنے

1۔ السلطان محمد الفاتح: ص 172،171 2۔ المسئلۃ الشرقیۃ محمود ثابت شاذلی: ص 104 3۔ ایضاً

نہیں ٹھہر سکتی۔

اس رحم دلی کی بات سرابیا میں جورومانیا میں "دریائے دینسٹر" کے کنارے ایک شہر ہے آج تک مشہور ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ عثمانی ملک کے دور دراز اس علاقے میں کاشتکار ہمیشہ ترکوں کی رحم دلی کی مثالیں دیتے ہیں۔ اور ان کے عدل و انصاف کے آج تک گن گاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ضرب المثل یہ ہے کہ "عدل زمین سے ترکوں کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ میں نے بولان، رومان، اور بلقان کے علاقوں کے اپنے سفر کے دوران ان مثالوں کو سنا اور ان کہانیوں کو قلم بند کیا جو اس بات کا ہمیشہ اشارہ دیتی تھیں کہ یہاں کی مسیحی اقوام ترکی مسلمانوں کا آج تک احترام کرتی ہیں اور ان کی رحم دلی اور عدل و انصاف کے گن گاتی ہیں۔

1917ء میں میں فینیا میں تھا تو مجھے بتایا گیا کہ بولان والے بہت خوش ہیں کہ عثمانی لشکر نساویوں کی مدد کرنے کے لئے جالیسیا آ رہا ہے۔(1)

"......عدل اور رحم دلی ہی کی بدولت عثمانیوں کو یورپ میں غلبہ اور اقتدار حاصل ہوا اسلامی عدل اور رحم دلی کی وجہ سے یہ اقوام وحشت و بربریت کی دلدل سے نکلیں اور مساوات اور انصاف سے واقف ہوئیں۔ بدترین طریقہ سے لوگوں کو غلام بنالینا ایک ملکی نظام تھا جس پر وسطی اور جنوبی یورپ کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ عثمانیوں نے آ کر اس ظلم کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح ملداف بولان اور ہنگری والوں کے درمیان یہ ملکی معاہدہ تھا کہ اگر کوئی کسان اپنے آقا کی زمین کو چھوڑ کر ان علاقوں میں سے کسی علاقہ میں چلا جائے گا تو وہ علاقہ اسے مالک کے سپرد کرنے کا پابند ہوگا۔

عثمانی رحم دلی کے جذبات لے کر یورپ آئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں اس کی تاکید کی گئی تھی۔ یہ ترک تعداد میں کچھ زیادہ نہیں تھے اور نہ ان اقوام کے مقابلے میں ان کی جنگی تیاری زیادہ تھی جن پر بعد میں انہوں نے حکومت کی یہ لوگ ان تمام کے سر کچل کر فینیا پہنچے۔ پہاڑی سمندری اور صحرائی مشکلوں کو ان کی رحم دلی نے آسانی میں بدل دیا اسی طرح ان سے پہلے عربوں کے لئے ان کی رحمدلی نے افریقہ اور ایشیاء کے راستوں کو ہموار کیا تھا۔"(2)

سلطان محمد فاتح نے رحمدلی اور عدل و انصاف کا راستہ اختیار کیا اور اپنے پیچھے اپنے پوتوں کو بھی یہ وصیت کی کہ وہ اسی راہ پر کاربند رہیں جو اسلام کی ترجمانی کرتی ہے۔

اپنی رعایا پر اپنی حمایت کا دامن پھیلا کسی تفریق کے بغیر

سلطان نے اس بات پر خود عمل کیا اور اپنی رعایا کے ہر فرد خواہ وہ مسلمان تھا یا نصرانی کے تمام حقوق کی حفاظت کی۔ اس سلسلہ میں کئی دلچسپ واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ ایک واقعہ اس طرح ہے کہ جزیرہ خیوس کے رہنے والوں کے ذمہ غلطہ کے ایک تاجر کا کچھ قرض تھا۔ جس کی مالیت چالیس ہزار ڈاکٹ بنتی تھی۔ تاجر کا نام فرانسسکو درابیر یو تھا جب یہ شخص اہل جزیرہ سے قرض واپس لینے سے عاجز آ گیا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اس معاملے کو سلطان حل کر سکتا ہے کیونکہ تاجر اس کی

1۔ الرسالۃ الخالدہ: ص 24,22

2۔ المسلۃ الشرقیہ محمود ثابت شاذلی: ص 107

رعایا میں سے ہے رعایا کی حمایت کو دولت عثمانیہ فرض خیال کرتی ہے اور ان کے جملہ حقوق پورا کرنا اپنی ذمہ داری یقین کرتی ہے۔ سلطان نے جزیرہ والوں کی طرف چند جہاز بھیجے جن کی قیادت حمزہ پاشا کر رہا تھا۔ لیکن جزیرہ خیوس والوں نے بعض سپاہیوں کو قتل کر دیا اور فرمانبرداری کا قلادہ گلہ سے اتارتے ہوئے قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ سلطان محمد فاتح نے تاجر درا بیریو سے کہا: اہل جزیرہ کی طرف سے تیرا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ میں اس شخص سے قتل ہونے والے سپاہیوں کے خون بہا میں اس سے دگنی رقم لوں گا۔''(1)

سلطان نے بحری بیڑے کو روانگی کا حکم صادر کیا اور خود ہی اس کی قیادت کرتے ہوئے جزیرہ خیوس کے کسی قریبی جزیرہ پر جا پہنچا۔ جزیرہ والوں نے لڑائی کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اس کے علاوہ ایمبروس اور ساموتراس نامی دو اور جزیروں نے بھی سر اطاعت جھکا دیا۔ اور عثمانی سپاہیوں کے لئے اپنے دروازے وا کر دیے۔ مجبوراً خیوس والوں کو جنیوہ والے اس تاجر کا قرض چکانا پڑا اور سلطان کو چھ ہزار ڈاکٹ سالانہ جزیہ دینے کی بھی حامی بھر لی۔ پہلی مہم میں جو جہاز غرق ہوئے تھے ان کا عوضانہ اس کے علاوہ تھا۔(2)

بے شک رعایا کی حمایت اور ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی سلطنت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔

دین اسلام کی ترویج کے لئے کوشش کر۔ کیونکہ یہ چیز زمین پر موجود بادشاہوں کے ذمہ لازم ہے۔

دوران جنگ سلطان محمد فاتح یہ بات کبھی نہیں بھولا کہ یہ مہمات درحقیقت اسلام کی ترویج کا ایک ذریعہ ہیں اسی لئے وہ اپنے سپہ سالاروں اور جوانوں کو دین کی اشاعت اور عقیدہ اسلامی کی ترویج کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ اور ان سپہ سالاروں کی تعریف کرتا تھا جن کے ہاتھوں نئے شہر فتح ہوتے تھے۔ جب سلطان نے اپنے سپہ سالار عمر بن طرخان کو اپنے لشکر کے ساتھ اتھینا کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور یہ علاقہ فتح ہو کر سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا تو دو سال بعد سلطان محمد فاتح اس شہر کو دیکھنے گیا اور کہا'' ابن طرخان کی یہ کتنی خوش نصیبی ہوگی کہ یہاں کے لوگ دین اسلام قبول کر لیں''۔

دولت عثمانیہ نے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اور یورپ میں ترویج دعوت کے میدان میں بہت واضح نشان چھوڑے۔ لیکن جب مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو مسیحیوں نے یورپ کے مسلمانوں کو زبردستی نصرانی بنانے کی مہم شروع کی۔ ایک طویل عرصہ تک مسلمان اس دباؤ کا مقابلہ کرتے رہے اور بعض علاقوں جیسے بلغاریہ، رومانیا، البانیا، یونان اور یوگوسلاویہ میں آج تک مسلمانوں کا وجود باقی ہے۔ اور یہاں کی مسلم اقلیتی آبادی لاکھوں کی تعداد میں ہے۔

یورپ کے اندر آج تک مسلمانوں کا وجود یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم اور عثمانی سلاطین کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو انہوں نے مختلف ادوار میں اسلام کی ترویج کے لئے یورپ میں کیں۔ عثمانی سلاطین کی پالیسی کا یہ اہم عنصر تھا کہ لوگ صحیح رہنمائی حاصل کریں اور دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔

1۔ محمد الفاتح، ص 217
2۔ ایضاً

دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنا اور اس پر کار بند رہنے میں سستی نہ کرنا

سلطان محمد فاتح سے پہلے اور بعد میں دولت عثمانیہ کے جتنے فرمانروا ہوئے ہیں ان تمام کی پرورش خالص اسلامی طریقہ پر ہوئی ان کی تربیت میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ان کے عقائد ونظریات میں کوئی کجی نہ ہو اور صحیح عقیدہ کے اہداف ہمیشہ ان کے پیش نظر رہیں۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ یہ لوگ سخت ترین دینی لڑائیوں میں گھس گئے۔ عثمانی جب اعلان جنگ کرتے اور لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتے تو ان کی زبان پر ہمیشہ یہ خوبصورت الفاظ ہوتے۔ ''فتوحات کو چلو، غازی یا شہید''۔ جب سے دولت عثمانیہ کی بنیاد پڑی تھی اس کے فرمانروا کو غازی کا لقب دیا گیا یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ یہ لقب دوسرے تمام القابات پر سبقت لے گیا۔ اور بڑے بڑے سلاطین کے ہاں بڑی قدر ومنزلت حاصل کر گیا۔ دولت عثمانیہ کا سب سے بڑا مقصود اسلام کا دفاع اور تمام دنیا میں اسلامی پرچم کی سربلندی تھی۔

اسی لئے پوری سلطنت اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ کیا عوام اور کیا سلطان کیا ارکان دولت اور کیا لشکر کیا ثقافت اور کیا قانون، کیا ظاہری اطوار اور کیا اندرونی کیفیات ہر لحاظ اور ہر پہلو سے خالص اسلامی رنگ چھایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور یہ چند سالوں کی بات نہیں۔ شروع سے لے کر سات صدیوں تک دولت عثمانیہ اسلامی رنگ میں رنگی رہی۔

عثمانی سلاطین نے ہر چیز پر دین کو مقدم رکھا۔ اس طرف ہر سلطان کی توجہ مبذول رہی اور ہر سلطان کی حتی المقدور یہ کوشش رہی کہ مملکت کے کونے کونے میں دینی امور کی پوری طرح پاسداری ہو۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان کی پہچان اسلام ہے ان کی وراثت اور تہذیب وتمدن اسلام ہے۔ ان کے نزدیک جہاں جہاں مسلمان آباد تھے ان کا وطن تھا۔ پوری ملت اسلامیہ ان کی ملت اور دین اسلام ان کی زندگی کا منہج تھا اسی لئے تمام مدارس جامعات اور تعلیمی اداروں میں مروج نصاب کا ہدف ایک ہی تھا کہ بچوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا ماضی اور مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔ ہم نے صرف اسلام کی سربلندی کے لئے جینا اور مرنا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مدارس میں معصوم بچوں کی تعلیم و تربیت کے دوران ان کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی جاتی تھی کہ ہم مسلمان ہیں اور بس بچوں کی پیدائش کے رجسٹروں میں تمام مسلمانوں کا اندراج کسی اور قومیت کے حوالے سے نہیں صرف اسلام کے حوالے سے ہوتا تھا۔ انکے شناختی کارڈ پر بھی صرف مسلمان لکھا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ پہچان کا کوئی اور ذریعہ گوارا نہیں کیا جاتا تھا۔ ترک، عرب، شراکس، البان، کرد وغیرہ کی تفریق سے عثمانی نا آشنا تھے۔ دولت عثمانیہ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اندر بسنے والے لوگوں کو صرف ایک ہی ملت ایک ہی دین میں منحصر یقین کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے اور بس۔ عثمانیوں نے ہر اس جنگجو کو جس نے راہ خدا میں داد شجاعت دی اپنا ہیرو اور اس کی تاریخ کو اپنی تاریخ کا سنہری باب خیال کیا کیونکہ ان کے نزدیک روئے زمین کے تمام مسلمان بھائی تھے خواہ ان کے درمیان نسب اور زمانے کے حوالے سے کتنی ہی دوری حائل کیوں نہ ہو۔ ان کے ہیروز میں ایک نام ''عبداللہ البطال'' کا ہے جو 122ھ کو اموی دور حکومت میں ایشیائے کوچک کی ''جنگ اکرنیوں'' میں شہید ہوئے۔ طبری 122ھ کے واقعات کو قلم بند کرتے ہوئے ان کے بارے لکھتا ہے'' اس معرکہ میں مسلمانوں کی جماعت کے عبداللہ

بطال ارض روم میں شہید ہوئے۔"(1)

عثانی ان کو اپنا قومی ہیرو خیال کرتے تھے حالانکہ عبداللہ نسباً عربی تھے۔ اور دولت عثمانیہ ساتویں صدی میں قائم ہوئی۔ عثمانیوں کے ہیرو وہی تھے جو اسلام کے ہیرو تھے اور ان کی تاریخ اور مجاہدین وہی تھے جو اسلام سے نسبت رکھتے تھے۔(2)

دولت عثمانیہ کے سلاطین کئی القابات اور صفاتی ناموں سے پہچانے جاتے تھے۔ ان تمام ناموں سے یہی بات جھلکتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اور ہدف دین اسلام کی خدمت تھا۔ وہ سلطان الغزاۃ، سلطان المجاہدین، خادم الحرمین الشریفین اور خلیفۃ المسلمین جیسے القابات سے موسوم ہوتے۔(3)

ان لوگوں کی خدمات حاصل نہ کرنا جو دینی امور کی پاسداری نہیں کرتے، کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے اور برائی میں منہمک رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عثمانی سلاطین نے ملک کے طول وعرض میں دینی اور عصری تعلیم کے لئے یونیورسٹیاں قائم کیں تاکہ ان جامعات سے لشکر کے سپہ سالار اور دوسرے ملازمین نکلیں جن کا دل و دماغ اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ قیادت کی تیاری کے لئے انہوں نے ایک تربیتی نصاب بھی تیار کر رکھا تھا بالخصوص سپاہ کی اخلاقی تربیت پر بڑا زور دیا جاتا تھا تاکہ امانتدار اور قابل قیادت تیار ہو سکے جو عقل مند ہونے کے ساتھ ساتھ تقویٰ وورع کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہو۔ ایسے ہی لوگوں کو لشکر کا سپہ سالار بنایا جاتا تھا اور عدالت کا منصب بھی انہیں کو سونپا جاتا تھا اور وہ لوگ جو دینی امور کی پاسداری نہیں کرتے تھے انہیں یہ سلاطین اپنے سے دور رکھتے تھے اور خود بھی گناہوں اور برائیوں سے مجتنب رہتے تھے۔ یہ تھے دولت عثمانیہ کے اولین سلاطین۔

بدعات سیئہ سے اجتناب کرنا اور ایسے لوگوں سے دور رہنا جو تمہیں ایسے امور پر ابھاریں

اولین سلاطین اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر کاربند تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بدعت اختیار کرنے اور بدعتیوں کے قریب جانے میں کیا کیا خطرے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن وسنت، اجماع امت اور علمائے راسخین کے اجتہادات کافی تھے۔

جہاد کے ذریعے ملکی سرحدوں کو وسیع کر

اولین عثمانی سلاطین نے جہاد کے ذریعے ملکی حدود کو وسیع کرنے کی کوششیں کیں، امن قائم کیا، ان خطرات کا قلع قمع کیا جو ان کی سلطنت کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے اور جنگی تیاری اور دفاعی طاقت کو اس قدر بڑھایا کہ سرحدوں پر دشمن کی یورش کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ سلطان محمد فاتح اور ان کے پیشرو سلاطین نے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کر کے پوری قوم کو دشمن کے خلاف جنگ آزما رہنے کے لئے تیار کر دیا۔ دشمنان اسلام، کفار کے خلاف جہاد کرنے کے فریضہ کو اس طرح ادا کیا کہ کفار کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ گئے یا تو اسلام قبول کر لیں یا اسلامی مملکت کو جزیہ دیں اور ذمی بن کر مسلمانوں کی حمایت میں زندگی گزار

1۔ تاریخ الطبری: الجزء الثانی، حوادث سنہ 122ھ 2۔ المسئلۃ الشرقیۃ: ص 57 3۔ ایضاً

دیں۔عثمانی معاشرہ اسلامی جہادی دعوتی رنگ میں رنگ دیا گیا۔لشکر میں موجود افراد کو بچپن سے ہی سخت جہادی زندگی کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔اور اس سلسلہ میں پوری باریک بینی کا مظاہرہ کیا جاتا اور یہ تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہوتی تھی۔

عثمانی لشکروں نے یورپ کے علاقوں میں عظیم کامیابیوں کو یقینی بنایا(1)۔سلیمان قانونی کے عہد حکومت تک دولت عثمانیہ نے ان عظیم آرزوؤں کی تکمیل کی جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں چٹکیاں لے رہی تھیں۔اور محمدی جھنڈا یورپ کے بڑے بڑے دارالحکومتوں میں بلند کر دیا۔کئی ممالک اور امارات نے اسلامی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اسلام کا سایہ بڑھتا گیا۔حتیٰ کہ قریب تھا مسلمانوں کے لشکر یورپ کے مشرق و مغرب میں پہنچ کر زمین کے ایک وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیتے۔(2)

استنبول میں اسلامی ملکوں کے وزراء خارجہ کی ساتویں کانفرنس میں پروفیسر انجینئر نجم الدین مجاہد اربکان نے جو تقریر کی اس میں اسلامی ماضی کی بازگشت سنائی دی جس کی نمائندگی دولت عثمانیہ نے کی۔انہوں نے کہا'' یہ محل جس میں اللہ کریم کے فضل و کرم سے یہ عظیم اسلامی کانفرنس ہو رہی ہے اور جس کے دروازے پر اسلامی کلمہ۔جو تمام امت کو مجتمع کرنے والا ہے لکھا ہوا ہے۔یعنی'' لا الٰہ الا اللہ'' یہ محل وہ ہے جسے استنبول کو فتح کرنے کے بعد محمد فاتح نے تعمیر کیا تھا۔

یہ جگہ تاریخی کیوں نہ ہو ایک عرصہ تک اسی جگہ عالم اسلام کے تمام کاموں کے بارے سوچ و بچار ہوتی رہی۔یہ جگہ تاریخی کیوں نہ ہو۔اس جگہ سے مسلمان لشکر روانہ ہو کر دنیا کے کونے کونے میں جاتے۔راہ خدا میں جہاد کرتے اور جہاں پڑاؤ کرتے جن علاقوں میں سفر کرتے نور، ہدایت اور عدل کی خیرات بانٹتے جاتے۔

یہ جگہ تاریخی کیوں نہ ہو یہ پتھر جس پر یہ میکروفون رکھا ہوا ہے اس پر اسلامی لشکروں کے جھنڈے نصب ہوتے تھے جو تمام اسلامی ممالک کو دشمنوں کی دست برد سے بچاتے تھے۔میں بطور مثال چند واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو مقصود نہیں۔اسلامی بحری بیڑا بھیجنے کا فیصلہ تاکہ انڈونیشیا اور فلپائن ہالینڈی سامراجی پنجے میں نہ پھنس جائے اس جگہ ہوا۔اسی جگہ سے شمالی افریقہ کی حمایت میں لشکر اور بحری بیڑے بھیجنے کی قرارداد پاس ہوئی تاکہ حرص و ہوا کی نگاہ رکھنے والے اجنبیوں سے اس کو بچایا جا سکے۔

ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ وہ تاریخی عمارت ہے جس کی دیواروں کے اندر رسول اللہ ﷺ کے مقدس تبرکات محفوظ ہیں۔آپ ﷺ کا جھنڈا، مبارک چادر، تلوار اور دوسرے کئی تبرکات''۔(3)

الغرض سلطنت عثمانیہ نے جہاد کے اصول کو بہت زیادہ اہمیت دی۔اسی لئے اس ربانی اصول کو یقینی بنانے کے لئے معاشرہ اور لشکر کو تیار کیا گیا اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔

بیت المال کی دولت کو ضائع ہونے سے بچا

عثمانی سلاطین کی نظر میں سلطنت ایک ایسا ادارہ تھا جس کا فرض شرعی احکام نافذ کرنا، پوری ملت کی رائے کی ترجمانی کرنا اور ملی فوائد و مصالح کی حفاظت کو یقینی بنانا تھا۔سلطنت کی ذمہ داری صرف قیام امن اور دفاع تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی ذمہ

1۔المسلۃ الشرقیۃ: ص60 2۔ایضاً: ص63 3۔المسلۃ الشرقیۃ: ص63،64،65

داری معاشرتی مصالح کی دیکھ بھال کرنا، بیت المال کو فضول خرچی اور اسراف سے بچانا اور اس کی آمدنیوں اور مصادر و موارد کی حفاظت کرنا تھا۔

خبردار کہ تیرا ہاتھ رعایا میں سے کسی شخص کی دولت کی طرف بڑھے سوائے اس حق کے جو اسلام نے دیا ہے

سلطنت کا کام شرعی احکام کو نافذ کرنا ہوتا ہے اور شریعت اس بات کی متقاضی ہے کہ لوگوں کے مال جو زندگی کا سہارا ہیں محفوظ رہیں۔ اسلام نے ناحق مال لینے کے تمام راستوں کو بند کر دیا ہے۔ حاکم وقت کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ رعایا کے مال کو چوری اور ڈاکہ زنی سے بچائے نہ کہ وہ خود ناحق ان کا مال لوٹے اور ان پر ظلم کرنا شروع کر دے۔

ضرورت مندوں کی بنیادی ضروریات (کھانا، لباس، رہائش) کو یقینی بنا اور مستحقین کو عزت دے

عثمانی سلاطین فقراء و مساکین اور مسافروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ہر وہ شخص جو نیکی اور احسان کا محتاج ہوتا اس کے ساتھ احسان کرنے میں پیش پیش ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں اس مملکت نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ بلکہ سلاطین اور وزراء نے طالبان علم، فقراء، مساکین اور بیواؤں کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کیے۔ وقف سلطنت کی اقتصاد میں ایک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتا تھا۔ پروفیسر محمد حرب لکھتے ہیں۔

''...... استنبول کی یونیورسٹیوں میں علمی تحریک پورے جوبن پر تھی بطور مثال صقوللی محمد پاشا کا نام لیا جا سکتا ہے جو استنبول کی اس علمی تحریک پر چیکوسلواکیا میں موجود 2000 عثمانی گاؤں کی آمدنی خرچ کرتا تھا۔ (چیکوسلواکیہ عثمانی سلطنت کا حصہ تھا) اسی طرح اسعد آفندی جوروميلی ''یعنی بلقان'' کے لشکر کے قاضی تھے۔ نے یتیم بچیوں کے جہیز کے لئے دو بڑے وقف قائم کر رکھے تھے جو بچیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہوتی تھیں اس دولت سے ان کی عزت کے ساتھ رخصتی عمل میں لائی جاتی تھی۔ عثمانیوں کے پاس بڑے بڑے اوقاف تھے اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

ایک اور مثال: بعض اوقاف ایسے بھی تھے جن کی آمدنی سے ضرورت مند خاندانوں کو (ماہانہ) تنخواہ دی جاتی تھی۔ یہ تنخواہ اکل و شرب کے علاوہ تھی کیونکہ بعض اوقاف ایسے بھی تھے جو ضرورت مندوں کے لیے مفت کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ مفت کھانے کے لئے وقف کی الگ عمارتیں تھیں جہاں پر غرباء کو مفت کھانا ملتا تھا اور تقریباً یہ عمارتیں بیس ہزار افراد میں روزانہ مفت کھانا تقسیم کرتی تھیں۔ اور اس طرح کا اہتمام تمام صوبوں میں تھا۔ (1)

اسی طرح کا ایک خیراتی لنگر خانہ سلمانیہ جامع مسجد میں بھی تھا۔ 1586ء میں اس کا کل خرچ دس ملین ڈالر سے کچھ کم تھا۔ (2)

سلاطین، امراء، وزراء کی سطح پر سلطنت کی کچھ اسی طرح کی پالیسی تھی جو ضرورت مندوں کو خوراک کی ضمانت فراہم کرتی اور مستحقین کی نگہداشت کرتی تھی۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 442 2۔ ایضاً: ص 422

چونکہ علماء کی حیثیت ملک میں وہی ہے جو جسم میں روح کی ہے اس لئے ان کی تعظیم کر، انہیں حوصلہ دے، کسی دوسرے شہر میں کسی عالم کے بارے سنے تو اسے اپنے پاس بلالے اور اس کی ضروریات کو پورا کر

سلطان محمد فاتح نے بڑی بڑی مساجد میں امامت و خطابت کے فرائض سر انجام دینے والے علماء و فضلاء کے وظائف مقرر کرنے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ پرانی آسامیوں کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ نئی آسامیاں بھی پیدا کیں۔ بڑی مساجد کی اہم آسامیوں میں امام، خطیب مؤذن اور چوکیدار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان آسامیوں کے کینڈیڈیٹ (candidate) ان بڑے بڑے دینی مدارس کے فارغ التحصیل فضلاء ہوتے تھے جن کو سلاطین اور وزراء مالی امداد دے کر مضبوط کرتے تھے اور یہ سلاطین اور وزراء اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ دینی ملازمین براہ راست دارالحکومت میں متعین مفتی کے ماتحت ہوتے تھے۔ بڑے صوبوں میں قضاۃ العسکر (فوج کے قاضی) ان کی نیابت کرتے تھے۔ رہے چھوٹے صوبے تو وہاں امام ہی تمام دینی امور کی نگہداشت کرتے بالخصوص دیہاتوں میں امام ہی تمام ذمہ داریاں پوری کرتے تھے۔

وہ مدارس جو دینی ملازمین تیار کرتے تھے ان میں پڑھنے والے طلبہ کے تین مدارج تھے۔ ایک وہ تھے جو ''صوفتا'' میں پڑھتے تھے یہ سب سے چھوٹا درجہ تھا۔ دوسرا درجہ ان لوگوں کا تھا جنہیں فارغ التحصیل ہونے پر دانشور کا لقب دیا جاتا تھا۔ تیسرے اور آخری درجہ میں مدرسین آتے تھے۔ سلطان مراد ثانی کے دور میں صوفتا کی تعداد 90 ہزار تھی۔ سلطنت کے تمام کاموں میں ان لوگوں کے اثرات بہت نمایاں تھے۔(1)

خبردار تجھے مال و دولت کی فراوانی اور لشکر کی کثرت دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اہل شریعت کو اپنے دروازے سے دور نہ کرنا ایسا کام نہ کرنا جو شرعی احکام کے خلاف ہو۔ دین ہمارا مقصود ہے۔ ہدایت ہمارا منہج ہے اور اسی سے ہمیں کامرانی نصیب ہوئی ہے۔

سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ اپنے جانشین کو متنبہ کر رہا ہے کہ دولت یا لشکر کی کثرت سے دھوکہ نہ کھانا۔ اور اسے بتا رہا ہے کہ علماء و فقہاء کا حاکم سے دور ہونا کتنے بڑے خطرے کی بات ہے۔ سلطان اسے خبردار کر رہا ہے کہ شرعی احکام کی مخالفت نہ کرنا۔ کیونکہ شریعت کی مخالفت دنیا میں بدنصیبی اور زوال کا سبب بنتی ہے اور آخرت میں ہلاکت اور عذاب کا۔ شریعت خداوندی سے دوری کے اثرات قوم کی زندگی کے تمام پہلوؤں دینی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پر مرتب ہوتے ہیں۔

عثمانیوں کی قوت، عزت اور شرف و مجد کا راز اطاعت خداوندی میں مضمر ہے۔ انہوں نے اللہ کریم کی نازل کردہ شریعت کو نافذ کیا راہ خدا میں جہاد کیا اور لوگوں کو دین حنیف کی طرف بلایا اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں رہتی دنیا تک کی عزت و عظمت عطا کر دی۔ اسی لئے محمد فاتح علیہ الرحمۃ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: '' دین ہی ہمارا مقصود ہے ہدایت

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 405

ہمارا راستہ ہے اسی کی بدولت ہمیں کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی"۔

اس دین کی عزت اور اہل تقویٰ وورع کی توقیر کے لئے اقدامات کر

دین اسلام کی خدمت اور زمین میں اس دین کا قیام ملک وقوم کی زندگی میں بہتر نتائج کو یقینی بناتا ہے۔ برائیوں اور گناہوں سے روح کو پاک رکھنا اور بھلائی پر نفس کو آمادہ کرنا دینی خدمت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لئے دینی رجحان پیدا ہو جانا دینی خدمت ہی کا ثمرہ ہے۔ یہی چیز انسان کو جرم کے ارتکاب سے روکتی ہے اور محاسبہ نفس پر ابھارتی ہے۔ دین کے احکام ہر وقت انسان کے پیش نظر رہتے ہیں اس لئے نفس میں خشیت الٰہی اور تقویٰ کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح دین کی خدمت اور شریعت کی پاسداری حقوق اور واجبات میں حاکم ورعایا کی تفریق مٹا کر مساوات کو یقینی بنا دیتی ہے اور ایک اسلامی مملکت کے تمام باسی عدل وانصاف سے مستفیض ہونے لگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت کی پابندی اور اسلامی قانون کی تنفیذ نزول برکت اور پے در پے نعمتوں کے حصول کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ ایسا نہیں کہ آخرت میں بہترین جزاء کا راستہ اور ہو اور دنیا میں فلاح کا راستہ اس سے مختلف کوئی دوسرا۔ اللہ کریم نے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے لیے ایک ہی راستہ مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ اسلامی احکام کی تنفیذ سے قلوب کے اندر بھی برکتیں پائی جاتی ہیں اور احساسات کے اندر بھی۔ اس سے زندگی میں برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور اسی سے آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑی چیز میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بہتر انداز سے فائدہ اٹھایا جائے۔

شریعت اسلامی پر عمل ہی کے نتیجے میں ایک ایسا اسلامی معاشرہ معرض وجود میں آیا جو اپنے دین اور نظریہ کی حفاظت پر حریص تھا اور جس نے وہ راستہ اختیار کیا جس کا مصدر قرآن وسنت تھے۔ قرآن وسنت وہ مصدر ہے جس میں ایک مسلم فرد، مسلم جماعت، مسلم امۃ اور مسلم سلطنت کی تعمیر وتشکیل کا مکمل سامان موجود ہے۔ قرآن وسنت پر کاربند رہنے کی بدولت پوری قوم کے حوصلے بلند ہو گئے اور لوگ علم، تہذیب، ترقی اور آگے بڑھنے کے اسباب کو اختیار کرنے میں سرگرم عمل ہو گئے کیونکہ یہ شریعت اپنے اندر ترقی اور آگے بڑھنے کے تمام وسائل رکھتی ہے اور رذیل معاشروں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں کی تہذیبی زندگی کی عفونت کو دور کرنے کا سامان بھی رکھتی ہے۔(1)

لوگ باعمل علماء کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ وہ انہیں ان کا دین سکھائیں، ان کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر تربیت کریں۔ علماء ہی وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول کے ارشادات کو بیان کرتے ہیں اور شریعت کی نصوص کی اسلامی اصولوں کے مطابق تفسیر وتوضیح کرتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل)

"پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔"

1۔ تطبیق الشریعۃ الاسلامیۃ: از طریفی: ص 61,60

ملکی دولت کو عیش وعشرت، لہو ولعب یا غیر ضروری کاموں پر خرچ مت کرنا۔ کیونکہ فضول خرچی ہلاکت کا سب سے بڑا سبب ہے

یہ وصیت سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ کے ولی عہد کی رہنمائی کرتی ہے کہ وہ اعتدال اور اخراجات میں میانہ روی اختیار کریں۔ یہ وصیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اعتدال اور میانہ روی کو صحیح سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ بخوبی جانتے تھے کہ اسراف سے حاکم اور ملک کا دور رہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ فضول خرچی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے۔

سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ کا وصال اور مشرق ومغرب پر اس کے اثرات

ماہ ربیع الاول 886ھ بمطابق 1481ء کو سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے جہاں اسکدار میں ایک دوسرا بہت بڑا لشکر مکمل طور پر جنگ کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ سلطان ابھی تک استنبول سے نہیں نکلے تھے کہ ان کی صحت خراب ہو گئی لیکن شوق جہاد کی بدولت انہوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور آمادہ سفر ہو گئے۔ خود ہی اپنے لشکر کی قیادت کی اور پورے حوصلے سے کام لیا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی معرکہ کارزار میں گھس جاتے تھے۔ اور لڑائی کی سختیوں میں بیماری سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ لیکن اس بار مرض بڑھ گیا اور اسلدار پہنچ کر قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ طبیبوں کو بلایا گیا لیکن فیصلہ ہو چکا تھا۔ علاج معالجے سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ اپنے لشکر جرار کے درمیان بروز جمعرات چار ربیع الاول 886ھ بمطابق 3 مئی 1481ء کو وصال فرمائے۔ وصال کے وقت ان کی عمر باون سال تھی اور تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کی فرمانروائی کی تھی۔ (1)

آپ کی وصال کی خبر جب مشرق ومغرب میں پھیلی تو ایک خوفناک دھماکہ ہوا جس سے اسلام اور اہل اسلام متاثر ہوئے۔ نصرانیت کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنے لگے اور ان کی خوشی ومسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نصرانیوں نے روڈس میں نماز شکر ادا کی کہ اس خوفناک دشمن سے نجات حاصل ہوئی۔ (2)

عثمانی سلطنت کے لشکر اٹلی کے جنوب میں پہنچ چکے تھے تاکہ پورے ملک اٹلی کو فتح کر کے دولت عثمانیہ کا حصہ بنایا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے سلطان محمد فاتح کی وفات کی خبر نے لشکر کے حوصلوں کو پست کر دیا۔ غم واندوہ اور حزن وملال کی فضا چھا گئی۔ مجبوراً عثمانیوں کو شاہ نابولی کے ساتھ مذاکرات کرنے پڑے تاکہ وہ اپنی جان و مال کو بحفاظت بچا کر واپس ہوسکیں۔ مذاکرات بظاہر کامیاب رہے لیکن نصرانیوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے فوج کے باقی ماندہ حصہ کو گرفتار کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ (3)

سلطان کے وصال کی خبر جب روما پہنچی پوپ بے حد خوش ہوا۔ اس نے کلیسے کھولنے کا حکم دیا۔ تمام کلیساؤں میں نماز شکر

1۔ محمد الفاتح: ص372 2۔ محمد الفاتح: ص373 3۔ محمد الفاتح: ص373

ادا کی گئی اور کانفرنسز ہوئیں۔ راستوں اور چوراہوں کو سجایا گیا۔ جلوس نکالے گئے توپوں کے گولوں کی گونج میں خوشی و مسرت کے گیت گائے گئے۔ اور تین دن تک روما میں جشن اور عید کا سماں رہا۔ محمد فاتح علیہ الرحمۃ کے وصال سے نصرانیت ایک عظیم ترین خطرے سے نجات پا گئی جو ہمیشہ ننگی تلوار کی طرح ان کے سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔(1)

کوئی نہیں جانتا کہ سلطان محمد اپنے لشکر کی قیادت کرتے کس طرف جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں لوگوں کی آراء مختلف تھیں کیا وہ روڈس کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اس جزیرہ کو فتح کریں جو سلطان کے قائد مسیح پاشا کے ہاتھوں فتح نہیں ہو سکا تھا؟ یا وہ جنوبی اٹلی جانا چاہتے تھے تاکہ مسلم لشکر کی فتوحات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جاسکے جو اٹلی میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس طرح شمالی اٹلی، فرانس اور ہسپانیہ کو فتح کیا جائے؟

یہ ایک ایسا راز ہے جو سلطان کے سینے میں مدفون ہو کر رہ گیا اور کوئی شخص اس سے آج تک آگاہ نہیں ہو سکا۔(2)

سلطان محمد فاتح کی یہ عادت تھی کہ اپنی منزل مقصود سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا تھا۔ اور اس بارے مکمل راز داری کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اور یوں اپنے دشمن کو حیرت اور غفلت میں چھوڑ دیتا تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کب اس کے سر پر جنگ کے بادل منڈلانے لگیں۔ پھر اس راز داری کے بعد بہت تیزی سے اپنی جنگی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوتا اور دشمن کو قطعاً سنبھلنے کا موقع نہ دیتا(3)۔ ایک مرتبہ سلطان سے کسی قاضی نے پوچھ لیا کہ آپ اپنے لشکر کو لے کر کس سمت کا رخ کریں گے۔ سلطان نے جواب دیا۔ اگر میری ڈاڑھی کے کسی بال کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ میں کس سمت بڑھنے والا ہوں تو میں اسے اکھیڑ کر آگ میں ڈال دوں گا۔(4)

سلطان چاہتے تھے کہ اسلامی فتوحات جنوبی اٹلی سے انتہائی شمال تک پہنچ جائیں۔ وہ فرانس، ہسپانیہ اور ان سے آگے کے ممالک اور اقوام و شعوب کو مغلوب کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنانا چاہتے تھے لیکن زندگی نے مہلت نہ دی۔

عالم اسلام کو سلطان کی وفات سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا پوری اسلامی دنیا درد و کرب سے کراہ اٹھی۔ ہر طرف غم و اندوہ کے گہرے بادل چھا گئے۔ پوری دنیا کے مسلمان زار و قطار رو رہے تھے۔ کہ آج وہ سلطان ہم سے رخصت ہوا جس کی کامیابیوں نے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ سپاہی داغ مفارقت دے گیا جس نے قرون اولی کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی تھی۔(5)

عبدالحی بن العماد حنبلی اپنی کتاب میں "880ء کی وفیات" کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "وہ بنی عثمان کے عظیم ترین سلاطین میں سے تھے۔ وہ صاحب فضیلت و عظمت اور نہایت عظیم و جلیل القدر بادشاہ تھے۔ جنگی کاروائیوں، پیش قدمی اور سخت کوشی کے حوالے سے وہ سب بادشاہوں سے عظیم، طاقتور، ثابت قدم اور سب سے زیادہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے فرمانروا تھے۔ انہوں نے ہی بنی عثمان کے ملک کی بنیاد رکھی اور ان کیلئے ایسے قوانین وراثت میں چھوڑے جو زمانے کی گردن میں

1۔ محمد الفاتح: ص374
2۔ محمد الفاتح: ص377
3۔ محمد الفاتح: ص259
4۔ محمد الفاتح: ص260
5۔ محمد الفاتح: ص168

خوبصورت ہار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بڑے اچھے اوصاف کے مالک تھے۔ بے مثال خوبیوں اور فضیلتوں کے حامل تھے۔ تاریخ کے صفحات پر آپ کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے اور لیل ونہار اور ماہ وسال انہیں کبھی نہیں مٹا سکیں گے۔ انہوں نے وہ جنگیں لڑیں جنہوں نے صلیبیوں کی صلیبیں ریزہ ریزہ کردیں اور ان کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ان کا عظیم ترین کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے۔ خشکی پر کشتیاں چلا کر بحر و بر کی طرف سے اس شہر کا محاصرہ کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔ سلطان محمد فاتح اپنے لشکروں اور بہادروں کو ساتھ لے کر اس شہر پر جھپٹا اور اپنے گھوڑوں اور مردان جنگ کی معیت میں آگے بڑھتا رہا۔ پچاس دن تک اس شہر کا سخت ترین محاصرہ کیا۔ قلعہ کے اندر فاجر وفاسق کفار پر سختی کی اور مدافع فوجوں پر اللہ کی تلوار بے نیام کی۔ اللہ تعالیٰ کی مضبوط زرہ سے ملبوس فتح و کامرانی کے دروازے پر دستک دی۔ مسلسل حملے کرتا رہا۔ اس کے دروازوں پر برابر چوٹ لگاتا رہا اور حملے کرتا رہا اور اس وقت تک لڑتا اور بہادری کے جوہر دکھاتا رہا جب تک کہ اللہ کریم نے اس کی مشکلات کو حل نہیں فرمادیا۔ اس پر اللہ کریم کے فرشتوں کا نزول ہوا جو بندے سے اس کی شاہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اس کی حالت زار پر نظر رکھنے والا اسے فتح و کامرانی سے نوازنے والا اور سب پر غالب ہے۔ اکاون دن محاصرہ رہا اور بالآخر یہ شہر مغلوب ہو گیا۔ جس دن یہ شہر فتح ہوا منگل کا دن تھا اور جمادی الاخری کی دسویں تاریخ اور سن 857ھ تھا۔ انہوں نے فتح کے بعد نصرانیوں کے سب سے بڑے گرجے میں نماز جمعہ ادا کی۔ جس کا نام آیا صوفیا تھا۔ یہ ایک گنبد والی عمارت تھی۔ جس کی بلندی آسمان کو چھوتی تھی اور اس کی مضبوطی اہرام مصر کی کہانی بیان کرتی تھے۔ لیکن آیا صوفیا کی عمارت بڑائی میں اہرام کی مانند تھی پرانے پن میں نہیں۔

سلطان نے استنبول میں علم کی ایک ایسی مضبوط بنیاد ڈالی جس کے سورج کو ڈوب جانے کا اندیشہ نہیں۔

اور مدارس بنائے جن کے گنبد نما آٹھ دروازے ہیں جن سے بآسانی اندر جایا جا سکتا ہے اور ان میں وہ نصاب مقرر کیا جو منقول و معقول ہر طرح کے علم پر مشتمل ہے۔ اللہ طلبہ کی طرف سے انہیں بہترین جزا دے۔ انہیں اجر عظیم سے نوازے اور بہت بڑا ثواب عطا کرے۔ اور اس کے بعد ان کے لئے ایسے مراتب (Rank) مقرر کئے جن تک وہ ترقی کرتے تھے اور کوشش کر کے ان کو حاصل کر لیتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا کی سعادت کے ساتھ ساتھ دنیاوی جاہ وحشمت کے وسیلے سے سعادت عقبیٰ بھی حاصل کر لیتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دور دراز شہروں اور علاقوں سے بڑے بڑے علماء کو اپنے پاس بلا لیا۔ ان پر انعام و اکرام کی بارش کی اور ان کے ساتھ لطف واحسان کا سلوک کیا جیسے مولانا علی قوشجی، فاضل طوسی، علامہ کورانی وغیرہ علمائے اسلام اور فضلائے انام کی بدولت استنبول دنیا کا عظیم ترین شہر بن گیا۔ جسے بجا طور پر فخر اور بلندی کا معدن کہا جا سکتا ہے۔ اس شہر میں ہر فن کے اہل کمال جمع ہو گئے ہیں۔ آج بھی استنبول کے علماء دنیائے اسلام کے عظیم ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اس کے اہل حرفہ دنیا بھر میں فن کی باریکیوں سے کمال واقفیت رکھنے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہاں کے ارباب دولت بڑی سعادتوں کے مالک ہیں۔ حضرت سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ کے اہل اسلام پر جو احسانات ہیں بالخصوص علماء پر وہ حد شمار سے باہر ہیں۔(1)

اللہ کریم ان پر رحمت فرمائے ان کی خطاؤں سے درگزر کرے ان سے راضی ہو اور مصلحین میں ان کا ذکر بلند ہوتا رہے۔

1۔ شذرات الذہب: 345/7

چوتھی فصل

محمد فاتح کے بعد آنے والے طاقتور سلاطین

پہلی بحث

سلطان بایزید ثانی

سلطان محمد فاتح علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا بایزید ثانی (886ھ، 918ھ) تخت نشین ہوا۔ بایزید فطرتاً سلطان تھا۔ بچپن سے ہی ادب کا دلدادہ، علم شریعت کا ماہر اور فلکیات کا شائق تھا۔ اپنی سلطنت کے مختلف علاقوں کو ایک دوسرے سے ملانے کی خاطر یونان اور بلغاریہ کے تجربہ کار انجینئروں کی مدد سے راستوں اور پلوں کا ایک جال بچھا دیا اور اس کام کو نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔(1)

اپنے بھائی سے اقتدار کی جنگ

امیر جمشید بروسہ میں مقیم تھا جب اسے اپنے باپ کے وصال کی خبر پہنچی تو اپنے ماتحت علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے دولت عثمانیہ پر اپنی فرمانروائی کا اعتراف کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ جب بروسہ اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں حالات اس کے حق میں سازگار ہو گئے تو اس نے اپنے بھائی کی طرف قاصد روانہ کیا اور صلح کا مطالبہ کیا اور تجویز پیش کی کہ وہ اس کے حق میں سلطنت سے دستبردار ہو جائے۔ سلطان بایزید نے دستبرداری سے انکار کر دیا کیونکہ محمد فاتح نے اپنے بعد زمام اقتدار سنبھالنے کی وصیت ان ہی کو کی تھی۔ لیکن جمشید اس پر قانع نہ ہوا۔ اس نے دوبارہ قاصد بھیجا اور اپنے بھائی بایزید کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ دولت عثمانیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ یورپی سلطنت پر بایزید حکومت کرے اور ایشیائی سلطنت پر جمشید، لیکن بایزید نے اس تجویز سے بھی اتفاق نہ کیا بلکہ تقسیم مملکت کی تجویز کو سرے سے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ اس سے وہ عظیم مملکت ٹکڑوں میں بٹ جاتی جس کی تعمیر اور وحدت کے لئے اس کے آباء و اجداد نے سخت محنت کی تھی۔ بایزید نے سلطنت کو یکجا رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا اور اس کی قیادت کرتا ہوا بروسہ پر حملہ آور ہوا۔ جمشید کو شکست ہوئی وہ بروسہ سے سلطان مصر قتیبائی کی طرف مصر بھاگ گیا(2) مصری سلطان نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس کی خوب تعظیم و تکریم کی اور اسے اور اس کے خاندان کو سفر کے تمام اخراجات دے کر حجاز مقدس کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ فریضہ حج ادا کر سکیں۔

جب جمشید ارض مقدس سے مصر لوٹا تو سلطان بایزید نے اسے یہ کہلا بھیجا۔ "کس وجہ سے تو آج حج میں دینی فرائض ادا کر رہا ہے اور کیوں دنیوی معاملات میں کوشاں ہے حالانکہ یہ ملک اللہ کے حکم سے میرے مقدر میں ہے۔ پھر تو کیوں اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے آڑے آتا ہے؟ جمشید نے جواب دیا۔ کیا یہ بات قرین انصاف ہے کہ تو عیش و عشرت اور راحت و آرام کی زندگی گزارے اور اپنے دن عیش و نشاط میں بسر کرے اور میں ہر قسم کی راحت و آرام اور لذت سے محروم رہوں۔ اور

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 50 2۔ قیام الدولۃ العثمانیہ: ص 57

اپنا سر کانٹوں پر رکھ کر سویا رہوں؟(1) جمشید نے اناضول کے سرداروں سے ساز باز کی انہیں بایزید کے خلاف ابھارا اور ان کے ساتھ مل کر تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن شکست کھائی۔ دوبارہ کوشش کی لیکن اس بار بھی شکست کھائی۔

جمشید روڈس گیا اور وہاں کے فرمانروا سے مدد کی درخواست کی۔ روڈس نے پہلے تو اس سے اتفاق کیا لیکن بایزید کے خوف سے پھر اس سے غداری کی اور یوں جمشید جزیرہ روڈس میں قیدی بن کر زندگی کے دن پورے کرنے لگا۔ مقدس یوحنا کے گھوڑ سوار (روڈس کا فرمانروا) نے اس خطرناک گروی کی بدولت بہت سے فوائد حاصل کئے۔ کبھی بایزید سے اور کبھی قاہرہ میں جمشید کے طرف داروں سے (اس کی ماں اور اہل خاندان) جب روڈس کا فرمانروا بہت بڑی دولت کما چکا تو یہ قیمتی متاع پوپ انوسینٹ ہشتم کے ہاتھوں بیچ دی۔ جب پوپ انوسیٹ ہشتم فوت ہوا تو اس پر سکندر ششم نے قبضہ کر لیا لیکن بالآخر زیادہ عرصہ تک جمشید زندہ نہ رہا۔ وہ بہت جلد قتل کر دیا گیا اور الزام بایزید ثانی کے سر دھر دیا گیا جس نے اپنے بھائی کے خطروں سے نجات حاصل کر لی تھی۔(2)

سلطان بایزید کا مصر کے ممالک کے بارے موقف

عثمانیوں اور ممالیک کے درمیان شامی سرحد پر کچھ معرکے ہوئے لیکن ان معرکوں میں اس حد تک تیزی نہ آئی کہ دونوں کے درمیان کوئی خونریز جنگ چھڑ جاتی۔ البتہ ان معرکوں کی وجہ سے دونوں کے درمیان عدم اعتماد کا احساس پیدا ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ 1491ء میں صلح کے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ مملوکی سلطان ''قایتبای'' کے دل و دماغ پر اس بات کا خوف چھایا ہوا تھا کہ ممکن ہے عثمانیوں اور مملوکیوں کے درمیان کوئی بہت بڑی جنگ چھڑ جائے۔ یا تو اس وجہ سے یہ خوف تھا کہ وہ عثمانیوں کی فوجی قوت سے آگاہ تھے یا اس وجہ سے کہ اس کی بہت سی فوج پرتگالیوں کے مقابلے میں مشغول تھی۔ لیکن ان حالات میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس سے مملوکی سلطان کے سارے اندیشے جاتے رہے بایزید ثانی نے 1491ء میں سلطان مصر کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجا اور ان تمام قلعوں کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں جن پر مصریوں نے کچھ عرصہ پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان مصر نے صلح کے اس پیغام کو خوش آمدید کہا۔ تمام عثمانی قیدیوں کو رہا کر دیا اور یوں 1491ء میں بایزید کی امن پالیسی نے عثمانیوں اور ممالیک کے درمیان صلح کے معاہدے میں اپنا حصہ ڈالا۔ یہ صلح سلطان بایزید کے عہد حکومت کے آخر 1512ء تک قائم رہی اور اس نے ثابت کر دیا کہ سلطان بایزید مسلمانوں کے ساتھ امن و آشتی کی پالیسی پر گامزن تھے۔(3)

سلطان بایزید ثانی اور مغربی ڈپلومیسی

سلطان بایزید کے عہد حکومت میں بھی جہاد کا پرچم سربلند رہا۔ دشمنوں نے اس بات کا ادراک کر لیا کہ وہ منظم جنگ میں جہادی فوجوں کا مقابلہ کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو زک پہنچانے اور اپنے

1۔ تاریخ سلاطین آل عثمان، یوسف آصاف: ص 65,63
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 151
3۔ قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 66

مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لئے سفارتی تعلقات کا ڈرامہ رچایا تا کہ وہ امت مسلمہ کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر کے اسلامی معاشرت کو تباہ و برباد کر دیں۔ سلطان بایزید کے عہد حکومت میں پہلا روسی سفیر 898ھ بمطابق 1492ء کو استنبول پہنچا۔

1492ء کو روسی سفیر کا آنا اس کے بعد ماسکو کے ڈوق ایفان کے عہد میں سفارتی تعلقات کا آگے بڑھنا اور اس کے نتیجے میں دشمنوں کو عثمانی سلطان کی طرف سے فوائد اور خصوصی مراعات حاصل ہونا درحقیقت ملت اسلامیہ کے دشمنوں کے سامنے ایک دروازہ کھولنے کے مترادف تھا تا کہ وہ ہماری کمزوری سے آگاہ ہوں اور ہمارے رازوں کو جانیں اور پھر امت میں پھوٹ ڈالنے، اس کو تباہ و برباد کرنے اور مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو کمزور کرنے میں کامیاب ہوں۔ لہٰذا بایزید کے عہد حکومت 886ھ میں ہی ماسکو کا ڈوق ''ایفان ثالث'' ماسکو کی امارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھیننے میں کامیاب ہو گیا اور اسلامی ریاستوں میں نفوذ کا سلسلہ شروع کر دیا۔(1)

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلطان بایزید نے ان حالات میں کمزور موقف اختیار کر لیا تھا اور روسیوں کو اسلامی علاقوں میں نفوذ کا موقع مل گیا تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ عثمانیوں کو مشکل حالات کا سامنا تھا اور وہ جزیرہ نمائے اناضول اور پورے مشرقی یورپ میں توسیع کو روکنے کے لئے دشمنان اسلام کے خلاف برسرپیکار تھے۔

اندلس کے مسلمانوں کے بارے پالیسی

جدید ادوار کے مطلع پر جزیرہ نمائے ایبریا میں حالات نے بڑی تیزی سے پلٹا کھایا۔ ہسپانوی لوگوں کی تمام کوششیں اپنے علاقوں کو متحد کرنے پر مرکوز ہو گئیں اور ملکہ قشتالہ الزبتھ اور اراغون کے بادشاہ فرڈینیڈ کی شادی کے بعد تو اندلس کے وہ تمام علاقے جو کسی نہ کسی صورت مسلمانوں کے زیر نگیں تھے ایک ایک کر کے چھین لئے گئے تھے۔ ہسپانیہ کے متحد ممالک سقوط غرناطہ سے کچھ عرصہ پہلے پورے ہسپانیہ سے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے لئے چل پڑے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسی کام کے لئے وقف کر دیا اور اپنی تمام تر کوششیں واحد اسلامی سلطنت غرناطہ پر مرکوز کر دیں، جو زوال پذیر اسلامی مملکت کی آخری نشانی تھی۔(2)

ہسپانیہ نے مسلمانوں کو جبراً نصرانی بنانے کے لئے وحشیانہ قوانین تشکیل دیے اور ان پر زندگی اجیرن کر دی تا کہ وہ جزیرہ نمائے ایبریا سے کوچ کر جائیں۔

مجبوراً مسلمانوں نے جنہیں ھسپانوی عیسائی ''موز'' کہتے تھے ہسپانیہ کے مختلف شہروں میں علم بغاوت بلند کر دیا اور وہ تمام علاقے جہاں مسلمان آباد تھے خواہ وہ اکثریت میں تھے یا اقلیت میں مسیحی مظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے بالخصوص غرناطہ اور بلنسیہ کے علاقے جہاں مسلمان کافی تعداد میں تھے۔ بغاوت کے ان شعلوں کو بغیر کسی رحم دلی اور نرمی کے بجھا دیا گیا۔ اور ہسپانوی حکومت کی طرف سے ان کے ساتھ کسی نرمی کا سلوک نہ کیا گیا کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے بارے لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ نفرت اور کینہ پیدا ہو۔ دوسری طرف مسلمانوں کی نظریں فطرتی طور پر مشرق و

1۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 50,49
2۔ جہود العثمانیین لانقاذ الاندلس: ڈاکٹر نبیل عبد الحی: ص 125

مغرب کے مسلمان بادشاہوں پر لگی ہوئی تھیں کہ شاید وہ انہیں ان مظالم سے نجات دلانے کی کوئی سبیل کریں۔ اندلسی مسلمانوں نے مسلمان بادشاہوں کی خدمت میں کئی وفود اور یکے بعد دیگرے کئی خطوط ارسال کئے اور ان سے گزارش کی کہ وہ ان کی مدد کریں اور مسیحی مظالم سے بالخصوص مذہبی رہنماؤں اور تفتیشی عدالتوں کے ظلم و جور سے نجات دلائیں جنہوں نے ظلم و ستم کے ہر صورت کو روا رکھا ہوا ہے اور ان کی زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔(1)

اندلس کی خبریں مشرق میں پہنچ رہی تھیں اور عالم اسلام مسیحیوں کے مظالم پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ شاہ مصر اشرف نے پوپ اور نصرانی بادشاہوں کی طرف سفارت بھیج کر مطالبہ کیا کہ وہ ایسا نہ کریں کیونکہ اسلامی ممالک میں ان کے نصرانی بھائی پوری طرح آزاد ہیں۔ جبکہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مظالم کا سامنا ہے۔ سلطان مصر نے دھمکی دی کہ اگر شاہ قشتالہ اور آراغون نے ظلم و ستم کی اس روش کو ترک نہ کیا، مسلمانوں کو اپنی اراضی سے نکالنے کا سلسلہ ختم نہ کیا، ان سے عدم تعرض کی پالیسی اختیار نہ کی اور ان سے چھینی گئی اراضی انہیں واپس نہ دیں تو اسلامی ممالک میں رہنے والے مسیحیوں کے ساتھ بھی اسی طرح کے مظالم روا رکھے جائیں گے اور ان سے مسلمانوں کا بدلہ لیا جائیگا۔ لیکن شاہ مصر اشرف کی طرف سے دی گئی اس دھمکی کا پوپ اور کیتھولک بادشاہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ اندلس سے اسلامی وجود کو ختم کرنے کی اپنی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ مسلمانوں نے سلطان بایزید کی خدمت میں خطوط ارسال کئے اور مدد کی اپیل کی۔ ان خطوط میں سے ایک خط جو سلطان بایزید ثانی کے دربار میں پہنچا کچھ اس طرح ہے۔

''...... جناب عالی! اللہ کریم جناب کو سعادت عطا فرمائے جناب کی شہرت کو اور بڑھائے، اور ممالک کی فتح کو آسان بنائے، جناب کے مددگاروں کو عزت و سرفرازی عطا کرے اور جناب کے دشمنوں کو ذلیل کرے۔ جناب ہمارے آقا و مولا۔ ہمارے دین و دنیا کے ستون جناب حضرت سلطان الملک الناصر، دین و دنیا میں مددگار اسلام اور مسلمین کے سلطان، دشمنان خدا، کافروں کا قلع قمع کرنے والے، اسلام کی جائے پناہ، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کے مددگار، عدل کو زندہ کرنے والے، ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے والے، عرب و عجم ترک و دیلم کے بادشاہ، اللہ کی زمین پر ظل سبحانی، الٰہی قانون کو دنیا پر نافذ کرنے والے، بحر و بر کے فرمانروا، حقوق کی پاسداری کرنے والے، کافروں کو نیست و نابود کرنے والے، ہمارے آقا و مولا، ہمارے سہارا، جائے پناہ اور مددگار آپ کے ملک کو ہمیشہ کثیر مددگار میسر رہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ کامیابیوں سے نوازتا رہے۔ آپ کے کارنامے اور اثرات ہمیشہ باقی رہیں۔ مشہور کارناموں اور بے شمار خوبیوں کے مالک، نیکیوں کو ترجیح دینے والے جن کا آپ کو آخرت میں بہت بڑا اجر عطا کیا جائے گا۔ اور اس دنیا میں بڑی عزت و تکریم اور کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی۔

جناب کے بلند عزائم ہمیشہ جہاد کی فضیلتوں کے ساتھ مختص رہیں۔ جناب کی تلوار ہمیشہ دشمنان اسلام کے خلاف بے نیام رہے اور اس سے صبح کے سینے میں ٹھنڈک پڑے۔ جناب کی چمکتی تلواروں اور اسلحہ کی زبانیں ہمیشہ ان نفیس ترین ذخیروں کا

1۔ ازہار الریاض فی اخبار عیاض، تلمسانی، جلد اول ص 109،108

کھوج لگاتی رہیں جو ان علاقوں میں موجود ہیں جہاں بھلائیاں باہم گتھی ہیں۔ یہ تلواریں روحوں کو جسموں سے جدا کرتی رہیں آپ جناب ان لوگوں کی راہ پر گامزن ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب رہے اور قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں گے۔

اس خط میں ایک ایسے قصیدے کے اشعار بھی تھے جن میں شاعر نے دولت عثمانیہ اور بایزید کی تعریف کی تھی اور سلطنت عثمانی کو ان لفظوں میں ہمیشہ باقی رہنے کی دعا دی تھی۔

سلام کریم دائم متجدد اخص به مولای خیر خلیفة
سلام علی مولای ذی المجد والعلا ومن البس الکفار ثوب المذلة
سلام علی من وسع الله ملکه وایده بالنصر فی کل وجهة
سلام علی مولای من دار ملکه قسطنطینة اکرم بها من مدینة
سلام علی من زین ملکه بجند اتراک من اهل الرعاية
سلام علیکم شرف الله قدرکم وزادکم ملکا علی کل ملة
سلام علی القاضی ومن کان مثله من العلماء الاکرمین الاجلة
سلام علیٰ اهل الدیانة والتقی ومن کان ذارأی من اهل المشورة

❶ ہمیشہ کے، دم بدم سلام عزت کے ساتھ میں اپنے آقا کو مخصوص کرتا ہوں جو بہترین خلیفہ ہیں۔
❷ سلام ہو میرے آقا پر جو عزت اور عظمت کے مالک ہیں اور جنہوں نے کافروں کو ذلت کا لباس پہنا دیا ہے۔
❸ سلام ہو اس شخص پر جس کے ملک کو اللہ تعالیٰ نے وسعت بخشی ہے اور ہر سمت اسے کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔
❹ سلام ہو میرے آقا و مولا پر جس کا دارالحکومت قسطنطنیہ جیسا شہر ہے اور قسطنطنیہ کیا ہی خوب شہر ہے۔
❺ سلام ہو اس شخص پر جس نے اپنے ملک کو ترکوں کی سپاہ سے زینت بخشی ہے اور یہ ترک اس کی رعایا میں سے ہیں۔
❻ تم تمام پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری قدر و منزلت کو چار چاند لگا دیے ہیں اور تم کو ہر ملت سے بڑھ کر ملک عطا کیا ہے۔
❼ سلام ہو قاضی پر اور جلیل القدر، معزز و مکرم علماء پر جو قاضی کی طرح (عالم اور نیک خصلت ہیں)
❽ سلام ہو دیندار لوگوں اور اہل تقویٰ پر اور ان لوگوں پر جو رائے رکھتے ہیں اور اہل مشورہ ہیں۔

اس کے بعد اس حالت کا نقشہ کھینچا گیا جن کا مسلمانوں کو سامنا تھا۔ بزرگوں اور عورتوں کے ساتھ مسیحیوں نے جو سلوک کیا۔ جس طرح مسلمانوں سے ان کے دین کے سلسلہ میں تعرض کیا گیا اس کا حال مذکورہ ہے۔ شاعر آگے کہتا ہے۔

سلام علیکم من عبید تخلفوا باندلس بالغرب فی ارض غربة
احاط بهم بحر من الردم زاخر و بحر عمیق ذوظلام و لجة

سلام عليكم من عبيد اصابهم مصاب عظيم يالها من مصيبة
سلام عليكم من شيوخ تهزقت شيوخهم بالنتف من بعد عزة
سلام عليكم من وجوه تكشفت علیٰ جملة الاعلاج من بعد سترة
سلام عليكم من بنات عوائق يسوقهم اللاط قهراً لخلوة
سلام عليكم من عجائز اكرهت على اكل خنزير ولحم جيفة

1 سلام ہوتم پر ان غلاموں کی طرف جو مغرب (یعنی) اندلس کی سرزمین پر بہت دور رہ گئے ہیں۔
2 جنہیں چاروں طرف سے موجیں مارتے اور نہایت ہی گہرے تاریک بے پایاں سمندروں نے گھیر رکھا ہے۔
3 سلام ہوتم پر ان غلاموں کی طرف سے جو ایک بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں وہ کیا عجیب مصیبت ہے!
4 سلام ہوتم پر ان بوڑھوں کی طرف سے جن کو عزت کے بعد بال نوچ کر بہت بری طرح ذلیل کیا گیا ہے (حتیٰ کہ ان کا بڑھاپا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے)
5 سلام ہوتم پر ان چہروں کی طرف سے جو پردے کے بعد تمام کافروں پر بے پردہ ہو گئے ہیں
6 سلام ہوتم پر ان عصمت شعار بچیوں کی طرف سے جن کو گرفتار کرنے والے کافر زبردستی خلوت میں ہانک کر لے جاتے ہیں۔
7 سلام ہو ان بوڑھیوں کی طرف سے جن کو خنزیر اور مردار کا گوشت کھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

اس فریاد کے بعد قصیدہ ایک اور مضمون کو بیان کرتا ہے وہ دولت عثمانیہ کے بارے مسلمانوں کے احساسات کو بیان کرتا ہے اور سلطان کی خدمت میں شکوہ کرتے ہوئے گویا ہوتا ہے۔

نقبل نحن الكل ارض بساطكم وندعولكم بالخير فى كل ساعة
ادام الاله ملككم و حياتكم وعافاكم من كل سوء و محنة
وايدكم بالنصر والظفر بالغدا واسكنكم دارالرضا والكرامة
شكونالكم مولاى ما قداصابنا من الضر و البلوىٰ وعظم الرزية

1 ہم تمام لوگ تمہارے پاؤں کی زمین کو بوسہ دیتے ہیں اور تمہارے لئے ہر گھڑی بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔
2 الہ العالمین تمہارے ملک اور تمہاری زندگی کو ہمیشہ سلامت رکھے اور تمہیں ہر برائی اور مشکل سے بچائے۔
3 دشمن کے مقابلے میں فتح و کامرانی سے تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں رضا اور عزت کے گھر میں ٹھہرائے۔
4 اے میرے آقا ہم آپ سے اس نقصان ظلم و ستم اور بیچارگی کی شکایت کرتے ہیں جو ہم کو پہنچی ہے۔

اس کے بعد شاعر ان مظالم کی تفصیل بیان کرتا ہے کہ کس طرح ان کو زبردستی دین اسلام سے برگشتہ کیا جا رہا ہے۔

غدرنا و نصرنا و بدل ديننا ظلمنا وعوملنا بكل قبيحة

وكنا على دين النبى محمد نقاتل عمال الصليب بنية
ونلقى امورا فى الجهاد عظيمة بقتل و اسرثم جوع و قلة
فجائت علينا الروم من كل جانب بسيل عظيم جملة بعد جملة
ومالوا علينا كالجراد بجمعهم بجد و عزم من خيول وعدة
فكنا بطول الدهر نلقى جموعهم فنقتل فيها فرقة بعد فرقة
وفرسانها تزداد فى كل ساعة و فرسانها فى حال نقص و قلة
فلما ضعفنا خيموا فى بلادنا ومالوا علينا بلدة بعد بلدة
وجاء و ابا نفاظ عظام كثيرة تهدم اسواد البلاد المنيعة
وشدوا عليها الحصار بقوة شهوراً و اياما بجدو عزمة
فلما تفانت خيلنا و رجالنا ولم نرمن اخواننا من اغاثة
وقلت لنا الاقوات اشتد حالنا احطنا هم بالكره خوف الفضيحة
وخوفا على ابنائنا و بناتنا من ان يؤسروا، اويقتلوا شرقتلة
على ان نكون مثل من كان قبلنا من الدجن من اهل البلاد القديمة

❶ ہمارے ساتھ خیانت کی گئی۔ ہم پر بری طرح غلبہ پالیا گیا اور ہمارا دین تبدیل کر دیا گیا۔ ہم پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے گئے اور ہمارے ساتھ نہایت ہی برا سلوک روا رکھا گیا۔

❷ ہم نبی مکرم محمد ﷺ کے دین پر تھے۔ صلیبیوں کے خلاف پورے خلوص سے جنگ آزما ہوتے رہے۔

❸ جہاد میں ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا رہا۔ قتل، قید و بند، پھر بھوک اور (سامان زیست) کی قلت کی مصیبت نے ہمیں آلیا۔

❹ رومی چاروں طرف سے ہم پر (چڑھ) آئے ایک لشکر جرار کے ساتھ جو ایک بڑے سیلاب کی طرح تھا اور انہوں نے ہم پر گروہ در گروہ حملے کئے۔

❺ وہ ہم پر اپنے لشکر کو لے کر یعنی گھوڑوں اور سامان جنگ کے ساتھ پوری کوشش اور عزم کے ساتھ پل پڑے۔

❻ ہم ایک عرصہ تک ان کے لشکروں سے نبرد آزما ہوتے رہے اور ہم ان میں سے ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت کو قتل کرتے رہے۔

❼ ان کے گھوڑ سوار ہر گھڑی زیادہ ہوتے گئے اور ہمارے گھوڑ سوار تھوڑے تھے اور بہت بری حالت کا سامنا کر رہے تھے۔

❽ جب ہم کمزور ہو گئے تو وہ ہمارے علاقوں میں خیمہ زن ہو گئے اور وہ ہم پر یوں ٹوٹے کہ ایک شہر کے بعد دوسرا شہر فتح کرتے گئے۔

⑨ وہ بہت سارے قلعہ شکن آلات لے کر آئے جنہوں نے شہر کی مضبوط فصیلوں کو پیوند خاک کر دیا۔
⑩ انہوں نے کئی ماہ اور کئی دنوں تک ان شہروں کا سختی سے، پوری قوت، کوشش اور عزم سے سخت محاصرہ کئے رکھا۔
⑪ اور جب ہمارے گھوڑے اور جنگ جوفنا کی گھاٹ اتر گئے اور ہم نے اپنے (مسلمان) بھائیوں کی طرف سے کوئی مدد (آتے) نہ دیکھی۔
⑫ ہماری کھانے پینے کی اشیاء کم ہو گئیں اور ہمارا حال بہت برا ہو گیا تو مجبوراً فضیحت کے خوف سے ہم نے ان کو گھیر لیا (یعنی ان سے دو بدو لڑ پڑے)
⑬ اس خوف سے کہ ہمارے بچے اور بچیاں قیدی بنا لئے جائیں گے یا انہیں بہت برے طریقے سے قتل کر دیا جائے گا۔
⑭ اور اس خوف سے کہ ہم سے پہلے (فتح ہونے والے) پرانے علاقوں کے لوگوں کی طرح ہمیں اپنا دین اور رسوم بدلنے پر مجبور نہ کر دیا جائے۔

اس کے بعد شاعر اس حالت میں اپنے انتخاب کی بات کرتا ہے کہ دو ہی صورتیں باقی تھیں کہ یا تو ہم پہلے کی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں یا پھر یہاں سے کوچ کر جائیں۔ شاعر ان حالات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ونبقى علىٰ اذاننا و صلاتنا ولا تركن شيئا من امرالشريعة
ومن شاء منا الجرجان مومنا بماشاء من مال الىٰ ارض عدوة
الى غير ذالک من شروط كثيرة تزيد على الخمسين شرطا بخمسة
فقال لنا سلطانهم و كبيرهم لكم ما شرطتم كاملا بالزيادة
فكونوا علىٰ اموالكم و دياركم كما كنتم من قبل دون اذية

① (ہم سے صلح کرتے وقت نصرانیوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ) ہم اپنی اذان اور نماز پر کاربند رہیں گے اور شریعت کے کسی بھی کام کو ترک نہیں کریں گے۔
② ہم میں سے جو ہجرت کرنا چاہے گا تو اس کو اجازت ہوگی کہ وہ امن کے ساتھ دشمن سرزمین (کافروں کی دشمن یعنی مسلمان علاقوں) کی طرف اپنے مال کو جس کو چاہے گا لے کر جا سکے گا۔
③ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری شرائط تھیں۔ جو تعداد میں پچپن بنتی تھیں۔
④ ان کے بادشاہ اور فرمانروا نے ہم سے کہا۔ یہ حقوق جو شرائط صلح میں شامل ہیں تمہیں پوری طرح ملیں گے اور کچھ زائد بھی۔
⑤ پس تم پہلے کی طرح اپنے گھروں اور اپنی دولت کے مالک ہو جاؤ بغیر کسی اذیت کے۔

لیکن کیتھولک بادشاہوں نے یہ وعدے وفا نہ کئے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں شروع کر دیں۔ شاعر کہتا

ہے۔

فلما دخلنا تحت عقد ذمامهم بداغدرهم فینا بنقض العزیمة
وخان عهودا کان قدغرنابها ونصرنا کرها بعنف و سطوة
و احرق ما کانت لنا من مصاحف وخلطها بالزبل اوبالنجاسة
وکل کتاب کان فی امر دیننا ففی النار القوه بهزء ذ و حقرة
ولم یترکوا فیها کتابا لمسلم ولا مصحفا یحلیٰ به للقراء ة
ومن صام اوصلی یعلم حاله ففی النار یلقوه کل حالة
ومن لم یجیئ منا لموضع کفرهم یعاقبه اللباط شرالعقوبة
ویلطم خدیه و یاخذ ماله و یجعله فی السجن فی سوء حالة
وفی رمضان یفسدون صیامنا باکل و شرب مرة بعد مرة

❶ جب ہم ان کے عہد و پیان کے بندھن میں آ گئے تو انہوں نے وہ عہد و پیان توڑ دیے اور ہمارے معاملے میں خیانت کرنے لگے۔

❷ جن وعدوں کے ذریعے انہوں نے ہمیں دھوکہ دیا تھا وہ سب وعدے توڑ ڈالے۔ ہم پر سختی کرنے لگے اور دباؤ دے کر ہمیں جبراً نصرانی بنادیا۔

❸ ہمارے پاس قرآن کریم کے جتنے نسخے تھے سب جلادیا اور ان پر گوبر اور نجاست مل دی۔

❹ ہر وہ کتاب جو ہمارے دین سے متعلق تھی بڑی حقارت سے ٹھٹھا کرتے ہوئے اسے آگ میں ڈال دیا۔

❺ اندلس میں کسی مسلم کے پاس ایک کتاب اور قرآن کریم کا ایک نسخہ بھی نہیں چھوڑا کہ جسے کوئی خلوت میں پڑھ سکے۔

❻ جس نے بھی روزہ رکھا یا نماز پڑھی اور اس کے بارے پتہ چل گیا تو اسے ہر حال میں آگ میں پھینک دیا گیا۔

❼ ہم میں سے جو شخص ان کی کفر گاہ (کلیسا) میں نہیں گیا تو اسے بہت بری حالت میں جیل میں ٹھونس دیا۔

❽ رمضان میں بار بار کھلا پلا کر ہم سے روزہ تڑوا دیا جاتا ہے۔

مسیحیت اسی طرح اسلام کی شان میں گستاخی کرتی رہی اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے پر کمر بستہ رہی۔ اسلامی عبادات میں دخل اندازی سے لے کر اسلام کو گالی دینے تک (ہر ظلم ڈھایا اور دین کی بے حرمتی کی) قصیدہ ان خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وقد امرونا ان نسب نبینا ولا نذکرنه فی رخاء و شدة
وقد سمعوا قوما یغنون باسمه فادر کهم منهم الیم المضرة
وعاقبهم حکامهم و ولاتهم بضرب و تغریم و سجن و ذلة

ومن جاء ہ الموت ولم یحضر الذی یذکرھم لم یدفنوہ بحیلة
ویترک فی زبل طریحا مجدلا کمثل حمارمیت اوبھیمة
الیٰ غیر ھذا من امور کثیرة قباح و افعال غرار ردیة (1)

❶ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے نبی کو سب وشتم کریں (نعوذ باللہ) اور ہم آسودگی اور شدت کسی حالت میں بھی ان کا ذکر نہ کریں۔
❷ انہوں نے کچھ لوگوں کو سن لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی گنگنا رہے تھے (یعنی نعت پڑھ رہے تھے) انہوں نے ان کو پکڑ لیا اور سخت اذیتیں دیں۔
❸ ان کے حاکموں اور فرمانرواؤں نے انہیں قتل، جرمانہ، قید اور ذلت کی سزا دی۔
❹ جس شخص کو موت آ گئی اور وہ ایسے شخص کو حاضر نہ کر سکا جو ان کو کلمہ یاد دلاتا ہے (یعنی موت کے وقت اگر پادری موجود نہیں جو یہ گواہی دے کہ اس شخص کی موت میسیحیت پر ہوئی ہے) تو مسلمان اسے کسی صورت دفن نہیں کر سکتے۔(2)
❺ ایسے شخص کو مرے ہوئے گدھے یا چوپائے کی طرح گندگی میں پھینک دیا جاتا ہے۔
❻ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قبیح امور اور برے اعمال ہیں (جن کا یہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں)

اس کے بعد قصیدہ بتاتا ہے کہ کیتھولک ملوک نے مسلم معاشرہ کو نیست و نابود کرنے اور ان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے۔ شاعر کہتا ہے۔......

وقد بدلت اسماء نا وتحولت بغیر رضا منا و غیر ارادة
فآھا علی تبدیل دین محمد بدین کلاب الروم شرالبریة
وآھا علی اسمائنا حین بدلت باسماء اعلاج من اھل القیادة
وآھا علی ابنائنا و بناتنا یروحون للباط فی کل غدوة
یعلمھم کفراً و زوراً و فریة ولا یقدروا ان یمنعھم بحیلة
وآھا علی تلک المساجد سورت مزابل للکفار بعد الطھارة
وآھا علی تلک الصوامع علقت نواقیسھم فیھا نظیر الشھادة
وآھا علی تلک البلاد و حسنھا لقد اظلمت بالکفر اعظم ظلمة

1۔ جہود العثمانیین لانقاذ الاندلس: ص 130
2۔ اندلس کے مظلوم مسلمانوں کے لئے مسیحی مذہبی رہنما مقرر تھے جو ان کی تمام رسوم کے وقت موجود ہوتے تھے۔ موت کے وقت بھی پادری کا ہونا ضروری تھا۔ جو اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ یہ شخص نصرانیت پر قائم تھا اور اس نے مرتے دم یسوع مسیح کا نام لیا۔ اگر کوئی اس کلمہ سے انکار کرتا تو اسے دفن کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے مسلمانان اندلس کی تاریخ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز (مترجم)

وصارت لعباد الصليب معاملا و قدامنوا فيها و قوع الاغارة
وصرنا عبيداً لا اسارى فنفتدى ولا مسلمين منطقهم بالشهادة

❶ ہمارے نام ہماری مرضی اور ارادے کے بغیر بدل دیے گئے۔
❷ آہ دین محمد ﷺ کا روم کے کتوں کے دین سے تبدیل ہو جانا رومی جو بدترین مخلوق ہیں۔
❸ ہائے ہمارے (اسلامی) نام جس وقت کافروں کے سرداروں کے نام سے بدل دیے گئے۔
❹ آہ! ہمارے بیٹے اور بیٹیاں جو ہر روز کافر کے پاس جاتے ہیں۔
❺ جو انہیں کفر، جھوٹ اور فریب کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ انہیں کسی طرح روک نہیں سکتے۔
❻ آہ وہ مسجدیں جنہیں طہارت و پاکیزگی کے بعد کافروں کے لئے طہارت خانوں میں تبدیل کر دیا گیا۔
❼ آہ وہ عبادت گاہیں جن میں کلمہ شہادت کی جگہ اب ناقوس لٹک رہے ہیں
❽ آہ یہ شہر اور ان کا حسن جو اب کفر کی وجہ سے گھپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔
❾ اور صلیب کی پوجا کرنے والوں کے لئے قلعے بن گئے ہیں اور یہ ان میں ہر طرح کی غارت گری سے بے خطر رہے ہیں۔
❿ ہم غلام بن گئے ہیں قیدی نہیں کہ فدیہ دیں اور نہ ہم (بظاہر) مسلمان ہیں کہ ہماری زبان پر کلمہ شہادت ہو۔

اس کے بعد شاعر سلطان سے التجا کرتا ہے کہ وہ انہیں اس مصیبت سے نجات دلائیں اور ان کی مدد کریں۔ شاعر کہتا ہے۔

فلو ابصرت عيناك ما صار حالنا اليه لجادت بالدموع الغزيرة
فيا ويلنا يا بؤس ما قد اصابنا من الضر و البلوى و ثوب المذلة
سالناك يا مولاى بالله ربنا و بالمصطفى المختار خير البرية
عسىٰ تنظروا فينا و فيما اصابنا لعل اله العرش ياتى برحمة
فقولك مسموع و امرك نافذ وما قلت من شى يكون سرعة
ودين النصارى اصله تحت حكمكم ومن ثم يا تيهم الى كل كورة
فبالله يا مولاى منوا بفضلكم علينا برأى او كلام بحجة
فانتم اولو الافضال و المجد والعلا وغوث عباد الله فى كل آفة

❶ جو ہمارا حال ہوا ہے اگر تیری آنکھیں اسے دیکھ لیتیں تو آنسوؤں کا موسلا دھار مینہ برساتیں۔
❷ ہائے ہماری بربادی! ہائے وہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے یعنی نقصان، بلوی اور ذلت و رسوائی کا لباس۔(1)
❸ اے میرے آقا اللہ رب العالمین کے واسطے اور محمد مصطفی ﷺ نبی مختار جو بہترین خلائق ہیں کے طفیل ہم آپ سے

1۔ اسلامی لباس پر قدغن تھی۔ مرد اور عورتوں کے لئے نصرانی لباس پہننا ضروری تھا اسی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

سوال کرتے ہیں۔

❹ شاید تم ہماری حالت زار پر نظر کرو اور ہماری مصیبت پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے کہ عرش کا معبود اپنی رحمت فرمادے۔

❺ آپ کی بات سنی جاتی ہے اور آپ کا حکم پورا ہوتا ہے اور آپ جو کچھ کہتے ہیں فوراً ہو جاتا ہے۔

❻ نصرانیوں کے دین کی جڑ تمہاری محکوم ہے۔ اسی لئے یہ حکم ہر علاقہ کے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے۔(1)

❼ اللہ کے واسطے اے میرے آقا! ہم پر احسان کرو اپنی رائے سے یا کلام سے دلیل کے ساتھ۔

❽ تم لوگ بڑی فضیلتوں، عزت اور بلندی کے مالک ہو اور تم ہر آفت میں گرفتار اللہ کے بندوں کے مددگار ہو۔

مسلمانوں نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ روما میں پوپ کے پاس ان کی سفارش کریں۔ کیونکہ یورپ میں سلطان کی بات کا بڑا وزن ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

فسل بابهم اعنى المقيم برومة بماذا اجازوا الغدر بعد الامانة
وما لهم مالوا علينا بغدرهم بغير اذى منا و غير جريمة
وحسنهم المغلوب فى حفظ ديننا و احسن ملوک ذى وفاء اجلة
ولم يخرجوا من دينهم و ديارهم ولانالهم غدر ولاهتک حرمة
ومن يعط عهداً ثم يغدر بعهده فذاک حرام الفعل فى كل ملة
ولا سيما عند الملوک فانه قبيح شنيع لا يجوز بوجهة
وقد بلغ المكتوب منكم اليهم فلم يعلموا منه جميعاً بكلمة
وما زاد هم الاعتداء و جراة علينا و اقداما بكل مسائة

❶ آپ ان کے پوپ یعنی (اس مذہبی پیشوا سے جو) روما میں مقیم ہے سے پوچھ کہ تو نے امان دینے کے بعد وعدہ خلافی کی اجازت کیوں دی ہے۔

❷ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے۔ ہماری طرف سے بغیر کسی تکلیف اور جرم کے۔

❸ حالانکہ ان کے ہم مذہب مغلوب نصرانی ہمارے دین کی حفاظت اور ہمارے وفادار جلیل القدر بہترین بادشاہوں کی حمایت میں (پوری مذہبی، ثقافتی آزادی سے لطف اندوز ہو رہے) ہیں۔

❹ ان مسلم بادشاہوں نے نہ انہیں ان کے دین سے برگشتہ کیا اور نہ انہیں ان کے گھروں سے نکالا نہ ان سے غداری ہوئی اور نہ ان کی عزت پر کوئی حرف آیا۔

❺ جو کوئی زبان دیتا ہے پھر وعدہ خلافی کرتا ہے تو یہ فعل ہر دین میں حرام ہے۔

1۔ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہی نصرانیت کا مرکز تھا۔ مشرق کی پوری نصرانیت قسطنطنیہ کے پوپ کے حکم کی پابند تھی۔ شاید اسی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

❻ بالخصوص (کیتھولک) بادشاہوں کے نزدیک تو یہ نہایت ہی قبیح اور شنیع ہے جس کی کسی پہلو سے اجازت نہیں۔

❼ تمہاری طرف سے لکھا گیا گرامی نامہ ان تک پہنچ چکا ہے لیکن انہوں نے اس گرامی نامہ کے ایک لفظ کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

❽ بلکہ اس خط سے تو ان کی زیادتیوں اور ہم پر ان کی جسارتوں میں اضافہ ہوا ہے اور ہر طرح کی برائی کے ساتھ ہماری جانب اقدام کرنے میں اضافہ ہو گیا ہے۔

مسلمان اشارہ کر رہے ہیں کہ مصری بادشاہوں نے مسیحیوں کو جو خطوط لکھے ہیں ان کا الٹا اثر ہوا ہے ان کی مسلم دشمنی پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے کہا۔

وقد بلغت ارسال مصر الیھم وما نالھم غدر ولاھتک حرمۃ

وقالوا لتلک الرسل عنا باننا رضینا بدین الکفر من غیر قھرۃ

وساقوا عقود الزور ممن اطاعھم ووالله ما نرضی بتلک الشھادۃ

لقد کذبوا فی قولھم و کلامھم علینا بھذا القول اکبر فریۃ

ولکن خوف القتل و الحرق بنا نقول کما قالوہ من غیر نیۃ

ودین رسول مازال عندنا و توحید نا للہ فی کل لحظۃ

❶ مصر کے پیغام ان تک پہنچ چکے ہیں لیکن وہ غداری اور مسلمانوں کی عزت پامال کرنے سے باز نہیں آئے۔

❷ انہوں نے (مصر کے) ان قاصدوں سے ہمارے متعلق کہا کہ ہم بغیر کسی جبر کے کفر کے دین سے راضی ہیں۔

❸ انہوں نے اپنے ماتحتوں (مسلمانوں) کے ساتھ جھوٹے وعدوں کی بات کی خدا کی قسم ہم اس گواہی پر راضی نہیں تھے۔

❹ انہوں نے اپنی گفتگو میں جھوٹ سے کام لیا اور ہمارے خلاف یہ بات کی (کہ ہم کفر پر راضی ہیں) یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔

❺ لیکن قتل اور زندہ جل جانے کے خوف کی وجہ سے جو انہوں نے کہا ہم نے بلانیت وارادہ کہہ دیا۔

❻ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہمیشہ سے ہمارے پاس ہے اور اللہ کی وحدنیت پر ہمارا ایمان ہر لحہ ہمارے پیش نظر ہے۔

اس کے بعد خط میں مسلمانوں نے سلطان بایزید ثانی کو وضاحت سے بتایا کہ ان تمام باتوں کے باوجود وہ دین اسلامی سے وابستہ ہیں۔ وہ اپنے یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ووالله ما نرضی بتبدیل دیننا ولا بالذی قالوا من امر الثلاثۃ

وان زعموا انا رضینا بدینھم بغیر اذی منھم لنا و مساء ۃ

فسل وحرا عن اھلھا کیف اصبحوا اساری و قتلی تحت ذل و مھنۃ

وسل بلفیقا عن قضیۃ امرھا لقد مزقوا بالسیف من بعد حسرۃ

وضيافة بالسيف مزق اهلها　كذا فعلوا ايضا باهل البشرة
واندرش بالنار احرق اهلها　بجا محهم صاروا جميعا كفحمة

❶ خدا کی قسم! ہم اپنے دین کی تبدیلی پر راضی نہ تھے اور نہ اس نظریہ پر راضی تھے جو تثلیث کے بارے انہوں نے (ہمیں اپنانے کو) کہا۔
❷ اگر ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے دین سے خوش ہیں اور ان کی طرف سے ہمیں کوئی اذیت اور کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔
❸ تو وحر سے پوچھ کہ اس کے رہنے والوں کے ساتھ کیا ہوا۔ کیسے وہ ذلت و رسوائی اور تکلیف کی حالت میں قیدیوں اور مقتولوں میں بٹ گئے۔
❹ اہل بلفیق سے پوچھ کہ اس مسئلے میں ان کے ساتھ کیا ہوا۔ کافروں نے حسرت و یاس کے بعد انہیں تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔
❺ اور پوچھ ضیافت کے رہنے والوں سے جن کو تلوار سے چیر پھاڑ کر رکھ دیا گیا اور بشرہ کے رہنے والوں سے بھی ایسا ہی سلوک کیا۔
❻ اندرش سے پوچھ جس کے رہنے والوں کو آگ میں جلا دیا اور ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا یہ سب لوگ جل کر راکھ بن گئے۔

اس شکوہ و شکایت کے بعد مسلمان دولت عثمانیہ سے دوبارہ مدد کی اپیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

فها نحن يا مولانا نشكو اليكم　فهذا الذى نلناه من شر فرقة
عسى ديننا يبقى لنا و صلاتنا　كما عاهدونا قبل نقض العزيمة
والا فيجلونا جميعاعن ارضهم　بامولانا للعرب وارالاحبة
فاجلاء نا خير لنا من مقامنا　على الكفر فى عز على غير ملة
فهذا الذى نرجوه من عزجا هكم　ومن عندكم تقضى لنا كل حاجة
ومن عندكم نرجو زوال كروبنا　وما نالنا من سوء حال و ذلة
فانتم بحمد الله خير ملوكنا　وعزتكم تعلوعلى كل عزة
فنسال مولانا دوام حياتكم　بملك و عزفى سرور و نعمة
وتهدين اوطان و نصر على العدا　وكثرة اجناد و مال و ثروة
وثم سلام الله قلته و رحمة　عليكم مدى الايام فى كل ساعة(1)

1۔ مسلمانوں کی طرف سے بایزید کے نام خط یہ اندلس پر مکمل قبضہ کے بعد تحریر ہوا۔ یہ خط اب الجزائر کی نیشنل لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا لائبریری کا نمبر ہے 1620 اخبار عیاض (109/1 تا 115) یہ خط جھود المسلمین لاسترداد الاندلس سے لیا گیا ہے۔

① اے ہمارے آقا! لو ہم آپ سے شکوہ کناں ہیں۔ اور یہ قوم ہے جس کو ہم نے شریر ترین قوم پایا ہے۔
② ہو سکتا تھا کہ ہمارا دین اور ہماری نماز ہمارے لئے باقی رہے جیسا انہوں نے عہد شکنی سے پہلے ہم سے معاہدہ کیا تھا۔
③ ورنہ وہ ہم سب کو اپنی سرزمین سے نکال دیتے اور ہم اپنے مال و دولت کے ساتھ مغرب میں اپنے دوستوں کے گھر چلے جاتے۔
④ ہمارا جلاوطن ہو جانا اور عزت کے ساتھ کسی دوسرے غیر اسلامی ملک میں چلا جانا کفر پر قائم رہنے سے زیادہ بہتر تھا۔
⑤ یہی وہ چیز ہے جس کی ہم آپ کی عزت و جاہ سے امید کرتے ہیں اور آپ کے پاس ہماری ہر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔
⑥ تمہارے ذریعے ہم اپنی تکلیفوں کے خاتمے کی امید کرتے ہیں اور جس بری حالت اور ذلت کا ہمیں سامنا ہے اس سے نجات کی آرزو رکھتے ہیں۔
⑦ الحمدللہ تم ہمارے بہترین بادشاہ ہو اور آپ کی عزت ہر عزت سے زیادہ ہے۔
⑧ اے ہمارے آقا ہم آپ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی لمبی ہو۔ آپ کا ملک اور عزت خوشی اور نعمت کے ساتھ ہمیشہ باقی رہیں۔
⑨ ہماری دعا ہے کہ (ہمارے) وطن پر سکون ہوں اور انہیں دشمن پر کامیابی حاصل ہو۔ انہیں لشکر کی کثرت اور مال و دولت کی فروانی میسر رہے۔
⑩ میں پھر سے دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر سلامتی اور رحمت ہر ساعت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوتی رہے۔

یہ تھا وہ خط جو اندلس کے مسلمانوں نے سلطان بایزید ثانی کی خدمت میں بھیجا اور مدد کی اپیل کی۔ سلطان بایزید بذات خود کئی مشکلات کا سامنا کر رہا تھا جو اندلس جانے والے مجاہدین کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ سلطان کی اپنے بھائی جمشید سے ان بن ہو گئی تھی۔ جو تخت و تاج کے لئے کوشاں تھا۔ امیر جمشید کی وجہ سے روما میں پوپ اور یورپی ملکوں سے بھی تعلقات کشیدہ تھے۔ پولینڈ والوں نے مولدافیا پر حملہ کر دیا تھا۔ ترانسلفانیا، ہنگری اور بلگیریا کے ساتھ بھی جنگ ہو رہی تھی۔ پوپ جولیس ثانی، جمہوریہ بلگیریا، ہنگری اور فرانس کے درمیان دولت عثمانیہ کے خلاف ایک جدید صلیبی معاہدہ تشکیل پا چکا تھا اور اس معاہدہ کے نتیجے میں عثمانی فوجوں کو ان علاقوں پر نظر رکھنا ضروری تھا(1)۔ لیکن باوجود ان تمام مشکلات کے سلطان بایزید نے مدد بھیجنے کا اہتمام کیا اور مملوکی سلطان اشرف کے ساتھ معاہدہ کیا تاکہ دونوں ملک مل کر غرناطہ کے مسلمانوں کی مدد کریں۔ اس معاہدہ پر دونوں اسلامی ملکوں کے دستخط ہوئے اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ سلطان بایزید صقلیہ کے ساحلوں پر بحری بیڑے سے حملہ کرے گا جو ان دنوں ہسپانیہ کے ماتحت تھا اور مملوکی سلطان افریقہ کی طرف سے

1۔ الدولة العثمانية دولة اسلامية مفترى عليها (903/2)

دوسرے حملوں کا اہتمام کرے گا۔(1)

سلطان بایزید نے اس معاہدہ پر عمل کرتے ہوئے عثمانی بحریہ کو روانہ کیا جس نے ہسپانوی ساحلوں پر چکر لگایا۔ اس بحری بیڑے کی قیادت کمال رائیس کو دی گئی جس نے پندرھویں صدی کے اواخر میں نصرانی بحری بیڑوں کو خوف و ہراس سے دوچار کر رکھا تھا اور مغرب اس سے تھر تھر کانپ رہا تھا(2)۔ سلطان بایزید نے بحری مجاہدین کی پیٹھ ٹھونکی کہ وہ چھیڑ چھاڑ کریں اور ہسپانی علاقوں پر کارروائی کریں۔ عثمانی مجاہدین نے اپنے مسلمان بھائیوں کو نکالنے کے لئے کوششیں شروع کر دی۔ وہ ہسپانوی علاقوں پر حملہ آور ہوتے اور دور تک نکل جاتے پھر واپس آ جاتے۔ ان حملوں میں نصرانیوں کی کافی دولت ان کے ہاتھ لگی۔ بہت سے ہسپانوی مسلمان بھی ان سے آ ملے جو بحریہ کا خاصا تجربہ رکھتے تھے جن کی بدولت عثمانی بحریہ کو خاصی تقویت حاصل ہوئی۔ ان مجاہدین کی خدمات کو فوج میں قبول کیا گیا اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا گیا بعد میں ان مجاہدین کی شہ پر عثمانیوں نے بحر متوسط کے مغربی ساحلوں پر بھی حملے کئے اور ان حملوں میں اپنی جدید بحری فوجوں کی خدمات حاصل کیں۔(3)

بلاشبہ جمشید کی قابل مذمت حرکتیں سلطنت کی وسعت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ ان حرکتوں کی وجہ سے سلطان بایزید کوئی قابل قدر کارنامہ سرانجام نہ دے سکا۔ اس کی تمام تر توجہ اپنے بھائی کی خبروں پر مرکوز ہو کر رہ گئی اور اس نے ہر قیمت پر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔(4)

بالعموم بایزید نے لبانتو کی خلیج میں بلکیریا کو بحری شکست دی۔ جو یونان کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ واقعہ 1499ء بمطابق 905ھ کا ہے۔ اگلے سال بایزید لبانتو کے شہر پر قابض ہوا۔ یونان میں بلکیریا کے علاقوں پر عثمانیوں کے قبضہ کی وجہ سے پوپ سکندر ششم نے بلکیریا کو عثمانیوں سے واپس لینے کی غرض سے ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ میں فرانس اور ہسپانیہ بھی شامل تھے۔ عثمانیوں نے فرانسیسی، ہسپانوی اور پوپ (اٹلی) کے تین بحری بیڑوں کا سامنا کیا۔ لیکن بالآخر دولت عثمانیہ نے بلکیریا کے ساتھ صلح کرنے میں کامیابی حاصل کی۔(5)

بایزید امن و آشتی کی طرف بہت مائل تھا۔ اس نے یورپ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے سفارتی تعلقات صرف عثمانی دولت کی حدود پر واقع سلطنتوں تک محدود تھے۔ لیکن اب اٹلی، فلورنڈا، بابسط اور فرانس کے ساتھ بھی سفارتی تعلقات قائم کر لئے۔ نیز بلکیریا اور ہنگری سے بھی صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔

بایزید نے فلاحی اور دینی کاموں کی طرف خصوصی توجہ مرکوز کی۔ پبلک عمارات بنائیں۔ خیراتی کام کئے۔ مسجدیں، مدارس بلڈنگز، مہمان خانے، تکیے، زاویے، مریضوں کے لئے ہسپتالوں، حمام اور پل تعمیر کروائے۔ مفتی اور اس مرتبہ کے علماء کے لئے تنخواہیں مقرر کیں۔ ہر عالم کو دس ہزار عثمانی سکے سالانہ دیے جاتے تھے۔ اسی طرح صوفیہ سلاسل کے مشائخ اور ان کے

1۔ علاقات بین المشرق والمغرب، عبدالقادر احمد: ص256
2۔ خلاصۃ تاریخ الاندلس: شکیب ارسلان: ص213
3۔ فی اصول التاریخ العثمانیہ: ص74
4۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص52
5۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص52

درویشوں کے لئے وظائف مقرر کیے۔ ہر اسلامی مدرسہ کو تقریبا سات ہزار عثمانی سکے الگ ملتے تھے۔ اہل زاویہ (صوفیا، خانقاہوں) کو حسب مرتبہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ یہ ایک دائمی خیراتی سلسلہ تھا۔ سلطان حرمین شریفین یعنی مکہ شریف اور مدینہ شریف سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔(1)

ان کے عہد حکومت میں ایک بہت بڑا زلزلہ آیا جس نے قسطنطنیہ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ایک ہزار ستر گھر، ایک سونو جامع مسجدیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں ان کے علاوہ شاہی محلات اور شہر کے بازاروں کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ آب رسانی کا انتظام معطل ہو گیا۔ سمندری طوفان کی وجہ سے پانی خشکی کے کئی علاقوں تک آ پہنچا۔ سمندر کی لہریں فصیل شہر سے سر ٹکرانے لگیں۔ زلزلے کے جھٹکے روزانہ محسوس کیے جاتے رہے حتیٰ کہ 45 روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جونہی زلزلہ کے جھٹکے ختم ہوئے سلطان بایزید نے 15 ہزار مزدور لگا کر گری ہوئی تمام عمارتوں کو نئے سرے سے تعمیر کروا دیا۔(2)

سلطان بایزید ثانی نے 67 سال کی عمر پائی وہ بہت مضبوط جسم کا مالک تھا۔ ناک قدرے ٹیڑھی تھی بال کالے تھے۔ طبعاً نرم مزاج، علوم کا دلدادہ، درس پر ہمیشگی اختیار کرنے والا۔ شاعر، ادیب، متقی پرہیز، رمضان کا آخری عشرہ عبادت، ذکر، اطاعت میں گزارتا تھا۔ تیراندازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا جنگ میں ایک عام سپاہی کی مانند خود شرکت کرتا(3)۔ سفر جنگ کے دوران، جہاں پڑاؤ کرتا تھا وہاں کپڑے جھاڑ کر گرد و غبار جو اس کے کپڑوں پر لگا ہوتا تھا محفوظ کر لیتا تھا جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو حکم دیا کہ اس غبار کو قبر میں میرے ساتھ رکھ دینا۔ حسب وصیت اس غبار کی اینٹ بنا کر ان کے دائیں رخسار کے نیچے رکھ دی گئی۔ گویا وہ اس حدیث کی رو سے آگ سے بچنے کا اہتمام کر رہے تھے۔

من اغبرت قدماه فی سبیل الله حرم الله علیه النار

''کہ جس کے قدم راہ خدا میں غبار آلود ہوئے اللہ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا''۔

سلطان بایزید کی مدت حکومت 31 سال سے کچھ دن کم ہے۔(4)

سلطان بایزید ثانی عربی اور اسلامی علوم کے ماہر تھے۔ اسی طرح فلکیات کے علوم میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ ادب سے خصوصی لگاؤ تھا۔ شعراء اور علماء کے قدر دان تھے۔ تیس سے زیادہ شعراء اور علماء کے لئے خصوصی وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ وہ خود بھی بہت اچھے شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں عظمت خداوندی اور قدرت الٰہی کے بڑے عمیق احساسات پائے جاتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار حکمت و دانائی پر مبنی ہیں۔ جن میں وہ غفلت کی نیند ترک کرنے اور فطرت کے حسن و جمال کو بہ نظر موعظت دیکھنے کی نصیحت کرتا ہے۔

''غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور درختوں کا حسن و جمال دیکھ۔ اللہ سچے کی قدرت کو دیکھ۔ کلیوں کے بانکپن پر نظر کر۔ اپنی دونوں آنکھوں کو کھول تا کہ مرنے کے بعد تو زمین کی زندگی کا مشاہدہ کر سکے۔''(5)

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص 53
2۔ تاریخ سلاطین آل عثمان، یوسف آصاف: ص 66
3۔ ایضاً
4۔ تاریخ سلاطین آل عثمان۔ قرمانی: ص 36
5۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 249

18 صفر 918ھ بمطابق 25 اپریل 1512ء کو سلطان اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت و تاج سے دستبردار ہو گیا۔ سلطان سلیم جن کا عرصہ حکومت (918ھ، 926ھ بمطابق 1519ء) ہے کو لشکر کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ کیونکہ لشکر کی نظریں سلیم پر لگی ہوئی تھیں اور فوج ان سے امید رکھتی تھی کہ وہ دولت عثمانی کی جنگی سرگرمیوں میں کافی حد تک اضافہ کرے گا اور فتوحات کی تحریک آگے کی طرف بڑھائے گا۔ اسی لئے لشکر نے بایزید کی مخالفت کرتے ہوئے فوراً سلیم کو ان کی جگہ دولت عثمانیہ کا تاجور نامزد کر دیا۔(1)

سلطان تاج و تخت اپنے بیٹے سلیم کے حوالے کر کے دیموتیقا جاتے ہوئے فوت ہوا جہاں سے ان کی نعش کو استنبول لا کر جامع بایزید کے جوار میں دفن کیا گیا۔(2)

دوسری بحث

سلطان سلیم اول

918ھ تا 926ھ بمطابق 1512ء تا 1520ء

سلطان سلیم اول 918ھ میں تخت نشین ہوا۔ شروع ہی سے اپنے مخالفین سے صلح و آشتی کی طرف میلان کا اظہار کیا۔ خواہ یہ اس کے بھائی تھے یا اس کے بھتیجے۔ سلطان سلیم ادب، فارسی شاعری اور تاریخ کا دلدادہ تھا۔ سخت مزاج ہونے کے باوجود اہل علم کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اور مورخین اور شعراء کو میدان قتال میں بھی اپنے ساتھ رکھتا تا کہ وہ جنگی حالات کو قلم بند کریں اور ایسے اشعار سے فوج کا ولولہ تازہ کریں جن میں ماضی کی عظمتیں بیان ہوں۔(3)

جب سلطان سلیم سریر آرائے سلطنت ہوا تو دولت عثمانیہ دوراہے پر کھڑی تھی۔ کیا وہ اسی وضع پر قائم رہے اور بلقائی اناضولی مملکت تک اپنی سرحدوں کی وسعت کو کافی سمجھے؟ یا یورپ میں پیش قدمی جاری رکھے؟ یا پھر مشرق کے اسلامی ملکوں کو اپنی مملکت کا حصہ بنائے؟

اصل صورتحال یہ تھی کہ سلطان سلیم اول نے دولت عثمانیہ کی جہادی پالیسی میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کیں تھیں ان کے دور میں یورپی مغرب میں پیش قدمی رک گئی یا اور دولت عثمانیہ اسلامی مشرق کی طرف متوجہ ہو گئی بعض مورخین نے عثمانی پالیسی میں اس تبدیلی کے کئی اسباب بیان کیئے ہیں جن سے چند درج ذیل ہیں۔

❶ عثمانی عسکریت پسندی کا یورپ سے سیر ہو جانا۔ اس نظریہ کے حامل مورخین کہتے ہیں کہ پندرھویں صدی کے اواخر میں دولت عثمانیہ مغربی فتوحات سے سیر ہونے کے مرحلہ میں پہنچ چکی تھی۔ اب اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ سولہویں صدی کے ابتداء میں وہ اپنی سرگرمی اور وسعت پذیری کے لئے کوئی نیا محاذ تلاش کرے یہ رائے قرین صواب نہیں ہے۔ کیونکہ عثمانی فتوحات کا سلسلہ کلیتاً مغربی محاذ سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ عثمانی توسیع پسندی کا پلڑا آخر کار مغرب سے

1۔ قیام الدولۃ العثمانیہ: ص 58　2۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: یوسف آصاف: ص 66　3۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 76

مشرق کی طرف جھک گیا تھا(1)۔ جس کا سبب سیر ہونا نہیں تھا جیسا کہ ان مصادر میں مذکور ہے جو حقیقی صورت حال کا ادراک نہیں رکھتے۔

❷ دولت عثمانیہ کا مشرق کی طرف رخ پھیر لینا عالم اسلام کو بالعموم اور اسلامی مقدس مقامات کو بالخصوص جدید صلیبی حملوں سے بچانا تھا جو ہسپانیہ کی جانب سے بحر متوسط میں اور پرتگالیوں کی جانب سے بحر ہند، بحر عرب اور بحر احمر کے راستے سے عالم اسلامی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور ان کا اقتصادی گھیرا تنگ کر رہے تھے تاکہ وہ انہیں آسانی سے اپنا لقمہ تر بنا سکیں۔(2)

❸ ایران اور بعض دوسرے علاقوں میں دولت صفویہ کی پالیسی جو عراق اور ایشیائے کوچک میں شیعہ مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہی تھی یہی وہ چیز ہے جس نے دولت عثمانیہ کو عربی مشرق کی طرف پیش قدمی پر مجبور کیا تاکہ ایشیائے کوچک کو بالخصوص اور سنی دنیا کو بالعموم اس نئے حملہ آور کے مقابلے میں طاقت ور بنایا جائے۔(3)

سلطان سلیم اول کے زمانہ حکومت میں دولت عثمانیہ کی پالیسی انہیں بنیادوں پر قائم تھی یعنی شیعی صفوی حکومت کا خاتمہ، مملوکی دولت کو عثمانی دولت میں ضم کرنا۔ ارض مقدس (مکہ شریف و مدینہ منورہ) کی حفاظت کیلئے پرتگالی بحریہ کا مقابلہ، ہسپانوی توسیع پسندی کے خاتمہ کے لئے شمالی افریقہ میں بحری جنگ کی تحریک کو تقویت باہم پہنچانا اور مشرقی یورپ میں جہادی سرگرمیوں کو جاری رکھنا۔

ایران کی شیعی صفوی سلطنت سے جنگ

صفویوں کا نسب شیخ صفی الدین اردبیلی 650ھ، 735ھ بمطابق 1252ء تا 1334ء سے جوڑا جاتا ہے جو شاہ اسماعیل صفوی کا جد اکبر تھا۔ شاہ اسماعیل ہی دولت صفویہ کا بانی شمار ہوتا ہے۔

شیخ صفی الدین اردبیلی کے مریدوں اور ماننے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ یہ ان کی طاقتور دعوت یا اس موثر پروپیگنڈا کا نتیجہ تھا جو ان کے صوفی پیروکاروں اور درویشوں نے کیا۔ یہ لوگ اپنی دعوت کو دور دراز علاقوں تک پھیلانے میں کامیاب ہو گئے۔ نہ صرف ایران کے علاقوں تک بلکہ دولت عثمانیہ کے زیر نگیں بعض علاقوں جیسے عراق اور شام تک ان کی دعوت کا چرچا ہونے لگا۔(4)

شیخ صفی الدین نے ایک فرقہ کی وساطت سے ایرانی معاشرہ میں نفوذ کی راہ پالی جو آپ کو اپنا پیشوا یقین کرتا تھا۔ بہت سے ایرانی اس کی تائید اور مدد پر آمادہ ہو گئے اور یہی چیز اس چھوٹے سے فرقہ کی ایک دعوتی جماعت میں تبدیلی کا سبب بنی۔ یہ دعوتی جماعت لوگوں کو شیعہ مذہب کی طرف مائل کرتی تھی۔ یہ لوگ اس بات کو اچھالتے تھے کہ شیخ صفی الدین اور اس کے بیٹے حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے خلافت اسلامی کے زیادہ مستحق ہیں۔

1۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 26
2۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 26
3۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی، ڈاکٹر محمد نصر: ص 240
4۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی: ص 240

صفی الدین نے تقیہ کا سہارا لیا کیونکہ بظاہر وہ سنی نظریہ کا حامل لگتا تھا۔ بلکہ شافعی المذہب تھا۔ لیکن جب اس شیعی دعوت کے سامنے تمام راستے ہموار ہو گئے تو اس کے ایک پوتے شاہ اسماعیل نے شیعی دعوت کا اعلان کر دیا۔ بلکہ سلطان حیدر نے اپنا نسب حضرت موسیٰ کاظم علیہ الرحمۃ کے سلسلہ نسب سے ملایا اور لوگوں کو اس بات کی یقین دہانی کرا دی کہ دولت صفویہ آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہے۔(1)

اسماعیل صفوی نے اپنے پیروکاروں پر شیعہ مذہب کا اختیار کرنا لازم کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ایران کا سرکاری مذہب شیعہ ہوگا۔ جتنے لوگوں نے مخالفت کی ان کو قتل کر کے موت کی نیند سلا دیا۔ صفویوں نے اپنے پیروکاروں اور مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے اردگرد جمع کر لی۔ جنہوں نے کندھے سے کندھا ملا کر شیعہ مذہب کا خوب چرچا کیا اور نصر کے فاطمی یا اسماعیلی اور ایران میں خود صفی خاندان کے افراد نے مذہب شیعہ کا اعلان کر دیا تا کہ تمام لوگ جو ابھی تک سنی مذہب پر کاربند ہیں اس جدید سلطنت کے مذہب یعنی شیعہ مذہب کا اعلان کر دیں۔

لوگوں نے اس اعلان پر اپنے سخت ردعمل کا اظہار کیا کیونکہ ایران کے شہروں میں بسنے والے لوگوں کی اکثریت کا تعلق سنی مذہب سے تھا۔ بلکہ خود شیعہ علماء حاکم صفوی کے شیعہ مذہب کی مخالفت اور اس کے طریقہ کا انکار کرنے سے ڈرتے تھے۔

شاہ اسماعیل صفوی نے ایران میں مذہب شیعہ کی ترویج کے لئے بے پناہ کوششیں کیں۔ ایران کے باسی جن کی اکثریت سنی تھی کو ذہنی طور پر شیعہ مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی بجائے شاہ اسماعیل نے سختی برتی اور اس مقصد کے لئے شیعہ عناصر پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس لشکر کا کام یہ تھا کہ ہر وہ شخص جو شیعہ عقائد و نظریات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کے مریدوں نے اس کی تائید اور حمایت کی اور اس نے ان کی حمیت و غیرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران میں اپنے مذہب کو خوب مستحکم کیا۔

شاہ اسماعیل صفوی نے اپنی سیاسی اور مذہبی دعوت کو مستحکم کرنے کے لئے ماہرانہ پالیسی اختیار کی۔ اس نے قزلباش قبائل پر اعتماد کیا جو ترکی الاصل تھے تا کہ وہ اس کی عسکری قوت کی بنیاد بنیں۔ وجہ یہ تھی کہ ایرانی معاشرہ اس دور میں مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ کیونکہ اس پر مختلف اطراف سے کئی یورشیں ہوئی تھیں نتیجہ ان تمام عناصر کو ایک ہی کٹھالی میں پگھلا کر ایک قوم بنانا اور ایک نظریہ کا پابند کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔(2)

اسماعیل صفوی اپنی لڑائیوں میں درندگی کا مظاہرہ کرتا تھا اور اپنے مخالفین بالخصوص سنیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتا تھا۔ اس نے عجم کے تمام ممالک کو فتح کر لیا تھا جو اس کے ہاتھ چڑھتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا۔ جو مال ہاتھ لگتا تھا اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور ان سے کچھ واپس نہ لیتا تھا جو علاقے اس کے زیرنگیں ہوئے یہ ہیں۔ تبریز، آذربائی جان، بغداد، عراق عجم، عراق عرب خراسان، قریب تھا کہ وہ رب ہونے کا دعویٰ کرتا۔ اس کا لشکر اس کو سجدہ کرتا تھا اور اس کا ہر حکم مانتا تھا۔

قطب الدین حنفی الاعلام میں کہتے ہیں۔ اسماعیل صفوی نے دس لاکھ سے زیادہ افراد کو قتل کیا۔ اس قتل عام کی مثال نہ

1۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی۔ ڈاکٹر محمد نصر: ص 240

2۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی۔ ڈاکٹر محمد نصر: ص 243.242

زمانہ جاہلیت میں ملتی ہے اور نہ اسلام کے کسی عہد میں اور نہ ہی اتنے قتل سابقہ امتوں میں ہونگے جتنے شاہ اسماعیل نے قتل کیے۔اس کے ہاتھوں علماء اسلام کی ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی جو اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے حتیٰ کہ بلاد عجم میں ایک بھی عالم نہ بچ پایا۔اس نے ان کی تمام کتب جلا ڈالیں حتیٰ کہ قرآن کریم کے نسخوں کو جلانے سے بھی احتراز نہ کیا وہ اپنے بزرگوں کے برعکس سخت رافضی تھا۔اس کے مرید اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔اس بارے عجیب وغریب واقعات مشہور ہیں۔ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ اسماعیل ایک پہاڑی پر کھڑا دریا کا نظارہ کررہا تھا کہ اس کا رومال اس کے ہاتھ سے نیچے دریا میں گر پڑا۔اس مقدس رومال کے پیچھے ایک ہزار مریدوں نے پہاڑ سے نیچے دریا میں چھلانگ لگادی۔کئی غرق آب ہوئے کئی موجوں کی نذر ہوئے اور کئی شدید زخمی ہوئے اس کے مرید شاہ اسماعیل کو الوھیت سے معمور سمجھتے تھے۔قطب الدین حنفی کے بقول شاہ اسماعیل کو کوئی شخص شکست نہ دے سکا حتیٰ کہ سلطان سلیم کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی اور پہلی بار اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔(1)

شاہ اسماعیل شیعہ مذہب کا مدعی تھا اس نے اس مذہب کی ترویج واشاعت کے لئے ہر ممکن کوشش کی حتیٰ کہ اس کی دعوت کا سلسلہ دولت عثمانیہ کے زیرنگیں بعض علاقوں تک دراز ہوا۔ان علاقوں میں جن عقائد اور نظریات کی تبلیغ ہورہی تھی سنی عثمانی معاشرہ اس کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔کیونکہ یہ عقائد قرآن وسنت سے متصادم تھے۔یہ لوگ صحابہ کرام کی تکفیر کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور پر لعن طعن کرتے تھے۔قرآن کریم کی تحریف کا عقیدہ رکھتے تھے۔ان کے علاوہ کئی اور بھی عجیب وغریب نظریات ان کے مذہب میں شامل تھے۔ظاہر ہے اس دعوت کی بازگشت سنی سلطنت کے فرمانروا سلطان سلیم کے کانوں تک پہنچی اس نے فوراً سلطنت کی اہم شخصیات، قاضیوں، سیاسی زعماء اور علماء کی جماعت کو بلایا۔یہ واقعہ 920ھ بمطابق 1514ء کا ہے اور اعلان کیا کہ ایران کی شیعہ حکومت سے نہ صرف دولت عثمانیہ کو خطرہ لاحق ہے بلکہ پورا عالم اسلام اس خطرے کی زد میں ہے۔اس لئے دولت صفویہ (ایران) کے خلاف جنگ ناگزیر ہے۔علماء کرام نے بھی سلطان کی رائے سے اتفاق کیا۔شاہ اسماعیل جب عراق میں داخل ہوا تھا تو اس نے وسیع پیمانے پر سنی علماء کا قتل عام کیا تھا اور ان کی مساجد ومقابر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔سلطان بایزید کے آخری سالوں میں تو شیعی خطرہ بہت بڑھ گیا تھا۔جب سلطان سلیم نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو دولت عثمانیہ کے ارباب حکومت نے شاہ اسماعیل کے شیعہ مریدوں کا گھیرا تنگ کرنے اور دولت عثمانیہ کے مخالفین کے صفایا کا پروگرام بنایا۔اناضول میں شاہ اسماعیل کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کیا گیا اور بہت سوں کو قید کردیا گیا۔اس کے بعد خود اسماعیل سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھانی۔دونوں کے درمیان سخت خطوط کا تبادلہ ہوا۔

سلطان سلیم نے شاہ اسماعیل کے نام خط بھیجا اور اس میں اسے لکھا'' ...... بیشک ہمارے علماء اور فقہاء نے تیرے خلاف قصاص کا فیصلہ صادر کیا ہے۔اس لئے کہ تو مرتد ہے ہر سچے مسلمان پر لازم ہے کہ تیرے مذہب کے خلاف جنگ آزما ہو اور تجھ میں اور تیرے بیوقوف پیروکاروں میں جو بدمذہبی ہے اس کو ختم کردے۔لیکن اس سے پہلے کہ ہم تجھ سے جنگ کریں اور

1۔البدر الطالع: 271/1

ہماری تلواریں بے نیام ہوں ہم تمہیں صحیح دین کے دائرہ میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تجھ پر لازم ہے کہ ان اقالیم کو خالی کر دے جو تو نے ہم سے غصب کر کے اپنے قبضے میں کر لی ہیں۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ہم تیری جان بخشی کی ضمانت دینے کو تیار ہیں۔(1)

اسماعیل صفوی نے اس خط کے جواب میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان کو افیون کا تحفہ بھیجا اور کہا "مجھے یقین ہے کہ یہ خط نشے کی حالت میں لکھا گیا ہے۔"(4)

سلطان سلیم نے اسماعیل کے نام اسی طرح کا ایک اور خط لکھا "......میں آل عثمان کا سردار اور سلطان ہوں۔ میں اس دور کے بہادروں کا سردار ہوں۔ مجھ میں فریدوں کی سی شجاعت اور رعب و دبدبہ ہے میں سکندر جیسی قوت رکھتا ہوں میں کسریٰ (نوشیروان) کا عدل رکھتا ہوں میں بت شکن، اعداء اسلام کو نیست و نابود کرنے والا ہوں۔ میں ظالموں کے لئے خوف اور متکبر جابروں کے لئے سراپا ڈر ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے بڑے بڑے بادشاہوں کے سر جھک جاتے ہیں میری طاقت کے سامنے عزت و عظمت کے بڑے بڑے عصائے سلطانی جھک جاتے ہیں۔ میں عظیم بادشاہ سلطان سلیم خان بن سلطان اعظم مراد خان ہوں۔ اے امیر اسماعیل، اے فارسی سپاہ کے سپہ سالار تیرا کیا خیال ہے میں تیری طرف بڑھنے کے خیال کو ذہن سے نکال دوں گا۔ جبکہ میں سچا مسلمان ہوں مخلص توحید پرست مسلمانوں کی جماعت کا سلطان ہوں......اب جبکہ علماء اور فقہاء نے جو ہمارے پاس ہیں تیرے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے اور تیری قوم سے لڑنے کا فیصلہ سنا دیا ہے تو ہم پر فرض ہے کہ تیرے خلاف جنگ آزما ہوں اور لوگوں کو تیرے شر سے نجات دیں"۔(3)

سلطان سلیم اول نے دولت صفویہ سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جونہی وہ اناصنول سے استنبول پہنچا تو استنبول سے ایرانی علاقوں کی طرف نقل و حرکت شروع کر دی۔ جب اسکوڑای پہنچا تو شاہ اسماعیل کے نام ایک تہدید آمیز خط تحریر کیا۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران:19)

"بیشک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔"

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿﴾ (آل عمران)

"اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا"۔

فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ

1۔ جھود المسلمین لانقاذ الاندلس: ص435
2۔ جھود العثمانیین لانقاذ الاندلس: ص435
3۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی۔ ص246

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ (البقرہ)

''پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ رک گیا تو جائز ہے اس کے لئے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص دوبارہ وہی حرکت کرے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھانے والا بنا گمراہ کرنے والا نہ بنا۔ اور نہ ہی گمراہوں میں سے کر۔ اور درود ہو سید عالمین محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کے تمام صحابہ کرام پر''۔(1)

اسی دوران سلطان نے سلیمان اول کو آق قویونلو قبیلہ کے محمد بن فرح شاہ بیگ کی طرف بھیجا تا کہ وہ اپنے قبیلہ سمیت اسماعیل صفوی کے ساتھ جنگ میں عثمانی فوجوں کا ساتھ دے۔ دونوں متحارب فوجوں کے درمیان اطلاعاتی جنگ ہونے لگی مگر سلیم اول نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے ہر حال میں جنگ کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آگے بڑھتے ہوئے لشکر صحرائے ''یاس چمن'' تک پہنچ گیا جو آذربائی جان کے قریب ہے۔ یاس چمن کے جاسوسوں کے ذریعے یہ اطلاع پہنچی کہ شاہ اسماعیل صفوی جنگ نہیں کرنا چاہتا وہ موسم سرما تک جنگ ٹالنا چاہتا ہے تا کہ سردیوں میں عثمانی لشکر سردی اور بھوک سے ہلاک ہو جائے۔(2)

سلیم کی پوری کوشش تھی کہ شاہ اسماعیل اور اس کی فوجوں کے درمیان فوراً جنگ ہو۔ اس لئے اس نے دوبارہ قاصد روانہ کیا اور قاصد کے ہاتھ خط کے علاوہ ایک خرقہ، تسبیح اور کشکول بھی روانہ کیا تا کہ وہ شاہ اسماعیل کو بتا سکے کہ تم درویش خاندان سے تعلق رکھتے ہو میدان جنگ میں ہمارے سامنے کھڑا ہونا تمہارے بس کا روگ نہیں لیکن اس کے باوجود شاہ اسماعیل طیش میں نہ آیا بلکہ واپسی پر صلح کا طالب ہوا اور دونوں سلطنتوں کے درمیان امن و سلامتی کے معاہدے کی بات کی۔ لیکن سلیم نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے قاصد کی اہانت کی اور اسے قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ درحقیقت سلیم کسی صورت اس سے صلح کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ صلح کی پیشکش ایک حربہ ہے اور شاہ اسماعیل صرف مہلت لینا چاہتا ہے تا کہ سردی شروع ہو اور عثمانی لشکر مشکلات میں پھنس جائے۔ سلطان سلیم نے پیش قدمی جاری رکھی۔ جاسوس لمحے لمحے کی خبر دے رہے تھے۔ یہ اطلاع بھی تھی کہ شاہ اسماعیل نے جنگ و جدل کی تیاری شروع کر دی ہے۔ بلکہ وہ جالدیران صحراء کے قریب پہنچنے والا ہے۔ سلیم نے بھی اس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اگست 1514ء کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ سلیم نے بہترین مقام کا انتخاب کر لیا جو جنگ کے لئے نہایت موزوں تھا۔ سلیم نے میدان جنگ کے لئے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہ قدرے اونچی جگہ تھی جس نے اسماعیل صفوی کی ہزیمت کو یقینی بنا دیا بالآخر دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور تھوڑی دیر میں صفوی لشکر کو شکست فاش ہوئی۔(3)

عین اس وقت جب سلیم صفویوں کے دارالحکومت تبریز میں داخلے کی تیاری کر رہا تھا اسماعیل صفوی بھاگ کھڑا ہوا۔ سلیم تبریز میں داخل ہوا۔ شاہ صفوی اور قزلباش خاندان کی دولت پر قبضہ کر لیا اور تبریز کو اپنی جنگی کارروائیوں کا مرکز بنایا۔(4)

1۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی، ص 246
2۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی، ص 246
3۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی، ص 248,247
4۔ الاسلام فی آسیا منذ الغزو المغولی، ص 247

جالدیران کے معرکہ کے خاتمے کے باوجود ایرانی شیعوں اور دولت عثمانیہ کے سنیوں کے مابین چپقلش ختم نہ ہوئی بلکہ اس عداوت میں تیزی آ گئی اور فریقین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔

سلطان سلیم اول اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے صحیح عقیدے، صافی منہج ترقی یافتہ اسلحے اور بہادر اور تجربہ کار سپاہ کی بدولت کامیاب ہوا اور کردستان دیار بکر، مرعش، ابلیسن اور دلفاود کی باقی املاک کو فتح کرنے کے بعد واپس وطن لوٹ گیا۔ اس کی وجہ سے اناضول مشرق کی طرف سے ہر طرح کے حملوں سے محفوظ ہو گیا اور عثمانیوں کے لئے آذربائی جان اور کوہ قاف کے علاقوں تک پہنچنے کے راستے کھل گئے۔(1)

جب جالدیران کے مقام پر فارسیوں کو سلطان سلیم کے مقابلے میں شکست ہوئی تو ان کی پرتگالیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی سوچ اور تیاری پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔ جب بوکرک نے ھرمز پر قبضہ کیا تو اس کے بعد پرتگال کے ساتھ رابطے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس دوران شاہ اسماعیل کا سفیر پہنچا اور صفویوں اور پرتگالیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ جس کی رو سے پرتگال کے بحری بیڑے نے بحرین اور قطیف کی جنگ میں فارسیوں کو مدد فراہم کرنا تھی۔ اسی طرح پرتگالیوں نے مکران اور بلوچستان کی بغاوت کو کچلنے کے لئے بھی شاہ اسماعیل کو امداد فراہم کرنا تھی۔ اور اس معاہدہ کی رو سے پرتگالیوں اور فارسیوں نے عثمانیوں کے خلاف مل کر جنگ آزما ہونا تھا۔ لیکن اس معاہدہ پر عمل نہ ہو سکا کیونکہ بوکرک کی موت نے اس معاہدے کو کالعدم کر دیا۔(2)

پرتگالیوں نے جالدیران کے معرکہ سے پہلے ہی شاہ اسماعیل کے ساتھ خیر سگالی کا اظہار کر دیا تھا۔ صفویوں سے دوستی کا مقصد عربی خلیج میں کسی مناسب مرکز کی تلاش کے ہدف کو حاصل کرنا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ صفویوں کی دوستی حاصل نہ کر سکے تو خلیج میں مقامی فوجوں کے تعاون سے اپنے اہداف کو پورا کرنے میں پرتگالیوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بالخصوص بحر احمر میں نفوذ کرنے کے مراکز کے حصول کی ان کی سکیم کافی حد تک ناکام ہو جائے گی۔(3)

فارسیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی پرتگالی پالیسی ایک خط کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ یہ خط بوکرک نے شاہ اسماعیل صفوی کے نام تحریر کیا تھا۔ اس خط میں یہ بات مذکور ہے کہ۔

''میں آپ کی اس لئے قدر کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے ملک کے اندر بسنے والے مسیحیوں کے ساتھ احترام کا سلوک کیا ہے۔ میں اپنا بحری بیڑا، سپاہی اور اسلحہ آپ کو پیش کرتا ہوں تاکہ آپ ہندوستان میں ترکوں کے قلعوں کے خلاف انہیں اپنے کام میں لائیں۔ آپ جب عرب کے علاقوں پر حملہ کریں گے یا مکہ پر ہلہ بولیں گے تو بحر احمر میں جدہ کے سامنے یا عدن میں یا بحرین میں قطیف یا بصرہ میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ فارسی ساحل کے ساتھ ساتھ شاہ مجھے اپنے قریب پائیں گے اور جو وہ چاہیں گے میں ان کے لئے کروں گا۔''(4)

1۔ جهود العثمانيين لانقاذ الاندلس: ص436
2۔ جهود المسلمين لانقاذ الاندلس: ص436
3۔ قرأت جديدة فی تاريخ العثمانيين: ص63
4۔ قرأة جديدة في تاريخ العثمانيين: ص63

اب جبکہ شاہ اسماعیل کو عثمانیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو اس نے نصرانیوں اور عثمانی دشمنوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔

اس لئے اس نے پرتگالیوں سے معاہدہ کر لیا اور ھرمز پر ان کے قبضے کو اس شرط پر تسلیم کر لیا کہ بحرین اور قطیف پر حملے کی صورت میں پرتگالی اس کو امداد فراہم کریں گے اور عثمانی فوجوں کے مقابلے میں فارسیوں کی مدد کو یقینی بنائیں گے۔ پرتگالی اور صفوی معاہدہ کی سکیم کے مطابق مشرقی عرب دونوں کے درمیان تقسیم ہو گیا کہ اگر ان علاقوں پر کامیابی ہوتی ہے تو صفوی مصر پر قبضہ کریں گے اور پرتگالی فلسطین پر۔(1)

ڈاکٹر عبدالعزیز سلیمان نواز لکھتے ہیں "...... اسماعیل شاہ نے دولت عثمانیہ جو ایک بہت بڑی طاقت بن چکی تھی اور بحر متوسط اور صفوی کے درمیان حائل ہو گئی تھی کے خلاف حلیفوں کی تلاش سے کوئی گریز نہ کیا۔ وہ کسی بھی شخص سے معاہدہ کرنے کے لئے تیار تھا حتیٰ کہ پرتگالی جو اسلامی پانیوں میں اپنے خلاف ایک بہت بڑی اسلامی فوج کی مزاحمت سے خائف تھے چاہتے تھے کہ کوئی ایسا ہو جو اس علاقے میں ان کی مدد کرے۔

باوجود اس کے کہ ہرمز کا ملک جو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے پرتگالیوں کے آنے سے بہت بری طرح متاثر ہوا اور اس کی تجارت اور اقتصادیات کو کافی نقصان پہنچا مگر پھر بھی شاہ اسماعیل اپنی ذاتی مصلحتوں اور عثمانیوں کے ساتھ کینہ کی وجہ سے پرتگالیوں کے ساتھ ہر قیمت پر صلح کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بہت ہی معمولی فائدے کے بدلے ھرمز پر پرتگالی قبضے کو تسلیم کر لیا۔ لیکن پرتگالیوں نے اپنے حلیف شاہ اسماعیل کو یہ فرصت ہی کب دی تھی کہ وہ فائدہ اٹھاتا لیکن شاہ اسماعیل کی یہ پالیسی پرتگالیوں کے خلیج پر تسلط میں معاون ثابت ہوئی۔" (2)

سلطان نے جالدیران کی فتح پر اکتفا کیا اور شاہ اسماعیل کا تعاقب ترک کر کے بامر مجبوری اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ جس کے کئی اسباب تھے۔

- عثمانی لشکر کے افسروں میں ایک طرح کی بغاوت، یہ افسر فارس میں جنگ جاری رکھنے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ بقول ان کے سلطان نے اپنا ہدف حاصل کر لیا تھا اور شاہ اسماعیل صفوی کی شوکت کا خاتمہ کر دیا تھا۔
- سلطان کا یہ اندیشہ کہ اگر عثمانی لشکر فارسی علاقوں میں دور تک جائے گا تو صفوی کمین گاہوں سے حملہ آور ہونگے جس سے فوج کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔
- ممالیک کی حکومت کو ختم کرنے کی سوچ۔ کیونکہ دولت عثمانیہ کے خفیہ اداروں نے کچھ خطوط پکڑے جو صفویوں اور ممالیک کے درمیان عثمانی سلطنت کے خلاف ان کے باہمی تعاون کا پتہ دیتے تھے۔(3)

عثمانیوں اور صفویوں کی اس چپقلش کے نتائج

- شمالی عراق اور دیار بکر کا دولت عثمانیہ میں ضم ہونا۔

1۔قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: 64 2۔الشعوب الاسلامیہ: ص226 3۔الشعوب الاسلامیہ ص225

2 دولت عثمانیہ کی مشرق سرحدوں کا محفوظ ہونا۔

3 اسماعیل صفوی کے پیروں اور مددگاروں کے خاتمے کے بعد ایشیائے کوچک میں سنی مذہب کی ترویج و ترقی۔ پھر جالدیران میں شیعوں کی شکست۔ یہ عالم اسلام کی طرف سے دولت عثمانیہ کی بہت بڑی ذمہ داری تھی خاص کر اس کے بعد کہ وہ اپنے بارے یہ اعلان کر چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کی محافظ ہے۔(1)

4 دولت عثمانیہ کا دوسری طاقت کے خاتمے کی ضرورت کو محسوس کرنا اور یہ دوسری طاقت تھی مملوکی سلطنت۔(2)

5 دولت عثمانیہ اور دولت صفویہ کے تصادم کا اثر اناضول کے قدیمی راستوں پر اور دولت عثمانیہ کی کسٹم سے حاصل ہونے والی برآمدات پر۔918ھ،1516ء کے بعد ان دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کی وجہ سے آمدنی میں کافی حد تک کمی ہوگئی کیونکہ زیادہ تر قدیم راستے بند کر دیے گئے پھر یہ راستے تھے بھی پرخطر جس کی وجہ سے ایرانی اور عثمانی اقالیم کے مابین تجارت کی پہلے جیسی گہما گہمی باقی نہ رہی تھی۔ فارسی ریشم سے دولت عثمانیہ کو جو آمدنی ہوتی تھی وہ کافی حد تک کم ہوگئی تھی۔(3)

6 دولت عثمانیہ اور دولت صفویہ کی چپقلش سے پرتگالیوں کا فائدہ اٹھانا۔ انہوں نے کوشش کی کہ وہ مشرقی سمندروں پر مسلط ہو کر مشرق و مغرب کے قدیم راستوں کو ہر طرف سے گھیر لیں۔(4)

7 عثمانیوں اور صفویوں کے درمیان جنگوں کی وجہ سے یورپیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یورپیوں نے دولت عثمانیہ کے خلاف شیعہ صفوی ملک کی مدد کی ٹھان لی تاکہ عثمانی یورپ پر آئندہ کبھی بھی حملہ نہ کر سکیں اور صفویوں سے الجھتے رہیں۔(5)

مملوکی سلطنت کا عثمانی سلطنت میں ضم ہونا

شمال مغربی ایران میں صفویوں کو شکست فاش دینے کے بعد عثمانی سلطنت کے فرمانروا سلیم اول نے مملوکی سلطنت کے خاتمے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ مصر و شام کو عثمانی سلطنت میں ملانے کی عثمانی سوچ کے کئی اسباب تھے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

1 دولت عثمانیہ کے بارے ممالیک کا مخالفانہ موقف۔ کیونکہ مملوکی دولت کا فرمانروا قانصوغوری (907ھ،922ھ بمطابق 1501ء،1516ء) بعض عثمانی امراء کی طرفداری کرنے لگا جو سلطان سلیم سے بھاگ کر مصر آ گئے تھے۔ ان میں سرفہرست امیر احمد کا نام آتا ہے جو سلطان سلیم کے بھائی تھے۔ مملوکی ارکان دولت نے ان امراء کی موجودگی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے سلطان سلیم کی مشکلات میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے علاوہ شاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ ہمدردیاں بھی ایک منفی موقف تھا۔ مملوکی سلطنت نے عثمانیوں اور صفویوں کے درمیان مکمل غیر جانبداری کی پابندی نہ کی اور نہ ہی سلیم اول سے کھل کر مخالفانہ موقف اختیار کیا۔

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر علی حسون۔ ص 57,56

2۔ تاریخ العرب: مجموعۃ من العلماء: ص 3

3۔ جہود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 437

4۔ ایضاً ص 437

5۔ القوۃ العثمانیہ بین البر والبحر۔ ڈاکٹر نبیل رضوان ص 111

❷ ایشیائے کوچک کے جنوب مشرق اور شام کے شمال میں واقع طرسوس کے علاقے میں دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی تنازعات۔ اس علاقے میں کئی امارتیں بکھری ہوئی تھیں اور کئی قبائل تھے جو دولت عثمانیہ اور دولت مملوکیہ کے درمیان جھولے کی طرح جھولتے رہتے تھے۔ اور اس طرح ان کا جھولنا دونوں ملکوں کے درمیان بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔ دونوں ملک ان علاقوں کی وجہ سے ہمیشہ ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہتے تھے۔ سلطان سلیم نے ان روز روز کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے مناسب خیال کیا کہ ان پر مکمل قبضہ حاصل کر کے انہیں دولت عثمانیہ کا حصہ بنالیا جائے۔

❸ مملوکی دولت کا اپنے زیرنگیں ان علاقوں پر ظلم ستم اور اہل شام اور علمائے مصر کی مملوکی دولت سے نجات اور عثمانی دولت کے ساتھ الحاق کی خواہش۔ علماء، قضاۃ، اعیان قبائل، اشراف اور اہل رائے نے مل بیٹھ کر اپنے بارے گفت وشنید کی اور یہ قرارداد پاس کی کہ مذاہب اربعہ کے قاضی اور مختلف قبائل کے سردار یہاں کے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے سلطان سلیم کے نام خط لکھیں اور اس سے عرض کریں کہ شام کے لوگ مملوکیوں کے ظلم وستم سے تنگ آچکے ہیں۔ مملوکی حکام شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے جب سلطان سلیم مملوکی سلطنت پر حملہ آور ہوگا تو یہاں کا شامی معاشرہ اس کو خوش آمدید کہے گا اور اپنی خوشی کے اظہار کے لئے تمام گروہوں اور جماعتوں کو لیکر حلب سے دور عینتاب تک پیش قدمی کو آئے گا۔ یہ لوگ عثمانیوں کو اپنے علاقوں میں ہرگز خوش آمدید نہیں کہیں گے جب تک سلطان سلیم اپنا قاصد روانہ نہ کردے جو قابل اعتماد آدمی ہو اور ہمیں خفیہ طریقے سے آکر ملے اور امان کا وعدہ کرے۔ تاکہ لوگوں کے دل مطمئن ہو جائیں۔ (1)

ڈاکٹر محمد حرب نے ذکر کیا ہے کہ یہ خط استنبول میں طوب کابی میوزیم کے ریکارڈ میں موجود ہے اس کا نمبر ہے 11634(26) انہوں نے بیان کیا ہے اس دستاویز کا عثمانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ حسب ذیل ہے۔ (2)

" حلب کے تمام لوگ، علماء، سردار، معززین، شرفاء، سربرآوردہ شخصیات اور عوام وخواص بغیر کسی استثناء کے سلطان کی خدمت میں اپنی اطاعت اور دلی محبت پیش کرتے ہیں۔ اللہ سلطان کو کامیابیوں سے نوازے، ان تمام لوگوں کی اجازت کے ساتھ ہم آپ کو یہ لکھ رہے ہیں تاکہ سلطان کی خدمت عالیہ میں پیش کریں تمام اہل حلب جو آپ کے غلام ہیں سلطان کی جناب سے امان کا وعدہ طلب کرتے ہیں۔ جب آپ اس بات کی وضاحت فرمادیں گے تو ہم جرکسیوں کو گرفتار کرلیں گے اور انہیں یا تو آپ کے سپرد کردیں گے یا انہیں جلاوطن کردیں گے۔ حلب کی پوری آبادی آپ کی ملاقات اور آپ کے استقبال کے لئے تیار ہے۔ بس آپ عینتاب کی سرزمین پر قدم رنجا فرمائیں۔ اے سلطان ہمیں ان جرکسیوں سے نجات دیجئے۔ اور ترکمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہمیں کافروں کے ہاتھ سے بھی محفوظ رکھیے۔ ہمارے آقا سلطان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں شرعی قانون کو بالادستی حاصل نہیں یہ قانون معطل ہو چکا ہے۔ ممالیک کو جب کوئی چیز پسند آجاتی ہے خواہ وہ کوئی چیز ہو تو وہ ہر قیمت پر اس کو حاصل کرتے ہیں خواہ وہ مال ودولت ہو، عورتیں ہوں یا گھر کے دوسرے افراد۔ انہیں کسی پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ ان میں

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ۔ ڈاکٹر محمد حرب: ص 170

2۔ عربی ترجمہ کو نقل کرنا ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ (مترجم)

سے ہر شخص ظالم ہے۔ یہ لوگ ہر تین گھروں پر ہم سے ایک مرد کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (شاید بگار کے لئے یا زبردستی فوجی ملازمت کے لئے) اور جب ہم ان کا مطالبہ نہیں مانتے تو ہمارے خلاف ہو جاتے ہیں اور ہمارے بارے من مانی کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ترکمانوں کے جانے سے پہلے ہمارے پاس آپ کی طرف سے وزیر آجائے۔ ہم تمام کو، ہمارے اہل خانہ کو اور دوسرے تمام لوگوں کو امان دے دے۔ آپ ہماری طرف اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی بھیجیں۔ جو خفیہ طریقہ سے آئے۔ ہم سے ملاقات کرے اور ہمیں امان دے تاکہ ہم فقیروں کے دل مطمئن ہو جائیں۔ وصلی اللہ علیہ سیدنا محمد وعلی آلہ اجمعین۔(1)

رہے مصر کے علماء اور فقہا تو عبداللہ بن رضوان اپنی کتاب ''تاریخ مصر'' (مخطوطہ نمبر 4971 بایزید لائبریری استنبول) میں لکھتے ہیں: علمائے مصر (جو خود مصری معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس معاشرہ کی نمائندگی کرنے والے ہیں) مصر میں جو بھی عثمانی سفیر آتا ہے اس سے خفیہ ملاقات کرتے ہیں اور اس سے اپنی شکایات کرتے ہیں اور انہیں اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ آئیں اور مصر کو اپنے قبضہ میں لیں''۔

مصر کے علماء سلطان سلیم اول سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے تاکہ وہ مصر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کریں اور جرکسیوں (ممالیک) کو مار بھگائیں۔(2)

4-دولت عثمانیہ کے علماء کی بھی یہی رائے تھی کہ مصر اور شام کو دولت عثمانیہ کا حصہ بنا دیا جائے تاکہ امت مسلمہ کے اہم ترین اہداف پورے ہو سکیں۔ بحر احمر اور مقدس اسلامی علاقوں پر پرتگالی خطرہ منڈلا رہا تھا۔ اسی طرح حضرت یوحنا (عیسیٰ علیہ السلام کے حواری) کے گھوڑ سوار کا خطرہ بحر متوسط پر چھایا ہوا تھا۔ سرفہرست یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے سلطان سلیم نے مشرق کی طرف توجہ کی۔ پہلے تو اس سلسلہ میں مملوکی فوجوں کے ساتھ معاہدہ ہوا اور پھر مجبوراً انہیں مملوکی حکومت کے خاتمے کے بعد ان تمام خطرات سے نمٹنے کی ذمہ داری خود پورا کرنا پڑی۔(3)

ہم اس سلسلے میں سلطان کے اس خط سے استدلال کرتے ہیں جو انہوں نے آخری مملوک سلطان طومان باسی کو لکھا جبکہ طومان کو ریدانیہ کے میدان میں شکست ہوئی۔ ''میں نے اعصار و امصار کے علماء کے فتویٰ کی وجہ سے تم پر چڑھائی کی ہے۔ میں رافضیوں (صفویوں) اور فاجروں (پرتگالیوں اور فرسان یوحنا مقدس) کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب تمہارے امیر غوری نے بغاوت کی۔ رافضیوں کے ساتھ ایکا کر کے اپنے لشکروں کو حلب تک لے آیا۔ میری مملکت کی طرف بڑھنے کی خواہش کرنے لگا جو میرے آباء و اجداد کی میراث ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ملک پر حملہ ہو گا تو میں نے رافضیوں کو چھوڑ دیا اور مصر کی طرف چل دیا۔(4)

جنگ

دولت عثمانیہ اور دولت صفویہ کے درمیان واقع ہونے والے حالات و واقعات کے بعد سلطان مملوکی کے لئے لازم ہو گیا

1۔العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ:ص (171-170)
2۔العثمانیون التاریخ ورالحضارۃ:ص 169
3۔قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی:ص 70
4۔العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ:ص 71

تھا کہ وہ اس واقعہ کے بارے کوئی ایک موقف اختیار کرے۔

● صفویوں کے خلاف عثمانیوں کی طرف داری کرے۔

● عثمانیوں کے خلاف صفویوں کی طرف داری کرے۔

● طرفین کے درمیان غیر جانبداری کا موقف اختیار کرے۔

سلطان مصر غوری نے بظاہر غیر جانبداری کے موقف کو اپنایا لیکن در پردہ صفویوں سے مل گیا۔ دولت عثمانیہ کے خبر رساں اداروں نے ایک ایسا خفیہ خط پکڑ لیا جو مملوکیوں اور فارسیوں کے خفیہ معاہدوں کی قلعی کھولتا تھا۔ یہ خط استنبول میں طوب قابو میوزیم کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

سلطان سلیم بلاد فارس میں صفوی شیعوں پر دوبارہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ حالات کشیدہ ہونے کے باوجود سلطان سلیم نے مناسب خیال کیا کہ اس کی پیٹھ محفوظ ہونی چاہئے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مملوکی دولت کو وہ اپنی املاک میں ضم کر لے۔

الغرض دونوں لشکروں کی حلب کے مضافات میں 1517ء کو مرج دابق کے مقام پر مڈ بھیڑ ہوئی۔ عثمانیوں کو جنگ میں فتح ہوئی۔ غوری قتل ہوا۔ مرنے کے بعد عثمانیوں نے غوری کی لاش کو بڑی عزت و احترام سے اٹھایا۔ اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اسے احلب کے مضافات میں دفن کیا۔ اس کے بعد سلیم حلب میں داخل ہوا وہاں سے دمشق گیا۔ جہاں مسجدوں میں اس کے لئے دعائیں کی گئیں۔ اس کے نام کی نقدی ڈھالی گئی جس پر سلطان اور خلیفہ (1) کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ شام سے سلطان سلیم نے ممالیک کے سردار طومان باسی کو خط لکھا کہ دولت عثمانیہ کی اطاعت قبول کر لے۔ ممالیک کا رویہ سلطان سلیم کے قاصد کے ساتھ تمسخرانہ تھا آخر اس قاصد کو مملوکیوں نے قتل کر دیا۔

سلطان سلیم نے جنگ کا عزم کر لیا۔ فوجوں کو حکم دیا کہ فوراً مصر کی طرف کوچ کرو عثمانی صحرائے فلسطین کے راستے مصر کی طرف چلے تو موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ صحراء کی نرم و گداز مٹی جس پر چلنا دشوار تھا اور جانوروں کے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ قدرے سخت ہوگئی اور یوں یہ سفر بڑی آسانی سے طے پا گیا۔

مورخ سلاحشور جو سلیم اول کے ہم جلیس اور مصاحب ہوئے ہیں اپنی کتاب (مخطوطہ) ''فتح نامہ دیار عرب'' میں لکھتے ہیں کہ سلیم قدس شریف کی مسجد صخرہ میں خوب رویا صلاۃ الحاجۃ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مصر اس کے ہاتھوں فتح ہو۔ (2)

عثمانیوں نے ممالیک کو غزہ کے معرکہ میں شکست فاش دی اور اس کے بعد دیدانیہ میں دوبارہ مصریوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔

درج ذیل اسباب تھے جن کی وجہ سے ممالیک کو شکست ہوئی۔ ان کی دولت کا خاتمہ ہوا۔ عثمانیوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 29

2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 30

1. عثمانیوں کو عسکری برتری حاصل تھی۔ مملوکی توپ خانہ بھاری توپوں پر مشتمل تھا۔ جنھیں ایک ہی جگہ نصب کر دیا گیا تھا اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ جبکہ عثمانی توپ خانہ ہلکی پھلکی توپوں پر مشتمل تھا جسے ہر طرف منتقل کیا جا سکتا تھا۔

2. عثمانیوں کا جنگی پلان بہت محتاط تھا۔ اگرچہ عثمانیوں نے بامر مجبوری بڑی تیزی سے طویل سفر کر کے مصر پہنچنے کی کوشش کی۔ ایسی سرزمین پر حملہ کیا جس پر ان کے مخالفین کا قبضہ تھا اور انہوں نے اچانک ممالیک کو آلیا تھا۔ لیکن پھر بھی انہیں کامیابی ہوئی کیونکہ یہی چیز تو کامیابی کے اہم عوامل میں سے ہے۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب مملوکی توپ خانہ کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی تو عثمانی لشکر کے کئی دستے گھوم کر مملوکی لشکر کے عقب میں پہنچ چکے تھے۔ جنہوں نے بھاری غیر متحرک توپوں کی منتقلی کو ناممکن بنا دیا تھا۔ پھر مقطم (قاہرہ کی جانب مشرق میں ایک پہاڑ) کے راستے عثمانی فوجوں کے داخلے نے مملوکی توپ خانے کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ نتیجہ مملوکی لشکر کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ بہت بری طرح عثمانیوں کی تلواروں کا لقمہ تر بننے لگے۔

3. عثمانی لشکر کے حوصلے بلند تھے۔ ان کی جہادی تربیت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ یہ لوگ مطمئن تھے کہ ان کی جنگ عدل پر مبنی ہے جبکہ مملوکی فوجوں میں یہ سب باتیں نہیں پائی جاتی تھیں۔

4. دولت عثمانیہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں شریعت اسلامیہ کا التزام کرتی تھی۔ ملک میں بسنے والی پوری آبادی کے ساتھ انتہائی درجہ کا عدل برتا جاتا تھا لیکن اس کے برعکس دولت مملوکی شریعت محمدیہ سے انحراف کر چکی تھی۔ اور اپنی رعایا پر ظلم ڈھا رہی تھی۔(1)

5. مملوکی امراء میں سے تقریباً تمام فوجی قیادت سلطان سلیم کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے تیار تھی۔ یہ لوگ دولت عثمانیہ کے ساتھ تعاون کرنے کو سعادت خیال کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ عثمانی حکومت کے ماتحت رہ کر اپنے فرائض منصبی سرانجام دیں۔ اس طرح کے قائدین میں خانیر بیگ اور جان بردغزالی کے نام آتے ہیں جن میں سے اول الذکر کو سلیم کی طرف سے مصر کی حکومت اور ثانی الذکر کو دمشق کی حکمرانی تفویض کی گئی۔(2)

مملوکیوں کو 1516ء اور 1517ء کے عرصہ میں شکست ہوئی جبکہ ان کی مملکت اپنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی تھی اور ان کی تاریخ کا آخری صفحہ قلم بند ہونا تھا۔ بحیثیت ایک بہت بڑی اسلامی طاقت کے خواہ مشرق اوسط میں یا پوری دنیا میں وہ اپنا تشخص اور اپنے شباب کو برقرار رکھنے پر اپنی قدرت کھو بیٹھے تھے۔ سو ان کی حکومت زوال پذیر ہوئی اور ان کے زیر نگیں علاقے عثمانیوں کے قبضے میں چلے گئے۔(3)

ڈاکٹر علی حسون نے اپنی کتاب "تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار" جلد اول میں عظیم سلاطین عثمانی کے عہد میں مصر کے اندر عثمانی حکومت کے خدوخال کے بارے کچھ باتیں نقل کی ہیں۔ میں اس کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 30
2۔ الشعوب الاسلامیہ: ڈاکٹر عبدالعزیز نوار: ص 93
3۔ الشعوب الاسلامیہ، ڈاکٹر عبدالعزیز نوار: ص 92

''......مصر ایک دفعہ پھر خلافت اسلامی کی طرف لوٹ آیا جیسا کہ وہ ابتدائی اسلامی دور میں تھا۔ جب سلطان سلیم مصر کے تخت حکومت پر براجمان ہوا تو تمام جراکسہ کو معاف کر دیا۔ مصری سلاطین کے اوقاف سے کچھ تعرض نہ کیا۔ بلکہ اوقاف، منافع، چراگاہوں اور حرمین شریفین کی آمدنی اور محاصل کے لئے درجات مقرر کر دیے۔ یتیموں، مشائخ، اور معذوروں کے لئے وظائف مقرر کیے۔ قلعوں کی تعمیر اور صوفیاء کے مصارف کا بندوبست کیا۔ مظالم، لوٹ کھسوٹ اور تمام ناجائز ٹیکسز ختم کر دیے۔ تمام علاقوں میں نظم و نسق پیدا کیا۔ جب سلطان سلیم اول فوت ہوا۔ تو ان کا بیٹا غازی سلطان سلیمان علیہ الرحمۃ و الرضوان تخت نشین ہوا۔ جنہوں نے بہترین اصول حکمرانی کی بنیاد رکھی، اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کی، ملک کے تمام علاقوں میں نظم و نسق پیدا کیا۔ اندھیروں کو مٹایا، دین کے مینار کو بلند کیا، کافروں کی آگ کو بھسم کیا...... تمام علاقے ان کی سلک حکومت میں پورے طرح منظم رہے۔ اور ان کے حکم کے پابند اپنے ابتدائی دور حکومت میں خلفاء راشدین کے بعد ملت اسلامیہ کے امور کو سب سے بہتر انداز میں سرانجام دینے والے، دین کے سب سے زیادہ محافظ اور مشرکین کے خلاف سب سے زیادہ جہاد کرنے والے تھے۔ اسی لئے ان کی محروسہ مملکت کی حدود دور دور تک جا پہنچیں کیونکہ اللہ کریم نے ان کے اور ان کے خلفاء کے ہاتھوں بہت سارے علاقے فتح فرمادیے...... اس سب کچھ کے علاوہ انہیں یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ وہ حکومتی معاملات میں، سرحدوں کی حفاظت میں، اسلامی شعائر کے قیام سنت محمدیہ کے التزام میں، علماء، دیندار طبقہ کی تعظیم اور حرمین شریفین کی خدمت میں کسی طرح کی غفلت نہیں برتتے تھے۔ (1)

انتقال خلافت کا مسئلہ

انتقال خلافت کے مسئلے کو مصر کی فتح سے مربوط کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آخری عباسی خلیفہ جو قاہرہ میں مقیم تھا خود بخود سلطان سلیم کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گیا۔ مورخ ابن ایاس جو سلیم خان کا ہم عصر ہے۔ اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ خطوط جو سلیم نے اپنے بیٹے سلیمان کے نام لکھے ان میں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ خلیفہ نے سلطان کے حق میں لقب خلیفہ سے دستبرداری اختیار کی بلکہ اس دور کے تمام مصادر آل عثمان جو رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے نہیں کی طرف خلافت کی منتقلی کے مسئلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ سلطان سلیم 920ھ بمطابق 1514ء سے اپنے اوپر لقب ''خلیفۃ اللہ فی طول الارض و عرضھا'' کا اطلاق کرتا آرہا تھا یعنی شام اور مصر کی فتح اور حجاز مقدس کے اعلان خضوع سے پہلے۔

سلطان سلیم اور اس کے آباء و اجداد کو ایک عظیم مقام حاصل ہوا جو لقب خلافت کے استعمال سے پوری مطابقت رکھتا تھا۔ بالخصوص اس وقت جبکہ قاہرہ میں جو مرکز خلافت تھا کوئی دم خم نہیں رہا تھا۔ سلیم کی فتوحات نے اسے طاقت اور روحانی و مادی اقتدار عطا کر دیا تھا۔ بالخصوص حرمین شریفین کے دولت عثمانیہ میں ضم ہونے کے بعد تو سلیم کی طاقت اور اقتدار پہلے سے کہیں بڑھ گیا تھا۔ اور عثمانی سلطنت کمزور مسلمانوں کی پناہ گاہ بن گیا تھا جس کی طرف وہ امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: 63

ایشیاء وافریقہ اسلامی بندرگاہوں پر پرتگالیوں کے حملے کے بعد اس کی مدد پر یقین رکھتے تھے۔

الغرض سلطان سلیم اور ان کے بعد آنے والے کسی بھی طاقتور سلطان نے خلیفہ کے لقب کو اختیار نہیں کیا۔ بلکہ یہ سلطنت کمزور ہوگئی تو پھر اس کے سلاطین نے اس لقب کو استعمال کیا۔

مملوکی دولت کے خاتمے کی وجوہات

مملوکی سلطنت کے خاتمے کے پیچھے بہت سے عوامل کارفرما تھے جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

1. مملوکی سلاطین نے ترقی یافتہ جنگی پالیسی اپنانے سے احتراز کیا۔ انہوں نے نہ تو جدید اسلحہ کا بندوبست کیا اور نہ جدید فنون حرب سے استفادہ کی طرف قدم بڑھایا۔ ممالیک گھوڑسواری طریقہ جنگ پر اعتماد کرتے رہے جو قرون وسطی میں مروج رہا تھا۔ جبکہ عثمانی جدید آتشیں اسلحہ بالخصوص توپ خانہ استعمال میں لائے۔
2. ممالیک کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی بہت سے فتنے، شورشیں اور فسادات پیدا ہو چکے تھے جن کی وجہ سے مشکل ترین وقت میں حکومت مستحکم نہ رہ سکی۔
3. مملوکی سلاطین سے رعایا کی نفرت۔ کیونکہ ممالیک نے رعایا سے الگ ایک اعلیٰ طبقہ قائم کر رکھا تھا جو عام لوگوں کی پہنچ سے دور تھا۔
4. خود مملوکیوں کی صفوں میں کچھ اختلافات رونما ہو گئے تھے جیسے والی حلب خانیر بیگ اور جانبرد غزالی نے سلیم کو خوش آمدید کہا ان کی وجہ سے مملوکی دولت بہت تیزی سے تنزل کا شکار ہوئی۔
5. تباہ شدہ اقتصادی صورت حال بالخصوص جب مصر سے گزرنے والے تجارتی راستے تبدیل ہو گئے اور نئے امید افزاء راستوں کا انکشاف ہو گیا۔
6. اور اہم ترین عامل جو پہلے تمام عوامل کا جامع ہے یہ ہے کہ مملوکیوں نے قانون خداوندی کی پاسداری چھوڑ دی تھی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں عثمانی الٰہی شریعت پر ہمیشہ کی طرح آج بھی کاربند تھے۔ (1)

حجاز مقدس پر عثمانیوں کی عملداری

حجاز مقدس مملوکیوں کے تابع تھا۔ جب شریف مکہ ''برکات بن محمد'' کو معلوم ہوا کہ سلطان غوری اور اس کا نائب طومان بائی قتل ہو چکے ہیں تو انہوں نے فوراً سلطان سلیم اول کی اطاعت قبول کر لی اور کعبہ شریف کی چابیاں مع بعض تبرکات کے ان کے حوالے کر دیں۔ سلطان نے شریف حجاز برکات کو اپنے منصب پر باقی رکھا اور انہیں وسیع اختیار تفویض کیے۔ (2)

اور اس طرح سلطان سلیم کو حرمین شریفین کے خادم ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔ اب سلطان سلیم عالم اسلامی کا سب سے طاقتور فرماں روا تھا۔ اور اس کی قدر و منزلت پہلے سے کہیں بڑھ گئی تھی بالخصوص جب دولت عثمانیہ نے مقدس

1۔ تاریخ العرب الحدیث۔ مجموعۃ من العلماء: ص 40
2۔ تاریخ العرب الحدیث۔ علماء کمیٹی: ص 40

مقامات کے لئے بہت سے اوقاف قائم کئے۔ ان اوقاف کی آمدنی قصر سلطانی میں ایک مستقل خزانہ میں جمع ہوتی تھی۔ حجاز مقدس کے عثمانیوں کے زیر نگیں آنے کی وجہ سے بحر احمر پر عثمانیوں کو غلبہ حاصل ہوگیا اور حجاز مقدس اور بحر احمر سے پرتگالی خطرہ ٹل گیا۔ اور یہ غلبہ اٹھارویں صدی کے اختتام تک باقی رہا۔(1)

یمن

مملوکیوں کی شکست کے بعد مملوکی حاکم یمن جرکسی ''اسکندر'' سلطان سلیم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ سلطان کی اطاعت اور دوستی کی ذمہ داریاں پوری کرے۔ سلطان سلیم نے اسے اپنے منصب پر باقی رکھنے سے اتفاق کیا۔ یمن کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسے بحر احمر کی کلید خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی سلامتی میں ہی حجاز مقدس میں موجود متبرک مقامات کی سلامتی تھی۔ شروع شروع میں یہاں عثمانیوں کی گرفت مضبوط نہیں تھی۔ کیونکہ یہاں کی قیادت اور مملوکیوں کے درمیان داخلی تنازعات پائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ پہاڑی قبائل کے درمیان زیدیہ مذہب مقبول ہورہا تھا۔ یہ خطرہ پرتگالی خطرہ کے علاوہ تھا جو ہر وقت یمنی ساحلوں کو خوف زدہ کرتا رہتا تھا۔ اس چیز نے سلطان کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ بحری فوج بھیج کر اس خطرے کا سدباب کرے۔ مگر یہ مہم اس نزاع کی وجہ سے ناکام رہی جو اس کے قائد ''حسین رومی'' حاکم جدہ اور عثمانی بحریہ کے ایک قائد ''الدلیس سلمان'' کے درمیان پیدا ہوگیا۔(2)

اس کے بعد سلطان نے ''سلیمان پاشا ارناؤوطی'' کی سرکردگی میں 945ھ، 1538ء کو ایک دوسری مہم روانہ کی۔ اس مہم میں 74 جہاز اور 20,000 افراد شریک ہوئے۔ اس حملے کا مقصد یمن پر بالعموم اور عدن پر بالخصوص قبضہ کر کے باب المندب کی تنگنائے کو پرتگالی جہازوں کے لئے بند کرنا تھا۔ عثمانی عدن میں 946ھ بمطابق 1539ء کو داخل ہوئے 952ھ، 1545ء کو تعز جبکہ 954ھ، 1547ء کو صنعاء ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سلمان پاشا نے اپنی بحریہ کے ساتھ پیش قدمی کی تاکہ حضر موت میں واقع بعض عربی بندرگاہوں پر قبضہ کرے جن میں سے ''الشحر اور المکلا'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور 964ھ، 1557ء کو بحر احمر کے مغربی جانب پر واقع حبشہ، سواکن اور مصوع کے ساحلوں کو تاراج کیا۔

یمن عثمانی فرمانروائی کے پورے عرصہ (1538ء تا 1635ء) میں عثمانیوں اور زیدیہ اماموں کے درمیان جنگ کا اکھاڑا بنا رہا۔ عثمانیوں کو یمن پر حقیقی قبضہ حاصل نہ ہوسکا۔ کیونکہ یہاں مقاومت کی تحریک کا ہمیشہ ان کو سامنا رہا۔(3)

دولت عثمانیہ کے غلبہ کے عرصہ (1538ء تا 1635ء) میں عثمانی اور ائمہ زیدیہ مسلسل ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے اور عثمانی اس پر مکمل کنٹرول حاصل نہ کر سکے جس کا سبب بعض قبائل کی سرکشی تھی۔(4)

یمن میں اپنی موجودگی سے عثمانیوں نے فائدہ اٹھایا اور پرتگالی دباؤ سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے خلیج میں بحری مہمات کا اہتمام کیا۔(60)

1۔ تاریخ العرب الحدیث۔ علماء کمیٹی: ص 40 2۔ تاریخ العرب الحدیث۔ علماء کمیٹی: ص 41 3۔ تاریخ العرب الحدیث: ص 41

4۔ تاریخ العرب الحدیث۔ مجموعۃ من الاساتذہ: ص 42 5۔ تاریخ العرب الحدیث۔ مجموعۃ من الاساتذہ: ص 42

عثمانیوں اور پرتگالیوں کے درمیان معرکہ آرائی

پرتگالی سلطنت 1514ء کو مغرب اقصیٰ پر حملہ آور ہوئی۔ اس کی فوجوں کی قیادت امیر ہنری ملاح کر رہا تھا۔ اور اس نے سبتہ کی مغربی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ مسلسل مخالفانہ کاروائیوں کے سلسلہ کی ابتداء تھی(1)۔ اس کے بعد شمالی افریقہ پر پرتگالیوں نے مسلسل حملے شروع کر دیے حتیٰ کہ وہ اصیل اور عرائش پر قابض ہو گئے پھر 1471ء میں طنجہ پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا(2)۔ اس کے بعد وہ نہایت ہی اہم مراکز جیسے ''اسفی، اغادیر، ازمورہ اور ماسہ کی بندگاہوں پر حملے کرنے لگے۔(3)

پرتگال والوں کا بحر اٹلانٹک کا رخ کرنا اور ان کا اپنی کوششوں کو مسلمانوں پر مرکوز کرنا یہ ایک ایسا عمل تھا جسے مسیحیوں کے نزدیک اولین حیثیت حاصل تھی۔ اور اس کی وجہ وہ شدت پسندانہ صلیبی جذبات تھے جو مسلمانوں کے بارے ان کے دلوں میں پائے جاتے تھے۔ کیونکہ پرتگالیوں کا خیال تھا کہ وہ مسیحیت کے مددگار اور مسلمانوں کے خلاف ان کے نگہبان ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا بہت بڑی ضرورت خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ہی وہ سخت ترین دشمن تھا جس کے ساتھ ہر جگہ جنگ ضروری تھی۔(4)

امیر ہنری ملاح سخت متعصب نصرانی تھا۔ اسے مسلمانوں سے شدید نفرت تھی۔ اس نے پوپ نیقولا خامس سے ہندوستان تک تمام علاقوں کو فتح کرنے کی اجازت لے رکھی تھی۔ پوپ نے ایک موقع پر ہنری کے بارے کہا تھا۔ ''ہمیں سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ہنری امیر پرتگال ہمارا بیٹا۔ اپنے عظیم باپ شاہ یوحنا کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ مسیح کے سپاہیوں میں سے ایک بہادر سپاہی کی حیثیت سے اس کو وہ غیرت وحمیت الہام ہوئی ہے جس کی بدولت اس نے خدا باپ کے نام کو دور دراز علاقوں تک پہنچایا ہے۔ ان دور دراز علاقوں تک جو ہمارے علم سے بھی باہر ہیں اور اس طرح کیتھولک کی گود میں رہنے والے اللہ کے دشمن اور مسیح کے دشمن جیسے عرب اور دوسرے کافران تک اس نام کو پہنچایا ہے۔(5)

بوکرک نے اپنی تقریر میں جو اس نے اپنے لشکر کے سامنے اس وقت کی جب لشکر ملقا پہنچا کہا۔ ''عربوں کو خوشبو اور مسالہ جات کی تجارت سے دور کر دینا ایسا زبردست ہتھیار ہے جس سے پرتگالی اسلام کی قوت کو کمزور کر سکتے ہیں''۔

اسی تقریر کے دوران اس نے یہ بھی کہا'' یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو ہم ان علاقوں سے عربوں کو دور کر کے اور محمد ﷺ کے مددگاروں کے شعلہ کو بھسم کر کے خدا کے حضور میں پیش کر رہے ہیں۔ اس طرح کہ اس کے بعد یہاں کوئی شعلہ بلند نہیں ہوگا کیونکہ مجھے یقین ہے ہم ''ملقا'' کی تجارت ان کے (یعنی مسلمانوں) ہاتھ سے چھین لیں گے اور قاہرہ اور مکہ ہر دو شہروں پر اس کا بہت زیادہ اثر پڑے گا۔ بلکہ ینیا سے مسالہ جات کی تمام تجارت اس وقت تک رکی رہے گی جب تک یہاں کے

1۔ التاریخ الاوربی الحدیث مصر النهضه الی موتمر فینا۔ ڈاکٹر عبدالعزیز نوار: ص48

2۔ الکشوف الجغرافیا: شوقی عبداللہ: ص100.99

3۔ الکشوف الجغرافیا: شوقی عبداللہ: ص100.99

4۔ آسیا الوسطی المغربیہ: بانیکار: ص25:24

5۔ دراسات متمیزہ فی العلاقات بین الشرق الغرب: یوسف ثقفی: ص58

تاجر پرتگال آ کر اس کو نہیں خریدیں گے۔(1)

بوکرک اپنی ڈائری میں لکھتا ہے" ہمارا ہدف مسلمانوں کے مقدس مقامات تک پہنچنا اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر محمد ﷺ کی مدفون ہڈیوں کو نکالنا ہے تا کہ ہم سودا کر کے ان ہڈیوں کے بدلے القدس کو واپس لے سکیں"(2)۔(العیاذ باللہ)

پرتگال کے فرمانروا ایمانویل اول نے پرتگالی حملوں کے اہداف کا اعلان کرتے ہوئے کہا:" ہند کی طرف بحری راستے کے انکشاف کی غرض وغایت نصرانیت کی ترویج اور مشرقی دولت کا حصول ہے۔"(3)

اسی طرح ایک تحقیق کرنے والے مصنف کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پرتگالی دریافتوں کا دینی محرک ہی وہ اہم ترین عامل تھا جس نے انہیں سمندروں کا کھوج لگانے اور عالم اسلام کی طرف متوجہ ہونے پر ابھارا۔ لہٰذا حلف برداری ہوئی، احکام صادر ہوئے اور صلیب اور توپوں کو حملوں کا شعار بنایا گیا۔ اس شعار کا مقصد تھا مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسیحیت کو قبول کریں ورنہ ان پر توپوں سے حملہ کیا جائے گا۔

اقتصادی محرک کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ یہ محرک پرتگالی جغرافیائی دریافتوں کو آگے بڑھانے میں ایک موثر عامل کی حیثیت رکھتا تھا۔904ھ،1495ء کو واسکوڈی گاما کی وساطت سے نئے راستے کے انکشاف نے اس مہم کو آسان بنا دیا کہ مشرق اقصیٰ کی مصنوعات یورپی بازاروں تک پہنچیں اور تاجروں کو مصر کے راستے سے گزرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ لہٰذا عربی اور اسلامی سمندری راستوں سے تجارتی خط کی تبدیلی نے دینی اہداف کے پورے ہونے میں مدد دی۔ کیونکہ اسلامی طاقت کو کمزور کرنے میں اقتصادی دائرہ کار کا اثر بہت فعال تھا۔ اور ایک عرصے سے مسلمانوں کی بہتر اقتصادی حکمت عملی نے یورپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ پرتگالیوں کے نئے تجارتی راستوں کے انکشاف کی وجہ سے دولت مملوکی کی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہوئے تھے اور وہ اس نئی تبدیلی سے خاصے متاثر ہوئے تھے۔(4)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پرتگالیوں نے اپنے ان حملوں میں یہودیوں سے مدد حاصل کی جن سے جاسوسی کی خدمات لی جاتی تھیں۔ چونکہ یہ لوگ عربی زبان جانتے تھے اس لئے عربی علاقوں میں وہ آسانی چل پھر کر پرتگالیوں کیلئے جاسوسی کر سکتے تھے۔ بطور مثال ہم یہ واقعہ بیان کر سکتے ہیں کہ پرتگال کے فرمانروا یوحنا ثانی نے اپنے خادم خاص کو مصر، ہند اور حبشہ کے علاقوں میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک یہودی بھی تھا۔ ان دونوں نے بادشاہ کی خدمت میں جو رپورٹ پیش کی اس میں بحر ہند سے متعلق بعض عربی نقشے بھی تھے۔(5)

ابن ایاس بتاتے ہیں کہ امیر مکہ (شریف) برکات کے زمانے میں تین آدمی خفیہ طریقے سے مکہ شریف میں گھس آئے۔ یہ لوگ مسجد حرام کے اردگرد گھوم رہے تھے اور عثمانی لباس میں تھے۔ نیز عربی اور ترکی بولتے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا جب

1۔ دراسات متمیزۃ فی العلاقات بین الشرق والغرب: یوسف ثقفی: ص 59

2۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ مفتری علیھا (698/2)

3۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر یوسف ثقفی: ص 37

4۔ دراسات متمیزۃ: ص 60-61

5۔ اوربہ فی مطلع العصور الحدیثۃ۔ شناوی: (123/1)

تفتیش ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ مسیحی ہیں کیونکہ یہ غیر مختون پائے گئے۔ مزید پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تینوں جاسوس ہیں۔ جنہیں صلیبی پرتگالی لشکر کے مکہ میں داخلے کے وقت رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس کے بعد ان تینوں کو سلطان قانصو غوری کے پاس مصر بھیج دیا گیا۔(1)

پرتگالی اہداف کو پورا کرنے کے لئے مسیحی دانشوروں اور سیاستدانوں نے ھرمز اور باب المندب کی تنگناؤں پر کنٹرول ضروری خیال کیا۔ تاکہ اسلام کے یہ دشمن عالم اسلامی کی پشت پر ایک کارگر حملہ کرسکیں۔ عربی اور اسلامی علاقوں میں اقتصادیات کی شاہ رگ کاٹ سکیں اور نتیجۃً جہاں جہاں پہنچیں وہاں مسیحیت کی تشہیر کر کے اسے اسلام پر غالب کردیں۔(2)

پرتگالی اپنی سکیم میں کامیاب رہے۔ افریقی ساحل، خلیج عربی اور بحر عرب کی تجارتی شاہ راہ پر ان کا مکمل کنٹرول ہوگیا۔ اور اس طرح مشرقی مصنوعات کی اس راستے سے یورپ کو سپلائی بند ہوگئی۔ چونکہ ان کا کوئی بحری مد مقابل اس علاقہ میں نہیں تھا اس لئے یہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ اور بڑی آسانی سے تمام اہم مراکز پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد پرتگالیوں نے سختی سے کام لیا اور اس سلسلے میں کوئی رعایت نہ برتی۔ بہت سے علاقے جن تک یہ لوگ پہنچے اور جن پر ان کا قبضہ ہوا وہاں انہوں نے خوب خون خرابہ کیا۔ فتنہ وفساد برپا کیا۔ لوگوں کی عزتوں کو پامال کیا۔ مسجدوں کو منہدم کیا۔ گھروں کو پیوند خاک کیا اور لوگوں کو حج بیت اللہ سے روک دیا۔(3)

رہی یہ بات کہ ان ظالمانہ جنگوں میں مسلمانوں کا موقف کیا رہا تو اس دور میں ممالیک نے جو کردار ادا کیا وہ کوئی قابل رشک نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں اقتصادی اور سیاسی کمزوری کا سامنا تھا۔ سلاطین داخلی مسائل میں الجھے ہوئے تھے نیز انہیں عثمانی مقابلے کا سامنا تھا۔ اس کے علاوہ بحرابیض متوسط کے مشرق میں وہ اسپرٹ گھوڑ سواروں کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے(4)۔ اس لئے افریقی ساحل، خلیج اور یمن کے رہنے والے لوگوں نے خود پرتگالیوں کا مقابلہ کیا اور مشرقی افریقہ، مسقط، بحرین، قریات اور عدن میں ہر مقام پر پرتگالی فوجوں پر حملے کیے۔ لیکن طاقت کے عدم توازن کی بدولت یہ تمام حملے بے سود ثابت ہوئے۔(5)

کچھ عرصہ بعد داخلی مشکلات کے باوجود ممالیک نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور حتی المقدور پرتگالیوں کو مقدس مقامات تک رسائی حاصل کرنے سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ سلطان قانصوہ غوری نے تیرہ جہازوں اور ڈیڑھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا پرتگالیوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جس کی قیادت حسین کردی کررہے تھے۔ یہ بیڑا جزیرہ ''دیو'' پھر ''شول'' پہنچا اور پرتگالی بحری بیڑے کو للکارا جس کی قیادت ''الونفرڈی المبدا'' کررہا تھا۔ یہ واقعہ 914ھ، 1508ء کو پیش آیا۔ اس حملے میں پرتگالیوں کو کامیابی حاصل ہوئی(6)۔ پھر انہوں نے اپنی فوجوں کو نئے سرے سے مرتب کیا اور دوبارہ حملہ کیا جس کی وجہ سے

1۔ بدائع الزھور فی وقائع الدھور: (191/4)
2۔ موقف الاوربیۃ من الدولۃ العثمانیۃ: ص38
3۔ علاقۃ ساحل عمان ببریطانیہ۔ عبدالعزیز عبدالغنی: ص19
4۔ دراسات فی التاریخ المصری: احمد سید دراج: ص114
5۔ موقف اوربیۃ من الدولۃ العثمانیۃ: ص38
6۔ بدائع الزھور فی وقائع الدھور (142/4)

915ھ،1509ء کو اسلامی بحریہ کو معرکہ ''دیو'' میں شکست ہوئی۔ یہ واقعہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔(1)

رہی بات دولت عثمانیہ کی تو شروع شروع میں یہ میدان قتال سے دور تھے۔ ان کے اور پرتگالیوں کے درمیان مملوکی سلطنت اور صفوی سلطنت حائل تھیں۔ لیکن پھر بھی سلطان مصر غوری کی دعوت پر سلطان بایزید ثانی نے لبیک کہا اور پرتگالیوں کے خلاف مملوکی دولت کو مدد باہم پہنچانے کی غرض سے 916ھ،1511ء کو کئی جہاز بھیجے۔ ان جہازوں پر آتش گیر مادہ تیر، چالیس قنطار (تقریباً چوالیس کلوگرام) بارود اس کے علاوہ دوسرے عسکری لوازمات اور ساز و سامان لدا ہوا تھا(2)۔ لیکن یہ مدد مملوکیوں تک نہ پہنچ پائی کیونکہ مقدس یوحنا کے گھوڑسواروں (یہ ایک لقب ہے ضروری نہیں کہ یہ دستہ گھوڑسواروں پر مشتمل ہو) کے لیٹروں نے اس کمک پر حملہ کر دیا۔

جب عثمانیوں نے مصر اور شام کو اپنی سلطنت میں ضم کر دیا اور عرب علاقے عثمانی حکومت کے زیر نگیں ہوئے تو دولت عثمانیہ نے بے مثال شجاعت سے پرتگالیوں کا سامنا کیا اور بحر احمر کی بعض اسلامی بندرگاہیں واپس لینے میں کامیابی حاصل کی جیسے مصوع اور زیلع، اسی طرح امیر علی بیگ کی قیادت میں ایک بحری لشکر افریقی ساحل کی طرف بھی روانہ کیا جس کے نتیجے میں مقدیشو اور مجلسہ آزاد ہوئے اور پرتگالی لشکروں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔(3)

سلطان سلیمان قانونی کے عہد حکومت (927ھ تا 974ھ بمطابق 1520ء تا 1566ء) میں دولت عثمانیہ پرتگالیوں کو بحر احمر سے دور کرنے اور خلیج عربی میں ان کے مراکز جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے پر حملہ کرنے میں کامیاب رہی۔

سلطان سلیمان سمجھ چکے تھے کہ مقامات مقدسہ کا دفاع دولت عثمانیہ کی ذمہ داری ہے۔ سو انہوں نے ''کالی کوٹ'' اور ''کامبائی'' کے حاکموں سے معاہدہ کر لیا۔ یہ دونوں ہندوستانی حاکم تھے جو پرتگالی حملوں سے متاثر ہوئے تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے دونوں نے پرتگالیوں کے خلاف مشترکہ کارروائی کرنا تھی۔ اس معاہدہ کے بعد انہوں نے والی مصر کے خادم سلیمان پاشا کو ایک منصوبہ دیا اور حکم دیا کہ وہ فوراً اس پر عمل پیرا ہو اس منصوبہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

''اے مصر میں بیگوں کے بیگ (ایک اعزاز ہے) سلیمان پاشا تم فوراً ہمارے ان احکامات پر عمل کرو۔ اپنا سامان اور ضروریات کی چیزیں تیار کر لو اور راہ خدا میں جہاد کے لئے سویس میں مکمل تیاری کر لو۔ حتیٰ کہ جب آپ کا بحری بیڑا تیار ہو جائے۔ ضروری ساز و سامان کھانے پینے کی اشیاء اور گولہ بارود اور ضروری ہتھیار سب کچھ تیار ہو جائے اور کافی تعداد میں لشکر بھی جمع ہو جائے تو تجھ پر لازم ہے کہ تم ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اس پر قبضہ کر لو اور مفتوحہ علاقوں کو اپنی حفاظت میں رکھو۔ دوران سفر جب تم ان راستوں تک پہنچو جو مکہ مکرمہ کو جاتے ہیں تو جو کچھ پرتگالیوں نے کیا ہے اس سے بچو اور ان کے جھنڈے کو سمندر سے ہٹا دو۔''(4)

سلیمان الخادم عثمانی سلطان کے حکم پر عمل کرتے ہوئے روانہ ہوا۔ سات دنوں میں جدہ پہنچا۔ پھر کمران کی طرف روانہ

1۔ النفوذ البرتغالی فی الخلیج العربی ،نوال جیرتی ص106
2۔ الممالیک الفرنج، احمد سید دراج ص115
3۔ موقف اوربة من الدولة العثمانیة: ص39
4۔ موقف اوربة من الدولة العثمانیة: ص40

ہوا۔ یہاں سے عدن کی راہ لی اور اس پر قبضہ کیا عدن پر اس نے اپنے ایک افسر کو متعین کیا اور اسے چھ سو سپاہی دیکر ہند کی طرف سفر جاری رکھا۔ جب یہ اسلامی بیڑا ''دیو'' پہنچا تو اس بندرگاہ پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا چار سو جنگجو کھونے کے بعد پسپائی اختیار کی اور واپس چل دیا۔ اس نے ایک دفعہ پھر اگلے قلعوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ ایک قلعہ نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس مہم میں 80 پرتگالی گرفتار ہوئے۔ اگر پرتگالی لشکر کو کمک نہ پہنچتی تو تمام قلعے فتح ہو جاتے ہند سے پرتگالیوں کا صفایا ہو جاتا۔ اور ''دیو'' نامی قلعہ بھی عثمانیوں کی اطاعت گزاری کو پوری طرح قبول کر لیتا۔(1)

اس طرح عثمانیوں نے پرتگالیوں کا راستہ روکا۔ اسلامی ممالک سے انہیں دور رہنے پر مجبور کیا اور ان کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا۔ اور اس طرح دولت عثمانیہ بحر احمر میں امن وامان کی صورتحال کو بہتر بنانے اور مقامات مقدسہ کو پرتگالی توسیع پسندی سے بچانے میں کامیاب ہوئی۔ جن کا ہدف اسلامی علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے استعماری اور دوسرے مذموم مقاصد کو پورا کرنا اور مختلف طریقوں سے اسلام اور مسلمانوں پر اثر انداز ہونا تھا۔

عالم اسلامی کو پرتگالی خطرہ سے نکالنا دولت عثمانیہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس پر ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ مملوکی سلطنت روبزوال تھی۔ اس میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ پرتگالی حملوں کو روکتی۔ سو دولت عثمانیہ نے مسلمانوں کے حقوق اور ان کی املاک کو بچانے کی ذمہ داری قبول کی اور کافی حد تک کفار کے حملوں کو روکنے اور مقدس مقامات سے انہیں دور رکھنے میں کامیاب ہوئی۔(2)

رہی دولت صفویہ تو وہ ان علاقوں کے باسیوں کی مدد کرنے سے دستبردار ہو گئی جہاں پرتگالی حملوں کی رسائی ہوئی۔ اس نے خلیج عربی کے شہروں کو اکیلا چھوڑ دیا تا کہ وہ خود ہی حالات کا مقابلہ کریں۔ مزید برآں دولت صفویہ مخالفین کی کشتیوں میں سوار ہو چکی تھی اور اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل میں دشمن کا ساتھ دے رہی تھی۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ صفوی مملوکیوں اور عثمانیوں سے مذہبی دشمنی اور اختلاف رکھتے تھے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پرتگالی قائد بوکیرک اس دشمنی اور اختلاف سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور 915ھ بمطابق 1509ء کو اپنا ایک نمائندہ ''روی جومیر'' نامی صفویوں کے پاس بھیجتا ہے اور اسے شاہ اسماعیل صفوی کے نام ایک خط دیتا ہے جس میں وہ ذکر کرتا ہے ''آپ کے ملک میں آپ کی طرف سے مسیحیوں کو جو احترام حاصل ہے میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آپ کو بحری بیڑا، سپاہ اور اسلحہ دیتا ہوں تا کہ آپ اسے ہندوستان میں ترکی قلعوں کے خلاف استعمال کر سکیں۔ اگر آپ عرب علاقوں یا مکہ پر حملہ کرنا چاہیں گے تو مجھے بحر احمر میں اپنے قریب پائیں گے۔ جدہ کے سامنے یا عدن میں یا بحرین میں یا قطیف میں یا بصرہ میں مجھے شاہ اسماعیل صفوی فارسی ساحل کے ساتھ ساتھ اپنے ہم رکاب پائے گا۔ اور میں اس کے لئے وہ سب کچھ کروں گا جو وہ چاہے گا۔(3)

یہ پیش کش یا یہ موقف اتفاق سے عین اس وقت پیش ہوا جب عثمانی فوجیں صفویوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے

1۔ صراع المسلمین مع البرتغالیین فی البحر الاحمر: غسان الرمال: ص226　　2۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیہ: ص40

3۔ التیارات السیاسیۃ فی الخلیج العربی: صلاح العقاد: ص17

ایرانی سرحدوں کا رخ کر چکی تھیں۔ جیسا کہ بعد میں 920ھ، 1514ء کو جالدیران کا معرکہ پیش آیا جس میں فارسیوں کو عثمانی لشکر کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی اور اس شکست نے فارسیوں کو عثمانیوں کے خلاف پرتگالیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ آمادہ کر دیا۔ پرتگالیوں کے لئے یہ سنہری موقع تھا۔ وہ جانتے تھے کہ دولت عثمانیہ کی طرف سے انہیں کتنا بڑا خطرہ درپیش ہے اور وہ اس وقت کس حد تک پریشان ہیں۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 921ھ، 1519ء کو ھرمز پر قبضہ کر لیا اور اس کے فوراً بعد صفویوں سے رابطہ کر کے ایک معاہدہ کی پیش کش کر دی جس کی اہم ترین شق یہ تھی کہ پرتگال اپنا بحری بیڑا بحرین اور قطیف کے حملے میں شاہ اسماعیل کی مدد کے لئے بھیجے گا اور اس کے بدلے میں شاہ کو ھرمز پر پرتگال کے قبضہ کو تسلیم کرنا پڑے گا حالت جنگ میں پرتگال اور ایران کی متحدہ فوجیں اپنے مشترک دشمن دولت عثمانیہ کا مقابلہ کریں گی۔''(1)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ صفویوں کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے پرتگالیوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ دونوں اسلامی ملکوں کے درمیان کہیں اتفاق پیدا نہ ہو جائے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایسا ہو گیا تو پرتگالی اپنے مقاصد میں کسی بھی صورت کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور وہ تمام علاقے خلیج، بحر احمر، عدن وغیرہ جن پر پرتگالیوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے مسلمانوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ دوسری طرف صفویوں اور پرتگالیوں کا گٹھ جوڑ اور مملوکیوں کی سیاسی اور اقتصادی تباہ حالی نے دولت عثمانیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان تمام اسلامی علاقوں کے دفاع کی ذمہ داری پوری کرے جن تک پہنچنے اور ان پر قبضہ کرنے کی پرتگالی کوشش کر رہے ہیں۔(2)

عثمانی اور پرتگالی چپقلش کے نتائج

1. عثمانیوں نے مقدس مقامات اور ان تک جانے والے راستوں کو محفوظ بنا دیا۔
2. سولھویں صدی عیسوی کے عرصہ میں بری حدود کا پرتگالی حملوں سے محفوظ ہو جانا۔
3. ان تجارتی راستوں کا بدستور کھلا رہنا جو ہندوستان اور انڈونیشیا کو خلیج عربی اور بحر احمر کے ذریعے شرق قریب سے ملاتے تھے۔
4. ان تجارتی کارروائیوں کا جاری رہنا جن کے تحت ہندوستانی سامان کا حلب، قاہرہ اور استنبول میں یورپی تاجروں کے مال سے تبادلہ ہوتا تھا۔ 1554ء میں صرف بلگیر یا نے چھ ہزار قنطار مصالحہ جات کی خریداری کی۔ اسی عرصہ میں ہندوستانی سامان (مرچ مسالہ، رنگ کا سامان اور پردے) کے لدے ہوئے بیس جہاز جدہ کی بندرگاہ پر پہنچے۔(3)

سلطان سلیم کی وفات

9 شوال 926ء ہفتہ کی رات سلطان سلیم علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا۔ وزراء نے ان کے وصال کو مخفی رکھا اور سلطان سلیمان کو اطلاع دینے کے لئے فوراً پیغام بھیج دیا۔ جب سلیمان قسطنطنیہ پہنچا تو تب سلطان سلیم کے وصال کا اعلان کیا گیا۔'' جامع

1۔ التیارات السیاسیۃ فی الخلیج العربی: صلاح العقاد: ص 98
2۔ موقف اوربۃ الدولۃ العثمانیۃ: ص 41
3۔ موقف اوربۃ من الدولۃ العثمانیۃ: ص 41

مسجد سلطان محمد فاتح'' میں نماز جنازہ ہوئی۔ اور اس کے بعد ان کی تدفین کی گئی۔ سلطان سلیمان خان نے اپنے باپ کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر ایک مسجد اور فقراء کے لنگر کے لئے ایک عمارت بنانے کا حکم دیا۔

سلطان سلیم رحمۃ اللہ علیہ عالم فاضل، ذہین، خوش رو، صاحب الرائے، دور اندیش، بہترین منتظم، مدبر اور محتاط انسان تھے۔ آپ عربی، ترکی اور فارسی تینوں زبانیں جانتے تھے۔ آپ نے ایک نہایت ہی اچھوتا اور خوبصورت نظام قائم فرمایا۔ ہمیشہ رعایا اور ملک کے حالات کے بارے سوچ و بچار کرتے رہتے کافر بادشاہوں پر سختی کی اور انہیں تباہ و برباد کیا۔ جب آپ مصر میں تھے تو جس محل میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کی دیوار میں سنگ مرمر کی ایک تختی نصب کروائی جس پر یہ اشعار کندہ تھے۔

الملک لله من یظفر بنیل منیٰ یردده قهراً و یضمن بعده الدرکا

لوکان لی او لغیری قدر انملة فوق التراب لکان الامر مشترکا(1)

❶ بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بار بار عطا کرتا ہے اور اس کے بعد اس کے تاوان کا ضامن ہو جاتا ہے۔

❷ اگر اس مٹی پر ایک پورے کے برابر بھی میری یا کسی اور کی بادشاہی ہوتی تو یہ چیز شرک بن جاتی۔

حضرت سلطان سلیم علیہ الرحمۃ جب فوت ہوئے تو ان کی عمر چون سال ہو چکی تھی اور وہ نو سال آٹھ ماہ حکومت کر چکے تھے۔

تیسری بحث

سلطان سلیمان القانونی

سلیمان قانونی ''طرابزون'' کے شہر میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں ان کے والد سلیم خان طرابزون کے حاکم تھے۔ والد نے اپنے بیٹے سلیمان کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ بچپن سے ہی انہیں علم و ادب کی محبت اور علماء ادباء و فقہاء کی قدردانی کا سبق از بر کرایا۔ سلیمان بچپن سے ہی سنجیدگی اور وقار میں مشہور تھے۔ 26 سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ تمام کام نہایت سوچ کے کرتے تھے۔ جو بھی کام کرنا ہوتا تھا اس میں کبھی بھی جلدی نہیں کرتے تھے بلکہ سوچ و بچار کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھاتے تھے اور پھر جب کوئی فیصلہ کر چکتے تو اس کو کسی صورت واپس نہیں لیتے تھے۔(2)

وہ فتنے جن کا سلیمان کو ابتداء میں سامنا کرنا پڑا

سلیمان کو اپنے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں چار بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے وہ اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف جہاد جاری نہ رکھ سکے۔ کشور کشائی کے شوقین کئی گورنر سمجھے کہ خود مختاری کا وقت آ چکا ہے اور ان حالات میں صوبہ کو آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ والی شام جان بردغزالی نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ سلطان سلیمان نے فوراً اس فتنے کے خاتمہ کا حکم دیا اور یہ فتنہ دبا دیا گیا جان بردغزالی کا سر کاٹ کر استنبول بھیج دیا گیا تا کہ لوگ

1۔ تاریخ سلاطین آل عثمان۔ قرمانی ص 40

2۔ السلاطین العثمانیون: الکتاب المصور: ص 51

دیکھ لیں کہ بغاوت کا کیا انجام ہوتا ہے۔

دوسری بغاوت احمد شاہ خائن نے مصر میں کی۔ یہ 930ھ، 1524ء کا واقعہ ہے۔ احمد شاہ صدر اعظم کے منصب کا طالب تھا۔ لیکن اپنے مقصد میں ناکام ہوا۔ پھر سلطان سے گزارش کی کہ اسے مصر کا گورنر بنا دیا جائے۔ سلطان نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور اسے مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ جونہی یہ مصر پہنچا لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن شریعت کے پابند لوگ اور دولت عثمانی کی خصوصی فوج ینگ چیری کے فوجی دستے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا اور یہ باغی کتب تاریخ میں ہمیشہ کے لئے خائن مشہور ہو گیا۔

تیسری بغاوت جو خلیفۃ المسلمین کے خلاف ہوئی وہ شیعی رافضی بغاوت تھی جس کا سرغنہ ذوالنون تھا۔ یہ بغاوت یوزغاز کے علاقہ میں 1526ء کے دوران ہوئی۔ بابا ذوالنون نے تقریباً تین چار ہزار باغیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور یوز غاد کے علاقے پر خراج لاگو کر دیا۔ بابا ذوالنون کی نے کافی طاقت حاصل کر لی۔ حتیٰ کہ وہ بعض عثمانی قائدین کو جو اس کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے گئے شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن بالآخر اس فتنہ کو بھی دبا دیا گیا۔ اور ذوالنون بابا کا سر قلم کر کے استنبول بھیج دیا گیا۔

دولت عثمانیہ کے خلاف چوتھی بغاوت بھی شیعوں اور رافضیوں نے کی۔ اس بغاوت کا سرغنہ قلندر چلپی تھا جو قونیہ اور مرعش کے علاقوں میں لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے حلقہ مصاحبت میں تیس ہزار شیعہ جمع ہو گئے اور سنی مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ مورخین کہتے ہیں کہ قلندر چلپی نے جو نعرہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ جو سنی مسلمان کو قتل کرے گا اور سنی عورت سے زیادتی کرے گا اجر عظیم کا مستحق ہو گا۔

اس سرکشی اور بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بہرام پاشا نے اقدام کیا لیکن باغیوں نے اسے قتل کر دیا۔ آخر قلندر چلپی کے زور کو توڑنے کے لئے ایک حیلہ کیا گیا۔ صدر اعظم ابراہیم پاشا قلندر چلپی کے بعض آدمیوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح اس کی طاقت کم ہو گئی اور جنگ میں اسے شکست ہوئی اور بالآخر اس کا سر بھی قلم کر دیا گیا۔

اس کے بعد دولت عثمانیہ میں امن و امان بحال ہو گیا اور سلطان نے یورپ کے خلاف جہاد کا پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔(1)

روڈس

روڈس ایک جنگجو جزیرہ تھا کیونکہ وہ یوحنا مقدس کے گھوڑ سواروں کا مرکز تھا اور نہایت ہی مضبوط قلعہ تھا۔ یہ لوگ ترکی حجاج کو لوٹ لیتے تھے جو زیارت حرمین شریفین کی غرض سے حجاز مقدس کا سفر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی وہ عثمانیوں کے خلاف چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ سلطان سلیمان نے اس جزیرہ کو فتح کرنے کا عزم کر لیا۔ ایک بہت بڑے حملے کی تیاری شروع کر دی اور جب حملہ ہوا تو روڈس مسلمانوں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ اس حملے کی کامیابی میں جو چند امور مددگار ثابت

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ، ڈاکٹر محمد حرب، ص 91

ہوئے درج ذیل ہیں۔

1. یورپ ایک بہت بڑی جنگ میں مصروف تھا۔ چارلس خامس (کارٹ) شاہ رومانیہ اور واسو شاہ فرانس میدان میں اتر چکے تھے۔
2. دولت عثمانیہ اور بلگیریا میں صلح کا معاہدہ ہو چکا تھا۔
3. سلیم اول کے دور سے عثمانی بحریہ خاصی طاقت حاصل کر چکی تھی۔

1522ء کے نصف اول میں روڈس پر سلیمان قانونی نے ایک بہت بڑا حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ فتح کے بعد سلطان نے یوحنا مقدس کے گھوڑ سواروں کو اجازت دے دی کہ وہ روڈس کو چھوڑ کر جہاں جی چاہے چلے جائیں۔ لہٰذا یہ لوگ مالٹا چلے گئے اور چارلس کانٹ نے انہیں اس جزیرہ پر حکومت کا حق دے دیا۔(1)

ہنگری کی جنگ اور فینا کا محاصرہ

ہنگری کے بادشاہ ''فیلا دیسلاف ثانی جاجلیو'' نے ان تمام معاہدوں کو توڑ دینے کا پختہ عزم کر لیا جو اس کے اسلاف کی طرف سے دولت عثمانیہ کے ساتھ کیے گئے تھے۔ حتیٰ کہ اس نے سلطان کے قاصد کو قتل کرنے سے بھی احتراز نہ کیا۔ سلطان سلیمان خان کا یہ ایلچی سالانہ جزیہ لینے گیا تھا جو ہنگری کے ذمہ تھا۔ سو اس جسارت کے جواب میں سلطان سلیمان خان نے 1521ء کو ہنگری پر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ فوج کشی کی۔ ہنگری سے مسلسل کئی معرکے ہوئے اور بالآخر ترکوں نے موہاکس کے میدان میں 1526ء کو ہنگری کے خلاف بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ 11 ستمبر 1526ء کو سلطان ''بودا'' کے شہر میں داخل ہوا۔ لیکن اس کے باوجود ہنگری والوں کی طرف سے مزاحمت ہوتی رہی۔ سلطان نے اپنا دباؤ جاری رکھا حتیٰ کہ رومن شہنشاہیت کے مقدس دارالحکومت فینا کی فصیلوں تک سپاہی پہنچ گئے۔ یہ 1529ء کا واقعہ ہے۔ لیکن مواصلاتی لائنوں کی طوالت اور چارلس کانٹ کے فرانس سے صلح کر کے عثمانیوں کا راستہ روکنے کے لئے آنے کی وجہ سے سلیمان اس دارالحکومت کو فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اور وہاں سے لوٹ آیا۔ لیکن سلیمان اور ہنگری کی مددگار یورپی فوجوں کے درمیان سلیمان کی وفات تک جنگ کا سلسلہ چلتا رہا۔

سلیمان قانونی کے عہد حکومت کا سب سے اہم تاریخی واقعہ یہ ہے کہ ان کی خارجہ پالیسی میں ایک خاص تبدیلی آئی اور وہ تبدیلی یہ تھی کہ فرانسو کے ساتھ اس کی دوستی دشمنی میں تبدیل ہوگئی۔(2)

ایک دوسرے کے قریب ہونے کی عثمانی اور فرانسیسی پالیسی

سلطان سلیمان قانونی کا دور دولت عثمانیہ کی قوت اور دنیا کے تمام ممالک میں اپنی قدر و منزلت کے حوالے سے انتہائی عروج کا دور ہے۔ یہ دور، دولت عثمانیہ کا سنہری دور خیال کیا جاتا ہے ان کے اقتدار کے کچھ سالوں (926ھ تا 972ھ

1۔ الشعوب الاسلامیہ، ڈاکٹر عبدالعزیز نوار ص 147

2۔ الشعوب الاسلامیہ، ڈاکٹر عبدالعزیز نوار: ص 147

بمطابق 1520ء تا 1566ء) میں تو مملکت کی حدود میں وہ کمال وسعت ہوئی جس کی مثال پہلے کسی سلطان کے دور میں نہیں ملتی۔ دولت عثمانیہ دنیا کے تین براعظموں میں پھیل چکی تھی۔ اس شان وشوکت کے اثر کا دنیا کے دوسرے ملکوں پر پڑنا ایک فطری امر تھا۔ بالخصوص یورپ کے ملکوں پر جو سیاسی اور دینی لحاظ سے تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہے تھے۔ اس لئے دولت عثمانیہ کے بارے یورپی ممالک کا موقف حسب حال مختلف تھا۔ رومن ایمپائر کے فرمانروا'' چارلس پنجم اور شاہ فرانس فرانسو اول دونوں مقدس رومن ایمپائر کے تخت کے لئے آپس میں مقابلہ کر رہے تھے جبکہ پوپ لیو دہم، پروٹیسٹینٹ فرقہ کے بانی مارٹن لوتھر کے مدمقابل تھا جو جرمنی کا راہب تھا۔(1)

بلغراد اپنے کم سن بادشاہ لویس ثانی کی وجہ سے داخلی افراتفری کا سامنا کر رہا تھا اور بادشاہ کی کم سنی کی وجہ سے امراء کے درمیان رسہ کشی جاری تھی۔(2)

اس لئے فرانسو اول نے دولت عثمانیہ کی قوت اور مرتبہ سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ترکوں سے خیر سگالی اور محبت کے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ دولت عثمانیہ ہی چارلس خامس کی خواہشات کو پورا ہونے سے روک سکتی ہے اور اسے اپنی حد میں رکھ سکتی ہے۔ یہ بات فرانس کے سفیر فینسی کے بیان سے سامنے آتی ہے جس نے فرانس کے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا: ''محترم سفیر میں اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ میں اس چیز کو شدت سے چاہتا ہوں کہ ترکوں کو بہت ہی طاقتور اور جنگ کے لئے تیار دیکھو۔ صرف عثمانی سلطان کے ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ شہنشاہ چارلس کی طاقت کو کمزور کرنے، اس کے اخراجات کو بڑھانے اور چارلس جیسے بڑے دشمنوں کے خلاف تمام حکومتوں کو تحفظ مہیا کرنے کے لئے۔(3)

فرانس کے دولت عثمانیہ کے ساتھ مذاکرات بافیا کی جنگ کے بعد شروع ہوئے جس میں فرانس کا بادشاہ ''فرانسو اول'' گرفتار ہو گیا۔ یہ 1525ء کے عرصہ کا واقعہ ہے۔ اور اس کی والدہ اور ولی عہد نے اپنا ایلچی'' جون فرانجیپانی'' سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ اس ایلچی کے پاس گرفتار شدہ بادشاہ کے خط کے علاوہ اس کی والدہ کی طرف سے لکھا ہوا خط بھی تھا۔ انہوں نے ان خطوط میں مطالبہ کیا تھا کہ دولت عثمانیہ کی فوج ہابسبرج کے خاندان پر حملہ آور ہو اور گرفتار شدہ بادشاہ کو رہائی دلائے۔(4)

باوجود اس کے کہ یہ جنگی قیدی اس معاہدہ کی وجہ سے رہا ہوا جو مدرید میں فرانس اور ھابسبرج کے درمیان 1526ء کو طے پایا تھا۔ لیکن رہائی کے بعد فرانسوا نے 941ھ، 1535ء کو اپنا سیکرٹری سلطان کی خدمت میں بھیجا تا کہ معاہدہ کو عملی شکل دی جا سکے۔ اس سیکرٹری کا نام'' جان ڈی لافوریہ'' تھا اور اس معاہدہ کو بعد میں'' عثمانی اور فرانسیسی مراعات کا معاہدہ'' کہا جانے لگا۔ اس بات کے پیش نظر کہ بعد میں اس معاہدہ کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی ہم اس کی اہم شقیں یہاں ذکر کرتے ہیں۔

1. مسلح اور غیر مسلح جہازوں کی آزادانہ نقل وحرکت۔

1۔ دراسات متميزه، یوسف ثقفی: ص 92
2۔ دراسات متميزه، یوسف ثقفی: ص 92
3۔ موقف اوربة من الدولة العثمانیہ: ص 47
4۔ موقف اوربة من الدولة العثمانیہ: ص 47

❷ دولت عثمانیہ کے ہر حصہ میں فرانسیسیوں کو تجارت اور کاروبار کی مکمل آزادی۔
❸ دولت عثمانیہ کو کسٹم ڈیوٹی اور دوسرے ٹیکسز صرف ایک بار دیے جائیں گے۔
❹ دولت عثمانیہ میں فرانسیسی صرف وہی ٹیکسز ادا کریں گے جو وہاں کی ترک رعایا ادا کرتی ہے۔
❺ کونسل سے متعلق امور کی نمائندگی کا حق اور کونصلیٹ کے تحفظ کا حق فرانسیسی کونسلر اس کے اقرباء اور اس کے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگوں کو حاصل ہوگا۔
❻ فرانسیسی کونسل کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ ان شہری اور جنائی معاملات میں جن کا تعلق شاہ فرانس کی رعایا کے دو فریقوں سے ہو غور وفکر کرے اور ان معاملات میں اپنا فیصلہ سنائے۔ کونسل کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لئے مقامی اداروں سے مدد حاصل کرے۔
❼ ایسے مختلف مسائل جن کے دو فریقوں میں سے ایک فریق کا تعلق سلطان عثمانی کی رعایا سے ہوگا سلطان کی رعایا کا فریق فرانسیسی شہری کے خلاف نہ تو مقدمہ کر سکے گا اور نہ اس کی درخواست منظور ہوگی اور نہ ہی اس کی درخواست پر کوئی حکم سنایا جائے گا الا یہ کہ فرانسیسی کونسل کا ترجمان وہاں موجود ہو۔
❽ شاہ فرانس کی رعایا کے مشوروں کو قبول کیا جائے گا اور حکم سناتے وقت ان سے فائدہ حاصل کیا جائے گا۔
❾ شاہ فرانس کی رعایا کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔
❿ شاہ فرانس کی رعایا کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔

اس معاہدہ کے نتیجے میں فرانس اور دولت عثمانیہ کی بحریہ میں تعاون پہلے سے زیادہ ہوگیا اور عثمانی بحریہ نے نابولی کے ملک پر تابڑ توڑ حملے کیے جو چارلس کانٹ کے زیرنگیں تھا۔ 1543ء میں عثمانی اور فرانسیسی بحریہ کی یونٹوں نے مل کر ''نسیر'' پر ہلہ بولا جو ڈوق سافوی کے زیرنگیں تھا۔ یادرہے ڈوق سافوی چارلس کانٹ کا حلیف تھا۔(1)

فرانس نے دولت عثمانیہ کے قرب کی وجہ سے عسکری، اقتصادی اور سیاسی ہر تینوں شعبوں میں خوب خوب استفادہ کیا اور مذکورہ بالا معاہدہ کے ذریعے فرانس نے مشرق کے ساتھ تجارتی روابط قائم کیے اور اسے پرتگال کی تجارتی اجارہ داری جو اس نے ''راس الرجاء الصالح'' کے راستے کے انکشاف کے بعد قائم کر رکھی تھی اس کے سامنے نہ جھکنا پڑا۔ اس معاہدہ کی بدولت دوسری مغربی ملکوں کی رعایا نے فرانس کی حمایت حاصل کر کے کافی سارے تجارتی حقوق حاصل کر لئے اور اس چیز نے فرانس کو یورپی ملکوں میں بڑی قدر ومنزلت کا مقام دیا۔

لیکن افسوس کہ اس معاہدہ سے دولت عثمانیہ کی رعایا کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ گویا یہ معاہدہ صرف مغربی مقاصد کی پاسداری اور دشمن ملکوں کے مفادات کو یقینی بنانے کے لئے کیا گیا تھا اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر مقابل نہیں تھا۔ بعد میں جتنے بھی معاہدہ ہوئے ان میں اسی معاہدہ کو بنیاد بنایا گیا اور یوں مغرب نے دولت عثمانیہ سے بے انداز فوائد حاصل کیے جبکہ مسلمانوں

1۔ موقف اوربة من الدولة العثمانية، ص 47

کوان معاہدوں سے کوئی قابل ذکر فائدہ نہ پہنچا۔(1)

فرانس کا بادشاہ رائے عامہ کی وجہ سے دولت عثمانیہ کے ساتھ کیے گئے اس معاہدہ پر قائم نہ رہ سکا۔ اس نے مجبوراً رائے بدل لی اور معاہدہ توڑ دیا۔ فرانس نے ایک بار پھر عثمانی تائید وحمایت کی درخواست کی لیکن دوسری مرتبہ پھر رائے عامہ کے دباؤ کی وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ تاریخی حقیقت یہ کہتی ہے کہ صلیبی جو اسلام کے دشمن ہیں ناممکن ہے کہ کسی بڑے چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے ایک دوسرے کو تنہا چھوڑ دیں اگرچہ ذاتی مفادات اور خواہشات کی بدولت وہ ایک دوسرے سے بظاہر کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔

اسلام کے دشمن متعصب صلیبیوں کے معاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ظاہر ہے(2) جب بھی وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان کمزور ہیں تو وہ فوراً پینترا بدل لیتے ہیں اور مسلمانوں کو گزند پہنچانے کے بارے سوچنے لگتے ہیں۔ نصرانی عوام اپنے کسی حاکم کو خواہ اس کی اپنی سوچ کیسی ہی ہو اور اس کے اپنے نظریات جو بھی ہوں یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرے۔ نصرانیوں کے آپس کے اختلاف کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں وہ مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جانے میں دیر نہیں کرتے اور جب بھی موقعہ ملے اور جہاں بھی بس چلے مسلمانوں کی نسل کشی سے احتراز نہیں کرتے۔(3)

یہ خصوصی مراعات جو دولت فرانس کو دی گئیں دولت عثمانیہ کے تابوت میں پہلا کیل ثابت ہوئیں اور اس کے تباہ کن اثرات بہت بعد میں ظاہر ہوئے۔

دولت عثمانیہ کے آخر دور میں نصرانی ممالک انہیں امتیازات اور مراعات کی بنیاد پر مسلمانوں کے معاملات میں دخل دینے لگے اور ان نصرانیوں کے دفاع کے لئے جو دوسری مملکت کے شہری شمار ہوتے تھے بالخصوص شام کے علاقوں میں ان کا عمل دخل بہت بڑھ گیا تھا۔(4)

چوتھی بحث

دولت عثمانیہ اور شمالی افریقہ

اندلس سے مسلمانوں کی اجتماعی ہجرت اور شمالی افریقہ میں ان مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی آمد شمالی افریقہ کی ولایات میں بے شمار معاشرتی اور اقتصادی مسائل کا سبب بنی۔ چونکہ ان علاقوں کی طرف ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں میں ایک بہت بڑی تعداد جہاز رانوں کی تھی اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ایسے مناسب ذرائع کا کھوج لگایا جائے جن کے ذریعے انہیں استحکام بخشا جا سکتا ہو۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر ان جہاز رانوں نے بحر متوسط میں مسیحی فوجوں کے خلاف جہاد

1۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیہ: ص 47

2۔ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (الانفال)

3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر علی حسون: ص 75

4۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 78,77

کی راہ اختیار کی۔ ان وجوہات میں سب سے اہم وجہ ان کا دینی جذبہ تھا۔ کیونکہ اسلام اور نصرانیت کے درمیان نزاع جاری تھا۔ اندلس سے مسلمانوں کو نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اور ہسپانیوں اور پرتگالیوں نے مسلمانوں کا شمالی افریقہ تک پیچھا کیا تھا۔

ان مسلمان جہاز رانوں کی جنگی کارروائیاں ہسپانیہ اور پرتگال کی فوجیوں کے خلاف ایک غیر منظم جنگ کا نقشہ پیش کرتی رہیں حتیٰ کہ خیر الدین اور عروج باربروسہ دو بھائی سامنے آئے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسلامی فوجوں کو الجزائر میں متحد کیا اور شمالی افریقہ کے شہروں اور بندرگاہوں کی طرف دشمنان دین کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لئے متحد حملے کیے۔

اس جدید اسلامی فوج نے اپنی اس سمندری جنگ میں گوریلا طریقہ جنگ کو اختیار کیا۔ کیونکہ یہ لوگ ہسپانیوں پرتگالیوں اور یوحنا مقدس کے گھوڑ سواروں کے ساتھ اپنی قلت تعداد کی وجہ سے روبرو منظم جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان مجاہدوں نے بڑی کامیاب کارروائیاں کیں جن کی وجہ سے دشمن فوجوں میں اضطراب اور خوف کی لہر دوڑ گئی۔ پھر انہوں نے اپنی دوررس نگاہوں سے دیکھا کہ دولت عثمانیہ کے جھنڈے تلے آ کر متعصب نصرانیوں کے خلاف متحد کارروائیاں کر کے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔

یورپی مؤرخین نے بحر متوسط کی اس جہادی تحریک کی حقیقت کے بارے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مغربیوں نے انہیں سمندری ڈاکو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے(1)۔ اسی طرح ان کے اہم ترین قائدین کی اصل کے بارے بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی خیر الدین اور اس کا بھائی عروج۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے کردار ان کی اصلیت اور سلطان سلیم اور سلطان سلیمان قانونی کے دور حکومت میں بحر متوسط کے اندر اس تحریک کے یورپ پر اثرات کا جائزہ پیش کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

عروج اور خیر الدین کی اصلیت

ان دونوں بھائیوں کا نسب مسلمان ترکوں سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد یعقوب بن یوسف ان مسلمان ترک فاتحین میں سے تھے جو ارخبیل (2) کے جزیروں میں سے مدللی نامی ایک جزیرہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ اندلس کی مسلمان خاتون تھیں۔ اس بات میں اس سیدہ کا بھی ہاتھ ہے کہ ان کے بیٹوں نے اپنی سرگرمیوں کا رخ ان اندلسی علاقوں کی طرف پھیر دیا جو ہسپانیوں اور پرتگالیوں کے شکنجے میں کراہ رہے تھے(3)۔ عروج اور خیر الدین کے دوسرے دو بھائی بھی مجاہد تھے اور وہ تھے اسحاق اور محمد الیاس۔ درج ذیل دلائل کی بناء پر مسلم مورخین نے انہیں اسلامی الاصل قرار دیا ہے۔

❶ پہلی دلیل تو وہ ہے جس کا ذکر الجزائر کے مورخ احمد توفیق مدنی نے کیا ہے۔ انہوں نے آثار قدیمہ کو بنیاد بنایا ہے ان کے بقول الجزائر میں ابھی تک ایسی دو چیزیں موجود ہیں جن کو دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز سنگ مرمر کی وہ تختی ہے جو شرشال کے قلعے کے دروازے پر رکھی ہوئی ہے اور دوسری سنگ مرمر کی وہ تختی ہے جو الجزائر کے دار الحکومت میں واقع

1۔ دیکھیے "مسلمانان اندلس کی تاریخ" ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور (مترجم)

2۔ المغرب فی بدایۃ العصور الحدیثۃ، ڈاکٹر صلاح العقاد: ص 37

3۔ حرب الثلاثمۃ سنۃ بین الجزائر واسبانیا: ص 161,160

مسجد شواس کے دروازے پر نصب ہے۔ پہلی تختی پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم و صلی اللہ علی سیدنا محمد والہ۔ یہ شرشال کا برج ہے جس کی تعمیر مجاہد محمود بن فارس ترکی نے امیر حاکم بامر اللہ مجاہد فی سبیل اللہ اوروج بن یعقوب کی خلافت میں ان کی اجازت سے 1518ء میں ہوئی" کے الفاظ نقش ہیں جبکہ دوسری تختی پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔" اوروج ابن ابی یوسف یعقوب ترکی" ایک تیسری تختی بھی ملی ہے جس پر کسی عمارت کی تاریخ تعمیر کندہ ہے جس کی بنیاد خیر الدین نے الجزائر میں 1520ء میں رکھی تھی۔(1)

● عروج کا لفظ معراج سے تعلق رکھتا ہے اس بات سے اس قول کو تقویت ملتی ہے کہ عروج کی پیدائش معراج شریف کی رات کو ہوئی اور اسی مناسبت سے ان کا نام رکھا گیا۔ ترک عروج کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے وہ اسے "اوروج" بولتے ہیں۔(2)

● عروج اور خیر الدین دونوں بھائیوں نے جو کردار ادا کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کو بے حد پسند کرتے تھے اور شمالی افریقہ پر یورپی حملوں کو روکنے میں بڑے حریص تھے۔ عروج برادران نے نصرانی حملوں کے خلاف بحری مہمات میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ انہیں کی کوششوں کی بدولت شرشال، وھدانی، الجزائر اور بجایہ سولہویں صدی کے اہم ترین بحری مرکز بن گئے جہاں سے بحری مہمات روانہ ہوتی تھیں اور یورپ کے علاقوں کو تاراج کرتی تھیں۔ اندلس کے مسلمان ملاح اور جہاز ران جب اس تحریک میں شامل ہوئے تو اس نے پہلے سے کہیں زیادہ تقویت حاصل کر لی کیونکہ ان مہاجرین کو بحری علوم وفنون اور جہاز سازی کی صنعت میں خاصا تجربہ تھا۔(3)

نصرانی حملوں کے خلاف دونوں بھائیوں کا مجاہدانہ کردار

عروج اور خیر الدین صغرسنی سے بحری جہاد میں شریک ہو گئے۔ شروع شروع میں ان کی کارروائیاں بحر ارخبیل تک محدود رہیں جہاں وہ 1510ء میں پیدا ہوئے۔ لیکن سولہویں صدی عیسوی میں جب صلیبی اور مسلمان فوجوں کے درمیان جنگ و جدل نے شدت اختیار کی تو یہ دونوں بھائی شمالی افریقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی جنگی کارروائیوں کا رخ ان علاقوں کی طرف پھیر دیا۔ یہ وہ وقت ہے جب ہسپانیہ اور پرتگال شمالی افریقہ کے بہت سارے بحری مراکز اور بندرگاہوں پر اپنا جھنڈا لہرا چکے تھے۔(4)

عروج اور خیر الدین دونوں بھائیوں نے مسیحی بحری قذاقوں کے مقابلے میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں جن کی بدولت وہ یہاں کی کمزور اسلامی طاقتوں کی آنکھ کا تارہ بن گئے۔ شاید انہیں جنگی کارروائیوں کی بدولت "سلطان حفصی" نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ تیونس کے ایک غیر آباد جزیرہ کو اپنا مرکز بنائیں اور صلیبیوں کے خلاف جنگ آزما ہوں۔ سلطان حفصی ہسپانیہ کے حملوں سے تنگ آ چکا تھا۔ اور مجبوراً اس نے اس سے دب کر صلح کر لی تھی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان علاقوں میں ان دونوں بھائیوں کی مدد اور ان کے اثر ورسوخ کی بدولت ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے الجزائر کی

1۔ حرب الثلاثمائة سنة بين الجزائر واسبانيا: ص 161,160
2۔ الدولة العثمانية العلية: ص 95
3۔ قراءة جديدة في التاريخ العثماني: ص 80,79
4۔ الدولة العثمانية، ڈاکٹر علی حسون: ص 53

حکومت ان دونوں بھائیوں کے حوالے کر دی اور پڑوس کی بعض دوسری اقالیم پر بھی ان کا جھنڈا لہرانے لگا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ عروج اور اس کے بھائی کا الجزائر میں داخل ہونا اور اس علاقے پر ان کا حکومت کرنا سلطان کی رغبت اور خوشی سے نہیں تھا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض طاقتیں ہمیشہ ان دونوں بھائیوں اور ان کے مددگار ترکوں کو جلاوطن کرنے کے لئے کوشاں رہیں۔ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ عروج اور اس کا بھائی الجزائر خود بخود نہیں آئے تھے بلکہ وہاں کے باسیوں نے ان سے آنے کی درخواست کی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ہسپانیہ ان علاقوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ باربروسہ برادران انہیں ان حملوں سے بچائیں۔ رہے وہ لوگ جو الجزائر میں ان کی موجودگی کو ناپسند کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی جلاوطنی کے خواب دیکھتے رہے تھے تو وہ ان حاکموں کے نمائندہ تھے جو یہاں حکومت واقتدار کے خواہاں تھے۔ دونوں بھائیوں کی موجودگی میں ان کی دال نہیں گلتی تھی کیونکہ باربروسہ برادران کی وجہ سے یہاں کی مسلم آبادی متحد ہو چکی تھی۔ جبکہ ان کے یہاں آنے سے پہلے ان علاقوں میں بھی اندلس کی سی طوائف الملوکی پائی جاتی تھی۔

ملک کی غالب اکثریت دونوں بھائیوں کی حامی تھی اور ان علاقوں کی اکثر آبادی نے صلیبی حملوں کے خلاف باربروسہ برادران کی جنگی مہمات میں شرکت کی۔ اسی طرح کئی مقامی حکام جن کو ہسپانیہ کی طرف سے کیے جانے والے صلیبی حملوں کا احساس تھا انہوں نے بھی ان برادران کی پوری پوری حمایت کی۔(1)

باربروسہ برادران کا کردار 1512ء کے عرصہ میں کی جانے والی ان کوششوں سے واضح ہو جاتا ہے جو بجایہ کو ہسپانوی قبضہ سے نجات دلانے کے لئے کی گئیں۔ 1514ء میں جب باربروسہ برادران الجزائر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے اور ہسپانیہ کی حلیف فوجوں کو یہاں سے مار بھگایا تو انہوں نے جیجل کی بندرگاہ کو اپنی کارروائیوں کا مرکز بنایا جو الجزائر کے مشرق میں واقع ہے تاکہ وہ یہاں سے ایک طرف بجایہ کی آزادی اور دوسری طرف اندلس کے مسلمانوں کی مدد کے لئے جنگی کارروائیاں کر سکیں۔

لگتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو کسی طاقتور اتحاد کا سامنا تھا جس کے نتیجے میں انہیں متعدد منظم جنگیں لڑنا پڑیں۔ حالانکہ وہ ایسی جنگ کے عادی نہیں تھے۔ لیکن مجبوری تھی کیونکہ الجزائر کے استحکام کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔ اس پر 1518ء میں عروج کی شہادت ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ خیر الدین کو اب کسی ایسے حلیف کی ضرورت تھی جو اس کی مدد کرے تاکہ وہ الجزائر پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کر سکے اور سلسلہ جہاد کو آگے بڑھا سکے۔ دولت عثمانیہ سب سے زیادہ طاقتور مملکت تھی جس کے ساتھ اتحاد کر کے خیر الدین اپنی آرزوؤں کی تکمیل کر سکتا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ دولت عثمانیہ بحر متوسط میں بھرپور کردار ادا کر رہی تھی اور دوسرے اس وجہ سے کہ شمالی افریقہ کی مقامی طاقتیں اس کی ہمدرد تھیں اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔(2)

دولت عثمانیہ فتح قسطنطنیہ کے بعد سے یورپ کے خلاف مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہی تھیں۔ خیر الدین کا اس سے اتحاد

1۔ المغرب فی بدایۃ العصور الحدیثۃ: ص 38,39
2۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیھا (902/2)

مقامی طاقتوں کی نظر میں اس کی مقبولیت کو دو چند کر سکتا تھا۔

اس کے علاوہ جب خیر الدین نے دولت عثمانیہ سے امداد طلب کی تھی تو اس نے انہیں امداد دینے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی اور اس بات کا بھی عندیہ دیا تھا کہ اگر خیر الدین نصرانیوں کے خلاف کردار ادا کرے گا تو اسے مزید امداد بھی دی جائے گی۔ اسی طرح اندلس میں رہ جانے والے مسلمانوں کو امداد دینے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ دین اور نظریے کی یکجہتی نے دونوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب کر دیا اور اس نظریاتی اتحاد نے دولت عثمانیہ کو جمہوری تائید حاصل کرنے میں بڑی مدد دی چنانچہ یہاں کی آبادی خیر الدین اور دولت عثمانیہ کے مابین اس تحالف اور تقرب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔(1)

دوسری طرف سلطان سلیم کے دور حکومت میں دولت عثمانیہ کے حالات اس معاہدہ کے لئے بالکل موزوں تھے۔ بالخصوص جب عثمانی فوجوں نے عربی مشرق کی طرف رخ کر لیا تھا اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اس رجحان کو اختیار کرنے میں اس کا سب سے بڑا ہدف پرتگالیوں، ہسپانیوں اور یوحنا مقدس کے گھوڑ سواروں کی کارروائیوں کا راستہ روکنا تھا۔ ظاہر ہے دولت عثمانیہ ایسی کسی بھی طاقت سے معاہدہ کر سکتی تھی جو اس کے اہداف میں اس کی مددگار ثابت ہو۔(2)

عثمانیوں کے ساتھ معاہدہ

علماء تاریخ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ عثمانیوں اور باربروسہ برادران کے درمیان معاہدہ کی ابتداء کب ہوئی۔ بعض مراجع ذکر کرتے ہیں کہ ساحل افریقہ کی طرف ان دونوں بھائیوں کو سلطان سلیم ہی نے بھیجا تھا۔ کیونکہ شمالی افریقہ نے سلطان سے امداد طلب کی تھی اور انہوں نے ان کی درخواست منظور کی تھی۔ اگرچہ یہ روایت مورخین میں زیادہ مقبول نہیں ہے لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عثمانی بحر متوسط کے حالات سے غافل نہیں تھے(3)۔ اور وہ اس علاقے میں ہسپانیوں اور پرتگالیوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنا چاہتے تھے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ فریقین کے درمیان طے پانے والے اس تحالف کی ابتداء 1514ء میں اس وقت ہوئی جب عروج اور خیر الدین نے ''جیجل'' کی بندرگاہ کو فتح کیا اور دونوں بھائیوں نے سلطان سلیم اول کی خدمت میں قیمتی تحائف بھیجے جن پر انہوں نے شہر کو فتح کرنے کے بعد قبضہ کیا تھا۔ سلطان نے ان تحائف کو قبول کر لیا اور جواباً اپنی طرف سے چودہ جنگی جہاز مع سازو سامان اور سپاہیوں کے بھیجے (4)۔ سلطان کی طرف سے اس طرح کا جواب دونوں بھائیوں کی جنگی کارروائیوں کے تسلسل میں ان کی رغبت کا آئینہ دار ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس تحریک کے ساتھ عثمانیوں کا تعاون 1518ء میں عروج کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ جس وقت کہ 1519ء میں عثمانی سلطان مصر سے واپس استنبول لوٹے۔(5)

لیکن جس رائے کو زیادہ ترجیح حاصل ہے وہ یہ ہے کہ عثمانیوں اور اس تحریک کے درمیان روابط عروج کی شہادت سے

1۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ مفتری علیھا (902/2)
2۔ قرأۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 83
3۔ قرأۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 83
4۔ ایضاً ص 84
5۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ: (909/2)

پہلے تھے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے جب عثمانیوں نے شام اور مصر کو فتح کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ "بجایہ" کی ناکامی کے بعد دونوں بھائیوں نے عثمانیوں کے ساتھ معاہدہ اور ان کی مدد کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ اسی طرح جب "جیجل" میں ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور حفصی فوجوں جو ہسپانیوں کی حلیف تھیں اور "سالم تومی" حاکم الجزائر کی فوجیں جنہیں ہسپانیوں کی مدد حاصل تھی دونوں بھائیوں کے خلاف برسر پیکار تھیں ہسپانوی اور مقدس یوحنا کے گھوڑ سواران کے علاوہ تھے جنہوں نے سمندر میں ان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو ایسے میں عثمانی امداد پہنچنا کسی نعمت سے کم نہیں تھا' اس امداد کی وجہ سے دونوں بھائیوں کی جنگی کارروائیوں کو خاصی مدد ملی اور وہ اس قابل ہو گئے کہ الجزائر میں داخل ہوں۔ عثمانیوں نے دونوں بھائیوں سے اس بات پر اتفاق کیا کہ انہیں جس قدر ممکن ہو جلد از جلد الجزائر میں داخل ہو جانا چاہیے کیونکہ دیر ہونے کی صورت میں اندیشہ تھا کہ ہسپانی داخل ہو جائیں گے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ جگہ بڑی اہمیت کی حامل تھی اور دوسری طرف بجایہ وغیرہ کی طرح ہسپانوی قبضہ میں واقع اسلامی بندرگاہوں پر تخریبی کارروائیوں کے لیے اسے مرکز بنایا جا سکتا تھا۔

عثمانی امداد کی بدولت عروج الجزائر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ یہاں کے حاکم نے ہسپانیہ سے امداد طلب کی ہے تو انہوں نے حاکم کو قتل کر کے قصہ پاک کر دیا۔ عروج نے شرشال کی بندرگاہ کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس طرح الجزائر کی فضا اس کے حق میں سازگار ہو گئی۔ جس سال عثمانی فوجوں کے مقابلے میں مملوکیوں کو شکست ہوئی' اسی سال یعنی 1516ء میں الجزائر میں عروج کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔(1)

اگر سلطان عثمانی حوصلہ افزائی نہ کرتا اور مقامی لوگوں کی امداد کے ساتھ ساتھ دولت عثمانیہ کی طرف سے امداد نہ پہنچتی تو دونوں بھائیوں کے لیے اتنی شاندار فتوحات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے یہ دونوں بھائی مخالف فوجوں کے مقابلہ میں' بجایہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے تھے۔(2)

ہسپانیوں اور مقامی مخالف سرداروں پر فتوحات حاصل کرنے کے بعد جب خیر الدین کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو وہ کئی ریاستوں اور بندرگاہوں کے رہنے والوں کی امیدوں کا مرکز بن گیا جو ابھی تک ہسپانیہ یا اس کے امراء کے زیر نگیں تھیں' سب سے پہلے جن لوگوں نے خیر الدین سے مدد کی درخواست کی وہ تلمسان کے لوگ تھے' اگرچہ مقامی لوگوں کا خیر الدین سے امداد طلب کرنا ہی اس بات کے لیے کافی تھا کہ خیر الدین تلمسان کے امور میں مداخلت کرتا۔ مگر تلمسان کے موقع کی اہمیت کے پیش نظر یہ چیز الجزائر میں خیر الدین کی موجودگی کو ناسازگار بنا دیتی چنانچہ اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ مقامی لوگ مدد کی درخواست کریں وہ خود اس معاملے میں اپنا عمل دخل شروع کر دے اور ان لوگوں کا مدد طلب کرنا اس کام کو جلدی سرانجام دینے میں اس کی مدد کرے گا۔

خیر الدین نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا' 1517ء میں اس کی قیادت کرتے ہوئے تلمسان کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کی طرف جانے والے راستے کو پرامن بنا دیا جب خیر الدین تلمسان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تو اس کے بعد دوبارہ

1- حرب الثلاثمئة سنة بين الجزائر واسبانيا: ص (174-175) 2- قراءة جديدة في تاريخ العثمانيين: ص 58

ہسپانیوں اور ان کے امراء بنی حمود نے اسے واپس لے لیا' اس لڑائی میں خیر الدین کا ایک بھائی اسحاق شہید ہو گیا' اسی طرح عروج اور اس کے بہت سارے آدمی شہر کے محاصرے کے دوران شہید ہو گئے' یہ محاصرہ چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ 1518ء تک باقی رہا۔

اس واقعہ کا خیر الدین کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے الجزائر کو خیر باد کہنے کے بارے سوچنا شروع کر دیا لیکن یہاں کے لوگوں کی منت سماجت سے اس نے الجزائر کو چھوڑ دینے کا خیال ترک کر دیا' اب اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ کوشش کرے' کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ہسپانوی اور اس کے مددگار اس پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ دولت عثمانیہ سے مزید ربط وضبط پیدا کیا جائے' بالخصوص مصر اور شام پر اس کے قبضہ کے بعد۔ یہی وجہ تھی کہ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے۔(1)

الجزائر کے لوگوں کا سلطان سلیم اول کے نام خط اور ان سے مدد کی درخواست

پروفیسر ڈاکٹر عبدالجلیل تمیمی نے ایک ترکی دستاویز کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ دستاویز "طوب قابی سرائے" استنبول کے میوزیم میں موجود ہے جس کا نمبر ہے' 4656۔ یہ دستاویز ایک خط سے عبارت ہے جو الجزائر کے لوگوں کی طرف سے لکھا گیا ان میں ہر درجہ کے لوگ تھے۔ یہ خط ماہ ذی القعدہ کے اوائل 925ھ بمطابق 26 اکتوبر سے 3 نومبر 1519ء میں خیر الدین کے حکم سے سلطان سلیم اول کے نام اس وقت لکھا گیا جب وہ مصر اور شام سے استنبول واپس پہنچ چکے تھے' اس خط کا مقصد الجزائر کا دولت عثمانیہ سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ خط میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ خیر الدین استنبول جانے کا بذات خود خواہش مند تھا تا کہ وہ خود سلطان سلیم سے الجزائر کے مسئلہ کی اہمیت کے بارے گزارش کرے لیکن شہر کے بزرگوں نے انہیں الجزائر میں رہنے کا مشورہ دیا تا کہ دشمن اگر کوئی حرکت کرے تو اس کا جواب دیا جا سکے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ ایک سفارت بھیجی جائے جو ان کی نمائندگی کرے۔ یہ سفارت جو خط لیکر گئی اس کو قاضیوں' خطیبوں' فقیہوں' اماموں' تاجروں' سرداروں اور الجزائر شہر کے تمام شہریوں کی حمایت حاصل تھی۔ خط میں دولت عثمانیہ کے ساتھ محبت پر مبنی جذبات کا اظہار کیا گیا تھا۔ عظیم فقیہ اور عالم استاد ابوالعباس احمد بن قاضی وفد کے نمائندہ تھے۔ ابوالعباس الجزائر کے سب سے بڑے عالم دین تھے' اس کے علاوہ وہ سپہ سالار اور سیاسی بزرگ رہنما بھی تھے۔ ابوالعباس واقعی اس قابل تھے کہ ملکی صورت حال کی تصویر کشی کریں اور ان خطرات سے سلطان سلیم کو آگاہ کریں جو انہیں چاروں طرف سے گھیر چکے تھے۔

وفد نے عروج کی دفاعی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا۔ کیسے اس نے دین کی مدد کی؟ مسلمانوں کی حمایت کی؟ انہوں نے عروج کی جہادی سرگرمیوں' تلمسان میں محاصرہ کے دوران ہسپانیوں کے ہاتھوں ان کی شہادت' ان کے بھائی مجاہد فی سبیل اللہ ابوالتقی خیر الدین کی جانشینی ان سب چیزوں کو بالتفصیل سلطان سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ خیر الدین نے ہمارا دفاع کیا' ہم نے ان کی طرف سے کبھی بے انصافی اور ظلم نہیں دیکھا' انہوں نے ہمیشہ شریعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی

1۔ قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 58

پابندی کی ہے‘ وہ تمہارے بلند مقام کو تعظیم اور تکریم سے دیکھتے ہیں‘ وہ اپنی جان و مال کو رب العالمین کی رضا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں‘ ان کی انتہائی خواہش ہے کہ تمہاری یہ عظیم سلطنت اپنے مقام و مرتبہ کا اظہار کرے اور ہمیشہ ایک طاقتور سلطنت کی صورت میں باقی رہے‘ ہم اس سے محبت خالص رکھتے ہیں‘ ہم اس کے ساتھ ثابت قدم ہیں‘ ہم اور ہمارے امیر تمہاری عظیم درگاہ کے خادم ہیں۔ اقلیم بجایہ‘ مغرب اور مشرق کے لوگ آپ کی خدمت عالی میں دست بستہ غلام ہیں‘ حامل عریضہ آپ کی خدمت میں اس ملک کے تمام حالات و واقعات پیش کریں گے۔ والسلام۔(1)

مذکورہ بالا خط ایک محقق کے سامنے دولت عثمانیہ کے بارے الجزائر کے لوگوں کے تاثرات کو بالکل واضح کر دیتا ہے‘ ان تاثرات میں چند حسب ذیل ہیں۔

☆......خیر الدین شمالی افریقہ میں ایک بہترین مسلمان حاکم کی مثال پیش کر رہا تھا وہ اسلامی شریعت کی تعلیمات کا احترام کرتا تھا اور ان کا نفاذ کرتا تھا۔ شریعت کو اس نے اپنی حکومت کا منہاج اور عدل و انصاف کو قانون بنایا ہوا تھا۔

☆......اس کی سرگرمیوں کا محور و مرکز نصرانیوں کے خلاف جنگی کارروائیوں کی قیادت کرنا تھا۔

☆......اس کے دل میں عثمانی سلطنت اور اس کے سلطان کا پورا ادب و احترام موجود تھا۔

☆......خط ظاہر کرتا ہے کہ الجزائر کے تمام لوگ متفق و متحد تھے اور ان کا ہدف بالکل واضح تھا۔(2)

الجزائر کے لوگوں کی درخواست پر سلطان کا لبیک کہنا

سلطان سلیم نے خیر الدین کو فوراً بکلر بک (یہ ایک بڑا عہدہ ہے) کا رتبہ دیا اور وہ اپنی اقلیم میں مسلح افواج کا سب سے بڑا سپہ سالار بن گیا جو سلطان کی نمائندگی کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی الجزائر دولت عثمانیہ کی حکومت کے ماتحت ہو گیا‘ اب الجزائر پر باہر سے کوئی حملہ دولت عثمانیہ پر حملہ متصور ہونے لگا‘ اسی فیصلے پر عملدرآمد کرتے ہوئے سلطان سلیم نے الجزائر میں اپنی فوج بھیج دی جس میں توپ خانہ اور ینگ چری فوج کے دو ہزار سپاہی تھے اور اس وقت 1519ء سے شمالی افریقہ کے عثمانی صوبوں کی سیاسی اور عسکری زندگی میں ینگ چری فوج نمایاں ہونی شروع ہو گئی اور جب بعد میں ان صوبوں میں اسے کثرت سے بھیجا گیا تو حالات و واقعات کی تبدیلی میں یہ ایک موثر اور نمایاں عنصر کی حیثیت اختیار کر گئی۔ سلطان سلیم نے اجازت دیدی کہ مسلم رعایا میں سے جو الجزائر جانا چاہے جا سکتا ہے اور مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو سکتا ہے یہ فیصلہ ہوا کہ جو لوگ الجزائر جائیں گے اور رضا کارانہ طور پر اسلامی لشکر میں شامل ہوں گے‘ انہیں وہی مراعات حاصل ہونگی جو ینگ چری دستوں کو حاصل ہیں۔ یہ مراعات دینے کا اعلان اس لیے کیا گیا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مجاہدین کے صف میں شامل ہوں‘ اناضول کے لوگوں نے نصرانیوں کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے شوق میں الجزائر کی طرف ہجرت کی۔ سلطان سلیم کے ان فیصلوں کے بڑے اہم نتائج سامنے آئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

● الجزائر کا قانونی طور پر 1519ء سے دولت عثمانیہ کے ساتھ الحاق‘ لہٰذا مسجدوں میں منبروں پر سلطان سلیم کے لیے

1۔الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ (910/2) 2۔الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ (911/2)

دعائیں کی گئیں اور ان کے نام کا سکہ ڈھالا گیا۔

● عثمانی فوجوں کا الجزائر شہریوں کی درخواست اور ان کی مرضی سے آنا' عثمانی فوجوں کی یہ آمد جنگ یا فوجی فتح کی صورت میں نہیں تھی جو شہریوں کی مرضی کے خلاف ہو۔

● الجزائر شمالی افریقہ کا وہ پہلا صوبہ ہے جو عثمانی سیادت میں داخل ہوا اور بحر متوسط میں عثمانی سلطنت کی جہادی تحریک کا مرکز بن گیا۔(1)

اس کے بعد اس نے شمالی افریقہ کی تمام اقالیم میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کی کوشش کی تا کہ پورے علاقے کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کیا جا سکے اور اندلس کے مسلمانوں کو ان وحشیانہ کارروائیوں اور ظلم وستم سے نجات دی جائے جو ہسپانوی نصرانیوں کی طرف سے ان پر روا رکھا جا رہا تھا۔

سلطان سلیم کا زمانہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے شمالی افریقہ کے صوبوں میں عثمانی نفوذ کو بڑھانے کی بالکل ابتدائی کوشش تھی' ان کے بیٹے سلیمان قانونی نے اس جہادی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

سلطان سلیم نے اپنے دینی بھائیوں کی آواز پر لبیک کہا اور دولت عثمانی شمالی افریقہ کے ساحلوں پر مضبوط بحری بیڑا بنانے میں لگ گئی۔ یہ بیڑا شروع سے ہی ان دونوں بھائیوں عروج اور خیر الدین باربروسہ کے نام مربوط ہو گیا۔(2)

خیر الدین کو جس قسم کے چیلنجز کا سامنا تھا

جدید سیاسی اور عسکری صورت حال میں خیر الدین باربروسہ کے سامنے دو محاذ تھے جن میں اس نے جنگ آزما ہونا تھا۔

● ہسپانوی محاذ: ہسپانیوں کو ان بلوں سے نکالنے کے لیے جن میں وہ گھسے بیٹھے تھے' خیر الدین باربروسہ نے عنابہ اور قالہ کو اپنے ساتھ ملا لیا جو الجزائر کے مشرق میں واقع تھے اور ہسپانیوں پر واضح کامیابی حاصل کر کے 1529ء میں ایک جزیرہ پر واقع ہسپانوی قلعہ بینون کو فتح کیا جو الجزائر کے شہر کے سامنے تھا۔ خیر الدین بیس روز تک اپنی توپوں کے ذریعے اس پر گولہ باری کرتا رہا حتیٰ کہ قلعہ کی دیواریں منہدم ہو گئیں' اس کے بعد وہ قلعہ میں داخل ہوا' ایک بہت بڑا لشکر بھی ساتھ تھا جو 45 جہازوں پر سوار تھا' یہ جہاز ساحل سے آئے تھے' اس قلعہ کا قائد اپنے بڑے بڑے افسروں کے ساتھ قید ہو گیا۔

1529ء کو خیر الدین کا بینون پر قبضہ کرنا' اس کو الجزائر کا نام دینے کی پہلی بنیاد شمار کیا جاتا ہے۔ اس تاریخ سے الجزائر کی بندرگاہ مغرب اوسط کا بڑا دار الحکومت بن گیا بلکہ بعد میں پورے عثمانی شمالی افریقہ کا دار الحکومت بن گیا اور الجزائر کی اصطلاح الجزائر کے صوبے کے لیے اٹھارویں صدی کے آخر تک استعمال ہوتی رہی۔

● داخلی محاذ: مغرب اوسط جو بنی زیان' حفصیوں اور بعض دوسرے چھوٹے چھوٹے قبائل کی سازشوں کا اکھاڑا بن چکا تھا' اسے متحد کرنا دوسرا محاذ تھا جس پر خیر الدین باربروسہ نے جنگ کرنا تھی لیکن دولت عثمانیہ کے نام کی وجہ سے وہ پورے علاقہ میں نفوذ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی امارات عثمانی فرمانروائی کے زیر نگیں ہو گئیں تا کہ اس عظیم طاقت کی وجہ سے

1۔ الدولة العثمانية دولة اسلامية (912/2)
2۔ المشرق العربي والمغرب العربي' ڈاکٹر عبدالعزیز قائد (ص 97)

ہسپانیہ کی صلیبی کارروائیوں اور زبردستی نصرانی بنائے جانے کے عمل سے محفوظ رہ سکیں اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہوگا کہ خیر الدین بعض اہم داخلی شہروں قسطنطینہ جیسے میں عثمانی اثر ورسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔(1)

خیر الدین الجزائر کی نوخیز سلطنت کی قوت کی بنیادیں رکھنے میں کامیاب ہوگیا' سلطان سلیمان قانونی سے اسے عثمانی امداد برابر مل رہی تھی۔ اس نے اندلس کے ہزاروں مسلمانوں کو نصرانی ظلم وستم سے نکال لانے میں کامیابی حاصل کی۔ 936ھ بمطابق 1529ء میں 36 جہازوں کو 7 پارٹیوں میں بحر متوسط کے مغربی علاقے میں ہسپانوی ساحلوں کی طرف روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم' دولت عثمانیہ کی امداد اور الجزائر کی دولت کی متنوع ذرائع مثلاً ٹیکسز' قیدی' مال غنیمت' زکاۃ' عشر' جزیہ' ملی خراج' حکام اور مختلف قبائل کے سرداروں کی طرف سے دیئے جانے والے جائیداد ٹیکس کی بدولت الجزائر کا ملک ایک طاقتور اقتصادی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔(2)

شمالی افریقہ میں خیر الدین کی کامیابیوں نے ہسپانیہ کو بہت نقصان پہنچایا' ہسپانیہ پر چارلس پنجم کی حکومت تھی جو رومانیا کی مقدس سلطنت کا شہنشاہ تھا' اس دور میں یہ مقدس نصرانی سلطنت ہسپانیہ' بلجیم' ہالینڈ' جرمنی' آسٹریا اور اٹلی تمام علاقوں کو شامل تھی۔ رومانیہ کی یہ مقدس سلطنت مسیحی یورپ کا دفاع کر رہی تھی اور مشرق اور وسط یورپ میں عثمانی خطرات کا راستہ روکے کھڑی تھی لہٰذا یہ کہنا ممکن ہے کہ چارلس خامس اور الجزائر کے افسروں کے درمیان پائی جانے والی چپقلش شمالی افریقہ میں عثمانی سلطنت کے خلاف جدید حربی محاذ کی گویا فتح تھی' اس لیے چارلس نے صرف الجزائر کے ساحلوں پر اچانک کیے جانے والے حملوں پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ 940ھ/1533ء میں شمالی افریقہ میں جاسوسی کے لیے اپنا ایک نمائندہ بھی بھیجا جو فوجی افسر تھا اور اس کا نام ''اوشودوسلا'' تھا۔ یہ فوجی افسر جو دراصل جاسوس تھا' تیونس کے اطراف وجوانب میں گھوما پھرا وہاں اس نے حفصیوں کو چارلس خامس کے ساتھ تعاون کے لیے تیار پایا۔ اس نے حفصیوں کو ڈرایا کہ عثمانی تیونس پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لینے کی فکر میں ہیں' اس نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ یہ قبضہ عثمانیوں کے افریقہ پر قبضہ کو بھی آسان بنا دے گا پھر اس کے بعد وہ اندلس کو واپس لینے کی فکر کریں گے اور یہی وہ بات ہے جس سے مسیحی دنیا ڈر رہی ہے۔

تیونس میں حفصی مملکت کی سیاست مسلسل انحطاط کی طرف جا رہی تھی' سلطان حسن بن محمد حفصی کا ملک میں کردار کوئی بہتر نہیں تھا' اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کروا دیا تھا' تیونس کے اندر حالات دگرگوں تھے' بعض لوگوں نے سلطان حفصی کی اطاعت کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا تھا۔ حسن کا بھائی امیر رشید اپنے بھائی سے فرار ہو کر عرب کے بادیہ نشینوں کے ہاں صحراء میں اقامت گزیں ہوگیا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں حسن اسے قتل نہ کر دے پھر رشید الجزائر گیا اور اپنے بھائی کے خلاف مدد اور حمایت کی درخواست کی(3)۔ خیر الدین نے مدد فراہم کرنے کی حامی بھر لی کیونکہ حفصیوں کی کمزوری کی وجہ سے وہ پہلے ہی سے تیونس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ تیونس کے حکمران خاندان میں شدید اختلافات تھے' دوسرے یہ بڑی اہمیت کی حامل سلطنت

1۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ (913/2)
2۔ جھود العثمانیین لانقاذ الاندلس' ڈاکٹر نبیل عبدالحی: ص 311
3۔ جھود العثمانیین لانقاذ الاندلس' ڈاکٹر نبیل عبدالحی: ص 311

تھی جس سے سسلی کی آبنائے پر نظر رکھی جاسکتی ہے اور اس پر قبضہ کر کے بحر متوسط کے مشرقی اور مغربی ساحل پر واقع شہروں کے درمیان مواصلات اور آمدورفت کو روکا جاسکتا تھا' اس کے علاوہ خیر الدین کا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوسکتا تھا کہ مغربی علاقوں کو دولت عثمانیہ کی فرمانروائی کے تحت جمع کر دیا جائے تاکہ اندلس کی واپسی ممکن ہوسکے۔(1)

خیر الدین کا سفر استنبول

بلغراد پر قبضہ کے بعد سلیمان قانونی نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ تمام لشکر کو لیکر ہسپانیہ کی طرف سفر کرے تاکہ اس پر قبضہ کرے۔سلطان نے مناسب سمجھا کہ کسی ایسے باعتماد آدمی کا ساتھ ہو جو وہاں کے حالات سے واقف ہو۔قرعہ فال خیر الدین کے نام نکلا کیونکہ سلطان خیر الدین کی شجاعت و بہادری سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ ان علاقوں میں کئی حملے کر چکا ہے اور شمالی افریقہ کے کئی عرب علاقوں کو فتح کر چکا ہے۔سلیمان نے خیر الدین کے نام خط لکھا اور اسے حکم دیا کہ کسی قابل اعتماد آدمی کو نائب بنا کر فوراً میرے پاس آجاؤ اور اگر ایسا آدمی نہ ملے تو پھر اپنے کسی نائب کو میرے پاس بھیج دو' سلطان نے یہ خط لکھ کر سنان جاوشی نامی شخص کے ہاتھوں اسے الجزائر بھیج دیا' ایلچی جب الجزائر پہنچا اور سلطان کا خط خیر الدین کے سپرد کیا تو اس نے خط کو بوسہ دیکر اپنے سر پر رکھ لیا' اس کے بعد جب خط پڑھا اور اس میں جو کچھ لکھا تھا اس سے آگہی ہوئی تو ایک بہت بڑی میٹنگ کی جس میں تمام علماء' مشائخ اور مختلف شہروں کے سرداروں نے شرکت کی۔ان کے سامنے دوبارہ خط پڑھا اور انہیں بتایا کہ اس حکم سے سرتابی ممکن نہیں۔

جب بحر متوسط میں موجود نصرانی بحریہ کے سردار اندریا دوریا نے یہ بات سنی کہ سلطان ہسپانیہ کی فتح کا عزم کر چکا ہے اور اس مقصد کے لیے خیر الدین کو بلا بھیجا ہے تو اس نے سلطان سلیمان کو اس سفر سے روکنے کے لیے (2) یہ خبر الجزائر میں موجود مسیحی قیدیوں میں مشہور کر دی کہ ہسپانیہ کی حکومت الجزائر پر حملہ کر کے اپنے قیدیوں کو رہائی دلانے کا عزم کر چکی ہے' اس خبر کو سن کر قیدی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیر الدین کے خلاف بغاوت کر دی۔خیر الدین نے خیال کیا کہ بھلائی اسی میں ہے کہ ان تمام قیدیوں کا قصہ پاک کر دیا جائے تاکہ اس فتنہ سے خلاصی ہو' اس نے الجزائر کے اندر ضروری انتظامات کیے اور نئے قلعے تعمیر کیے تاکہ سلطان کی پوری طرح فرمانبرداری ہوسکے۔(3)

940ھ بمطابق 1533ء کو خیر الدین استنبول کی طرف عازم سفر ہوا اور حسن آغا طوشی کو اپنا قائم مقام مقرر کیا جو ایک نہایت ذہین جید عالم اور صالح انسان تھے۔(4)

خیر الدین نے بحر متوسط میں سفر کرتے ہوئے مشرق کی راہ لی' اس کے ساتھ 44 جہاز تھے' راستے میں مورہ کے قریب اس کی مڈبھیڑ آل ہاسبرج کے بحری بیڑے سے ہوگئی۔خیر الدین نے اسے شکست دی اور آگے بڑھ گیا' سفر کرتے ہوئے وہ بیروازن کے شہر میں پہنچا' شہر کے لوگ خیر الدین کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئے' انہیں خوف تھا کہ اندریا دوریا ان کے شہر پر

1۔جهود العثمانيين لانقاذ الاندلس' ڈاکٹر نبیل عبدالحی: ص315
2۔سیرۃ خیر الدین پاشا' عبدالقادر عمر (ق48'48ب)
3۔حقائق الاخبار عن دولۃ البحار' اسماعیل سرہنگ (361/1)
4۔فتوحات خیر الدین' محمد امین (ق270'270)

حملہ آور ہو جائے گا لیکن اندریا کو جب معلوم ہوا کہ خیر الدین اس علاقے میں آ چکا ہے تو وہ فرار ہو گیا اور بیروازن سے بہت دور نکل گیا' خیر الدین یہاں سے بھی آگے بڑھتا گیا' اس کے بعد اس کے جہاز قلعہ اواریں (اناوارنہ) پہنچے یہاں اچانک انہیں سلطان سلیمان قانونی کے بحری بیڑا نظر آیا' اس سے مل کر خیر الدین اور اس کے ساتھی بہت خوش ہوئے' پھر یہ قافلہ قرون پہنچا یہاں سے خیر الدین نے سلطان کے نام ایک خط لکھا' اسے اپنی آمد سے مطلع کیا اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اسے جواباً خط لکھا اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت دی (1)۔ خیر الدین نے قرون کو الوداع کہا اور مسلسل سفر کرتا رہا حتیٰ کہ استنبول پہنچ کر لنگر انداز ہو گیا۔ اس دور میں یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی خوشی کی خبر ہوتی تھی تو توپوں سے گولے داغے جاتے تھے۔ خیر الدین دربار میں حاضر ہوا اور سلطان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے جراتمندانہ کارروائیوں پر اسے اور اس کے ساتھیوں کو خلعت فاخرہ دینے کا حکم دیا۔ انہیں اپنے ایک محل میں ٹھہرایا اور خیر الدین کو دارالصناعۃ (2) کی نگرانی کا کام سونپ کر اور اسے قبودان پاشا یعنی وزیر بحریہ کا خطاب دیا تا کہ اسے سلطان کی مدد کرنے کے تمام اختیار حاصل ہو جائیں۔

ان دنوں صدر اعظم حلب میں قیام پذیر تھا جب اسے معلوم ہوا کہ خیر الدین سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے استنبول آیا ہوا ہے تو وہ خیر الدین کو ملنے کے لیے بے تاب ہو گیا کیونکہ اس کے غزوات اور مسیحیوں کو ذلت آمیز شکست دینے کی خبریں ان کے پاس پہنچتی رہتی تھیں۔ صدر اعظم نے بادشاہ کے نام عریضہ لکھا اور خیر الدین سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سلطان نے خیر الدین کو پیغام بھیجا اور صدر اعظم کی اس خواہش سے آگاہ کیا۔ خیر الدین نے موافقت میں جواب دیا اور حلب کی طرف عازم سفر ہوا۔ صدر اعظم نے خیر الدین کی آمد پر حلب میں ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا اور اسے ایک شاندار محل میں ٹھہرایا۔ خیر الدین کے حلب پہنچنے کے دوسرے دن سلطان کی طرف سے ایک وفد بھی حلب پہنچ گیا' ان کے پاس خلعت تھی اور سلطان کا یہ حکم نامہ تھا۔

''خیر الدین سلطان کے وزراء میں سے ایک ہے' اسے خلعت پہنائی جائے۔'' ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا گیا اور اس میں خیر الدین کو وزارت کی خلعت پہنائی گئی اور اس کے بعد ایک نہایت ہی شاندار جشن کا اہتمام کیا گیا' یوں اسلام اور مسلمانوں کی ان خدمات کے اعتراف میں خیر الدین کی حد درجہ تعظیم و تکریم ہوئی جو انہوں نے بحر متوسط کے اندر سرانجام دی تھیں۔ وہاں سے خیر الدین استنبول لوٹا' سلطان نے ان کی غایت درجہ عزت کی' خیر الدین نے دارالصناعۃ (فیکٹری) کی دیکھ بھال شروع کر دی جیسا کہ سلطان نے اسے حکم دیا تھا۔(3)

جب جدید بحری بیڑا تیار ہو چکا تو خیر الدین اس طاقتور بحری بیڑے کو لیکر دردنیل سے جنوب کو اٹلی کے ساحلوں کی طرف روانہ ہوا وہاں سے بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا' شہروں کو تاراج کیا اور ساحلوں پر غارت گری کی' اس کے بعد سسلی کے جزیروں کی طرف متوجہ ہوا اور کورن اور لیبیا نامی جزیروں کو واپس لے لیا (4)۔ سلطان سلیمان خیر الدین بار بروسہ کے ساتھ

1۔ جهود العثمانيين لانقاذ الاندلس: ص 316
2۔ جهود العثمانيين لانقاذ الاندلس: ص 316
3۔ جهود العثمانيين لاسترداد الاندلس: ص 317
4۔ ليبيا بين الماضي والحاضر' حسن سليمان محمود: ص 166

تیونس کی اہمیت اور دولت عثمانیہ کی حکمت عملی میں اس کی ضرورت کے بارے مشورہ کیا کرتا تھا تا کہ اندلس کی واپسی کے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔ اپنے جغرافیائی موقع محل کی وجہ سے تیونس دولت عثمانیہ کے لیے خاص اہمیت رکھتا تھا کیونکہ یہ افریقہ کے شمالی ساحل کے درمیان میں واقع تھا۔ اس کا درمیانی علاقہ الجزائر اور طرابلس کے درمیان پڑتا تھا اور اٹلی کا ملک جو رومانیا کی مقدس شہنشاہیت کا ایک بازو خیال کیا جاتا تھا' اس کے قریب تھا' اس مقدس شہنشاہیت کا دوسرا بازو ہسپانیہ تھا۔ اس کے علاوہ تیونس مالٹا کے قریب تھا جو ایک جزیرہ تھا اور شہنشاہ خامس کے حلیف مقدس یوحنا کے گھوڑ سواروں کا مستقر تھا' یہ گروہ مسیحیوں میں سے مسلمانوں کے ساتھ عداوت رکھنے والا سب سے سخت گروہ تھا۔ حد درجہ کا متعصب اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا پھر بحر متوسط میں بحری مواصلات کو کنٹرول کرنے کے لیے تیونس کی بندرگاہیں روشن امکانات مہیا کرتی تھیں' ان تمام عوامل کی بدولت تیونس کی عسکری اہمیت بہت بڑھ گئی تھی (1)۔

اٹلی کے جنوبی ساحلوں اور سسلی کے جزیرہ پر حملہ آور ہونے کے بعد خیر الدین کے سامنے دوسرا اہم مرحلہ تیونس کا تھا تا کہ دولت عثمانیہ کے لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنایا جاسکے جس کے تحت شمالی افریقہ سے ہسپانیوں کا خاتمہ مقصود تھا اور اس کی حیثیت اندلس کو واپس لینے کے لیے مقدمۃ الجیش کی تھی جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ خیر الدین باربروسہ نے سلطان کے نام اپنے خط میں اس طرف اشارہ کیا تھا' یہ خط باربروسہ نے سلطان کے بلانے سے پہلے 940ھ/1533ء میں سلطان کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ خیر الدین نے کہا تھا: ''اگر مجھے اشتراک عمل کی سعادت نصیب ہوئی تو میرا ہدف نہایت ہی تھوڑے وقت میں ہسپانوی فوجوں کو افریقہ سے نکال باہر کرنا ہے' ممکن ہے اس کے بعد آپ یہ خبر سنیں کہ قرطاجہ کو واپس لینے کے لیے مغربیوں نے ہسپانیہ پر دوبارہ فوج کشی کی ہے اور یہ کہ تیونس آپ کے زیر نگیں ہو گیا ہے' اس سے آگے میں نہیں چاہوں گا کہ آپ کے اور مشرق کی طرف آپ کی فوجوں کی پیش قدمی کے درمیان حائل ہو جاؤں' بالکل نہیں کیونکہ اس سے آگے میری ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ آپ کے پاس نہ تو فوج کی کمی ہے اور نہ تجربہ کی' پھر ایشیا یا افریقہ میں آپ کی جنگیں بری نوعیت کی ہونگی جس میں بحریہ کی ضرورت نہیں ہوگی' رہا دنیا کا یہ تیسرا حصہ تو اس کے لیے مجھے آپ کے بحریہ کا صرف ایک حصہ چاہیے' یہ میرے لیے کافی ہوگا کیونکہ اس حصے کا آپ کی فرمانروائی کے سامنے سرنگوں ہونا ضروری ہے''۔(2)

عثمانی بحریہ خیر الدین کی قیادت میں تیونس کے ساحلوں پر پہنچ گئی اس کے بعد خیر الدین عنابہ نامی شہر کی طرف مڑا' یہاں سے کچھ امداد حاصل کی اور پھر بزرت کی طرف بڑھا' پھر حلق الواد کا رخ کیا اور اس پر بغیر کسی مشکل کے قبضہ ہو گیا۔(3)

خطباء اور علماء کی طرف سے خیر الدین کا استقبال کیا گیا اور انہوں نے اس کی خوب عزت افزائی کی' اسی دوران وہ تیونس کی طرف بڑھا تو سلطان حسن بن محمد حفصی ہسپانیہ کی طرف فرار ہو گیا (4)۔ خیر الدین نے رشید کو جو حسن بن محمد کا بھائی تھا' ٹیونس کا امیر مقرر کیا اور اعلان کیا کہ آج سے ٹیونس دولت عثمانیہ کا حصہ ہے' یہ اس وقت کی بات ہے جب مغربی بحر متوسط کے

1۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیہا: (915/2)
2۔ فتح العثمانیین عدن' محمد عبداللطیف البحراوی: ص127
3۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص230
4۔ جہود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص319

علاقوں پر عثمانی چھا چکے تھے۔(1)

مغرب اقصیٰ پر خیر الدین کے جہاد کے اثرات

سلطان احمد الاعرج سعدی نے دولت عثمانیہ اور باربروسہ کی قیادت میں الجزائری قوم کی طرف سے کی جانے والی کوششوں سے پوری طرح استفادہ کیا' احمد اعرج نے آسفی اور آزمود کے شہر کا محاصرہ کر لیا' یہ 941ھ/1534ء کی بات ہے۔ قریب تھا کہ شہر سعدیوں کے ہاتھوں فتح ہو جاتا لیکن اسی اثناء میں پرتگالیوں نے اس محصور شہر کے لیے کمک روانہ کر دی اور اس طرح عثمانیوں اور مغرب کی اسلامی فوجوں کے درمیان مسیحیوں کے خلاف اتحاد کی ابتداء ہوئی جب پرتگال کے بادشاہ جان ثالث کو اطلاع ملی کہ 3 ربیع الاول 941ھ/13 ستمبر 1534ء کو عثمانیہ بحریہ خیر الدین کی قیادت میں شمالی افریقہ پہنچ چکی ہے تو اس نے سبتہ اور طنجہ جیسے بعض مراکز سے انخلاء کے بارے سوچ بچار شروع کر دی چونکہ یہ علاقے بحر متوسط کے مغرب میں مسیحیوں کے مفادات کے دفاع اور جزیرہ نما ایبریا (اندلس) سے عثمانی حملوں کو روکنے کے حوالے سے خاص اہمیت کے حامل تھے' اس لیے شاہ یوحنا ثالث نے تمام بڑی بڑی شخصیات' سرداران اور اپنے ملک کے اساقفہ کے پاس ایک خط بھیجا اور بعض پرتگالی علاقوں کو جو مغرب اقصیٰ کے جنوب میں واقع تھے' خالی کر دینے کے بارے مشورہ طلب کیا۔ اس خط کا مقصد ان سوالات کا جواب معلوم کرنا تھا کہ کیا آسفی اور آزمود کو مغرب اقصیٰ کے حوالے کر دیا جائے یا ان سے انخلاء ضروری ہے پھر ان دونوں سے انخلاء ضروری ہے یا ان میں سے بعض علاقوں سے انخلاء کافی ہے؟ اگر ان کی حفاظت ضروری ہے تو کیا قلعوں کی طرف لوٹا جا سکتا ہے تا کہ اخراجات کم ہو جائیں؟ پھر اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کیا ہوں گے اور ان نقصانات سے ہم کیسے نمٹیں گے؟

پرتگال کے فرمانروا کو اس کے بارے کئی جوابات موصول ہوئے' بعض لوگوں کا جواب یہ تھا کہ جنوبی علاقے جو پرتگالیوں کے قبضے میں ہیں ان پر قبضہ باقی رکھنا چاہیے جبکہ بعض اس حق میں تھے کہ پسپائی بہتر رہے گی' دینی رہنماؤں کا جواب تقریباً ایک جیسا تھا کہ جنوبی علاقوں سے پسپائی اختیار کی جائے اور بادشاہ دفاع کے موجودہ تمام وسائل جنوبی مراکز سے شمالی مراکز کی طرف منتقل کر دے تا کہ خیر الدین باربروسہ کی قیادت میں عثمانی خطروں کا سدباب کیا جا سکے۔ اسقف نے بادشاہ کو یہ نصیحت کی کہ سانتا کروز' آسفی اور آزمود سے انخلاء ضروری ہے کیونکہ ان پر اٹھنے والے اخراجات کے مقابلے میں ان کی اہمیت بہت کم ہے۔ اسقف کی نظر میں فوجوں کا فاس کی طرف بڑھنا بہتر تھا' اس نے بادشاہ کو یہ نصیحت بھی کی کہ سبتہ کے دفاع کے لیے زیادہ وسائل مہیا کیے جائیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ خیر الدین اس پر حملہ آور ہو گا۔(2)

الجزائر میں عثمانیوں کی موجودگی کا مغرب کے بارے پرتگالی فرمانروا کے موقف پر بڑا اثر پڑا' اس نے اس علاقے میں عسکری کارروائیاں روک دیں' اسی طرح ٹیونس پر عثمانیوں کے قبضہ نے پوپ اور چارلس پنجم کو پریشان کر دیا اور انہوں نے اسے مسیحیت اور ملک کے اطراف و جوانب کے ساتھ اس کے مواصلات کے بحری خطوط کے لیے براہ راست دھمکی خیال کیا۔(3)

1۔ فتح العثمانیین عدن: ص 128　　2۔ جہود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 320

3۔ رسالۃ غرناطۃ الی السلطان سلیمان' عبد الجلیل تمیمی' عدد (3) ٹیونس

عثمانی دھمکی کی گونج بہت دور تک سنائی دی' اس کے علاوہ دولت عثمانیہ نے سسلی اور افریقہ کے درمیان تنگ راستوں پر اپنے قبضے کو یقینی بنالیا۔(1)

ٹیونس پر چارلس خامس کا قبضہ

ہسپانیہ نے اس موقع پر جو موقف اختیار کیا وہ بالکل واضح تھا اور یہ تھا سخت ردعمل' دولت عثمانیہ بلاد فارس میں شیعہ روافض کے ساتھ جنگ میں مشغول ہوگئی' حالانکہ ادھر یورپ میں چپقلش پورے زوروں پر تھی۔ فرانس کے بادشاہ فرانسوا اول نے چارلس پنجم سے وعدہ کیا کہ وہ اس معاملے سے الگ تھلگ رہے گا' چارلس سوچ بچار کرنے لگا کہ شمالی افریقہ میں کس طرف کا رخ کرے' الجزائر کا یا ٹیونس کا لیکن سلطان حسن بن محمد حفصی کی درخواست اور استنبول کے ٹیونس سے عمل دخل کو ختم کرنے کی رغبت نے چارلس پنجم کو ٹیونس پر حملہ کرنے کی طرف مائل کر دیا۔(2)

چارلس خامس نے ایک بہت بڑی بحری کارروائی کی اور اس کی خود قیادت کی جس میں 30 ہزار ہسپانوی' ہالینڈی' جرمن' بوبلسی' صقلی سپاہیوں نے حصہ لیا یہ لوگ 500 جہازوں پر سوار تھے۔ بادشاہ برشلونہ کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہوا جب اس کے جہاز ٹیونس کے سامنے لنگر انداز ہوئے تو طرفین میں سخت معرکے ہوئے (3)۔ اور بالآخر 942ھ بمطابق 1535ء(4) کو ہسپانیہ کا ٹیونس پر دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خیر الدین کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ وہ اس حملے کو روکتا' اسلامی لشکر کی تعداد 7 ہزار عثمانی سپاہی جو خیر الدین تک پہنچ پائے تھے اور تقریباً 5 ہزار ٹیونس کے رہنے والے لوگ تھے جبکہ عرب جہاد سے پیچھے رہے' الغرض چارلس نے ٹیونس کی بندرگاہ ''حلق الواد'' کے قلعہ پر قبضہ کرلیا(5) اور حسن بن محمد کو اس کا حاکم مقرر کر دیا۔ چارلس اور حسن کے درمیان طے پا جانے والے معاہدہ کے مطابق بونہ اور مہدیہ ہسپانیہ کی ملکیت میں دے دیئے گئے' ہسپانیوں نے بونہ پر تو فوراً قبضہ کرلیا لیکن مہدیہ عثمانیوں کے قبضہ میں رہا' اس وجہ سے حسن اپنا کیا گیا وعدہ پورا نہ کرسکا' اس پر ہسپانیہ نے یہ شرط عائد کی کہ وہ طرابلس (6) میں یوحنا مقدس کے گھوڑ سواروں کا حلیف اور مددگار ہوگا۔ عثمانیوں کو ہمیشہ دشمن سمجھے گا اور کم از کم دو ہزار ہسپانیوں کے اخراجات پورے کرے گا جو حلق الواد کے قلعہ میں بطور محافظ رہیں گے۔ چارلس پنجم اس کے بعد ہسپانیہ لوٹ آیا اور جس وقت سلطان سلیمان قانونی بلاد فارس میں رافضی شیعوں سے برسرپیکار تھا' چارلس اپنے فتح مند لشکروں کا استقبال کر رہا تھا۔(7)

خیر الدین کی الجزائر کی طرف واپسی

ٹیونس میں شکست کھانے کے بعد خیر الدین الجزائر واپس آ گیا' پہلے وہ قسطینہ کے شہر میں ٹھہرا اور پھر یہاں سے ہسپانیہ کے خلاف کسی اور محاذ پر جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا' اب خیر الدین کے لیے لازم ہوگیا تھا کہ وہ ہسپانیہ سے اس شکست کا

1۔ جھود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 321
2۔ تاریخ الجزائر الحدیث' محمد خیر فارس: ص 34
3۔ حقائق الاخبار عن دول البحار (420/1)
4۔ جھود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 321
5۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 321
6۔ الاتراک العثمانیون فی افریقہ الشمالیہ' عزیز سامح: ص 38
7۔ فتح العثمانیین عدن: ص 130

بدلہ لے وہ کچھ وقت تک الجزائر کے شہر میں ٹھہرا تا کہ عثمانی اسلامی بحریہ کا قبودان پاشا (بحریہ کا سب سے بڑا منصب دار) ہونے کی حیثیت سے وہ تمام ذمہ داریاں پوری کرے جن کا جدید پلان متقاضی تھا۔ اب اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ چارلس پنجم کو اپنی موجودگی کا احساس دلائے اور اسی طرح کی ایک کاری ضرب لگائے جس طرح کی کاری ضرب کھا چکا تھا' سو اس نے ہسپانیہ کے بلیار نامی جزیروں اور اس کے جنوبی ساحلوں پر حملہ کر دیا اور جبل طارق کی آبنائے کو عبور کر کے امریکہ سے واپس آنے والے ہسپانوی اور پرتگالی جہازوں پر جھپٹ پڑا جو سونے اور چاندی سے لدے ہوئے تھے۔ اس واقعہ نے پوری مسیحیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور چارلس خامس کی پریشانی کی تو کوئی حد نہ رہی جو یہ سوچے بیٹھا تھا کہ خیرالدین 942ھ/1535ء میں ٹیونس کی شکست کے بعد کبھی سر نہیں اٹھا سکے گا۔(1)

دوسری طرف 943ھ/1536ء میں دولت عثمانیہ نے ملکی سطح پر فرانس کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اسے ٹیونس پر ہسپانیہ کے حملے کا ردعمل خیال کیا جاتا ہے(2)۔ مقدس رومی شہنشاہیت کو یوں لگا کہ اس کے دشمنوں فرانس اور دولت عثمانیہ کی طرف سے اس کا گھیراؤ کر لیا گیا ہو' اس لیے ان کے درمیان جنگ و جدل کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا' ہسپانیہ اور پرتگالیوں کے اہداف ایک جیسے تھے' بلاد مغرب کے مراکز پر قبضہ کرنا کہ کہیں عثمانی جزیرہ نمائے ایبریا میں داخل نہ ہو جائیں۔

پرتگالی ڈپلومیسی اور شمالی افریقہ میں اتحاد کا پارہ پارہ ہونا

943ھ/1536ء میں شاہ احمد وطاس کو وادی العبید کے قریب بیری عقبہ کے مقام پر سعدیوں کے مقابلے میں شکست ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ مخلوط قبائل جنہیں وطاسی لشکر کا مقدمۃ الجیش ہونا چاہیے تھا' جنگ میں شریک نہ ہوئے اور پورے لشکر میں افراتفری پھیل گئی' اس ہزیمت کے بعد احمد وطاسی پرتگال کے قریب ہو گیا کیونکہ اس نے سوچا عثمانی ہسپانیہ کے خلاف جنگوں میں مصروف ہیں' دونوں کے درمیان گیارہ سال کے لیے معاہدہ ہو گیا(3) جس کی رو سے اصیلا' طنجہ اور قصر صغیر کے قرب و جوار میں مقیم مغربی شاہ فاس کی عدالتی اقتدار کے ماتحت آ گئے' اسی طرح شاہ وطاس کے تجارت پیشہ لوگوں کو اجازت مل گئی کہ آزادی کے ساتھ ان علاقوں میں کاروبار کر سکیں، سوائے اسلحہ اور ممنوع اشیاء خریدنے کے اور جب عثمانی یا فرانسیسی یا ہسپانیہ اور پرتگال کے علاوہ کسی دوسرے مسیحی ملک کے جہاز پرتگالی علاقوں کی طرف مال لے کر آئیں جو کہ مغربیوں سے لیا گیا ہو تو پرتگالی ان سے کوئی چیز نہ خریدیں۔ اسی طرح مغربی لوگ عثمانی تاجروں سے ہرگز کوئی چیز نہیں خریدیں گے بلکہ مال غنیمت جو پرتگالیوں یا ہسپانیہ والوں سے چھینا گیا ہوگا' اس کو چھیننے کی کوشش کریں گے اور اگر بن پڑے گا تو ہر ملک دوسرے کو یہ مال غنیمت واپس کرنے کا پابند ہوگا۔

پرتگالیوں نے اسی طرح کا معاہدہ سعدیوں سے کرنے کی کوشش کی اور مولیٰ احمد اعرج کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لیے ایک وفد مراکش بھیجا۔ مولیٰ احمد اعرج نے معاہدہ کی پیش کش کو قبول کر لیا کیونکہ اسے اپنی ترقی پذیر مملکت کے معاملات کو منظم کرنے کی سخت ضرورت تھی' بالخصوص 943ھ بمطابق 1536ء کو بیر عقبہ کے میدان میں وطاسیوں کے خلاف کامیابی

1۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص 227-236، 241، 242　2۔ نهور العثمانيين لاسترداد الاندلس: ص 323　3۔ ایضاً

حاصل کرنے کے بعد۔ 25 ذی القعدہ 944ھ بمطابق 25 اپریل 1537ء کو دونوں ملکوں کے درمیان تین سال کے لیے ایک معاہدہ طے پا گیا اور فریقین کے درمیان تجارتی لین دین کے بھی امکان پیدا ہو گئے (1)۔ وطاسیوں اور سعدیوں کے تقرب سے پرتگالیوں کا مقصد ایک طرف عثمانیوں اور ان کے درمیان حقیقی تعاون کی راہ روکنا تھا اور دوسری طرف وطاسیوں اور سعدیوں کے درمیان اتفاق و اتحاد کی راہ کو روکنا تھا کیونکہ اس طرح کے کسی بھی تعاون کا مطلب تھا' مغرب میں جزیرہ نمائے ایبریا (اندلس) کے مفادات پر ضرب لگانا اور خطرہ پیدا کرنا اور سب سے اہم بات تھی' ہسپانیہ اور پرتگال کا یہ خوف کہ کہیں دولت عثمانیہ آگے بڑھ کر جزیرہ نمائے ایبریا میں داخل نہ ہو جائے اور اندلس کو واپس لینے کا ہدف حاصل نہ کر لے۔ (2)

پانچویں بحث

مجاہد کبیر حسن آغا طوشی

خیر الدین باربروسہ اپنے منصب قبودان پاشا (بحریہ کا سب سے بڑا منصب) کے حسب اقتضاء عثمانی بحریہ کو منظم کرنے میں مصروف ہو گیا اور بحر متوسط کے مشرقی علاقے میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں جبکہ حسن آغا طوشی جوان کا نائب تھا' نائب بیلر بیگ (کوئی منصب ہے) کی حیثیت سے یورپی بحری ڈاکوؤں سے دو دو ہاتھ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ حسن کو جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' ان کی شخصیت الجزائر میں شجاعت و بہادری کا نمونہ تھی وہ شمالی افریقہ کے اسلامی علاقوں کے دفاع میں جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں اسلامی ایثار و قربانی کی ایک روشن مثال بن کر ابھرا۔ الجزائر نے بڑا رعب و دبدبہ اور جلال حاصل کر لیا' مسیحی اقوام اپنے عظیم بادشاہ شہنشاہ چارلس پنجم کی حکومت سے مدد مانگنے لگیں اور اس کے جھنڈے تلے پناہ تلاش کرنے کیلئے دوڑ پڑیں' ان میں سے پوپ پال ثالث کا نام سرفہرست ہے۔

946ھ/1539ء میں چارلس پنجم نے خیر الدین سے معاہدہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی امیدیں بر نہ آئیں (3)۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس نے خیر الدین کو ورغلانے کی کوشش کی تھی کہ تھوڑے سے جزیے کے بدلے میں شمالی افریقہ کا تمہیں حاکم تسلیم کرتا ہوں لیکن خیر الدین نے اس کی اس چال کو ناکام بناتے ہوئے اس عزت افزائی سے انکار کر کے چارلس کو ناکام بنا دیا تھا کیونکہ چارلس پنجم الجزائر کے ساتھ معاہدہ کر کے فرانسیسی اور عثمانی معاہدے کا جواب دینا چاہتا تھا اور اس طرح شمالی افریقہ کو استنبول سے جدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب دولت عثمانیہ اور افریقہ کے درمیان اتحاد ختم ہو جائے گا تو شمالی افریقہ اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گا اور اس کا سقوط آسان ہو جائے گا۔ (4)

حسن آغا طوشی امن و امان قائم کرنے' حکومت کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے اور ملک کے تمام علاقوں کو الجزائر کے مرکزی اقتدار میں متحد کرنے میں منہمک ہو گیا (5)۔ مستغانم کے شہر نے جب اطاعت قبول کر لی تو وہ جنوب مشرق کی طرف

1۔ جہود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 324
2۔ جہود العثمانیین لاسترداد الاندلس: ص 324
3۔ تاریخ الجزائر العام عبدالرحمٰن جیلانی: (63,62/3)
4۔ تاریخ الجزائر الحدیث: ص 35
5۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 279

بڑھا اور زاب کے دارالحکومت بکرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کے مضافاتی علاقوں کو فتح کر کے ایک قلعہ تعمیر کیا اور وہاں محافظ فوج متعین کر دی۔(1)

جمادی الاول 949ھ/ستمبر 1539ء کو عثمانی لشکر جہازوں پر سوار ہوا' یہ لشکر 1300 سپاہیوں پر مشتمل تھا جو 13 جہازوں پر سوار تھے۔ لشکر ہسپانیہ کی طرف چل پڑا' حسن آغا کی قیادت میں جب یہ لشکر ساحل پر پہنچا تو ایک شہر پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا اور اس میں موجود مال و دولت' کھانے پینے کی اشیاء اور مال غنیمت مسلمانوں کے لیے اکٹھا کرلیا' اس لشکر نے ہسپانیہ کے جنوبی ساحل کو خوب تاراج کیا۔ ہسپانیوں کا بہت سا مال و متاع ہاتھ لگا' بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا جن میں سے بعض کو غلام بنا کر مغرب اقصیٰ کے شمالی علاقوں بالخصوص نطوان میں بیچ دیا پھر میدان جنگ کی طرف لوٹا اور جب الجزائر واپس آنے کا ارادہ کیا تو راستے میں ایک بہت بڑے قبیلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ یہ ایک ہسپانوی قبیلہ تھا جس کے افراد کی تعداد بہت زیادہ تھی' فریقین کے درمیان سخت معرکہ ہوا' دونوں طرف سے چند جہاز غرق ہوئے لیکن اس عظیم معرکہ میں ہسپانیہ کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔(2)

چارلس پنجم نے بحر متوسط کے مغربی علاقے میں اسلامی تحریک جہاد کو ختم کرنے کی غرض سے ایک بھرپور عسکری حملہ کرنے کا ارادہ کیا' اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا تا' براعظم یورپ میں کسی حد تک امن کی فضاء قائم ہوگئی کیونکہ محرم 945ھ بمطابق 25 اکتوبر 1541ء کو فرانس کے ساتھ نیس کا معروف معاہدہ طے پا گیا۔ یہ معاہدہ دس سال کے لیے منعقد ہوا۔ چالیس خامس الجزائر کے شہر کے سامنے لنگر انداز ہوگیا جب حسن آغا طوشی نے یہ صورت حال دیکھی تو الجزائر کی بڑی بڑی شخصیات اور ملک کے قابل عزت لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور انہیں اسلام اور وطن کی خاطر جہاد کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا: ''دشمن تمہارے سر پر پہنچ چکا ہے' وہ چاہتا ہے کہ تمہارے بیٹوں اور بیٹیوں کو قیدی بنائے' شہید ہو جاؤ' دین حنیف کی راہ میں یہ اراضی ہم نے طاقت کے زور سے فتح کی ہیں' اب ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے' اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی تو کامیابی یقینی ہے' ہم اہل حق ہیں'' مسلمانوں نے انہیں دعائیں دیں اور دشمن کے خلاف جہاد میں ان کو مدد کی یقین دہانی کرائی' سو حسن آغا لشکر ترتیب دینے اور جنگ کی تیاری کرنے میں جت گئے۔(3)

دوسری طرف ہسپانیہ والوں نے اپنے بچاؤ کا سامان منگوانا شروع کیا' چارلس پنجم حسن آغا کی تیاریاں دیکھ کر حیران رہ گیا' اس نے ارادہ کیا کہ حسن آغا کو دھوکہ دے' اس نے اپنے کاتب کو ایک خط لکھنے کا حکم دیا' اس خط میں اس نے آغا حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تو جانتا ہے میں بادشاہ ہوں' پوری مسیحیت میرے ماتحت ہے اگر تو مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو قلعہ فوراً میرے حوالے کر دے اور اپنے آپ کو میری گرفت سے بچالے جا' وگرنہ میں قلعہ کے پتھروں کو سمندر میں پھینک دینے کا حکم دوں گا اور پھر نہ کچھ تیرے ہاتھ رہے گا' نہ تیرے آقا کے ہاتھ اور نہ ترکوں کے ہاتھ' میں پورے ملک کو تباہ و برباد کر دوں گا۔'' یہ خط حسن آغا تک پہنچا' انہوں نے اسے پڑھا اور بڑی متانت سے جواب دیا: ''میں سلطان سلیمان کا خادم ہوں' آ اور قلعہ پر

1۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 280 2۔ تاریخ الجزائر الحدیث' محمد خیر: ص 36 3۔ جہود العثمانیین: ص 326

قبضہ کر لے۔ لیکن یاد رکھنا یہ اس علاقے کی ریت ہے کہ جو دشمن یہاں آتا ہے اسے موت کے علاوہ کچھ نہیں دیا جاتا۔(1)''
ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''ہسپانیہ نے الجزائر پر ایک مرتبہ عروج کے عہد حکومت میں حملہ کیا اور دوسری مرتبہ خیر الدین کے دور میں کیا لیکن اسے کچھ حاصل نہ ہوا بلکہ اس کی دولت چھن گئی اور لشکر موت کی گھاٹ اتر گئے' اب تیسری مرتبہ بھی ان شاء اللہ تیرے ہاتھ وہی (موت) آئے گی''۔(2)

اسی رات چارلس کے کیمپ میں والی الجزائر کی طرف سے ایک قاصد پہنچا اور اجازت طلب کی کہ جو لوگ الجزائر سے نکلنا چاہتے ہیں' بالخصوص بچے اور عورتیں انہیں آزادی سے باب الوادی سے نکل جانے کی اجازت دے دیجئے' چارلس سمجھ گیا کہ الجزائر کی فوج آخری دم تک دفاع کا ارادہ کر چکی ہے اور شہر اس وقت تک فتح نہیں ہوگا جب تک وہ مکمل طور پر تباہ نہیں ہو جاتا حالانکہ بادشاہ نے ابھی تک محاصرہ کے وقت استعمال ہونے والی توپیں نہیں اتاری تھیں لیکن مجاہد ہسپانیہ کی فوجوں پر مسلسل تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور ہر جگہ ان پر جھپٹ رہے تھے' حتیٰ کہ مالٹا کے ایک سپاہی نے اس گوریلا جنگ کے متعلق اپنی ایک رپورٹ میں لکھا: ''اس طریقہ جنگ نے ہمیں حواس باختہ کر دیا ہے کیونکہ ہم اس جنگی چال سے پہلے واقف نہیں تھے''۔(3)

مجاہدین کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی کیونکہ یہ سن کر کہ ہسپانوی فوجیں الجزائر کے سامنے اتر چکی ہیں' مجاہدین ملک کے گوشے گوشے سے بڑی تیزی کے ساتھ آ رہے تھے اور لشکر میں شریک ہو رہے تھے چونکہ مجاہدین ملک کے چپے چپے سے واقف تھے' اس لیے ان کے حملے بڑے تباہ کن تھے اور یہ نہایت ہی عقل مندی سے اپنی منفرد اور ممتاز جنگی چالوں کو آزما رہے تھے' اسی دوران اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کی مدد فرمائی' زور کی بارش شروع ہوگئی' تیز آندھیاں چلنے لگیں' سمندر کی موجیں پہاڑ کی بلندیوں سے آگے گزرنے لگیں' حملہ آور فوج کے خیمے اکھڑ گئے' جہاز ایک دوسرے سے ٹکرا گئے' کئی غرق آب ہوئے' منہ زور لہروں نے کئی جہازوں کو ساحل پر پٹخ دیا اور مسلمان جو شہر کا دفاع کر رہے تھے' ان جہازوں پر جھپٹ پڑے' سامان جنگ اور کھانے پینے کی جو اشیاء ہاتھ لگیں سب پر قبضہ کر لیا' بارش کی وجہ سے بارود ناکارہ ہو گیا' ان مشکلات میں چارلس نے الجزائر پر حملوں کی کوشش کی لیکن اس کا ہر حملہ ناکام ثابت ہوا۔(4)

حاجی بشیر جو فوج کے افسر تھے نے بہادری کے حیران کن جوہر دکھائے' اپنے لشکر کو لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور بڑی بہادری' بے مثال جرات اور کمال شجاعت کے ساتھ کئی نصرانیوں کے سر قلم کیے' الجزائر کی عسکری قیادت نے صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اسلامی لشکر نے گوریلا طریقہ سے حملہ کر کے پیچھے ہٹ آنے کی پالیسی اختیار کر کے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور کئی نصرانی کھیت رہے۔ بادشاہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو باقی ماندہ فوج کو ساتھ لیے بھاگ کھڑا ہوا اور ہسپانیہ جانے کی بجائے اٹلی کی راہ لی۔ جن عوامل نے بادشاہ کو اس ہزیمت سے دوچار کرنے میں مدد دی' ان میں ایک عامل تھا (مسلمانوں کی) بہترین قیادت' الجزائری قوم کا اس قیادت پر اعتماد اور مختلف قبائل کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت حاصل کرنے کے لیے

1۔ جہود العثمانیین: ص326
2۔ خیر الدین بار بروسہ' بسام العسلی: ص108
3۔ خیر الدین بار بروسہ' بسام العسلی: ص153
4۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ: (919/2)

میدان جنگ میں کود پڑنا اور اسلام و مسلمانوں کے دفاع کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینا۔

الجزائر کے لوگ اس شکست کو اصحاب فیل کی شکست سے تشبیہ دیتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے' انہوں نے سلطان سلیمان کے نام اپنے خط میں اس بات کا اظہار بھی کیا اور کہا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے چارلس پنجم اور اس کے لشکر کو اصحاب فیل کے لشکر جیسی سزا دی ہے' ان کے مکر و فریب کو ناکام بنا دیا ہے' ان پر تند و تیز ہوا اور زوردار سمندری فوجیں بھیجی ہیں اور ان کو سمندر کے ساحلوں پر قیدی اور مقتول بنا چھوڑا ہے اور ان میں سے بہت کم لوگوں نے نجات حاصل کی ہے"۔(1)

الجزائر کے لوگوں نے خواہ وہ اس اقلیم کے اصلی باشندے تھے یا اندلس کے مسلمان جو اپنے دین کو بچا کر الجزائر ہجرت کر آئے تھے' تمام نے چارلس کی شکست کے ایک ماہ بعد سلطان سلیمان کو ایک خط لکھا اور ان تمام دردناک اور روح فرسا حالات کی تصویر کشی کی جن سے اندلس کے مسلمان دوچار تھے۔ انہوں نے بالتفصیل بیان کیا کہ اندلس میں اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد جو لوگ اپنے دین پر قائم رہے' نصرانیوں نے ان پر کیسے ظلم کیے' کیسے تفتیشی محکموں اور مسیحی اداروں نے ان پر ستم ڈھائے' کیسے انہیں قتل کیا گیا' انہیں جلایا گیا' ان مظالم کی روداد کے علاوہ خط میں مجاہد فی سبیل اللہ ناصر الدین' سیف اللہ علی الکافرین خیر الدین کی ان خدمات جلیلہ کو سراہا گیا جو انہوں نے اسلام کی خاطر پیش کیں۔

خط میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا کہ اہل اندلس نے پہلے بھی سلطان سے مدد طلب کی ہے اور سلطان نے ان کی مدد کی ہے جس کے نتیجے میں بہت سارے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے باغی کافروں کے ہاتھوں سے نجات حاصل کی ہے۔ سلطان نے انہیں ارض اسلام کی طرف آنے میں مدد دی ہے اور وہ دولت عثمانیہ کی مخلص رعایا بن گئے ہیں' خط میں دو بنیادی مطالبات پیش کیے گئے۔

① الجزائر کی مدد کے لیے عسکری امداد بھیجی جائے کیونکہ یہ امداد اہل اسلام کے لیے دفاعی قلعہ ثابت ہوگی اور اہل کفر و طغیان کے لیے عذاب اور پریشانی۔ یہ ملک تمہارے نام سے موسوم ہوگا اور تمہاری عظیم المرتبت سلطنت کے ماتحت ہوگا' اس سے ٹوٹے ہوئے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے گی اور بکھری ہوئی رعایا متحد اور متفق ہو جائے گی۔(2)

② خیر الدین پاشا کو اس کے سابقہ منصب کی طرف لوٹایا جائے یعنی الجزائر کا بیلر بک' خیر الدین ہمارے آقا کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرتا ہے کیونکہ انہوں نے اس وطن کو نئی زندگی دی ہے' یہ اس وطن کے بہترین مددگار ہیں اور تمام مشرک ان سے خائف اور پریشان ہیں۔(3)

خیر الدین باربروسہ الجزائر پہنچا تا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس ملک اور مسلمانوں کا دفاع کرے' جن کی طاقت ہسپانیہ کے خلاف صرف ہو چکی تھی۔ سو خیر الدین نے بیلر بکیہ (عہدہ کا نام ہے) پر اکتفا کیا اور اسی منصب میں رہتے ہوئے تمام امور سرانجام دیئے' پھر وہ اپنا بحری بیڑا لے کر ہسپانوی علاقوں کی طرف روانہ ہوا تا کہ انہیں دردناک عذاب چکھائے۔ سلطان سلیمان نے حسن آغا طوشی کو عسکری خدمات' ہسپانیہ کے خلاف کامیابی' بحر متوسط کو ہسپانیہ کے بحری بیڑے سے کسی حد تک خالی

1۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ: (920/2)　2۔ ایضاً، (921/2)　3۔ ایضاً، (921/2)

کرانے میں فعال کردار کے اعتراف میں پاشا کے منصب پر فائز کیا۔ ہسپانوی فوج ابھی تک اپنے زخم چاٹ رہی تھی اور اپنی قوت مجتمع کرنے میں مصروف تھی کہ عثمانی بحریہ کے جہاز ہسپانیہ اور اٹلی کے ساحلوں کی طرف چل پڑے ان جہازوں نے وہاں پر متواتر کئی حملے کیے' خوب خوف و ہراس پھیلایا' ہسپانوی اور اطالوی علاقوں میں دور تک نکل گئے جو کچھ ہاتھ لگا اس پر قبضہ کرلیا(1)۔ یورپی ملک عثمانیوں کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگے۔ شمالی افریقہ کے وہ علاقے جہاں پر ہسپانیہ کا قبضہ تھا جیسے وہران وغیرہ ان کارروائیوں سے تھرا اٹھے۔(2)

سعدیوں نے ایک اور محاذ پر پرتگالیوں کے مقابلے میں شاندار فتح حاصل کرلی' انہوں نے سانتا کروز کا قلعہ فتح کرلیا' جونہی پرتگال کے فرمانروا جان ثالث کو اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً آسفی اور آزمود سے اپنی فوجوں کو انخلاء کا حکم دے دیا اور اس سلسلے میں مدرید میں مقیم اپنے سفیر کو ایک خط لکھا۔ یہ خط 28 رمضان المبارک 948ھ دسمبر 1541ء کو لکھا گیا۔ جان ثالث نے اس خط میں ہسپانوی شہنشاہ چارلس خامس کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور ان اسباب کا ذکر کیا جن کی بناء پر پرتگال نے اپنے دونوں مرکزوں آسفی اور آزمود سے پسپائی کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ خطرناک جگہ ہونے کے علاوہ یہ دونوں مرکز ارد گرد سعدی فوجوں سے پٹے پڑے تھے کیونکہ انہیں عثمانیوں کی طرف سے امداد مل چکی تھی۔ سعدی فرمانروا عثمانی توپ خانے اور حربی آلات کی وجہ سے خاصی طاقت حاصل کرچکا تھا اور اس کے پاس تجربہ کار فوج بھی موجود تھی' اس امداد کا علم سانتا کروز کے محاصرہ کے دن ہوا جس کی وجہ سے ان دونوں مرکزوں کی حفاظت بہت مشکل صورت حال اختیار کرگئی۔ آسفی اور آزمود سے یہ پسپائی مغرب اقصیٰ سے قطعی علیحدگی نہیں تھی' سومازکان کو مضبوط کرنے کے احکامات دے دیئے گئے تاکہ پورا سال اس کی بندرگاہ سے سہولت کے ساتھ فائدہ اٹھایا جاسکے۔(3)

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کس حد تک دولت عثمانیہ نے مغرب اقصیٰ میں اسلامی قوتوں کو امداد فراہم کی تاکہ وہ یہاں پر موجود مسیحی فوجوں سے دو دو ہاتھ کریں۔ دولت عثمانیہ اس طرح اپنی پشت کو محفوظ کر کے آگے بڑھنا چاہتی تھی اور اندلس کی بازیابی کے لیے ہسپانیہ پر حملہ کرنے کی سوچ میں تھی۔ سو سعدیوں کو مدد فراہم کرنے میں دولت عثمانیہ نے اپنی رغبت کا اظہار کیا تاکہ مغرب اقصیٰ کے جنوبی مراکز میں پرتگالیوں کی موجودگی ختم ہوجائے تو وہ سمندر کو اندلس کی طرف عبور کرے کیونکہ مغرب اقصیٰ سے اندلس کے علاقے قریب پڑتے تھے۔(4)

چارلس کا انجام

الجزائر پر حملہ میں چارلس پنجم کی ناکامی کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے' نہ صرف ہسپانوی شہنشاہیت اور اس کے فرمانروا چارلس پر بلکہ پوری دنیا پر' ایک عربی شاعر ان اثرات کے بارے یوں کہتا ہے:

سلوا شار لكان كم راى من جنودنا فليس له الاهم من زواجر

1۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص213 2۔ المغرب العربي الكبير شوقي عطاء الله الجمل: ص9

3۔ جهود العثمانيين: ص328 4۔ ایضاً

فجھز اسطولا وجیشا عرمر ما ولکنہ قد آب اوبۃ خاسر

❶ چارلس سے پوچھو کہ اس نے ہمارے کتنے لشکر دیکھے ہیں' پس یہ تو اس کے لیے کچھ نہیں تھے' صرف اس کو دھتکار رہے تھے۔

❷ اس نے ایک بحری بیڑا اور لشکر جرار تیار کیا لیکن جب وہ واپس ہوا تو ایک ناکام خایب و خاسر شخص کی مانند واپس ہوا۔

شکست کی خبر یورپ پر بجلی بن کر گری اور بڑی تیزی سے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ چارلس خامس کا کوئی ہمدرد اور حلیف نہ رہا' سوائے انگلستان کے بادشاہ ہنری سوئم کے باقی سب لوگ فرانس کے بادشاہ ڈوق (ڈی کلیف) ڈنمارک کے بادشاہ اکور اسکندینافیا کے بادشاہ کے ساتھ مل گئے۔ فرانسیسیوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ الجزائر کا سقوط لامحالہ فرانس کے سقوط کا سبب بنتا' فرانس کے فرمانروا فرانسوا اول نے سلطان سلیمان قانونی کے ساتھ معاہدہ کی فوراً تجدید کر لی۔ چارلس کی شکست کے شمالی افریقہ کے اندر لوگوں کے مورال پر بھی بڑا اثر پڑا' رہا یورپ تو ایک طویل عرصہ تک اہل یورپ کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب چھایا رہا۔

چارلس خامس الجزائر پر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ خیرالدین اور حسن آغا کا رعب خاص و عام پر یوں چھایا کہ دور سے اگر انہیں کوئی سایہ بھی نظر پڑتا تو چیخ اٹھتے کہ خیرالدین آ گیا ہے اور لوگ بھاگنا شروع کر دیتے' اپنے گھروں' کھیتوں' منڈیوں اور بازاروں سے فرار ہو جاتے' اگر تیز سمندری ہواؤں کی وجہ سے کوئی جہاز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا تو لوگ گمان کرتے کہ خیرالدین باربروسہ نے سمندر کو بھڑکا دیا ہے' اسے ہیجان پذیر کر دیا ہے اور ان کے جہازوں کو اسی نے ہی غرق کیا ہے۔ الجزائر کے قائدین کا خوف حد درجہ چھایا ہوا تھا حتیٰ کہ ہسپانیہ اور اٹلی والوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب کوئی جرم صادر ہوتا' چوری ہوتی' فتنہ و فساد ہوتا' تخریب کاری ہوتی' بیماری یا وباء پھیل جاتی یا ملک میں قحط سالی شروع ہو جاتی تو لوگ کہتے یہ سب کچھ خیرالدین اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے ہوا ہے (1)۔ خیرالدین کے خوف سے یورپی سسکیاں بھرتے اور زیر لب یوں کہتے سنائی دیتے تھے:

باربروسہ باربروسہ
انت صاحب کل شر
ماکان من الم اوعمل
موذ جھنمی مدمر
الاوالسبب فیہ
ہذالقرصان الذی
لانظیر لہ فی العالم (2)

1۔ خیرالدین باربروسہ: ص200
2۔ مجلہ تاریخ وحضارۃ المغرب فی کلیۃ الآداب فی الجزائر (1969) م العدد 6: ص5934

ترجمہ:- باربروسہ تو ہر شرارت کی بنیاد ہے' جتنے بھی غم والم ہیں' فتنہ وفساد پر مبنی کام ہیں' اذیت دینے والے جہنمی اور تباہی پھیلانے والوں کی کارستانیاں ہیں' سب تیری وجہ سے ہیں' یہ سمندری ڈاکو وہ شخص ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔(1)

حسن آغا طوشی کی وفات

حسن آغا طوشی آخری دم تک اپنا مقدس فریضہ سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ 951ھ بمطابق 1544ء کو اس دنیائے فانی سے عالم بقاء کی طرف چل دیئے۔ الجزائر کے حکومتی ارکان نے بالاتفاق حاجی بکیر کو ان کی ذمہ داریاں سونپ دیں اور انہوں نے الجزائر کی حکومتی ذمہ داریاں پوری کرنا شروع کیں حتیٰ کہ باب عالی استنبول نے نئے حاکم کا تقرر کر دیا۔ حسن بن خیر الدین جن کا بحیثیت حاکم تقرر ہوا' اسی سال الجزائر پہنچ گئے اور حکومتی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔(2)

چھٹی بحث

مجاہد حسن بن خیر الدین باربروسہ

حسن بن خیر الدین نے پہنچتے ہی جہاد اور مسیحیوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں' سب سے پہلے الجزائر کے شہر کو مضبوط کیا کیونکہ جن مقامات سے چارلس خامس نے حملہ کیا تھا وہ مقامات کمزور تھے' اس کے علاوہ انہوں نے الجزائر میں انتظامی امور کو بھی بہتر بنانے کی پوری کوشش کی اور فوجی انتظامات میں جو کمزوریاں پائی جاتی تھیں انہیں دور کیا' اس کے بعد تلمسان کے مسئلہ کے حل کی طرف توجہ دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ زیانیہ خاندان کی بقاء اور وہران میں ہسپانیوں کی موجودگی مسئلے کو پیچیدہ بنا دے گی۔(3)

تلمسان کا حاکم (ابوزیان) احمد الثانی عثمانیوں کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ بیرونی سازشوں کا شکار ہو گیا تھا اور بیرونی طاقتوں کا آلہ کار بن کران کے مفادات میں کام کرنے لگا تھا اور سب سے بڑھ کر اس نے ہسپانیہ سے مراسم قائم کیے اور آئے روز ان کے قریب ہونے لگا تھا' تلمسان کے لوگوں کو اس کی یہ پالیسی سخت ناپسند تھی۔ انہوں نے اسے معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوزیان نے وہران کی طرف رخ کیا تاکہ ہسپانیوں سے مدد حاصل کرے اور انہیں اس بات کی پیش کش کرے کہ وہ اپنی ولایت میں ان کے مفادات میں کام کرے گا۔ وہران کے حاکم نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی' لشکر ترتیب دیا اور ہسپانیہ کے اطاعت گزار تمام گروہوں بنی عامر' فلیتہ' بنی راشد کو اپنے ساتھ ملا لیا' اس کی قیادت منصور بن بوغنام کر رہا تھا۔ وہران کے حاکم نے حسن کو ہٹانے اور شہر کے تخت پر دوبارہ ابوزیان کو بٹھانے کے لیے تلمسان کا رخ کیا جونہی حسن بن خیر الدین کو ہسپانوی فوج کی پیش قدمی کا علم ہوا تو وہ فوراً اسلامی لشکر کی قیادت کرتا ہوا تلمسان پہنچا تاکہ ہسپانیوں کو ان کے ہدف تک پہنچنے سے

1۔ تاریخ عام الجزائر' عبد الرحمٰن الجیلانی: (84/3)

2۔ تاریخ عام الجزائر' عبد الرحمٰن الجیلانی: (84/3)

3۔ تاریخ الجزائر الحدیث' محمد فارس' ص 38-39

روکے۔ حسن بن خیر الدین نے اس پر قبضہ کر کے اپنے حلیف حسن کو تلمسان میں مدد باہم پہنچائی (1)۔ جس نے دولت عثمانی کے قبضے کو تسلیم کر لیا' اسی طرح حسن بن خیر الدین نے تلمسان کے المشوار نامی قلعہ میں قائد محمد کی قیادت میں عثمانی فوج کے کچھ دستے چھوڑے اور خود اردگرد کے علاقوں کو مطیع کرنے کے لیے روانہ ہو گیا لیکن تلمسان سے باہر دولت عثمانیہ کا اثر و رسوخ قائم نہ ہو سکا کیونکہ مزوار بن بوغنام کی قیادت میں پڑوس کے بعض قبائل آڑے آئے' مزوار بن بوغنام اپنے داماد امیر مولای احمد جو ہسپانیہ کا حلیف تھا کی مدد کرنا چاہتا تھا۔(2)

دولت عثمانیہ نے سلطان شریف سعدی کی بیس ہزار سپاہیوں سے مدد کی' کافی مجاہد اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور اسے مجبور کیا کہ وہ ہسپانیہ پر قبضہ کرنے کے لیے جنگی جہاز بنائے۔ شریف سعدی نے اس بات سے اتفاق کیا' انہیں تمام اخراجات بھی دیئے اور ان کی تنخواہیں بھی مہیا کیں۔(3)

شریف سعدی وطاسی حکومت ختم کرنے میں کامیاب رہا' ہسپانوی عثمانی اور سعدی فوجوں کے مشترکہ حملوں سے بے حد خوفزدہ تھے۔ انہوں نے ملیلہ کے قلعوں سے پسپائی اختیار کی اور جبل طارق اور قادش کے لیے متعدد حفاظتی اقدامات کی طرف توجہ دی اور عثمانی فوجوں کی راہ روکنے کے لیے مناسب فیصلے کیے۔

شروع شروع میں سعدیوں کی سرگرمیوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ یہ مغرب سے مسیحیوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں تمام مسلمانوں کی تائید اور پشت پناہی حاصل ہو گئی کیونکہ لوگ ان کی سرگرمیوں کو جہاد فی سبیل اللہ یقین کرتے تھے' پھر سعدیوں پر اندلس کی آزادی کا پروگرام پیش کیا گیا لیکن جب مغرب اقصیٰ کے علاقے شریف سعدی کے قریب ہوئے اور وطاسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو شریف تلمسان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا' فوراً ایک لشکر بھیجا تاکہ تلمسان سے عثمانی اقتدار کو ختم کیا جا سکے جب عثمانیوں کو ان ارادوں کا علم ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ شریف سعدی اسلامی اہدافات سے منحرف ہو گیا ہے تو انہوں نے مزاحمت کی تاکہ شریف سعدی اپنے علاقے میں واپس چلا جائے۔(4)

مجاہدین بحر متوسط کے مغرب میں خوب خوف و ہراس پھیلا رہے تھے انہوں نے بحری نوک جھونک شروع کر دی جس کی وجہ سے ہسپانیہ اور اٹلی کے درمیان تجارتی سامان سے لدے ہوئے جہاز اور تاجر بے حد پریشان ہوئے۔ شمالی افریقہ کے مجاہد بحر متوسط کے سردینیا اور افریقی ساحل کے درمیانی علاقہ پر مکمل چھا چکے تھے' اس لیے مسیحی جہاز مجبور تھے کہ وہ زیادہ تر ان راستوں کو اختیار کریں جو راسی کورسیکا کے قریب پڑتے تھے اور محفوظ تھے لیکن راس پر عثمانیوں کی مدد سے فرانس کا قبضہ ہسپانیہ اور اٹلی کے رابطوں کے لیے دھمکی ثابت ہوا' چارلس خامس قسطنطنیہ کے خلاف بحری راستوں کے دفاع میں بالکل ناکام ہو چکا تھا جس کا خواب وہ بچپن سے دیکھتا آیا تھا اور اب وہ براہ راست ہسپانیہ کو کوئی فائدہ پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔(5)

1۔ الجزائر والحملات الصلیبیہ: ص 21-22
2۔ جہود العثمانیین: ص 329
3۔ ایضاً ص 330
4۔ ایضاً ص 334
5۔ ایضاً ص 356

خیرالدین باربروسہ کی زندگی کے آخری ایام

خیرالدین عثانی بحریہ کی قیادت کرتا رہا' اس نے ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کیں کہ پورا مغرب تھرا اٹھا جب دولت عثانیہ اور فرانس کے درمیان معاہدہ طے پایا تو خیرالدین نے مارسیلیا کے شہر کو اپنی قیادت کا مرکز (ہیڈ کوارٹر) اور اپنے بحری بیڑے کے لیے جائے قیام ٹھہرایا۔ یہاں یعنی مرسیلیا میں خیرالدین اور اس کی فوج نے ہسپانیہ سے اپنے ساتھ لائے گئے مال غنیمت کو بیچا' غنائم میں غلام اور لونڈیاں بھی تھے' جن کا تعلق ہسپانیہ سے تھا' ان غلاموں کی تشہیر کی گئی (تا کہ لوگ دیکھیں کہ ہسپانیہ اگر راہ راست پر نہیں آئے گا تو اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا) پھر ان غلاموں اور لونڈیوں کو فرانسیسیوں نے سستے داموں خرید کر اٹلی کے یہودیوں کے ہاتھ مہنگے داموں بیچ ڈالا۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا اور ہسپانیہ کے شہری غلام بن کر بکتے رہے' یہودی جوان ہسپانوی غلاموں کو خریدتے تھے انہیں چارلس پنجم کے ہاتھ بیچ دیتے اور خوب دولت کماتے۔

فرانس کے حکم سے فرانسیسی بحریہ عثانی بحریہ میں ضم ہوگئی اور فرانسیسی بحریہ کے ایڈمرل ''امیر فرانسوا د بوربون'' نے اپنی فوجوں کو خیرالدین کی قیادت کے ماتحت کر دیا کیونکہ وہ متحدہ بحری فوجوں کے کمانڈر انچیف خیال کیے جاتے تھے' سب سے پہلا کام جو خیرالدین نے کیا وہ تھا نیس پر حملہ کرنے کے لیے فوجوں کی قیادت کرنا' نیس کے حکمران کو جلاوطن کرنا' اسے ہسپانوی قبضہ سے چھڑانا اور دوبارہ فرانس کی مملکت کا حصہ بنانا۔

اس کے بعد خیرالدین اپنے بحری بیڑے کے ساتھ ''طولون'' کے شہر میں آکر ٹھہرا اور اسے اسلامی لشکر اور اسلامی بحریہ کا مستقر بنایا جبکہ یہاں کے زیادہ تر لوگ فرانس کے بادشاہ کے حکم سے اس علاقے کو مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے تھے' فرانس کے اس تصرف کے خلاف پوری مسیحیت سراپا احتجاج بن گئی۔ یورپ کے کونے کونے سے مسلمانوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا شروع ہوگیا۔ ہسپانیہ کی عوام اور انتہاء پسند صلیبی لوگوں کو فرانس اور مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکا رہے تھے اور کافی حد تک اپنے مقاصد حاصل کر رہے تھے۔ صلیبی کہا کرتے تھے: ''خیرالدین نے کلیسوں کی گھنٹیاں اتار دیں ہیں اب طولون میں صرف آذانوں کی آواز سنائی دیتی ہے'' خیرالدین اور اس کی اسلامی سپاہ 1544ء تک طولون کے شہر میں قیام پذیر رہے۔

اس عرصہ میں چارلس نے فرانس کے شمال مشرقی حصے پر حملہ کیا اور ''شاتو تیری'' کی دیواروں کے نیچے بہت بری طرح شکست کھائی پھر مجبوراً جرمنی کی طرف گیا جہاں پروٹیسٹنٹ تحریک جو بالعموم کیتھولک کے مخالف اور بالخصوص ہسپانیہ کے مخالف تھی' زوروں پر تھی۔ الجزائر کے مقابلے میں شکست کھانے کے نتیجے میں جب اس کا ستارہ غروب ہونے کے قریب تھا اور اس کا رعب ختم ہو چکا تھا۔ تو مجبوراً اس نے فرانس کے ساتھ صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ 18 اگست 1544ء کو ''کریسی ڈی فالوا'' کے شہر میں فریقین کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے اور اس معاہدے کے نتیجے میں خیرالدین اور اس کی فوجیں طولون کے شہر کو الوداع کہہ کر استنبول آ گئے چونکہ ہسپانیہ اور مسلمانوں کی جنگ جاری تھی اس لیے واپس آتے ہوئے خیرالدین

جنگی سرگرمیوں میں مصروف رہا' جنوہ کے شہر کے سامنے ٹھہرا شہر کے بزرگوں کی مجلس خوف زدہ ہوگئی' فوراً قیمتی تحائف خیرالدین کی خدمت میں ارسال کیے اور گزارش کی کہ شہر کو امان دی جائے۔ خیرالدین برابر سفر کرتا رہا حتیٰ کہ البا کے جزیرے پر پہنچا' یہ جزیرہ ہسپانیہ کے زیرنگیں تھا اور بعد میں نپولین بوناپارٹ کی جلاوطنی اسی جزیرہ میں ہوئی تھی' الغرض خیرالدین نے اس پر قبضہ کرلیا اور اس کو خوب لوٹا اور تاراج کیا' اس کے علاوہ کئی ساحلی شہروں پر بھی قبضہ کیا' ان شہروں میں ایک شہر لبیاری کا تھا' اس کے بعد خیرالدین مال غنیمت سے لدا پھندا دارالحکومت واپس آیا اور اس کا یوں استقبال ہوا جس طرح ایک ماں اپنے نیک خصلت بچے کا استقبال کرتی ہے۔ اس کے بعد خیرالدین زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا' اس کے راہ جہاد کے رفیق حسن پاشا تو پہلے ہی 1544ء کو رخصت ہو چکے تھے' خیرالدین بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

خیرالدین کی وفات کے ساتھ ایک نہایت ہی روشن ستارہ غروب ہو گیا جو ایک عرصہ تک بحر و بر میں مسلمانوں کے آسمان پر چمکتا رہا' اس کے وصال سے جہاد اسلامی کا ایک نہایت ہی روشن باب ختم ہوا اور ایک نئے باب کی شروعات ہوئیں۔

خیرالدین نے ایمان کی جنگوں کی قیادت کی اور عظیم کامیابی حاصل کی۔ وہ وفا' اخلاص' انکار ذات' ایثار و قربانی اور صدق و شجاعت جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کا دلدادہ تھا۔ خیرالدین کا وہ جواب جو اس نے چارلس کو دیا تھا آج تک تاریخ میں محفوظ ہے جب چارلس نے کہا ''تمہیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہسپانیہ کے لوگ کسی معرکہ میں ناکام نہیں رہے' ہسپانیوں نے خیرالدین کے بھائی الیاس اور عروج کو قتل کیا اور اگر اس کی سرکشی کا یہی عالم رہا تو اس کا انجام بھی اپنے بھائیوں جیسا ہوگا'' اس پر خیرالدین نے چارلس کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ''تو کل دیکھ لے گا' کل کا دن دور نہیں' عنقریب تیرے لشکریوں کے اعضاء بکھرے پڑے ہونگے' تیرے جہاز غرق ہو چکے ہونگے اور تیرے قائدین ناکامی کے تمغے سینے پر سجائے واپس جا رہے ہوں گے'' جب چارلس نے عروج باربروسہ کی وفات کے بعد الجزائر کا محاصرہ کیا تھا تو خیرالدین پورے حزم اور عزم کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے نکلا تھا اور اپنے قائدین اور سپاہ کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی تھی: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (محمد) ''اگر تم اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔'' خیرالدین میدان کارزار کی طرف بڑھا اور اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''مشرق اور مغرب کے مسلمان تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہیں کیونکہ تمہاری کامیابی تمام مسلمانوں کی کامیابی ہے اور تمہارا ان صلیبی فوجوں کو مار بھگانا مسلمانوں اور اسلام کی شان و شوکت کو بلند کر دے گا''۔(1)

اپنے قائد کے عزم و حوصلہ کو دیکھ کر پورا لشکر مارنے مرنے پر تیار ہو گیا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے زمین تھرا اٹھی' مجاہدین ہسپانیہ پر پل پڑے اور ان کی فوجوں کو وہ سبق سکھایا کہ قیامت تک یاد رہے گا۔(2)

یہ تصویر اپنی شکل و صورت اور معنویت میں ان مجاہدین اسلام کی تصویروں سے کبھی بھی مختلف نہیں رہی جو اپنے جزیرے سے نکلے اور اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا لیکن خیرالدین کے دور کی عمومی صورت حال اس دور کی صورت

1۔ خیرالدین باربروسہ: ص 171-170 2۔ خیرالدین باربروسہ: ص 171

حال سے مختلف تھی جس میں اندلس کا ملک فتح ہوا تھا' اب مسلمانوں کے دلوں میں وہ جذبہ نہیں رہا تھا' ان کی صفوں میں پہلے جیسا اتحاد نہیں تھا' پہلے وہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع تھے جس کی وجہ سے اندرونی دشمنوں میں یہ حوصلہ نہیں تھا کہ وہ سامنے آئیں اور مسلمانوں کے عام رجحان کے خلاف اثرات مرتب کرنے میں کوئی کردار ادا کریں لیکن اب وہ مسلمانوں کے افکار و نظریات پر اثر انداز ہو رہے تھے اور سب سے خطرناک صورت حال یہ تھی کہ وہ قائدین کے ذہنوں پر قبضہ کر چکے تھے جس کی بدولت یہ قائدین اپنے علاقوں اور اپنے دینی بھائیوں کے خلاف خطرناک کردار ادا کر رہے تھے۔ اگر اس دور میں مسلمانوں کو بہترین صفات کی حامل جرات مند اور دور اندیش قیادت میسر نہ ہوتی تو اس طرح کی کارروائیوں میں کامیابی حاصل کرنا ممکن نہ ہوتا' یعنی ایک ایسی باصلاحیت قیادت جو تمام مشکل مراحل میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتی اور دشمن کی سازشوں کو ناکام بنانے کی سکت رکھتی۔

اس دور میں کامیابی حاصل کرنے کے تینوں عوامل پوری طرح موجود تھے' مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ سے سرشار تھے اور دین کی سربلندی کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ نظریہ جہاد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہترین انتظامات اور تیاری اور جنگی کارروائیوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے اعلیٰ درجہ کی قیادت۔

یہی وہ عوامل تھے جن کی بناء پر الجزائر کے لوگ صلیبیوں کے خلاف کامیاب ہوئے' انہی عوامل کی وجہ سے خیر الدین فتح سے ہمکنار ہوا اور الجزائری قوم نے خیر الدین کی قیادت میں تاریخ اسلامی میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا خیر الدین اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہ ہوتا اگر الجزائر کی مجاہد قوم اس کا ساتھ نہ دیتی اور الجزائر کی قوم کبھی بھی اپنے ہدف تک نہ پہنچ پاتی اگر انہیں خیر الدین جیسی تجربہ کار اور دور اندیش قیادت میسر نہ آتی۔

خیر الدین اپنے رب کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوا کہ وہ اپنے رب سے راضی تھا اور اس کا رب اس سے راضی تھا۔ خیر الدین کو دوام حاصل ہوا اور امت اسلامیہ ابدالآباد تک ان کارناموں کو دہراتی رہے گی جو سچے عقیدے' جہاد کی تعلیمات اور راہ خدا میں ان کی روایات نے سرانجام دیئے ہیں۔ (1)

حسن بن خیر الدین کی الجزائر کی حکومت سے معزولی

959ھ/1151ء میں جب تلمسان میں سعدیوں کو شکست ہوگئی اور عثمانی حکومت کے ستون مضبوط ہو گئے تو حسن بن خیر الدین باربروسہ نے تمام بیرونی ملکوں سے مخالفت کی پالیسی اختیار کر لی' ان بیرونی ملکوں میں فرانس بھی تھا جس کے دولت عثمانیہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے انہوں نے استنبول سے بہت سی اقتصادی مراعات حاصل کر رکھی تھیں' تمام عثمانی علاقے یہ مراعات دینے کے پابند تھے لیکن حسن بن خیر الدین نے ان مراعات کا التزام نہ کیا اور کئی مواقع پر فرانس سے اپنی دشمنی کا اعلان کیا' مجبوراً فرانس کو اپنے قابل اعتماد سفیر کو جو استنبول میں تھا' الجزائر بھیجنا پڑا تاکہ معلوم کرے کہ حسن بن خیر الدین فرانس دشمنی میں کس حد تک جا چکا ہے اور یہ مخالفت فرانس اور الجزائر کی بیلر بکیہ کے درمیان

1۔خیر الدین باربروسہ: ص176

اقتصادی تعلقات پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے۔

فرانس کے سفیر نے بیلر بک حسن بن خیر الدین سے ملاقات کی اور اسے عسکری امداد دینے کی پیش کش کی تاکہ ہسپانیہ پر دولت عثمانیہ کے حملے کے پلان پر عمل کیا جا سکے لیکن حسن نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے پہلے دولت عثمانیہ کے ساتھ فرانس کا رویہ کیا رہا ہے۔ حسن نے کھل کر کہہ دیا کہ جہاد کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اور بیان کیا کہ وہ ایک کافر کے خلاف دوسرے کافر سے امداد نہیں لے گا۔ فرانسیسی سفیر استنبول واپس آ گیا اور اعلیٰ عہدیداروں کے صدر کو خوب بھڑکایا اور کہا: ''حسن بن خیر الدین کے وسیع اختیارات اور اس کی مملکت کی توسیع کی کوشش دولت عثمانیہ کی وحدت کو پارا پارا کر دے گی اور اس کے وجود کو تقسیم در تقسیم کے ذریعے مٹا کر رکھ دے گی (1)'' خاص کر اس وجہ سے کہ اس کے والد الجزائر کے معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

دولت عثمانیہ نے خیال کیا کہ الجزائر میں اپنی سیاسی پالیسی تبدیل کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ مغرب ہسپانیوں کا طاقتور حلیف بن چکا ہے اور اگر دولت عثمانیہ نے کوئی موثر اقدام نہ کیا تو طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔ سلطان سلیمان قانونی نے جدید صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے کئی تدابیر کیں جن میں سے ایک اہم تدبیر سلطان سلیمان کا الجزائر کے بیلر بک حسن بن خیر الدین کو معزول کرنا ہے' اس پر الزام یہ لگایا گیا کہ وہ مغرب کے ساتھ دولت عثمانیہ کے بہتر تعلقات کو بگاڑنے کا سبب بنا ہے حالانکہ سلطان نے وحدت اسلامیہ اور حسن جوار کی دعوت دی تھی۔ (2)

دولت عثمانیہ نے صفر 960ھ/ جنوری 1552ء کو خیر الدین کی جگہ صالح رائس کو الجزائر کا بیلر بکیہ مقرر کیا۔ (3)

سلطان سلیمان قانونی کا خط حاکم فاس محمد سعدی کے نام

یہ ہمارا اشرف و عزت کا حامل اعلیٰ سلطانی بلند و بالا خاقانی (شاہی) گرامی نامہ ہے' خدا کرے یہ ہمیشہ نافذ رہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور خدائے بے نیاز کی حفاظت سے ہمیشہ قائم رہے' ہم نے یہ خط اعلیٰ حضرت' امیر کبیر' سب سے زیادہ باعث عزت' باعث فخر' صاحب کمال اور صاحب ہدایت' نہایت عدل گستر' بے حد اہم' عزت والے' مددگار' بھلائیاں جمع کرنے والے' حسب و نسب میں اعلیٰ' ہاشمی خاندان کے سپوت' مقدس نبوی شجرہ نسب کی شاخ' علوی گروہ کے عمدہ فرد' اعلیٰ صفات کے حامل' بہترین خیالات رکھنے والے انسان' بے نیاز بادشاہ' حاکم ولایت فاس الشرف محمد کے نام لکھا ہے' ان کی سربلندیاں دائمی ہوں اور ان کا مقام و مرتبہ اور زیادہ ہو' ہم نے یہ گرامی نامہ اعلیٰ حضرت کی جانب لکھا ہے ہم انہیں اپنی طرف سے سلام کے ساتھ خاص کرتے ہیں' محبت کے تعلقات کی تکمیل اور پاکیزہ دعاؤں کے ساتھ محبت کے تعلقات ان کی خوشبو کے ذریعے مستحکم ہو جائیں گے' پاکیزہ تسلیمات کے ساتھ ازیں بعد: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس کی مشیت بہت عظیم ہے اس نے ہمیں ایک بہت بڑی سلطنت سے نوازا ہے اور ایک بہت بڑے لشکر سے سرفراز کیا ہے' ہمیں وہ شاہی وہ طاقت وہ

1۔ الجزائر والحملات الصلیبیہ' عسلی: ص 30-32
2۔ بدایۃ الحکم المغربی للسودان الغربی' محمد غربی: ص 90-91
3۔ المغرب فی عہد السعد بین' عبدالکریم کریم: ص 79

عظمت حاصل ہے جو اپنا دامن زمین پر گھسیٹتی ہے ایک عظیم سیادت جو سورج کی طرح ہے جب وہ بلند ہو اور ایک بہت بڑی سعادت چاند کی طرح جب وہ طلوع ہو اور ہم کو بہت بڑی خلافت سے مختص کیا جس کی بدولت ایمان کا بازو فتح مند ہے ہمیں ایسا اقتدار بخشا ہے جس کے ذریعے اسلام کے ہاتھ بلند ہیں۔ بلاشبہ ہم پر واجب ہے اور یقینی طور پر ہمارے ذمہ لازم ہے کہ اس عظیم لطف اور اس احسان عمیم پر اس کا شکریہ ادا کریں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعۃ) ہمارا ہمیشہ سے معمول رہا ہے کہ ہم شرع مبین کا اجراء کرتے ہیں سید الاولین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو نافذ کرتے ہیں کفر و طغیان کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں ظلم وستم کی بساط لپیٹ دیتے ہیں اور عدل واحسان کی ترویج کرتے ہیں جب ہمارے مقدس کانوں میں یہ بات پڑی ہے کہ الجزائر کے سابقہ امیر الامراء حسن پاشا نے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن مجاورت کا برتاؤ نہیں کیا بلکہ سختی اور تشدد کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اتحاد و اتفاق کے طریقوں کو پس پشت ڈال دیا ہے مجاہدین جو دین کے حمایتی ہیں کے ساتھ اتحاد کا دروازہ بند کر دیا ہے تو ہم نے ان کی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا ہے سو ہم نے الجزائر کی ولایت اپنی عظیم بارگاہ کے غلام اپنی جلیل چوکھٹوں کے خداموں میں سب سے عظیم شخصیت امیر الامراء کبیر الکبرا صاحب جلال صاحب الاکرام والاحترام صاحب الفرد والاحتشام شاہی عنایات کا زیادہ سے زیادہ حق رکھنے والے اعلیٰ حضرت صالح شاہ کے سپرد کر دی ہے ان کی جلالت شان بہادری کمال دین داری اور دیانت کی وجہ سے ہم نے یہ علاقے انہیں تفویض کیے ہیں اور انہیں ہم نے حکم دیا ہے کہ شرع شریف کو قائم کریں سید المرسلین ﷺ کی توقیر کو زندہ کریں رعایا کی حفاظت کریں ان نیک خصلت لوگوں کی حفاظت کریں جو اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں اور یہ کہ اہل اسلام کے ساتھ مکمل اتحاد رکھیں اور ان کے ساتھ اتفاق کی پالیسی اختیار کریں وہ کام کریں جس میں مملکت اور دین کی عزت ہو دین کے دشمنوں کو بھگانے اور سرکش فاجر و فاسق اور کفار کے قلع قمع میں لگے رہیں لیکن ہماری عظیم بارگاہ کی سب سے بڑی خواہش اسلامی مراسم کا احیاء کافروں اور لئیم سرکشوں کی سرکشی کی آگ کو بجھانا ہے اور یہ خواہش تبھی پوری ہو سکتی ہے کہ اسلام کے امراء میں اتفاق ہو اور بھلائی کی کوششوں میں اشتراک عمل ہو اس کے ساتھ ایک ایسا نظام پایہ تکمیل کو پہنچے گا کہ اس کے اثرات کو مٹایا نہیں جا سکے گا۔

ہم نے انہیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے احوال کو بنظر شفقت و رحمت دیکھیں ان کے درمیان عدل و انصاف برتیں حسن اخلاق سے پیش آئیں تاکہ وہ ان کی عادل سلطنت کے ایام میں امن و آشتی سے خوش و خرم رہیں نہ ان پر خوف ہو اور نہ ہی وہ غمگین ہوں۔

تم پر لازم ہے کہ تم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ حسن معاشرت کی راہ اختیار کرو کیونکہ تم سید الانبیاء کی اولاد اور سید الاصفیاء کے نواسے ہو ہم نے تمہارے عدل و انصاف کے بارے سنا ہے تمہارے کمال تقویٰ تمہاری اعلیٰ خوبیوں کی دھوم سن رکھی ہے اسی شان و شوکت کی وجہ سے ہم نے تمہاری طرف یہ خط لکھا ہے جس کا مضمون باہمی دوستی کو لازم کرتا ہے اور جس کے مندرجات انتہائی درجہ کی محبت کا تقاضا کرتے ہیں اپنی قیمتی صحت کے بارے ہماری ارفع و اعلیٰ بارگاہ کو آگاہی بخشو۔ (1)

1۔ جہود المسلمین: ص 364

یہ خط ماہ محرم کے شروع میں 959ھ بمطابق جنوری 1552ء کو بمقام اڈریانوپل لکھا گیا۔

اسی طرح کا ایک خط سلطان سلیمان قانونی نے مغرب کے حاکم محمد شیخ سعدی کے نام تحریر کیا اور انہیں خلعت بھی عطا کی یہ خط سلطانی حکم نامہ سے عبارت ہے جس میں سلطان نے کہا ہے "یہ ہمارا مبارک خط ہے...... الخ جو ہم نے جناب عالیٰ فاس کے حاکم کے نام لکھا ہے یعنی شریف محمد کے نام جو ان دنوں فاس کے فرمانروا ہیں...... ہم ان کو پاکیزہ سلام و تحیات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں جس کے ذریعے محبت کے تعلقات مکمل ہوں گے اور ان کی خوشبو کے ذریعے مودت کے تعلقات مستحکم ہوں گے' پاکیزہ تسلیمات کے ساتھ' ازیں بعد"۔

بیشک اللہ تعالیٰ عظیم قدرتوں کا مالک ہے' اس کی عظمت و شان بہت بلند ہے جب سے اس نے ہمیں اپنی عظیم مملکت میں ٹھہرایا ہے جس کے گھوڑوں پر ہم سواری کرتے ہیں' اس نے ہمیں بڑی نعمتوں سے نوازا ہے جس کے دامن کو ہم گھسیٹتے ہیں (یعنی اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں) اور ہمیں وہ عظیم سعادت بخشی ہے جو سورج کی طرح ہے جب وہ بلند ہو جائے۔

سید الاولین والآخرین ﷺ کی پاکیزہ سنتوں کو جاری کرنا' دین کے حمایتی اور مجاہدین کی کافر اور سرکشوں کے خلاف مدد کرنا' آپ سید المرسلین قائد الغر المحجلین صلوات اللہ وسلام علیہ کی اولاد سے ہو' ہم نے آپ کے حسن اخلاق' کمال دین داری' دیانت' خلوص دل' صفائے سیرت' مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کوششوں اور اعداء دین کو ختم کرنے کی مساعی کے بارے سنا ہے' اسی وجہ سے ہمارے اعلیٰ سلطانی احسان مبارک نے آپ پر بخشش فرمائی ہے اور ہمارے بلند خاقانی فضل عمیق نے آپ پر نظر عنایت کی ہے اور ہم نے آپ پر اور آپ کے والدین پر تین شاندار خلعتوں کی نوازش فرمائی ہے تاکہ یہ ہمارے درمیان محبت کا واسطہ بنیں اور ہمارے درمیان مودت پیدا ہونے کا سبب ٹھہریں لیکن ہماری جناب کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اہل اسلام اور نبی پاک ﷺ کے دین کی حمایت کرنے والے ہماری سلطنت میں مکمل راحت اور آرام کے ساتھ امن و سلامتی سے مطمئن رہیں' نہ ان پر کوئی خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں۔ انشاء اللہ...... (1)

صالح رایس کو ولایت کی ذمہ داریاں سونپنے کے بارے شاہی فرمان

عثمانی فرمانروا سلیمان قانونی نے الجزائر کے علماء' فقہاء اور تمام رعایا کے نام ایک شاہی فرمان جاری کیا جس میں انہیں صالح رایس کو ولایت کی ذمہ داریاں سونپنے سے مطلع کیا' اس شاہی فرمان میں مذکورہ ہے کہ: "یہ ہمارا فرمان ہے...... جو ہم نے علماء' فضلاء' فقہاء' ائمہ' خطباء' تمام علماء' قائدین' نقباء اور مغربی الجزائر کی سلطنت کی تمام رعایا کے نام ارسال کیا ہے' اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی مزید توفیق دے' ان کو اس بات سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ ہمارے باعزت' بلند مرتبہ خاقانی (شاہی) بخششوں اور ہمارے عظیم المرتبت' بلند سلطانی عطیات نے ہماری بارگاہ عالیٰ کے مملوک اور ہماری اطمینان بخش سلطنت کے قابل اعتماد شخص جو تمام عظیم الشان امیروں میں سب سے بڑے امیر ہیں یعنی صالح پاشا خدا ان کے بخت کو سلامت رکھے کو الجزائر کی

1۔ جہود العثمانیین: ص 365

ولایت سے سرفراز فرمایا ہے' ان کی فرط شہامت وشجاعت' کمال قوت وصلابت' حسن سیرت اور صفائے باطن کی بدولت ہم نے یہ علاقہ انہیں تفویض فرمایا ہے' ہم نے انہیں حکم دیا ہے' سنتوں اور فرضوں کے احیاء کا اور رعایا کی دیکھ بھال کا جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں خیال رکھیں۔ ہم نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کریں' عجیب وغریب امور کی روک تھام کریں تاکہ وہاں کی مسلم رعایا ہماری عادل سلطنت میں مکمل راحت وآرام کے ساتھ رہے' امن کے ساتھ بالکل مطمئن' نہ ان کو کوئی خوف ہو اور نہ ہی وہ غمگین ہوں (علماء' فقہاء وغیرہ) کو چاہیے کہ مذکور امیر کے ساتھ بہترین حال اور مکمل اتفاق سے رہیں' ہماری بارگاہ کا مقصد شرح قویم اور صراط مستقیم کی بالادستی قائم کرنا' اسلامی رسومات اور سید الانام ﷺ کے مبارک طریقہ کو زندہ کرنا' رعایا کی حفاظت' علاقے کی نگہبانی' کافروں اور فاجروں کا ملک کے کونے کونے سے قلع قمع کرنا' انہیں بطور امیر قبول کریں اور ان پر اعتماد کریں' اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق دینے والا ہے' مبارک مہر اس خط کے مضمون کے لیے دلیل ہے"۔(1)

ساتویں بحث

صالح رائیس کی پالیسی

صالح رائیس نے اپنی داخلی پالیسی میں دو امور کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔

1. الجزائر کے مختلف علاقوں کی مکمل وحدت کو یقینی بنانا۔
2. الجزائر کے بقیہ تمام صحرائی حصوں کو اس وحدت میں داخل کرنا تاکہ وہ اندلس پر حملہ کرنے کے لیے بالکل فارغ البال ہو جائے۔

رہی اس کی خارجی حربی پالیسی تو اس میں تین اہداف کو سامنے رکھا گیا تھا۔

1. الجزائر کے علاقوں سے ہسپانیوں کو انتہائی دور لے جانا۔
2. مغرب اقصیٰ کی سعدی مملکت کی طرف سے کی جانے والی مفسدہ پردازیوں اور ہنگامہ آرائیوں کے درمیان اور الجزائر کے درمیان حد فاصل قائم کرنا۔
3. جہاد عام کرنے اور تمام مسلم بحری اور بری فوجوں کو اپنی قیادت میں لے کر بلاد اندلس کی طرف جانے کا اعلان۔(2)

صالح رائیس نے اپنے دور حکمرانی کے شروع ہوتے ہی داخلی وحدت ویگانگت کو یقینی بنانے کی طرف توجہ دی' بہت تھوڑے عرصے میں انہوں نے آزاد امارتوں کو دولت عثمانیہ کی فرمانروائی کے آگے سرنگوں کر دیا' عثمانیوں کی پوزیشن الجزائر میں پہلے سے کہیں مضبوط ہوگئی' اس کے بعد انہوں نے مغرب اقصیٰ کے بارے اپنی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا' صالح نے ان حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جن سے یہ علاقے گزر رہے تھے' انہوں نے خاندان بنی وطاس کے ایک فرد کے ساتھ گٹھ جوڑ پیدا کیا جسے یہ امید تھی کہ ہسپانوی اور پرتگالی اس کا ساتھ دیں گے۔

1۔ جهود العثمانيين: ص 366 2۔ ایضاً

عثمانی فوجوں نے ابی حسون وطاسی کی مدد کے لیے پیش قدمی کی' بادس کے قریب جہاں عثمانی لنگر انداز تھے محمد شیخ کی فوجوں اور عثمانی فوجوں کے درمیان ایک معرکہ برپا ہوا' سعدی فوجوں کو شکست ہوئی جس کی وجہ سے عثمانیوں کے لیے اندر جانے کا راستہ کھل گیا اور اس سے پہلے کہ 963ھ/1553ء کا سال ختم ہوتا' تازہ کا شہر عثمانیوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا جو اس سے پہلے کئی بار سعدیوں سے الجھ چکے تھے' ان معرکوں میں اہم ترین معرکہ بکد یہ الخالی کا معرکہ تھا جو فاس کے علاقے میں پیش آیا' ایسے میں عثمانی فوجیں اور ان کے ساتھ ابو حسون فاس کی طرف بڑھے اور 3 صفر 964ء/8 جنوری 1554ء کو شہر میں داخل ہو گئے۔(1)

باب عالی نے مغرب کو دولت عثمانیہ میں ضم کرنے کا اعلان کیا اور اس کے بعد مساجد میں عثمانی سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔(2)

عثمانی بیڑوں کو دیکھ کر ہسپانیوں اور پرتگالیوں کے خوف کی کوئی انتہا نہ رہی' یہ بحری بیڑے ان بعض بندرگاہوں پر قبضہ کر رہے تھے جو ہسپانیوں اور پرتگالیوں کے مقبوضہ مرکزی مقامات کے قریب پڑتی تھیں تاکہ ان پر قبضہ کر کے وہ اطمینان کے ساتھ اندلس کی طرف بڑھ سکیں۔ اس بات کا تذکرہ اس خط میں بھی ملتا ہے جو پرتگال کے فرمانروا ''جان ثالث'' نے شہنشاہ چارلس پنجم کے نام بھیجا' اس نے چارلس کو لکھا کہ مغرب میں عثمانی اثر ورسوخ کو ختم کرنے کی کوشش کرو اور ان علاقوں میں عثمانی فوجوں کا راستہ روکو ورنہ دونوں قوموں (ہسپانوی اور پرتگالی) کے مفادات پر بہت سخت زد پڑے گی اور بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔(3)

صالح رائیس فاس کے شہر میں چار ماہ ٹھہرا' اس دوران اس نے دولت عثمانیہ کے اقتدار کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور فاس میں قیام کے دوران ہسپانیوں کے خلاف جنگ کا سلسلہ ترک نہ کیا' سب سے پہلے اپنی فوج کے ایک دستے کو مغربی علاقوں کی طرف بھیجا جس نے ہسپانیوں سے بادیس نامی ایک بہت بڑا قلعہ چھین لیا' اس قلعہ کو ''صخرۃ فالین'' بھی کہتے ہیں(4)۔ صالح رائیس نے دوسرا کام یہ کیا کہ بوحسون کی جگہ شریف ادریسی راشدی مولای بوبکر کو عثمانی پاشا کے منصب پر فائز کر دیا کیونکہ مرابطین جو صوفی لوگ تھے' ان کی تجویز تھی کہ فاس کو عثمانی سلطنت میں ضم کر دیا جائے لیکن فاس کے لوگوں کی بغاوت نے صالح رائیس کو مجبور کر دیا کہ وہ بوحسون کو فاس کی حکومت کی طرف لوٹائے۔ بوحسون نے عثمانیوں کی ان شرائط کو تسلیم کر لیا کہ فاس میں عثمانی سیادت کی حفاظت کی جائے گی اس حد تک کہ عثمانی سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا اور اس کے دربار میں عثمانی فوج کا ایک دستہ موجود رہے گا۔(5)

1- المغرب فی عہد الدولۃ السعدیہ: ص 81-80
2- بدایۃ الحکم المغربی فی السودان الغربی: ص 91
3- المغرب فی عہد الدولۃ السعدیہ: ص 81
4- حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص 342
5- اطوار العلاقات المغربیہ العثمانیہ' ابراہیم شحاتہ: ص 147

اندلس کو واپس لینے کے لیے مشترکہ کوششوں کی راہ ہموار کرنا

صالح رائیس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ہسپانیوں کے ساتھ جنگ کرے' ہر کام میں اس کے پیش نظر صرف یہ نقطہ ہوتا کہ اسلامی فوجوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے مسیحیوں کے وجود سے اس علاقے کو پاک کرے' سب سے پہلے وہ وہران سے ہسپانیوں کو جلاوطن کرنا چاہتا تھا اور اس کے بعد اندلس پر حملہ کرنے کے حق میں تھا لیکن یہ سب کچھ کیسے کیا جائے کیونکہ مغرب میں سعدیوں کا فرمانروا کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور قلعہ بنی عباس کے سلطان نے بجایہ کی علیحدگی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا' ان دنوں صالح رائیس کو مسلسل یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ بجایہ کے شہر میں ہسپانوی فوجوں کی پوزیشن کمزور ہے اور فوج کے سپاہی خاصی پریشانی میں ہیں۔ صالح رائیس نے سوچا کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے' اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور مغرب کی تطہیر سے پہلے مشرق کو ہسپانیوں سے پاک کیا جائے' اس نے سوچا ہو سکتا ہے بجایہ کو ہسپانیہ سے چھیننے کا کچھ اثر ہو اور بجایہ کا فرمانروا وحدت اسلامی کے دائرے میں واپس آ جائے۔ بجایہ کے لوگوں کے اصرار پر صالح رائیس ربیع الاول 963ھ/ جنوری 1555ء کو بجایہ کے شہر کی طرف چل دیا' اس کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر جرار تھا' امارۃ کوکو کے مجاہدین کی شمولیت نے ان میں مزید اضافہ کر دیا' عثمانی فوجوں نے شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا' اسی دوران عثمانی بحری بیڑا بھی آ گیا جس پر لشکر کے علاوہ اسلحہ اور توپیں بھی لدی ہوئی تھیں' مسلمانوں نے توپیں نصب کیں اور قلعے پر خوب گولہ باری کی (1)۔ دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا' بالآخر ذی القعدہ 963ھ/ ستمبر 1555ء میں صالح بجایہ کا قلعہ ہسپانوی فوجوں سے چھیننے میں کامیاب ہو گیا اور نابولی کا حاکم بجایہ کے حاکم کی بروقت امداد نہ کر سکا (2)۔ اسی طرح ہسپانوی حاکم نے بھی عثمانی فوجوں کے آگے سر جھکا دیا۔ (3)

بوحسون وطاسی کا قتل

بوحسون' محمد شیخ سعدی کے مقابلے میں آیا جس نے سوس اور جوز کے علاقوں سے فوجیں جمع کر رکھی تھیں اور اپنی فوج کو لیکر فاس کے علاقے راس الماء میں پہنچا' عثمانیوں کے انخلاء کے بعد بوحسون نے لشکر اور آلات حرب جمع کرنا شروع کر دیا' حتیٰ کہ آٹھ ماہ گزر گئے جب وہ جنگ کی مکمل تیاری کر چکا تو مولای محمد الشیخ کے مقابلے کے لیے فوج کو نکلنے کا حکم دے دیا' وہ مراکش پہنچا دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے' دونوں میں سخت معرکہ ہوا' بوحسون نے سعدیوں کو بہت بری طرح شکست دی حتیٰ کہ انہیں واپس بھیجنے میں کامیاب ہو گیا' بوحسون مولائی نے محمد شیخ کو پیغام بھیجا اور کہا: تم اور تمہارے بیٹے مجھ سے آ کر ملو میں اکیلا تمہارے پاس آتا ہوں ہم مسلمانوں کو جنگ سے الگ کر دیتے ہیں' محمد نے اس چیلنج کو قبول کر لیا' اپنے والد اور بھائیوں کے پاس واپس آیا اور ان سے ماجرا کہہ سنایا۔ شیخ محمد' اس کا والد اور اس کے چھ بھائی ان تمام نے بوحسون پر حملہ کر دیا' وہ اس کے پیچھے لگ گئے حتیٰ کہ وہ لڑتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور قتل ہوا' محمد شیخ اور اس کے ساتھیوں نے اس کا سر قلم کیا اور اس کی

1۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 343-344 2۔ تاریخ الجزائر الحدیث' محمد خیر فارس: ص 41 3۔ تاریخ الجزائر العام: (88/3)

فوج کے سامنے لاکر اسے بلند کیا' بوحسون کی فوج اپنے سپہ سالار کا کٹا ہوا سر دیکھ کر بلا مقابلہ ہار گئی اور محمد شیخ نے فاس پر قبضہ کر لیا اور یوں بوحسون دوبارہ فاس کا حاکم ہونے کے صرف 9 ماہ بعد فوت ہو گیا' اگر چہ اس کی موت کی وجہ سے فاس پر عثمانی سیادت کے اعلان کا پہلا موقع ضائع ہو گیا لیکن ان واقعات کے رونما پذیر ہونے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عثمانیوں کے پاس اس بات کے وسیع مواقع ہیں کہ مغرب کی مقامی لڑائیوں میں وہ اپنا کردار ادا کریں' بالخصوص محمد شیخ سعدی نے مغربیوں میں عثمانیوں کے خاتمے کے نام سے فاس کی تقریباً دو سے زائد اہم شخصیات کو قتل کیا۔ مرینی کے دو فقیہوں' قاضی فاس محمد عبدالوہاب زقاق اور خطیب فاس والی حسن علی حرزوز کا قتل اس کے علاوہ ہے۔(1)

شاہ جون ثالث نے مازکان کے پرتگالی حاکم فارو ڈی کالفولو کی طرف خط لکھا یہ اس درخواست کا جواب تھا جو مولی محمد شیخ نے مدرید اور لشبونہ کے حکمرانوں کے نام ارسال کی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ عثمانیوں کے خلاف اس کو کمک پہنچائی جائے اور فوجوں میں اضافہ کیا جائے' اس خط میں ان بعض شروط کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو پرتگالیوں نے سعدیوں کو مدد باہم پہنچانے کے عوض ان پر عائد کی تھیں' مثلاً بادس بنیون اور عرائش کی طرح بعض مغربی بحری مراکز پرتگالیوں کے حوالے کرنا' اس کے علاوہ مسیحی فوجیوں کو ضروریات کی تمام اشیاء کی سپلائی جو اس کی مدد کے لیے بھیجی جائیں گے۔ اس خط کے آخر میں یوحنا ثالث ہسپانی شہنشاہ نے اس بات کی ضرورت کا احساس دلایا کہ عثمانیوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا جائے' الغرض اس خط کے ذریعے دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں اور 962ھ/1555ء کے شروع میں حاکم مازکان کی وساطت سے چھ ماہ کی مدت کے لیے سعدیوں اور پرتگالیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اور اس معاہدہ صلح کا اثر ایک طویل عرصہ تک رہا۔

مازان کے حاکم نے سعدیوں سے رابطہ کیا۔ سعدیوں کی طرف سے ان مذاکرات میں مزوار بو عالم نامی شخص نے شرکت کی۔ پہلا خط جو منصور کی طرف سے اس سلسلہ میں لکھا گیا وہ خط ہے جو ہسپانوی حاکم وہران کاؤنٹ ڈی گوڈین کو ربیع الاول 963ھ/جنوری 1555ء کو بھیجا گیا۔ مزوار نے کاؤنٹ کو اطلاع دی کہ تمہارے خطوط پہنچ چکے ہیں اور اس نے ان خطوط سے مولی محمد شیخ اور اس کے بیٹے عبداللہ کو آگاہ کر دیا ہے جو اس بات سے بہت خوش ہوئے ہیں کہ ہسپانوی وفد ان سے بات چیت کرنے کے لیے آ رہا ہے' حاکم وہران نے بالفعل ایک تین رکنی وفد فاس بھیجا جس نے مولی شیخ محمد کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ عثمانیوں کے خلاف ایک بھرپور حملہ کا اہتمام کیا جائے اور اس حملے میں سعدی اور ہسپانوی دونوں فوجیں شریک ہوں۔(2)

اس وفد نے حاکم وہران کاؤنٹ کو جو رپورٹ پیش کی اس میں بیان کیا کہ: ''جب ہم نے خطوط ان کو پیش کیے تو سعدی فرمانروا نے ہم کو بلا لیا کہ ہم براہ راست اپنی زبان سے بیان کریں کہ یہ وفد کس غرض سے فاس آیا ہے۔...... ہم نے ان سے کہا کہ ہم مولای عبداللہ اور سپہ سالار منصور بن غانم کی درخواست پر یہاں آئے ہیں کیونکہ انہوں نے حاکم وہران سے درخواست کی ہے کہ الجزائر کے مسئلے پر مذاکرات کرنے کے لیے وہ کچھ آدمی بھیجیں۔''

شریف نے ہمیں جواب دیا کہ وہ عرصہ سے یہی سوچ رہے تھے اور یہ کہ وہ عثمانیوں کو افریقہ کے باقی ماندہ علاقوں سے بھی

1۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ' عبدالکریم کریم' ص 83
2۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ' ص 83-84

نکالنا چاہتے ہیں' اس لیے وہ محترم شہنشاہ سے آتشیں اسلحہ سے لیس 10 ہزار سپاہیوں کی امداد کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ کہ شریف خیال کرتا ہے کہ محترم شہنشاہ ان سپاہیوں کے جملہ اخراجات بھی خود پورے کریں کیونکہ عثمانیوں کے انخلاء سے فائدہ شہنشاہ اور مسیحیت دونوں کو پہنچے گا۔ مذاکرات کا سلسلہ طویل ہو گیا ہے اور آخر سپہ سالار برشمیدہ نے مجھے بتایا کہ شریف نے عثمانیوں سے جنگ کرنے کی غرض سے بہت سی دولت جمع کر رکھی ہے' شریف کو یہ بات خوش کر دے گی کہ شہنشاہ اس کی مدد کرے اور یہ کام بہت جلد ہونا چاہیے۔

مذاکرات میں الجزائر کا ذکر بھی آیا کہ اس پر قبضہ کرنے کے بعد ہم کیا کریں گے تو سعدی فرمانروا کی رائے یہ تھی کہ اس شہر کو تاراج کر دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے' رہے شہری تو ان سے مال چھین لیا جائے اور اگر وہ مال دینے سے گریز کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے' سعدی فرمانروا نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ مسیحیوں کے کسی غلام کو گرفتار کیا جائے' وفد نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ ترک ان علاقوں میں اجنبی ہیں' وہ اس ملک کے دشمن ہیں لہٰذا ان سے دشمنوں کا سا معاملہ کیا جائے۔ رہے عرب تو اگر وہ مقابلہ نہ کریں تو انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے لیکن سعدی فرمانروا نے وضاحت کی کہ وہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے گا کہ کسی عربی شخص کو غلام بنایا جائے کیونکہ یہ چیز شریعت کے منافی ہے۔(1)

اس رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریف سعدی کس حد تک عثمانیوں سے بغض رکھتا تھا' اس نے ذاتی مفادات کی خاطر ہسپانوی اور پرتگالی مسیحی فوجوں سے مدد حاصل کرنے سے بھی گریز نہ کیا خواہ یہ چیز اس کے اسلامی عقیدے اور مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔

اس رپورٹ کے نتیجے میں کاؤنٹ کوڈیٹ حاکم وہران نے ایک سفارشی خط لکھا اور یہ رپورٹ بھی اس خط کے ساتھ امیر فلپ بن شہنشاہ چارلس کو بھیج دی' اس خط کا مضمون یہ ہے: ''ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب خیال کریں کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ہمارے سخت ترین دشمن فرانس کی پوری کوشش ہے کہ عثمانی بحریہ کو ساتھ لیکر ہماری سرحدوں پر حملہ کردے' ہمیں ایک ایسا عربی امیر مل گیا ہے جو الجزائر میں عثمانیوں کے خلاف ہم سے مدد کی درخواست کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ہمارے تعاون سے وہ اپنے دینی بھائیوں سے لڑے اور افریقہ سے عثمانیوں کا قلع قمع کر دے' یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم اس کو دس ہزار ہسپانوی سپاہی فراہم کریں' اسی طرح شریف سعدی نے یہ بھی شرط عائد کی ہے کہ اتفاق کی صورت میں مجھے اپنا بیٹا اس کے پاس رہن رکھنا ہوگا اور وہ اس حملہ کی فوری تیاری کے لیے مال دے گا چونکہ اس سودے سے جناب کو اور پوری مسیحیت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا اس لیے شریف کے مطالبہ کو قبول کرنے میں میں بالکل متردد نہیں ہوں' میں اپنا بیٹا اس کے پاس گروی رکھوں گا اگرچہ مجھے اس بات کا یقین بھی ہو جائے کہ وہ اسے ذبح کر دے گا بلکہ میں اور میرے ساتھی اپنے آپ کو گروی رکھنے کے لیے تیار ہیں اگرچہ شریف ہمیں غلام بنا کر بیچنے کا ارادہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو......''(2)

1۔حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص 61,62　2۔حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص 364-365

عثمانی خبر رساں اداروں پر اس سازش کا انکشاف

صالح رایس کو کسی طریقہ سے اس سازش کا پتہ چل گیا جو دولت عثمانیہ کے خلاف مغرب کے فرمانروا اور ہسپانوی مل کر تیار کر رہے تھے' اس سازش کا ہدف الجزائر سے عثمانیوں کی بے دخلی تھی کیونکہ جب تک دولت عثمانیہ الجزائر میں تھی' ہسپانیہ خطرے سے محفوظ نہیں تھا' صالح رایس نے باب عالی کو اس قسم کے مذاکرات کے بارے اطلاع بھجوائی' سلطان سلیمان کا فوری اور قطعی جواب تھا کہ اس سے پہلے کہ سعدی اور ہسپانوی مذاکرات کسی نتیجہ پر پہنچیں وہران پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ سلطان سلیمان نے وہران پر قبضہ کرنے کی غرض سے چالیس جہازوں کی کمک بھیجی' اس وقت سے دولت عثمانیہ کے اطراف واکناف سے ہجرت اور رضا کارانہ فوجی امداد برابر فوجی ٹریننگ سنٹر کو غذا دیتی رہی (یعنی ٹریننگ کے لیے آدمی آتے رہے) یہ ٹریننگ سنٹر ترکی کے ماتحت تھا اور اس کی ہمیشہ تجدید ہوتی رہی۔(1)

صالح رایس کی وفات

صالح رایس وہران کی فتح کے لیے تیار ہو گیا' اپنا بحری بیڑا سلطان سلیمان قانونی کے بحری بیڑے میں ضم کر دیا۔ اس طرح اس کی بحریہ میں شامل جہازوں کی تعداد 70 اور سپاہیوں کی تعداد 40 ہزار ہو گئی اس کے بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا گیا وہ مراکش میں سر اٹھانے والے فتنوں' بغاوتوں کو سر کرنا چاہتا تھا اور ان علاقوں کو اپنے اقتدار کے سامنے سرنگوں کرنے کا خواہش مند تھا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا' ابھی لشکر راستے میں ہی تھا کہ صالح رایس پر طاعون کا حملہ ہوا اور وہ رجب 963ھ/1556ء کو ستر سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوا۔(2)

دولت عثمانیہ کی یہ کوشش تھی کہ مغرب اقصیٰ کو اسلامی بلاک کا حصہ بنا کر ایک متحدہ لشکر تیار کیا جائے اور مسیحیوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کی کوشش کی جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس اتحاد سے مغرب اقصیٰ کے بالمقابل بحر اٹلانٹک کے ساحلوں پر واقع تمام بحری مراکز پر اسلامی بحریہ چھا جائے گی' اس طرح پرتگالیوں اور ہسپانیوں کا جدید دنیا اور مشرق سے بحری رابطہ بالکل منقطع ہو جائے گا اور یہ اسلامی فوجوں کی بہت بڑی کامیابی ہوگی' اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کی بنیاد اس بات پر تھی کہ عثمانی لشکر ان ساحلوں تک پہنچ جائیں اور ان مجاہدین کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوں جو ایک طویل عرصہ سے عظیم بحری امراء کے جھنڈے تلے دشمن فوجوں سے برسر پیکار چلے آتے تھے جیسے خیر الدین' عروج بار بروسہ اور صالح رایس (3) قائد یحییٰ نے فوجوں کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لیکر صالح رایس کے پلان کو تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر لیا اور جہازوں پر سوار ہو کر وہران کی راہ لی۔

ابھی یہ لوگ راستے میں ہی تھے کہ سلطانی احکامات پہنچ گئے اور حسن قورصو کا ''بیلر بای'' کے منصب پر تقرر ہو گیا' بری اور بحری فوجیں وہران پہنچیں اور انہوں نے شہر کا بڑی سختی سے محاصرہ کر لیا لیکن عثمانیوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی وہران

1۔ تاریخ الجزائر الحدیث: ص 81
2۔ تاریخ الجزائر العام جیلانی (3/88-89)
3۔ صراع المسلمین مع البرتغالیین فی البحر الاحمر: ص 343

فتح نہ ہوسکا۔ وجہ یہ تھی کہ شہر کو ہسپانیہ کی طرف سے مسلسل مدد مل رہی تھی۔ (1)

محمد شیخ سعدی کا تلمسان پر قبضہ

شریف سعدی محمد الشیخ کو جب علم ہوا کہ عثمانی بحریہ استنبول واپس جا چکی ہے تو اس نے اسے موقع غنیمت خیال کیا اور فوراً اپنی فوج تلمسان کی طرف بھیج دی' تلمسان کے لوگ ان مجاہدین کی صفوں میں شمولیت کے لیے شہر سے باہر آئے ہوئے تھے جو وہران کی واپسی کے لیے کوشش کر رہے تھے' شریف سعدی تلمسان میں اچانک داخل ہوا اور کسی کو پتہ تک نہ چلا' اس کی فوج کی قیادت بنی راشد قبائل کا سردار ابن غنام کر رہا تھا جو زیانی ملوک کا آخری وزیر تھا اور زیانی ہسپانیہ کے حلیف رہ چکے تھے' محمود صفا بیگ کی قیادت میں تلمسان میں موجود عثمانی فوجی دستے جو شہر کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ سعدیوں کے خلاف ڈٹے رہے حتیٰ کہ سعدی لشکر کے حملے کو ناکام بنا دیا۔

سعدی جانتے تھے کہ اگر تلمسان ان کی مملکت میں شامل ہو گیا تو مشرقی مغرب اقصیٰ میں ان کی پوزیشن بہت مضبوط ہو جائے گی اور وہ مغرب سے عثمانیوں کے اثر ورسوخ اور عمل دخل کو بالکل ختم کر دیں گے' اس کے برعکس عثمانی دیکھ رہے تھے کہ الجزائر میں رہنے کے لیے تلمسان کو مرکز بنانا ضروری ہے کیونکہ تلمسان مغرب کے ساتھ جنگ کرنے میں ایک مضبوط مرکز ثابت ہو سکتا ہے (2)۔ اس لیے کہ اندلس تک پہنچنے کے لیے قریب ترین راستہ ہے' اسی طرح وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مغرب اقصیٰ کے شمالی اور مغربی ساحل پر تگالیوں اور ہسپانیوں کے بحری روابط پر ضرب کاری لگانے کے لیے اسے بنیادی مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ (3)

دولت عثمانیہ نے سعدی حکام کے بارے اپنی پالیسی تبدیل کر دی' سلطان سلیمان قانونی نے دولت سعدیہ کے سلطان کے نام ایک خط لکھا اور اس کی کامیابیوں پر اسے مبارکباد دی اور اسے آگاہ کیا کہ کس طرح بنومرین نے ان کی خدمت میں تحائف بھیجے ہیں' کیسے اس کے خط پر رد عمل کا اظہار کیا ہے' کس طرح اس کی امداد کا عندیہ دیا ہے اور اس کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے اور بتایا کہ سلطان ان کی مدد کرنا چاہتا ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آخر فرمانروا ابو حسون کے دور میں یہ میلان ظاہر ہوا تھا جس کو چار ہزار سپاہیوں کی مدد بھیجی گئی تھی' سلطان ایک ایسے بڑے اتحاد کے خواہش مند تھے جو بیرونی طاقتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے مفادات کا دفاع کرتا۔

لیکن سلطان سعدی محمد الشیخ نے سلطان سلیمان قانونی کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے سے انکار کر دیا اور سلطان سلیمان کے ایلچی کو ان الفاظ میں جواب دیا' اپنے سلطان امیر البحر کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ سلطان مغرب مصر کی حکومت کے بارے تم سے ضرور جھگڑے گا اور انشاءاللہ تیری اس سے ضرور جنگ ہوگی اور تیرے پاس مصر آئے گا۔ والسلام (4)

اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد شیخ سلطان سلیمان سے سخت نفرت کرتا تھا اور خلافت عثمانیہ کی شرعی وقانونی حیثیت کا

1۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص 367-366
2۔ صراع المسلمین مع البرتغالیین فی البحر الاحمر: ص 345
3۔ جہود العثمانیین: ص 378
4۔ تاریخ الدولۃ السعدیۃ' مولف نامعلوم: ص 26-27

قائل نہیں تھا' اس طرح اس گفتگو سے محمد شیخ کی اس خواہش کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ مشرق اور مغرب کے تمام مسلمانوں کی امامت کا خواب دیکھتا تھا۔(1)

محمد شیخ کا قتل

964ھ/ 1557ء کو محمد شیخ اپنے خاص محافظ کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور مغرب کے سیاسی حالات نے بڑی تیزی سے پلٹا کھایا' بالخصوص دولت سعدیہ کے حالات پر اس قتل کے بہت زیادہ اثرات مرتب ہوئے کیونکہ اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ عثمانی مغرب پر قبضہ کی پوری کوشش کریں گے' اس لیے نہیں کہ شمالی افریقہ پر مکمل قبضہ ہو جائے اور بس بلکہ ہسپانیہ اور پرتگال کے قریب ترین نقطہ ہونے کی وجہ سے اس کی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے بھی۔(2)

حسن بن خیر الدین کی الجزائر واپسی

عثمانی سلطان نے حسن بن خیر الدین کی الجزائر واپسی کو ضروری خیال کیا' اس کی وجہ یہ تھی کہ 964ھ/ 1557ء کو حسن قور شہید ہوئے اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک حسن بن خیر الدین مختلف علاقوں میں جہادی سرگرمیوں میں شریک رہا' بالآخر انہیں واپسی کا حکم ملا' لوگ ان کی واپسی سے بہت خوش ہوئے' حسن الجزائر کے معاملات کو سلجھانے میں مصروف ہو گیا۔ حکومتی امور کو منظم کیا' فوجی نظم و نسق کو درست کیا اور فوج میں ڈسپلن پیدا کیا اور پہلے کی طرح جنگی تیاریوں میں لگ گیا' اس کے سامنے دو ہدف تھے' ایک شمالی افریقہ کو مسیحیوں کے وجود سے پاک کرنا اور دوسرا اندلس کو دوبارہ مسلمانوں کے دائرہ اختیار میں لانا۔(3)

مغرب اقصیٰ میں داخلی بغاوتیں اور شورشیں

تارودانت میں شیخ محمد کے قتل کے بعد سعدی امارت میں ہر طرف بغاوت اور مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی' جمادی الاولی 965ھ/ فروری 1558ء میں سوس کے جنوبی علاقہ میں مولا عثمان کی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ رجب 965ھ/ اپریل 1558ء کو مولی عمر نے مشرق میں دبدو کے مقام پر شورش برپا کر دی۔ ربیع الاول 966ھ/ دسمبر 1558ء میں مراکش میں مولی عبدالمومن نے بغاوت کر دی' اس کے علاوہ عبداللہ بن غالب نے اپنے تین بھائیوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا' ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے عبداللہ بن غالب کے بیٹے محمد المتوکل کو ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا تھا' اس کے دوسرے بھائی قتل کے خوف سے بھاگ کر تلمسان اور الجزائر میں پناہ گزین ہو گئے۔(4)

الغرض مولی عمر' مولی عبدالمومن' عبدالملک' احمد بن منصور قتل ہونے سے بچ گئے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ عبداللہ غالب نے مراکش کا قصد کیا پھر وہ تارودانت آیا جہاں اپنے باپ کے قتل کا انتقام لیا' سوس کی شورش کو فرو کیا جس کی قیادت عثمان کر رہا تھا' اس کے بعد فوراً اپنی فوجوں کو جمع کرنے کے لیے فاس واپس آیا تا کہ حسن بن خیر الدین کے حملے کی راہ

1۔ جهود العثمانيين: ص 379
2۔ تاريخ الدولة السعدية عبدالكريم كريم: ص 85
3۔ جهود العثمانيين: ص 380
4۔ اطوار العلاقات المغربية العثمانية: ص 17

روکے جو مغرب کے داخلی حالات کو غنیمت خیال کرتے ہوئے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے درپے تھا(1)۔فاس کے قریب وادی لبن کے مقام پر دونوں فوجوں کے درمیان زور کا رن پڑا لیکن جنگ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچی تھی کہ حسن بن خیر الدین کو اطلاع ملی کہ ہسپانیہ کی فوجیں وہران کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں' خیر الدین نے اندازہ لگایا کہ شاید دشمن اس کی واپسی کی راہ مسدود کرنا چاہتا ہے' عثمانی لشکر نے شمالی صورت حال سے نمٹنے کے لیے واپسی کی راہ لی۔کشتیوں پر سوار ہوئے اور الجزائر پہنچ گئے جبکہ تلمسان کا قائد اپنے فوجی دستے کی طرف واپس چلا گیا تا کہ آنے والے حالات کے لیے تیاری کرے۔(2)

حاکم وہران کو ڈیٹ کا قتل

حاکم وہران کو ڈیٹ جانتا تھا کہ عثمانیوں کی تلمسان واپسی ہسپانی وجود کے لیے ایک بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے لہٰذا اس نے مستغانم پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔مستغانم کو عثمانیوں نے وہران پر حملہ کے لیے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت دی ہوئی تھی جبکہ کوڈیٹ اس پر قبضہ کر کے اسے الجزائر پر حملہ کرنے کے لیے ہیڈ کوارٹر بنانے کا خواہش مند تھا(3)۔اس شہر پر قبضہ کرنے کی نیت سے اس نے بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل فوج تیار کی اور ان کی قیادت کرتا ہوا مستغانم کے شہر پر ہلہ بول دیا لیکن اس کا یہ حملہ کامیاب نہ ہو سکا۔مسلمانوں نے ہسپانوی فوجوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور ذی القعدہ 965ھ/ اگست 1558ء کو ہسپانوی فوجوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' ان کا بے اندازنقصان ہوا حتیٰ کہ کوڈیٹ حاکم وہران بھی اس جنگ میں قتل ہوا۔ہسپانوی فوج کی شکست کے باوجود عثمانیوں کو اس بات میں ذرا برابر بھی شک نہیں تھا کہ عبداللہ الغالب باللہ ہسپانیوں سے ضرور گٹھ جوڑ کرے گا' اس لیے اس نے سعدی حکام کے خلاف باغیوں کی مدد کرتے ہوئے اس بات کو ذہن میں رکھا اور پوری طرح احتیاط برتی۔ربیع الاول 966ھ/ دسمبر 1558ء کو جب مولی عبدالمومن نے مراکش میں بغاوت کی اور الجزائر سے مدد مانگی تو الجزائر سے اسے کسی قسم کی عسکری مدد نہ ملی البتہ اسے الجزائر میں خوش آمدید کہا گیا اور حسن نے اپنی بیٹی اس کی زوجیت میں دیکر اسے تلمسان کا حاکم بنا دیا۔(4)

آٹھویں بحث

ہسپانیہ کا گھیرا تنگ کرنے کے سلسلہ میں حسن بن خیر الدین کی پالیسی

حسن بن خیر الدین نے مستغانم میں کامیابی کو موقع غنیمت خیال کرتے ہوئے وہران سے ہسپانوی مرکز کا نام ونشان مٹانے کا عزم کر لیا' الجزائر کے شہر میں عثمانی فوجوں کے علاوہ جدید منظم اور اطاعت شعار فوجوں کی فراہمی کی تیاریاں شروع کر دیں اور زواوہ سے دس ہزار آدمی فراہم کر لیے۔(5)

اس کے علاوہ حسن نے ایک اور لشکر ترتیب دیا اور اس کی زمام قیادت اپنے والد کے ایک پرانے مددگار کے ہاتھ میں دی'

1۔تاریخ الدولۃ السعدیہ' عبدالکریم کریم: ص86 2۔حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص372 3۔لسان المغرب عبداللہ سلیمانی: ص94
4۔تاریخ الدولۃ السعدیہ: ص87 5۔حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص377

اسی دوران مقامی فوجوں کی تائید و نصرت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے سلطان کو کو بن قاضی کی بیٹی سے شادی کر لی' اس شادی کا ایک اور فائدہ بھی ہوا کہ اس کی وجہ سے اسے ایک اور قبائلی سردار عبدالعزیز بن عباس کے مقابلے میں ابن قاضی کی فوج سے مدد حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ عبدالعزیز بن عباس نے مغرب میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا (1)۔ اور اس وجہ سے عثمانی بحری بیڑا ہمیشہ حجر بادلیس اور طنجہ کے دونوں شہروں پر چکر لگاتا رہتا تھا۔(2)

965ھ/1558ء میں حسن بن خیر الدین نے بویحیٰ رالیس کو بادلیس کا قائد مقرر کیا۔ بادلیس نے قرطاجنہ سے لیکر رالیس سانت فنست کا علاقہ تاراج کر ڈالا۔ بادلیس میں اس کے زیر قیادت کئی جہاز آئے اور یہ بجا طور پر جبل طارق کی تنگنائے کے سردار کے لقب سے موسوم ہوا۔ ایک ہسپانوی رپورٹ جس کو فرانسکو ڈی ایبانیر نے قلم بند کیا ہے' میں مذکور ہے کہ بویحیٰ کے پاس چار جنگی جہاز ہیں' پہلا جہاز جس کی یہ خود قیادت کر رہا ہے' اس پر عثمانی سوار ہیں جو تیر' کمان' منجنیق سے لیس ہیں' دوسرے جہاز کی قیادت قرہ مامی کر رہا ہے اور اس پر 80 عثمانی جنگجو سوار ہیں ان کے پاس بھی اسی طرح کا اسلحہ ہے' تیسرے جہاز کا قائد مراد رالیس ہے اور اس پر 70 فوجی سوار ہیں جبکہ چوتھے جہاز کے سپاہیوں کی تعداد بھی 70 ہے اور ان کے پاس بھی وہی اسلحہ یعنی تیر کمان اور منجنیق ہے' ان چار جہازوں کے علاوہ جو کام کر رہے ہیں اور جنہوں نے تنگنائے کے پانیوں کو عبور کر لیا ہے۔ بادلیس میں اس کے پاس دو اور جہاز بھی ہیں' تیسرے جہاز پر بھی کام شروع ہے۔ بادلیس کے جہازوں کے ساتھ تطوان' العرائش اور سلا کے جہاز بھی سرگرم عمل ہیں' تطوان میں تین جہاز ہیں جو ضخامت میں چھوٹے ہیں۔

العرائش میں تین جہاز اس کے علاوہ ہیں جو تطوان کے جہازوں کی شکل پر ہیں' سلا میں دو جہاز ہیں جو تطوان اور العرائش کے جہازوں سے مختلف ہیں لیکن دوسرے جہاز بویحیٰ کی قیادت میں نہیں ہیں۔ حسن بن خیر الدین نے اسلامی جنگی جہازوں کو اندلس کے ساحلوں پر حملہ کرنے اور ہندوستان کے جہازوں پر قبضہ کرنے کا حکم دے رکھا ہے' جس کی وجہ سے آمد و رفت اور تجارت ٹھپ ہو کر رہ گئی ہے۔ اشبیلیہ کے تاجروں نے اس امر کی ہسپانوی بادشاہ سے شکایت بھی کی ہے' انہوں نے بادشاہ کو بتایا ہے کہ بادلیس کی بحریہ اور دوسرے اسلامی جہاز سمندر میں جہاز رانی کے راستوں اور ہندوستان کے ساتھ تجارتی راستوں پر بڑی تباہی مچا رہے ہیں۔(3)

کوئی جہاز بویحیٰ کی اجازت کے بغیر سمندر میں نہیں چل سکتا۔ ہسپانیہ کے ساحلی علاقوں پر خوف و ہراس کا یہ عالم ہے کہ لوگ خوف کے مارے زمینیں بھی کاشت نہیں کرتے' انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں کام کے دوران عثمانی ان کا گھیراؤ نہ کر لیں' اسی طرح شکاری بھی ساحلوں سے زیادہ دور نہیں جاتے۔(4)

مولیٰ عبداللہ کی پالیسی

مولیٰ عبداللہ اپنے والد کی پالیسی پر کاربند تھا جس کا مقصد تھا مغرب میں اپنے ہدف کو پانے کے لیے ڈٹ جانا اور

1۔ تاریخ الجزائر الحدیث: ص 45
2۔ حقائق الاخبار عن دول البحار: (319/1)
3۔ اطوار العلاقات المغربیہ العثمانیہ: ص 219
4۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ: ص 90

عثمانیوں کے دشمنوں ہسپانیہ اور پرتگال کے ساتھ معاہدہ کر کے اور ان کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کر کے اس مقصد میں ان سے امداد حاصل کرنا' نصرانیوں کے ساتھ صلح و آشتی کی اس پالیسی کی وجہ سے اسے یورپی ملکوں کے بہت سے مطالبات ماننا پڑے' مثلاً فرانس کے سفیر کا اس نے استقبال کیا اور اس کے ہاتھوں امیر انطونیوڈی بربون کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں فرانسیسی مطالبات کو ماننے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ شوال 966ھ/ جولائی 1559ء میں فرانسیسی امیر اور مولیٰ عبداللہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اس معاہدہ میں قرار پایا کہ عبداللہ فرانس کو ایک بندرگاہ پیش کرے گا جس کے عوض فرانس اسے اسلحہ اور حربی سامان دینے کے علاوہ ایک فوجی دستہ مہیا کرے گا جو غالب کا خاص باڈی گارڈ ہونے کی ڈیوٹی دے گا کیونکہ عبداللہ اب ترکی محافظوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا جنہوں نے اس کے والد محمد الشیخ کو قتل کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

21 جمادی الاولیٰ 966ھ/13 اپریل 1559ء کو ہسپانیہ اور کاتو کمبرسیس کے درمیان معاہدہ ہوا اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں اٹلی کی جنگ رک گئی۔ فرانس کی کوشش تھی کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ہسپانیہ کے ساتھ جنگ کا یہ سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے کیونکہ فلپ ثانی کو یورپ میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہو چکی تھی' اس لیے کہ مذکورہ معاہدہ نے ہسپانیہ کے اٹلی میں اثر و رسوخ کو زیادہ کرنے میں مدد کی تھی اور فرانس اس اثر و رسوخ سے خوف زدہ تھا اور اس وجہ سے مغرب کی اسلامی سلطنت سے تعلقات پیدا کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فرانس مغرب کو اپنا قابل اعتماد حلیف سمجھتا تھا' اسی طرح اس کی نظر میں قصر صغیر کی بندرگاہ کو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ بندرگاہ جبل طارق سے صرف چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھی یہ علاقہ نہایت ہی اہم تھا اور اسے ہسپانیہ پر حملہ کرنے کے لیے استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ دولت عثمانیہ کا موقف اس معاہدہ کے بارے ایجابی نہیں تھا کیونکہ اسے اس بات میں تامل تھا کہ فرانس سعدیوں کے ساتھ مل کر کوئی وسیع کردار ادا کر سکے گا۔ دولت عثمانیہ اور فرانس کا ٹارگٹ ایک ہی تھا۔ ہسپانیہ پر حملہ کرنا' اگرچہ دونوں نظریات کے حوالے سے مختلف تھے' فرانس چاہتا تھا کہ ہسپانیہ پر حملہ کر کے فتح حاصل کرے اور بحر متوسط سے اس کی سیادت کا خاتمہ کر دے لیکن دولت عثمانیہ کا ہدف تھا' ہسپانوی حاکموں سے مسلمانوں کو بچانا اور اندلس کی سرزمین پر دوبارہ مسلمانوں کو قبضہ دلانا۔

966ھ/1559ء کو حسن بن خیر الدین نے اس طرف توجہ مبذول کی اور اپنی فوج کو قلعہ بنی عباس کے امیر عبدالعزیز کے زیر نگیں علاقے کی طرف مارچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس حملے میں مسیلہ اور اس کا قلعہ اور بنی برجا کے شہروں پر قبضہ ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عثمانیوں کی وہاں پوزیشن مستحکم تھی' حسن بن خیر الدین نے چار سو سپاہیوں کو وہاں نگہبانی کے لیے چھوڑا اور خود باقی فوج کو لے کر بربرہ کے اطراف میں بلاد حمزہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔ اسی دوران قلعہ بنی عباس کے امیر عبدالعزیز نے عثمانی فوجی دستہ پر ہلہ بول دیا' عثمانی محافظ دستے اور امیر عبدالعزیز کی فوج کے درمیان گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں بالآخر ایک لڑائی میں قلعہ بنی عباس کے امیر عبدالعزیز مارے گئے' ان کی جگہ احمد مقران نے لی جو کوکو کے نواحی علاقوں کا

سردار تھا' حسن بن خیر الدین نے اس کو تسلیم کرلیا۔(1)

ٹیونس اور الجزائر کے علاقے میں مسیحی تاجروں کو پریشان کرنے کی مہم میں شدت آگئی کیونکہ مسیحی جہازوں پر حملے ہونے لگے' اسی طرح ان بندرگاہوں سے بعض بری لڑاکا فوجیں بھی بھیجی گئیں اور مشرق میں سلطان کی مدد کے لیے بحری بیڑے کا ایک حصہ بھی روانہ ہوا۔(2)

عثمانی بحری بیڑا ٹیونس میں جربہ پر حملہ کرتا ہے

رمضان 967ھ بمطابق مئی 1560ء کو عثمانی بحری بیڑا نے بیالی پاشا کی قیادت میں جربہ کے جزیرے پر حملہ کردیا اور ہسپانیوں کے خلاف اس بیڑے نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرلی۔(3)

ہسپانوی جنہوں نے فرانس سے مدد طلب کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کی ناکام رہے(4) اس کے بعد یہ بات بالکل طے تھی کہ بیالی پاشا قسطنطنیہ واپس جانے سے کچھ عرصہ پہلے بحر متوسط میں غارت گری ضرور کرے گا لیکن دوغوث پاشا جس کو داخلی شورشوں نے بے حد پریشان کر رکھا تھا اس نے بیالی پاشا کو اس بات کا قائل کرلیا کہ وہ طرابلس کا رخ کرے اور تاجوراء کے قریب بغاوت کو فرو کرنے میں اس کی مدد کرے۔ بیالی پاشا فاتحین کی طرح طرابلس پہنچا اور شہر میں بڑے تزک واحتشام سے داخل ہوا' اس کے جہاز جھنڈوں اور امتیازی نشانات سے سجے ہوئے تھے' زیب وزینت کا یہ سارا سامان دشمن سے چھینا گیا تھا اور مال غنیمت میں بانٹ دیا گیا تھا' دشمنوں کے جھنڈے سرنگوں تھے' بیالی پاشا طرابلس میں صرف چند دن ٹھہرا' یہ چند دن تاجوراء کے باسیوں کو سرزنش کرنے کے لیے کافی تھے' اس کے بعد وہ اپنے بحری بیڑے کو لیے اپنے دارالحکومت کی طرف روانہ ہوگیا۔(5)

حسن بن خیر الدین کی گرفتاری اور استنبول کی طرف اس کی روانگی

حسن بن خیر الدین مغرب پر حملے کی تیاریوں میں مصروف رہا' اس نے قبائلیوں کی ایک ایسی فوج بنانا شروع کی جس کو وہ اپنی عدم موجودگی میں الجزائر کی حفاظت کی ذمہ داری سونپنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ینگ چری فوج پر جنہوں نے خطروں کو محسوس کرلیا تھا بھروسہ نہیں کرسکتا تھا۔ موسم سرما 696ھ/ 1561ء کو عثمانیوں نے حسن پاشا اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا اور پابجولاں استنبول بھیج دیا' حسن پاشا کے ساتھ فوج کے چند سردار بھی استنبول کے لیے روانہ ہوئے تاکہ وہ سلطان کی خدمت میں اس بات کو بیان کرسکیں کہ کن اسباب کی بناء پر حسن پاشا کو گرفتار کیا گیا' گویا ان کا کام تھا حسن پاشا پر لگائے جانے والے ان الزامات کو ثابت کرنا کہ وہ ترکی ٹریننگ سنٹر کو ختم کرنا چاہتا ہے اور مقامی لشکر پر اعتماد کرکے سلطان کے خلاف اپنی خودمختاری کا اعلان کرنا چاہتا ہے لیکن سلطان نے احمد پاشا کی قیادت میں بحری لشکر بھیجا تاکہ باغیوں کو سزا دے اور بدنظمی پر قابو پائے۔ احمد

1۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ: ص 87-88 2۔ تاریخ الجزائر العام: (91/3) 3۔ جہود العثمانیین: ص 384

4۔ جہود العثمانیین: ص 384، تاریخ الجزائر الحدیث ص 46 5۔ لیبیا منذ الفتح العربی الی الثورۃ روسی: ص 190

پاشا بغاوت کے سرغنوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ان تمام فتنہ پردازوں کو استنبول بھیج دیا۔(6)

حسن بن خیر الدین کی الجزائر واپسی

عثمانی فرمانروا سلیمان قانونی نے 970ھ/1562ء کے اواخر میں حسن بن خیر الدین کو تیسری مرتبہ پورے عزت و احترام کے ساتھ الجزائر واپس بھیج دیا اور پہلے کی طرح بیلر بکیہ کا منصب اسے سونپ دیا۔ حسن بن خیر الدین استنبول سے واپس الجزائر روانہ ہوا تو اس کے ساتھ دس جنگی جہاز اور اسلحہ سے لیس فوجی قوت بھی تھی(2)۔ استنبول سے الجزائر واپس آ کر پانچ ماہ تک حسن بن خیر الدین تیاری کرتا رہا اور وہران اور ایک بڑی بندرگاہ پر حملہ کرنے کے لیے انتظامات مکمل کرنے میں لگا رہا' اب الجزائر کے صرف یہی دو علاقے تھے جو ابھی تک ہسپانیہ کے قبضہ میں تھے۔(3)

971ھ/1563ء حسن بن خیر الدین الجزائر سے نکلا اور مغرب کی طرف روانہ ہو گیا' اس کے ساتھ ایک لشکر جرار تھا جو پندرہ ہزار گنروں (بندوق چلانے والے) ایک ہزار نوجوان گھوڑ سواروں جو احمد مقرن زواوی کی زیر قیادت تھے' بارہ ہزار جوانوں جوز واوہ اور بنی عباس سے تھے پر مشتمل تھا' رہا فوج کے کھانے پینے کا سامان اور رسد تو اسے عثمانی بحری بیڑا مستغانم میں پہنچا چکا تھا جسے حسن نے اپنی کارروائیوں کا مرکز قرار دیا تھا۔ 13 اپریل کو حسن بن خیر الدین اپنی پوری فوج کے ہمراہ وہران کے شہر کے سامنے تھا' فوج کو آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ہسپانوی پہلے سے ہی جنگ کے لیے تیار بیٹھے تھے' فوراً قلعہ بند ہو گئے اور مورچوں میں بیٹھ کر اسلامی فوج کے حملوں کا جواب دینے لگے۔(4)

وہران کے حاکم کی درخواست پر ہسپانیہ اور پرتگال کی طرف سے مسلسل امداد پہنچنا شروع ہو گئی جبکہ عثمانی فوجیں دو مرحلوں کی مسافت پر تھیں اور بیلر بک خود چھ مراحل کے فاصلے پر تھا۔ حسن بن خیر الدین کو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ مالٹا جو ہسپانیوں اور پرتگالیوں کا مرکز تھا' بے تحاشا امداد بھیج رہا تھا ایسے میں شہر کی فتح غیر یقینی تھی۔(5)

اور اس طرح حسن بن خیر الدین اپنے ہدف کو پانے میں ناکام رہا کیونکہ فلپ ثانی نے ہسپانوی بحریہ کے لیے ایک ایسا پروگرام ترتیب دیا جس کی وہ خواہش رکھتے تھے۔ اٹلی اور قطونیا میں جہاز سازی کے لیے ایک عمارت تعمیر کی' اسی طرح ہسپانیہ کو مالی امداد دینے کے لیے پاپائیت نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ قشتال کے قانون ساز اداروں کا ایک اجتماع ہوا' یہ اجتماع معمول کا اجتماع نہیں تھا' اس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ ہسپانیہ کو مالی امداد دی جائے تاکہ وہ عثمانیوں کے خلاف جنگ میں اس کی مددگار ثابت ہو' ان کوششوں کے نتیجے میں ہسپانیہ نے اپنے آپ کو نئے سرے سے منظم کیا اور 971ھ/1563ء میں وہران میں عثمانیوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اب فلپ ثانی نے جزیرہ بادیس پر قبضہ کرنے کے لیے تیاری شروع کر دی تھی چونکہ وہ وہران میں عثمانیوں کے خلاف کامیابی حاصل کر چکا تھا' اس لیے اس فتح نے اس کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔

971ھ/1563ء کو اس نے اپنی بحریہ کو بادیس پر حملے کے لیے روانہ کر دیا' مجاہدین نے سخت مقابلہ کیا اور ہسپانوی بحریہ ناکام

1۔ تاریخ الجزائر الحدیث: ص 46 2۔ تاریخ الجزائر (93/3) 3۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 379
4۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 379 5۔ اطوار العلاقات المغربیة العثمانیة: ص 213

واپس لوٹی (1)۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جزیرہ بادیس جبل طارق سے قریب ترین علاقہ تھا جو مغرب کی حدود میں شامل تھا' اس جزیرہ کو مجاہدین کے نزدیک ایک اہم بندرگاہ کی حیثیت حاصل تھی (2)۔ کیونکہ وہ یہاں سے باآسانی پانیوں کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہو سکتے تھے اور اپنے اندلسی مسلمان بھائیوں کو ہسپانیہ کے علاقوں میں امداد فراہم کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس سے پہلے بھی اس جزیرہ پر کئی حملے ہو چکے تھے' اس کے علاوہ عثمانیوں کا اس جزیرہ پر قابض ہونا سعدیوں کے لیے بڑی پریشانی کا باعث تھا' وہ اس قبضہ کی وجہ سے عثمانیوں سے ہر وقت خوفزدہ رہنے لگے تھے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ وہ اس جزیرہ سے نکل کر مغرب پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ سو سلطان سعدی غالب باللہ نے ہسپانیہ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ بادیس کے مقابلے میں ہسپانیہ کی مدد کرے گا' بہت سے علاقے اس کے سپرد کر کے وہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے دے گا بشرطیکہ وہ اس کے بدلے مغربی ساحلوں کی حفاظت کرے اور اس علاقے میں عثمانی بحریہ کا راستہ روکنے کی کوشش کرے۔ (3)

عثمانی بحریہ جو حملہ کرنے کی تیاری کر رہی تھی جب اسے اس گٹھ جوڑ کا علم ہوا تو اس نے جنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور الجزائر واپسی کی راہ لی۔ (4)

971ھ/1563ء کے اواخر میں بادیس میں بو یحیی رایس کو اپنے منصب سے معزول کر دیا گیا' عثمانیوں نے جنگ کا ارادہ ترک کر کے الجزائر کی طرف واپسی کی راہ لی' اب اس کے سامنے مشرق میں جزیرہ مالٹا کی ایک مہم تھی۔ (5)

مالٹا پر فوج کشی

سلطان سلیمان قانونی نے جزیرہ مالٹا کو فتح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جو بحر متوسط میں مسیحیوں کا مضبوط قلعہ تھا اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے یہ مقدس یوحنا کے گھوڑ سواروں کا مستقر تھا۔ سلطان سلیمان نے اپنا بحری بیڑا اس مہم پر روانہ کیا اور امیر البحر بیالی پاشا کو حکم دیا کہ وہ خود اس مہم کی قیادت کرے' اس کے علاوہ طرابلس اور جربہ کے حاکم درغوث رایس اور حسن بن خیر الدین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے بحری بیڑے لے کر اس مہم میں شریک ہوں اور مالٹا پہنچیں تاکہ اس جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد بقیہ اسلامی قلعوں پر جن پر غنیم نے قبضہ جما رکھا ہے فتح کیا جائے' سو حسن بن خیر الدین 25 جہازوں اور 3 ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر لے کر سلطان کے حکم سے مالٹا کی مہم کے لیے روانہ ہو گیا۔

18 مئی کو اسلامی بحریہ جزیرہ مالٹا کے بالمقابل پہنچی اور اس کا مضبوطی سے محاصرہ کر لیا' مسیحی اس کارروائی سے قطعاً غافل نہ تھے' فوراً انہوں نے اپنے بحری بیڑوں اور جنگجوؤں کو مسلمانوں کے سامنے لا کھڑا کیا' سسلی کے نائب الملک کی قیادت میں بھی فوراً مدد پہنچ گئی' 28 جہازوں پر مشتمل حربی بیڑا بھی میدان میں اتر پڑا' ان جہازوں پر جنگجوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد سوار تھی' دونوں فوجوں میں زور کا رن پڑا لیکن خونریز لڑائی کے باوجود یہ جزیرہ فتح نہ ہو سکا' مجبوراً مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور

1۔ جہود العثمانیین: ص 389
2۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ' عبد الکریم کریم: ص 36
3۔ تاریخ الدولۃ السعدیہ' مولف نامعلوم: ص 89
4۔ تاریخ المغرب مولف محمد بن عبود: ص 17
5۔ اطوار العلاقات المغربیہ العثمانیہ: ص 190-191

بالآخر 18 ربیع الاول 973ھ/8 دسمبر 1565ء کو مسلمانوں نے واپسی کی راہ لی۔(1)

حسن بن خیر الدین باربروسہ عثمانیہ بحریہ کا کمانڈر انچیف

سلطان سلیمان قانونی کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیم خان ثانی تخت نشین ہوا اور اس نے حسن بن خیر الدین کو ترکی بحریہ کے کمانڈر انچیف کے منصب پر فائز کر دیا۔ حسن الجزائر سے روانہ ہوا اور 975ھ/1567ء(2) کو استنبول پہنچا' اس کی جگہ الجزائر میں محمد بن صالح کو بیلر بای کا منصب دیا گیا' یہ ذی الحجہ 974ھ بمطابق جنوری 1567ء کا واقعہ ہے۔ اس سال طاعون کی وباء پھیل گئی اور قحط سالی کی مصیبت اس کے علاوہ تھی' بدقسمتی سے طاعون اور قحط سالی کے علاوہ ایک تیسری مصیبت بھی منہ کھولے مسلمانوں کا انتظار کر رہی تھی' عثمانی لشکر میں بغاوت پھوٹ پڑی' لوگ قانون شکنی پر اتر آئے' مجبوراً محمد بن صالح کو کافی سارا وقت مصیبت زدہ لوگوں کی دلجوئی اور شورشوں کو فرو کرنے میں صرف ہوا' پھر اچانک قسطنطینہ کا حاکم باغی ہو گیا جسے ٹیونس کے حفصیوں کی پشت پناہی حاصل تھی لیکن محمد بن صالح نے اس عامل کو معزول کر کے اس شورش کو دبا دیا اور اس کی جگہ رمضان بن تشولاق کو قسطنطینہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

ربیع الاول 975ھ/ستمبر 1567ء کو ہسپانیہ نے الجزائر پر حملہ کر دیا لیکن مسلمانوں نے انہیں الٹے پاؤں بھگا دیا' اس کے بعد محمد بن صالح رائیس کی حکومت کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اسے مملکت کے کسی دوسرے علاقے کی ولایت پر متعین کر دیا گیا۔(3)

الجزائر کے بیلر بک منصب پر قلج علی کا تقرر

14 صفر 976ھ بمطابق 8 اگست 1568ء کو بیلر بک کے منصب پر قلج علی کا تقرر ہوا' قلج علی تنظیمی امور میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ شجاعت و بہادری میں کافی شہرت رکھتا تھا۔(4)

قلج علی نے ایک خطرناک سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آخر عملی اقدامات کرنے کا فیصلہ کر لیا' یہ خطرناک سکیم تھی ہسپانیہ میں اسلامی عملداری کا اعادہ اور شمالی افریقہ کو صلیبی اثر و رسوخ سے آزاد کرانا' سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ایک نہایت ہی طاقتور بحری بیڑا تیار کیا جو دوسرے ملکوں کے بحری بیڑوں سے کہیں فائق تھا' اس وجہ سے وہ یورپیوں کے لیے خوف اور پریشانی کا منبع و مصدر بن گیا(5)۔ اس کے علاوہ اس نے مرکز القالہ(6) سے موتی نکالنے کی صنعت میں فرانس کی اجارہ داری ختم کر دی کیونکہ وہ گزشتہ تین سال سے ٹیکس دینے میں ٹال مٹول کر رہا تھا اور جن علاقوں میں اس کے لوگ رہ رہے تھے' انہوں نے وہاں اپنی چودھراہٹ قائم کر لی تھی۔(7)

1۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 383
2۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 385
3۔ تاریخ الجزائر العام: (95,94/3)
4۔ تاریخ الجزائر العام: (95/3)
5۔ تاریخ افریقہ الشمالیہ' چارلس جولین (346/3)
6۔ المغرب العربی الکبیر' شوقی جمل: ص 100
7۔ المغرب العربی الکبیر' جلال یحیٰ: ص 84

ٹیونس پر عثمانیوں کا دوبارہ قبضہ

قلج علی نے ٹیونس میں ہسپانوی بنیادوں کو اکھیڑ پھینکنے کی ضرورت کو محسوس کیا' وہ چاہتا تھا کہ ٹیونس میں عثمانی حکم نافذ کرنے کے بعد وہ اندلس میں اپنی سرگرمیوں کو شروع کرے(1)۔ٹیونس کی طرف توجہ دراصل طرابلس اور الجزائر کے دفاع کی تیاری کی غرض سے تھی کیونکہ ہسپانویوں نے ٹیونس کو طرابلس اور الجزائر میں عثمانیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مرکز اور ہیڈ کوارٹر قرار دے دیا تھا(2)۔اس لیے اسے فتح کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

قلج علی کا حفصی وزیر ابوالطیب خصار سے رابطہ تھا اور ابوالطیب دیکھ رہا تھا کہ ٹیونس کی فتح کا وقت آ گیا ہے' سو اس نے قلج علی کو بلا بھیجا کہ وہ اس مسئلے میں اس کی مدد کرے اور اس معاملے کو اس کے لیے آسان بنائے۔(3)

الجزائر کے بیلر بک قلج علی نے سات ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس کو لے کر ٹیونس کی طرف روانہ ہو گیا' ٹیونس کے فرمانروا ابوالعباس احمد نے باجہ کے مقام پر اس کا سامنا کیا' فریقین میں سخت معرکہ ہوا' امیر حفصی کو شکست ہوئی' قلج ٹیونس کی طرف بڑھا اور اس پر قبضہ کر کے لوگوں سے سلیم ثانی کے حق میں بیعت لی پھر حیدر شاہ کی قیادت میں اس علاقے کی نگہبانی کے لیے ایک دستہ متعین کیا اور خود اپنے مستقر الجزائر کی طرف واپس ہوا(4)۔اب صرف ''حلق الواد'' کا علاقہ ہسپانویوں کے قبضہ میں رہ گیا تھا' اس لیے قلج نے خط لکھ کر استنبول سے مدد طلب کی تاکہ اس کو فتح کیا جائے(5)۔الجزائر کے مشرقی علاقوں پر نظر رکھنے کی پالیسی اسے اپنے اسلاف سے ممتاز کرتی ہے' اس طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ قلج سمجھتا تھا کہ مغرب کی طرف پیش قدمی کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی سپاہ کی پیٹھ دشمنوں کے اثر و رسوخ سے پاک ہو' ان کا نظریہ تھا کہ جب تک شمالی افریقہ میں ہسپانوی عمل دخل کم نہیں ہوتا اس وقت تک اندلس کی طرف بڑھنے کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔(6)

اندلس کے مسلمانوں کی بغاوت

شمالی افریقہ میں تحریک جہاد سے اندلس کے مسلمانوں میں بھی جرات پیدا ہوئی اور ان کے خفتہ جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا' وہ ایک عرصہ سے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے جنہیں انتہا پسند نصرانیوں کے جور و ستم کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا' وہ ان نفسیاتی رکاوٹوں پر غالب آ گئے اور مصلحت بینی کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنی اصل عقائد و نظریات جن کو وہ عرصہ سے چھپا رہے تھے کا اظہار کرتے ہوئے ہسپانوی نصرانیوں کے خلاف میدان کارزار میں کود پڑے اور ہسپانوی حکمران کے مظالم اور ان کی سیادت کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

غرناطہ سے پھوٹنے والی مسلمانوں کی اس بغاوت کے آثار پورے ہسپانیہ میں نظر آنے لگے لہٰذا اس بغاوت سے نمٹنے کے لیے فلپ ثانی نے ایک نئی طرز کی ملیشیا تشکیل دی جو ہسپانیہ کے تمام شہروں میں ان لوگوں میں پھوٹنے والی بغاوت کو

1۔الاتراک العثمانیون فی شمال افریقہ' عزیز سامح: ص 84
2۔تاریخ الجزائر الحدیث: ص 49
3۔ایضاً
4۔تاریخ الجزائر العام (96/3)
5۔الاتراک العثمانیون فی افریقة الشمالیة: ص 85
6۔جهود العثمانیین: ص 395

روکنے کی کوشش کرتی تھی جو شاہ فاسی کی طرف آنے والے نمائندوں کا استقبال کرتے تھے۔ یہ نمائندے ان مسلمانوں سے اس شرط پر خراج لیتے تھے کہ وہ سعدی امیری سیاست اور اس کی ماتحتی کو قبول کرتے ہیں۔

پورے ہسپانیہ بالخصوص غرناطہ میں یہ صورت حال خاصی گھمبیر شکل اختیار کر گئی اور جس چیز نے حالات کو اور زیادہ سنگین بنا دیا وہ یہ تھی کہ فلپ ثانی کی بحری فوج دور دراز علاقوں اور غیر محفوظ قلعوں میں بکھری ہوئی تھی' ساحلی علاقوں پر بھی سکیورٹی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا بالخصوص جنوبی ساحل پر جو مجاہدین کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔

اندلس کے مسلمانوں کی دینی روح کو کچلنے کے لیے جب نصرانی تمام وسائل صرف کر کے تھک چکے تو انہوں نے جبر وتشدد کی راہ اختیار کی۔ مسلمانوں پر پابندی لگا دی کہ کوئی شخص عربی نہیں بول سکتا' شمالی افریقہ کے کسی شخص کے ساتھ ربط وضبط پیدا نہیں کر سکتا' اسی طرح ہسپانیہ کے مختلف صوبوں میں رہنے والے مسلمان ایک دوسرے سے کسی طرح کا رابطہ نہیں کر سکتے۔ عورتوں کو روک دیا گیا کہ وہ شاہراہ عام پر پردہ کر کے نہیں نکل سکتیں' مسلمانوں کے گھروں کو تالہ لگا دیا گیا' حماموں کو گرا دیا گیا اور اسلامی رواج کے مطابق محافل کے انعقاد پر پابندی لگا دی گئی' ان تمام مظالم کی وجہ سے فسادات پھوٹ پڑے' مسلمان جسم پر اسلحہ سجا کر میدان میں کود پڑے اور بورشارات جیسی اہم ترین جنگیں لڑنے پر آمادہ ہو گئے' یہ جنگ 1568ء کو ہوئی جس کی قیادت محمد بن امیہ نے کی۔

اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ سلطان سعدی غالب باللہ کی خیانت

سلطان سعدی غالب باللہ نے بورشارات کے باغیوں کے نمائندوں سے پختہ وعدے کیے تھے اور انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا' انہیں جو چیز ضرورت ہوگی ساز وسامان' اسلحہ اور سپاہ سب کچھ مہیا کرے گا لیکن غالب باللہ فلپ ثانی کے ساتھ اپنے دوستانہ مراسم نبھاتا رہا اور اہل اندلس کی ناکامیوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ رہے اہل اندلس تو غالب باللہ کا ان کو دھوکہ دینا اور ان کے دین' مال' اولاد اور جانوں کے لحاظ سے انہیں ہلاکت میں پھنسانا ایک ایسا معاملہ ہے جس پر ہر دل خون کے آنسو رونے پر مجبور ہے بشرطیکہ دل میں ذرہ سا بھی ایمان ہو اور اسلام کے ساتھ معمولی سا بھی تعلق ہو کیونکہ جب اندلس پر نصرانیوں نے قبضہ کر لیا' مسلمانوں سے ان کے تمام علاقے چھین لیے اور پورے ملک پر ان کو مکمل تسلط حاصل ہو گیا تو مسلمان ایک عرصہ تک ذلت ورسوائی کی زندگی گزارتے رہے' ان کی تمام جمع پونجی بھاری ٹیکسز کے ذریعے ان سے چھین لی گئی' مسلمانان اندلس نے مشرق ومغرب کے مسلمانوں کو پکارا' انہیں اللہ کا واسطہ دیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ کوئی آئے اور انہیں مظالم سے نجات دلائے لیکن کوئی نہ آیا اور وہ ظلم کی اس چکی میں پستے رہے' سب سے زیادہ خطوط مولای عبداللہ کو لکھے گئے کیونکہ وہ ان کی سرزمین کے بالکل قریب تھا۔ اس کی حکومت مستحکم تھی اس کے فوج بھی کافی تھی اگر وہ مدد کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا' مولای عبداللہ نے انہیں دھوکہ دیا اور کہا کہ وہ نصرانیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں لیکن یہ سب کچھ زبانی کلامی تھا' وہ صرف انہیں اپنی ہمدردیوں کا یقین دلانا چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اٹھیں اور اپنے جذبات کا اظہار کریں۔ مولای عبداللہ کے کہنے پر وہ اٹھے' بغاوت کی لیکن مولای عبداللہ کی طرف سے کوئی امداد نہ پہنچی' اس نے ان سے جھوٹ بولا تھا' انہیں دھوکہ دیا تھا اور اللہ

تعالیٰ کے دین سے غداری کی تھی' اسے اپنے سیاسی اور ملکی مفادات عزیز تھے' اس سلسلے میں نصرانیوں کے ساتھ اس کی مراسلت ہوتی رہی' ہسپانوی مولای عبداللہ سے اندلس کے ان باغی مسلمانوں کے بارے مشورہ بھی لیتے رہے' عبداللہ نے ہی انہیں ان مسلمانوں کی جلاوطنی کا مشورہ دیا اور کہا کہ ان تمام کو مغرب کی طرف جلاوطن کر دو' اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین اس کے ساحلی علاقوں میں آ کر آباد ہو نگے اور ان کی مدد سے وہ فاس اور مراکش میں ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دے کر اپنے ملک کو فائدہ پہنچائے گا۔(1)

ہسپانیہ میں حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگے' 976ھ/1569ء کے اوائل میں مجاہدین کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بڑھ گئی اور ہسپانوی حکومت کے لیے اس بغاوت نے نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی کیونکہ اس کی زیادہ تر فوج ذوق پاپا کے ساتھ زیریں علاقوں میں پیش قدمی کر رہی تھیں اور اس کی پٹرولنگ کرنے والی بحری فوج ثابت کر چکی تھی کہ وہ مسلمان باغیوں کے الجزائر کے ساتھ روابط کو ختم کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔(2)

قلج علی اندلس کے مسلمانوں کے بارے بہادروں کا موقف اختیار کرتا ہے

قلج علی کا اندلس کی مسلم قیادت کے ساتھ براہ راست رابطہ تھا اور اس رابطے کا ذریعہ عثمانی خبر رساں ادارے تھے جو اس کام کی پوری طرح دیکھ بھال کرتے تھے۔ اس عظیم قائد نے ہسپانیہ میں مسلمانوں کی مدد کرنے میں کامیابی حاصل کی' انہیں افرادی قوت' اسلحہ اور ساز و سامان سب کچھ باہم پہنچایا' اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ جونہی اسلامی فوجیں الجزائر سے روانہ ہو کر ہسپانوی ساحلوں پر پہنچیں گی اور طے شدہ مقامات پر اتریں گی تو اندلس کے مسلمان علم بغاوت بلند کر دیں گے۔(3)

قلج علی نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں چودہ ہزار ایسے مرد تھے جن کے پاس بندوقیں تھیں اور ساٹھ ہزار عثمانی مجاہد تھے جو ملک کے مختلف علاقوں سے آئے تھے۔ قلج علی نے ان تمام کو مستغانم اور مازغران کے شہروں میں بھیج دیا' اس لشکر کے پاس ایک بڑی تعداد توپوں کی بھی تھی اور چودہ سو اونٹ تھے جن پر ان توپوں اور بندوقوں کے لیے خاص بارود لدا ہوا تھا۔

مقررہ روز کو عثمانی بحریہ کے چالیس جہاز ہسپانیہ کی ''مریہ بندرگاہ'' کے سامنے پہنچ گئے لیکن یہ پلان ناکام رہا۔ وجہ یہ تھی کہ اندلسی باغیوں میں سے ایک شخص کی عدم احتیاط سے ہسپانویوں کو اس گٹھ جوڑ کا علم ہو گیا وہ فوراً موقع پر پہنچے اور جتنا بھی باغیوں نے اسلحہ چھپا رکھا تھا' اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا(4)۔ قلج علی نے اپنا اسلحہ' ساز و سامان اور رضا کاروں کی فوج ہسپانوی ساحلوں پر اتاری(5)۔ تو مقررہ وقت پر کسی قسم کی بغاوت نہ ہوئی اور اس طرح ہسپانیہ پر اچانک حملہ کرنے کا ایک اہم موقع ضائع ہو گیا۔(6)

1۔ تاریخ الدولة السعدية' مولف نامعلوم: ص 38,37
2۔ جهود العثمانيين: ص 398
3۔ الدولة العثمانية دولة اسلامية مفترى عليها: (926/2)
4۔ حرب الثلاثمئة سنة: ص 392-393
5۔ الدولة العثمانية دولة اسلامية مفترى عليها: (926/2)
6۔ جهود العثمانيين: ص 399

قلج علی نے شعبان 976ھ/ جنوری 1569ء کو الجزائر کا بحری بیڑا باغیوں کی پہلی کوشش کو کامیاب کرنے کے لیے روانہ کیا اور مقرر جگہ پر عثمانی سپاہ کو اتارنے کی کوشش کی لیکن پلان کے منکشف ہونے کے بعد ہسپانیوں کو اس کا پتہ چل گیا اور انہوں نے قلج علی کو فوجیں اتارنے سے روک دیا' اس بار بغاوت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی' سمندری طوفان بھی زوروں پر تھا' الجزائری بحریہ نے دوسرے کنارے پر پہنچنے کی پوری کوشش کی اور منہ زور موجوں سے برابر لڑتے رہے تا کہ مطلوبہ مدد بروقت پہنچ سکے لیکن سمندری طوفان نے 32 جہازوں کو غرق کر دیا جن پر اسلحہ کے علاوہ بہت سارے مجاہدین سوار تھے' صرف 6 جہاز اندلس کے ساحل پر پہنچنے میں کامیاب رہے جن پر توپیں' بارود لدا ہوا تھا اور مجاہدین سوار تھے۔(1)

لیکن ان مصائب و آلام اور نقصانات کے باوجود قلج علی نے ہمت نہ ہاری اور اندلس کے مسلمانوں کی امداد برابر جاری رکھی' بالآخر یہ بے مثال مجاہد 4 ہزار مجاہد اندلس کے ساحلوں پر اتارنے میں کامیاب ہو گیا جن کے پاس بندوقیں اور بہت سامان تھا' ان میں عثمانی مجاہدوں کے کچھ قائدین بھی تھے جنہوں نے اندلس کے مسلمانوں کے جہاد کے قیادتی مراکز میں کام کرنا تھا۔(2)

عثمانیوں نے ایک بار پھر اندلسیوں کو مدد فراہم کرنے کی کوشش کی' 23 شوال 977ھ/ 31 مارچ 1570ء کو قلج علی کو حکم ملا کہ وہ فوراً فوج اور اسلحہ اندلس کے ساحلوں پر پہنچائے اور اندلس کے مجاہد مسلمانوں کی مدد کو یقینی بنائے اس حکم نامہ کی عبارت یوں ہے۔'' جونہی یہ حکم نامہ پہنچے تم پر لازم ہے کہ اس میں موجود ہدایات پر عمل کرو' مذکورہ مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرو' مسلمانوں کی مدد سے غفلت برتنا بالکل جائز نہیں جنہیں ہلاکتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے......''عظیم قائد اور مجاہد قلج علی نے خود اندلس جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تا کہ خود جا کر جہادی سرگرمیوں کی قیادت کرے لیکن یہ اطلاع ملی کہ صلیبی بحریہ مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے جمع ہو رہی ہے لہٰذا سلطان عثمانی نے قلج علی کو حکم دیا کہ وہ اس جنگ میں شرکت کرنے کے لیے تیاری کرے' اس لیے مجبوراً استنبول سے سلطانی احکام کے پہنچنے کے انتظار میں انہیں الجزائر میں رہنا پڑا۔(3)

اندلس میں اس بغاوت کے دوران باغی لیڈر ابن امیہ کے بارے یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ جہاد سے پہلو تہی کر رہا ہے' اس تہمت کی وجہ سے سازشی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کے گھر میں اس کو قتل کر دیا' اس کی جگہ مولائی عبداللہ بن محمد بن عبو کو لیڈر منتخب کیا گیا۔ قلج علی نے اسے بھی خوب امداد فراہم کی' یہ نیا قائد ہسپانیہ کے نصرانیوں کے خلاف اپنے پہلے حملوں میں کامیاب رہا اور اس کے لشکر نے ارجیہ کے شہر کا گھیراؤ کر لیا۔

ہسپانوی حکومت ان تبدیلیوں سے گھبرا گئی اور اس نے ڈون جوان نمساوی کو ہسپانوی بحریہ کا چیف بنا دیا (یہ شخص شہنشاہ چارلس کی ناجائز اولاد تھا) اس نے 977-987ھ/ 1569-1579ء کی تحریک آزادی کو فرو کرنے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لیا اور اندلسی مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے کہ تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ عورتوں اور بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح کرایا' کئی مسلمانوں کو زندہ آگ میں جلایا' شہروں کو تاراج کیا' اس کا شعار (نعرہ) تھا: ''کوئی سستی روا نہیں' بالآخر اندلس

1۔حرب الثلاثمئة سنة: ص393 2۔حرب الثلاثمئة سنة: ص394 3۔جهود العثمانيين: ص400

کے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کر لی لیکن یہ اطاعت گزاری وقتی تھی کیونکہ مولای عبداللہ نے بہت تھوڑے عرصہ بعد دوبارہ بغاوت کی۔ ہسپانیوں نے اسے دھوکہ دے کر گرفتار کر لیا پھر اس کا سر کاٹا گیا اور کٹا ہوا یہ سر غرناطہ شہر پناہ کے دروازے پر کئی روز تک لٹکتا رہا۔(1)

نویں بحث

المتوکل علی اللہ ابن عبداللہ الغالب السعدی

عبداللہ جو الغالب باللہ کے لقب سے مشہور تھا جب فوت ہوا تو سعدیوں کی قیادت کی باگ دوڑ اس کے بیٹے المتوکل علی اللہ نے سنبھالی۔ متوکل علی اللہ اپنے دو چچاؤں عبدالملک ابو مروان اور احمد المنصور سے دلی عداوت رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح ان سے نجات حاصل کرے' اس کے چچا بھی اس کے حقد وکینہ سے بے خبر نہیں تھے' انہوں نے مغرب میں اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس سے حکومت چھیننے کے لیے عثمانیوں سے مدد طلب کی(2)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیونس میں عثمانیوں کی فتح اور اس میں حکومت کے استحکام نے عثمانیوں کو عبدالملک جو مغربی تاج و تخت کا خواہش مند تھا کی مدد کرنے پر ابھارا۔ وہ چاہتے تھے کہ مغرب میں ان کا نفوذ بڑھے کیونکہ مغرب پر قبضہ سے دولت عثمانیہ کی مغربی حدود محفوظ ہو جاتیں اور پورے شمالی افریقہ میں عثمانیوں کے پاؤں جم جاتے' اس کے علاوہ مغرب کو دولت عثمانیہ میں ضم کرنے سے اس کا رعب و دبدبہ ہسپانیوں اور پرتگالیوں کے دلوں میں پہلے سے دو چند ہو جاتا اور وہ مجبوراً استنبول میں سلطان کے ساتھ خیر سگالی کی کوشش کرتے۔(3)

المتوکل نے اپنے باپ کی پالیسی کو اپناتے ہوئے مسیحی ملکوں کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کر کے عثمانیوں کی راہ روکنے کی کوشش کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے چچا عثمانیوں سے فوجی امداد طلب کریں گے' الغرض المتوکل کا انگلستان کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا' انگلستان مغرب کے ساتھ تجارتی روابط پیدا کرنے کا خواہش مند تھا' اس کے پیش نظر وہ سیاسی فوائد تھے جو وہ ان تاجروں کی مدد سے حاصل کرنا چاہتا تھا' اس کے علاوہ وہ مغرب کی بڑھتی ہوئی اہمیت سے واقف تھا' اس وجہ سے کہ انگلستان ہسپانویوں کے ساتھ حالت جنگ میں تھا(4)۔ المتوکل کا انگلستان کے ساتھ تجارتی معاہدے پر دستخط کرنا یہ وہ واحد کام ہے جو اس نے اپنے مختصر دور حکومت میں سرانجام دیا۔ المتوکل نے یہ تجارتی معاہدہ اس غرض سے کیا کہ انگلستان کے تاجروں میں بعض تاجر سامان میں اسلحہ چھپا کر لاتے تھے اور یہاں کے لوگوں کے ہاتھوں بیچتے تھے۔ ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت عثمانی خطرات سے نمٹنے اور اپنے چچا جو تخت کا خواہش مند تھا کا راستہ روکنے کے لیے المتوکل کو اسلحہ کی کس قدر ضرورت تھی۔

فلپ ثانی شاہ ہسپانیہ کو مغربی یورپ کے حالات جہاں زیریں علاقوں میں بغاوت برپا تھی' میں مصروف دیکھ کر دولت عثمانیہ نے مغرب میں دخل اندازی کا عزم کر لیا یہ ایک بہترین موقع تھا جسے دولت عثمانیہ کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

1۔ حرب الثلاثمائة سنة: ص395
2۔ الحروب الصليبية في المشرق العربي محمد عمروسی: ص265
3۔ جهود العثمانيين: ص368
4۔ بداية الحكم المغربي في السودان: ص94

سوانہوں نے عبدالملک کی خوب مدد کی' لشکر جس کی تعداد 5 ہزار جنگجو تھی' بہترین اسلحہ سے لیس کر کے بھیجا۔ مولی عبدالملک اپنے بھتیجے المتوکل پر فتح حاصل کرنے کے بعد فاس میں داخل ہوا اور ترکی لشکر واپس الجزائر میں اپنے معسکر کی طرف لوٹ آیا۔

عبدالملک کے اصلاحی کام

عبدالملک نے اپنی مملکت میں بہت سے اصلاحی کام کیے' ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

① اس نے نئے جہاز بنانے کا حکم دیا اور جدید جہازوں کی اس صنعت کی وجہ سے صنعتی میدان میں خاصی ترقی ہوئی۔

② بحری تجارت کا اہتمام کیا' مغرب کے ساحلوں پر اس کے ہاتھ جو مال غنیمت لگا اس نے ملک کی اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

③ عبدالملک نے ایک نئی ترقی یافتہ باقاعدہ فوج تشکیل دی اور اس سلسلہ میں عثمانی آرمی کے تجربات سے استفادہ کیا' اسلحہ اور تنخواہ میں یہ آرمی عثمانی آرمی کے برابر تھی۔

④ عثمانیوں کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی' ان کے ساتھ معاہدے کیے' دوستانہ مراسم پیدا کر کے انہیں مغرب کے مسلمانوں کا مخلص بھائی بنا دیا۔

⑤ اس نے اپنے دور کے لوگوں کو اپنی خوبیوں کی بدولت اپنا گرویدہ بنا دیا' حتیٰ کہ یورپ کے لوگ بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ ایک فرانسیسی شاعر "اکبریاڈوبیں" جو اس دور کے واقعات کا معاصر ہے کہتا ہے: "عبدالملک خوبرو تھا بلکہ وہ اپنی پوری قوم میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا' وہ طبعاً روشن خیال تھا' ہسپانوی' ایطالوی' آرمینی اور روسی زبانیں بہت اچھی طرح جانتا تھا' عربی زبان کا بہت اچھا شاعر تھا' المختصر اس کے محاسن اتنے زیادہ تھے کہ اگر ہمارے کسی امیر میں پائے جاتے تو ہم کہتے یہ خوبیاں جو اس میں پائی جاتی ہیں ایک اچھے انسان کی ضروری خوبیوں سے کہیں بڑھ کر ہیں' یہ خوبیاں تو صرف فرشتوں کے مناسب حال ہیں"۔(1)

⑥ اس نے ملکی اداروں' انتظامی امور کے دفاتر اور ملکی مجالس کو طاقتور بنانے کا اہتمام کیا' اس نے ملک میں ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس کی بدولت سلطنت کے اندرونی حالات سے اسے مکمل آگاہی حاصل ہوتی رہتی تھی اور لوگوں کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے میں آسانی ہوتی تھی' ملکی سیاست کے سلسلہ میں اور بالخصوص ان ملکوں کے بارے میں وہ اس مجلس سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتا رہتا تھا جن کا مغرب کی سیاست سے تعلق ہوتا تھا' اس کا بھائی ابوالعباس احمد منصور باللہ جسے کتب تاریخ میں ذہبی کے لقب سے موسوم کیا گیا ہے' اس کا دست راست تھا اور مملکت کے تمام امور میں اس کی مدد کرتا تھا۔(2)

محمد متوکل سعدی کا پرتگال کے فرمانروا سبستیان کے ساتھ معاہدہ

محمد المتوکل نے اپنے چچا عبدالملک سے شکست کھانے کے بعد پرتگال کے فرمانروا سبستیان سے رابطہ کیا' دونوں میں اس

1۔ وادی المخازن: ص 37
2۔ وادی المخازن: ص 40,39

بات پر اتفاق ہوا کہ سبستیان المتوکل کی مدد کرے گا اور مغرب کی حکومت اس کے چچا سے لے کر اس کے حوالے کرے گا اور اس مدد کے عوض المتوکل مغرب کے تمام ساحلی علاقوں سے پرتگال کے حق میں دستبردار ہو جائے گا۔(1)

متوکل مغرب سے سبتہ کو منتقل ہو گیا اور وہاں چار ماہ تک قیام کیا' سبتہ سے طنجہ آیا اور سبستیان کی فوجی امداد کا انتظار کرنے لگا۔

جس وقت مسیحی ممالک بالخصوص پرتگال مغرب پر حملہ آور ہونے اور اس پر مکمل قبضہ کر لینے کی تیاریاں کر رہا تھا تو عثمانیوں نے تجربہ کار فوج اور طرح طرح کا اسلحہ بھیج کر عبدالملک کی مدد کی (2)۔ یہ مدد دراصل ان کے اسلامی عقیدہ کے دفاع میں ان کی اسلامی جذبات کی عکاس تھی کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کی جنگ تھی بالخصوص دولت عثمانیہ کی جنگ تھی جنہوں نے مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے زیر نگیں علاقوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور مادی مصلحتوں سے دور وہ ان ذمہ داریوں کو بہت اچھے طریقے سے نبھا رہے تھے۔(3)

وادی المخازن کی جنگ

سلطان عبدالملک کے زمانہ حکومت میں دولت سعدیہ نے جو سب سے عظیم کارنامہ سرانجام دیا وہ ہے پرتگال کے نصرانیوں کے مقابلے میں اس کی شاندار اور عظیم فتح' اس جنگ میں نصرانیوں کے تین فرمانروا شریک ہوئے تھے' اسے کتب تاریخ میں معرکہ قصر کبیر یا معرکہ وادی المخازن کا نام دیا جاتا ہے' یہ معرکہ بتاریخ 30 جمادی الآخر 986ء/4 اگست 1578ء وقوع پذیر ہوا۔

اس معرکہ کے اسباب

اس جنگ کے متعدد اسباب ہیں جن میں اہم یہ ہیں۔

1- پرتگالی ہزیمت اور شکست کے اس داغ کو دور کرنا چاہتے تھے جو مغربیوں کی زوردار ضربوں کی وجہ سے اب تک ان کے دامن پر نظر آ رہے تھے اور جن کی بدولت انہوں نے آسفی' آزمور اور اصیلا وغیرہ مقامات سے یوحنا ثالث کے زمانہ (اگست 1521-1557ء) میں پسپائی اختیار کی تھی۔

2- پرتگال کے نئے فرمانروا سبستیان بن یوحنا نے مسلمانوں کے خلاف مقدس جنگ میں کودنے کی کوشش کی تاکہ یورپ کے بادشاہوں میں اس کی شان بلند ہو جب پرتگالیوں نے نئے جغرافیائی انکشافات کیے تو اس کے غرور کی کوئی حد نہیں رہی اور ان راستوں کے ذریعے اس نے عالم اسلام کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی' وہ اسلام اور مسلمانوں سے بالعموم اور مغربیوں سے بالخصوص کینہ رکھتا تھا' اسی چیز نے اسے جنگ پر آمادہ کیا' اس فرمانروا میں صلیبی کینہ اور استعماری ذہنیت دونوں خصلتیں جمع تھیں جن کی رو سے ہر وہ مسلمان ملک جو اپنی حفاظت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا اس میں اپنی مرضی کرتا تھا اور آزادی کے ساتھ جس طرح چاہتا اس پر قبضہ کر لیتا' دوسری طرف مغرب پر جنگ مسلط کرنا اور اسے فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کر لینا اس کی

1- تاریخ المغرب' محمد بن عبود (19/2) 2- بدایۃ الحکم المغربی فی السودان الغربی: ص 94 3- جہود العثمانیین: ص 471

پالیسی کا اہم حصہ تھا۔(1)

نصرانیوں کا جمع ہونا

سبستیان لاکھوں نصرانیوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا جن کا تعلق ہسپانیہ' پرتگال' اٹلی اور جرمنی سے تھا اور اس لشکر کے پاس اس دور میں پایا جانے والا ہر طرح کا اسلحہ موجود تھا' ایک ہزار جہازوں پر تو صرف وہ فوج سوار تھی جو مغرب کی طرف جنگ کے ارادے سے آ رہی تھی۔(2)

نصرانی فوجیں 1578ء میں طنجہ اور اصیلا پہنچیں۔

مغربی لشکر

مغرب اقصیٰ کی گلی کوچوں میں جو نعرہ گونج رہا تھا وہ تھا "جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وادی المخازن چلو"۔

مغرب کے تمام لوگ عبدالملک المعتصم باللہ کے ارد گرد جمع ہو گئے' متوکل جو مغرب کی حکومت سے الگ ہو چکا تھا نے اس اتحاد کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی' اس نے مغرب کے لوگوں کے نام خط لکھا اور کہا میں نے اس وقت نصرانیوں سے مدد طلب کی جب مسلمانوں کی طرف سے مجھے مدد نہیں ملی۔ علماء کہتے ہیں کہ غاصب سے حق واپس لینے کے لیے کوئی بھی حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے' المتوکل نے لوگوں کو ڈرایا اور کہا: فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ:279)

"اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے"۔

مغرب کے مسلمانوں نے اس کے جواب میں ایک خط لکھا جس میں اس کی دلیل کا رد کیا' اس کے جھوٹ پر اسے شرمندہ کیا' اس خط کی عبارت کچھ اس طرح ہے: "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جیسا کہ اس کے جلال کے لیے ضروری ہیں اور صلوٰۃ سلام ہوں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو تمام انبیاء اور رسولوں سے افضل ہیں' اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام اس کی صحت کی شروط اور اس کے کمال کے ساتھ مستحکم کر دے۔ از یں بعد"۔

یہ جواب ہے جو تمام شرفاء' علماء' صلحاء اور مغرب کے تمام مجاہدین کی طرف سے لکھا گیا ہے' اگر تو اپنے نفس کو ملامت کرے اور اس کو سرزنش کرے تو تجھے پتہ چلے کہ تیرے ضمیر پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور تو گمراہی کا شکار ہو گیا ہے...... رہی وہ بات جو تو نے نصرانیوں کے بارے کی ہے تو تو نے دشمنوں کی طرف رجوع کیا ہے اور تو انہیں نصرانی کہہ کر بہت بڑی چالاکی کا ثبوت دے رہا ہے۔ تیری اس بات میں فریب پایا جاتا ہے جو مخفی نہیں' تیرا یہ کہنا کہ میں نے ان کی طرف اس وقت رجوع کیا جب مجھے مسلمانوں کی طرف سے مدد نہیں ملی تو اس میں دو چیزیں ناجائز ہیں جو رب کی ناراضگی کا سبب ہیں' پہلی یہ چیز کہ تو نے اس اعتقاد کا اظہار کیا ہے کہ تمام مسلمان گمراہ ہو گئے ہیں' کوئی ایسا شخص نہیں جو حق پر قائم ہو سوائے نصرانیوں کے (اللہ کی پناہ)

دوسری بات یہ ہے کہ تو نے مسلمانوں کے خلاف کافروں سے مدد طلب کی ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

1۔ وادی المخازن: ص 46-45

2۔ وادی المخازن: ص 49

''میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کروں گا'' مشرکین سے مسلمانوں کے خلاف مدد کا خیال صرف اس شخص کو آ سکتا ہے جس کا دل اس کی زبان کا تابع ہو۔ ایک بہت پرانا مقولہ ہے: ''عقلمند کی زبان اس کے دل کے تابع ہوتی ہے'' تیرا یہ کہنا کہ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور مزید برآں یہ کہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے جب تیری یہ گفتگو اللہ تعالیٰ کے سپاہیوں' اس کے دین کے مددگاروں اور محافظوں نے سنی تو عرب و عجم کے ان مجاہدین کی غیرت اسلامیہ اور حمیت ایمانیہ نے ان کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا ان کے نور ایمان میں تازگی آ گئی اور ان کے یقین کی شعاع ان پر چمک اٹھیں' کوئی کہہ رہا تھا دین تو صرف ایک ہی ہے۔ محمد ﷺ کا دین' کوئی کہہ رہا تھا کل جب آمنا سامنا ہوگا تو تم دیکھ لوگے کہ میں کیا کرتا ہوں' کوئی اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے۔ ولیعلمن اللہ الذین امنوا ولیعلمن المنافقین۔'' اور یقیناً اللہ جانتا ہے ایمان والوں کو اور یقیناً وہ جانتا ہے منافقوں کو''

تو نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ تمام روم تیرے ساتھ ہے اور تو نے اس بات پر فخر کیا ہے تجھے بھروسہ ہے کہ بادشاہ (پرتگال) اپنے لشکر سمیت پہنچ رہا ہے تو وہ لشکر کہاں سے آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ (التوبہ)

''اللہ تعالیٰ اپنے نور کو ضرور مکمل فرمائے گا اگرچہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہو''

الغرض جب قصر کبیر کے لوگوں نے نصرانیوں کو دیکھا اور سلطان عبدالملک نے پہنچنے میں دیر کر دی تو انہوں نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لینے کا ارادہ کیا' ایسے میں ابوالمحاسن یوسف الفاسی نے لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

عبدالملک المعتصم باللہ نے مراکش سے سبستیان کے نام خط لکھا اور کہا ''تیری سطوت و شوکت تیرے ملک سے تیری روانگی اور بلندیوں سے گزرنے سے ہی عیاں ہو چکی ہے اگر تو میری آمد تک وہیں ٹھہرے گا تو حقیقی نصرانی اور بہادر ہوگا اور اگر نہیں تو تو کتا ہے اور تیرا باپ بھی کتا ہے(1)۔ تو بہادر نہیں' جوان مردی یہ نہیں کہ دیہاتوں اور دور دراز شہروں پر حملہ بول دیا جائے اور لڑنے والوں کے سامنے آنے کا انتظار نہ کیا جائے۔''

سبستیان پر اس خط کا خاطر خواہ اثر ہوا' اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی اور ارکان لشکر کی مخالفت کے باوجود وہ عبدالملک کی فوجوں کا انتظار کرنے لگا' اس کے ارکان جیش اسے کہتے رہے کہ وقت ہے آگے بڑھو اور تطوان' عرائش اور قصر پر قبضہ کر لو(2)۔ لیکن وہ عبدالملک کے انتظار میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔

عبدالملک المعتصم باللہ کے قائدین نے پیش قدمی جاری رکھی اور اس کا بھائی احمد المنصور بھی فاس اور ارد گرد کے لوگوں کے جلو میں روانہ ہوا' بالآخر دونوں فوجوں کا قصر کبیر کے مقام پر آمنا سامنا ہوا۔

1۔ وادی المخازن: ص 53 2۔ وادی المخازن: ص 54

پرتگال کی نصرانی اور مغرب کی اسلامی فوجوں کی تعداد

پرتگالی لشکر

پرتگالیوں کی تعداد 125000 افراد تھی اور ان کے پاس وہ سارا ساز و سامان تھا جو ایک لشکر کے پاس ہونا چاہیے' یورپیوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب ان کے کسی لشکر کو شکست ہو جاتی ہے تو وہ اپنے لشکر کی تعداد کم کر کے بتاتے ہیں اور دشمن لشکر کی تعداد میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں (1)۔ یورپی روایت کے مطابق اس لشکر کی تعداد کچھ یوں تھی۔ 14000 پیدل فوج' 2000 گھوڑ سوار' 36 توپیں' اس کے مقابلے میں مغرب کی اسلامی فوج کی تعداد کچھ یوں ہے۔ 50000 پیدل' 22000 گھوڑ سوار' 1500 تیر انداز' 20 توپیں' ابو القاضی نے ''المنتقی المقصور'' میں پرتگالی لشکر کی تعداد ایک لاکھ 25 ہزار افراد بتائی ہے۔ (2)

ابو عبداللہ محمد العربی الفاسی نے ''مراۃ المحاسن'' میں کہا ہے کہ پرتگالی لشکر کی تعداد ایک لاکھ 20 ہزار افراد تھی۔ وہ روایت جو اس لشکر کی سب سے کم تعداد کو بیان کرتی ہے' اسی ہزار افراد کی ہے۔ (3)

پرتگالی لشکر کے ساتھ 20000 ہسپانوی' 3000 جرمن' 7000 اطالوی اور کئی دوسرے ملکوں کے سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شامل جنگ ہوئی' ان لوگوں کے پاس ہزاروں گھوڑے' چالیس سے زیادہ توپیں اور دوسرا سامان حرب بھی موجود تھا۔ یہ تمام بشری طاقتیں اور مادی وسائل بادشاہ سبستیان کی قیادت میں تھیں' نالائق المتوکل بھی نصرانیوں کے ساتھ تھا اور اس کے زیر قیادت زیادہ سے زیادہ 3 سو سے 6 سو افراد تھے۔ (4)

مغربی لشکر

مغرب کی اسلامی فوجوں کی تعداد 40000 افراد تھی جن کے پاس نصرانیوں کی نسبت زیادہ گھوڑے تھے' ان کے پاس صرف 34 توپیں تھیں لیکن ان کے جذبات بہت بلند تھے کیونکہ

- وہ قابض نصرانیوں کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کا مزہ چکھ چکے تھے۔ انہوں نے بہت سے سرحدی علاقے ان سے واگزار کرائے جو بلند و بالا فصیلوں ناقابل تسخیر قلعوں اور گہری خندقوں میں گھرے ہوئے تھے۔
- عبدالملک کی قیادت پر لوگوں کا اعتماد تھا تمام قبائل میں اتحاد تھا اور تمام صوفی سلاسل کی عبدالملک کو حمایت و تائید حاصل تھی' یہ معرکہ تاریخ اسلام میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے' بالخصوص مغرب کی تاریخ میں۔ شیخ ابو المحاسن الفاسی سلسلہ شاذلیہ جزولیہ کے نمائندہ صوفی تھے۔ انہوں نے لوگوں کی ہمتوں کو پست نہ ہونے دیا' لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا' اس صوفی

1۔ نصرانی مورخین اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے ہاں دشمن کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے اور نصرانی فوجوں کی تعداد کم بتائی جاتی ہے' دیکھئے مسلمانان اندلس کی تاریخ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص 72,73 (مترجم)

2۔ الاستقصاء: (69/5) نقلا عن وادی المخازن: ص 56 3۔ وادی المخازن: ص 56 4۔ وادی المخازن: ص 58

بزرگ نے مغربی لشکر کے ایک حصے (میمنہ یا میسرہ) کی خود قیادت کی اور میدان جنگ میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا انگشت بدندان رہ گئی اور اس وقت تک ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا' مسلمان دشمن کے کندھوں پر سوار ہو گئے' کئی قتل ہوئے اور بے شمار قیدی بنے' جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگا تو شیخ ابوالمحاسن پیچھے ہٹ گئے' اپنا حصہ چھوڑ دیا اور مال غنیمت سے کچھ بھی نہ لیا۔(1)

عبدالملک المعتصم باللہ' اس کے بھائی ابوالعباس اور عثمانی سپہ سالاروں نے جنگ میں بے مثال جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا' تجربات نے عبدالمعتصم باللہ کو دانا بنا دیا تھا' اس نے اپنے دشمن کو ایک خاص جنگی چال اور ایک سوچے سمجھے حکیمانہ منصوبے کے تحت ساحل پر لگے بحری بیڑے سے الگ کر دیا' عبدالملک آہستہ آہستہ سبستیان کو ایک ایسی جگہ لایا جس کو مسلمانوں نے میدان جنگ کے لیے منتخب کیا تھا پھر جب عبدالملک نے حکم دیا کہ پل کو اڑا دیا جائے اور گھوڑسواروں کے ایک دستے نے جس کی قیادت اس کا بھائی منصور کر رہا تھا اس حکم کی تعمیل میں پل اڑا دیا تو سبستیان اپنے بحری بیڑے سے مکمل طور پر کٹ گیا۔(2)

عبدالملک کے لشکر کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ توپ خانہ مقدمۃ الجیش میں تھا' اس کے پیچھے پیدل فوج کی صفیں تھیں' فوجی قیادت قلب لشکر میں تھی' میمنہ اور میسرہ پر گھوڑسوار تیرانداز اور مسلمان رضا کاروں کے دستے تھے' گھوڑسواروں کا کچھ حصہ ریزرو فوج کے طور پر پیچھے تھا جس نے مناسب وقت پر ضرورت کے مطابق حملہ کرنا تھا' یوں عبدالملک نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت پرتگالی لشکروں کے مختلف حصوں کو آڑے ہاتھ لیا اور ان پر فتح حاصل کر لی۔(3)

30 جمادی الآخر 986ھ/1578ء سوموار کی صبح مغرب کی تاریخ کا ایک روشن ترین اور تاریخ اسلام کا ایک ابدی دن قرار پایا۔

سلطان عبدالملک المعتصم باللہ نے اپنے لشکر سے خطاب کیا' انہیں نصیحت کی کہ اللہ کا وعدہ ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرے گا اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے گا اللہ کریم اسے کامیابی سے نوازے گا۔(4)

انہوں نے قرآن کریم کی آیات تلاوت کیں۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج)

''اور اللہ ضرور مدد فرماتا ہے اس شخص کی جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے' بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے۔''

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال)

اور نہیں مدد مگر صرف اللہ کی طرف سے' بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ جنگ میں ثابت قدمی فرض ہے اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ (الانفال)

1۔ وادی المخازن: ص 58 2۔ ایضاً ص 62 3۔ ایضاً ص 62 4۔ ایضاً ص 62

''اے ایمان والو جب تمہاری کافروں کے لشکر سے منڈ بھیڑ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ''

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ (الانفال)

''اے ایمان والو! جب تم کسی گروہ سے جنگ کرو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''۔

لوگوں کو ڈسپلن قائم رکھنے پر آمادہ کرنے کے لیے یہ آیت تلاوت کی۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴿٤﴾ (الصف)

''بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں صفیں باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

عبدالملک نے ایک ایسی حقیقت کا بھی ذکر کیا جس میں کوئی شک نہیں تھا انہوں نے کہا اگر آج رومی غالب آ گئے تو پھر کبھی بھی اسلام کے لیے کوئی کوشش بارآور ثابت نہیں ہو سکے گی۔

اپنی تقریر کے دوران انہوں نے قرآنی آیات کی تلاوت کی' آیات قرآنی کا سننا تھا کہ لوگوں میں ذوق شہادت انگڑائی لینے لگا۔

ادھر قسیس اور پادری بھی یورپی فوجوں کے جذبہ قتال کو خوب بھڑکا رہے تھے' وہ سبستیان سے کہہ رہے تھے کہ اگر ان صلیبی جنگوں میں تم مارے گئے تو تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور تمہاری تمام خطاؤں کو پوپ خود اٹھالے گا۔

دونوں طرف سے دس دس فائر ہوئے' یہ جنگ شروع کرنے کا اعلان تھا۔

عبدالملک تلوار ہاتھ میں لیے تیر کی سی تیزی سے دشمن سپاہ کی صفوں کو چیرتا ہوا بہت دور تک نکلتا چلا گیا اور بہت سے نصرانیوں کے سر اس کی تیغ خارہ شگاف سے قلم ہوئے' نصرانیوں کا پہلا ریلا مسلمان قائد کی اس شجاعت و بہادری کو دیکھ کر سراسیمہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا' عبدالملک جان توڑ کر لڑا لیکن بیماری جو مراکش سے اس کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی وہ واپس اپنے خیمے میں آیا اور چند ساعتوں کی دیر تھی اس کی روح پرواز کر گئی' لوگوں نے کہا بھی کہ آپ جنگ میں شریک نہ ہوں' بیماری بڑھ جائے گی لیکن اس نے یہ کہہ کر پیچھے رہنے سے انکار کر دیا تھا کہ بیماری مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے کیسے روک سکتی ہے' اس عظیم قائد اور مجاہد نے شجاعت اور بہادری کا حیرت انگیز باب رقم کیا' جب اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی تھی تو وہ اپنی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اشارہ کر رہا تھا کہ جب تک فتح سے ہمکنار نہیں ہو جاتے میری موت کے معاملے کو مخفی رکھنا اور پریشان نہ ہونا' ایسا ہی ہوا۔ کسی کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی' صرف اس کا بھائی احمد المنصور جانتا تھا یا اس کا دربان رضوان العلج' اس کا دربان سپاہ سے کہتا جاتا تھا' سلطان فلاں حکم دے رہا ہے' سلطان آگے بڑھنے کا حکم دے رہا ہے' سلطان جھنڈے بلند کرنے کا فرما رہا ہے' سلطان پیچھے ہٹ آنے کا حکم دے رہا ہے۔ (1)

1۔ وادی المخازن: ص 66

احمد منصور نے مقدمتہ الجیش کی قیادت کی اور پرتگالی لشکر کے عقب پر جا کر حملہ آور ہوا اور نصرانیوں کا بارود جلا ڈالا۔ مسلمان مجاہدین نے نصرانی تیراندازوں کو آ لیا' کئی ہلاک ہوئے اور جو باقی بچے وادی المخازن کے دریا کے پل کی طرف بھاگے کہ اسے عبور کر کے اپنے لشکر تک پہنچ جائیں لیکن پل تو ٹوٹ چکا تھا' مسلمانوں نے اپنے سلطان کے حکم سے اس کو ختم کر دیا تھا' آگے دریا کی تند و تیز موجیں تھیں اور پیچھے مسلمانوں کی بے نیام تلواروں کا خوف ان لوگوں نے دریا میں چھلانگیں لگا کر جان بچانے کی کوشش کی' کئی غرق آب ہوئے اور کئی بیڑیوں کو ہاتھوں میں پہنے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ سبستیان اور اس کے ارد گرد لڑنے والے ہزاروں آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔ خائن المتوکل وادی المخازن کے دریا میں ڈوب مرا اور آنے والی نسلوں کے لیے نشان عبرت بن گیا۔

یہ جنگ صرف تین یا چار گھنٹے جاری رہی اور بہت جلد اللہ کریم نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا کر دی۔(1)

احمد بن قاضی جو اس معرکہ کے واقعات کے معاصر ہیں' اپنی کتاب ''درۃ السلوک'' میں لکھتے ہیں (یہ کتاب رباط کی دارالوثائق لائبریری میں ایک مخطوطہ کی شکل میں ہے جس کا نمبر ہے: 428 اور ص 14)(2)

وابن اخيه بالنصارى اعتصما	وصار يستجدهم لمن سما
اجابه اللعين بستيان	بجيشه و معه الاوثان
وعدد الجيوش الذى جمعا	ينيف عن مئة الف سمعا
فخلص الاسلام من يداللعين	بصبره على لقاء المشركين
مامنهم الاقتيل و اسير	فى ساعته من الزمان ذا شهيد
مات بهابستيان اللعين	فماله عن الردى معين
ثم محمد الذى اتى به	مات غريقا يوما فانتبه
لحكمة الله العظيم القاهر	افادهم و زين المنابر
بذكر عمه ابى العباس	الحازم الراى شديد الباس
نسل الرسول المصطفى المختار	به زها المغرب على الاقطار

● عبدالملک کے بھتیجے (المتوکل) نے نصرانیوں کا دامن پکڑا اور اپنے سے کمتر لوگوں سے بھیک مانگنے لگا۔

● (پرتگالی فرمانروا) سبستیان لعین نے المتوکل کی درخواست منظور کر لی اور اپنے لشکر کو لے کر اس کی مدد کو آ گیا درآنحالیکہ اس کے ساتھ بت تھے۔

● لشکر جو اس نے جمع کیے ان کی تعداد ایک لاکھ اور کچھ تھی جیسا کہ سنا گیا ہے۔

● (اہل) اسلام نے اس لعین کے ہاتھ سے نجات حاصل کی' مشرکین کے ساتھ جنگ میں صبر کرنے کی بدولت۔

1۔ وادی المخازن: ص 67-66

2۔ دعوۃ الحق السنۃ (19) العدد (8) رمضان 1398ھ ص 56 ماخوذ وادی المخازن: ص 67

❺ نصرانی یا تو قتل ہوئے یا بھاگ نکلے اور تھوڑے سے وقت میں میدان میں ایک شخص بھی باقی نہ رہا اور وقت نے (ان کی ناکامی پر) گواہی دی۔

❻ سبستیان لعین بھی اس جنگ میں مارا گیا اور کوئی بھی ہلاکت سے بچنے میں اس کی مدد نہ کر سکا۔

❼ پھر (المتوکل جس کا نام) محمد تھا اور جو سبستیان کو مسلمانوں کے خلاف لیکر آیا تھا اسی روز ڈوب کر مر گیا' سو یاد کرو۔

❽ اللہ جو عظیم اور قاہر ہے کی حکمت کو جس نے مسلمانوں کو فائدہ دیا اور منبروں کو زینت بخشی۔

❾ اس (المتوکل) کے چچا ابو العباس کے ذکر سے جو نہایت ہی مدبر اور سخت جنگجو ہیں۔

❿ جو رسول مصطفیٰ ﷺ اور (نبی) مختار ﷺ کی نسل پاک سے ہیں اور مغرب اقصیٰ کے سب علاقے اس کی بدولت روشن ہو گئے ہیں۔

وادی المخازن کی فتح کے اسباب

❶ وادی المخازن میں مسلمانوں کو جو شاندار فتح نصیب ہوئی اس کا ایک سبب دور اندیش قیادت کا میسر آنا ہے' عبدالملک المعتصم باللہ' ان کا بھائی ابو العباس اور ان کا حاجب ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی قیادت میں بڑی فراست کا ثبوت دیا۔

جنگ کے دوران ابی علی قوری' حسن علج' محمد ابی طیبہ' علی بن موسیٰ جیسی تجربہ کار قیادت کا ظہور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی' بہترین قیادت اور بیدار مغز سپہ سالاروں کی بدولت مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی' یاد رہے کہ علی بن موسیٰ عرائش پر حاکم تھے۔

❷ مغرب اقصیٰ کے مسلمانوں کا اپنی قیادت پر اعتماد اور اس اعتماد کا سبب عظیم صوفی ابو المحاسن یوسف الفاسی تھے جنہوں نے اسلامی لشکر کے اندر اسلامی روح پھونک کر انہیں اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ عطا کر دیا تھا۔

❸ مسلمانوں میں اپنے دین' اپنے عقیدے اور اپنی عزتوں کی حفاظت کا جذبہ اور سقوط غرناطہ اور اندلس کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے دل پر لگنے والے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے تگ و دو اس کا تیسرا اہم محرک تھا۔ مسلمانوں نے نصرانیوں سے ان مظالم کا حساب چکانا تھا جو مسلمان مہاجرین پر روا رکھے گئے تھے اور ان وحشیانہ مظالم پر انہیں کڑی سزا دینا تھی۔ جو اندلس میں رہ جانے والے مسلمانوں پر ابھی تک جاری تھے۔

❹ تجربہ کار عثمانی فوجیوں کی جنگ میں شرکت جو توپ خانہ کے ساتھ گولہ باری کرنے میں امتیازی مہارت رکھتے تھے۔ اسی طرح اندلس کے کچھ مہاجرین کی شرکت جو گولہ باری اور بندوق سے فائر کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ انہیں لوگوں کی بدولت مغرب اقصیٰ کے توپ خانہ کو پرتگالی نصرانی توپ خانہ پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔

❺ عبدالملک المعتصم باللہ نے اپنے جنگی سپہ سالاروں کے ساتھ مل کر جو جنگی پلان تیار کیا تھا۔ وہ بھی اس فتح کا ایک اہم

ترین سبب تھا۔ عبدالملک دشمن کو آہستہ آہستہ ایک ایسے میدان جنگ میں لے آیا جس میں اس کی بری فوج بڑی آسانی سے حملہ کر کے اپنے دشمن کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔ یہ ایسا میدان جنگ تھا جہاں گھوڑ سوار آسانی سے کاروائی کر کے دشمن کو شکار کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عبدالملک نے کمال فراست کا ثبوت دیتے ہوئے سپلائی کے تمام راستے مسدود کر دیے جہاں سے انہیں امداد پہنچنے کے امکانات تھے۔ وادی المخازن پر ایک ہی پل تھا۔ عبدالملک نے اس پل کو تباہ کر کے دشمن کے لئے نجات کی سب راہیں بند کر دی تھیں۔

❻ عبدالملک اور اس کے بھائی احمد المنصور نے لوگوں کے سامنے ایک مثالی نمونہ پیش کیا۔ یہ دونوں بھائی خود جنگ میں شریک ہوئے اور ان کی شجاعت و بہادری مسلمانوں پر ان کے قول کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوئی اور وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔

❼ مغرب اقصیٰ کی فوجوں کا گھوڑ سواروں کی بدولت تفوق۔ ان گھوڑ سواروں نے کامیابی حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ شکست خوردہ نصرانیوں کو گرفتار کیا اور مسلمانوں کے تیز رو گھوڑوں نے نصرانیوں کو بھاگنے کی مہلت نہ دی۔

❽ سبتیان کا من مانی کرنا اور مشیروں اور اپنی مملکت کے بڑے بڑے لوگوں سے مشورہ نہ لینا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی تھی۔

❾ مغربی مسلم قوم کا نصرانی پرتگالی جنگ کے خطرات کو محسوس کرنا اور اس بات کا یقین کر لینا کہ ان خطرات کے خاتمے کیلئے تگ و دو کرنا اور متعصب صلیبیوں کے خلاف نبرد آزما ہونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ (1)

❿ مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی فتح و نصرت کی دعا کرنا اور اسکی بارگاہ میں نہایت خشوع و خضوع سے التجائیں کرنا کہ نصرانیوں کو ناکامی ہو اور دشمنان اسلام کا یہ حملہ خائب و خاسر رہے۔ ان کے علاوہ کئی اور بھی اسباب تھے جن کی بدولت مسلمانوں کو اس جنگ میں شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

معرکہ کے نتائج

❶ عبدالملک (جن کا وصال معرکہ وادی المخازن کے دوران ہوا) کے بعد ان کے بھائی احمد المنصور باللہ مغرب کے فرمانروا بنے جن کا لقب ذہبی ہے اور بروز سوموار 30 جمادی الآخر 986ھ کو جنگ سے فراغت کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

❷ سلطان احمد ذہبی کے ایلچیوں کی وساطت سے اس فتح کی خبریں عثمانی سلطنت کے دارالحکومت تک اور مغرب کے پڑوسی اسلامی تمام ملکوں تک پہنچیں۔ مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تمام اسلامی علاقوں میں عید کا سماں دیکھنے میں آیا۔ ہر طرف سے مغربیوں کو اس عظیم کامیابی پر مبارک بادی کے خطوط موصول ہوئے۔ یاد رہے اس دور میں تخت خلافت پر سلطان مراد خان ثالث تشریف فرما تھا۔

1۔ وادی المخازن: ص 72 تا 75 کا مطالعہ کیجئے۔

❸ آفاق عالم میں سعدی سلطنت کا ستارہ بلند ہو گیا۔ یورپی اقالیم اس کی محبت کا دم بھرنے لگیں۔ پرتگال کے نئے فرمانروا اور ہسپانیہ کے فرمانروا نے مجبوراً خیرسگالی کے وفود بھیجے اور نہایت قیمتی تحائف سعدیوں کی خدمت میں پیش کئے۔ خود تخت خلافت سے انہیں مبارک بادی کے خطوط موصول ہوئے اور قیمتی ہدایا لیکر عثمانی وفود مغرب اقصیٰ پہنچے۔ اس کے بعد فرانس کے فرمانروا کی طرف سے بھی تہنیت کے خطوط آئے۔ الغرض وفود کا تانتا بندھ گیا اور صبح وشام مغرب اقصیٰ میں تہنیت کے پیغامات آنے لگے۔(1)

❹ مغرب اقصیٰ کی سمندری حدود میں پرتگال کے نصرانیوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ ان کی شان وشوکت جاتی رہی اور ان کی سلطنت ڈانواڈول ہو گئی۔

پرتگالی مورخ نولیس ماریہ وادی المخازن کی جنگ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''آنے والے ادوار میں ہمارے لئے ایک ایسا دور بھی پوشیدہ تھا کہ اگر میں اس کو اس طرح بیان کروں جس طرح ہمارے مخالفین بیان کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ وہ ایک انتہائی منحوس اور نامبارک دور تھا۔ اس میں شوکت وصولت، کامیابی و کامرانی کا سورج غروب ہو گیا۔ پرتگال کی سیاست وسیادت ختم ہو گئی۔ قوموں میں ان کے رعب وجلال کا چراغ بجھ گیا۔ ان کی رونق کو زوال آ گیا۔ ان کی قوت ونخوت ختم ہو گئی۔ ناکامی ونامرادی ان کا مقدر ٹھہری اور غنا ونفع اندوزی کے دن جاتے رہے۔ یہ وہی دور ہے جس میں سبستیان بلاد مغرب کے قصر کبیر میں ہلاک ہوا۔(2)

❺ اس جنگ میں تین فرمانروا فوت ہوئے۔ متعصب صلیبی سبستیان جو پرتگال کا فرمانروا تھا۔ محمد المتوکل خائن معزول بادشاہ مغرب اور عبدالملک المعتصم باللہ مجاہد شہید۔

❻ پرتگال کے نصرانیوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی میں بہت جلدی کی اور سعدی سلطنت کو خطیر رقم فدیہ میں پیش کر کے انہیں آزاد کرایا۔

❼ مغرب اقصیٰ کے علاقوں میں امن، خوشحالی، تعمیر کا دور دورہ ہوا اور علوم وفنون اور صنعت وحرفت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔

❽ یورپ کی سوچ اور پلاننگ میں بنیادی تبدیلی آئی۔ مسلمانوں کے خلاف نظریاتی جنگ کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا کیونکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ لوہے اور آگ کی پالیسی مشرق اور مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کے عزائم کے سامنے بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔(3)

احمد المنصور نے اپنے بھائی کی پالیسی کو اپنایا۔ علمی انکشافات سے بھی پورا استفادہ کیا۔ اداروں کی تنظیم نو کی۔ ملی سیاست میں نظم ونسق پیدا کیا۔ حکومتی مشینری، عدلیہ اور فوج کو جدید تقاضوں کے مطابق نئے سرے سے منظم کیا۔ مختلف صوبوں کے

1۔ الاستقصاء: (92/5) نقلاً عن وادی المخازن: ص70 2۔ الاستقصاء: (5/85-86) نقلاً عن وادی المخازن: ص71
3۔ وادی المخازن: ص76

انتظامات کو بہتر بنایا اور ان میں امن و امان کی صورت حال بحال کی۔ احمد المنصور اپنے وزراء اور کلیدی آسامیوں پر فائز ملازمین کی کڑی نگرانی کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص مقررہ اوقات کار کی پابندی نہ کرتا یا سیاسی و ادارتی مراسلت میں تاخیر کا مرتکب ہوتا تو اس کا محاسبہ کرتا تھا۔

اس نے بعض ایسے حروف ایجاد کیے جو خاص رموز پر دال ہوتے تھے۔ رازدارانہ خط و کتابت میں ان حروف کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ اگر کوئی خفیہ خط دشمن کے ہاتھ لگ جائے تو اس کا مطلب سمجھا نہ جا سکے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیام امن اور داخلی و خارجی خطرات سے ملک کو بچانے کیلئے اطلاعات حاصل کرنے کا اس نے کس وسیع پیمانے پر اہتمام کر رکھا تھا۔

عدالتی سسٹم کی طرف اس نے خصوصی توجہ دی۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل الگ کر دیا اور انتظامیہ کی عدلیہ کے امور میں مداخلت کو بالکل ممنوع قرار دے دیا۔

ایک فرانسیسی مورخ گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری بمطابق سولہویں اور سترہویں صدی میلادی کے دوران یورپی اور مغربی عدلیہ کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "یورپ جب ترقی و خوشحالی کے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا تو قوانین کے اجراء و تنفیذ کا حق کلیتہً ملوک کے پاس تھا۔ جبکہ سعدیوں (مغرب اقصیٰ کے مسلمان بادشاہ) کے نزدیک عدلیہ آزاد تھی اور ملوک صرف ان بعض اپیلوں (Appeals) کو دیکھنے کے مجاز تھے جو حکومتی نمائندوں کے بارے میں ہوتی تھیں اور اس کو "انسداد مظالم" کا نام دیا جاتا تھا۔ (1)

احمد المنصور نے "مجلس المظالم" کے نام سے ایک کورٹ قائم کی۔ اس کا صدر دفتر مراکش میں قصبہ جامع مسجد میں تھا اور اس کی نگرانی وہ خود کرتا تھا۔ یہ کورٹ اس کے محل کے پڑوس میں تھی۔ انہوں نے ایک ایسی کمیٹی بھی تشکیل دی جو مختلف صوبوں میں عدلیہ کے امور کی نگرانی کرتی تھی اور ان کی رپورٹوں کا بنظر غائر مطالعہ کرتی اور تنقیدی جائزہ لیتی تھی۔ انہوں نے انتظامیہ کے نظم و ضبط، اپنی مملکت کے استحکام اور رعایا کو انصاف باہم پہنچانے کا خصوصی اہتمام کیا۔ ملک کے طول و عرض میں چوکیاں قائم کیں۔ جہاں پر ہر دم چوکس سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ ایک چوکی دوسری چوکی سے زیادہ سے زیادہ بیس کلومیٹر کی مسافت پر تھی۔ مسافروں اور قافلوں کو کسی چور اور رہزن کا کھٹکا نہیں رہا تھا۔ وہ دیہاتوں اور صحراؤں کو امن و سلامتی سے عبور کرتے تھے۔

انہوں نے مشاورتی اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنایا اور "مجلس الدیوان" یا "مجلس الملاء" قائم کی جو خالصتاً سیاسی، عدالتی اور عسکری امور کی نگرانی کرتی تھی۔ یہ ملک کا سب سے بڑا قانونی ادارہ تھا۔ لیکن عدالتی منصب کے احکامات سے تجاوز اس کے لیے جائز نہیں تھا۔ مجلس دیوان میں اتنی لچک تھی اور اتنی آسانی رکھی گئی تھی کہ ماہرین اور شہری و دیہاتی مراکز کے نمائندے وسیع پیمانے پر مشورہ دے سکتے تھے۔ (2)

سلطان احمد المنصور نے ملکی افواج کی تنظیم نو میں عثمانی نظام سپاہ کی پیروی کی۔ سعدی سپاہیوں کے پاس اسلحہ، ان کی تنخواہیں اور یونیفارم وہی تھی جو عثمانی فوج کی تھی۔ جو لوگ اعلیٰ عسکری کارکردگی کا مظاہرہ کرتے تو انہیں امتیازی اسناد دی

1۔ دعوۃ الحق بحوالہ وادی الخازن: ص 41　　2۔ وادی الخازن: ص 42-43

جاتیں اور اعلیٰ عہدوں پر ترقی دی جاتی۔ وادی المخازن میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے افراد کو اعلیٰ عہدے دیے گئے اور وقت نے ثابت کر دیا کہ احمد المنصور کا یہ فیصلہ صحیح تھا۔ جن لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا ان میں ابراہیم محمد، سفیانی جو وادی المخازن میں مقدمۃ الجیش کے قائد تھے۔ احمد بن برکہ اور احمد عمری معقلی کے نام سرفہرست ہیں۔

لشکر کی طبی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے میڈیکل یونٹوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ یونٹیں جنگ کے دوران زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور حالت امن میں ان کی طبی ضروریات کو پورا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں فوج میں ماہر میکینکل ماہرین کی تیاری کا اہتمام کیا۔ توپ سازی کیلئے فیکٹری قائم کی۔ بحریہ کی ترقی پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔ بالخصوص العرائش اور سلائی بندرگاہوں کے جہازوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے خصوصی توجہ مبذول کی۔(1)

دولت سعدیہ نے جنوب کی طرف اپنے نفوذ کو بڑھانے کی کوشش کی۔ مغربی سوڈان کو اپنی مملکت میں شامل کیا اور ہسپانیہ انگلستان اور عثمانیوں کے مقابلوں کی کھیل میں داخل ہو گیا۔ اور اس کی بدولت اس کی طرف سے امتیازی حیثیت کی حامل سیاسی صلاحیتوں کا اظہار ہوا۔ احمد المنصور اپنے ملک میں امن و امان قائم کرنے، ملک کو خوشحال بنانے اور اس کی تعمیر و ترقی کو آگے بڑھانے میں کامیاب رہا۔(2)

سعدیوں کیلئے عثمانی تجویز

ہسپانوی فوجوں نے پرتگالی علاقوں کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا اور پرتگالی امیر ''ڈون انطونیو'' اُن ہسپانوی فوجوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہا جنہوں نے اس کے ملک کو 988ھ/1580ء میں اپنے ملک میں ضم کر لیا۔ ایسے میں عثمانی سلطان مراد ثالث نے ہسپانیہ کے خلاف ایک فوجی معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی اور سعدیوں کو پیشکش کی کہ وہ جنگی بحری بیڑے اور لڑاکا فوجوں سے ان کو مدد فراہم کرے گا۔ انہوں نے رجب 988ھ/1580ء کو سعدی فرمانروا کے نام ایک خط ارسال کیا جس کا مضمون یوں ہے۔'' جب ہمارے معزز کانوں اور ہمارے بلند حق پرست احساسات تک یہ خبر پہنچی ہے کہ قشتالہ نے اپنی حدود سے قدم باہر نکالا ہے اور پرتگال کی سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے یا قریب ہے کہ اس پر قبضہ کر لے اور یہ کہ اس نے یہاں کے باشندوں کو بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دیا ہے اور یہ کہ وہ تمہارا پڑوسی اور سخت نقصان دہ دشمن ہے تو اسلامی غیرت نے ہم کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ ازلی محبت کا اظہار کرتے ہوئے ہم ایک وعدہ اور پختہ عہد کریں کہ ہماری دونوں مملکتیں ہر طرف سے محفوظ ہونگی۔ ہم اس عہد کو کعبہ شریف میں معلق کریں۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو ہم تین سو سلطانی جہاز اور ایک لشکر جرار اور عثمانی زرہ پوش آپ کی طرف بھیجیں گے جن کے ذریعے انشاء اللہ اندلس کا ملک فتح ہو جائے گا.....''

تیونس میں عثمانی سلطنت کے استحکام کے بعد قلج علی مغرب پر نظریں جمائے ہوئے تھا(3)۔ اس نے مغرب اسلامی کے علاقوں کی سیاسی یکجہتی کیلئے ضروری خیال کیا کہ ان علاقوں کو دولت عثمانیہ میں ضم کر دیا جائے اور اس کیلئے اس نے ابتدائی

1۔ وادی المخازن: ص 44 2۔ تاریخ العصر النھضۃ الاوربیۃ۔ نور الدین خسام: ص 456-458

3۔ تاریخ الجزائر الحدیث: محمد خیر فارس: ص 52

کوششیں شروع کر دی تھیں (1)۔ بالخصوص اس کے بعد کہ احمد منصور تذبذب کا شکار تھا اور کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر قلیج علی جو عثمانی بحریہ کا قائد تھا کو احکام مل گئے کہ وہ مغرب کا رخ کرے اور اسے دولت عثمانیہ میں ملانے کے لئے حملہ کر دے۔ قلیج علی جمادی الآخر 989ھ/جون 1581ء کو الجزائر پہنچا۔ اس دوران منصور دریائے تانسیفت کے قریب اپنی فوجیں اتار چکا تھا۔ مغربی فوجیں عثمانی حملہ کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار تھیں کیونکہ منصور اپنا لشکر پوری طرح تیار کر کے اپنے ملک کی سرحدوں تک آ پہنچا تھا۔ اس نے اپنی مملکت کے باڈر سیل کر دیئے تھے اور جگہ جگہ مورچے قائم کر کے دفاع کو بالکل مضبوط بنا لیا تھا۔

ان تیاریوں کے ساتھ ساتھ منصور نے استنبول میں ایک سفارت روانہ کی جبکہ اس سے پہلے وہ ہسپانیہ کے ساتھ ایک طرح کا عسکری معاہدہ کر چکا تھا۔ ہسپانیہ 27 جمادی الآخر 989ء/جولائی 1581ء کو پرتگال کے دارالحکومت لشبونہ پر قبضہ کر کے اپنی مشکلات پر قابو پا چکا تھا۔ ہسپانیہ اور منصور کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی رو سے ہسپانیہ نے مغرب کو عثمانیوں کے خلاف امداد دینا تھی اور مغرب نے اس امداد کے بدلے عرائش کے شہر سے دستبردار ہونے کے علاوہ کئی دوسری مراعات کا بھی اعلان کیا تھا۔

تبدیلی حالات کے پیش نظر عثمانی سلطان نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مغرب پر حملہ کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا اور قلیج علی (2) اور الجزائر میں اس کے نائب جعفر پاشا کو حکم دیا کہ وہ مغرب سے الگ رہیں اور مشرق کی طرف ہٹ جائیں کیونکہ حجاز مقدس میں حالات سازگار نہیں رہے تھے۔ سو قلیج علی نے اندلس کو واپس لے کے اپنے ہدف کو ترک کر دیا حالانکہ وہ چاہتا تھا کہ مغرب کو عثمانی سلطنت میں ضم کرنے کے بعد اندلس پر حملہ کرے۔ (3)

آستانہ اور فاس کے درمیان سفراء کا تانتا بندھ گیا۔ احمد بن ودہ، شاطبی، ابوالحسن علی بن محمد تمکروتی کی سفارتیں 997ھ/1588ء اور 999ء/1590ء کے درمیانی عرصہ میں پہنچیں۔ 998ھ/1589ء میں احمد منصور نے عثمانی سفیر کا استقبال کیا۔ (4)

عثمانی سلطان کی آرزو نہ تو ایران میں شیعہ صفویوں کے خلاف پوری ہوئی اور نہ وسطی یورپ میں ''الھابسرج'' کے علاقہ میں اس کو کامیابی ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ حجاز مقدس میں امت اسلامیہ کے مقدس مقامات کی حفاظت کی ذمہ داری کما حقہ پوری ہوئی اور نہ یہاں وہ اپنے امن پروگرام کی مدد کرنے میں کامیاب ہوا۔ (5)

الجزائر کے حاکم کا جہاد اور حالات کی تبدیلی

990ھ/1582ء میں الجزائر کے عثمانی گورنر نے اپنا بحری بیڑا تیار کیا تا کہ ہسپانیہ کے ساتھ خود اس کی سرزمین پر جنگ کرے۔ مسلمان مجاہدین برشلونہ اترے۔ شہر کو تاراج کیا اور پھر جبل طارق کی تنگنائے کو عبور کر کے الکناری جزیروں پر ہلہ بول دیا جو ہسپانیہ کے زیرنگیں تھے۔ مسلم فوجوں نے یہاں کے عسکری مراکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بہت سا مال غنیمت

1۔ تاریخ الجزائر الحدیث: جیلانی: ص 101
2۔ المغرب فی عہد الدولۃ السعدیۃ: ص 112
3۔ تاریخ الجزائر۔ جیلانی: ص 101
4۔ بدایۃ الحکم المغربی بالسودان: ص 97
5۔ جہود العثمانیین: ص 532

حاصل کیا۔ عثمانی بحریہ اندلس پر حملہ صرف اس لئے نہیں کرتی تھی کہ انہیں سزا دی جائے اور ان کی املاک کو تباہ کیا جائے بلکہ ان کا اولین مقصد یہ تھا کہ اندلس کے مظلوم مسلمانوں کو نصرانی مظالم سے نجات دی جائے اور انہیں اس جہنم سے نکالا جائے۔ ان مہمات کے دوران مسلمان مجاہدین کو سخت معرکوں کا سامنا کرنا پڑا اور کئی بار ہزیمت کا شکار ہونا پڑا۔(1)

بدقسمتی سے ینگ چری فوج نے الجزائر کے لوگوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ مظالم کو یہ سلسلہ اس وقت سامنے آیا جب بحری فوج کے لوگ واپس الجزائر پہنچے تاکہ وہ وسیع پیمانے پر بحری جہاد کا سلسلہ شروع کریں (2)۔ سو اس لئے حسن فنز یانو اپنی بحری مہم سے فوراً واپس آ گیا کیونکہ اسے فوج میں بدنظمی کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے الجزائر پر ایک دفعہ پھر توجہ مرکوز کی۔ یہاں کے لوگوں کو اپنا مطیع کیا۔ یہ واقعہ ربیع الثانی 991ھ بمطابق اپریل 1583ء کا ہے۔ عثمانی حکومت نے اس کارروائی سے کچھ تعرض نہ کیا کیونکہ اس کارروائی کا مقصد اختلافات کا خاتمہ، فتنہ وفساد کی آگ کو بجھانا اور الجزائر میں امن قائم کرنا تھا۔

اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت حسن فنز یانو نے حالات پر قابو پا لیا۔ الجزائر میں عثمانی بحریہ کی قیادت کے عہدے کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ یہاں کے سیاسی معاملات کو بھی اپنے ہاتھ میں لے کر ایک بہترین قائد اور سیاست دان کا ثبوت دیا۔ اس کے دور میں بے تحاشا مال غنیمت الجزائر پہنچا۔ ہسپانیہ اور مشرقی جزیروں کی دولت سے بھرے جہاز الجزائر پہنچتے رہے۔ بے انداز نفیس چیزوں کے علاوہ کثیر تعداد میں غلام بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

992ھ/1584ء کو حسن فنز یانو اپنے بحری بیڑے کو لیکر بلنسیہ کی سرحد پر پہنچا اور اندلس کے بہت سے مظلوم مسلمانوں کو ہسپانوی نصرانیوں کے مظالم سے چھڑا کر اپنے ساتھ الجزائر لے آیا۔ اگلے سال کالوسا کے تمام باشندوں کو نکال لانے میں کامیاب رہا۔ اس سے اگلے سال مراد رایس بحرے اٹلانٹک کی حدود میں دور تک نکل گیا۔ الکناری کے جزیروں کو تاراج کیا اور بہت سا مال غنیمت لیکر واپس لوٹا۔ اس مال غنیمت میں ان جزیروں کے حاکم کی بیگم بھی تھی۔ حسن فنز یانو الجزائر میں حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے استنبول میں بلایا گیا اور 995ھ/1587ء میں قلیج علی کی وفات کے بعد امیر البحر کا عہدہ (قبودان دوریا)(3) اس کے حوالے کر دیا گیا۔

الجزائر میں بیلر بک نظام کا خاتمہ

قلیج علی کی وفات کے ساتھ ہی الجزائر سے بیلر بک نظام کا خاتمہ ہو گیا اور اس نظام کے خاتمے کی وجہ سے الجزائر کے حکمران وسیع اختیارات اور اقتدار کے حامل بادشاہ بن گئے۔ بیلر بک نظام کی جگہ پاشوی نظام نے لے لی۔ اسی طرح کا نظام حکومت ٹیونس اور طرابلس میں بھی رائج ہوا(4)۔ عثمانی حکومت کی اس تبدیلی کی توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ سلطان ڈرتا تھا کہ بیلر بک الجزائریوں کی قوت اور عثمانیہ بحریہ کی کمزوری کی وجہ سے کہیں خود مختاری کا اعلان نہ کر دے۔

پاشا کی حیثیت ایک ملازم کی ہوتی تھی۔ جسے آستانہ سے تین سال کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ان تین سالوں میں وہ بغیر کسی

1۔ الجزائر والحملات الصلیبیہ: ص95
2۔ تاریخ الجزائر العام: جیلالی: (103,102/3)
3۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص410
4۔ المغرب العربی: عقاد: ص28

بنیادی سند اور فوجوں کی مقامی امداد کے حکمرانی کرتا تھا جو ان علاقوں پر قابض تھیں۔(1)

پاشا طرابلس، تیونس اور الجزائر ہر جگہ سلطان کا نمائندہ ہوتا تھا اور استنبول، دار الحکومت سے دور ہونے کی وجہ سے اسے تصرف کے مکمل اختیارات حاصل ہوتے تھے۔

997ھ/1588ء کے بعد دولت عثمانیہ کی تینوں کمشنریوں طرابلس، تیونس اور الجزائر کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں پاشا کے اقتدار اور تسلط کے مطابق یہاں بحری اور بری فوج کو اقتدار حاصل تھا۔ لیکن یہ اقتدار ولایت کے اندر کسی حد تک ٹیکسز وصول کرنے کی حد تک محدود تھا۔ عثمانیوں کا عمل دخل بس اتنا باقی رہ گیا تھا کہ خطبہ میں ان کا نام لیا جاتا تھا۔ سالانہ ٹیکسز وصول ہوتے تھے۔ ملکی جنگ میں عثمانی فوجیں حصہ لیتی تھیں اور آستانہ سے آنے والے پاشا کو قبول کیا جاتا تھا جو سلطان کی نمائندگی کرتا تھا۔(2)

978ھ/1571ء میں لیپانتو کے معرکہ کے بعد شمالی افریقہ کے علاقوں میں بھی یہی تبدیلی رونما ہوئی۔ جب یہ علاقے الجزائر میں موجود بیلر بک نظام حکومت کی ذمہ داری میں تھے تو یہ تین ولایتوں میں تقسیم ہو گئے۔ طرابلس، تیونس اور الجزائر اور یہ تینوں بھی دولت عثمانیہ کی دوسری عام ولایتوں کا رنگ اختیار کر گئیں۔ بعض علاقوں پر سعدی حکومت کی عملداری تھی تو بعض علاقوں میں ینگ چری فوج کی حکومت جبکہ مشرقی علاقوں میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے اسباب بھی تھے۔ جن کی وجہ سے اندلس کو واپس لینے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

مغرب اقصیٰ دولت عثمانیہ میں ضم نہ ہو سکی؟

دولت عثمانیہ عرصہ تک مغرب اقصیٰ پر حاکم رہی لیکن بایں ہمہ وہ دولت عثمانیہ کا مستقل حصہ نہ بن پائی جس کی کئی وجوہات ہیں۔ لیکن ان میں سے چند اہم وجوہات کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

1. مغرب میں طاقتور حکام کا ظہور۔ جیسے المنصور سعدی
2. 1587ھ میں قلج علی کا وصال اور ان کے وصال کے بعد شمالی افریقہ کا صوبائی نظام میں داخل ہو جانا۔
3. وادی المخازن کی جنگ میں پرتگالیوں کے مقابلے میں مغربیوں نے جو کامیابی حاصل کی اس کی وجہ سے عثمانی حکمرانوں کی نگاہ میں سعدیوں کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور وہ ان کا احترام کرنے لگے۔(3)

بحر متوسط میں دولت عثمانیہ، بحر احمر اور دوسرے سمندروں کی نسبت زیادہ فعال کردار ادا کر سکتی تھی۔ جس کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔

1. شمالی افریقہ استنبول اور مصر ہر دو علاقوں کے قریب پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں بحریہ کو مسلسل امداد پہنچتی رہتی تھی۔ یہاں حالات کی تصویر بالکل واضح ہوتی تھی اور عسکری تبدیلیوں کو سمجھنا آسان تھا۔ لیکن اس کے برعکس دوسرے سمندروں میں حالات کی تبدیلی کا اندازہ بڑے عرصہ کے بعد ہوتا تھا اور حالات کو سمجھنے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

1۔ جھود العثمانیین: ص 477 — 2۔ الشعوب الاسلامیہ: ڈاکٹر عبدالعزیز سلیمان: ص 123 — 3۔ ایضاً: ص 124

❷ شمالی افریقہ میں عثمانیوں کو طاقتور شخصیات کی پشت پناہی حاصل تھی کیونکہ یہاں کی آبادی مسلمان تھی اور یہاں کافی تعداد میں ایسے لوگ بستے تھے۔ جنہیں نصرانیوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کا خاصا تجربہ تھا۔ یہ لوگ ہر وقت عثمانیوں سے تعاون کرنے اور ان کے زیر اقتدار رہنے کیلئے تیار رہتے تھے۔

❸ ان علاقوں میں عقیدۃً تمام لوگ سنی تھے اور یہاں کوئی دوسرا مذہب نہیں تھا کہ عثمانیوں کو انکی طرف سے کسی مخالفت کا اندیشہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی دوسرا فرقہ یہاں نہ پنپ سکا اور اگر کسی نے سر اٹھایا تو فوراً اس کی بیخ کنی کر دی گئی۔ (1)

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص102

پانچویں فصل

دولت عثمانیہ کے زوال کی ابتداء

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ 974ھ/1566ء میں سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے ساتھ ہی دولت عثمانیہ کی شان وشوکت ختم ہوگئی۔ بلکہ اس عظیم مملکت کے زوال کے آثار سلطان سلیمان کے عہد میں ہی سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ سلطان اپنی بیوی روکسلانا کی بات کو بڑی اہمیت دینے لگا تھا۔ جو امیر مصطفیٰ کے خلاف سازش میں شریک تھی اور اپنے بیٹے سلیم ثانی کو تخت نشین دیکھنا چاہتی تھی۔ مصطفیٰ (سلیمان کا بڑا بیٹا) بہترین سپہ سالار اور سیاسی امور میں کمال مہارت رکھتا تھا اور ملک کی اکثر آبادی اس کی صلاحیتوں کی وجہ سے اس سے محبت کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ینگ چری فوج سلطان سے ناراض ہوگئی اور بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔ سلطان سلیمان نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ مصطفیٰ اور اس کے دودھ پیتے بیٹے کو قتل کرا دیا۔ اسی طرح اپنے بیٹے بایزید اور اس کے چاروں بیٹوں کو اپنے ایک وزیر کی سازش سے قتل کرا دیا۔ لیکن یہ خانہ جنگی اس عظیم مملکت کیلئے بہت بڑا داغ ثابت ہوئی اور اضمحلال اور زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے۔(1)

سلیمان قانونی کے دور حکومت میں کمزوری کے جو آثار نمایاں ہوئے ان میں ایک تو یہ بات تھی کہ سلطان شاہی دربار میں اکثر آنے سے کتراتا تھا۔ خواتین کا عمل دخل امور سلطنت میں شروع ہو گیا تھا۔ اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا سامنا کرنے سے وہ عاجز آ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے روملی اور اناضول میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔(2)

پہلی بحث

سلطان سلیم ثانی

سلطان سلیم 9 ربیع الاول 974ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔ وہ اپنے والد سلطان سلیمان کی فتوحات کی حفاظت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر محمد پاشا صوقللی (3) جیسا قابل وزیر سیاسی مدبر اور مجاہد کبیر نہ ہوتا تو یہ سلطنت کب کی زوال پذیر ہو چکی ہوتی۔ لیکن محمد پاشا صوقللی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس سلطنت کے رعب و دبدبہ کو بحال کیا اور دشمنوں کے دلوں میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ انہوں نے آسٹریا کے ساتھ صلح کر لی۔ 957ھ/1567ء میں صلح کے اس معاہدہ پر دستخط ہوئے جس کی بدولت آسٹریا نے ہنگری کے علاقوں میں اپنی املاک کو محفوظ رکھا اور پہلے سے مقرر شدہ سالانہ جزیہ ادا کیا۔ اسی طرح ٹرانسلفانیا، افلاق اور بغدان کے امیروں نے بھی اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔(4)

شاہ فرانس چارلس پنجم کے ساتھ معاہدہ صلح کی تجدید

980ھ/1569ء میں بولان کے فرمانروا اور فرانس کے بادشاہ چارلس پنجم کے ساتھ معاہدہ صلح کی تجدید ہوئی۔ اسی طرح فرانسیسی کونصلیٹ کے اختیارات میں پہلے سے اضافہ ہو گیا۔ ہنری ڈی فالوا جو شاہ فرانس کا بھائی تھا۔ شاہ فرانس کے

1۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص 94

2۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 123

3۔ ایضاً ص 124

4۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 123

ایماء پر بولان کا فرمانروا قرار پایا اور اس طرح فرانس کو بحر متوسط کی تجارت پر اجارہ داری حاصل ہوگئی۔ سابقہ معاہدوں کے مطابق فرانس نے دولت عثمانیہ کے اطراف واکناف میں نصرانی سفارتیں بھیجیں۔ جن کا مقصد بظاہر ان علاقوں بالخصوص شام کے علاقوں میں رہنے والے نصرانیوں کو دینی تعلیمات سے آگاہ کرنا تھا۔ ان مشنریوں نے یہاں کی نصرانی آبادی کے دلوں میں فرانس کی محبت کا بیج بویا اور اس محبت نے آگے چل کر عثمانی مملکت کے ضعف پر قابل ذکر اثرات مرتب کئے۔ کیونکہ نصرانیوں میں فرانسیسی اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا۔ اس لئے ان کے اندر نافرمانی کا رجحان بڑھ گیا اور کئی مقامات پر اس چیز نے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس عمل دخل کا اہم ترین نتیجہ نصرانی قومیت (اقلیات) کی لغت کا محفوظ رہنا تھا۔ حتیٰ کہ جب دولت عثمانیہ کمزور ہوگئی تو یہ نصرانی گروہ باغی ہو گئے اور خود مختاری کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان گروہوں کو یورپ کے نصرانی ملکوں کی تائید اور مدد بھی حاصل تھی۔ (1)

یورپی ملک غیر ملکی مراعات کے نظام کو اپنے طبعی حقوق میں سے ایک حق یقین کرتے تھے۔ اسی لئے فرانس نے بلگیریا کی مدد کیلئے اپنی فوجیں بھیج دیں۔ جن سے سلطان مراد رابع (1624ھ/1640ء) جنگ کر رہا تھا۔ اسی طرح فرانس نے دولت عثمانیہ کو دہشت زدہ کرنے اور اپنے مطالبات منوانے کیلئے اپنا سفیر بحری بیڑے کے ساتھ بھیج دیا۔ لیکن اس وقت کے صدر اعظم جو اپنے سیاسی فیصلے پر ہمیشہ سے ڈٹے ہوئے تھے نے سفیر کو مطلع کیا: ''یہ معاہدے ایسے ضروری نہیں کہ ان کی ہر حالت میں تنفیذ کی جائے کیونکہ یہ تو محض سلطان کی بخشش ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو فرانس سے یہ تمام مراعات واپس لے سکتے ہیں۔ اس بات نے فرانس کو اپنی دھمکیوں سے باز رہنے پر آمادہ کیا اور وہ سمجھ گیا کہ ابھی تک سلطنت عثمانیہ میں اتنا دم خم ہے کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرے۔ سو اس نے 1673ء میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے مراعات کے نظام کی تجدید کیلئے سلطان کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے مٹی اور زیادہ گیلی ہوگئی۔ بجائے اس کے کہ دولت عثمانیہ ان واقعات سے نصیحت حاصل کرتی اور اپنے دشمن کو پہچانتی۔ اس نے نصرانیوں پر اعتماد کیا اور بات یہاں تک پہنچی کہ سلطان محمد رابع (1648ء-1687ء) نے بیت المقدس کی حفاظت کا حق فرانس کو تفویض کر دیا۔ (2)

بار بار مراعات کی تجدید کی گئی اور ہر دفعہ سلطنت عثمانیہ پر ایک نئی پابندی کا اضافہ کر دیا گیا۔ 1740ء کے عرصہ میں مراعات کی تجدید کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ نے فرانس کے لیے نئی تجارتی مراعات کی منظوری دے دی۔ لیکن جب نپولین بوناپارٹ نے مصر پر قبضہ کیا تو یہ مراعات خطرے میں پڑ گئیں اور دولت عثمانیہ نے ان پر عمل درآمد روک دیا۔ لیکن نپولین نے دولت عثمانیہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو قائم رکھنے کی غرض سے مناسب وقت پر واپسی کی راہ لی اور یہ اس وقت ہوا جب نئی مراعات کے بدلے میں فرانس نے انخلاء کی پیشکش کی۔ عملاً یہ سب کچھ 9 اکتوبر 1801ء کو ہوا۔ سلطنت عثمانیہ نے مراعات میں اضافہ کر دیا۔ جن کی رو سے فرانس کو تجارتی آزادی مل گئی اور وہ بحر اسود میں جہاز رانی کرنے میں تمام پابندیوں سے آزاد ہوگیا۔ (3)

ان مراعات کے نتائج سلطنت عثمانیہ کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہوئے۔ یونانی مورخ دیمتری کیتیسکس بیان کرتا ہے:

1۔ الدولۃ العثمانیۃ قراۃ جدیدۃ لعوامل الانحطاط۔ جواد العزاوی۔ ص 26 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 27

"......ان مراعات نے شہنشاہیت کی اقتصادی حالت کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ وجہ یہ تھی کہ غیر ملکی مقابلہ کے لئے مقامی تجارت کی مدد کی خاطر جو ٹیکسز نظام قائم کیا تھا وہ بہت بری طرح متاثر ہوا تھا......" بلکہ ان مراعات کی وجہ سے دولت عثمانیہ کوئی اصلاحی سکیم شروع ہی نہیں کر سکتی تھی اور اپنے ملکی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ذرائع آمدنی پیدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ غیر ملکی مراعات کے معاہدے عثمانیوں کے لئے ذلت پر مبنی معاہدوں کی شکل اختیار کر گئے۔ ان سے نجات کی واحد صورت یہ تھی کہ عثمانی پورے یورپ پر غالب آ جاتے لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ فرانسیسیوں نے عثمانی حکومت کے پہلو بہ پہلو اس سلطنت کے اندر اپنی گویا ایک الگ حکومت بنالی تھی۔(1)

خوارزم کا حاکم سلطان سلیم ثانی سے مدد طلب کرتا ہے

خوارزم کے حاکم نے سلطان سلیم ثانی سے شکایت کی کہ فارس کا حکمران ترکستان سے آنے والے حاجیوں کو محض اس لئے گرفتار کر لیتا ہے کہ وہ اس کی ملکی حدود سے گزرتے ہیں اور استراخان پر ماسکو کے قبضہ کے بعد حاجیوں اور تاجروں کو اس علاقہ سے گزرنے سے روک دیا گیا ہے۔ لہٰذا حاکم خوارزم نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ استراخان کو فتح کر کے حج کے راستے کو دوبارہ کھول دے(2)۔ اس درخواست کو عثمانی حکومت نے قبول کیا اور صدر اعظم صوقللی نے 976ء-977ء بمطابق 1568ء-1569ء کو ایک بہت بڑے حملے کا پروگرام بنایا تا کہ استراخان پر قبضہ کیا جا سکے اور علاقے کے دفاع کی خاطر اسے عثمانی فوجوں کیلئے مرکز اور چھاؤنی میں تبدیل کیا جا سکے۔ عثمانی چاہتے تھے کہ اس طرح دریائے فولجا اور دریائے دون کے درمیان جہازوں کے لئے ایک ایسی نہر کھودی جائے۔ جس کے ذریعے عثمانی بحریہ بحر اسود کے راستے قزوین کے پانیوں میں آسانی سے داخل ہو کر جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے روسی فوجیوں کے قدموں کو روک سکے۔ اس سے عثمانیوں کی نظر میں ایک اور فائدہ بھی تھا اور وہ یہ کہ قوقاز اور آذربائی جان پر فارسیوں کا غلبہ ختم ہو جاتا۔ بلکہ اس طرح عثمانی آذربائی جان کے لق ودق صحراؤں سے گزرنے کی بجائے صفویوں اور قراقرم کے تاتاریوں سے تعلقات قائم کر کے شمالی علاقوں میں فارسیوں سے جنگ کرنے میں آسانی حاصل کر لیتے۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ ان قدیم راستوں کو دوبارہ بحال کیا جائے جن کو وسط ایشیاء سے مشرق سے مغرب کو جاتے ہوئے قافلے اختیار کیا کرتے تھے۔(3)

عثمانیوں نے فولجا کے ذریعے دریائے دون تک پہنچنے کی سکیم پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ جونہی جمادی الاول 977ھ بمطابق اکتوبر 1569ء کا مہینہ شروع ہوا تو اس نہر کا تیسرا حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ اگرچہ سردی کا موسم شروع ہونے کی وجہ سے کھدائی کا کام روکنا پڑا۔ لیکن سپہ سالار فوج نے یہ تجویز پیش کی کہ چھوٹے جہازوں کو کام میں لا کر توپوں اور سامان جنگ کو آگے لایا جائے اور استراخان پر سخت حملہ کیا جائے۔ لیکن یہ حملہ طبیعی حالات کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ لیکن اس ناکامی کے باوجود صوقللی پاشا نے بعض کامیابیاں حاصل کر لیں۔ جیسے مولدافیا، ولاشیا اور پولینڈ کے امراء پر سلطان کا کنٹرول سخت ہو گیا

1۔ الدولة العثمانية دولة الاسلامية مفترى عليها: (75/1)　　2۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 144

3۔ فتح عدن: محمد عبد اللطیف بحراوی: ص 145

اور اس وجہ سے دولت عثمانیہ نے بحر اسود کے شمال مغرب کی طرف روسی توسیع پسندی کے رجحان کو مرحلہ وار روک دیا۔(1)

قبرص کی فتح

اٹلی اور ہسپانیہ جزیرہ قبرص کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یورپ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ سلطان کے خلاف مسیحیت متحد ہو چکی ہے۔ لیکن جب عثمانی فوجیں قبرص کے ساحل پر اتریں تو اسے عثمانیوں سے بچانے کے لیے کوئی نہ آیا۔ عثمانی فوجیں آگے بڑھیں اور آسانی سے جزیرہ میں نفوذ شروع کر دیا۔ صرف فامہ جستا کا مضبوط شہر عثمانیوں کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس شہر کے باسیوں کی زمام قیادت باحلیون اور براجادئیو کے ہاتھ میں تھی۔ جنہوں نے عثمانی لشکر کا سامنا کیا جس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ عثمانیوں نے اس لڑائی میں اور محاصرے کے دوران وہ تمام ذرائع استعمال کیے۔ جو اس دور میں مروج تھے۔ مثلاً گوریلا کاروائیاں اور مختلف افواہیں پھیلا کر دشمن کو مایوس کرنا وغیرہ۔ لیکن شہر کا دفاع کرنے والی فوج مردانہ وار لڑتی رہی اور اس طرح کی کسی کوشش کا ان پر اثر نہ ہوا۔ اگر محصورین کو کہیں سے تھوڑی سی بھی امداد مل جاتی تو عثمانیوں کے لئے بڑے خطرات پیدا ہو سکتے تھے۔ لیکن بھوک نے کام کر دکھایا اور بالآخر ربیع الثانی 979ھ بمطابق اگست 1571ء کو شہر عثمانیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

قبرص کی فتح کے بعد دولت عثمانیہ نے اناضول کے باسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو یہاں آباد کیا۔ جن کے پوتے اس جزیرہ میں اب تک مقیم ہیں۔ اگرچہ قبرص کے آرتھوڈکس عیسائیوں نے جنہیں عرصہ سے بلکیریا کے کیتھولک عیسائیوں کے مظالم کا سامنا تھا عثمانی حکومت کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا لیکن اس قبضہ نے کیتھولک حکومت کو بھڑکا دیا۔(2)

اس مہم کے بعد عثمانی بحری بیڑا ابنا بختی میں لنگر انداز ہوا۔ چونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اور اس موسم میں ہر طرح کی جنگ وقتال کا سلسلہ یہاں بند ہو جاتا تھا اس لئے لشکر کا زیادہ تر حصہ واپس آ گیا تا کہ اگلے سال مزید مہمات کیلئے تیاری کرے۔(3)

لیبانتو کی لڑائی:(4)

عثمانی لشکروں کی بحر و بر پر یلغار سے پورا یورپ تھرا اٹھا۔ پوپ بیوس پنجم (1566ء-1572ء) نے ایک بار پھر کوشش کی کہ یورپ کے مختلف ملکوں اور ان کی بری اور بحری افواج کو پاپائیت کے جھنڈے تلے جمع کر کے عثمانیوں کے خلاف جنگ کرے لہٰذا(5) اس نے تمام یورپی ملکوں کے نام خط لکھتے ہوئے کہا: "...... ہماری بزدلی کی وجہ سے ترکی سلطنت نے اپنی ملکی حدود کو خطرناک حد تک وسیع کر لیا ہے(6)۔" 979ھ کے اوائل بمطابق مئی 1571ء کو یورپ بیوس خامس، شاہ ہسپانیہ فلپ ثانی اور جمہوریہ بلکیریا نے ایک معاہدے پر دستخط کیے اور عثمانیوں کے خلاف ایک بحری حملے کا پختہ عزم کیا۔ اس معاہدہ

1۔ جھود العثمانیین: ص477
2۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص146-147
3۔ فلسفۃ التاریخ العثمانی: محمد جمیل بیھم: ص146-147
4۔ یہ شہر اب یونان میں خلیج کورنتھ کے مغربی حصہ کی طرف جانے والے راستہ پر ہے
5۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص398-399
6۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص125

میں اٹلی کے کچھ شہر بھی شامل ہوئے۔ کیونکہ پوپ پیوس پنجم نے لوگوں کو اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ اس مقدس معاہدے میں توسکانی، جنوہ، سافوی اور اٹلی کے بعض شہر شریک ہوئے۔ (1)

پوپ نے فرانس کی طرف بھی خط لکھا اور اس سے مدد طلب کی لیکن چارلس نہم نے عثمانیوں کے ساتھ معاہدوں کی وجہ سے معذرت کی۔ پوپ نے ان کو دوبارہ خط لکھ کر ان تمام معاہدوں کو توڑ دینے کا حکم دیا اور صرف چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ چارلس نے عثمانیوں کے ساتھ کیے گئے تمام عہد و پیمان توڑ ڈالنے کا اعلان کر دیا اور روس کے بادشاہ ایفان کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ بولان کا حکمران چونکہ کسی حد تک سستی کر رہا تھا۔ اس لئے ڈون جون نمساوی کو اس مشترکہ فوج کا سپہ سالار منتخب کیا گیا۔ نصرانی معاہدہ کی ایک شق میں یہ الفاظ بھی تھے" کہ پوپ پیوس پنجم، شاہ ہسپانیہ فلپ اور جمہوریہ بلکیر یا ترکوں کے خلاف دفاعی اور اقدامی جنگ کا اعلان کرتے ہیں تا کہ وہ تمام علاقے جن پر عثمانیوں نے قبضہ کر لیا ہے، اور تیونس، الجزائر اور طرابلس کے علاقے بالخصوص ان کو ان سے واپس لینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔" (2)

ڈون جون بحر ایڈریاٹک کی طرف چل دیا۔ حتیٰ کہ وہ خلیج کورنتھ کی تنگنائے تک پہنچ گیا۔ جو باتر اس کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے لیبانتو کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ اسی مناسبت سے اس معرکے کا نام جنگ لیبانتو رکھا گیا۔

اسلامی بحریہ کے قائد کی رائے یہ تھی کہ خلیج کے استحکام کو کام میں لایا جائے اور صلیبی بحریہ سے کسی حد تک احتراز کیا جائے۔ لیکن بحری و بری لشکر کے سپہ سالار اعظم علی پاشا نے اپنے جہازوں کی عددی برتری پر اعتماد کرتے ہوئے دو بدو لڑائی کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ علی پاشا نے اپنی فوجوں کی تنظیم کی اور اپنے جہازوں کی ایک ہی طریقہ سے شمال جنوب کی سمت ایسی صف بندی کی کہ میمنہ لیبانتو کی بندرگاہ تک پھیل گیا اور میسرہ سمندر میں دور تک چلا گیا۔ پوری بحریہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ میمنہ، میسرہ اور قلب، علی پاشا خود قلب لشکر میں تھا۔ سیرو کو میمنہ پر جب کہ میسرہ کی کمان قلج علی کے ہاتھ میں تھی۔

نصرانی سپہ سالار نے بھی اپنی بحریہ کو مسلمانوں کی بحریہ کے مطابق ان کے بالمقابل منظم کیا۔ اس لشکر کے میمنہ کی قیادت دوریا کر رہا تھا اور اس طرح یہ قلج علی کے مقابلے میں تھا۔ اس کے میسرہ کی قیادت بربیجو کر رہا تھا اور یہ سیرو کا مد مقابل تھا۔ ڈون خود علی پاشا کے مقابلے میں قلب میں تھا۔ یوریپوں نے سینٹ کروز کی قیادت میں جہازوں کو احتیاطی دستہ (ریزرو) میں چھوڑ دیا تھا۔ (3)

معرکہ کارزار کا گرم ہونا

17 جمادی الاولیٰ 979ھ بمطابق 17 اکتوبر 1571ء کو جنگ چھڑ گئی۔ اسلامی بحریہ نے مسیحی بحریہ کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ عثمانی سپاہ دشمن کے جہازوں پر پل پڑے۔ معرکہ کارزار خوب گرم ہوا۔ فریقین نے شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے (4)۔ لیکن مشیت خداوندی مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ تیس ہزار جنگجو اور ایک روایت کے

1۔ جھود العثمانیین: ص452
2۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص125-126
3۔ حروب الثلاثمئۃ سنۃ: ص396
4۔ جھود العثمانیین: ص454

مطابق بیس ہزار مجاہدین زندگی کی بازی ہار گئے۔ دوسو جنگی جہازوں میں سے 93 جہاز غرق آب ہوئے اور جو باقی بچے ان پر دشمن نے قبضہ کر لیا۔ جنہیں نصرانیوں کے متحدہ بحری بیڑے میں تقسیم کر دیا گیا(1)۔ دس ہزار افراد کو نصرانیوں نے گرفتار کر لیا(2)۔ قلیج علی اپنا جہاز نکال لانے میں کامیاب رہا۔ بلکہ اس نے دشمن کے بعض جہازوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان میں سے ایک جہاز پر پوپ کا علم لہرا رہا تھا۔ قلیج علی ان جہازوں کو لیکر استنبول لوٹ آیا۔ اگر چہ مسلمانوں کی شکست کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے اور یہ تلخی وہ بہت شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے قلیج علی کا اس طرح استقبال کیا جس طرح ایک فاتح کا استقبال کیا جاتا ہے(3)۔ اس کے فوراً بعد سلطان سلیم ثانی نے قلیج علی کو ترقی دیکر عثمانی بحریہ کے قائد ''قبودان پاشا'' کے منصب پر فائز کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ الجزائر کے بیلر بک کے منصب پر بھی قائم رہے۔(4)

لیبانتو کی جنگ کے یورپ اور دولت عثمانیہ پر اثرات

لیبانتو کی فتح پر براعظم یورپ نے خوب جشن منایا۔ یہ پہلا واقعہ تھا کہ سولہویں صدی میلادی کے عرصہ میں عثمانیوں کو شکست ہوئی(5)۔ یورپ کے لوگ اس کامیابی پر بے حد خوش ہوئے۔ ہر طرف فرحت و انبساط کے رنگ تھے۔ لوگ خوشی سے گیت گا رہے تھے۔ گلی کوچوں کو سجایا جا رہا تھا۔ محافل کا اہتمام ہو رہا تھا۔ متحدہ بحری بیڑے کے قائد ڈون جون کی تعریف میں قصائد پڑھے گئے۔ حتیٰ کہ پوپ نے اس فتح پر ڈون جون کو مبارک باد دینے کے لئے مقدس پطرس کے کلیسے میں ایک محفل کا اہتمام کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ انجیل مقدس نے حنا نامی جس شخص کی آمد کی بشارت دی ہے وہ یہی ڈون جون ہیں'' پوری مسیحی دنیا اور مسیحی مورخین نے اس بحری کامیابی پر ڈون جون کی خوب تعریف کی اور اس کے کارناموں کو بہت شہرت دی۔ بلکہ ڈون جون اس قدر مشہور ہوا کہ جدید مدرسی ڈکشنریوں میں جب بھی لیبانتو کے ساحل کا تذکرہ ہوتا ہے تو ڈون جون کا تذکرہ بھی ساتھ کیا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس نے مسیحیت کو ایک بہت بڑے خطرے سے نجات دی جو اسے چاروں طرف سے گھیر چکا تھا۔(6)

اگر چہ پوپ ابھی تک پوری طرح مسلمانوں کے خطرات سے باہر نہیں آیا تھا کیونکہ مسلمان اب تک ایک عظیم طاقت اور خوفناک دشمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اس فتح سے بے حد خوش تھا۔ اس نے عثمانیوں کے خلاف شیعوں کو بھڑکانے کی پوری کوشش کی اور ان کی باہمی تفرقوں، جھگڑوں اور نظریاتی اختلافات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پوپ نے ملک عجم کے بادشاہ طہماسب کے نام ایک خط لکھا اور اسے کہا'' ......عثمانیوں پر حملہ آور ہونے کا تو اس سے بہتر موقع نہیں پائے گا۔ کیونکہ وہ تمام اطراف سے حملوں کا ھدف بن چکے ہیں......''(7) اس نے پوری کوشش کی کہ شاہ حبشہ اور امام یمن کو دولت عثمانیہ پر حملہ کرنے پر آمادہ کرے لیکن اسے موت نے فرصت نہ دی۔(8)

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص126
2۔ ایضاً
3۔ حرب ثلاثمئۃ سنۃ: ص399,398
4۔ جھود العثمانیین: 454
5۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص147
6۔ فلسفۃ التاریخ العثمانی: ص143
7۔ فلسفۃ التاریخ العثمانی: ص143
8۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص126

لیبانتو کی جنگ نے عثمانیوں کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ بحر متوسط میں عثمانیوں کی اجارہ داری اور سیادت ختم ہوگئی۔ چونکہ اب یورپیوں کو عثمانیوں کی طرف سے بحر متوسط میں کچھ زیادہ خطرات کا سامنا نہیں تھا۔ اس لیے وہ اس مقدس معاہدے کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکے اور مسیحی ملکوں کے درمیان وہ پرانی رنجشیں اور رقابتیں عود کر آئیں اور وہ بکھر گئے۔ (1)

معرکہ لیبانتو کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ عثمانیوں کے ناقابل شکست ہونے کی کہانی اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ اب سمندر میں انہیں کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اٹلی اور ہسپانیہ کے حکام کے دلوں سے ان کا خوف جاتا رہا تھا۔ یورپ کی مغربی طاقتوں کی سیاست پر عثمانی سلطنت کے اثرات باقی نہ رہے۔ کیونکہ عثمانی فوجیں درحقیقت پہلے سمندر اور خشکی دونوں میدانوں میں چھائی ہوئی تھیں (2)۔ 1571ء میں لیبانتو میں مسیحیوں کی فتح بحر متوسط کے اندر بحری قوت میں توازن کی مکمل تباہی کا اشارہ تھی۔ اسی طرح اس جنگ نے بحر متوسط میں ان سرکش بحری کارروائیوں کے دور کا خاتمہ کر دیا جن کی ہولناکیاں بالکل واضح تھیں۔ (3)

اس شکست کے بعد عثمانیوں نے اپنی بحری شان وشوکت کی بحالی کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ کی (4)۔ کیونکہ یہ شکست عثمانی بحری سلطنت کی طاقت میں مزید اضافے میں توقف کا نقطہ آغاز تھی۔ (5)

عثمانی بحری بیڑے کی دوبارہ تیاری

عثمانی بحریہ کے امیر البحر (قبودان پاشا) قلج علی ایک نئے حوصلے اور امنگ کے ساتھ عثمانی بحریہ کی تعمیر نو کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پوری ہمت اور طاقت کا اظہار کرتے ہوئے جو کچھ ضائع ہوا تھا۔ اس کی جگہ جہاز رانی کا نیا سامان تیار کرنے کی کوشش کی۔ 980/1572ء کا موسم گرما جونہی شروع ہوا تو اس نے اڑھائی سو نئے جہازوں کی تیاری مکمل کر لی۔ اس نئی بحریہ کو لیکر قلج علی سمندر میں نکلا۔ اس بحری استعداد کو دیکھ کر بلکیر یا تھر تھر کانپنے لگا اور نہایت ہی ذلت آمیز شرائط پر دولت عثمانیہ سے صلح کا طالب ہوا۔ اس نے جزیرہ قبرص کی سپردگی کے علاوہ تین لاکھ ڈوکیہ جنگی تاوان دینے کی حامی بھر لی (6)۔ لیکن یہ سرگرمی اس بیداری سے کچھ ہی عرصہ پہلے سامنے آئی جس کے نتیجے میں یورپ کے ملکوں نے بحری اتحاد کر لیا اور تھوڑا عرصہ ہی گزرا ہوگا کہ دولت عثمانیہ کو کئی معرکے سر کرنا پڑے۔ ایک طرف اسے آسٹریا اور اس کے اتحادیوں سے لڑنا پڑا اور دوسری طرف فارسی فوجوں سے دو دو ہاتھ کرنا پڑے۔ داخلی شورشیں اس کے علاوہ تھیں جن کی وجہ سے عثمانی بحری قوت کی بحالی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔ (7)

ٹیونس پر قبضہ

فلپ ثانی کے دل میں ٹیونس کو فتح کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ کیونکہ سلطان حفصی ابو العباس ثانی جس نے ٹیونس پر 942-

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص126 2۔ جھود العثمانیین: ص455 3۔ ایضاً
4۔ بدیۃ الحکم المغربی فی السودان: ص94 5۔ فلسفۃ التاریخ العثمانی: ص143 6۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص399
7۔ جھود العثمانیین: 456

980ء بمطابق 1535-1572ء تک حکومت کی، نے اس سے باغیوں کے خلاف مدد طلب کی۔فلپ ثانی نے بغاوتوں کو کچلنے کیلئے امداد دینے کی حامی بھرلی۔لیکن اس شرط پر کہ سلطان حفصی اسے بہت بڑی مراعات دے گا۔اس کو ٹیونس میں اپنی مرضی کے مطابق رہنے کی اجازت ہوگی۔حفصی عنابہ، بنزرت اور حلق الواد اس کے حوالے کرے گا(1)۔ابو العباد نے ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا۔لیکن اسکے بھائی محمد بن الحسین نے ان شرائط کو قبول کرلیا(2)۔اس کے بعد ڈون جون جزیرہ سسلی سے اپنا بحری بیڑا لیکر نکلا۔یہ روانگی رجب 981ء بمطابق اکتوبر 1573 کو ہوئی۔اس بحری بیڑے میں 138 جہاز تھے۔جن پر پچیس ہزار جنگجو سوار تھے۔یہ بحری بیڑا قلعہ حلق الواد میں اترا جس پر ہسپانیہ کا قبضہ تھا۔اس کے بعد ڈون جون نے ٹیونس کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر قبضہ کرلیا۔یہاں کے مسلمان ہسپانیوں کے شر سے بچنے اور اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے وادی ٹیونس میں بھاگ گئے(3)۔اسی طرح عثمانی حاکم قیروان کی طرف بھاگ گیا(4)۔الغرض یورپ اس بات سے واقف تھا کہ وہ دولت عثمانیہ کو صرف اسی صورت میں ختم کرسکتا ہے کہ یورپ کے تمام ممالک متحد ہو جائیں۔(5)

قلج علی اور اس کی جنگی تیاریاں

قلج علی نے اپنی بحری سپاہ کو جدید آتشیں اسلحہ سے لیس کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو خوب ٹریننگ دی۔اس بحری سرگرمی کو دیکھ کر دائیں بائیں کے غیر مسلم چوکنا ہوگئے۔قلج علی کا مقام ومرتبہ پہلے سے کہیں بڑھ گیا۔حتیٰ کہ پوپ نے ہسپانیہ کے فرمانروا فلپ ثانی کو یہ نصیحت کی کہ وہ قلج علی کو خریدنے کی کوشش کرے(6)۔چنانچہ اسے دس ہزار ڈوکیا اور نابولی یا ہسپانیہ میں کسی اور مقام پر ایک بہت بڑی جاگیر کی پیش کش کی گئی۔جو نسل در نسل اس کی وراثت ہوگی۔اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ اسے کوفت، مارکیز یا ڈوق کا خطاب بھی دیا جائے گا۔اس سکیم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ قلج علی کے دو مددگاروں کو بھی اسی طرح کی مراعات دی جائیں گی(7)۔پوپ جانتا تھا کہ اگر یہ پالیسی کامیاب نہ بھی ہوئی تو اتنا تو ضرور ہوگا کہ سلطان کسی حد تک قلج علی سے بدظن ہو جائے گا اور اس طرح اس کی کارکردگی متاثر ہوگی۔پوپ جانتا تھا کہ قلج علی وہ واحد آدمی ہے جو اس سلطنت کو سہارا دے سکتا ہے۔لیکن یہ سکیم ناکام رہی۔نتیجۃً قلج علی اس جسارت پر آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے یورپیوں کو سبق سکھانے کی ٹھان لی(8)۔ایک مسلمان مجاہد کو خریدنا کوئی آسان کام نہیں تھا جس نے اپنی ذات کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔یہی وہ منہج تھا جس پر دولت عثمانیہ کاربند چلی آ رہی تھی اور شاید فتوحات میں تیزی کی اصل وجہ بھی یہی تھی۔عثمانی پورے اخلاص سے اپنی مملکت کی خدمت کرتے تھے۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس مملکت کی خدمت درحقیقت اسلام کی خدمت ہے۔(9)

سلطان ٹیونس کو واپس لینے کیلئے احکام صادر کرتا ہے

سلطان سلیم ثانی نے اپنے وزیر سنان پاشا اور امیر البحر (قبودان) قلج علی کو حکم دیا کہ وہ ٹیونس کو واپس لینے کیلئے ہر ممکن

1۔تاریخ الجزائر الحدیث: ص143
2۔جھود العثمانیین: 457
3۔حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص399-400
4۔تاریخ الجزائر الحدیث: ص50
5۔جھود العثمانیین: ص457
6۔تاریخ الجزائر الحدیث: ص51
7۔اطوار العلاقات المغربیۃ العثمانیۃ: ص280
8۔تاریخ الجزائر الحدیث: ص51
9۔جھود العثمانیین: ص458

تیاری کریں اور اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے جس قدر وسائل و ذرائع ہیں استعمال میں لائیں۔ دولت عثمانیہ کے دوسرے صوبوں کے حکام کو بھی یہی احکام اور ہدایات جاری کیں کہ وہ لشکر، سامان جنگ، اسلحہ اور مختلف حجم کے دوسو تراسی جہاز مہیا کریں۔ اس نے اناضول اور روملی کے ملازمین کو تاکید کی کہ وہ بھی اس بحری سفر میں شریک ہوں۔ جہازوں کے لیے ملاحوں کو بھی ساتھ لے لیا تاکہ ان سے کام لیا جائے۔ انہوں نے حکم دیا کہ جو ملازم ملاحوں کو ساتھ بھیجنے میں سستی کا روادار ہوگا۔ مستقبل میں انہیں کسی قسم کی ملازمت اور کام نہیں دیا جائے گا۔ جب اس بحری بیڑے نے پیش قدمی شروع کی تو حیدر پاشا جو ٹیونس میں عثمانیوں کی طرف سے امیر تھا اور صلیبی حملے کے وقت قیروان چلا گیا تھا۔ مجاہدین کو جمع کرنے میں لگ گیا اور لوگوں کو مسلم لشکر میں شرکت کی ترغیب دینے لگا۔(1)

عثمانی بحریہ سنان پاشا اور قلج علی کی قیادت میں 23 محرم الحرام 982ھ بمطابق 14 مئی 1574ء کو روانہ ہوا۔ تنگ آبناؤں سے نکل کر اس بحری بیڑے نے بحرابیض میں اپنے بادبان کھول دیے۔ آخر کالابریا اور میناکے ساحل پر پہنچے۔ انہیں تاراج کیا اور ایک مسیحی جہاز پر قبضہ کرلیا۔ پھر یہاں سے پانچ دن کی مسافت طے کر کے ٹیونس پہنچے(2)۔ اسی دوران ٹیونس کا عثمانی حاکم حیدر پاشا، الجزائریوں کا لشکر، رمضان پاشا کی قیادت میں اور طرابلس کے مجاہدین مصطفیٰ پاشا کی قیادت میں ٹیونس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ مصری مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی ٹیونس آ پہنچی۔ جو رضا کارانہ طور پر جہاد میں حصہ لینا چاہتی تھی۔(3)

ربیع الاول 981ھ / 1574ء کو جنگ شروع ہوئی۔ شروع میں عثمانی محاصرے میں آ گئے۔ لیکن اپنی جوانمردی کی بدولت بہت جلد دشمن پر غالب آ گئے اور روادی الحلق پر قابض ہو گئے(4)۔ دوسری فوجوں نے ٹیونس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں پر موجود ہسپانیوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ حفصی بادشاہ محمد بن الحسن بھی بستیون فرار ہو گیا(5)۔ جس کی ہسپانیوں نے بڑی مضبوط قلعہ بندی کر رکھی تھی اور اسے شمالی افریقہ کا مضبوط ترین قلعہ بنا دیا تھا۔

فوجیں جمع کرنے کے بعد عثمانی بستیون کے محاصرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ فوجوں نے چاروں طرف سے شہر کو اپنے گھیرے میں لے کر سخت محاصرہ کرلیا۔ عثمانی وزیر سنان پاشا ایک عام سپاہی کی طرح اس جنگ میں براہ راست شریک تھا۔ حتیٰ کہ جب ایک جگہ مصنوعی ٹیلہ بنانے کا حکم دیا تاکہ یہاں سے شہر کے اندر جھانک کر صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو خود ایک مزدور کی طرح کام کیا۔ وہ اپنی پیٹھ پر پتھر اور مٹی اٹھا کر لاتا رہا۔ ایک سپاہی نے اسے پہچان لیا اور عرض کی کہ وزیر محترم یہ کیا؟ ہمیں آپ کی رائے کی زیادہ ضرورت ہے بہ نسبت آپ کے جسم کے۔ تو انہوں نے فرمایا: مجھے ثواب سے محروم نہ کیجئے۔ سنان پاشا نے بستیون کے محاصرے میں سختی برتنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ قلعہ میں محصور لوگوں کی ہمت جواب دے گئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔(6)

1۔ الاتراک العثمانیون فی افریقیۃ الشمالیۃ: ص251
2۔ ایضاً ص250
3۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص400
4۔ تاریخ الجزائر الحدیث: ص51
5۔ یہ ایک قلعہ تھا جو ٹیونس کے قریب ہسپانیوں نے تعمیر کیا تھا۔
6۔ حرب الثلاثمئۃ سنۃ: ص401

حفصیوں نے سسلی میں پناہ لی جہاں وہ اپنی مملکت کی واپسی کے لئے سازشیں کرتے رہے اور ہسپانیہ کے بادشاہوں سے درخواستیں کرتے رہے۔ نصرانی بھلا کب مسلمانوں کے ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے حفصیوں کو اپنا آلہ کار بنا کر اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کی سعی کی۔ ٹیونس کا سقوط ہسپانیہ والوں کیلئے ایک بہت بڑا دھچکا ثابت ہوا۔ کیونکہ افریقہ پر ان کا تسلط تدریجاً ختم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ان کا تسلط صرف چند بندرگاہوں تک محدود ہو گیا۔ مثلاً ملیلۃ، وہران اور مرسی الکبیر اور شمالی افریقہ میں ہسپانیہ کی حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کی بجائے مٹی میں مل گیا۔(1)

سلطان سلیم ثانی کا یمن پر ایک بہت بڑا حملہ

یمن میں ایک شیعہ سردار کو بڑی مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔ اس سردار کا تعلق شیعوں کے فرقہ زیدیہ سے تھا۔ اس شخص نے بہت سے یمنیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کو دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ بہت سارے قبائل اس شیعہ رہنماء المطہر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ عثمانیوں کو شکست فاش دینے کے بعد وہ صنعاء میں داخل ہو گیا(2)۔ عثمانی حکومت نے اس خطرے کو بھانپ لیا اور اس کی سرکوبی کے لیے سنان پاشا کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ سلطان سلیم نے اس فوجی مہم کو روانہ کرنے میں بہت بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ کیونکہ یمن بحر احمر میں عثمانی سلطنت کا ایک اہم حصہ تھا۔ اسے پرتگالی خطرے کے سامنے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت حاصل تھی(3)۔ اس کے علاوہ وہ حجاز مقدس کے لئے ایک مضبوط ذرہ اور بحر ہند میں پیش قدمی کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ عثمانی وزیر سنان پاشا مصر پہنچا تا کہ سلطان کے احکام پر عمل پیرا ہو یہاں اس کے پاس اطراف واکناف سے لشکر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ مصر میں سوائے بوڑھوں اور کمزوروں کے کوئی نہ رہا اور سب سنان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔(4)

لشکر روانہ ہوا اور ینبع پہنچا۔ جہاں مکہ کے قاضی القضاۃ نے اس کا استقبال کیا۔ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ پہنچا تو اہل مکہ نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ عثمانی لشکر بھی مکہ میں داخل ہوئے۔ گویا شام، حلب، فرمان اور مرعش کے لشکروں کے ساتھ ساتھ عثمانی لشکر بھی مکہ مکرمہ میں پہنچ گیا۔ سنان پاشا نے یہاں فوج کے نظم وضبط کو بہتر بنانے کا اہتمام کیا۔ صدقہ وخیرات کا سلسلہ شروع کیا۔ علماء اور فقہاء کی عزت افزائی کی اور چند دن مکہ میں ٹھہرنے کے بعد جازان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ لشکر جازان کے قریب پہنچا تو زیدی امام مطہری کی طرف سے مقرر کردہ حاکم بھاگ کھڑا ہوا۔ سنان پاشا کچھ دن جازان میں ٹھہرا۔ جہاں بہت سے لوگوں نے آ کر اظہار اطاعت کیا۔ ان لوگوں میں صبیا کے لوگ بھی تھے۔ سنان پاشا نے ان کی بڑی عزت افزائی کی اور انہیں خلعت فاخرہ سے نوازا اور ان کی اطاعت گزاری پر خوشی کا اظہار کیا۔ ان کے علاوہ یمن کے لوگوں کا ایک وفد بھی حاضر خدمت ہوا۔ اپنی اطاعت کا اظہار کیا اور امان طلب کی۔

سنان پاشا جازان کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد تیزی سے تعز کی طرف بڑھے۔ کیونکہ انہیں یہاں یہ خبر پہنچی کہ تعز کے عثمانی

1۔ جھود العثمانیین: ص460
2۔ البرق الیمانی فی الفتح العثمانی: قطب الدین النھر والی: ص173-177
3۔ دراسات فی تاریخ العرب القدیم۔ عمر بن عبد العزیز: ص102-103
4۔ غایۃ الامانی فی اخبار القطر الیمانی: یحیی بن الحسین: (733/2)

گورنر اور اس کے ساتھی بہت مشکل میں ہیں اور پہاڑی عربوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ وزیر سنان پاشا نے بڑی تیزی کے ساتھ یہ مسافت طے کی اور تعز کے باہر پڑاؤ کر کے لشکر کو پہاڑوں میں بکھیر دیا۔ جب زیدیوں نے اس لشکر کی کثرت تعداد کا مشاہدہ کیا تو الاغبر نامی پہاڑ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ سنان پاشا ایک دستے کی معیت میں جبل اغبر کی طرف بڑھے اور زیدیوں کا پیچھا کیا۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں زیدی اپنی بلوں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوئے اور عثمانیوں سے جنگ آزما ہونے کی جسارت کی۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہزیمت خوردہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ سنان پاشا نے تمام عثمانی لشکر کو انعامات دیے اور ان کی قدر افزائی کی۔(1)

عدن پر قبضہ

عدن پر قبضہ کرنے کے لئے سنان پاشا نے دو لشکر ترتیب دیے۔ ایک کی قیادت خیر الدین کپتان کے سپرد کی۔ جو قورت اوغلی کے نام سے مشہور تھا اور سنان پاشا کا بھائی تھا۔ اس لشکر نے سمندر کے راستے سے حملہ کرنا تھا اور دوسرا لشکر جس نے خشکی کے راستے سے حملہ آور ہونا تھا اس کی قیادت امیر حامی کے سپرد کی جس کی امداد گھوڑسواروں کی ایک جماعت کر رہی تھی۔

عدن پر قاسم بن شویع حکمران تھا جو زیدی امام المطہر کا مقرر کردہ تھا۔ قاسم بن شویع زیدیوں کا طرف دار تھا۔ حالانکہ یہاں کے لوگ زیدیوں کو ناپسند کرتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ مذہباً شافعی اور مسلکاً سنی تھے۔ اور کتاب و سنت پر عمل پیرا تھے۔ قاسم بن شویع نے لوگوں کی مرضی کے خلاف یہاں ایک مدرسہ کی داغ بیل بھی ڈال دی۔ جس میں زیدی نظریات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مدرسے کا نام "مدرستہ المطہر" تھا۔ قاسم بن شویع کو جب یہ اطلاع ملی کہ عثمانی لشکر عدم کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے پرتگیزیوں سے امداد طلب کی۔ پرتگیزیوں نے اس کی مدد کیلئے ایک جہاز روانہ کیا۔ جس پر بیس فوجی سوار تھے۔ قاسم نے ان فوجیوں کو اپنا قلعہ دکھایا۔ انہیں فوج کی تعداد اور آلات دکھائے اور انہیں توپیں دیکر حکم دیا کہ وہ سمندر کی طرف سے عثمانیوں کو آگے بڑھنے سے روکیں گے۔ جبکہ خشکی کی طرف سے زیدی جنگجو مدافعت کریں گے۔ لیکن اسلامی بیڑے کے کپتان خیر الدین نے جب دیکھا کہ سمندر کے اندر مسیحی جہاز عدن کی طرف بڑھ رہا ہے تو فوراً اس جہاز کا پیچھا کیا۔ پرتگیزی صورت حال کو بھانپ گئے اور بہت تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خیر الدین نے دور تک اس جہاز کا پیچھا کیا اور جب اس طرف سے مطمئن ہو گیا تو واپس عدن کی طرف چل پڑا۔

جب خیر الدین عدن کی طرف پلٹا اور ساحل پر اپنی توپیں اتاریں تو قلعہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اور بری فوجوں کا انتظار کرنے لگا تا کہ محاصرہ مکمل کیا جا سکے۔ ایسے میں اچانک زیدی پہنچ گئے۔ لیکن عین اسی لمحے امیر حامی بھی پہنچ گیا۔ عثمانی لشکر نے بغیر کسی توقف کے چاروں طرف سے قلعہ کو اپنے محاصرے میں لیکر زوردار حملہ کیا۔ قلعہ میں محصور زیدی بہت جلد حوصلہ ہار بیٹھے۔ عثمانی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ خیر الدین نے شہر کے ان لوگوں کو امان دے دی۔ جو قاسم، اس کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ اچانک ایک شخص خیر الدین کی طرف بڑھا۔ گویا وہ دست بوسی کرنا چاہتا

1۔ البرق الیمانی فی الفتح العثمانی: ص 218-226

ہے اور اچانک خیر الدین کے پیٹ میں خنجر اتار دیا۔ خیر الدین زخمی ہو گیا۔ امیر حامی آگے بڑھا اور اس خیانت کے الزام میں ابن شویع کا سر قلم کر دیا۔ وہ اس کے بیٹے اور پیروں کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن خیر الدین نے اسے روک دیا۔ وزیر سنان پاشا عدن کی فتح سے بہت خوش ہوا۔ لشکر میں موجود سپاہیوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ زبید اور تعز اور یمن کے شہروں میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ شہر کو سجایا گیا۔ شادیانے بجائے گئے اور لوگوں نے زیدیوں کے شر سے نجات پا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ وزیر سنان پاشا نے اپنے بھانجے امیر حسین کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کی معیت میں دو سو سپاہی بھیجے اور جن لوگوں نے عدن کو فتح کیا تھا ان کو ترقی دی۔ (1)

صنعاء میں داخلہ

سنان پاشا جب یمن کے جنوبی علاقوں کو زیر کرنے سے فارغ ہوا۔ تو ذمار کی طرف بڑھا اور صنعاء کے محاصرہ کیلئے توپوں کو وہاں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ مطہر کو جب سنان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنا سب مال و متاع لئے وہاں سے کسی اور سمت چل دیا۔ سنان پاشا صنعاء کے لوگوں کو امان کا وعدہ دے کر آگے بڑھا۔ لوگ مطمئن تھے۔ انہوں نے شہر کے معززین کا ایک وفد تیار کیا اور شہر سے باہر سنان پاشا کے استقبال کو آئے۔ سنان نے ان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ وہ صنعاء میں داخل ہوا لیکن اس میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی بجائے اپنے لشکر جرار کی قیادت کرتا ہوا کوکبان اور ثلا (2) کی طرف بڑھا۔ کیونکہ سنان چاہتا تھا مطہر کے ساتھ جب تک دو دو ہاتھ نہیں ہو جاتے یمن میں حالات پوری طرح سازگار ہونا مشکل ہیں۔ سنان مسلسل اپنی فوجوں میں اضافہ کرتا گیا اور وہاں کے عثمانی حکمران نے بھی اس کی پیروی کی۔ تقریباً دو سال تک جنگ و جدل کا یہ سلسلہ جاری رہا اور بالآخر 980ھ/1573ء میں ثلا کے مقام پر زیدی امام مطہر کی موت کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ مطہر کی موت نے عثمانیوں کو اور زیادہ تسلط کا موقع دیا۔ اور عثمانی حکمران بہت تھوڑے عرصے میں ثلا، مدع، عفار، ذی مرمر، بالائی اور زیریں شرف پر قابض ہو گیا۔ زیدی امامت کا مرکز بھی حسن پاشا کے قبضہ میں آ گیا۔ حسن پاشا نے امام حسن بن داؤد کو گرفتار کر کے اس تحریک کو ہمیشہ کے لئے اس علاقے سے ختم کر دیا۔ امام حسن بن داؤد المطہر کی وفات کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا تھا۔ لیکن اس کو یہ سعادت راس نہ آئی اور بہت جلد اپنے انجام تک پہنچ گیا۔ (3)

979ھ/1571ء میں لیپانٹو کے معرکہ کے بعد دولت عثمانیہ کی پالیسی میں بنیادی تبدیلی آ گئی۔ اب ان کے نزدیک اولیت اس چیز کو حاصل تھی کہ مقدس مقامات کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے اور بحر احمر اور خلیج عربی کی سرحدوں کی حفاظت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ اس مقصد کیلئے ضروری تھا کہ ان کے پاس ایک طاقتور بحریہ ہوتی تا کہ پرتگیزیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا۔ (4)

دولت عثمانیہ مسیحی حملوں سے اسلامی مقدس مقامات کو بچانے کیلئے ایک مضبوط حصار قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس

1۔ البرق الیمانی فی الفتح العثمانی: ص 249-255
2۔ غایۃ الامانی فی اخبار القطر الیمانی: یحییٰ بن حسین: (736/2
3۔ الفتح العثمانی للیمن: فاروق اباظہ: ص 23
4۔ جہود العثمانیین: ص 484

حصار کے ساتھ ساتھ سلطان نے چاک و چوبند دستوں کو مکہ شریف مدینہ طیبہ اور ینبع کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس کے علاوہ مصر، شام اور مکہ شریف کے راستوں پر واقع کنوؤں کی حفاظت کے لئے خصوصی نگران فوج متعین کی تا کہ راستے پر امن رہیں اور قافلوں پر کوئی حملہ نہ کر سکے۔ دولت عثمانیہ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ جدہ کا حاکم حجاز مقدس میں باب عالی کا نمائندہ ہو۔ عثمانی دور حکومت میں حجاز مقدس کے لوگوں نے بہترین اقتدار کا مشاہدہ کیا۔ اس دور میں جدہ کی بندرگاہ سے جتنی آمدنی ہوتی یا ٹیکسز وصول ہوتے وہ عثمانی حاکم اور شریف مکہ کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔ (1)

سلطان سلیم کا دفاع اور وصال

مشہور مستشرق کارل ''بروکلمان'' (2) سلطان سلیم ثانی پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ شراب نوشی، عیاشی، فسق و فجور کے ارتکاب اور صحبت اشرار کے حوالے سے بہت مشہور تھا۔ اس تہمت اور الزام کا ڈاکٹر عبدالعزیز شناوی (3) اور ڈاکٹر جمال عبد الہادی نے خوب محاسبہ کیا ہے۔ وہ ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ مسلمان کے خلاف ایک کافر کی گواہی ناقابل تسلیم ہے۔ بغیر دلیل کے مسلمان محققین اپنے مسلمان حکام کے خلاف ان جھوٹی اور من گھڑت شہادتوں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ کیا وہ اسلامی مدارس میں نہیں پڑھے کہ ایسے الزامات کے جواب میں صرف اتنا کہہ دیتے کہ یہ محض جھوٹ ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور:12) ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات 6)

''اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو۔''

(4) مستشرقین اور انکے منہج تحقیق کی پیروی کرنے والے لوگ مسلمان مجاہدین اور حکام کی تصویر کشی کرتے ہوئے انہیں بد مست اور محرمات میں منہمک دکھاتے ہیں (5)۔ بلکہ وہ دین اسلام، انبیاء و رسل علیہم السلام تک کو معاف نہیں کرتے۔ پس ہم ایسے لوگوں کی بات پر کیسے یقین کر سکتے ہیں جب کہ ہمیں یقین ہے کہ وہ علمی امانتداری کا ثبوت نہیں دیتے۔ (6)

جناب ڈاکٹر صاحب سلطان سلیم ثانی کے اہم کارناموں کا ذکر کرتے ہیں جن سے ان تمام الزامات کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے جو ان کی ذات کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب مسلمان اساتذہ تاریخ کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ مستشرقین کی چالوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور تاریخ پڑھاتے ہوئے اور لکھتے ہوئے عدل و انصاف اور علمی امانتداری کا ثبوت

1۔ جهود العثمانيين: ص 487

2۔ الاتراک العثمانیون کارل بروکلمان: (137/3)

3۔ الدولة العثمانية دولة اسلامية مفترى عليها: (672/1)

4۔ اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ: ص 64

5۔ ایضاً ص 64

6۔ الاخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ: ص 65

دیں۔وہ لکھتے ہیں۔" میں ان لوگوں کو جو سچائی کو سامنے نہیں لاتے اور اپنی تحریروں میں لوگوں کے دین، اخلاق اور شخصیات پر بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی سچائی کے الزامات عائد کرتے ہیں، کہوں گا کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ کسی پر جھوٹا الزام لگانا جرم ہے۔ ایسے جھوٹے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تاریخ کے اساتذہ غفلت نہیں برتیں گے اور بغیر دلیل اور ثبوت کے کسی شخص پر جھوٹی تہمت اور الزام نہیں دھریں گے۔

انہیں یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں اور برائیوں کو میزان عدل میں تولے گا۔صرف برائیوں یا صرف اچھائیوں کا وزن نہیں ہوگا۔ایک مورخ کو یہ بات سوچنی چاہیے اور سمجھنی چاہئے کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے امانت ہوتی ہے اور وہ اللہ عزوجل کے حضور گواہی کا درجہ رکھتی ہے۔کسی بھی بات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے بارے پوری طرح تحقیق کر لی جائے۔(1)

سلطان سلیم ثانی کے دور کی دولت عثمانیہ کی تاریخ کے بارے تحقیق کرنے والے جانتے ہیں کہ اس دور میں اس عظیم سلطنت کو کس قدر رعب وجلال اور طاقت وصولت حاصل تھی۔معرکہ لیپانتو کے کچھ ہی عرصہ بعد صلیبی بلکیر یا کے نائب نے جب صدر اعظم سے استنبول میں ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو صدر اعظم محمد صوقللی پاشا نے فوراً اس کی نیت کو بھانپ لیا اور اسے کہا: تو صرف اس لئے آیا ہے کہ ہمارے حوصلوں کا اندازہ لگائے اور یہ دیکھے کہ ہم کس حد تک بہادر ہیں۔لیکن یاد رکھو تمہارے نقصانات اور ہمارے نقصانات میں بڑا فرق ہے۔ ہمارا قبرص پر قبضہ کرنا اس بازو کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہم نے توڑ کر کرچی کرچی کر دیا۔لیکن تمہارا ہمارے بحری بیڑے کو شکست دینا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تم نے ہماری داڑھی مونڈ دی اور داڑھی بہت تیزی سے بڑھتی ہے اور پہلے سے کہیں گھنی اگتی ہے۔(2)

صدر اعظم محض ان باتوں پر اکتفا نہ کیا بلکہ عملاً اقدام کیا اور سچی بات تو یہ ہے کہ سلطان سلیم ثانی نے عثمانی بحری بیڑے کی دوبارہ صنعت گری میں بڑے جوش وجذبے کا مظاہرہ کیا۔اس مقصد کے لئے اپنا ذاتی مال تک خرچ کر ڈالا۔شاہی محل کے باغ کو بھی قربان کر دیا تا کہ اس میں حوض بنا کر بحری بیڑے کی تشکیل نو کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے اور ایسے ہی ہوا۔ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں، بحر متوسط اسلامی بحری بیڑے کی جولان گاہ قرار پایا۔(3)

اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی مضبوط ادارے کے قیام کیلئے صرف جذبہ ہی کافی نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد بھی ضروری ہے۔یہی وجہ تھی کہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں عثمانی ایک مضبوط بحری بیڑا اپنانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعہ سے اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت اچھی تھی۔جنگی تیاریوں کے لئے عوام پر ٹیکس نہیں لگائے گئے۔ان کی جائیدادیں ضبط نہیں کی گئیں۔حکومت نے یہ نہیں کہا کہ بھوک سے مرتے ہو تو مرتے رہو دفاع پر رقم خرچ کرنا ضروری ہے۔سلطان سلیم نے خود اپنا اور اپنے خاندان کا مال صرف کیا کیونکہ وہ ایک اسلامی درسگاہ کا

---

1 الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیہا: (678/1)
2۔ایضاً (677/1-678)
3۔الدولۃ العثمانیہ ڈاکٹر جمال عبدالھادی: ص 66

تعلیم یافتہ تھا(1)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ (الانفال)

''اور جو چیز تم خرچ کرو گے راہ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

وفات

مغربی تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ سلطان سلیم ثانی کا وصال کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ہوا۔ لیکن مسلم مورخین بیان کرتے ہیں کہ حمام میں ان کا قدم پھسلا اور گر پڑے۔ کئی دن تک بیمار رہے اور بالآخر 982ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔(2)

دوسری بحث

سلطان مراد ثالث

982ھ 1003ھ بمطابق 1574ء-1594ء

سلطان مراد ثالث اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ آپ علم و ادب اور شعر و سخن کے بڑے قدردان تھے۔ علوم و فنون میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ تینوں زبانیں ترکی، عربی اور فارسی جانتے تھے۔ علم تصوف کی طرف خصوصی میلان تھا۔ تقویٰ و پرہیزگاری میں مشہور تھے۔ علماء کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنی آرمی کو ریٹائرمنٹ پر پنشن دیتے تھے۔ جس کی مالیت تقریباً 110,000 سنہری لیرہ تھی۔ آپ نے اس بے چینی کو ختم کر دیا جو عموماً تنخواہوں اور پنشنز کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی۔(3)

شراب نوشی کی ممانعت

سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ شراب نوشی پر پابندی لگا دی کیونکہ لوگوں میں شراب نوشی کا رجحان عام ہو گیا تھا اور لشکر میں، بالخصوص انکشاریہ میں تو شراب نوشی کا سلسلہ کچھ زیادہ چل نکلا تھا۔ لیکن اس حکم کی وجہ سے انکشاریہ میں بغاوت ہو گئی اور مجبوراً انہیں ممانعت شراب کا یہ حکم واپس لینا پڑا۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں کمزوری کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ سلطان شراب نوشی کی ممانعت کی استطاعت بھی نہیں رکھتا تھا۔ اور وہ اپنے ملک میں شریعت کے احکامات کو نافذ کرنے سے بھی قاصر تھا۔ اس کے علاوہ اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انکشاریہ تربیت کے اعلیٰ و ارفع حقیقی اسلامی خطوط سے انحراف کر چکی تھی اور اس کے دل میں ذوق جہاد اور شوق شہادت کا جذبہ ماند پڑ چکا تھا۔(4)

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص 128
2۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص 100
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ العلیۃ: ص 259
4۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 100

پولینڈ کی حمایت اور مراعات کی تجدید

سلطان مراد ثالث نے بعینہ وہی پالیسی اختیار کی جو اس کے والد نے اس سے پہلے اپنا رکھی تھی۔ اس نے اپنے عہد میں مختلف مقامات پر کئی جنگیں لڑیں۔ 982ھ/1574ء میں پولینڈ کا حاکم ہنری ڈی فالوا بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ عثمانی خلیفہ نے پولینڈ والوں کو نصیحت کی کہ وہ ٹرانسلفانیا کو اپنا امیر منتخب کر لیں۔ سو انہوں نے سلطان کی بات سے اتفاق کیا اور پولینڈ عملاً 983ھ/1575ء میں عثمانیوں کی حفاظت میں آ گیا۔ آسٹریا نے بھی معاہدہ صلح میں اس کو تسلیم کر لیا۔ یہ معاہدہ 984ھ/1576ء میں ہوا اور اس کی مدت آٹھ سال مقرر ہوئی۔ 984ھ/1576ء میں تاتاریوں نے پولینڈ کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ پولینڈ والوں نے سلطان عثمانی سے مدد طلب کی اور سلطان نے ایک سرکاری معاہدہ کی وجہ سے پولینڈ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔(1)

سلطان مراد نے فرانس اور بلگیریا کے ساتھ مراعات کی تجدید کر دی۔ اور بعض قونصلی اور تجارتی مراعات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پہلی مراعات کی بعض دفعات میں بھی اضافہ کر دیا۔ جو خالصتاً فرانس اور بلگیریا کے حق میں جاتی تھیں۔ ان میں سے اہم مراعات یہ تھیں کہ فرانس کا سفیر سرکاری تقریبات اور حکومتی ملاقاتوں میں دوسرے ملکوں کے سفیروں سے مقدم ہوگا۔ باب عالی پر سفراء کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ جو تجارتی معاہدوں پر دستخط کرانے کی کوشش میں ہوتے تھے۔ یہ تجارتی معاہدے بعد میں امور مملکت میں غیر ملکی مداخلت کا سبب بنے۔ سلطان مراد ثالث کے عہد میں انگلستان کی ملکہ الزبتھ نے اپنے ملک کے تاجروں کے لئے خصوصی مراعات حاصل کیں اور صورت حال اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ انگریزی جہاز برطانوی علم لہراتے عثمانی بندرگاہوں اور ساحلوں پر پہنچتے تھے۔(2)

صفوی شیعوں سے جنگ

985ھ بمطابق 1577ء میں جبکہ طہماسب کی وفات کے بعد بلاد فارس میں حالات کشیدہ تھے عثمانیوں نے ایک جنگی مہم روانہ کی جس نے قوقاز میں وسیع علاقے پر پھیلے جنگلات کو کاٹ ڈالا اور تفلیس اور کرجستان کے شہروں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد 993ھ/1585ء میں یہ لشکر تبریز میں داخل ہوا اور آذربائی جان، کرج، شیروان اور لوزستان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جب شاہ عباس فارس کا حکمران بنا تو اس نے عثمانیوں سے صلح کی کوشش کی۔ اس نے ان تمام علاقوں سے جو عثمانیوں کے قبضہ میں تھے۔ اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا اور اس بات کا بھی عہد کیا کہ وہ اپنی مملکت میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم نہیں کرے گا۔ معاہدہ کی پاسداری کی ضمانت کے لئے اس نے اپنے چچازاد بھائی حیدر مرزا کو استنبول بھیج دیا۔(3)

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ العلیۃ: ص260

2۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص101

3۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص101

انکشاریہ کے ہاتھوں ظلم وستم اور بغاوت وسرکشی

جونہی جنگوں کا سلسلہ ختم ہوا انکشاریہ نے عثمانی صوبوں میں نافرمانی اور بغاوت کی راہ اختیار کی۔ سلطان نے ان کو ہنگری کی جنگ کی ذمہ داری سونپی تھی لیکن انہیں آسٹریا کے مقابلے میں شکست ہوئی جو ہنگری والوں کی مدد کر رہے تھے۔ آسٹریا والوں نے کئی مضبوط قلعوں پر قبضہ کر لیا جن کو بعد میں سنان پاشا نے واگزار کرایا۔ اسی طرح افلاق، بولان اور ٹرانسلفانیا کے امیروں نے بھی بغاوت کر دی اور وہ عثمانیوں کے خلاف جنگ میں آسٹریا کے طرفدار ہو کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ 1003ھ/1594ء میں سنان پاشا نے آسٹریا والوں کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی اور اسے کئی شہروں سے ہاتھ دھونا پڑے۔(1)

صدر اعظم صوقللی محمد پاشا کا قتل

سلطان کے حاشیہ نشینوں کی سازشوں کی بدولت صدر اعظم قتل ہو گئے۔ یہ لوگ درحقیقت غیر ملکی سازشوں کا شکار ہو گئے اور ایک قابل، صاحب استقامت وحکمت، ملکی تعمیر وحسن قیادت کے حامل، بیدار مغز، انتہائی لائق پالیسی ساز، مدبر، ادارتی امور کے ماہر اور عظیم سیاست دان شخص کو قطعاً اس عہدے پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ صدر اعظم کی موت ایک بہت بڑا سانحہ اور ایک بہت بڑا المیہ تھی جس کی وجہ سے شر وفساد کا دروازہ کھل گیا اس عہدے کو حاصل کرنے کیلئے مقابلہ بازی کا سلسلہ چل نکلا۔ صدر اعظم کا تقرر اور پھر اس کی معزولی روز مرہ کا معمول بن گیا۔ جس کی وجہ سے سلطنت کی طاقت کمزور ہو گئی۔ ملکی حالات بھی دگرگوں ہونے لگے۔ فوج کے کئی دستے باغی ہو گئے۔ لیکن حکومت میں یہ سکت نہیں تھی کہ وہ اس بغاوت کو فرو کرتی۔ ان بغاوتوں اور شورشوں کے نتیجے میں پولینڈ عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور ان کے مخالف ملکوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گیا۔(2)

یہودی اور سلطان مراد ثالث

یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ اب وقت آچکا ہے کہ ان کا وہ خواب جو وہ صدیوں سے دیکھتے آرہے تھے شرمندہ تعبیر ہو۔ وہ دنیا کے کونے کونے سے وادی سیناء کی طرف ہجرت کرنے لگے تاکہ اسے اپنا وطن بنائیں۔ ان کا پلان یہ تھا کہ ابتدائی مراحل میں وہ طور کے شہر میں مقیم ہونے پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔ اس شہر کو اپنی رہائش اور اقامت کے لئے منتخب کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ یہ شہر دراصل خلیج سویس کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ اس میں ایک ایسی بندرگاہ بھی تھی جہاں تجارتی جہاز لنگر انداز ہو سکتے تھے۔ یہاں جدہ، ینبع، عقبہ اور قلزم سے آکر جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس شہر کو قاہرہ اور برما سے ایک خشکی کا راستہ بھی ملاتا تھا جس پر قافلے ہمہ وقت رواں دواں رہتے تھے۔

اس طرح یہودیوں کے لئے یہاں بیرونی طاقتوں سے تعلقات پیدا کرنا اور روابط رکھنا بہت آسان تھا۔ یہ لوگ دنیا سے الگ تھلگ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ دنیا کے کونے کونے سے فوج درفوج آنے والے یہودیوں کو جہاز بھر بھر کر یہاں لا سکتے

1۔الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص102

2۔الدولۃ العثمانیۃ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص68

تھے اور طور کی بندرگاہ پر اتر کر وہ آسانی سے اس شہر میں قیام پذیر ہو سکتے تھے۔ اس تحریک ہجرت کی قیادت ایک یہودی کر رہا تھا جس کا نام ابراہام تھا۔ اس نے طور کو اپنا مستقر قرار دیا۔ اس کے اہل وعیال بھی یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ جب ابراہام نے طور میں بہت سارے یہودیوں کو آباد کر دیا تو یہاں کی عیسائی آبادی سے اس نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ سینٹ کیتھرین کے چرچ کے راہبوں نے ایک خط لکھا اور سلاطین دولت عثمانیہ کو اس یہودی کے مظالم سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے مدد کی اپیل کی۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو یہ بات بھی یاد دلائی کہ مسیحوں کو یہودی مظالم سے بچانا اور انہیں سیناء میں رہائش پذیر ہونے سے روکنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ کیونکہ وہ ان سے اس بات کا عہد کر چکے ہیں۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ اگر یہودی سیناء اور بالخصوص طور کے شہر میں آباد ہو گئے تو ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے یہاں فتنہ وفساد ہو گا اور امن قائم نہیں رہ سکے گا۔ چونکہ دولت عثمانیہ شریعت اسلامیہ کی رو سے ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ دار تھی اس لئے سلطان مراد ثالث کے دور حکومت کے عثمانی ذمہ داروں نے فوراً تین دیوانی فرامین جاری کیے۔ ابراہام یہودی، اس کی بیوی بچوں اور تمام یہودیوں کو سیناء سے نکال دیا اور انہیں آئندہ واپس آنے اور طور کے شہر میں ٹھہرنے یا اقامت گزیں ہونے سے ہمیشہ کے لئے روک دیا۔(1)

سلطان مراد ثالث کی وفات

سلطان مراد ثالث 16 جنوری 1598ء میں 49 سال کی عمر میں فوت ہوئے اور آیا صوفیا کے قریب دفن ہوئے۔(2)

تیسری بحث

سلطان محمد خان ثالث

سلطان محمد خان ثالث 974ھ میں پیدا ہوئے اور 1003ھ میں اپنے والد کی وفات کے بارہ دن بعد سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ کیونکہ والد کی وفات کے وقت وہ مغنیسیا میں مقیم تھے(3)۔ ان کی والدہ ایطالوی الاصل تھیں جن کا نام صفیہ تھا(4)۔ باوجود اس کے کہ دولت عثمانیہ میں ضعف واضمحلال کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے صلیبیوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا بدستور لہرا رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد ثالث نے محسوس کیا کہ سلطنت کی حربی پالیسی میں اس وجہ سے ضعف آ گیا ہے کہ سلاطین عیش وعشرت کو پسند کرنے لگے ہیں اور تن آسانی کے سبب وہ خود لشکروں کی قیادت نہیں کرتے۔ سو اس نے اپنی جنگی پالیسی تبدیل کر لی۔ خود باہر آنا شروع کر دیا اور اس حیثیت کو سنبھال لیا جس کو سلیم ثانی اور مراد ثالث نے چھوڑ دیا تھا۔ خود ہی لشکروں کی قیادت کرنے لگا اور امور مملکت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں لوگوں نے دیکھا کہ سلطان خود لشکر کی زمام قیادت ہاتھ میں لئے بلغراد کی طرف جا رہا ہے۔ بلغراد سے سلطان جب میدان کی طرف روانہ ہوا تو سلطان کے باہر نکلنے کی وجہ سے لشکر میں دینی حمیت اور عسکری غیرت جاگ اٹھی۔ سلطان نے ''ارلو الحصینہ'' کا قلعہ فتح کیا۔

1۔ السلاطین العثمانیون: ص55
2۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: یوسف آصاف: ص86
3۔ الدولۃ العثمانیۃ: ص70
4۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص268

جسے 1556ء میں سلطان سلیمان فتح نہیں کر سکا۔ پھر ہنگری اور آسٹریا کے لشکروں کو مار بھگایا جو اس قلعہ کے نزدیک ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ 26 اکتوبر 1596ء کا ہے۔ حتیٰ کہ یہ واقعہ ''موہاکز'' کے واقعہ کے مشابہ قرار پایا جس میں 1526ء میں سلطان سلیمان کو فتح ہوئی تھی۔ اس جنگ کے بعد مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن کوئی فیصلہ کن معرکہ برپا نہ ہو سکا(1)۔

سلطان محمد خان ثالث کے دور حکومت میں سلطنت عثمانیہ کو بعض داخلی شورشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ جن کی قیادت قرہ یازیجی کر رہا تھا۔ ایک اور بغاوت کی قیادت خیالہ کے ہاتھ میں تھی لیکن سلطان نے بڑی مشکل سے سہی مگر ان پر قابو پالیا۔ ان داخلی حالات کو دیکھ کر ایک محقق کو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ملک کا فوجی نظام کافی حد تک کمزور پڑ چکا تھا اور فوج میں یہ طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے ملک اور اس کی عزت و وقار کو دشمن سے بچائے۔

شیخ سعد الدین آفندی

شیخ سعد الدین آفندی سلطان محمد ثالث کے شیوخ میں سے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے مرید سلطان محمد خان ثالث کو فوج کی قیادت کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: ''سلطان میں آپ کے ساتھ چلوں گا تا کہ میں اپنے آپ کو ان گناہوں سے پاک کر سکوں۔ جن گناہوں کے ساتھ جنگ کی راہ میں جاؤں گا۔(2)

ایک جنگ میں جب کہ سلطان کے ساتھی سلطان کا ساتھ چھوڑ گئے اور قریب تھا کہ سلطان کو دشمن گرفتار کر لیتا۔ شیخ سعد الدین آفندی نے فرمایا: ''بادشاہ محترم! ثابت قدمی کا مظاہرہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی مدد کی بدولت فتح مند ہوں گے۔'' سلطان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ہاتھ میں تلوار لئے دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ اللہ کریم کے حضور میں شیخ نے گڑگڑا کر دعا کی اور صرف ایک ہی لحہ میں اللہ واحد قہار کی مدد آ پہنچی۔ یہ معرکہ ''قلعہ اگری'' کی فتح کے بعد واقع ہوا۔(3)

سلطان محمد خان ثالث کی شاعری

سلطان کو تعلیم، ثقافت اور ادب سے وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ وہ بڑے دیندار تھے اور تصوف کی طرف خصوصی میلان رکھتے تھے۔ ان کے اشعار نہایت ہی بلند معانی کے حامل ہیں۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں: ''میں ظلم کو پسند نہیں کرتا بلکہ میں عدل میں رغبت رکھتا ہوں(4)۔ ہم اللہ کی محبت کے لئے کرتے ہیں جو کرتے ہیں اور اس کے احکام کو گوش ہوش سے سنتے ہیں۔(5)

ہم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔(6)

ہم عارف ہیں اور ہمارے دل دنیا کے لئے آئینہ کا کام دیتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ازل سے عشق کی آتش جل رہی ہے۔ ہم کھوٹ اور دھوکہ سے دور ہیں اور ہمارے دل پاک ہیں۔(7)

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص 68 2۔ تاریخ سلاطین آل عثمان۔ قرمانی: ص 63 3۔ ایضاً ص 63-64 4۔ السلاطین العثمانیون: ص 57

5۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ص 131 6۔ السلاطین العثمانیون: ص 57 7۔ ایضاً ص 57

وفات

سلطان محمد ثالث تمام بغاوتوں اور سخت ترین شورشوں کو کچلنے کے بعد اتوار 18 رجب 1012ھ کو واصل بحق ہوئے۔ انکی مدت حکومت 9 سال 2 ماہ اور 2 دن ہے اور وصال کے وقت عمر 38 سال تھی۔(1)

سلطان محمد خان ثالث نبی پاک صاحب لولاک ﷺ سے اس قدر عشق کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا نام سنتے ہی احترام سے کھڑے ہو جاتے تھے۔(2)

چوتھی بحث

سلطان احمد اول

1012ھ 1026ھ بمطابق 1603ء-1617ء

اپنے والد کی وفات کے بعد اس وقت تخت نشیں ہوئے۔ جبکہ عمر صرف چودہ برس تھی۔ عثمانی سلاطین میں اس سے قبل اتنی کم عمری میں کوئی شخص تخت نشین نہیں ہوا تھا۔ مملکت کے حالات نگفتہ بہ تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یورپ میں آسٹریا اور ایشیاء میں ایران سے جنگ کا سلسلہ جاری تھا اور دوسرا اس وجہ سے کہ داخلی شورشوں سے نمٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ سلطان احمد نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جو ان کے باپ نے شروع کیا تھا۔ یعنی جنگی تیاریوں پر خصوصی توجہ دی۔(3)

آسٹریا اور یورپی ملکوں سے جنگ

سلطان احمد نے لالا محمد پاشا کو صدر اعظم یمنجی حسن پاشا کا نائب مقرر کیا جو کہ آسٹریا میں جہاد کرنے والی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لالا محمد پاشا ایک بہترین سپہ سالار تھے۔ انہوں نے عثمانی لشکروں کی تقویت کے لئے خصوصی اہتمام کیے۔ اور استراغون کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ افلاق، بغدانی اور اردل کے خلاف بھی جنگ آزما ہوا۔ لیکن بوجوہ ان سے صلح کر لی۔ جب لالا پاشا کا وصال ہوا تو قبوجی مراد پاشا صدر اعظم مقرر ہوئے جو پہلے لشکر کے ایک حصے کے کمانڈر تھے۔

عثمانی لشکروں کو آسٹریا کو شکست دینے میں کامیابی ہوئی اور انہوں نے یانق، استراغون اور بلغراد وغیرہ شہران سے واپس لے لئے۔ اس کے علاوہ عثمانیوں کو ہنگری کے مقابلے میں بھی فتح حاصل ہوئی اور یہاں بھی آسٹریا کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آسٹریا نے عثمانیوں سے صلح کر لی اور دو ہزار سونے کے ڈوقیہ بطور جزیہ دینے کے حامی بھر لی۔ اور اس طرح ہنگری کا علاقہ دولت عثمانیہ کے زیر نگیں آ گیا۔(4)

ایک عرصہ تک عثمانی جہاز، ہسپانیہ کی فوج، مقدس یوحنا کے مالٹا میں مقیم گھوڑسواروں اور اٹلی کی امارات کے جہازوں سے برسر پیکار رہے اور جانبین کے درمیان فتح وشکست کا سلسلہ جاری رہا۔(5)

1۔ تاریخ سلاطین آل عثمان۔ قرمانی: ص64
2۔ السلاطین العثمانیون: ص57
3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص105
4۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص105
5۔ ایضاً ص105

مراعات کی تجدید

لت عثمانیہ نے فرانس کو نئی مراعات دینے کا اعلان کیا۔ اسی طرح انگلستان کو بھی نئی مراعات دی گئیں۔ ان کے علاوہ پولینڈ کے ساتھ بھی اتفاق ہو گیا۔ جس کی رو سے سلطنت عثمانیہ کیلئے ضروری تھا کہ قرا قرم کے تاتاریوں کو پولینڈ پر حملہ کرنے سے روکیں اور پولینڈ دولت عثمانیہ پر قازاق کے حملوں کا جواب دے۔(1)

ہالینڈ نے بھی عثمانیوں سے (تجارتی) مراعات حاصل کر لیں۔ لیکن انہوں نے ان مراعات سے غلط فائدہ اٹھایا۔ اور اسلامی علاقوں میں تمباکو نوشی کے رجحان کو عام کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ بالخصوص فوج میں تمباکو نوشی کو مقبول بنانے کی طرف توجہ دی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کہ فوج تو ناکارہ ہو جائے گی۔ مفتی نے اس کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا اور تمباکو نوشی کی ممانعت کر دی۔ فوج اس فتویٰ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمام ملازمین نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ مجبوراً علماء کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔(2)

اس طرح فوج اپنی خواہشات کی غلام بن گئی اور علماء کرام پر اعتراض کرنے لگی اور غیر ملکی طاقتوں نے مسلمانوں کے اندر منشیات اور حرام اشیاء کو رواج دینے کی کوشش کی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پاکیزہ اور نفع بخش چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ اور ان چیزوں کو حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے جو ہمارے جسم، ہماری عقل اور ہماری دولت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ لہٰذا علماء کرام نے تمباکو نوشی کی حرمت کا فتویٰ صادر کیا اور اس کی بیع وشراء کو ممنوع قرار دے دیا۔ تمباکو نوشی میں دینی، دنیاوی، معاشرتی اور طبی نقصانات یقینی ہیں۔ کیونکہ:

- تمباکو نوشی نہ تو انسان کو صحت مند بنا سکتی ہے اور نہ ہی بھوک مٹاتی ہے۔
- تمباکو نوشی صحت کے لئے انتہائی مضر ہے۔ اسی وجہ سے یہ حرام ہے۔
- اس کا شمار ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ناپاک اور حرام ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف:157)

- تمباکو نوشی کی بدبو ان لوگوں کیلئے تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ جو اسے استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ جو چیز انسانوں کیلئے باعث تکلیف ہے وہ فرشتوں کیلئے بھی موجب اذیت ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸ (الاحزاب) "اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ"۔

کئی دوسرے دلائل بھی ہیں جو علماء نے بیان کیے۔ لیکن تربیت کے فقدان اور سلطنت جو احکام نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے کی کمزوری نے سپاہ اور معاشرے کے دوسرے افراد کو باغی بنا دیا تھا۔

1۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص105

2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص72

صفوی شیعوں (فارسیوں) سے جنگ

دولت عثمانیہ کے خلفشار کو موقعہ غنیمت جانتے ہوئے شاہ عباس صفوی عراق عجم کو عثمانیوں سے آزاد کرانے کی فکر کرنے لگا۔ اس نے تبریز، وان وغیرہ شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور بغداد اور نجف، کربلا اور کوفہ کے شیعی مقدس مقامات پر قبضہ کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ اس نے ان مقدس مقامات کی زیارت بڑے ادب و احترام سے کی۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے نجف کی زیارت میں دس دن صرف کیے۔ جہاں اس نے خود زائرین کی خدمت کی۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس نے شیعی مذہب اپنانے اور اپنے رافضی ہونے کا اعلان کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ شیعہ مذہب میں پرلے درجے کا متعصب تھا۔ لیکن اس نے حکومت کے کاموں اور سیاست میں کسی مذہبی رہنما کو نہ آنے دیا۔ اور ایک طرح کی مطلق العنانی کو رواج دیا۔

شاہ عباس صفوی نے سنی مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ اس کی سلطنت میں جو لوگ سنی تھے یا انہیں قتل کروا دیا یا انہیں اندھا کر دیا۔ وہ کسی سنی شخص کو معاف کرنے کا ہرگز روادار نہیں تھا۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنا نظریہ تبدیل کر دیتا اور شیعی مذہب کی دوستی کا اعلان کر دیتا تو اس کی جان بخشی کر دی جاتی۔ (1)

دولت عثمانیہ کو مجبوراً وہ تمام اقالیم، شہر، قلعے اور حصون شیعی رافضی صفوی دولت کے لئے ترک کرنے پڑے جو اس نے غازی سلیمان اول کے دور میں فتح کیے تھے۔ ان میں بغداد کا شہر بھی شامل تھا۔ یہ پہلا معاہدہ ہے جس میں دولت عثمانیہ اپنی بعض فتوحات سے دست بردار ہوئی۔ یہ معاہدہ زوال و انحطاط اور ضعف کا پہلا مرحلہ تھا اور یہ پہلا معاہدہ ہے جو دولت عثمانیہ کے ضعف کو واضح کرتا ہے۔ (2)

شاہ عباس صفوی نے سنی مذہب کی مخالفت میں حد کر دی۔ وہ مسیحی طاقتوں سے روابط پیدا کر کے سنی مذہب کی حامی دولت عثمانیہ پر ضرب کاری لگانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے مسیحیوں سے باہمی تعاون کے کئی معاہدے کیے تا کہ سنی دولت عثمانیہ کے ستونوں کو منہدم کرے۔ اس نے مسیحیوں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے بڑی سے بڑی قیمت دینے سے دریغ نہ کیا۔ حتیٰ کہ اس نے دولت عثمانیہ کے خلاف نصرانیوں سے تعاون حاصل کرنے کیلئے یورپیوں کے حق میں کئی علاقوں سے دست برداری کا اعلان بھی کیا۔

شاہ عباس صفوی نے ایران میں مسیحیوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ لیکن سنیوں پر ہمیشہ مظالم ڈھائے۔ مسیحیوں کے ساتھ اس کا یہ خصوصی سلوک ہی تھا کہ ایران میں مشنری تحریک بڑی فعال بن گئی۔ اس نے یورپی تاجروں کو ایران میں کام کرنے کیلئے خصوصی مراعات دے رکھی تھیں۔ اور ان کے ساتھ کئی تجارتی معاہدے بھی کیے۔ یوں ایران یورپی تجارت کے لئے ایک بہترین منڈی بن گیا جہاں سے انہوں نے بے تحاشا دولت کمائی۔

مسیحیوں کے ساتھ اس کی رواداری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ 1007ھ بمطابق 1598ء میں اس نے احکامات جاری کیے کہ مسیحیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ وہ دولت صفویہ کے علاقہ میں جہاں چاہیں آزادی سے گھومیں پھریں۔ انہیں

1۔ الاسلام فی آسیا۔ ڈاکٹر محمد نصر مھنا: ص 249-250

2۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ: ص 272

ہر طرح کی آزادی ہے۔

دولت صفویہ کے فرمانروا شاہ عباس نے جو شاہی حکم نامہ جاری کیا تھا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ "آج سے مسیحی ملک کے شہریوں اور مسیحی دین رکھنے والے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ ہمارے وطن میں جہاں آنا چاہیں آسکتے ہیں۔ کسی شخص کو کسی حالت میں اجازت نہیں کہ وہ ان کی اہانت کا ارتکاب کرے۔ اس بات کے پیش نظر کہ ہمارے اور مسیحی ملوک کے درمیان محبت و پیار کے تعلقات ہیں مسیحی تاجروں کو ایران کے طول وعرض میں آنے جانے کی مکمل آزادی دی جاتی ہے۔ وہ ایران کے جس علاقہ میں اپنی تجارتی سرگرمیاں جاری رکھنا چاہتے ہیں رکھ سکتے ہیں۔ انہیں کسی شخص کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ خواہ وہ حاکم ہو، امیر ہو، فوجی سپہ سالار ہو، ملازم ہو یا عام شہری۔ یہ لوگ یہاں جتنا بھی مال لائیں گے اس پر کسی قسم کی کسٹم ڈیوٹی نہیں لی جائے گی۔ کوئی شخص چاہے جتنے بھی بڑے مرتبے کا مالک ہو ان سے مزاحمت نہیں کرے گا اور انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ مذہبی رہنماؤں کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے نظریات پر کسی قسم کا اعتراض کریں یا ان کے مذہبی اعتقادات کے بارے ان سے گفتگو کریں۔(1)

شاہ عباس صفوی مسیحیوں سے انتہائی دوستانہ مراسم رکھتا تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا اور ان کی عیدوں میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے مسیحیوں کو اس بات کی بھی اجازت دے دی تھی کہ وہ ایران کے بڑے بڑے شہروں میں چرچ تعمیر کریں اور لوگوں کو نصرانیت کی تبلیغ کریں۔ مسیحیوں کے ساتھ اس قدر فیاضی اور حسن سلوک درحقیقت دولت عثمانیہ جو مذہباً سنی تھی سے پرخاش کا نتیجہ تھا۔(2)

دشمنان اسلام وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں کی تاریخ سنی مسلمانوں اور ان کی بابرکت سلطنت کے ساتھ بغض و عداوت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہ دشمنی ان سیاسی نعروں میں ہمیشہ عیاں ہوتی رہی جو وہ وقتاً فوقتاً لگاتے رہے ہیں۔

علیحدگی پسند تحریکیں

سلطان احمد اول کے عہد حکومت میں بعض ایسی داخلی شورشیں ظہور پذیر ہوئیں جن کا مقصد اس عظیم سلطنت کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔ مثلاً جان بولاد کردی کی تحریک، والی انقرہ قلندر اوغلی کی تحریک اور فخر الدین درزی کی تحریک جس کے دادا کا نام بھی فخر الدین تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو 922ھ میں سلطان سلیم اول کے ساتھ آملا تھا جب وہ شام میں داخل ہوئے تھے۔(3)

یہ تحریکیں داخلی خلفشار کا سبب بن گئیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مملکت کو ایک ایسا آزمودہ کار وزیر عطا فرما دیا جو جہاں دیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ عمر رسیدہ بھی تھا اور سیاسی امور میں کافی مہارت اور تجربات رکھتا تھا۔ اسے صدر اعظم مقرر کیا گیا اور اس نے جواں سال سلطان کی خوب مدد کی۔ جتنے بھی باغی تھے بالخصوص قلندر اوغلی جس نے اناضول میں علم بغاوت بلند کر رکھا تھا جب کہ اس کو انقرہ کا والی مقرر کیا گیا تھا سب پر قابو پا لیا گیا اور تمام بغاوتیں کچل دی گئیں اور صدر اعظم قبوجی مراد پاشا نے

1۔ الاسلام فی آسیا: ص 251 2۔ ایضاً ص 253 3۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 70

اناضول کو تمام باغیوں سے پاک کر دیا۔(1)

سلطان احمد اول کی وفات

سلطان احمد اول انتہائی درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے۔ شرعی امور کی پوری پوری پابندی کرتے تھے۔ امور سلطنت براہ راست اپنے ہاتھ سے سرانجام دیتے تھے۔ لباس میں تواضع کا خاص لحاظ رکھتے۔ اہل علم و معرفت اور قیادت سے بہت زیادہ مشورہ لیتے۔ نبی پاک ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔ ان کے عہد میں کعبہ شریف کا غلاف استنبول سے جانا شروع ہوا۔ اس سے پہلے غلاف کعبہ پیش کرنے کی سعادت مصر کو حاصل تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ 1617ء میں فوت ہوئے اور جامع مسجد سلطان احمد کے قریب دفن ہوئے۔(2)

سلطان ان اشعار کو ہمیشہ لکھ کر اپنے عمامہ کے نیچے سر پر رکھتا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ نبی عالی مقام ﷺ کے نعلین پاک کی تصویر ہمیشہ اپنے سر پر سجائے رکھوں۔ نبی پاک ﷺ جو انبیاء کے سردار ہیں۔ گلشن نبوت کے گل سر سبد ہیں۔ اے احمد ان مقدس قدموں کو ایک لمحے کیلئے بھی اپنے سے جدا نہ کر اور اس گل سر سبد کے قدموں کی خاک کو ہمیشہ اپنے چہرے کے لئے غازہ بنائے رکھ۔''(3)

پانچویں بحث

بعض کمزور سلاطین

سلطان مصطفیٰ اول

اپنے بھائی کی وفات کے بعد 1026ھ کو سلطنت کی زمام حاصل کی۔ اس کے عہد میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ سلاطین کی تعیین کے پیچھے کوئی غیر ملکی ہاتھ موجود ہے اور اسی کی صوابدید پر سلاطین کا تقرر اور معزولی ہوتی ہے۔ یہ سلطان تین ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے عثمان ثانی نے لی جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔(4)

سلطان عثمان ثانی: (1026ھ تا 1031ھ بمطابق 1617ء تا 1621ء)

اپنے چچا مصطفیٰ اول کی معزولی کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ بہت کم سن تھے حتیٰ کہ تیرہ سال سے بھی عمر متجاوز نہیں ہوئی تھی۔ پولینڈ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ پولینڈ بغدان کی امارت میں مداخلت کر رہا تھا۔ 1029ھ بمطابق 1620ء میں پولینڈ کی درخواست پر صلح ہو گئی۔ انکشاریہ جو مسلسل جنگ کی وجہ سے تھک چکی تھی بھی مزید جنگ کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ سلطان انکشاریہ کی آرام طلبی پر بہت ناراض ہوا(5)۔ اس نے اس باغی گروہ سے نجات حاصل کرنے کی

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر علی حسون: ص 132
2۔ السلاطین العثمانیون: ص 59
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 133
4۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالھادی: ص 72
5۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص 106

ٹھان لی۔ اس خطرناک معاملے کو نافذ کرنے کیلئے اس نے پیش بندی کے لئے چند اقدامات ضروری خیال کئے۔ اس نے ایشیائی صوبوں میں نئی فوج جمع کرنا شروع کر دی اور ان کی تنظیم کر کے انہیں خوب ٹریننگ دی۔ اس کے بعد اپنی سکیم پر عمل شروع کر دیا۔ انکشاریہ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ یہ لوگ سلطان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ توڑ پھوڑ اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا اور بالآخر سلطان کو معزول کرنے پر اتفاق کر لیا۔ 9 رجب 1031ھ بمطابق 20 مئی 1622ء میں سلطان عثمان ثانی کو معزول کر کے اس کی جگہ دوبارہ سلطان مصطفیٰ کو تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان عثمان ثانی انکشاریہ کے ہاتھوں قتل ہوا اور انہوں نے ہمارے لئے بعض اشعار چھوڑے۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

کانت نیتی الخدمة لحکومتی و دولتی ۔۔۔ وللعجب ان الحسود یعمل لنکبتی (1)

"میری نیت تھی کہ اپنی حکومت اور ملک کی خدمت کروں۔ لیکن تعجب ہے حاسد میری بربادی کا سوچ رہے تھے"۔

سلطان مصطفیٰ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ یہ دوسری بار تھی کہ اسے یہ منصب تفویض ہوا۔ فتنہ انکشاریہ کے بعد مصطفیٰ کی تولیت ایک کھیل تماشا تھا۔ اس کے بعد یہ تماشا مسلسل شروع رہا۔ انکشاریہ جسے چاہتے اعلیٰ مناصب پر فائز کرتے اور جسے چاہتے معزول کر دیتے۔ اعلیٰ مناصب علی الاعلان بکنے لگے اور ظلم وستم کا سلسلہ شروع ہو گیا (2)۔ مصطفیٰ کے عہد حکومت کے ایک سال اور چار ماہ میں سات وزراء (صدر اعظم) تبدیل ہوئے۔ فرقہ سباہیہ اور امراء اناضول کے درمیان وزراء صدور کے تقرر کے سلسلہ میں مسلسل رسی کشی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ بعض صدور اعظم صرف ایک ماہ اپنے منصب پر فائز رہے اور معزول کر دیے گئے۔ سلطان چونکہ کمزور تھا اور انکشاریہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اس لیے وہ ملکی معاملات کو سلجھانے سے قاصر تھا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ امیر مراد رابع بن سلطان احمد اول کو سلطان مقرر کیا گیا۔ (3)

مراد رابع (1032ھ تا 1049ھ بمطابق 1622ء تا 1640ء)

سلطان مراد رابع اپنے چچا مصطفیٰ کی معزولی کے بعد 1032ھ بمطابق 1622ء تخت نشین ہوئے۔ کم عمری کی وجہ سے انکشاریہ ان پر چھا گئی۔ ملکی حالات حد درجہ خراب ہو گئے۔ سب سے پہلے اس نے داخلی حالات کو درست کرنے کی طرف توجہ مبذول کی تاکہ وہ خارجی حالات کی طرف اطمینان سے توجہ دے سکے۔ اس نے ان باغی فوجیوں سے نجات حاصل کرنی شروع کر دی جنہوں نے اس کے بھائی سلطان عثمان کو قتل کیا تھا (4)۔ استنبول اور ملک کے کونے کونے سے شرانگیز اور فتنہ باز اس گروہ کو چن چن کر قتل کیا۔ اس نے خبر رسانی کیلئے طاقتور اداروں کی بنیاد ڈالی اور ملک کے اندر رہنے والے تمام مفسدین کے ناموں کا اندراج کیا۔ سفر کے دوران جس علاقے میں بھی جاتے وہاں کے ظالموں اور باغیوں کو ان کا نام لے کر بلا لیتے اور انہیں عدم کی نیند سلا دیتے۔ (5)

انہوں نے اپنے دور حکومت میں شراب نوشی اور تمباکو نوشی کو بالکل ممنوع قرار دیکر اس رجحان کو بالکل ختم کر دیا اور جتنے بھی

1۔ السلاطین العثمانیون: ص 61
2۔ تاریخ الدولة العلیا العثمانیہ: ص 279
3۔ الدولة العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 107
4۔ الدولة العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 107
5۔ السلاطین العثمانیون: ص 63

لوگ اسلام سے برگشتہ ہوئے تمام کو نیست و نابود کر کے چھوڑا۔(1)

صفوی شیعوں سے جنگ

1044ھ بمطابق 1634ء میں عراق کے صفوی شیعوں سے معرکہ ہوا۔ سلطان اس معرکہ میں اپنی فوج کی خود قیادت کر رہے تھے۔ بغداد کی طرف پیش قدمی کی جس پر عباس شاہ نے قبضہ کر کے یہاں کے سنیوں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا تھا اور عثمانی حاکم کو قتل کر دیا تھا۔ مراد نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ توپوں سے گولہ باری کی اور فصیل شہر کو جگہ جگہ سے توڑ دیا۔ 1048ء میں شہر فتح ہوا۔ سلطان فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا اور بیس ہزار شیعہ فوجیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ پھر کچھ مدت تک یہاں مقیم رہا۔ فصیل شہر کی اصلاح کی۔ یہاں اپنی طرف سے ایک وزیر حاکم مقرر کیا۔ سلطان فوجوں کی قیادت خود کرتا تھا اور فوجیوں سے گھل مل جاتا تھا۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر غزوات میں کچھ دیر کیلئے سو کر اپنی نیند پوری کر لی اور پھر عازم جنگ ہوا۔(2)

وفات

1640ء میں بیمار ہوئے۔ مرض اتنی شدید تھی کہ اندازہ ہو رہا تھا فوت ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ کریم نے شفا دی مگر کچھ عرصہ بعد دوبارہ بیمار ہوئے اور 1640ء میں شباط میں وصال فرمایا۔(3)

ان کی مدت حکومت 16 سال گیارہ ماہ ہے۔

جب آپ سریر آراہ سلطنت ہوئے تو خزانہ خالی تھا۔ لیکن جب وصال فرمایا تو خزانہ بھر چکا تھا(4)۔ سلطان بے حد عقلمند، بہادر، روشن خیال اور پرہیز گار تھے۔ تمام شورشوں کو فرو کیا۔ باغیوں کا قلع قمع کیا اور مملکت کی حالت کو بہتر بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو دولت عثمانیہ کا موسس ثانی کہا جاتا ہے۔ ان کے عہد حکومت میں ملک کی مالیات میں بہتری آئی۔(5)

سلطان ابراہیم بن احمد 1049 تا 1058 بمطابق 1639 تا 1648

اپنے بھائی مراد کے بعد تخت نشین ہوئے کیونکہ مراد کی نرینہ اولاد نہیں تھی اور آل عثمان کی نسل میں مراد رابع کی موت کے بعد سوائے اس کے بھائی سلطان ابراہیم کے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔

سلطان ابراہیم اپنے بھائی کے دور حکومت میں مسلسل قید رہے۔ لیکن جب انکے بھائی کا وصال ہوا تو سلطنت کے بڑے بڑے لوگوں نے قید خانے میں ان کو اپنے بھائی کی موت کی خبر سنائی۔ جب وہ اسے خبر سنانے کی غرض سے جیل میں گئے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ شاید یہ لوگ اسے قتل کرنے کیلئے آ رہے ہیں۔ وہ ڈر گئے بے حد پریشان ہوئے اور جب ان لوگوں نے انہیں اپنے بھائی کی موت کی خبر دی تو انہیں یقین نہ آیا۔ اس لئے انہوں نے دروازہ نہ کھولا۔ مجبوراً ان لوگوں نے دروازہ

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص136
2۔ السلاطین العثمانیون: ص63
3۔ ایضاً ص63
4۔ ایضاً ص63
5۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص136

توڑ دیا۔ اندر داخل ہوئے اسے مبارک باد دی۔ لیکن پھر بھی وہ اس مخمصے میں رہے کہ شاید یہ لوگ میرے دل کی بات جاننا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ اس تنہائی کی زندگی کو دنیاوی بادشاہی پر ترجیح دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ انہیں یقین نہ دلا سکے تو ان کی والدہ ان کے پاس آئی اور ان کے بھائی کی لاش ان کے پاس لائی گئی۔ تاکہ انہیں یقین آجائے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ غلط نہیں۔ جب وہ تخت نشین ہوئے اور امور مملکت اپنے ہاتھ میں لے لئے تو اپنے بھائی کی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ تدفین کی جنازہ کے آگے تین گھوڑے جن پر بغداد کی جنگ میں انہوں نے سواری کی تھی چل رہے تھے پھر سلطان ابراہیم بن احمد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نامی مسجد میں آئے۔ جہاں خلاف کی رسومات ادا کی گئیں۔(1)

جب وہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوتے تو کہا کرتے تھے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اے اللہ تو نے مجھ جیسے ایک کمزور شخص کو اس مقام کے لائق بنایا۔ اے اللہ میری حکومت کے عرصے میں میی اصلاح فرما اور اس قوم کے حال پر کرم فرما۔ ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم ایک دوسرے سے راضی رہیں۔(2)

السلاطین العثمانیون کے مصنف ان کا دفاع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تمام جھوٹے الزامات جو ان کی ذات پر لگائے گئے ہیں ان لوگوں کی کارستانی ہے جو ان کو معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور انہیں قتل کرنے کے درپے تھے(3)۔ ملک کے اندرونی حالات کافی حد تک اطمینان بخش ہو گئے۔ کیونکہ ان کے بھائی نے انکشاریہ کی طرف خاص توجہ دی تھی اور لشکر کی تنظیم نو کر کے تمام بغاوتوں کو کچل دیا تھا۔ اس لئے سلطان ابراہیم بن احمد نے فوج کے اخراجات میں بہتری لانے کی کوشش کی۔ بحریہ کو منظم خطوط پر استوار کیا۔ مالیات کو بہتر بنایا اور ٹیکسز کے نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا۔(4)

صدر اعظم قرہ مصطفیٰ پاشا سلطنت میں عورتوں کی مداخلت کو روکنے میں کامیاب ہو گئے اور شاہی دربار کے حاشیہ نشینوں کی مفسدہ پردازیوں کا قلع قمع کر دیا جو دولت عثمانیہ کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ اور مختلف صوبوں میں رہنے والے بدمعاشوں، مفسدوں اور ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگا دیا۔(5)

بلکیر یا کے خلاف جنگ

جمہوریہ بلکیر یا جزیرہ کریٹ پر قابض تھی۔ اس نے دولت عثمانیہ کے ساتھ صلح سے فائدہ اٹھایا۔ بلکیر یا اور بحر ایجہ کی تجارتی تحریک پر چھا گئی۔ عثمانیوں نے مشرق میں بلکیر یا والوں کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کا عزم کر لیا۔ ایک لشکر اور بحریہ تیار کی اور بلکیر یا والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ملک کے طول و عرض میں جتنے بھی بلکیری تھے تمام کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا کہ ان کی تمام دولت اور املاک ضبط کر لی جائیں۔ پھر اس نے 1055ھ/1645ء میں جزیرہ کریٹ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے کئی

1۔ تاریخ سلاطین آل عثمان: یوسف آصاف: ص105 2۔ السلاطین العثمانیون: ص64 3۔ ایضاً
4۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص108 5۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: اسماعیل سرھنک: ص150

حصوں پر قبضہ کر لیا(1)۔لیکن استنبول میں فوجیوں نے بغاوت کردی اور شہر میں لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔اسی دوران ان باغیوں نے سلطان ابراہیم کو معزول کر کے اس کے بیٹے محمد الرابع کو تخت نشین کرنے کا فیصلہ کر دیا۔حالانکہ ابراہیم کی عمر ابھی سات سال بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔الغرض سلطان ابراہیم کو قتل کر دیا گیا۔جبکہ وہ 8 سال اور 9 ماہ حکومت کر چکا تھا اور اس کی عمر 34 سال تھی۔(2)

سلطان محمد رابع (1058ھ تا 1099ھ بمطابق 1648ء تا 1687ء)

سلطان محمد رابع 1051ھ کو پیدا ہوا اور جب اسے حکومت کی ذمہ داری سونپی گئی تو اس کی عمر ابھی سات سال بھی نہیں ہوئی ہوگی۔یورپ نے خیال کیا کہ دولت عثمانیہ کو سبق سکھانے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔اس لئے یورپ نے ایک معاہدہ کیا اور اس معاہدہ میں آسٹریا، پولینڈ، بلگیریا، مالٹا کے راہب، پوپ اور روس سب شریک ہوئے اور اس معاہدہ کو ''مقدس معاہدے'' کا نام دیا۔یہ معاہدہ اسلامی پھیلاؤ کے سامنے بند باندھنے کے لئے کیا گیا تھا۔جو عثمانی بہادروں کے جہاد کی بدولت مشرقی یورپ کے ہر گھر کے قریب پہنچ چکا تھا۔صلیبی دولت عثمانیہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔اس نازک موقع پر اللہ کریم نے آل کوبریللی کو خدمت اسلام کیلئے منتخب فرمالیا تاکہ وہ دشمنوں کے حملوں کا جواب دینے اور مملکت کو طاقتور بنانے میں حصہ لیں۔صدر اعظم محمد کوبریللی جو 1072ھ بمطابق 1661ء میں فوت ہوئے نے اس مملکت کو اس کی ہیبت وسطوت لوٹا دی۔پھر ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے احمد کوبریللی نے اپنے مرحوم والد کی پالیسی کو آگے بڑھایا اور ملک دشمن طاقتوں کی سازشوں کو ناکام بنایا۔احمد نے آسٹریا اور بلگیریا سے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور ایک لشکر لیکر آسٹریا پر حملہ آور ہوا۔1074ھ میں اس نے آسٹریا کا سب سے بڑا قلعہ فتح کر لیا۔یہ قلعہ نوہزل تھا جو فینا کے مشرق میں واقع ہے۔یہ قلعہ 25 صفر 1074ھ بمطابق 28 ستمبر 1663ء کو فتح ہوا۔صدر اعظم کے دور میں فرانس نے دولت عثمانیہ کے قریب ہونے کی کوشش کی۔لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور تجدید امتیازات کی درخواست کو قبول نہ کیا۔پھر فرانس نے دھمکی دینے کی کوشش کی اور لویس چہاردہم شاہ فرانس نے فرانسیسی سفیر کو ایک جنگی بحری بیڑے کے ساتھ روانہ کیا۔لیکن اس دھمکی سے صدر اعظم پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئے اور کہا ''مراعات ہماری طرف سے عطیہ تھیں کوئی معاہدہ نہیں تھا کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو۔''(3)

فرانس نے اس آہنی ارادہ کے سامنے پسپائی اختیار کی۔نرمی کی پالیسی اپنائی دولت عثمانیہ کی منت سماجت کی۔یہاں تک کہ قدیم معاہدوں کو بحال کر دیا گیا۔اور 1084ھ میں اسے بیت المقدس کی حفاظت کی رعایت دوبارہ دے دی گئی۔(4)

صدر اعظم احمد کوبریللی کی وفات کے ساتھ ہی عثمانی نظام کمزور پڑ گیا۔آسٹریا نے ہنگری کے علاقے پر حملہ کر دیا۔اور قلعہ نوہزل، بست اور بودا کے شہر غصب کر لئے۔پولینڈ کے فرمانروا نے بغدان کے صوبے پر غارت گری کر دی۔اور بلگیریا کے جہازوں نے مورہ اور یونان کے ساحلوں پر ہلہ بول دیا۔1097ھ میں اتھینا'' اور کورنتھیا'' وغیرہ کے شہروں پر قبضہ ہوگیا۔

1۔الدولۃ العثمانیہ۔ڈاکٹر یاغی: ص 109
2۔تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 137
3۔الدولۃ العثمانیہ۔ڈاکٹر جمال عبد الھادی: ص 73
4۔ایضاً ص 74

کتب تاریخ بتاتی ہیں کہ علماء اور مملکت کے کئی دوسرے لوگوں نے سلطان محمد رابع کو معزول کرنے پر اتفاق کر لیا۔ اور بالآخر 1099ھ میں اس کو معزول کر کے اس جگہ اس کے بھائی سلیمان ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔(1)

سلطان سلیمان خان ثانی

1052ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی محمد رابع کے بعد 1099ھ میں زمام اقتدار سنبھالی۔ اس کے دور حکومت میں دولت عثمانیہ مسلسل بحران کا شکار رہی۔ دشمنوں کی کارستانیاں بڑھ گئیں۔ بہت سے علاقے اور شہر چھن گئے۔ 1099ھ میں بلغراد کا سقوط عمل میں آیا۔ بلکیر یا، بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل ''سواحل دالماسیا'' اور یونان کے بعض علاقے دشمن کے قبضے میں چلے گئے۔ اور دولت عثمانیہ کو مسلسل شکست کا سامنا رہا حتیٰ کہ رب قدوس نے مسلمانوں کو مصطفیٰ بن محمد کو بریللی کی صورت میں ایک ایسا رہنما عطا فرمایا جس نے عثمانیوں کی ڈولتی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچایا۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کی پالیسی اختیار کی اور استنبول میں رہنے والے نصرانیوں کو وہ تمام کلیسے دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی جو پہلے گرا دیئے گئے تھے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا(2)۔ جو شخص بھی ان کے دینی شعائر پران کے عمل کی راہ میں رکاوٹ بنا اسے سخت سزا دی۔ اس حسن سلوک کی وجہ سے مسیحیوں کے دل میں دولت عثمانیہ کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ مورہ کے رومی عیسائیوں نے بلکیر یا کیتھولک عیسائیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور ان کے لشکر کو اپنے علاقے سے مار بھگایا کیونکہ بلکیر یا والے انہیں اپنے مذہب کیتھولک پر کاربند ہونے پر مجبور کرتے تھے اور ان پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ یہ لوگ عثمانی سلطنت کی حمایت میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ سلطنت ان کے دین اور عقاید سے کچھ تعرض نہیں کرتی تھی اس لئے انہوں نے کیتھولک عیسائیوں کے مقابلے میں ترک مسلمانوں کو ترجیح دی۔(3)

یہ نصرانیوں کی اسلامی رواداری کے حق میں گواہی ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے سائے میں انسانیت کو امن و آشتی نصیب ہوئی اور جان، مال، عزت و آبرو کے بارے اطمینان حاصل ہوا۔ کیونکہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ نے انہیں اسی رواداری کی تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم میں اہل اسلام کو واشگاف الفاظ میں حکم دیا گیا ہے۔

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۸ (الممتحنہ)

''اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

مشیت ایزدی! صدر اعظم جنگ کے میدان میں شہید ہوئے جبکہ وہ 1102ھ میں صلیبی آسٹریا کے خلاف ایک معرکہ

1۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 74 2۔ ایضاً 3۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ: ص 306

میں جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول تھے۔(1)

سلطان سلیمان ثانی کا وصال

26 رمضان المبارک 1102ھ بمطابق 23 جون 1691ء کو سلطان سلیمان ثانی اچانک فوت ہوئے۔ ان کی عمر 50 سال تھی اور مدت حکومت تین سال آٹھ ماہ۔ انہیں اپنے دادا سلطان سلیمان اول کے احاطے میں دفن کیا گیا۔ سلطان سلیمان ثانی کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلطنت عثمانیہ کا فرمانروا مقرر ہوا۔(2)

سلطان احمد ثانی (1102ھ تا 1106ھ بمطابق 1690ء تا 1694ء)

سلطان احمد ثانی اپنے بھائی سلطان سلیمان ثانی کی وفات کے بعد سریر آراء ہوئے اس کے دور حکومت میں صدر اعظم مصطفیٰ بریللی شہید ہوئے جو دولت عثمانیہ کے لئے ایک عظیم عطیہ تھے۔ ان کے بعد صدر اعظم جی علی پاشا عربجی مقرر ہوئے لیکن وہ کمزور تھے۔ بندقیہ نے بحرایجہ کے بعض جزیروں پر قبضہ کرلیا۔ سلطان احمد ثانی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔ 1106ء بمطابق 1194ء کو ان کا وصال ہوا۔ ان کے مختصر سے عرصہ سے جنگ وجدل اس دور کی فوجی نوک جھونک کا پتہ دیتی ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بھتیجا مصطفیٰ ثانی بن محمد رابع تخت نشین ہوا۔(3)

سلطان مصطفیٰ ثانی (1106ھ تا 1115ھ بمطابق 1694ء تا 1703ء)

1074ھ میں پیدا ہوئے اور 1106ھ بمطابق 1694ء میں خلیفہ بنے۔ آپ سلطان محمد رابع کے بیٹے تھے۔ ان کے دور حکومت میں مشرقی یورپ کے علاقوں سے اسلامی توسیع کا سلسلہ سمٹنا شروع ہو گیا کیونکہ ایمان اور روح جہاد میں کافی حد تک کمزوری آ گئی تھی اور امت مسلمہ میں ہزیمت کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس دور میں دولت عثمانیہ کے علاقوں پر صلیبی حملوں کا زور بڑھ گیا۔ انہیں کے دور میں 1110ھ بمطابق 1699ء میں روس کے ساتھ دریائے دانوب پر زغرب کے جنوب مغرب میں واقع کارلوفتس کے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے عثمانیوں کو ہنگری کے علاقوں اور ٹرانسلفانیا کے صوبوں سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ دولت عثمانیہ کے بعض حکام کی تاریخ میں یہ معاہدہ ایک بہت بڑی عار ثابت ہوا یہ معاہدہ کیا تھا اس علاقوں سے پسپائی جن میں مسلمان بستے تھے۔ گویا مسلمانوں کو ایک ایسے دشمن کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا جس کا دل شفقت ورحمت سے یکسر خالی تھا(4)۔ اس پسپائی کو دیکھ کر ان تمام ملکوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا جو آج تک دولت عثمانیہ کو جزیہ دے رہی تھی اور ان کا ہاتھ مسلمانوں کے ہاتھ سے نیچے تھا۔ نصرانی ملک عثمانیوں کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان تمام نے اس عظیم سلطنت کو نیچا دکھانے اور اس کے علاقوں کو باہم تقسیم کرنے کی غرض سے ایکا کر لیا تاکہ مسیحی علاقوں میں اسلامی توسیع پسندی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

1۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 75
2۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ: ص 306
3۔ الدولۃ العثمانیہ فی التاریخ الاسلامی: ص 115
4۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 76

عثمانیوں کا اپنے مقبوضہ جات سے دستبردار ہونا درحقیقت یورپ سے انخلاء کا اعلان تھا۔ اس پسپائی نے ان کے زوال و انحطاط پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ملکی حالات بڑی تیزی سے دگرگوں ہونے لگے۔ جب سلطان مصطفیٰ ثانی نے انکشاریہ کی دخل اندازی پر قدغن لگائی اور ان کے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ صدر اعظم معزول ہو جائیں تو انکشاریہ نے سلطان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ اپنی معزولی کے چار ماہ بعد ان کا انتقال ہوا جبکہ ان کی عمر 89 سال تھی۔

سلطان احمد ثالث (115ھ تا 1143ھ بمطابق 1703ء تا 1730ء)

ان کے دور حکومت میں علم جہاد بلند رہا۔ بہت سے علاقے دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے جیسے مورہ اور آزاق۔ روس کے خلاف ان کی جہادی سرگرمیاں مسلسل جاری رہیں اور مسلمانوں نے روس پر ایک ایسی ضرب لگائی جو قریب تھا کہ اس کیلئے ایک کاری ضرب ثابت ہوتی۔ مجاہدین نے روس کے قیصر اور اس کے دستوں کا بڑا سختی سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ قریب تھا کہ اس کے دو لاکھ فوجی مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوتے کہ ایسے میں زن اور زر کے ہاتھوں خیانت ہوئی اور صدر اعظم نے محاصرہ اٹھا کر ملک وقوم کے ساتھ غداری کی۔ جمادی الآخر 1123ھ میں فلکزن کا معاہدہ ہوا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آزاق سے روسی صلیبیوں کے حق میں دست بردار ہونا پڑا اور اس نے عہد کیا کہ وہ قوزاق کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اس وجہ سے سلطان احمد ثالث نے صدر اعظم بطلہ جی پاشا کو معزول کر دیا اور روس کے خلاف جنگ جاری رہی۔ ہالینڈ اور انگلستان نے محسوس کیا کہ جنگ بندی میں ہی ہالینڈ اور انگلستان کا فائدہ ہے۔ اس لئے انہوں نے مداخلت کی اور 1128ء/ 1716ء میں ایڈریانوپل کا معاہدہ ہوا(1)۔ روس نے بحر اسود کے ان تمام ساحلوں سے اپنی فوجیں ہٹا لیں جن پر کچھ عرصہ پہلے اس نے قبضہ کیا تھا لیکن اسی دوران اس نے وہ جزیہ دینا بند کر دیا جو وہ قرم کے حاکموں کو ادا کرتا تھا۔(2)

مغرب میں عثمانیوں نے بلکیر یا کو شکست دے کر کریٹ اور بعض دوسرے جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ بلکیر یا والوں نے آسٹریا سے مدد طلب کی تا کہ وہ عثمانیوں کے ہاتھوں مفتوحہ علاقوں کو واگزار کرانے میں اس کی مدد کرے لیکن آسٹریا نے انکار کر دیا۔ طرفین میں جنگ چھڑ گئی۔ آسٹریا کو کامیابی ہوئی اور 1129ء بمطابق 1717ء میں بلغراد کا سقوط عمل میں آیا۔ اس کے بعد 1130ھ/1718ء میں برطانیہ اور ہالینڈ نے مداخلت کر کے صلح کرا دی۔

بساروفتز کے معاہدہ کی وجہ سے آسٹریا والوں نے بلغراد عثمانیوں کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ اس کے علاوہ سربیا کے کئی علاقے اور افلاق کا بھی ایک حصہ آسٹریا والوں کے ہاتھ لگا جبکہ ایڈریاٹک کے مشرق میں واقع دالماسیا کے ساحل بلکیر یا کے پاس باقی بچ گئے اور مورہ پر عثمانیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ اس صلح کی وجہ سے کیتھولک مذہبی رہنماؤں کو عثمانی علاقوں میں وہ پرانی مراعات پھر سے حاصل ہو گئیں جو انہیں بہت پہلے حاصل تھیں۔ اس وجہ سے ان پادریوں اور آسٹریا کے عیسائیوں کو دولت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت کا موقع مل گیا۔ اس معاہدہ میں الگ سے ایک تجارتی معاہدہ پر اتفاق کیا گیا جس میں

1۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 76 2۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 117

آزادانہ تجارت کو فروغ دینے کیلئے غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت پر ہر قسم کی پابندیاں اٹھائی گئیں۔(1)

جب روس نے دیکھا کہ عثمانی کمزور ہو چکے ہیں تو اس نے بھی اپنے تاجروں اور بیت المقدس کے زائرین کیلئے عثمانیوں سے اجازت طلب کی تاکہ وہ ان علاقوں سے بغیر کسی قسم کے مالی اخراجات کے گزر سکیں۔ اس مطالبے کو منظور کر لیا گیا۔ عثمانیوں نے ارمینیا کے علاقے بلاد الکرج پر قبضہ کر لیا جبکہ اسی دوران پطرس اکبر نے داغستان کے علاقوں اور بحر خزر کے مغربی ساحلوں پر قبضہ کر لیا کیونکہ دولت صفویہ کمزور پڑ چکی تھی۔ قریب تھا کہ طرفین میں لڑائی چھڑ جاتی لیکن روس کے مطالبے پر فرانس نے مداخلت کی اور یوں ہر فریق اپنے فیوضات تک محدود رہا اور پیش قدمی سے احتراز کیا۔ صفویوں نے عثمانیوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کا عزم کر لیا لیکن شکست سے دوچار ہوئے اور تبریز اور ہمدان اور دوسرے کئی قلعوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ پھر 1140ھ/1728ء میں صلح ہوئی اور اس عرصہ کے دوران انکشاریہ نے بغاوت کر دی۔ سلطان کو معزول کر کے اس کے بھتیجے کو اس کی جگہ خلیفہ منتخب کیا۔(2)

داماد ابراہیم پاشا اور مغربی تہذیب

عثمانیوں میں بہت کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے اصلاح کے لئے آواز بلند کی تاکہ ان ذرائع تک رسائی حاصل کی جا سکے جن کے ذریعے یورپ کو حیرت انگیز طاقت حاصل ہوئی۔ بالخصوص عسکری میدان اور جدید اسلحہ کے ضمن میں۔ داماد ابراہیم پاشا جو سلطان احمد ثالث کے دور میں صدارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھے وہ پہلا عثمانی عہدیدار ہے جس نے یورپ شناسی کی اہمیت کو سمجھا۔ اسی لیے اس نے آستانہ میں مقیم یورپی سفیروں کے ساتھ خصوصی روابط پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔ عثمانی سفراء اس مقصد کے لئے یورپی دارالحکومتوں بالخصوص ویانا اور پیرس گئے۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ عثمانی سفیر ان علاقوں میں گئے۔ ان سفراء کو بھیجنے کا مقصد صرف اتنا نہیں تھا کہ وہ تجارتی اور ڈپلومیسی معاہدوں پر دستخط کرنے پر اکتفا کریں جن پر پہلے ہی دستخط ہو چکے تھے بلکہ ان کا مقصد یورپی ڈپلومیسی اور عسکری میدان میں ترقی کے بارے معلومات حاصل کر کے اپنے ملک کو ان سے روشناس کرانا تھا۔ گویا عثمانیوں نے لوہے کی اس دیوار میں پہلی مرتبہ ایک ایسا رخنہ پیدا کیا جس کے ذریعے وہ یورپ کی ترقی کو دیکھ سکتے تھے۔ درحقیقت یہ اس بات کا اعتراف تھا کہ یورپ میں جو ترقی ہو رہی ہے ممکن نہیں کہ دولت عثمانیہ اس سے صرف نظر کرے اور یورپی تجربات سے فائدہ نہ اٹھائے۔(3)

عثمانیوں اور یورپیوں کے میل ملاپ سے مغربی تہذیب کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔ عثمانی بھی محلات بنانے اور ان کو خوب زیب و زینت دینے اور یورپیوں کی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی طرف مائل نظر آنے لگے۔ سلطان احمد بذات خود اس تہذیب سے کافی حد تک متاثر ہوا۔ امراء اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ یورپی طرز زندگی کو اپنانے میں کوشاں نظر آنے لگے۔ سامان، گھروں کی آرائش و زیبائش، محلات کی تعمیر اور باغات کا اہتمام سب کچھ مغربی طرز پر ہونے لگا۔(4)

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 156-157
2۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: اسماعیل سرھنک: ص 207-208
3۔ فی اصول التاریخ الاسلامی: ص 159
4۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 119

مغربی تقلید کے ظہور کے ساتھ ہی خواہشات نفس کی پیروی ہونے لگی اور اسراف کا رجحان چل نکلا۔ ایسے میں سنت خداوندی کا ظہور تو ہونا ہی تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (الاعراف)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝ (الاسراء)

''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعے) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ اس میں تو ہم پر واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان''۔

اسی عرصہ میں جدید عثمانی ادب کی تحریک شروع ہوئی۔ مغربی کتابیں ترکی میں ترجمہ ہونے لگیں۔ سلطان احمد نے کچھ لوگوں کو فرانس بھیجا تاکہ وہ وہاں کی مصنوعات اور فرانسیسی تہذیب کی کامیابیوں سے آگاہی حاصل کریں۔ اسی عرصہ میں استنبول کے اندر ایک طباعتی ادارہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور طباعت کا کام بڑی تیزی سے شروع ہوا۔

سلطان محمود اول (1143ھ تا 1168ھ)

انکشاریہ کے ہنگاموں کے سبب جو افراتفری پھیلی اس کے بعد جب حالات سازگار ہو گئے تو سلطان محمود اول نے فوجی معاملات کے لئے فرانس سے اپنے لیے ایک مشیر منگوایا جس کا نام کسندر کاؤنٹ ڈی بونفال تھا۔ سلطان نے اس کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ توپ خانہ کی ایک یونٹ کو نئے سرے سے تشکیل دے اور فوج کو فرانسیسی اور آسٹریا خطوط پر نئے سرے سے منظم کرے تاکہ عسکری ملازمت ایک دفعہ پھر حقیقی پیشہ بن جائے۔ اس کے لئے بھاری تنخواہوں اور مالی امداد کی ضرورت تھی۔ سلطان نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ انکشاریہ کو چھوٹی چھوٹی یونٹوں میں تقسیم کر دیا جائے جن کی قیادت ایک جوان افسر کے ہاتھ میں ہو لیکن انکشاریہ نے اس پروگرام کے نفاذ سے اختلاف کیا اور اس پر انہوں نے عمل درآمد روک دیا جس کی وجہ سے بونفال کی ساری توجہ توپ خانہ پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ اس نے توپ سازی کے کارخانوں، بارود، بندوقوں اور بارودی سرنگوں اور توپوں کے لئے چھکڑوں کی تیاری کی طرف خاص توجہ دی۔ ایک سکول کھولا جس میں عسکری انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن انکشاریہ نے ان تمام سکیموں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر کے ان کو ناقابل عمل بنا دیا۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ کاغذ سازی کے

لئے ایک فیکٹری بھی لگائی گئی لیکن بالآخر یہ تمام اصلاحات تباہ ہو کر رہ گئیں۔(1)

دولت عثمانیہ صفوی شیعوں سے جنگ کرنے کی طرف متوجہ ہوئی اور طہماسب پر غلبہ حاصل کرلیا جس نے 1144ھ بمطابق 1731ء میں صلح کا مطالبہ کیا اور یوں عثمانی تبریز، ہمدان اور لورستان سے دستبردار ہو گئے لیکن خراسان کے حاکم نادر شاہ نے اس معاہدہ کو قبول نہ کیا۔ نادر شاہ اصفہان کی طرف چلا گیا۔ شاہ طہماسب کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے عباس کو حاکم مقرر کر کے اس پر مجلس وصایہ قائم کی۔ اس کے بعد عثمانیوں سے جنگ کی خاطر آگے بڑھا۔ جنگ ہوئی جس میں عثمانیوں کو شکست ہوئی۔ نادر شاہ نے بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ دولت عثمانیہ نے صلح کی درخواست کی۔ 1149ھ بمطابق 1736ء میں تفلیس کے شہر میں صلح کا معاہدہ ہوا جہاں نادر شاہ نے ایران پر اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ جتنے علاقے عثمانیوں نے ایرانی شیعوں سے لیے ہیں وہ انہیں واپس کر دیے جائیں گے۔(2)

یورپی ملکوں سے جنگ

روس اور آسٹریا نے پولینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور روس نے پولینڈ پر قبضہ کرلیا۔ فرانس نے دولت عثمانیہ سے ایک معاہدہ کیا تاکہ پولینڈ کو آسٹریا اور روس ہر دو سے آزادی دلائی جائے۔ آسٹریا نے فرانس کو ورغلایا جس کے نتیجے میں فینا کا معاہدہ عمل میں آیا۔ دوسری طرف ان دونوں کے درمیان اس بات پر اتفاق ہوا کہ دولت عثمانیہ کے ساتھ جنگ کی جائے۔ روس نے دولت عثمانیہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ عثمانی فوجوں نے روس کو صوبہ بغدان کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ اسی طرح بوسنیا، سرب اور افلاق کی طرف آسٹریا کو بڑھنے سے روک دیا اور سربوں اور آسٹریا پر فتح حاصل کرلی۔ نتیجتاً آسٹریا نے جنگ سے دستبرداری کا اعلان کیا اور فرانس کی وساطت سے صلح کا مطالبہ کیا۔ بالآخر بلغراد میں 1152ھ بمطابق 1739ء میں ایک صلح کے معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ آسٹریا بلغراد کے شہر اور سربیا و افلاق کے علاقوں سے دستبردار ہو گیا اور روس نے عہد کیا کہ وہ بحر اسود میں کوئی جہاز نہیں بھیجے گا۔ اس نے آزوف کی بندرگاہ پر جتنے بھی قلعے تعمیر کیے تھے گرا دیے۔(3)

سلطان عثمان ثالث (1168ھ تا 1171ھ بمطابق 1758ء تا 1761ء)

58 سال کی عمر میں حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ جامع مسجد ابو ایوب میں ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ یورپ کے سفیروں نے مبارکباد پیش کی۔ تین سال تک فرمانروا رہے۔ ان تین سالوں میں کوئی جنگ نہ ہوئی اور باہر کے کسی ملک سے کوئی معرکہ برپا نہ ہوا۔ سلطان عثمان ثالث نے اپنی پوری توجہ داخلی امور پر مرکوز رکھی۔ ملک میں اصلاحات کیں۔ خلاف شریعت تمام مروجہ رسوم کی ممانعت کر دی۔ تمام شورشوں اور بغاوتوں پر قابو پالیا۔ بالخصوص کردوں کی بغاوتوں کو کچل کر رکھ دیا(4)۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان بھیس بدل کر خود رعایا کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا تھا۔(5)

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 162-163
2۔ التاریخ الاسلامی (8) محمود شاکر: ص (110-112)
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: اسماعیل سرھنک: ص 208-212
4۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 121
5۔ الدولۃ العثمانیہ ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 79

سلطان مصطفیٰ ثالث (1171ھ تا1187ھ بمطابق 1757ء تا1773ء)

جب آپ حاکم بنے تو عمر 42 سال تھی۔ سلطنت کے امور کو سرانجام دینے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ توجہ راغب کو صدر اعظم مقرر کیا کیونکہ وہ بڑا باخبر اور شئون دولت میں کمال مہارت کا حامل شخص تھا۔ صدر اعظم نے شام کے علاقوں میں اس بغاوت کو کچل دیا جو ایک عرصہ سے حجاج کے لئے سد راہ بنی ہوئی تھی۔ یہ لوگ حاجیوں کے قافلوں پر ظلم کرتے تھے اور ان کو لوٹ لیتے تھے۔(1)

سلطان مصطفیٰ نے بھانپ لیا کہ جدید روسی طاقت کا ظہور دولت عثمانیہ کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ لگتا ہے کہ سلطان مصطفیٰ آگاہ ہو چکے تھے کہ دولت عثمانیہ کو ختم کرنے کی غرض سے پطرس اکبر نے اپنی وصیت میں جو پروگرام دیا تھا روس اس کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں ہے(2)۔ سو اس مقصد کیلئے مصطفیٰ ثالث نے روس کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے عثمانی لشکر کے لئے ایسی تنظیمات بنائیں جو سریع الحرکت تھیں اور فوراً اپنا کام کر گزرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ یہ تنظیمات اس لیے بنائی گئی تھیں تا کہ یورپی لشکروں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ صدر اعظم حکومت پروسیا کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جس میں یہ قرار پایا کہ ضرورت کے وقت پروسیا والے روس اور آسٹریا کے خلاف دولت عثمانیہ کی مدد کریں گے۔ اس کے علاوہ وسیع پیمانے پر بری اور بحری تجارت کے سلسلہ میں بھی ایک معاہدہ ہو گیا۔

دریائے دجلہ کو آستانہ سے ملانے کے لئے خلیج کو کھودنے کی سکیم بنائی جس کا مقصد یہ تھا قدرتی دریاؤں کو کام میں لا کر صوبوں کی پیداوار کو دارالخلافت تک پہنچایا جائے اور تجارت کو فروغ دیا جائے لیکن ابھی اس سکیم پر عمل شروع نہیں ہوا تھا کہ انہیں بلاوا آ گیا اور وہ دار فانی سے دار بقا کو چل دیئے۔ ان کی جگہ 1176ھ بمطابق 1762ء میں حامد حمزہ پاشا کا تقرر ہوا۔ پھر 1177ھ بمطابق 1763ء میں مصطفیٰ بابر پاشا کا تقرر ہوا۔ پھر ایک سال بعد صدارت کی کرسی محسن زادہ محمد پاشا کے حوالے ہوئی۔ یعنی 1178ھ بمطابق 1764ء۔(3)

دولت عثمانیہ کے سرحدی علاقوں پر قازقستان والوں کے حملوں کی وجہ سے روس کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔ قرم کا بادشاہ اپنے حملے میں کامیاب رہا اور اس نے بہت سارے گاؤں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیا۔ یہ واقعہ 1182ھ بمطابق 1768ء کا ہے۔ اسی طرح صدر اعظم ان بعض مقامات جن کا روس نے محاصرہ کر رکھا تھا' کو امداد پہنچانے اور روس کا محاصرہ ختم کرانے کی غرض سے اپنی فوجیں لے کر گیا لیکن انہیں ناکامی ہوئی اور وہ اس جنگ میں قتل ہوئے۔ ان کی جگہ جو شخص صدر اعظم مقرر ہوئے انہیں بھی شکست ہوئی اور روس نے افلاق' اور بغدان کے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ علاوہ ازیں روس نے روم کے آرتھوڈک نصرانیوں کو اس بات پر ابھارنا شروع کر دیا کہ وہ دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کریں۔ سو جزیرہ مورہ کے نصرانیوں نے بغاوت کر دی لیکن اس بغاوت کو فوراً کچل دیا گیا۔(4)

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص122
2۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ: ص330,331,332
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: اسماعیل سرھنک: ص216
4۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص122

اس کے علاوہ روس نے طرابزون پر حملہ کر دیا لیکن وہ اس پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔ البتہ روسی قرم کے علاقوں کو فتح کرنے اور ان پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ واقعہ 1185ھ بمطابق 1771ء کا ہے۔ پھر صلح کے لئے مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا لیکن روس کے بے جا مطالبات کی وجہ سے مذاکرات کامیاب نہ ہو سکے۔ نتیجتاً دوبارہ جنگ چھڑ گئی اور عثمانیوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔(1)

داخلی بغاوتوں کو مدد دینے کی کوشش

دولت عثمانیہ کے علاقوں میں روسیوں نے علی الاعلان سازشیں شروع کر دیں اور ملک کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ 1183ھ بمطابق 1770ء کو دولت عثمانیہ کے مقرر کردہ والی مصر علی بیگ کبیر جو شیخ البلد کے لقب سے پہچانے جاتے تھے' کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ علی بیگ نے روس کی شہ پر بغاوت کر دی اور حکم دیا کہ عثمانی خلیفہ کی بجائے اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ جزیرہ پارس میں روس کے صلیبی اور علی بیگ کی طرف سے بھیجے گئے نمائندے ایک جگہ جمع ہوئے اور دولت عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کرنے کے لئے ایک زبردست سازش تیار کی۔ علی بیگ اس سازش میں پیش پیش تھا اور عکا کے شہر کا والی طاہر العمر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے علی بیگ نے شام کے علاقوں پر حملہ کر دیا اور 1185ء میں شام میں داخل ہو گیا بلکہ اس نے دمشق اور صیدا پر حملہ کر دیا اور طاہر العمر سے مل کر یافا کا محاصرہ کر لیا۔ جب دولت عثمانیہ کی فوجوں نے صیدا کا محاصرہ کیا تو روس نے علی بیگ اور طاہر العمر کی فوجوں کی معاونت کی تاکہ عثمانی محاصرہ اٹھا لیں اور انہیں اسلحہ دیا اور 1186ء میں انہوں نے بیروت پر قبضہ بھی کر لیا لیکن آخر وہ وقت بھی آیا کہ علی بیگ کبیر کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ قید کی حالت ہی میں فوت ہوا اور دوسرے غدار طاہر العمر کو عکا کے محاصرے کے بعد قتل کر دیا گیا اور یہ محمد بیگ کے ہاتھوں قتل ہوا جو ابوالذہب کے نام سے مشہور تھا۔(2)

جب نصرانی صلیبی میدان جنگ میں دولت عثمانیہ کو نیچا دکھانے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے اندر سے ملک کو تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بعض ایسے کمزور ایمان لوگوں کو تلاش کر لیا جو مسلمان تھے۔ اسلامی شعار کی بظاہر پابندی کرتے تھے لیکن خواہشات نفس کی غلامی میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ ملک و قوم سے غداری کرنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا ورنہ ایک سچا مسلمان اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری کیسے کر سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ:1)

''اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست۔ تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

1۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی: ص 122

2۔ الدولۃ العثمانیۃ ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 80

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران:28)

''نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر۔''

اپنی ذات اور اپنے رب سے مخلص اور اپنی قوم سے ہمدردی رکھنے والا ایک مسلمان سنی مسلمانوں عثمانیوں کے خلاف روس کے آرتھوڈکس عیسائیوں کی مدد کر کے ان کے خون ریزی کا جواز مہیا نہیں کر سکتا(1)۔ امت مسلمہ کے دشمن ہمیشہ دیار اسلام کے اندر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ وہ اس امت کو معاشرتی، اقتصادی اور اخلاقی لحاظ سے تباہ و برباد کر سکیں اور ان کا نام ونشان مٹا کر اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکیں۔(2)

سلطان مصطفیٰ ثالث کا شمار مجاہد سلاطین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے روسی صلیبی حملوں سے اپنے ملک کو بچانے کی پوری کوشش کی اور مختلف معرکوں میں ان کو شکست دی۔ وہ اپنی دوررس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ دولت عثمانیہ بتدریج زوال و انحطاط کی طرف جارہی ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں اس احساس کا اظہار بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

''دنیا معدوم ہونے والی ہے۔ یہ خیال درست نہیں کہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی۔''

''ملکی تمام مناصب رذیل ترین لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اور آج شرفاء کسمپرسی کا شکار ہیں اور ہم ان پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

سلطان مصطفیٰ ثالث اسلامی تاریخ کا بالعموم اور تاریخ دولت عثمانیہ کا بالخصوص گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔

روس کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ یہ سلسلہ 1768ء میں شروع ہوا اور 1774ء میں ختم ہوا۔ ان جنگوں میں مسلمانوں کو وسیع اور نہایت اہم علاقوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ کمزوری، پسپائی اور زوال وانحطاط کا دور شروع ہو گیا۔ سلطان مصطفیٰ ثالث روس کے خلاف ایک جنگ کے دوران بیمار پڑ گیا۔ اس بیماری کی وجہ حزن وملال تھا اور بالآخر 57 سال کی عمر میں دار فانی سے کوچ کیا(3)۔ خلیفہ کا وصال 1187ھ کو ہوا اور ان کی جگہ ان کا بھائی عبد الحمید اول تخت نشین ہوا۔(4)

سلطان عبد الحمید اول (1187ھ تا 1203ھ بمطابق 1773ء تا 1788ء)

سلطان عبد الحمید اول 1187ء بمطابق 1773ء میں اپنے بھائی مصطفیٰ ثالث کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے بھائی مصطفیٰ ثالث کے دور حکومت میں اپنے محل میں نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ روس، بحر اسود کے ساحل پر واقع بلغاریا کے شہر فارنا میں عثمانیوں کو شکست دینے میں کامیاب رہا۔ صدر اعظم نے صلح کی خواہش ظاہر کی اور اس کے لئے مذاکرات کا مطالبہ کیا۔ آخر 1187ھ بمطابق 1774ء میں بلغاریا......(5) کے شہر قینارجہ میں صلح کا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی اہم شقیں یہ ہیں۔

● دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان پائی جانے والی عداوت کا خاتمہ، صلح کا قیام اور آئندہ اس خیر سگالی کے تعلقات میں تبدیلی کا نہ ہونا نیز ان جرائم سے صرف نظر کرنا جن کا ارتکاب طرفین کی رعایا سے ہوا ہے۔

1۔ الدولۃ العثمانیہ ڈاکٹر جمال عبد الہادی، ص 80 — 2۔ ایضاً — 3۔ السلاطین العثمانیون: ص 72

4۔ الدولۃ العثمانیہ۔ اسماعیل یاغی: ص 123 — 5۔ ایضاً

۲ التجا کرنے والے یا بھگوڑہ رعایا کی حمایت نہ کرنا اور شرائط صلح کی پاسداری کرنا۔

۳ قرم کے علاقوں کی بلا استثناء آزادی اور خود مختاری کا طرفین کی طرف سے اعتراف یہ علاقے اپنے حاکم کا آزادانہ انتخاب کریں گے اور اس بارے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ یہ لوگ کوئی ٹیکس نہیں دیں گے۔ چونکہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ اس لئے ان کے مذہبی امور کی نگرانی اسلامی شریعت کے مطابق سلطان عثمانی کی طرف سے کی جائے گی۔

۴ عثمانی فوجیں قرم کے علاقے کو چھوڑ دیں گی۔ تمام قلعے مقامی لوگوں کے حوالے کر دیے جائیں گے اور عثمانی وہاں نہ تو کوئی فوج بھیجیں گے اور نہ ہی عسکری محافظ۔

۵ ہر ملک کو قلعے، عمارتیں، چوکیاں بنانے اور ان کی ضروری اصلاح کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔

۶ آستانہ میں روسی سفیر کا دوسرے درجے میں تقرر اور سرکاری طور پر جو توڑ پھوڑ ہوئی ہے اس کے بارے اعتذار۔

۷ دولت عثمانیہ کی یقین دہانی کہ مسیحیوں کے تمام حقوق کی نگہداشت کی جائے گی۔ نصرانی عبادت گاہوں کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا اور ان کی جو توڑ پھوڑ ہوئی ہے۔ اس کی تعمیر کی رخصت دی جائے گی۔

۸ روس کے راہبوں کو القدس شریف اور دوسرے مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت دی جائے گی۔ نہ ان سے کسی قسم کا جزیہ لیا جائے گا اور نہ خراج۔ بلکہ عثمانی سلطنت ان زائرین کو سفر کی تمام سہولیات دینے کے ساتھ ساتھ ان کی حفاظت کی بھی پابند ہوگی۔

۹ بحر ابیض اور بحر اسود دونوں سمندروں میں تمام عثمانی بندرگاہیں روسی جہاز رانی کے لئے کھلی رہیں گی اور روسی آزادی سے آمد و رفت رکھ سکیں گے۔ اسی طرح روسی رعایا عثمانی علاقوں میں بری و بحری تجارت میں آزاد ہوگی۔ روسی تاجر اس بات کے مجاز ہوں گے کہ وہ امپورٹ اور ایکسپورٹ کریں اور عثمانی علاقوں میں جہاں چاہیں اقامت گزیں ہوں۔ روس کو یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ جہاں مناسب خیال کرے کونصلیٹ مقرر کرے۔

۱۰ اگر روس افریقی صوبوں کی حکومتوں کے ساتھ تجارتی معاہدے کرتا ہے۔ تو دولت عثمانیہ پر ضروری ہوگا کہ وہ روس کی طرف سے انہیں ضمانت دینے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

۱۱ روس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ شاہراہ عام پر استنبول میں غلطہ کے محلہ بکل اوغلی میں ایک خاص کلیسا تعمیر کرے۔ یہ کلیسا روسی سفیر کی کسٹڈی میں ہوگا۔ اس چرچ کی حفاظت اور مکمل نگرانی کی یقین دہانی کرائی جائے گی۔ تاکہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ ہو سکے۔

۱۲ روس بعض علاقے دولت عثمانیہ کو واپس کر دے گا۔ لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔ ان شرائط میں کچھ یہ ہیں۔ ان علاقوں کے رہنے والوں کو عام معافی دی جائے گی۔ ان میں جو لوگ نصرانی ہوں گے انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہوگی۔ چرچ بنانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ راہبوں کو خصوصی مراعات دی جائیں گی۔ عام لوگوں کو ترک وطن کی اجازت دی جائے گی اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نصرانیوں کو ہر طرح کی فوجی خدمات اور جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔

⑬ روس بحرابیض متوسط کے جزیرے جو اس کے زیرنگیں ہیں دولت عثمانیہ کو واپس کردے گا لیکن دولت عثمانیہ پر ضروری ہوگا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو معاف کردے۔ ان سے سالانہ ٹیکس نہیں لے گی۔ انہیں مذہبی آزادی دے گی اور ان میں سے جو اپنے علاقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقہ میں جانا چاہے گا اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی گی۔

ان کے علاوہ اس معاہدہ کی کئی دوسری دفعات بھی ہیں۔ جو قرم کے بعض علاقوں سے متعلق ہیں۔ اسی طرح بعض دفعات، افلاق، بولاق اور بغدان کے معاملات سے الگ تھلگ رہنے کے بارے میں اور بعض قیدیوں کی رہائی اور بغدان کیلئے سفیروں کے تقرر سے متعلق ہیں۔ دولت عثمانیہ نے روس کو تین سالوں میں پندرہ ہزار کیس دینے کا بھی وعدہ کیا۔ ہر سال پانچ ہزار کیس کی قسط کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا۔(1)

اگر ان شروط کو غور سے پڑھا جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

① بحر اسود پر عثمانیوں کے غلبے کا خاتمہ اور دولت عثمانیہ کے اندرونی مسائل میں روسی مداخلت کے لئے آئندہ ڈپلومیسی بنیادوں کی تیاری۔

② روس کی ملکی حدود کا جنوب میں دریائے بوغ تک اور شمال میں آزوف، سہوب کرش اور نیکال تک اور مشرق میں دریائے دینیپر بورغ، سہوب اور کیفورن تک وسیع ہو جانا۔

③ قرم کے علاقے خود مختار ہو گئے اور ان علاقوں کے باسیوں کا عثمانی سلطنت سے سوائے دینی رشتے کے کوئی رشتہ باقی نہ رہا۔

④ روس کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ دولت عثمانیہ میں جہاں چاہے اپنا کونسل خانہ کھول لے اور دولت عثمانیہ کی سمندری حدود میں آزادی کے ساتھ جہاز رانی کرے۔

⑤ اس معاہدہ نے روس کو ان عثمانی علاقوں میں خاص مراعات دے دیں جن کی آبادی آرتھوڈکس نصرانیوں پر مشتمل تھی جیسے افلاق، بغدان اور بحرایجہ کے جزیرے نتیجۃً روس نے دولت عثمانیہ کے تمام علاقوں میں آرتھوڈکس نصرانیوں کی حمایت کا سلسلہ جاری کر دیا۔(2)

روس کے صلیبیوں نے صرف اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اچانک روسی فوجیں قرم کے علاقوں میں داخل ہو گئیں۔ حالانکہ یہ دولت عثمانیہ کے صوبوں کا ایک حصہ تھا۔ ستر ہزار فوجیوں کا اس علاقے میں داخلہ کینارجہ کے معاہدہ کو سبوتاژ کرنے کا اعلان تھا۔(3)

ان کی ملکہ، ملکہ کیتھرین اس فتح پر پھولے نہیں سماتی تھی۔ وہ قرم کے علاقوں میں پھرتی رہی۔ ان علاقوں میں جشن منائے گے اور فتح کے بینر لٹکائے گئے۔ جن پر لکھا ہوا تھا۔ یہ بیزنطینی طریقہ ہے۔ اس جسارت پر دولت عثمانیہ کا مشتعل ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ باب عالی نے روسی سفیر جو آستانہ میں مقیم تھا کو ایک یادداشت پیش کی جس میں کئی مطالبات تھے۔ یہ موسم گرما

1۔ العثمانیون والروس: ص 83 2۔ ایضاً ص 87 3۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر جمال: ص 82

1200ھ کا واقعہ ہے۔ ان مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ عثمانی حکومت کے زیر نگیں علاقے کرج کی حمایت سے علیحدگی اور دولت عثمانیہ کے باغی حاکم الفلاح کی حوالگی۔ روس نے اس یادداشت میں موجود مطالبات کو ماننے سے انکار کردیا چنانچہ باب عالی نے جنگ کا اعلان کردیا اور روسی سفیر کو قید میں ڈال دیا۔(1)

آسٹریا کا روس کے ساتھ معاہدہ

کیتھرین نے عسکری قائد ابو تمکین کے نام ایک خط لکھا اور اس کو شہ دی کہ وہ عثمانیوں کا انتظار نہ کرے اور بندر اور اوزی کے شہر کی طرف پیش قدمی شروع کردے۔ ابو تمکین نے کیتھرین کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اوزی پر قبضہ کرلیا۔ اس دوران آسٹریا نے دولت عثمانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ آسٹریا کے بادشاہ یوسف ثانی نے بلغراد پر قبضہ کی کوشش کی لیکن وہ خائب و خاسر تمسوار شہر کو چھوڑ کر واپس پلٹا۔ اس حال میں کہ عثمانی لشکر اس کا پیچھا کر رہا تھا حتیٰ کہ اسے ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

سلطان عبدالحمید اول کی وفات اور حالات و واقعات پر اس کے اثرات

ان حالات میں اچانک سلطان عبدالحمید اول اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ سپاہ کے حوصلے پست ہوگئے اور ان کے دلوں پر یاس و قنوط کے بادل چھاگئے۔ دشمن جو تاک میں بیٹھے تھے ایسے حالات سے کیونکر فائدہ نہ اٹھاتے۔ انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں عثمانیوں کو کمزور کرنے پر مبذول کردیں۔ 31 جولائی اور 22 ستمبر 1789ء میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ روس نے مندر جیسے قلعہ بند شہر پر قبضہ کرلیا اور اس کے علاقہ فلاخ، بغدان اور بسارابیا کے اکثر حصے ان کے قبضہ میں چلے گئے۔ جبکہ آسٹریا والوں نے بلغراد اور سربیا پر قبضہ کرلیا۔ جنہیں بعد میں زشتوی معاہدہ کے تحت واپس لوٹا دیا۔(2)

چھٹی بحث

سلطان سلیم ثالث

1203ھ تا 1222ھ بمطابق 1788ء تا 1807ء

اپنے چچا عبدالحمید اول کے بعد 1203ھ بمطابق 1788ء میں زمام اقتدار ہاتھ میں لی۔ دولت عثمانیہ اور اس کے دشمنوں کے درمیان جنگ کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوگیا۔ سلطان سلیم ثالث نے اپنی سپاہ کے اندر روحانی جذبے کو بیدار کرنے کیلئے دولت عثمانیہ کی تاریخ پر اعتماد کیا اور لوگوں کو ان کے جرأت مندانہ کارناموں سے آگاہ کیا۔ تخت نشینی کی رسوم کی ادائیگی کے وقت سلطان سلیم ثالث نے ایک نہایت ہی پرجوش تقریر کی جس میں ماضی کی ان تمام کامیابیوں کی طرف اشارہ کیا جو عثمانی فوجوں کو دشمن کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھیں۔ پھر ان اسباب کے بارے بات کی جن کی بدولت دشمن کے مقابلے میں انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ سلطان سلیم نے اپنے سپہ سالاروں اور اعیان مملکت پر یہ بات واضح کردی کہ ان تمام

1۔ العثمانیون والروس: ص 86
2۔ العثمانیون والروس: ص 87

شکستوں اور ناکامیوں کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے دین سے دوری، کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی اتباع سے انحراف۔ انہوں نے لوگوں کو تلقین کی کہ وہ دشمنوں کے خلاف ایثار و قربانی اور جہاد کی راہ اختیار کریں۔ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ اولی الامر کی اطاعت کریں۔ دشمنوں کا مقابلہ کریں جنہوں نے مسلمانوں کی اراضی پر قبضہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور ہزاروں مسلمانوں کو قیدی بنا کر ان کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ سلطان نے لوگوں کو حکم دیا کہ قرم کے علاقے دشمن سے واپس لینا دولت عثمانیہ کا اولین فریضہ ہے۔(1)

سلطان سلیم ثالث کا عزم جہاد

سلطان سلیم ثالث کی ان آرزوؤں نے اسے اس قدر جرات مند بنا دیا کہ اس نے صلح کی ان تمام پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جو ہسپانیہ، فرانس اور بروسیا کے سفراء کی طرف سے کی گئیں اور صدر اعظم یوسف پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دشمنان سلطنت سے مقابلہ کرنے کیلئے ضروری انتظام کریں۔

سلطان جانتے تھے کہ پے در پے شکستوں اور ناکامیوں کی وجہ سے مسلمان قوم کو کس مصیبت کا سامنا ہے اور وہ کس کرب سے گزر رہے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے غم و غصے کی تیزی کو کم کر دیا جائے۔ سو انہوں نے صلح کی تمام کوششوں سے انکار کر دیا اور فیصلہ کیا کہ دانوب پر فوج کشی کرتے ہوئے وہ خود اپنی فوج کی قیادت کریں گے۔ سب سے پہلا کام سلطان نے یہ کیا کہ فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور بہت ساری رقم خرچ کر کے ان کو بہتر سہولتیں دیں۔(2)

سلطان نے اپنے مرکز کو طاقتور بنانے کیلئے اپنے قدیمی دوست حسین پاشا کریدلی کو عثمانی بحریہ کا امیر البحر متعین کیا اور سابقہ امیر البحر حسن پاشا کو مولدافیا کی بری فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا اور اسماعیل شہر کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی۔ اس کے علاوہ اوزی کو واپس لینے اور قرم پر بحری راستے سے حملہ کرنے کی ذمہ داری بھی انہیں کو دے دی۔(3)

لشکر کی قیادت میں اس طرح کی تبدیلی بعض وجوہ کی بناء پر کی گئی۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ حسن پاشا صدر اعظم یوسف پاشا کے مخالف تھے۔ کیونکہ اس کے خیال میں روس کے خلاف جنگ کا اعلان مناسب وقت پر نہیں کیا گیا تھا وہ جنگ شروع کرنے سے پہلے اس کے لئے مکمل تیاری کے حق میں تھے۔ دوسری طرف اوزی کی بازیابی اور مقررہ وقت سے پہلے اس کی بحالی نے سلطان کے دل پر خاصا اثر کیا اور انہوں نے قیادت کی تبدیلی کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ لیکن اصل سبب جو قرین صواب لگتا ہے یہ ہے کہ حسن پاشا سلطان کے دوستوں میں سے تھا(4)۔ صدر اعظم کے منصب پر ان کی تقرری مرکز کے لئے ایک طاقتور سہارا اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتی تھی۔(5)

اب سلطان سلیم کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے

1۔ تاریخ سیاسی دولۃ علیہ عثمانیہ: کامل پاشا: (250/2)
2۔ تاریخ نوری فی بیان احوال دولۃ العلیۃ: ص110
3۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیۃ: ص69,68
4۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ۔ اسماعیل سرھنک: ص235
5۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیۃ: ص69

صدر اعظم یوسف پاشا کو اقلیم ولاشیا کی نگرانی اور کوبان کے علاقہ پر کسی بھی حملے کی صورت میں بلغراد کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ قوقار کے تاتاریوں کو روس کے خلاف ابھارا جائے اور قرم کے علاقوں کو واپس لینے کیلئے ان سے دولت عثمانیہ کے لئے مدد حاصل کی جائے۔

صدر اعظم پر سلطان کو جو اعتماد تھا اس کی بدولت سلطان بہت خوش تھا اور وہ خیال کرتا تھا کہ عنقریب فتح ہونے والی ہے۔ انہیں امید تھی کہ تمام ملکی اہداف جن تک پہنچنا مطلوب ہے پورے ہو جائیں گے۔ (1)

عثمانی لشکروں کی شکست

روسی اور آسٹریا کی فوجوں نے مکمل تیاری کے بعد اپنی چھاؤنیوں کو چھوڑا اور پیش قدمی کرتی ہوئیں بلغراد میں مولدافیا کے قریب پہنچ گئیں۔ صدر اعظم بلغراد کا دفاع کرنے میں ناکام رہے۔ مجبوراً سلطان نے انہیں معزول کر کے حسن پاشا کو صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا۔ یوسف پاشا کو روسی جرنیل سواروف اور آسٹریا کے جرنیل کوبرق کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

سلطان سلیم قرم کی واپسی کے لئے بے حد حریص تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی قیمت دشمنوں پر کامیابی حاصل ہو جائے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے فوج کی تنظیم نو کو ضروری خیال کیا۔ سو انہوں نے صدر اعظم کو حکم دیا کہ وہ آرمی کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے ہر ممکن اقدام کرے۔ ان کی اصلاح کی مسلسل کوشش کرے اور ایک بار پھر ان فوجوں کو پورے عزم کے ساتھ میدان جنگ میں لا کھڑا کرے۔ دشمنوں کو نیچا دکھانے کیلئے سلطان نے ضروری خیال کیا کہ سوید کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کیے جائیں۔ دولت عثمانیہ اور سوید میں ایک معاہدہ ہوا اور اس میں یہ طے پایا کہ سوید شمال کی طرف سے روس کے خلاف کاروائی کرے گا اور اس کے بدلے دولت عثمانیہ اسے دس سال تک مقررہ سالانہ امداد فراہم کرے گی۔ یہ دونوں ملک اس بات پر بھی متفق ہو گئے کہ روس کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے اور ان میں سے کوئی ملک دوسرے ملک کو بتائے بغیر روس سے امن معاہدہ نہیں کرے گا۔ (2)

ان معاہدوں کے بارے یورپی ملکوں کا موقف

یورپی ملکوں کا موقف ان معاہدوں کے بارے مختلف تھا۔ بروسیا نے اس معاہدہ کو خوش آمدید کہا۔ کیونکہ بروسیا سلطان سلیم ثالث کو ہمیشہ اس بات پر ابھارتا رہتا تھا کہ وہ روس کے خلاف جنگ کا سلسلہ جاری رکھے۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ روس کا دوسرا شکار وہ خود نہ بن جائے۔ فرانس نے اس معاہدہ کی تائید نہ کی۔ کیونکہ اس طرح وہ فرانسیسی پالیسیوں پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا تھا اور اپنے اہداف کو پورا کرنے سے قاصر رہتا۔ رہا برطانیہ تو اس کا موقف کچھ اس طرح تھا کہ

یعطیک من طرف اللسان حلاوۃ　　و یروع منک کما یروع الثعلب (3)

1۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیۃ: ص 69　2۔ ایضاً ص 71　3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: عبدالرحمٰن شرف: ص 210-211

''وہ تجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے اور تجھے دھوکہ دے کر یوں جان بچا کر نکل جاتا ہے جس طرح لومڑی جان بچا کر نکل جاتی ہے''۔

برطانیہ اگرچہ اس معاہدہ سے خوش تھا اور دولت عثمانیہ کو طاقتور دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن روس یا آسٹریا کے خلاف علی الاعلان دولت عثمانیہ کا ساتھ بھی نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی طرح کی امداد دینے کی پوزیشن میں تھا۔ یورپیوں کی طرف سے اس طرح کے موقف اپنانے پر حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ فطرتی طور پر ان کی طرف سے ایسے ہی ردعمل کا اظہار ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ دولت عثمانیہ کے ساتھ ان کے تعلقات ذاتی مفادات کی وجہ سے تھے۔ اگر بعض یورپی ملک دولت عثمانیہ کو طاقتور دیکھنا چاہتے تھے تو اس لیے نہیں کہ وہ ایک مسلمان ملک سے محبت کرتے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ براعظم یورپ میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کیلئے دولت عثمانیہ کی طاقت کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی بہتر پوزیشن ان کی اقتصادیات کیلئے ایک سہارا تھی نہ صرف ملک کے اندر بلکہ ملک سے باہر بھی۔

باوجود اس کے کہ یورپ کے اس طرح کے مختلف ردعمل کے دولت عثمانیہ کی پالیسی اور یورپی علاقوں میں اس کی پیش قدمی کے بارے عام نقطہ نظر پر بہت زیادہ اثرات پڑے۔ لیکن سلطان سلیم ثالث مایوس نہ ہوئے۔ انہیں قوی امید تھی کہ عثمانی لشکر کو دشمن کے مقابلے میں ایک نہ ایک دن ضرور کامیابی ہوگی۔ سو انہوں نے بلغدان اور افلاق کی طرف پیش قدمی کے احکامات جاری کر دیے۔ حتیٰ کہ عثمانی آرمی کے ہراول دستے دریائے رمیک تک پہنچ گئے جو آسٹریا کی حدود کے قریب ہے۔ لیکن وہاں جو حادثہ رونما ہوا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ روسی اور آسٹریا کی فوجوں نے عثمانی آرمی پر اچانک حملہ کر دیا۔ جب کہ وہ بالکل غفلت کی حالت میں تھی اور انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ اس لڑائی کو ''معرکہ یوزا'' یا ''معرکہ رمیک'' کا نام دیا جاتا ہے اور یہ نام اس دریا کی مناسبت سے ہے جس پر یہ معرکہ برپا ہوا تھا۔(1)

دولت عثمانیہ پر اس جنگ کے بہت برے اثرات مرتب ہوئے۔ فوج کو دوبارہ منظم کرنے کا انہیں موقع نہ ملا اور وہ یکے بعد دیگرے ہزیمت خوردہ دانوب کے مشرق میں پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ بلغراد کا محاصرہ بھی ختم ہو گیا اور وہ راستہ جس سے گزر کر دشمنوں کے حلیف ان کی مدد کو پہنچ سکتے تھے۔ وہ بھی دشمنوں کے ہاتھ آ گیا اور عثمانیوں کو یورپ سے نکال باہر کر دیا گیا۔(2)

عثمانی صوبوں پر صلیبیوں کے یہ حملے جو 1789ء کے آخری مہینوں میں ہوئے ان تمام حملوں میں سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے جو کبھی ان علاقوں میں طرفین نے ایک دوسرے پر کیے۔ اس لئے اس دور میں ہونے والے یہ حملے دو اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

❶ ایک یہ کہ ان کے بعد یورپ کے وسطی ملکوں میں سفارتی سرگرمی اور دینی تحریکوں کے قیام کا سلسلہ چل نکلا جس کی وجہ سے نئے خطروں نے جنم لیا اور طاقتور ملک امن و سلامتی کے مواقع تلاش کرنے لگے اور دولت عثمانیہ اور اس کے دشمنوں روس اور آسٹریا کے درمیان جاری جنگ کو روکنے کی سبیل کرنے لگے۔

1۔ تاریخ دولۃ عثمانیہ: عبدالرحمٰن شرف: ص 120-211 2۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیہ: ص 73

فرانسیسی جارحیت کے آثار مطلع سیاست پر بالکل نمایاں تھے۔ یورپ کے مختلف علاقوں میں اس کے خطرات واضح ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یورپی ملکوں اور روس کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ دولت عثمانیہ کے بارے نرم پالیسی اختیار کی جائے۔ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ نپولین بغاوت خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے اور فرانس براعظم یورپ کے معاملات پر اپنا تسلط بڑھا رہا ہے۔(1)

2۔ دوسری چیز ہے عسکری میدان میں نئی نئی دریافتیں اور انقلابات جن کی وجہ سے دولت عثمانیہ کو ''یوزا'' سے پہلے اور اس کے بعد کئی بار ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور ان شکستوں کی وجہ سے ملک کے اندر عوام کا اضطراب بڑھ گیا اور ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ حالات کو درست کیا جائے اور صدر اعظم کو ان کے منصب سے الگ کیا جائے۔(2)

کئی واقعات رونما ہوئے یکے بعد دیگرے کئی معرکوں میں شکست ہوئی اور دولت عثمانیہ کمزور پڑ گئی۔ فرانسیسی انقلاب کی وجہ سے اب یورپی ملکوں کو بھی یہ احساس ہوا کہ نپولین کا راستہ روکنے کیلئے متحدہ یورپ کا دولت عثمانیہ کے ساتھ ابتدائی مرحلہ کے طور پر خیر سگالی کے تعلقات پیدا کرنا ضروری ہے۔ نپولین کے خطرے نے یورپیوں کے ذہن سے یہ بات نکال دی کہ وہ عثمانی علاقوں پر یلغار کریں اور انہیں اپنے زیر نگیں کر لیں۔ الغرض اس سلسلہ میں یورپیوں کو کامیابی ہوئی اور 22 ذی الحجہ 1202ھ بمطابق 14 اگست 1791ء میں ''زشتوی'' کا مشہور معاہدہ ہوا اور یوں جنگ و جدل کا سلسلہ ایک بار پھر رک گیا۔(3)

جب یورپیوں اور عثمانیوں کے درمیان صلح ہو گئی تو دوسرا مرحلہ جس پر کام کرنا ابھی باقی تھا وہ تھا روس اور دولت عثمانیہ کے درمیان جنگ کے سلسلہ کو روکنا۔ کیونکہ یورپی ملک اس بات کو سمجھتے تھے کہ امن کے بغیر یورپی ملکوں کے حالات نپولین کے حملوں کی وجہ سے خطرناک صورت حال اختیار کر سکتے ہیں یا دولت عثمانیہ پر روس کے تفوق کی وجہ سے یورپ کے لیے ایک دوسرا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔(4)

دولت عثمانیہ کو جس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان سے اس کی قوت اور یورپ پر اس کے حملوں پر خاصا اثر پڑا۔ اب عثمانی مجبور تھے کہ امن کی کسی بھی کوشش کو ناکام نہ ہونے دیں۔ خواہ اس کے لئے انہیں کتنی ہی قیمت چکانی پڑے۔ جو ملک جنگ رکوانے کیلئے ثالثی کا کردار ادا کر رہے تھے ان حالات کی وجہ سے انہیں آسانی ہوئی اور روس اور دولت عثمانیہ کے مابین مذاکرات کے بعد یاش کے شہر میں امن معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ یہ واقعہ 15 جمادی الاولی 1206ھ بمطابق 9 جنوری 1792ء کا ہے۔

معاہدہ کی اہم دفعات

❶ جنگی قیدیوں کا تبادلہ۔ ان لوگوں کو اپنے علاقوں میں واپس آنے کی اجازت دینا جو سیاسی بحران کی وجہ سے نقل مکانی کر چکے ہیں یا انہیں اپنی مرضی سے رہنے کی اجازت دینا۔

❷ دولت عثمانیہ کا آزوف کی بندرگاہ قرم کے علاقوں جزیرہ طمان، قوبان، بسارابیا کے علاقوں اور دریائے بجد اور

1۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیہ: ص 74 2۔ ایضاً ص 74 3۔ ایضاً ص 82 4۔ ایضاً ص 83

دریائے دینسٹر کے درمیان واقع صوبوں سے روس کے حق میں دستبردار ہونا۔ دریائے دینسٹر کو دونوں ملکوں کے درمیان سرحد قرار دیا گیا۔

● روس درج ذیل علاقے دولت عثمانیہ کے حوالے کرے گا۔ بغدان، اکرمان، کیلی اور اسماعیل۔ لیکن اس کے عوض دولت عثمانیہ کو بغدان کی رعایا کو ٹیکسز معاف کرنا ہوں گے اور روس اسے کسی قسم کا جنگی تاوان ادا نہیں کرے گا۔

● باب عالی اس بات کا پابند ہوگا کہ وہ اپنی رعایا کو تفلیس اور کتلونیا کی روسی ریاستوں پر غارت گری سے روکے اور بحر متوسط میں روسی جہازوں سے تعرض کرنے سے باز رکھے۔ اگر دولت عثمانیہ کی طرف سے اس کے بعد بھی کوئی نقصان ہوگا تو روس کے اس نقصان کو عثمانی پورا کریں گے۔(1)

اس معاہدہ کی بدولت روس اور دولت عثمانیہ کے درمیان جاری جنگ رک گئی اور یورپی ملکوں کے اہداف پورے ہو گئے۔ ان کا اہم ترین ہدف ایک ایسے عرصہ میں جنگ کو روکنا تھا جس میں یورپ کے لوگ نپولین کے خوف سے لرزہ براندام تھے اور انہیں اندیشہ تھا کہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم پورے یورپ کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور اس طرح دولت عثمانیہ کی آرزوئیں خائب و خاسر رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے زیر نگیں بہت سارے علاقے بھی اس کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ بحر اسود پر روسی جھنڈا لہرانے لگا اور عثمانی بندرگاہیں مثلاً آزوف، اودیسا اور سیفاستبول روسی بحریہ کا مرکز قرار پائیں۔ تمام بڑے بڑے دریاؤں مثلاً دانوب، بج، دینسٹر اور بروت کے دہانوں پر روس کا قبضہ ہو گیا اور یوں جہاز رانی کی تحریک پر روسی قوم کا تسلط یقینی ہو گیا۔

اس معاہدہ کی بدولت ایک تو دولت عثمانیہ کی یورپ میں حدود سکڑ کر رہ گئیں اور دوسرے اسے قانونی طریقہ سے دشمنوں کے حق میں اپنی آمدنیوں سے دستبردار ہونا پڑا۔

یوں یورپی ملکوں نے ایسے اقدامات کیے جو یورپ میں عثمانی وجود کے خاتمے کا سبب بنے۔ گویا انہیں مقاصد کی خاطر یہ تمام سکیمیں تیار کی گئی تھیں (2)۔ اور انہیں مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے یورپ کے سیاست دان اور دانشور ایک عرصہ سے کوشش کر رہے تھے۔

اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے صلیبی، استعماری اور یہودی طاقتیں مسلسل تگ و دو کر رہی تھیں اور ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ گویا یہ ایک عالمی اتحاد تھا۔ جس میں یورپ کے منصوبہ ساز باہم مل کر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ اگرچہ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے مخالف تھے لیکن آل عثمان کی مخالفت میں سب متفق تھے۔ ان میں سے ہر شخص ان کو ڈسنے، ختم کرنے اور ہڑپ کر جانے کیلئے طرح طرح کے حیلے بہانے کر رہا تھا۔(3)

معاہدہ یاش نے اگرچہ کچھ وقت تک کیلئے روس اور عثمانیوں کی جنگ روک دی تھی۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک ایسی انتہا کی

1۔ موقف اوروپہ من الدولۃ العثمانیہ: ص 83　2۔ ایضاً ص 86　3۔ المسئلۃ الشرقیۃ۔ شاذلی: ص 122

ابتداتھی جو پہلی سے کہیں زیادہ افسوس ناک تھی۔(1)

داخلی اصلاح اور اس سلسلے میں رکاوٹ

جنگ کے خاتمے کے بعد سلیم ثالث داخلی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ انکشاریہ سے خلاصی حاصل کرنے کیلئے آرمی کی تنظیم نو کی ابتدا کی۔ کیونکہ انکشاریہ ہر فتنہ کا سبب بن رہے تھے۔ سلطان نے فوجی امور کی تشکیل میں یورپی اصولوں کی پاسداری کی جو روز بروز روبہ ترقی تھے۔ جہاز سازی، اسلحہ اور خاص طور پر توپ سازی کی طرف توجہ دی اور اس سلسلہ میں فرانسیسی طریقے کو اپنایا اور اپنے دور میں مغربی فوجی تعلیم کی ابتدا کی۔

سلطان کے ان اصلاحی اقدام اور جدید فوجی نظام کو دیکھ کر انکشاریہ کے اندر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ عوام نے بھی جدید نظام کی مخالفت میں ان کا ساتھ دیا۔ باوجود اس کے کہ فوجی اور عوامی دباؤ کے تحت سلطان نے اصلاحات کے بارے تمام احکامات واپس لے لیے پھر بھی خلیفہ کی معزولی پر لوگوں نے ایکا کر لیا اور بالآخر انہیں حکومت سے الگ کر دیا گیا(2)۔ ان کے بعد ان کا چچا زاد بھائی مصطفیٰ رابع تخت نشین ہوا اور چونکہ انہیں لوگوں نے اسے اس منصب تک پہنچایا تھا اس لئے وہ اپنے مقرر کردہ لوگوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی سلطانی فرامین جاری کر دیے اور جدید نظام کو کالعدم کر دیا۔ تمام سکول اور اصلاحی ادارے فوراً بند ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کے دور میں مشکلات کم نہ ہوئیں اور بالآخر ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔(3)

مصر میں فرانسیسی صلیبی اور دولت عثمانی کی جنگ 1213ھ بمطابق 1798ء

دولت عثمانیہ کے انحطاط پر دشمنوں نے بغلیں بجائیں اور فرانس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مشہور سپہ سالار نپولین بونا پارٹ کی قیادت میں ایک جنگی مہم روانہ کی۔ جسے اس دور میں خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ حملہ درحقیقت فرانس میں جاری بغاوت کا راستہ روکنے کی ایک کوشش تھی۔ اور اس کے باغیانہ افکار کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ بونا پارٹ نے اس حملے میں فرانسیسی علماء کی ایک بہت بڑی جماعت کو بھی اپنے ساتھ لیا ہوا تھا۔ اس حملہ میں یہ تعداد معمول کی نسبت سے دگنی تھی کیونکہ اس کے ساتھ اس حملہ کے دوران 122 عالم موجود تھے۔

یہ علماء فرانس کے اس کردار سے متاثر تھے جو اس نے کیتھولک کلیسا کی اصلاح کے سلسلہ میں ادا کیا اور سولھویں صدی کی ابتدا سے شروع ہونی والی اصلاحی تحریک پروٹیسٹینٹ کے مخالف تھے۔ یہ لوگ جب مشرق میں آئے تو روسو، فولیٹر اور معرنٹسکو جیسے فرانسیسی انقلاب کے اہم ترین مفکرین کے افکار کو بھی ساتھ لائے۔ یہ تمام علماء یہودی ماسونی مجالس کے ساتھ تعلق کی وجہ سے خاصے مشہور تھے اور انہیں لوگوں نے جدت، بھائی چارہ اور مساوات جیسے نعرے بلند کیے تھے۔ یہ ایسے افکار ونظریات تھے

1۔ موقف اوربہ من الدولۃ العثمانیۃ: ص 86 2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 127

3۔ قراۃ جدیدۃ لسیاسۃ محمد علی التوسعیہ: ڈاکٹر سلیمان غانم: ص 12

جو عام طور پر مسیحی دین اور مذہبی افکار کے مخالف تصور کیے جاتے تھے۔ لہٰذا تاریخ نگاروں کی اس بات کو قبول کرنا کہ اس حملے کا مقصد صرف مشرق میں برطانیہ کے مفادات پر ضرب لگانا تھا ہماری سادگی ہوگی۔ اگر اس حملے کا مقصد برطانوی مفادات پر ضرب لگانا ہی ہوتا تو علماء کی اتنی بڑی تعداد کو اپنے ساتھ لے جانے کا کیا مقصد تھا(1)۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانس مشرق میں فرانسیسی شہنشاہیت کا قیام چاہتا تھا تا کہ وہ اس طرح اس علاقے میں سرمایہ دار طبقہ کی خواہشات کو پورا کر سکے جو آہستہ آہستہ انقلاب کے بعد حکومت میں گھستا چلا آ رہا تھا اور دوسری طرف کلیسا کو خوش کر سکے جو اگر چہ فرانس میں جدیدیت سے بری طرح مات کھا چکا تھا لیکن ابھی تک فرانس کے لوگوں پر اس کے کافی حد تک اثرات باقی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرانس چاہتا تھا کہ فرانسیسی اثر و نفوذ کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مصر پر فرانس کے حملے کے کئی مقاصد تھے۔ یہ اقتصادی بھی تھے سیاسی اور استعماری بھی اور دینی بھی۔ یا زیادہ مناسب الفاظ میں یہ حملہ بیک وقت عسکری اور فکری تھا۔ اسی لیے نپولین اس حملہ میں علماء کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنے ساتھ لایا تھا۔(2)

ساتویں بحث

فرانس کے صلیبی حملے کی جڑیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ فرانس کے یہ سامراجی علماء مصری مسلمانوں کی نفسیات اور حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنے متعدد ذرائع سے مسلمانوں کے بارے معلومات حاصل کی تھیں۔ ان ذرائع میں ایک ذریعہ تھا فرانسیسی سیاحوں کا جو در حقیقت جاسوس تھے۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی کے دوران بہت سے فرانسیسی سیاح مصر آئے اور انہوں نے یہاں کے قبطی مسیحی، یہودی اور مملوکی عناصر سے تعلقات قائم کیے۔ ان لوگوں نے سیاسی، اقتصادی، فکری اور عسکری پہلوؤں سے اس قوم کا بڑی دقت نظری سے جائزہ لیا اور ان کے بارے تفصیلی معلومات حاصل کیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس حملے کے دوران اپنے افکار کی ترویج کے سلسلے میں بے حد حریص تھے۔ ان لوگوں نے مصر میں ان یہودی ماسونی مجالس کا بیج بویا۔ جنہوں نے بعد میں محمد علی پاشا سے مضبوط تعلقات پیدا کیے۔ یہ حملہ اچانک نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس سے قبل اس کا پوری دقت نظری سے مطالعہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ مشہور ماہر آثار قدیمہ کا لیتھوگرافی کے بارے تحقیق ہوئی اور بعض انکشافات سامنے لائے گئے۔ قدیم مصریوں کی زبان ہیروغلیفیہ سے آگاہی حاصل کی گئی اور اس کے ذریعے ماضی کی تاریخ کا کھوج لگایا گیا۔ اگر یہ سب کچھ اچانک ہوا حالانکہ اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے تو بھی اس کے بعد کے بہت ساری کوششیں ایسی ہیں جن کے بارے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب ایک خاص منصوبے کے تحت ہوئیں اور اس بارے دقت نظر سے مطالعہ کیا گیا۔ جیسے فرعونی لغت کو سمجھنے اور اس کو استعمال کرنے کی کوشش ایک ایسا امر ہے جس کا مطالعہ پوری توجہ سے ہوا اور اس کے پیچھے ایک اہم مقصد کارفرما تھا۔ الغرض نپولین کا یہ حملہ محض ایک عسکری مہم جوئی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی نوعیت ہمہ گیر تھی

1۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 141، 142

2۔ ایضاً

اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے اس قوم کو زمانہ جاہلیت کی طرف واپس لانا تھا۔ مسلمان مورخ عبدالرحمٰن جبرتی جو اس حملے کے وقت موجود تھے۔ ناصریہ میں فرانس کے قائم کردہ ایک علمی ادارے کے بارے بات کرتے ہوئے انہیں امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''جب کوئی مسلمان کشادگی کی غرض سے ان کے پاس جاتا ہے تو وہ اسے اپنی اہم جگہوں پر بھی جانے سے نہیں روکتے۔ یہ لوگ آنے والے کو بڑی بشاشت سے، مسکرا کر ملتے ہیں اور اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ دیکھتے ہیں کہ آنے والا شخص قابلیت کا حامل ہے اور معلومات رکھتا ہے یا علوم و معارف میں گہری بصیرت رکھتا ہے یا مختلف اقالیم، قصص، ان کی تصاویر، ان کی کرامات اور معجزات اور قدیم امتوں کے حالات سے کچھ واقفیت رکھتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہیں۔(1)

مسلمانوں کی قوت کا راز

فرانس اور عموماً مغرب کے تمام لوگ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کا راز دو اہم چیزوں میں پنہاں ہے۔ ایک یہ کہ مسلمان اپنے دین سے مضبوط تعلق پیدا کر لیں اور دوسری یہ کہ وہ ایک ایسی حکومت کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں جو قابل اطاعت ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر طاقت ور ہو کہ کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے۔ فرانسیسی حملہ کی قیادت ان دونوں امور سے پوری طرح واقف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نپولین اور بعض دوسرے فرانسیسیوں نے (بظاہر) اسلام قبول کیا(2)۔ اسلامی تعلیمات کے احترام کے بارے بات کی۔ مسلمان عورتوں سے شادی کی تاکہ وہ اس طرح مسلمانوں کے قریب آسکیں اور اس ملک میں ثابت قدمی سے قیام کر سکیں۔ انہوں نے واضح الفاظ میں اپنے اس دستور کا اعلان بھی کیا۔ جب نپولین نے مصر کے لوگوں کے سامنے تقریر کی تو اس نے کہا: ''اے مصر کے لوگو! تم سے کہا گیا ہے کہ میں یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے دین کا خاتمہ کر دوں۔ تو سن لو یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اس کو کسی صورت تسلیم نہ کرو اور دھوکہ دینے والوں سے کہو کہ میں تمہارے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ ظالموں کے ہاتھ سے تمہارے حقوق تمہیں دلاؤں۔ میں مملوکیوں سے زیادہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ اس کے نبی ﷺ اور قرآن عظیم کا احترام کرتا ہوں۔(3)

ان حملہ آوروں نے مسلمان علماء و شیوخ کے دلوں سے دین کو نکالنے کی کوشش کی تاکہ وہ یہاں مغربی تہذیب کو رواج دے سکیں۔ دوسری کوشش انہوں نے یہ کی کہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا جائے اور اس مقصد کیلئے انہوں نے مصر کے مسیحیوں پر مشتمل ایک مسلح طاقت تیار کی۔ جس کی قیادت یعقوب نامی نصرانی نے کی۔ اس کا مقصد علماء کی قیادت میں چلنے والی تحریک کے خلاف فرانسیسیوں کی مدد کرنا اور خلافت عثمانیہ کی فوجوں کا مقابلہ کرنا تھا۔(4)

1۔ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار (120/3)

2۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 143

3۔ الصراع الفکری بین اجیال العصور الوسطی والعصر الحدیث للعدوی: ص 83

4۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 144

مصری اتحاد کا پارہ پارہ ہونا

فرانسیسیوں نے مسیحی قبطی عناصر کو مختلف ذرائع سے اس حملہ میں شریک کرنے کے سلسلے میں کامیابی حاصل کر لی۔ بعض مسیحی مصنفین کا خیال ہے کہ وہ فائدہ جو مصر نے حملے کے تین سالوں میں حاصل کیا۔ وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہے جو اس نے عثمانی دور کے طویل ترین عرصہ میں کیا۔ ان میں سے بعض ایجنٹوں نے عثمانیوں کے خلاف فرانسیسیوں کو امداد دینے میں استاد یعقوب کے کردار کو بہت سراہا ہے اور کہا ہے کہ "یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے یعقوب کی سونے کی ایک مورتی بنا کر قاہرہ کے بڑے بڑے میدانوں میں نصب کی جانی چاہیے اور اس پر لکھا ہونا چاہیے کہ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے عصر جدید میں مصر کے اندر سب سے پہلے آزادی اور خود مختاری کیلئے آواز بلند کی۔"(1)

نصرانیوں کا یہ موقف مسلم اکثریت کی خواہشات کے اتنا ہی مخالف تھا جتنا ان مفکرین کا جو اس مہم میں نپولین کے ساتھ آئے تھے۔ مصر کے مقامی نصرانی علی الاعلان اپنے ملک سے غداری کر رہے تھے اور اسلامی وجود کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ حتیٰ کہ وطنیت جس کا ڈھونگ رچا کر وہ فرانسیسیوں کی مدد کر رہے تھے انہیں اس کا بھی کوئی پاس لحاظ نہیں تھا۔ ایسے غداروں میں استاد یعقوب کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے اپنے ملک سے غداری کی۔ یہ واقعہ اس دور کی ابتدا شمار ہوتا ہے جسے مصری تاریخ میں گروہی فتنے کا نام دیا جاتا ہے۔(2)

غیر مسلم اقلیات جن کا تعلق نصرانیوں اور یونانیوں سے تھا نے فرانسیسی قبضے کی پوری پوری معاونت کی۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر عبد العزیز شناوی لکھتے ہیں: "بعض غیر مسلم گروہوں نے مصر میں فرانسیسی حملہ آوروں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا حتیٰ کہ انہوں نے ایسے لوگوں پر مشتمل ایک فوجی یونٹ قائم کی جن پر فوجی افسر مقرر ہوئے۔ فرانسیسی فوجوں نے انہیں یورپی طرز پر فوجی ٹریننگ دی اور انہیں جدید اسلحہ سے لیس کیا۔ پھر ان یونٹوں کو فرانسیسی آرمی کا حصہ بنا دیا گیا۔ تا کہ عددی کمی کا ازالہ کیا جا سکے اور مصر پر اپنے تسلط کو قائم رکھا جا سکے۔ کیونکہ مصر اور شام میں انہیں کافی مزاحمت کا سامنا تھا اور وہ قومی تحریکوں کی آگ کو بجھانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ فرانسیسی فوجوں میں طاعون کی وباء پھیلی ہوئی تھی۔ وہ مقامی لوگوں سے اس سلسلہ میں بھی مدد لینا چاہتے تھے۔ مصری قوم کی نظر میں یہ گروہ مصر پر فرانسیسی تسلط کو قائم رکھنے میں آلہ کار کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی قیادت استاد یعقوب حنا کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ عسکری گروہ قبطی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ فرانسیسی آرمی جیسی وردی پہنتے تھے۔ کلیبر نے اس گروہ کی قیادت یعقوب کو سونپی تھی اور اسے آغا کا رینک دیا تھا۔

"مینو" کے عہد میں اسے جنرل کے رینک میں ترقی دی گئی اور سرکاری طور پر اسے کمانڈر جنرل آف مصر آرمی کا لقب دیا گیا۔(3)

سخت مزاحمت اور علمائے ازہر کی قیادت میں چلنے والی جہادی تحریک کے باوجود فرانسیسی فوجیں استاد یعقوب مصری کے

1۔ تاریخ الفکر المصری الحدیث۔ ڈاکٹر لویس عوض: (1/180-188)
2۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 144
3۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ عثمانیۃ: (2/938)

تعاون کی بدولت مصر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ ان کو لکھنے کیلئے الگ کتاب چاہیے۔ کئی بستیاں جلادی گئیں۔ کئی گھروں کو لوٹ لیا گیا۔ باعصمت عورتوں کی پردہ دری کی گئی اور اخوت، مساوات اور انسان دوستی کے دعویداروں کے ہاتھوں کتنے قیدی قتل کر دیے گئے۔

قاہرہ پر قبضہ کرنے کے بعد نپولین نے مصر کے دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے کیلئے کاروائیاں جاری رکھیں۔ غزہ، رملہ، یافا ایک ایک کر کے فرانسیسی فوجوں کے قبضے میں چلے گئے۔ عکا کو قبضے میں لینے کی بھی بہت کوشش ہوئی۔ لیکن عکا کے لوگ احمد پاشا کی قیادت میں فرانسیسیوں اور ان کے مقاصد کے درمیان حائل ہو گئے اور انہوں نے شہر کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔

نپولین جب عکا پہنچا تو اس نے ایک بیان دیا۔ یہ بیان دنیا کے تمام یہودیوں کے نام تھا۔ اس نے اس بیان میں یہودیوں کو "فلسطین کا قانونی وارث" قرار دیا اور اجازت دی کہ وہ فلسطین پر اپنی یہودی سلطنت قائم کریں تاکہ وہ مضبوط تعلق جو نپولین (جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا) اور یہودیوں (جو اس ساری مہم کی پلاننگ کرنے والے تھے) کے درمیان ہے عیاں نہ ہو جائے۔

سلطان سلیم ثالث فرانس کے خلاف اعلان جہاد کرتا ہے

تاریخ جدید میں دولت عثمانیہ کے عرب علاقوں میں سے ایک علاقے پر فرانس کا یہ حملہ اولین صلیبی حملہ شمار کیا جاتا ہے۔ 1213ھ بمطابق 1798ء میں سلطان سلیم ثالث نے فرانس کے ان صلیبی حملہ آوروں کے خلاف فوراً اعلان جہاد کر دیا۔ حجاز، شام اور شمالی افریقہ میں بسنے والے مسلمانوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کیا اور جوق در جوق مسلمان فرانسیسیوں سے جنگ کرنے کی غرض سے اپنے علاقوں سے نکل کھڑے ہوئے۔ حجاز مقدس سے محمد گیلانی کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک انبوہ کثیر نکل پڑا۔ جبرتی شعبان 1213ھ بمطابق 8 جنوری یا 5 فروری 1799ء کے واقعات میں لکھتا ہے: "جب مصر پر فرانسیسیوں کے حملے کی اطلاع حجاز مقدس پہنچی اور انہیں پتہ چلا کہ فرانسیسی مصری علاقوں پر قابض ہو گئے ہیں۔ تو اہل حجاز میں اضطراب پیدا ہوا۔ حرم پاک میں انہوں نے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ شیخ محمد گیلانی لوگوں کو وعظ تلقین کرنے لگے۔ انہیں جہاد کی دعوت دینے لگے اور انہیں حق اور دین کی مدد کی ترغیب دینے لگے۔ تمام لوگوں نے ان کی اس نصیحت کو قبول کیا۔ اپنا مال اور اپنی جان قربان کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور تقریباً چھ سو مجاہدین اکٹھے ہو کر بحری راستے کے ذریعے چل پڑے تاکہ کم سے کم مدت میں اہل ینبع اور اس کے مضافات کے مسلمانوں سے مل کر صلیبیوں کے خلاف جنگ کریں۔ حجاز کے مسلمان جرنل "دیذیہ" کے سخت دشمن تھے جسے نپولین نے صعید پر حملہ کرنے اور مراد بیگ کی قیادت میں مصروف جہاد، جنگجوؤں پر قابو پانے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ مسلمانوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل کریں گے۔ یا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں گے یا اللہ کریم دشمن پر انہیں فتح عطا کر دے گا۔ اہل حجاز کا نعرہ یہ آیت کریمہ تھی:

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ)

"(جہاد کیلئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع ونقصان) جانتے ہو۔"

ان تمام لوگوں یعنی اہل حجاز، مصری مجاہدین، الھوارہ کے عرب، اہلیان نوبہ اور مراد بیگ کی فوجوں نے مل کر فرانسیسی حربی محاذ کے مقابلے میں ایک اسلامی حربی محاذ بنایا۔ نصرانی محاذ میں فرانس کی بری اور بحری فوجوں کے علاوہ استاد یعقوب حنا کی قیادت میں قبطی لشکر بھی شامل تھا۔(1)

لیبیا کے مہدی درناوی کا فرانس کے خلاف اعلان جنگ

اسلامی غیرت اور دینی حمیت نے مہدی درناوی کو آمادہ پیکار کر دیا۔ وہ نتائج وعواقب کی پرواہ کیے بغیر مشرقی لیبیا کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دینے لگا۔ اولاد علی اور ہنادی وغیرہ قبائل فوج در فوج اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ یہ اسلامی لشکر جس علاقے سے گزرتا وہاں کے باسی اس میں شریک ہو جاتے۔ مہدی اس فوج کو لے کر روانہ ہوا حتیٰ کہ 1214ھ بمطابق اپریل 1799ء کو دمنہور پہنچا۔ اس مقام پر فرانسیسی فوج پڑاؤ کیے ہوئے تھی۔ مہدی نے حملہ کر کے بغیر کسی زیادہ مزاحمت کے دشمن کو تباہ کر دیا۔ فرانسیسیوں پر مہدی کی اس فتح کا چرچا پوری اسلامی دنیا میں ہونے لگا۔ اس چیز نے اسکندریہ کے فوجی فرانسیسی حاکم جرنل "مارمون" کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مہدی کا تعاقب کرنے کیلئے توپ خانہ سے لیس کمک روانہ کرے۔ لیکن فرانس کے اس لشکر کو بھی مہدی کے مقابلے میں بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فرانس نے رشید سے مزید فوج روانہ کی۔ دونوں فوجوں کے درمیان "سنہور" کا مشہور معرکہ ہوا۔ یہ سخت ترین معرکہ تھا جس کا فرانسیسیوں نے مصر میں سامنا کیا۔ سات گھنٹے تک لڑائی جاری رہی۔ بالآخر اس معرکہ میں بھی مہدی کو فتح حاصل ہوئی اور فرانس کی فوج رحمانیہ کی طرف پسپا ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ مہدی درناوی نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ایک مورخ اس کے بارے ان الفاظ میں تجزیہ کرتا ہے۔

"نپولین نے فرانسیسیوں اور مسلم قوم کے درمیان دینی فرق کی اہمیت کا اعتراف کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا: کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ درحقیقت فرانس کو نیست ونابود کرنے کی جنگ ہے۔ اس قوم پر غلبہ پانا ناممکن ہے۔" ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ مصری نپولین کے بارے کہتے تھے کہ وہ نصرانی ہے اور ایک نصرانی باپ کا بیٹا ہے۔"(2)

اپنائیت پیدا کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود مصریوں نے فرانس کے ان حملہ آوروں کو بالکل قبول نہ کیا۔ جبرتی مصر پر فرانس کے قبضہ کے عرصہ کے بارے بات کرتے ہوئے ان احساسات کو خوب بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ سال عظیم معرکوں، بڑے بڑے حوادث، روح فرسا واقعات اور حوصلہ شکن مصائب کے سال تھے۔ ان سالوں میں فتنہ وفساد حد سے بڑھ گیا۔ ہلاکتوں کا دور دورہ تھا۔ مشکلات آئے روز بڑھتی گئیں۔ حالات دگرگوں ہوتے گئے۔ طرح طرح کی باتیں سامنے آئیں۔ عجیب وغریب موضوعات پر باتیں ہونے لگیں۔ آئے روز نئے نئے خطرات جنم لینے لگے۔ حالات تبدیل ہوتے

1۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ: (39/2)　2۔ عجائب الآثار (1/3)

گئے تو تدبیریں ناکام ہوتی گئیں۔ ہر دن خرابی کا دن ٹھہرا اور تنزل و انحطاط کے طرح طرح کے اسباب پیدا ہونے لگے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (ہود)

''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں''۔

پروفیسر ڈاکٹر شناوی نے ان تمام حقائق کا ذکر کیا ہے جو مصر پر فرانسیسی حملہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

1. مصری قوم جو علماء ازہر کی قیادت میں فرانسیسیوں سے برسرپیکار تھی جانتی تھی کہ فرانس کا یہ حملہ ایک صلیبی حملہ ہے۔ جس کا ٹارگٹ مصریوں کا دین اور خلافت اسلامیہ ہے۔
2. جس تحریک کو قاہرہ کی پہلی بغاوت اور دوسری بغاوت کا نام دیا جاتا ہے درحقیقت ایک جہادی تحریک تھی جس کا ہدف مصر سے فرانس کے تسلط کو ختم کرنا اور مصر کو دوبارہ اسلامی عثمانی خلافت کے دائرے میں واپس لانا تھا۔
3. عثمانی اور مملوکی دونوں مسلمان تھے۔ مصر پر جب مملوکیوں کی حکومت تھی اس وقت بھی یہاں مسلمان عثمانی سلطان کے نام سے حکومت ہوتی تھی۔
4. عرب صوبوں کے باسی عثمانی فرمانروا کو مسلمانوں کا فرمانروا ہی یقین کرتے تھے۔ بلکہ وہ اسے خلیفۃ المسلمین کا درجہ دیتے تھے۔(1)

انگریز اور مصر میں ان کے مقاصد

برطانیہ مصر اور دوسرے علاقوں میں فرانسیسی مقاصد کو پوری طرح بھانپ چکا تھا۔ جب فرانسیسیوں نے پیش قدمی کی اور مصر پہنچے تو برطانیہ نے امیرال نیلسن کی قیادت میں اپنا بحری بیڑا روانہ کیا اور فرانسیسی مہم کا تعاقب کرنے لگا۔ نیلسن فرانسیسی بحری بیڑے کے سر پر اچانک آ پہنچا۔ جب کہ وہ اسکندریہ میں فوجوں کو اتار کر بڑے آرام سے خلیج ابوقیر میں چوکڑی مارے بیٹھا تھا۔ برطانیہ بحریہ فرانسیسی بحریہ سے گتھم گتھا ہوگئی۔ حتیٰ کہ یکم اگست 1718ء کو فرانسیسی بحری بیڑا غرق آب ہوا۔ اس معرکہ کے نتائج نہایت خطرناک تھے۔ ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

1. فرانسیسی بحریہ کو بے انداز نقصان ہوا اور اس کے دوبارہ اٹھنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے۔ سمندر پر ہر طرف انگریزوں کا تسلط ہوگیا۔
2. انگریزوں نے بحر متوسط کے مصری ساحلوں کا سختی سے محاصرہ کرلیا حتیٰ کہ فرانس کے لیے مصر میں اپنی آرمی کو کمک پہنچانا ناممکن بن گیا۔
3. مصر میں موجود فرانسیسیوں کو مجبوراً کلی طور پر اپنے شئون کی تدبیر اور اپنی ضروریات کی فراہمی کیلئے اسی علاقہ کی ذرائع آمدنی پر انحصار کرنا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ نپولین نے ''اسلامی علاقائی سیاست'' کی پالیسی اختیار کی۔ جس کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ اسباب زیست کو فرانسیسیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے اور مصریوں کو مختلف طریقوں سے غیرملکی

1۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیہا (943/2)

حکومت کو قبول کرنے پر رضامند کیا جائے۔ فرانسیسی سیاست نے تین امور کا سہارا لیا۔

1. بظاہر دین اسلام کا احترام اور مصریوں کے رسم و رواج کی پابندی۔
2. مصریوں کو خلافت عثمانیہ کی گود سے نکالنے کی کوشش۔
3. مصری دانشوروں اور فضلاء پر مشتمل ایک علاقائی حکومت کا قیام۔ (1)

لیکن یہ پالیسی بری طرح ناکام ہوگئی اور نپولین اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوا اور اس کی دلیل وہ سخت اسلامی مزاحمت ہے جو مسلسل جاری رہی اور اس کی فوج جہاں گئی وہاں اسے اس مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جیسے دلتا اور صعید وغیرہ۔ اسی طرح قاہرہ کے اندر مسلمانوں کی بغاوت (یعنی جہاد کی پہلی تحریک)۔ نپولین جنگ شروع ہونے کے وقت قاہرہ سے باہر تھا۔ جنگ شروع ہوئی تو وہ فوراً قاہرہ پہنچا اور توپوں کو المقطم کی پہاڑیوں پر نصب کروا دیا تا کہ قلعہ پر نصب توپوں کی الازھر محلہ پر گولہ باری میں مدد کی جا سکے جو تحریک جہاد کا مرکز تھا۔ چنانچہ یوں یہ محلہ آگ کے بلند شعلوں میں گھر گیا اور جل کر خاکستر ہو گیا۔

جبرتی کے بیان سے یہ بات سامنے آتی ہے اور خود فرانسیسیوں کے بیان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ بغاوت کے دوسرے دن یعنی بائیس اکتوبر کو جن باغیوں (یعنی مجاہدین) نے فرانسیسی قیادت کے ٹھکانے پر حملہ شروع کیا یعنی محلہ ازبکیہ میں جوان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ تو فرانسیسی آرمی نے جامع الازھر پر دھاوا بول دیا۔ چنانچہ وہ لوگ جامع الازھر میں داخل ہو گئے۔ گھوڑوں پر سوار فرانسیسی فوجی دینی کتابوں اور قرآن کریم کے نسخوں کو پاؤں سے ٹھوکریں مارتے اور انہیں ادھر ادھر پھینکتے ہوئے قیمتی املاک کو نقصان پہنچانے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مشائخ کا ایک وفد نپولین کے پاس جا پہنچا۔ اور درخواست کی کہ یونیورسٹی کو فوج کے انخلاء کا حکم دیا جائے۔ یہ اس بغاوت کا آخری دن تھا۔ کیونکہ یہ بغاوت تین دن (21 سے 23 اکتوبر 1798ء) تک جاری رہی تھی۔ فرانسیسیوں نے قاہرہ اور اردگرد کے علاقے میں رہنے والے مسلمانوں سے سخت ترین انتقام لیا۔ الازھر محلہ کے گھروں کو لوٹ لیا۔ دائیں بائیں کے دوسرے محلوں میں بھی کچھ نہ چھوڑا۔ ان علماء کو شہید کر دیا جنہوں نے بغاوت کی قیادت کی تھی اور ان کی املاک کو ضبط کر لیا۔ قاہرہ اور اس کے مضافات میں جتنے قلعے، مورچے اور گڑھیاں تھیں سب کو اپنے محاصرے میں لے لیا اور بہت سے گھروں اور محلات کو گرا کر پیوند خاک کر دیا۔ (2)

عثمانی اور ان کی ملکی سیاست

ابو قیر کی بحری جنگ میں فرانسیسی بحری بیڑے کی شکست نے باب عالی کو مصر پر فرانسیسی حملے کا سامنا کرنے کا حوصلہ دے دیا اور اس نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ فرانسیسی سفارتکاروں اور دولت عثمانیہ کے دارالحکومت میں کام کرنے والے تمام فرانسیسی منصب داروں کو قید کرنے کے احکامات جاری کر دیے۔ عثمانی وزارت خارجہ نے فوراً ایک طرف برطانیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور دوسری طرف روس سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور بالآخر 25 دسمبر 1798ء کو روس اور ترکی کے درمیان جبکہ 5 جنوری 1799ء کو ترکی اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ عثمانیوں نے فرانس کے

1۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 209 2۔ عجائب الآثار (18/3)

بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کیلئے شام میں جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر نپولین نے فیصلہ کیا کہ اس سے قبل کہ ترکی حملہ آور ہو فرانس کی فوجوں کو حملہ کر دینا چاہیے۔ سو فروری 1799ء میں اس نے شام کے علاقوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان علاقوں میں جنگ کیلئے مجتمع ہونے والی عثمانی فوجوں پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب رہا۔ لیکن احمد پاشا جزار کی فوجوں کو پامال کرنے میں ناکام رہا۔ کیونکہ وہ عکا پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ جب فرانسیسی فوج مصر واپس پہنچی تو اس کے بعد نپولین کو ابو قیر کے بری حملہ میں 25 جولائی 1799ء کو فتح حاصل ہوئی اور اس طرح وہ مصر سے روڈس تک راستہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس جنگ کے اہم ترین نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نپولین نے عثمانی سپہ سالار مصطفیٰ پاشا (جو گرفتار ہو گیا تھا) سے بڑی اہم معلومات حاصل کر لیں۔ مصطفیٰ کی زبانی نپولین کو معلوم ہوا کہ یورپ میں فرانس کے خلاف ایک عام جنگ چھڑ گئی ہے۔ سو نپولین نے چپکے سے مصر کو چھوڑا اور اپنی جگہ جرنل کلیبر کو مصر پر حملہ آور فوج کی باگ ڈور دے کر واپس فرانس چلا گیا۔(1)

نپولین کے جانے کے بعد کلیبر نے تمام امور اپنے ہاتھ میں لے لئے اور بڑی کامیابی کے ساتھ فتح کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اس نے حکومت کی تنظیم نو کی۔ ملک مصر کو آٹھ انتظامی اقالیم میں تقسیم کیا۔ اور ان کمپارٹمنٹ کو جو نپولین نے بنائے تھے۔ ان صوبوں میں باقی رکھا۔ کلیبر نے ٹیکسز کی وصولیاتی کے امور کو منظم کیا۔ مختلف ڈائریکٹریس کے حسابات کو منضبط کرنے کی طرف توجہ دی۔ اس کے علاوہ تمام ٹیکسز برانچز کی طرف بھی خصوصی توجہ دی اور صعید میں اپنے فوجی پڑاؤ اور جنگی کارروائیوں کو منضبط کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ لیکن فرانس کی طرف واپس ہونے کے مطالبات اور سخت دباؤ کا کلیبر پر بڑا اثر ہوا اور اس نے فوراً صدر اعظم کو ایک خط لکھا اور اس بات کا اظہار کیا کہ فرانس قطعاً مصر کو ترکی سے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ یہ خط 17 ستمبر 1799ء کو لکھا گیا۔ فرانس نے اس خط میں ان تمام اسباب کا ذکر کیا۔ جن کی وجہ سے اس نے مصر پر حملہ کیا۔ بقول فرانس کے انگریزوں پر رعب ڈالنے۔ ہند میں ان کی پوزیشن کو کمزور کرنے اور فرانس کے ساتھ صلح کے مطالبے کو ماننے پر انہیں مائل کرنے کیلئے حملہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ حملہ ان اذیتوں کا انتقام تھا جس کا مملوکیوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں کو سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور اس کا ایک اہم مقصد بیگوں کے تسلط سے خلاصی دیکر مصر کو ترکی کے زیر نگیں کرنا تھا۔

پھر کلیبر نے صدر اعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ فرانسیسیوں کے مصر سے انخلاء کے بارے مذاکرات کا دروازہ کھولے(2)۔ آخر العریش کے شہر میں مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا اور 24 جنوری 1800ء کو وہ معاہدہ ہوا۔ جسے معاہدہ العریش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس معاہدہ کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1. فرانسیسیوں کا اپنے تمام اسلحے اور ساز و سامان کے ساتھ مصر سے انخلاء اور فرانس کی طرف واپسی۔
2. تین ماہ کے صلح نامے کی میعاد ضرورت پڑنے پر بڑھ سکتی ہے۔ اس مدت میں انخلاء مکمل کیا جائے گا۔

1۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 211 2۔ ایضاً

③ باب عالی یا اس کے حلیفوں یعنی انگریزوں اور روس جوترکی کے علاقہ میں ہیں کی طرف سے اس بات کی یقین دہانی کہ فرانسیسی آرمی کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا۔

برطانوی حکومت کو جب عریش کے مذاکرات کی اطلاع پہنچی تو اس نے ان مذاکرات اور اس کے نتیجے میں ہونے والے معاہدہ سے عدم اتفاق کا موقف اپنایا۔ کیونکہ برطانیہ کو اندیشہ تھا کہ مصر کا محاصرہ کرنے والی فرانسیسی فوجیں انخلاء کے بعد یورپ کے اندر جاری لڑائی میں شریک ہونگی اور فرانسیسی فوج کی طاقت میں اضافہ کر کے براعظم یورپ میں قوت کے توازن کو بگاڑ دیں گی۔ فرانسیسی آفیسرز اور فوجیوں کے خط جو انہوں نے فرانس میں اپنے دوستوں کے نام تحریر کئے اور یہ خطوط برطانوی آرمی کے ہاتھ لگ گئے۔ ان سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ فرانسیسی مہم مصر میں بڑی سست روی سے جاری رہے گی۔ لندن حکومت چاہتی تھی کہ فرانسیسی فوج مصر میں رہے یا اپنے آپ کو جنگی قیدی کی حیثیت سے برطانیہ کے حوالے کر دے۔ اس لئے 15 دسمبر 1799ء کو لارڈ کیتھ جو بحر متوسط میں برطانوی بحریہ کے کمانڈر انچیف تھے کو صراحتاً یہ احکامات جاری کر دیے گئے کہ وہ اس معاہدہ کو قبول کرنے سے انکار کریں اور جب تک فرانسیسی آرمی اپنے آپ کو ایک جنگی قیدی کے طور پر پیش نہیں کرتی انخلاء سے اتفاق نہ کریں۔ کیتھ نے اسی مضمون کا ایک خط اوائل مارچ 1800ء میں کلیبر کے نام لکھا۔

اس اچانک تبدیلی کے باعث کلیبر مجبور ہو گیا کہ وہ العریش کے معاہدہ پر عمل روک دے اور انخلاء کی کوئی کاروائی نہ کرے۔ 20 مارچ 1800ء کی صبح کو کلیبر اپنی آرمی کو لے کر فوراً روانہ ہوا تا کہ عثمانی فوجوں کا راستہ روکے جن کی ایڈوانس پارٹی مطریہ پہنچ چکی تھی جو قاہرہ سے صرف دو گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ الغرض دونوں فوجوں کے درمیان ''عین شمس'' کے مقام پر ایک جنگ ہوئی جس کا پھیلاؤ عین الشمس سے صالحتہ تک تھا۔ فرانسیسیوں نے عثمانیوں کو بہت بری طرح شکست دی۔ ہلیو پولس کے معرکہ کے دوران صدر اعظم کی سپاہ کا ایک دستہ اور ممالیک کے کچھ لوگ چپکے سے قاہرہ میں داخل ہو گئے اور شہر کی آبادی کو فرانسیسیوں کے خلاف آمادہ بغاوت کر دیا۔ قاہرہ میں برپا ہونے والی یہ دوسری بغاوت تقریباً ایک ماہ 20 مارچ سے 20 اپریل 1800ء تک جاری رہی۔ (1)

کلیبر اس بغاوت کو کچلنے میں ناکام رہا حتیٰ کہ اس نے سختی برتی۔ قاہرہ پر ہر طرف سے سخت گولہ باری کی۔ بولاق محلے پر بے شمار گولے داغے۔ جو اس بغاوت کا مرکز تھا۔ ایک ایک گھر آگ کے شعلوں میں لپٹا دکھائی دینے لگا۔ سرکاری عمارتوں اور دکانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ بولاق کے باسیوں کیلئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ دوسرے محلے والے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ الازہر شریف کے بزرگ علماء نے کلیبر سے ملاقات کی اور اس سے عام معافی کے اعلان کیلئے درخواست کی۔ کلیبر نے بظاہر عام معافی کا اعلان کر دیا۔ لیکن غداری کی اور جونہی بغاوت فرو ہوئی تو مسلمانوں سے انتہائی خوفناک قسم کا انتقام لیا۔ کئی لوگوں کو عدم کی نیند سلا دیا۔ کئی علماء اور شہریوں پر بہت بھاری جرمانے کیے۔ بلکہ قاہرہ کی تمام آبادی پر جرمانہ عائد کر دیا۔ اور کسی شخص کو بھی اس سلسلے میں مطلقاً معاف نہ کیا گیا۔ کلیبر نے استاد یعقوب مصری کو کھلی چھٹی

1۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث: ص 214

دے دی کہ وہ جس طرح چاہے قاہرہ کے لوگوں سے سلوک کرے۔(1)

کہا جاتا ہے کہ قبطیوں کے بشپ نے یعقوب کے اقدامات سے قطعاً اتفاق نہ کیا۔ اس نے بار ہا نصیحت کی کہ وہ اپنی اس پالیسی سے باز آ جائے۔ لیکن یعقوب نے اس کی باتوں سے الٹا اثر لیا۔ وہ کلیسا میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر داخل ہو جاتا تھا اور اس کے پاس اسلحہ بھی ہوتا تھا۔ وہ بشپ کی باتوں پر عمل کرنے کی بجائے فرانسیسیوں کی مدد و اعانت پر پہلے سے زیادہ آمادہ ہو جاتا تھا۔(2)

قاہرہ کی بغاوت کو فرو ہوئے ابھی صرف دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ کلیبر الازہر شریف کے ایک شامی طالب علم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ سلیمان چلپی نامی اس طالب علم نے اس کے پیٹ میں ایک زہر آلود خنجر اتار دیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ یہ بات یقینی تھی کہ کلیبر کے قتل میں عثمانی اداروں کا ہاتھ ہے۔ 17 جون کلیبر کی نعش کو الوداع کرنے کیلئے فرانسیسی آرمی نے ایک بہت بڑے جلوس کا اہتمام کیا۔ کلیبر کی تدفین کے فوراً بعد سلیمان چلپی کو قتل کر دیا گیا۔ چونکہ جرنل مینو عمر میں سب سے بڑا تھا۔ اس لئے فرانسیسی حملے کا اسے چیف مقرر کیا گیا(3)۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو چاہتے تھے کہ مصر کو اپنا وطن بنا لیں اور کسی صورت یہاں سے واپس نہ جائیں۔ لیکن برطانیہ اور ترکی کے مشترک حملوں کی وجہ سے داخلی اور خارجی طور پر اس پر دباؤ بڑھتا چلا گیا کہ وہ مصر سے اپنی فوجوں کا انکال لے جائے۔ مجبوراً فرانس کی ان قابض فوجوں کو مصر سے نکلنا پڑا۔ اس انخلاء میں بہت سے عوامل کارفرما تھے۔ ان میں سے ایک سبب تو یہ تھا کہ ابوقیر کے بحری معرکہ میں فرانسیسی بحریہ کو شرمناک شکست ہوئی اور ان کی بحریہ تباہ ہو گئی۔ نتیجتاً بحر متوسط پر انگریزی بحریہ کا تسلط قائم ہو گیا اور انہوں نے مصری ساحلوں پر محاصرہ سخت کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ فرانسیسی حکومت مصر میں اپنی آرمی کو کمک اور امداد دینے سے عاجز آ گئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ دولت عثمانیہ نے فرانس کے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر لیا اور نتیجتاً مصر پر حملہ آور فوجوں کی صفوں میں انتشار و افتراق پیدا ہو گیا۔ اس تقسیم کے آثار پہلی بار اس وقت سامنے آئے۔ جب بوناپارٹ (نپولین) کے لشکر نے اسکندریہ سے قاہرہ کی طرف بڑی مشکل سے سفر کیا۔ پھر بوناپارٹ کے جانے کے بعد اس کا معاملہ اور سنگین صورت اختیار کر گیا۔ بالخصوص کلیبر کے قتل کے بعد جب کہ اس مہم کی باگ ڈور مینو کے ہاتھ آئی۔ مصر کی مسلمان قوم کا فرانسیسی قبضہ کے خلاف جہاد ایک اور اہم ترین عامل ہے جس کی بدولت فرانسیسیوں کو یہاں سے انخلاء کے بارے سوچنا پڑا۔ صلیبیوں کے خلاف قاہرہ میں پہلی اور دوسری بغاوت، دلتا میں جہادی سرگرمیاں اور صعید میں سخت مزاحمت جہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور بلاشبہ ان جہادی کاروائیوں کا فرانسیسی ارکان دولت کے دل و دماغ پر کافی اثر ہوا اور یہ لوگ اپنے اہداف کو حاصل کرنے سے عاجز آ گئے۔ ان کی امیدیں بر نہ آ سکیں۔ ان کے مقاصد پورے نہ ہوئے اور ان کا یہ خواب کہ مصر کی سرزمین کو وہ اپنی شہنشاہیت کا دارالحکومت بنائیں گے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔(4)

1۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث: ص215،214
2۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص89
3۔ عجائب الآثار: (30/3)
4۔ الحملۃ الفرنسیۃ وخروج الصلیبین من مصر: ص188

فرانسیسی حملے کا اثر امت مسلمہ پر

اس حملے کے اثرات بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ یہ حملہ امت کی اندرونی شکست کا ایک اہم سبب قرار پایا۔ پروفیسر محمد قطب نے ان اثرات کی خوب تصویر کشی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''پھر امبابہ میں نپولین کے ہاتھوں ممالیک کو جو حربی شکست ہوئی۔ یہ اندرونی شکست دلوں کے اندر موجود عقیدہ کی شکست کا اعلان تھا۔ مسلمان نپولین کی توپوں سے ڈر گئے اور ممالیک کی تلواریں انہیں ان توپوں کے سامنے لغو اور ناکارہ نظر آئیں۔ جن کو وہ نہیں جانتے تھے یا جن کی موجودگی کا تصور وہ صرف اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کر سکتے تھے۔ انہیں پہلی بار اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ دونوں فوجوں میں طاقت کے توازن کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ مسلمان فوجوں کو اپنی صلاحیت کے حوالے سے شکست ہوئی تھی اور صلیبی لشکر اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر غالب آئے تھے۔ کیونکہ صلیبی فوجیں حقیقی طاقت کی مالک تھیں۔ ان کے پاس وہ سامان جنگ، جنگی تجربہ اور مہارت تھی جس کا مسلمانوں کے ہاں کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ممکن تھا کہ مسلمانوں کا اندرونی توازن نہ بگڑتا۔ یہ ممکن تھا کہ مسلمان اس شکست کو برداشت کر لیتے اور وہ پھر اپنی قوت مجتمع کر لیتے۔ جیسا کہ پہلے کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ لیکن اس دور میں مسلمانوں کا عقیدہ اتنا پختہ نہیں رہا تھا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت کرتے اور ایک بار پھر اپنی قوت کو مجتمع کر کے دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان قوم نے فرانسیسی حملے کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ قاہرہ علمائے اسلام کی قیادت میں دشمن کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ علماء کی روحانی قوت کے زیر اثر لوگوں نے حیران کن قربانیاں دیں اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ سچ ہے یہ سب کچھ ہوا لیکن یہ کاروائیاں اور قربانیاں انفرادی نوعیت کی تھیں۔ لیکن ایک سچی مسلمان مملکت کا وجود ختم ہو کر رہ گیا تھا جو خود لڑتی، جنگجوؤں کو منظم کرتی، لشکروں کو صف آرا کرتی اور ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے فریضہ جہاد ادا کرتی۔ معرکہ امبابہ میں مسلم قوم برف کی طرح پگھل گئی اور اس کا وجود مٹ گیا۔

مسلمانوں نے اس حقیقی ہزیمت کو پہلی بار محسوس کیا کہ وہ واقعی جنگی ہزیمت ہے۔ مصر میں اپنے قیام کے دوران نپولین نے غیر شرعی قانون کا نفاذ کیا اور مسلمانوں کو اس قانون کی پاسداری کا پابند بنایا۔ یہ ایسا قانون تھا جو فرانسیسی قوانین سے حاصل کیا گیا تھا۔ اور اسلامی قانون کو صرف شخصی امور تک محدود کر دیا گیا تھا۔ جیسے شادی بیاہ، طلاق اور میراث۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ان پر ایک ایسا قانون مسلط کیا گیا جو شریعت اسلامی کیخلاف تھا۔ یہ قانون مسلمانوں کو ذلیل کرتا تھا اور اس کا نفاذ غیر مسلم قوم کرتی تھی۔ اس سے پہلے کئی بار ایسا ہوا کہ صلیبی اسلامی علاقوں میں داخل ہوئے اور بعض علاقوں میں کافی عرصہ تک قابض بھی رہے۔ بلکہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے بحر ابیض کے ساحلی علاقوں میں شام کے اندر اپنی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بھی قائم کیں۔ لیکن انہیں کبھی بھی یہ جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کوئی قانون وضع کریں اور اس کا نفاذ مسلمانوں پر کریں۔ اس سے پہلے ان کی حیثیت صرف ایسے حملہ آوروں کی رہی جو مسلمانوں کی سرزمین کے کسی ٹکڑے پر قابض ہوئے، لوٹ مار کی اور بس۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی علاقے پر حکومت کریں اور اپنا قانون نافذ کریں۔ اب کی بار صلیبی ایک حاکم قوم کی حیثیت سے مسلم علاقوں میں داخل ہوئے۔ انہیں میدان

جنگ میں کچلا اوران پر اپنا قانون مسلط کر کے انہیں اس قانون کی پابندی پر مجبور کیا۔
یہ حقیقی شکست، عقیدے کی شکست کی ابتدا تھی ۔ یہ عالم واقعہ میں ان کی پسپائی تھی ۔ اس وجہ سے یہ ان کے اندر کی پسپائی تھی ۔ اس ظاہری شکست اور اس اندرونی شکست کے سائے میں وہ غلبہ جو فرانسیسی حملہ نے مصریوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ اولاً جنگی ہتھیاروں کی طاقت کا پیدا کردہ غلبہ تھا۔ مغربی علم کا غلبہ تھا جس کو حملہ کے ساتھ آنے والے مندوبین لیکر آئے تھے۔ چھاپہ خانہ کا غلبہ تھا جس کو نپولین نے مصر میں رواج دیا۔ تنظیمات کا غلبہ تھا جن کی یہاں تشکیل ہوئی اور صرف ایک حملہ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ مغرب سے آنے والی ہر چیز کا غلبہ تھا اور مسلمانوں کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا۔
یہ حقیقی اور مکمل شکست اس سب کچھ کی تمہید تھی جو سامراجی اور صلیبی قوموں نے یہاں کیا۔ یعنی مسلمانوں کی زندگی کی بد ترین شکست و ریخت، ان کے افکار ونظریات، ان کے جذبات واحساسات اور ان کے انداز حیات اور اسلوب زیست کی بربادی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس حملے کی وجہ سے اندر سے جو شکست ہو چکی تھی ۔ اس کے ہوتے ہوئے فرانس کا مصر سے انخلاء اور پسپائی عالم واقعہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ (1)
فرانسیسی حملے کے اثرات مصر پر خصوصاً اور مشرق پر عموماً بہت نمایاں تھے۔ انشاء اللہ آنے والے صفحات میں اس بارے تفصیلی معلومات پیش کی جائیں گی۔ کیسے ماسونی یہودی فرانسیسی مجالس نے اپنے زہر آلود خنجر سے اسلام کو زخمی کر کے اپنے لئے راہ ہموار کی۔ کیسے فرانسیسیوں نے اپنے نظریات کی اشاعت میں کامیابی حاصل کی۔ اس علاقے میں انہیں بعض ایسے افراد مل گئے جنہوں نے بطور ایجنٹ ان کے لیے کام کیا۔ ان کے عسکری انخلاء کے بعد محمد علی پاشا نے مصر کے اندر جو خطرناک کردار ادا کیا انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مصر پر یہ حملہ اور انخلاء سلطان سلیم ثالث کے دور میں ہوا۔ اور اسی دور میں محمد علی پاشا کی شخصیت سامنے آئی جسے سلطان سلیم نے اس لئے معزول کر دیا تھا کہ اس نے فرنگی اصول وضوابط کو اسلامی سپاہ میں رواج دینے کی کوشش کی۔ اس نے جدید جنگی ٹیکنالوجی سے استفادہ کی کوشش کی۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ کے نظریات میں خطرناک حد تک تبدیلی آئی اور یہ چیز اس فتویٰ میں بھی مذکور ہے جو مفتی عسا کر نے صادر فرمایا تھا۔ انہوں نے محمد علی کے بارے لکھا تھا (ہر سلطان جو فرنگی نظاموں اور اصولوں کو اپناتا ہے اور رعایا کو انکی پابندی پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فرمانروائی کے قابل نہیں ہے) (2) لیکن یہ معاملہ پھر بھی ابہامات سے گھرا رہتا ہے۔
بلکہ سلطان سلیم ثالث کی تاریخ کا مطالعہ ہم پر یہ بات عیاں کرتا ہے کہ وہ فریضہ جہاد کو زندہ کرنے کے بڑے خواہش مند تھے۔ جیسا کہ ان کے آباؤ اجداد میں یہ احساس زندہ تھا۔ کیا یہی چیز اس سازش کا سبب بنی؟ جس کے ذریعے جمادی الاولی 1223ھ بمطابق 28 جون 1808ء میں ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ (3)

1۔ ھل نحن مسلمون: ص 115-118

2۔ جدید ٹیکنالوجی سے صرف نظر کرنا ہی تو اصل غلطی تھی۔ جس کا خمیازہ آج تک امت مسلمہ بھگت رہی ہے۔ مفتی کا یہ فتویٰ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ امت مسلمہ ایک عرصہ سے جمود کا شکار ہو چکی تھی۔ علم وفن میں شکست نتیجہ تھی میدان جنگ میں شرمناک شکست کا (مترجم)

3۔ الدولۃ العثمانیۃ ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 91

آٹھویں بحث

سلطان محمود ثانی

1223ھ تا 1255ھ بمطابق 1808ء تا 1839ء

سلطان محمود ثانی 24 سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ سلطان سلیم ثالث کے ساتھ اپنی جبری اقامت کے دوران خوب استفادہ کیا۔ یہاں اسے سلیم ثالث کے اصلاحی خطوط کو سمجھنے کا موقع ملا۔ لیکن اس نئے سلطان نے ابتدا میں انکشاریہ کی خواہشات کے سامنے جھک جانے کی پالیسی اپنائی۔ اور حکم دیا کہ تمام اصلاحات کو ختم کر دیا جائے۔ اس طرح وہ چاہتے تھے کہ انکشاریہ وقتی طور پر راضی ہو جائے تاکہ مناسب وقت پر اصلاحی خطوط کی تنفیذ اور تطبیق کا کام کیا جا سکے۔ محمود نے بہت صبر کیا اور اس مناسب وقت کا انتظار کرتا رہا جس میں انکشاریہ سے گلو خلاصی کرے جنہوں نے دولت عثمانیہ کے وجود کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن کئی سالوں تک اس کے ہاتھ مناسب موقعہ نہ آیا۔ کیونکہ ان کا عہد حکومت جنگ و جدل اور اہم انقلابات سے بھرا ہوا تھا اور اسکی تمام قوتیں اور کوششیں اسی سلسلہ میں صرف ہوتی رہیں۔(1)

روس کے ساتھ جنگ

1224ھ بمطابق 1809ء میں سلطان محمود ثانی نے انگلستان کے ساتھ معاہدہ کیا اور اسی طرح کا معاہدہ روس کے ساتھ کرنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن ان کی یہ کوشش ناکام رہی اور روس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں عثمانیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ روس کئی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ صدر اعظم ضیاء یوسف پاشا کو سلطان نے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ احمد پاشا کو صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا۔ جس نے روس کو شکست دی اور ان تمام علاقوں سے اس کو نکال باہر کیا جن میں اس کی فوج داخل ہو گئی تھی۔ روس اور فرانس کے تعلقات خراب ہو گئے۔ قریب تھا کہ ان میں بھی جنگ چھڑ جاتی کہ روس نے دولت عثمانیہ سے صلح کا مطالبہ کیا۔ 1237ء بمطابق 1812ء میں دونوں کے درمیان بخارست کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے افلاق بغدان اور سربیا کے علاقے کو دولت عثمانیہ کے زیر نگیں رہنے دیا گیا۔ اس صلح نے سلطان محمود کو اس قابل بنا دیا کہ وہ کچھ اصلاحات کریں اور ملک کے اندر اٹھنے والی بغاوتوں اور حکومت مخالف تحریکوں کا قلع قمع کریں۔(2)

سربیا والوں کو جب بخارست کے معاہدہ کا علم ہوا جس کے مطابق انہیں دوبارہ دولت عثمانیہ کے زیر نگیں کر دیا گیا تھا تو انہوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن عثمانی فوجوں نے انہیں سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ اس تحریک کے سرغنے آسٹریا کی طرف بھاگ گئے۔ ان میں سے ایک باغی سردار جس کا نام تھیوڈور فلش تھا نے عثمانیوں سے دوستی کا اظہار کیا۔ عثمانی حکومت کو تسلیم کر لیا اور حکومت کی طرف سے خصوصی مراعات سے نوازا گیا۔(3)

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 127-128

2۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: اسماعیل سرھنک: (ص 226-228)

3۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 128

انکشاریہ کا خاتمہ

انکشاریہ کی فطرت میں فساد تھا۔ ان کے اخلاق بگڑ گئے تھے۔ ان کے ارادے تبدیل ہو گئے تھے۔ یہ لوگ ملک اور قوم کیلئے ہر مصیبت کا منبع اور سرچشمہ بن گئے تھے۔ انہوں نے امور سیاست میں مداخلت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان کے دلوں میں اقتدار کی ہوس پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ لذتوں میں منہمک ہو گئے۔ محرمات کا کھلم کھلا ارتکاب کرنے لگے۔ لوٹ مار ان کا وطیرہ ہو گیا تھا۔ جب بھی کسی علاقہ پر حملہ کرتے تو لوگوں کو لوٹ لیتے اور وہ مقصد جس کیلئے ان کی تشکیل دی گئی تھی وہ بھول گئے تھے۔ شراب خوری کی لعنت میں بری طرح گرفتار ہو چکے تھے۔ ترک شریعت اور اسلامی نظریات سے ان کی روگردانی کی وجہ سے دولت عثمانیہ کو پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے فتح و کامرانی کے حقیقی اسباب کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ عثمان ثانی کی طرح کئی فرمانرواؤں کا تختہ الٹا اور کئی کو عدم کی نیند سلایا۔ انکشاریہ نے سلطان مراد رابع کے دور میں دس سال تک ضلالت و گمراہی کے راستے پر چلتے اور اپنی سرکشی اور بغاوت میں مشغول رہتے ہوئے گزار دیئے انہیں لوگوں نے اسے اس منصب پر فائز کیا اور خود امر و نہی کے مالک بن بیٹھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے سلطان ابراہیم اول کو گلا دبا کر قتل کیا اور یوں ان سے گلو خلاصی کی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے دولت عثمانیہ کو الجھنوں میں ڈالا کیونکہ انہیں لوگوں نے اس ملک کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ ان کے ہاتھوں سلاطین کا خون ہوا اور ان کے بعد ان کے کمسن بچوں کو تخت نشین کیا۔ جیسے سلطان محمد رابع سو جب ملک زوال و انحطاط کی اس حد تک پہنچ چکا تو فرنگیوں نے ملک کے کئی حصوں پر قبضہ کر لیا اور مجبوراً صدر اعظم اور علماء نے سلطان محمد رابع کو معزول کر دیا۔

پھر یہ انکشاریہ سلطان سلیم ثانی کے عہد میں آمادہ بغاوت ہوئی۔ دشمنوں کی فوجیں دولت عثمانیہ کے بعض علاقوں پر قابض ہو گئیں۔ انکشاریہ نے ایسے میں سلاطین، مصطفیٰ ثانی، احمد ثالث اور مصطفیٰ رابع کو تخت سے اتار دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان محمود ثانی کو یہ توفیق بخشی کہ وہ ان شرپسندوں سے خلاصی کرے۔(1)

1241ھ کو سلطان نے دولت عثمانیہ کے منصب داروں اور انکشاریہ کے بڑے بڑے افسروں کو مفتی صاحب کے گھر میں اکٹھا کیا اور صدر اعظم سلیم احمد پاشا نے تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس کمزوری اور انحطاط کا ذکر کیا جو انکشاریہ میں پائی جاتی تھی اور جدید فوجی نظام کو اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ حاضرین نے اس گفتگو اور تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر مفتی صاحب نے سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی کے بارے فتویٰ صادر کیا۔ جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب نے اس تجویز سے متفق ہونے کا اعلان کیا۔ انکشاری افسروں نے بھی بظاہر اس بات سے اتفاق کیا لیکن اندر ہی اندر سے وہ اس تجویز کے مخالف رہے۔ جب ان فوجی افسروں کو محسوس ہوا کہ ان کے مفادات پر زد پڑنے والی ہے اور انہوں نے جو جرائم کیے ہیں ان کی انہیں سزا ملنے والی ہے تو وہ بغاوت کی تیاری کرنے لگے۔ عوام میں سے بھی بعض لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ آٹھ ذی القعدہ 1241ھ کو انکشاریہ نے فوجی مشقوں کے دوران لشکر کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ سلطان نے علماء کو بلایا

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 107، 108

اورانہیں باغیوں کے ارادے سے مطلع کیا۔ علماء نے سلطان کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ ان کا خاتمہ کردینا ہی بہتر ہے۔ سلطان نے توپ خانہ کو احکام جاری کردیئے تاکہ وہ ان سے جنگ کرنے کیلئے تیار رہے۔ اس دوران سلطان نے ان کے ساتھ نرمی برتی کہ کہیں ان کی شرارتوں کی آگ زیادہ نہ ہو جائے۔ 9 ذی القعدہ کی صبح کو سلطان آگے بڑھا۔ ان کے پیچھے توپ خانہ کے فوجی اور ان کے پیچھے علماء اور طلبہ تھے۔ یہ سب لوگ ''آت میدانی'' کے گراؤنڈ کی طرف بڑھے جہاں باغی جمع تھے اور شور وشغب کررہے تھے۔ کہا جاتا ہے سلطان چلا اور ان کے ساتھ شیخ الاسلام قاضی زادہ طاہر آفندی اور صدر اعظم سلیم پاشا بھی تھے اور اس باغی مجمع کے سامنے جا پہنچے جن کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی۔

اس کے بعد توپ خانے نے اس گراؤنڈ کا محاصرہ کرلیا۔ اونچی اونچی جگہوں پر توپوں کو نصب کرکے انکشاریہ پر گولے برسانے شروع کردیئے۔ ان محصور لوگوں نے توپوں پر ہلہ بولنے کی کوشش کی لیکن ان توپوں نے ان کے سروں پر یوں آگ برسائی کہ وہ موت کے خوف سے فوجی بیرکوں میں جا چھپے۔ فوجی بیرکیں بھی جل گئیں اور گرکر ان کا مدفن ثابت ہوئیں۔ فوجی بیرکوں کے علاوہ وہ عمارتیں بھی جل گئیں جن میں فوجی سامان رکھا جاتا تھا۔ یوں انکشاریہ کو مغلوب کیا گیا۔ دوسرے روز ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا جس میں انکشاریہ ان کی وردی، اصطلاحات اور پورے ملک سے ان کے نام کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا جو لوگ جان بچا کر ملک کے دوسرے علاقوں میں فرار ہو گئے تھے ان کو قتل کرنے کے بھی احکام جاری ہو گئے۔ اس کارروائی کے بعد حسین پاشا جس کا اس کام میں خاصا عمل دخل تھا' کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کردیا گیا اور اس کے بعد فوج کو جدید نظام کا پابند بنانے کا کام شروع ہو گیا۔(1)

سلطان محمود اس کارروائی کے بعد آزاد تھا۔ سو اس نے اپنی فوج کے کام کو نئے خطوط پر تشکیل دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ سو انہوں نے مغربی طرز بود و باش کی داغ بیل ڈالی۔ عمامے کی جگہ رومی ٹوپی اور ترکی لباس کی جگہ مغربی وردی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسے سرکاری لباس قرار دیتے ہوئے ہر فوجی اور سول ملازم پر لازم کردیا کہ وہ مغربی وردی اور رومی ہیٹ استعمال کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے تمغہ کی بنیاد ڈالی جسے ''تمغہ افتخار'' کہا جاتا تھا۔(2)

آپ سلاطین آل عثمان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ کام کیا۔(3)

سلطان محمود نے عمامہ کی جگہ رومی ٹوپی پہننے کا حکم دیا اور تمام فوجی گروپوں پر لازم کردیا کہ وہ یورپی لباس پہنیں۔ ان کا یہ عمل اندرونی شکست کے گہرے شعور کا پتہ دیتا ہے۔ ہم عنقریب اس کے اسباب پیش کریں گے۔ انشاءاللہ

محمد علی پاشا والی مصر

محمد علی پاشا بری شہرت کی حامل شخصیت کا مالک تھا۔ قساوت قلبی اور سختی میں بے حد مشہور تھا۔ دولت عثمانیہ نے اسے ان بستیوں کی تادیب کیلئے بھیجا تھا جو ٹیکس ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام لے رہی تھیں۔ محمد علی اور اس کی تادیبی ساتھیوں نے

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 169

2۔ المسلمون وظاہرۃ الہزیمۃ النفسیۃ: عبداللہ بن حمد ص 73

3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 169

ان دیہاتوں کے قریب پڑاؤ کیا، جو کچھ ان بستیوں سے ملا لوٹ لیا اور لوگوں کو بے حد خوفزدہ کیا۔ حتیٰ کہ یہاں کے رہنے والوں نے بہتر سمجھا کہ مطلوبہ مال دینے میں ہی بہتری ہے۔ سوانہوں نے بے دلی سے ٹیکس ادا کر دیئے۔ محمد علی جنون کی حد تک عظمت کا شائق تھا۔(1)

محمد علی روملی کی ایک جماعت کو اپنی قیادت میں لیے مصر آیا تا کہ یہاں سے فرانسیسیوں کو نکال باہر کرے۔ اس نے مکرو فریب اور اپنی ذہانت کے بل بوتے پر مصری علماء کا اعتماد حاصل کیا اور بڑی چاپلوسی، فریب اور خباثت سے ولایت مصر پر اپنے مدمقابل کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی اور بالآخر 20 ربیع الاول 1220ھ بمطابق 18 جون 1805ء میں پہلی بار مصر کا گورنر مقرر ہوا۔(2)

باوجود اس کے کہ محمد علی نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تا کہ وہ اپنے آپ کو سلطان کا فرمانبردار خادم ثابت کر سکے(3)۔ اور اس کیلئے اس نے سلطان اور اس کی مملکت کے سامنے نہایت خضوع اور تذلل پر مبنی عبارات کا اظہار کیا(4) مگر سلطان ایسی تمام عبارات کے پس منظر کو سمجھتا تھا اور اس نئے گورنر سے کسی قدر خوف محسوس کرتا تھا۔ اس لیے سلطان نے مصر کی گورنری سے اسے معزول کرنے کا حکم صادر کر دیا لیکن ایک مرتبہ پھر علماء کی مداخلت نے سلطان کو مجبور کر دیا کہ وہ دوبارہ اس کے ولایت مصر پر رہنے کے احکام صادر کرے لہٰذا 24 شعبان 221ھ بمطابق 6 نومبر 1806ء کو سلطان نے اس ضمن میں فرمان جاری کر دیا۔(5)

یہاں سے محمد علی نے اپنے شخصی مرکز کو سپورٹ دینے اور اپنی شخصی ولایت کے استحکام اور نتیجتاً اپنی نسل کے سیاسی استحکام کو سپورٹ کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ یہاں چند سوالوں کے جوابات دینا از حد ضروری ہیں۔ فرانس اور برطانیہ کے مفادات کے لئے محمد علی نے کیا کردار ادا کیا؟ سعودی خاندان کی پہلی سلطنت کو ختم کرنے کے پیچھے کونسی قوت کارفرما تھی؟ وہ کون لوگ تھے جو شام کو مصر کے ساتھ ملانے کی کوشش میں تھے؟ ہم تاریخی حقائق کی روشنی میں ان سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کریں گے۔

معروف مورخ عبدالرحمٰن جبرتی محمد علی کے بارے کہتا ہے

محمد علی دھوکہ باز اور کذاب شخص تھا۔ جھوٹی قسمیں کھاتا تھا۔ پرلے درجے کا ظالم تھا نہ اسے کسی وعدہ کی پاسداری تھی اور نہ کسی ذمہ داری کا احساس تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ بیک وقت ظلم وستم اور عدل وانصاف کے دعوؤں کو کام میں لاتا تھا لیکن اس کے عدل وانصاف کے وعدے اس کے ظلم وستم اور استبداد کو کسی صورت کم نہ کرتے تھے۔ وہ اپنے فائدے کے لئے کچھ بھی کر گزرنے سے گریز نہیں کرتا تھا(6)۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد علی میکافللی کی تصویر پیش کرتا تھا یا یہ کہ اس

1۔ واقعنا المعاصر۔ محمد قطب: ص 205
2۔ حروب محمد علی فی الشام: ڈاکٹر عایض روقی: ص 32
3۔ قراۃ جدیدۃ لسیاسۃ محمد علی پاشا التوسعیۃ۔ ڈاکٹر سلیمان الغنام ص 17
4۔ وثیقۃ ترکیۃ رقم 1/50-248 فی ربیع الاول 1230ھ۔ الریاض
5۔ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ ص 159
6۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 159

نے میکا فللی کے فکر وفلسفہ کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ (میکا فللی کا نقطہ نظر تھا کہ شخصی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جو کچھ ہو سکتا ہے کر گزرو) کہا جاتا ہے کہ ایک بار محمد علی کو بتایا گیا کہ میکافللی نامی شخص نے الامیر نامی ایک کتاب تحریر کی ہے۔ محمد علی نے اپنے ایک نصرانی حاشیہ نشین کیونکہ اس کے ہم نشینوں میں اکثریت یہود ونصاریٰ کی تھی' سے کہا کہ اس کتاب کا ترجمہ کرواور روزانہ ایک صفحہ مجھے پیش کرو۔ جب یہ مترجم جس کا نام ارتین تھا' دسویں صفحے پر پہنچا تو محمد علی نے اسے ترجمہ کرنے سے روک دیا اور کہا کہ مجھے وہ داؤ پیچ آتے ہیں جو میکافللی کے کبھی دل میں بھی نہیں کھٹکے ہوں گے۔ (1)

بعض محققین نے یہ تجزیہ کیا ہے کہ انہیں صفات کی بدولت تو وہ مصر کا گورنر بننے کا مستحق قرار پایا(2)۔ چودھراہٹ کی محبت جو حد جنون تک پہنچی ہوئی تھی' قساوت قلبی' عیش وعشرت کی دلدادگی' اسلام تعلیمات کے سلسلے میں بے پرواہی جیسی مذموم صفات ہی تھیں جن کی بدولت اس نے ماسونی مجالس کے ذریعے ایسے افراد پیدا کیے جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا اور دولت عثمانیہ کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیا۔

محمد علی اور ماسونی

ایک ایسے نوجوان کے لئے جو مصر کے بارے بہت کم معلومات اور تجربہ رکھتا ہو آسان نہیں تھا کہ وہ اس مقام تک پہنچے جہاں تک محمد علی پہنچا۔ خواہ اس میں کتنی ہی صلاحیت اور ذکاوت کیوں نہ ہو۔ الا یہ کہ کوئی طاقت اس کی پشت پناہی کر رہی ہو جو اس کے لئے پلان تیار کرے۔ اس کے اہداف کی تکمیل میں اس کی اعانت کرے اور اپنے اہداف کے لئے اس سے کام لے۔ بالخصوص ایسے میں کہ خود محمد علی پاشا نے اپنے بارے خود کہا ہے کہ ایسا شخص حکومت کے لائق ہی نہیں جس کا نہ کوئی وزیر ہو نہ امیر اور نہ ہی کوئی بڑا منصب دار۔ اس کی اس گفتگو کا مطلب چاہے کچھ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ الفاظ اس پر صادق آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس بارے کئی سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ البانوی ٹیم ہی نے بغاوت کیوں کی جس پر اس دوسرے آدمی کا قبضہ تھا۔ کسی اور جماعت نے کیوں نہیں۔ خسرو پاشا کو گورنری سے محض اس لئے کیوں الگ کر دیا گیا کہ اس نے تنخواہ دینے میں کچھ تاخیر کر دی؟ کیا وجہ تھی کہ جلاوطن حکمران کی جگہ البانیہ کی باغی فوج کے قائد طاہر پاشا کو گورنر مقرر کر دیا گیا اور پھر صرف بیس دن کے بعد اسے قتل کر دیا گیا؟ کیا وجہ تھی کہ نئے گورنر احمد پاشا کو تربیت کے صرف ایک دن بعد جلاوطن کر دیا گیا؟ محمد علی پاشا نے حصول حکمرانی میں خورشید پاشا کی مدد کی کیوں؟ اور پھر اس کے خلاف بھی ہو گیا۔ کن ذرائع سے محمد علی پاشا نے فوج کی تنخواہیں پوری کیں۔ بالخصوص اس وقت جبکہ صعید پر مملوکیوں کا قبضہ تھا؟ بہت سارے سوالات ہیں جن کے جوابات پردۂ خفا میں ہیں۔ بہت سے دلائل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ قوت جو ظاہر نہیں تھی اور پس پردہ رہ کر یہ سب کچھ کر رہی تھی ماسونی تحریک تھی جو 1798ء میں اس وقت اچانک سامنے آئی جب نپولین نے حملہ کر کے اس کے لئے راہ ہموار کر دی۔ یہ تحریک ان حملہ آور صلیبیوں کے ہاتھوں شروع ہوئی جو نپولین کے ساتھ آئے تھے۔ پھر نپولین کے چلے جانے کے بعد کلیبر اور فرانسیسی آرمی کے افسروں کی ایک جماعت نے قاہرہ میں ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جسے ''مجلس

1۔ مصرفی مطلع القرن التاسع عشر۔ ڈاکٹر محمد فؤاد شکری۔ (857/2)
2۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص160

ایزیسی'' کا نام دیا گیا۔ ماسونی افسروں نے اس کے لئے ایک خاص طریقہ وضع کیا اور یہ تھا ''ممفیسی طریقہ'' یا ''قدیم مشرقی طریقہ''(1) اس مجلس میں بعض مصری ارکان بھی شامل ہوئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ 1800ء میں کلیبر کے قتل کے بعد یہ مجلس قانونی طور پر ختم کر دی گئی اور اس کے اراکین خفیہ طریقے سے کام کرنے لگے۔

وہ پہلا منشور جو نپولین نے مصریوں میں تقسیم کیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان افکار کی فرانسیسی حملے کے یہاں پہنچتے ہی اشاعت کرنا چاہتا تھا۔ اس منشور میں یہ بات مذکور تھی۔ ''ان سے یعنی مصریوں سے کہو کہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں جو چیز ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے عقل۔ ذاتی قابلیت اور علوم۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز وجہ امتیاز نہیں۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرانسیسی حملے کی باگ ڈور شروع سے دراصل ماسونی فکر کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے بری عادات کو یہاں رواج دینے کی کوشش کی جس کی بدولت مصری مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے قحبہ گری' بے پردگی' زنا کار اور جسم فروش عورتوں کا علی الاعلان پھرنا اور لوگوں کو برائی پر مائل کرنا۔ اس چیز کو چونکہ وہ ماسونی افکار کی ترویج کے سلسلہ میں معاون خیال کرتے تھے اس لیے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔(2)

بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی بعض مصری علماء اور مشائخ کو بھی ان ماسونی مجالس میں شریک کرنے میں کامیاب ہو گئے جیسے شیخ حسن عطار، فرانسیسی حملہ کے بعد دوسرے علماء کی طرح شیخ حسن عطار بھی صعید کی طرف فرار ہو گئے تھے لیکن جب فرانسیسی حملہ آوروں نے علماء کو قاہرہ واپس آنے کی دعوت دی تو شیخ حسن واپس آ گئے اور فرانسیسیوں سے ربط ضبط پیدا کر کے مغربی علوم حاصل کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرانسیسیوں کو عربی زبان کی تعلیم دینے کی ذمہ داری قبول کی(3)۔ وہ مغربی علوم میں اس قدر آگے چلا گیا کہ اپنے کئی شعروں میں مغربیوں کی تعریف کی اور ان کی دوستی پر فخر کا اظہار کیا(4)۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا شمار تجدید کی تبلیغ کرنے والوں میں ہونے لگا۔(5)

شیخ عطار اور مصری گورنری کے بعد محمد علی پاشا کے درمیان تعلقات کی توثیق بھی ہو گئی ہے۔ شیخ عطار ان بنیادی لوگوں میں سے ہیں جن پر محمد علی اپنے تجریدی کاموں کے سلسلہ میں اعتماد کرتے تھے اور یہی وہ چیز ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ محمد علی اور ماسونی تحریک کے درمیان تعلق تھا۔(6)

واقعات کی تبدیلی اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ محمد علی پاشا ماسونی افکار سے کلی طور پر متفق تھا اور اس کے لئے وہ نہایت ہی موزوں بھی تھا۔ اس لیے اس کے بارے کہا جاتا ہے کہ جب وہ الجزائر پر قبضہ کے مسئلہ پر فرانسیسیوں سے مذاکرات کر رہا تھا تو اس نے کہا تھا ''یقین کرو میرا یہ فیصلہ...... دینی جذبہ کی پیداوار نہیں۔ تم مجھے جانتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ میں ان خیالات سے آزاد ہوں جن کی میری قوم اسیر ہے۔ تم کبھی کبھی کہا کرتے ہو کہ میرے ہم وطن گدھے اور بیل ہیں

1۔ نہایۃ الیھود۔ محمد عزت: ص132
2۔ عجائب الآثار: (161/3)
3۔ الصراع الفکری بین اجیال العصور: ابراہیم عدوی۔ ص85
4۔ الجبرتی والفرنسیین۔ ڈاکٹر صلاح العقاد: ص316
5۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص169
6۔ ایضاً ص169

اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا مجھے علم ہے"۔(1)

محمد علی کے دور میں مصر کے اندر بہت زیادہ ماسونی مجالس کا قیام عمل میں آیا۔ 1830ء میں اٹلی کے ماسونیوں نے اسکندریہ کے اندر ایک ماسونی مجلس قائم کی۔ یہ مجلس اسکاٹ لینڈ کی طرز پر تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی کام ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محمد علی کا ماسونی تحریک سے بہت گہرا ربط تھا۔(2)

"ماسونیت ایک ایسا پل تھا جس کے ذریعے عالمی صیہونیت نے مشکلات کے دریا کو عبور کیا۔ اس کی بنیاد نو یہودیوں نے رکھی تھی۔ اس کا اصل مقصد صیہونیت کے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا تھا جو وہ قرنوں سے پوری دنیا پر یہودی حکومت کے قیام کے بارے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایسی پالیسیاں تیار کیں اور ایسے پروگرام بنائے جو ان کے اہداف کی تکمیل کر سکتے تھے۔ اس تحریک نے اپنے آپ پر "مخفی طاقت" کے نام کا اطلاق کیا جو شخص بھی اس تحریک میں شریک ہوا اس سے خفیہ طریقے سے کچھ وعدے اور مواثیق لیے گئے جن کا مقصد اس پر دباؤ بڑھانا تھا تا کہ وہ ان کا آلہ کار بن جائے اور اس تحریک کے سرغنے جس طرف چاہیں اس کا رخ پھیر دیں۔ مغربی معاشروں میں ماسونی تحریک کا فساد خوب پھیلا۔ اس تحریک نے بظاہر 'آزادی' بھائی چارہ اور مساوات کے نعروں کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔"(3) "ماسونیت یہودیوں کے وہ (خفیہ) ہاتھ ہیں جو دنیا کے تمام معاشروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے، ظلم و ستم، قتل و غارت اور اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عمل پیرا ہیں۔"(4)

ماسونیت یہودیوں کے ہاتھ میں وہ جال ہے جس کے ذریعے یہودی غافل قوموں اور جاہل معاشروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ماسونیت الفاظ اور رموز کے پیچھے چھپا ہوا ایک خطرہ ہے۔ یہ وہ خنجر ہے جو یہودیوں نے مختلف معاشروں کے دلوں میں اتارنے کے لئے سونت رکھا ہے۔ ماسونیت نے معاشروں کے اندر سے ان کے دشمن تیار کر رکھے ہیں۔ قوموں کے اندر سے بیماری پیدا کر دی ہے۔ ماسونیت ایک بچھو ہے جس نے صدیوں قوموں کو ڈسا۔ یہ وہ تحریک ہے جس نے حریت، مساوات اور بھائی چارے کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔(5)

ماسونیت صرف یہودیت تھی۔ اپنے اصل میں بھی اور اپنی نسل میں بھی اور آج تک ماسونیت یہودیت ہی ہے۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد معاشروں اور قوموں کو مکر و فریب اور نت نئے حیلوں سے نقصان پہنچانا۔ ان کے عقائد و نظریات اور انبیاء و رسل کی تعلیمات میں شکوک و شبہات پھیلانا، دنیا میں کفر و الحاد کی اشاعت کرنا، لوگوں کو اباحیت، جنگ و جدل، برائی اور بے حیائی کی دعوت دینا ہے۔ کتب سماوی میں تحریف، انبیاء کو قتل کرنے اور روشنی کی ہر کرن کو بجھانے کے حوالے سے یہودی تاریخ بہت مشہور ہے۔ یہودیوں کو بس نوٹ چاہئیں۔ یہ لوگ مال و دولت اور سونا چاندی کے پجاری ہیں۔ ذخیرہ اندوزی اور دولت جمع کرنا ان پر بس ہے۔ ان کا کردار ہر حوالے سے قابل صد مذمت ہے۔ یہ لوگ رذائل کا مجموعہ ہیں۔ آج

1۔ قراءة جديدة في التاريخ العثماني، ص 170
2۔ الماسونية وموقف الاسلام منها: ڈاکٹر حمود رجیلی ص 18
3۔ واقعنا المعاصر۔ ص 205
4۔ اليهود والماسونية۔ عبد الرحمن الدوسری: ص 42
5۔ حقیقت الماسونیة۔ محمد علی زعبی۔ ص 70

یہ بات کسی شخص پر مخفی نہیں رہی کہ ماسونیت ایک یہودی تنظیم ہے جس کا مقصد دنیا میں معاشرتی' اخلاقی اور دینی تباہی ہے۔ ان کے زہر آلود ہاتھ ہر دینی تعلیم اور ہر فکری بلندی تک پہنچ چکے ہیں تا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیں۔ (1)

ماسونی مجالس مصر' شام اور ترکی میں عام ہوگئیں اور دولت عثمانیہ کو کمزور اور ختم کرنے کے لئے اپنے مذموم ہتھکنڈوں کو دن رات کام میں لانے لگیں۔ نہ تو یہ مجالس کبھی اکتاہٹ کا شکار ہوئیں اور نہ ہی تھکاوٹ کا۔ فرانس کی ماسونی مجالس مصر میں کامیاب رہیں اور انہوں نے محمد علی پاشا کو اپنی گود میں لے لیا۔ پروفیسر محمد قطب لکھتے ہیں۔ ''فرانس نے محمد علی کو مکمل طور پر اپنی گود میں لے لیا تا کہ وہ اس کے ذریعے اپنے تمام مقاصد پورے کریں اور اپنی پالیسیوں کو مصر میں نافذ کریں۔ سو اس نے جدید طریقوں پر استوار ایک تجربہ کار لشکر تیار کیا جو اس دور کے جدید ترین اسلحہ سے لیس تھا اور اس کی نگرانی فرانس کا شہری سلیمان پاشا کر رہا تھا۔'' (2)

فرانس کے مفادات محمد علی کی سپورٹ میں نظر آ رہے تھے تا کہ ماسونی مجالس کی حفاظت اور تقویت اور دولت علیہ عثمانیہ کو کمزور کرنے کی ان کی خواہشات پوری ہو سکیں اور دولت عثمانیہ کے قلب میں اپنا زہر آلود خنجر اتار سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان ماسونی طاقتوں نے محمد علی کی خاطر ایک ایڈوانسڈ ترقی یافتہ جدید ترین بحری بیڑا تیار کیا اور دمیاط میں ایک اسلحہ فیکٹری کے علاوہ مصر کی زمین کو پانی باہم پہنچانے کے لئے خیری بیراج تعمیر کیا۔ کیا یہ سب کچھ محض محمد علی کی ذاتی محبت میں ہوا؟ یا محض مصر کی محبت کی خاطر؟ نہیں بالکل نہیں۔ یہ سب ترقیاتی کام اس صلیبی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کیے گئے جو فرانسیسیوں کے مصر سے انخلاء کے بعد معرض خطر میں پڑ گیا تھا۔

ایک سچا مسلمان اس طرح کا کردار قطعاً ادا نہیں کر سکتا نہ جان بوجھ کر اور نہ ہی غفلت میں کیونکہ اس کا اسلام اسے روکتا ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کی طرف اپنا رخ پھیر لے۔

دشمنان اسلام دولت عثمانیہ کا خاتمہ چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام اور بالخصوص الازہر کا شہر (قاہرہ) مغرب کے رنگ میں رنگ جائے تا کہ اس کے ذریعے پوری اسلامی دنیا میں ان افکار کی اشاعت کی جا سکے۔ دولت عثمانیہ کو کمزور کرنے' اس کی طاقتوں کو ختم کرنے' اس کے رعب کو مٹانے اور اس کی عزت و توقیر پر حملہ کرنے میں محمد علی نے دشمن طاقتوں کا ساتھ دیا۔ دشمنوں کے قریب ہونا' ان کے فکری اور تہذیبی آسمان کے نیچے چلنا اور آہستہ آہستہ اپنے عقیدہ' نظریہ اور اسلامی تہذیب سے الگ ہونا اور اس سے ناطہ توڑنا یہ وہ چیز ہے جس کی تعریف اس کے فرانس اور برطانیہ کے ماسونی ساتھیوں نے بھی کی ہے۔ محمد علی مغرب کی منظم فکری جنگ کے سامنے مات کھا گیا۔ اس نے نوجوان طالب علموں کو نمائندہ بنا کر یورپ بھیجنے کی پالیسی نافذ کی تا کہ وہ وہاں علم حاصل کریں۔ یہ چیز نہایت ہی خطرناک تھی۔ یہی وہ راستہ تھا جس کے ذریعے سیکولرازم (Secularism) مصر میں گھس آیا۔ تعلیم میں جب سیکولر خیالات داخل ہوئے تو پھر وہ اسلامی مصر کی پوری زندگی میں پھیل گئے۔ الازہر شریف اس کے شیوخ اور علماء کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ نوخیز طلبہ کی ایک بہت بڑی تعداد کو یورپ بھیجا گیا جن کی عمریں پندرہ سال کے

1۔ الماسونیۃ وموقف الاسلام منھا: ڈاکٹر حمود رحیلی ص 18
2۔ واقعنا المعاصر۔ ص 205

قریب تھیں۔ یہ وہ عمر ہے جس میں اپنی حفاظت مشکل سے ہوتی ہے۔ ان بچوں کو یورپ بھیجنے والے بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ شہوت رانی کا شکار ہو جائیں۔ فکری لحاظ سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جائیں اور پھر جب اپنے ملک میں واپس آئیں تو مغربی افکار کی اشاعت کے لئے ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔ محمد علی نے ان بچوں کے ساتھ ایسے علماء کو بھی بھیجا جو نماز میں ان کی امامت کراتے تھے لیکن ان آئمہ نے کیا کیا؟ الطھاوی بھی تو انہیں لوگوں میں سے تھا جب یہ واپس آیا تو مغربیت کا ایک سرگرم عمل مبلغ بن گیا۔ جب وہ فرانس سے واپس آیا اور اس کے خاندان والوں نے خوشی سے اس کا استقبال کیا کیونکہ وہ دو سال بعد واپس لوٹا تھا تو اس نے حقارت سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ یہ کسان اس قابل نہیں کہ میرا استقبال کریں۔ (1)

پھر اس نے ایک کتاب تالیف کی جس میں پیرس کے واقعات کے متعلق بات کی۔ اپنی کتاب میں موصوف نے عورت کی آزادی، بے پردگی، اختلاط مرد و زن کی دعوت دی۔ مرد و زن کا اکٹھے رقص کرنے کے حق میں بات کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ یہ ایک ایکسرسائز ہے جو موسیقی کے نغموں پر کی جاتی ہے۔ اسے اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ یہ کوئی قابل مذمت کام ہے۔ (2)

تدریجی منتقلی کی یہ کارروائی تقریباً ایک عرصہ تک جاری رہی لیکن یہ ایک مسلسل عمل کی حیثیت سے کبھی بھی رکی نہیں بلکہ آئے روز اس میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ (3)

محمد علی ایک مکار لومڑی تھا۔ اس کی ساری تگ و دو کا مقصد ذاتی مفادات اور اپنے بعد اپنی اولاد کے مفادات کا تحفظ تھا۔ اسی لیے اس نے امت کو کمزور کرنے، اس کے رعب و دبدبہ کو ختم کرنے اور فرانس اور برطانیہ کی پالیسیوں کو نافذ کرنے کی خاطر قبیح اور شنیع افعال کا ارتکاب کیا۔ محمد علی ہمیشہ اس بات کا خواہش مند رہا کہ وہ مغربیوں کی نظروں میں اپنی صورت کو خوبصورت کر کے پیش کرے اور گفتگو میں وہ ان اثرات کو ملاحظہ کریں بلکہ وہ یہ سوچ رکھتا تھا جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے کہا: ''میں فرنگی عقل کے ساتھ عثمانی جبہ زیب تن کرتا ہوں۔'' (4)

محمد علی نے فرانس، برطانیہ، روس اور آسٹریا وغیرہ یورپی ملکوں کی نیابت کرتے ہوئے تمام اسلامی علاقے مصر، جزیرہ عرب، شام اور خلافت عثمانیہ کے دوسرے علاقوں میں اسلامی نقطہ نظر پر نہایت ہی کاری ضرب لگائی تاکہ اسلامی دنیا کو مغربی خواہشات کے لئے تیار کیا جاسکے۔

محمد علی اور مصر میں اسلام پر اس کی چوٹ

محمد علی پاشا نے کوشش کی کہ وہ مصر میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لے۔ اس نے بہت سے ابن الوقت قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ روم اور ارمن کے نصرانی، قبطی اور یہودی نیز مملوکی عناصر جن کو محمد علی نے مختلف اقالیم کی حکومت دے کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ یہ سب کچھ مصر کے مسلمانوں کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔ اکثر لوگ اسے محمد علی کی مصریوں سے عدم توجہی اور ان کے ساتھ زیادتی خیال کرتے تھے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ ان مددگاروں نے زمینداروں کے بارے محمد علی کی ظالمانہ پالیسی

1۔ واقعنا المعاصر۔ ص 209 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 210 4۔ تجربہ محمد علی الکبیر۔ منیر شفیق۔ ص 38

میں اس کی اعانت کی تھی۔ جبرتی اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "اس نے رومی اور ارمنی عیسائیوں کے لئے (اعلیٰ مناصب کے) دروازے کھول دیئے۔ اس وجہ سے وہ ملک پر چھا گئے۔ رذیل لوگوں کو انہوں نے بلند مقام دے دیا۔ محمد علی پاشا قبضہ اور تسلط چاہتا تھا اور وہ ہر اس شخص ناپسند کرتا تھا جو اس کے ذاتی مقاصد میں اس کے آڑے آتا تھا۔"(1)

محمد علی پاشا اور اس کے پیروکاروں نے جن میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی مصری مسلمانوں کے بارے میں غلامی، جبر و ظلم اور استبداد کی پالیسی اختیار کی۔ کسانوں سے زمین کے 385 بیج نامے لے لیے اور ان پر بیگار لازم کر دی۔ اگر کوئی بیگار دینے میں تامل کرتا تھا تو اسے اس کے بدلے ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔ ان پر حرام کر دیا کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں۔ تجارت کو بہت نقصان پہنچایا۔ ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمت میں کئی گناہ اضافہ کر دیا اور شہریوں پر اتنے بھاری ٹیکسز لاگو کر دیے جن کو ادا کرنے کی اُن میں قدرت ہی نہیں تھی۔ ہر اقتصادی سرگرمی کو نقصان پہنچایا اور لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیا (2)۔ جبرتی کے نزدیک اس کی اصل وجہ "محمد علی پاشا میں پائی جانے والی حسد کی بیماری، لالچ، طمع اور لوگوں کے مال و دولت کو ہڑپ کرنے کی شدید خواہش تھی۔"(3)

اس پالیسی کے نتیجے میں کسان محمد علی پاشا اور اس کے اعوان و مددگاروں سے نفرت کرنے لگے۔ زرعی اراضی کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس ظالمانہ پالیسی کی بدولت اپنے دیہاتوں کو چھوڑ دیا اور محمد علی کے لشکر میں شریک ہونے سے اعراض کر لیا۔ صرف ایک سال یعنی 1831ء کے عرصہ میں چھ ہزار کسان فرار ہوئے۔(4)

رہی شہروں میں بسنے والے لوگوں بالخصوص قاہرہ کے باسیوں کی صورت حال تو جبرتی ذکر کرتا ہے کہ محمد علی نے شہر کی تعمیر کرنے کی ذمہ داری لوگوں پر ڈال دی۔ "لوگوں کو دسوں طرح کے رذائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بیگار، امداد، مزدوری، ذلت، اہانت، بوسیدہ کپڑے، جرمانہ، دشمنوں کو ان پر آوازیں کسنے کا موقع دینا، ان کی ضروریات زندگی کی معطلی اور حمام کی اجرت۔"(5)

جبرتی ظلم کی اس پالیسی کا ہم عصر ہے جو محمد علی پاشا نے مصر کے مسلمان معاشرہ کے لئے اختیار کی تھی۔ اس ظالم نے ان کے تمام حقوق اور ذرائع معیشت کو بری طرح چوس لیا۔ اس نے یورپی تاجروں پر مصر میں داخلے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ وہ اس مملکت کی اقتصادیات پر مسلط ہو گئے اور مصر ایک ایسی کھیتی کی حیثیت اختیار کر گیا جس پر یورپ کی تمام منڈیاں بھروسہ کرتی تھیں۔ تمام زرعی اجناس دھڑا دھڑ یورپ پہنچنے لگیں۔ یورپ اور مصر کے درمیان ایک ثقافتی اور تجارتی ربط و ضبط پیدا ہو گیا۔ مصر کا ترقی یافتہ تاجر طبقہ اقتصادی حوالے سے یورپی منڈیوں پر بھروسہ کرنے لگا اور نتیجتاً سیاسی اعتبار سے بھی ان کا ہمنوا بن گیا۔ اس کے علاوہ یورپی ثقافت کے مبلغین فکری زندگی پر چھانے لگے اور اسلامی نظریہ حیات کی تبلیغ کرنے والوں کی تمام کوششیں ناکام ہونے لگیں (6)۔ محمد علی نے دین پر قائم مناہج تعلیم کو روک دیا اور نپولین کی ماسونی پالیسی کو ملک میں رائج کر

1۔ عجائب الآثار: (150/4)
2۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص179
3۔ عجائب الآثار۔ (150/4)
4۔ تاریخ المشرق العربی۔ ڈاکٹر عمر عبدالعزیز۔ ص346
5۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص180
6۔ تاریخ المشرق العربی۔ ڈاکٹر عمر عبدالعزیز۔ ص322-323

دیا۔ یہی وہ چیز ہے جس کو ایک انگریز مورخ آرنلڈ ٹوئنبی نے یوں بیان کیا ہے۔ ''محمد علی ایسے ڈکٹیٹر تھے جس نے نپولین کی آراء کو مصر کے اندر عملی حقائق میں تبدیل کیا۔''(1)

یورپی سامراج نے ان اداروں اور اصلاحات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اہداف کو مکمل کر لیا جن کی بنیاد ان کی کٹھ پتلی محمد علی نے رکھی تھی لیکن مصری قوم پر مایوسی اور احساس ناکامی چھا گیا۔ اس قوم نے بہت بڑی قیمت چکائی جو ہر اصلاح سے کہیں زیادہ تھی اور وہ قیمت تھی اپنی تہذیبی شناخت کو کھو بیٹھنا جس کو اسلام نے ثبت کیا تھا اور جس کا کردار اسلامی ادوار میں بہت نمایاں رہا تھا۔(2)

وطنیت اور قومیت کی دعوت کا دروازہ کھل گیا۔ اسلامی فکر کے داعی علماء و مشائخ کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی۔ محمد علی کی یہ پالیسی بالآخر مصر کی خود مختاری اور خلافت اسلامیہ کے ساتھ اس کے ربط و ضبط کے خاتمے کا سبب بنی (3)۔ محمد علی کو اپنے اس نقطہ نظر میں ان ماسونی مجالس کی طرف سے کافی امداد ملی جو اس علاقے میں یورپی فکر کی ترویج کی خواہاں تھیں۔

اس نقطہ نظر کو اپنانے اور اسے روبعمل لانے میں جن لوگوں نے محمد علی پاشا کے ساتھ سب سے زیادہ تعاون کیا۔ ان میں شیخ حسن عطار (1801ء تا 1835ء) کا نام بہت نمایاں ہے اور بہت سارے شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ شیخ حسن عطار مصر کی ماسونی مجلس کے ایک رکن تھے۔ شیخ عطار کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ''ملکی حالات میں تبدیلی لانا اور جدید علوم کو مروج کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔'' عطار انقلابی تبدیلی کی فکر کے حامل تھے۔ وہ مصر میں مکمل طور پر یورپی نقطہ نظر کو رواج دینے کے حق میں تھے۔ کیونکہ علماء و مشائخ اولین مسلمانوں کی کوششوں کو جاری رکھنے سے عاجز آ چکے تھے۔(4)

رفاعۃ الطہاوی (1801ء تا 1873ء) جو عطار کے شاگرد تھے، نے اس فکر کو آگے بڑھایا۔ یہ امام مسجد تھے۔ محمد علی نے انہیں فرانس بھیجا تھا اور وہ پانچ سال (1826ء تا 1831ء) فرانس میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ رفاعۃ الطہاوی جب واپس آئے تو وطنیت کی سوچ کو پروان چڑھانے کی غرض سے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ فرانس میں جن معاشرتی افکار و نظریات سے اسے واسطہ پڑا تھا وہ ان سے بہت متاثر ہوا اور واپس آ کر ان نظریات کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ افکار اسلامی افکار سے کسی صورت میل نہیں کھاتے تھے۔ اس نے متعدد قصائد میں ان افکار کو منظوم کیا۔ اسی طرح بعض کتابیں بھی ترجمہ کیں جو اسی فکر کو اجاگر کرتی تھیں۔ رفاعۃ الطہاوی جب مدرسۃ الالسنہ (5) کے نگران بنے تو ان کی یہ کوششیں تیز تر ہو گئیں۔ طہاوی یورپی فکری رجحانات سے مکمل طور پر متاثر ہوا۔ اس نے اس معاشرت کو کلی طور پر قبول کر لیا اور اس کے مقابلے میں اسلامی فکر و فلسفہ کی اس کے ذہن میں کوئی حیثیت نہ رہ گئی۔ حریت، مساوات اور عقل پرستی جیسے افکار سے وہ مکمل طور پر متاثر ہوا اور یہ چیز اس کے فکر اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں نمایاں نظر آنے لگی۔ نپولین نے اپنے مشہور حملے کے دوران جس فکر کی

1۔ آرنلڈ ٹوئنبی۔ عبدالرحمٰن جبرتی و عصرہ: ص 14
2۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص 182
3۔ مصر فی مطلع القرن التاسع عشر۔ محمد فؤاد (1232/3)
4۔ التیارات السیاسیۃ بین المجدد ین والمحافظین۔ بیومی۔ ص 22
5۔ التیارات السیاسیۃ بین المجدد ین والمحافظین۔ بیومی ص 22

دعوت دی تھی طہطاوی نے اس فکر کو مکمل طور پر اپنا لیا۔ اس نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ وہ مونٹسکیو کی آراء سے متاثر ہے اور انہیں پسند کرتا ہے اور ماسونی فکر سے مکمل متفق ہے۔(1)

طہطاوی کے بعد بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی اور وطنیت اور مغربی تہذیب کو مکمل طور پر اپنانے کی سوچ کی ضرورت کی تبلیغ کے کام کو آگے بڑھایا۔ ان میں سے علی مبارک، ابراہیم ادھم، صالح مجدی، محمد عثمان جلال، عبداللہ ابوالسعود، عبداللہ فکری وغیرہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ ان تمام لوگوں نے اسلامی فکر پر مسلسل حملے کیے اور چاروں طرف سے اس کو گھیر لیا۔(2)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اور دولت عثمانیہ سے اس کی ٹکر

شیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد التمیمی 1115ھ بمطابق 1703ء کو عیینہ نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ عیینہ ریاض کے شمال میں واقع ہے۔ ریاض اور عیینہ کے درمیان کا فاصلہ 70 کلومیٹر یا اس کے قریب ہوگا۔ یہ شہر ریاض سے جانب مغرب میں ہے۔(3)

شیخ محمد بن عبدالوہاب علم کی محبت پر پروان چڑھے۔ بچپن سے ہی علوم کی تحصیل میں لگ گئے۔ فہم وفراست اور نبوغت و انفرادیت شروع ہی سے ظاہر و باہر تھی۔ قرآن کریم حفظ کیا۔ فقہ حنبلی، تفسیر اور حدیث کی تحصیل کی۔ علم فقہ، عقائد اور علم الکلام میں ابن تیمیہ کی کتب کو بنیاد بنایا۔ آپ ابن تیمیہ کے افکار ونظریات سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ ان کے علاوہ ابن قیم، ابن عروۃ الحنبلی اور کئی دوسرے حنبلی مکتبہ فکر کے حامل علماء سے بہت متاثر ہوئے۔(4)

علم کی تلاش میں مکہ، مدینہ منورہ، بصرہ، احساء جیسے کئی شہروں کا سفر کیا اور جب عراق میں اپنے نظریات کا اظہار کیا تو کئی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر اس کے بعد نجد واپس آ گئے۔

جب آپ حریملاء واپس لوٹے جو نجد کے علاقے میں واقع ہے تو اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر، تعلیم وتعلم، توحید خالص کے عقیدے کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور شرک، اس کے نقصانات، اس کی انواع واشکال سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ حریملاء میں بعض جہلاء کی طرف سے قتل کی کوششوں کا سامنا بھی کیا۔ مجبوراً حریملاء کو چھوڑ کر اپنے شہر عیینہ آ گئے۔ یہاں کے امیر نے انہیں خوش دلی سے خوش آمدید کیا اور دعوت کے سلسلہ میں ان کی ہمت بندھائی۔ انہوں نے یہاں شرعی احکام نافذ کیے۔ حدود کا نفاذ کیا اور مزارات پر جو قبے بنے ہوئے تھے ان کو منہدم کر دیا لیکن انہیں یہاں سے بھی نکلنا پڑا کیونکہ احساء کے امیر نے حریملاء کے امیر پر ان کے قتل کے سلسلہ میں دباؤ ڈالا۔ سو شیخ پا پیادہ درعیہ کی طرف چل دیئے۔(5)

1۔ التیارات السیاسیۃ بین المجددین والمحافظین۔ بیومی ص 23

2۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 184

3۔ امام التوحید محمد بن عبدالوہاب۔ احمد القطان۔ ص 35

4۔ امام التوحید محمد عبدالوہاب۔ احمد القطان (ص 35)

5۔ شیخ نے اس وقت دنیا میں موجود تمام علماء کے نظریات سے بالکل مختلف نظریات پیش کیے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہلبیت اطہار اور اولیاء کاملین کی توہین اور ان کے مقدس مزارات کی تحقیر کوئی ایسا امر نہیں تھا۔ جس پر مسلمان خاموش بیٹھتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اہل اسلام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مسلمانوں نے ان کے قتل کی کوششیں کیں۔ (مترجم)

محمد بن سعود سے معاہدہ

محمد بن عبدالوہاب امیر محمد بن سعود سے ایک معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ امیر محمد بن سعود نے دعوت توحید کی خاطر اپنی دولت صرف کی اور شیخ کو افرادی قوت بھی مہیا کی۔ یہ معاہدہ سنجیدہ بنیادوں پر تھا۔ اب شیخ اس پوزیشن میں تھا کہ تعلیم، خطوط اور وعظ کے ذریعے لوگوں میں دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھے۔ سو وہ اس حال میں بھی تعلیم دیتے رہے۔ بہت سے رسائل لکھے۔ اپنی دعوت کی صحت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا۔ لوگوں کو دعوت دی کہ وہ غیر شرعی رسوم کو ترک کر دیں۔ قبروں پر بنے ہوئے قبوں کو منہدم کر دیں۔ شرک کے تمام ذرائع کو ختم کر دیں اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ (1)

دعوت کا یہ سلسلہ سکون سے اور آہستگی سے چلتا رہا۔ توحید کی دعوت نرمی سے دلوں پر دستک دیتی رہی۔ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اللہ پاک کی طرف بلایا جاتا رہا۔ شیخ ہر اس شخص کو جو بھی حاضر ہوتا۔ تعلیم دیتے رہے۔ اپنا عقیدہ واضح کرتے رہے اور دور و نزدیک ہر شخص کے لئے اپنی دعوت کے اصولوں کی تشریح کرتے رہے لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ نرمی کا جواب سختی سے دیا جا رہا ہے۔ سچائی کا مقابلہ جھوٹ سے کیا جا رہا ہے اور وعظ و نصیحت کو سازشوں کے ذریعے ناکام بنایا جا رہا ہے۔ سو جہاد کے مرحلہ میں داخل ہونا اور برائی کو طاقت سے ختم کرنا اب ضروری ہو گیا ہے۔ (2)

اذا لم یکن الا الا سنة مرکبا
فما حیلة المضطر الا رکو بها (3)

"جب بھالوں کے علاوہ دوسری کوئی سواری نہ ہو تو ایک مجبور شخص ان پر سوار ہونے کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا ہے"۔

امیر محمد بن سعود نے شیخ کو افرادی قوت اور اسلحہ کے ذریعے امداد فراہم کرنا شروع کی تاکہ وہ مجاہدین کے ساتھ درعیہ سے باہر نکل کر جہاد کریں اور جزیرہ نمائے عرب کے اندر اور باہر اپنے قدم مضبوط کریں (4)۔ شیخ جہادی سرگرمیوں کی نگرانی خود کرتا تھا۔ خود لشکر ترتیب دیتا تھا اور مہمات روانہ کرتا تھا لیکن جہادی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ درس و تدریس، خط و کتابت، مہمانوں کی خاطر داری، وفود کو الوداع کہنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم، عزت و جاہ کی دولت سے نواز رکھا تھا اور جہاد کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد تو انہیں اقتدار بھی حاصل ہو گیا (5) شیخ ایک سیاست دان اور جنگ و سیاست کے معاملے میں

1۔ امام التوحید الشیخ محمد بن عبدالوہاب (ص 45-46) 2۔ محمد بن عبدالوہاب کا یہ جہاد کافروں کے نہیں مسلمانوں کے خلاف تھا۔ (نعوذ باللہ) (مترجم)

3۔ استمراریۃ الدعوۃ۔ محمد السید الوکیل: (293/3) 4۔ جب مسلمان چاروں طرف سے صلیبی قوتوں کے نرغے میں تھے اور ان کے جان، مال اور عزت و آبرو کو بچانے کیلئے مجاہدین اسلام سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ عین اس وقت شیخ اپنے حلیف محمد بن سعود کے ساتھ مل کر کافروں کی بجائے مسلمانوں سے جنگ آزما تھا۔ بجائے اس کے کہ شیخ مسلمانوں کو کافروں، صلیبیوں اور اللہ و رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف متحد کرتا خود ان کی صفوں میں رخنے ڈال رہا تھا اور بدقسمتی سے ان کے رہے سہے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہا تھا۔ شیخ کا عین ان نازک حالات میں خود اہل اسلام کے خلاف اٹھنا اور ان کے عقائد و نظریات پر کاری ضرب لگانا اور جمیع مسلمانوں پر شرک، بت پرست اور بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ شیخ صلیبیوں کی سازشوں کا بہت بری طرح شکار ہوا اور اسے اس بات کی خبر تک بھی شاید نہ ہوئی کہ اس سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ (مترجم)

5۔ امام التوحید محمد بن عبدالوہاب: ص 53

وسیع تجربہ رکھنے والے قائد تھے۔(1)
دعوت کے مددگار اور مخالفین کے درمیان کئی سالوں تک جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہا اور اکثر مقامات پر کامیابی دعوت کے مددگاروں کے حصے میں آئی۔ یکے بعد دیگرے شہر اور دیہات ان کے ہاتھ پر فتح ہوتے گئے۔ 1178ھ بمطابق 1773ء میں امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود کی قیادت میں ریاض فتح ہوا۔ یہاں کا پہلا حاکم دھام بن دواس بھاگ گیا۔ دھام ایک ظالم اور سخت مزاج حاکم تھا۔ اس نے کئی بار مبلغین پر ظلم ڈھائے تھے اور دعوت کا کام کرنے والے لوگوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی کئی بار خلاف ورزی کی تھی۔ ریاض کی فتح کے بعد ایک وسیع علاقے پر شیخ کا تسلط ہوگیا۔ بہت سے لوگ خوشی سے دعوت میں شریک ہوگئے اور وہ تمام رکاوٹیں ختم ہوگئیں جو انہیں اس دعوت کا ساتھ دینے سے روکے ہوئے تھیں۔ غلامی کے بعد آزادی آگئی۔ تنگی کے بعد آسانی ہوگئی۔ مال و دولت کی فراوانی ہوگئی(2)۔ حالات پرسکون ہوگئے۔ لوگوں کو نوخیز اسلامی مملکت کا سایہ مل گیا جس نے ایک عرصے کے بعد لوگوں کو امن وامان کی نعمت سے بہرہ ور کردیا۔(3)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی وفات کے بعد دعوت کا سلسلہ جاری رہا۔ آل سعود نے اپنی قوت اقتدار سے اس کی مدد کی۔ آل سعود حجاز پر قابض ہوگئے جس پر غالب بن مساعد کا قبضہ تھا اور جس نے دینی اور عسکری لحاظ سے سعودیوں پر کئی تابڑ توڑ حملے کیے تھے۔ دونوں قوتوں کے درمیان جنگ جاری رہی حتیٰ کہ 1803ء میں سعودی مکہ میں داخل ہوئے اور شریف غالب کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ اس نے جدہ کی طرف بھاگ جانے کو ترجیح دی اور دو سال بعد سعودیوں نے مدینہ منورہ کو بھی اپنی سلطنت میں ملا لیا۔(4)

جزیرۂ عرب کے اکثر علاقے سلفی تحریک کے زیر نگیں آگئے۔ برطانیہ نے اس اقتدار کو اپنے مفادات کیلئے خطرہ محسوس کیا۔ پہلی سعودی سلطنت کا اقتدار خلیج عربی اور بحر احمر تک پھیل گیا۔ خلیج عربی میں القواسم سعودی اقتدار کے زیر نگیں آگیا اور اس کا اقتدار جنوبی عراق تک پہنچ گیا۔ یورپ اور مشرق کے درمیان واقع خشکی کے راستے پر ان کا کنٹرول ہوگیا۔ ان تمام باتوں سے بڑھ کر جو چیز سب سے زیادہ انگریزوں کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ وہ تھے دینی بنیادی اصول جن کی یہ حکومت پوری طرح پاسداری کررہی تھی۔ ان اسلامی اصولوں نے برطانیہ کے لئے مسلمانوں کو اپنے حاکم کا فرمانبردار بنایا اور ان سے معاہدات کرنا ناممکن بنادیا تھا کیونکہ کسی غیر ملکی اقتدار کی راہ روکنا اس دولت کے اہم اہداف میں شامل تھا۔(5)

قواسم اور ان کی پشت پر موجود سعودی طاقت نے 1806ء میں انگریزی بحری بیڑے پر کاری ضربیں لگائیں اور خلیج کے پانیوں پر ان کی حکمرانی قائم ہوگئی۔(6)

سعود بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں سیاسی نقطہ نظر سے یہ سلطنت اوج کمال تک پہنچ گئی۔ عراق میں کربلا اور شام میں

1۔ امام التوحید محمد بن عبدالوہاب: ص53
2۔ استمراریۃ الدعوۃ۔ ڈاکٹر محمد الوکیل۔ (294/3)
3۔ یہ ساری دولت صلیبیوں کی فراہم کردہ تھی۔ کیونکہ شیخ عثمانیوں کے خلاف نبرد آزما صلیبیوں کیلئے راہ ہموار کررہا تھا۔ (مترجم)
4۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث۔ ص17
5۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین۔ ص156
6۔ ایضاً ص158

حوران تک کے علاقے اس کے اقتدار میں آ گئے اور سوائے یمن کے پورا عرب ان کے سامنے جھک گیا۔(1)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے خلاف سازش

یورپ کے شیطان صفت انسانوں نے سوچا کہ اگر سعودی سلطنت یونہی قائم رہی تو اس کے نتائج کیا تباہ کن۔ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ مشرق میں ان کے مفادات خطرے میں ہیں اور اگر سعودی سلطنت ختم نہ ہوئی تو ہمارے مفادات ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے اس مملکت کا خاتمہ ضروری ہے سو دولت سلفیہ کے خاتمے کے لئے انہوں نے کئی راہیں اختیار کیں جن میں چند یہ ہیں۔

اسلامی علاقوں میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا

جو لوگ بدعت اور دوسری خرافات کو دین اسلام سمجھتے تھے۔ شیخ کی دعوت کا راستہ روکنے اور اس کے خلاف مزاحمت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ مزاحمت یک طرفہ نہیں بلکہ ہمہ جہت تھی۔ وہ مشائخ جو اقتدار میں تھے اور اقتدار کی بدولت عوام الناس اور جہلاء میں انہیں پذیرائی حاصل ہوئی۔ شیخ کے مزاحم ہوئے کیوں کہ یہ لوگ ان بدعتوں اور خرافات کی حفاظت چاہتے تھے جسے وہ دین سمجھ بیٹھے تھے۔ مزارات کے مجاوروں کی طرف سے مزاحمت ہوئی۔ ان سرداروں کی طرف سے ہوئی جو نذرو نیاز کی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے۔ وہ لوگ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے جو زیارتوں اور موت کی رسومات کے ذریعے دولت بٹور رہے تھے۔ یہ مخالفت ان لوگوں کی طرف سے ہو رہی تھی جو یہ سمجھ رہے تھے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جو اسلامی اعتقاد سے بالکل مختلف ہے۔ یہ لوگ دولت عثمانیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے بلکہ ایسے لوگ پورے عالم اسلام میں موجود تھے(2)۔ یہ مخالفت اس وقت سامنے آئی جب دشمنان اسلام انگریزوں اور فرانسیسیوں نے وہ فتاویٰ شائع کیے جنہیں علماء سوء نے جاری کیا تھا تا کہ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اسے ناکام بنایا جائے۔(3)

1۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال ص 94

2۔ ابن تیمیہ وہ سب سے پہلے عالم دین ہیں۔ جنہوں نے بعض مسائل میں جمہور سے اختلاف کیا۔ ان کے ہم عصر علماء نے ان کی آراء پر گرفت کی اور یہ نظریات مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ ان کے بعد محمد بن عبدالوھاب نے پورے عالم اسلام کے عقائد و نظریات کے خلاف بعض ایسے نظریات پیش کیے۔ جو امت میں تفریق اور انتشار کا سبب بن گئے۔ یہ عقائد جمہور کے عقائد کے مقابلے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ سعودی حکومت قائم ہوئی۔ مسلم علماء کو بے دریغ قتل کیا گیا اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان عقائد کو قبول کریں۔ سعودی حکومت نے ہر اس قوت کو کچل دیا جو ان کے راستے میں آئی۔ درحقیقت وہ دین کے نام پر دولت عثمانیہ کے متوازی ایک طاقتور سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ دولت عثمانیہ اور ان میں بسنے والے مسلمان بلکہ پوری دنیا کے مسلمان اہل السنت والجماعت کے نظریات پر کاربند تھے۔ اس لئے ان سے راستہ الگ کرنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ صحیح عقائد کا نعرہ بلند کیا جائے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ صدیوں سے مروج اور متداول نظریات کو شرک و بت پرستی کا نام دے دیا گیا اور بے شمار علماء کو موت کی گھاٹ اتار کر حکومت قائم کرنے کا راستہ ہموار کیا گیا۔ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تحریک مذہبی سے زیادہ سیاسی نوعیت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ موعظہ حسنہ کی بجائے سختی سے کام لیا گیا اور علمائے اسلام کی گردنیں مارنے کی جسارت کی گئی۔ (مترجم)

3۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی۔ ص 94

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اور دولت عثمانیہ کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا اور دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانا

انگریزوں، فرانسیسیوں اور دوسرے اسلام دشمن طاقتوں نے سلطان محمود ثانی کے دل میں یہ بات راسخ کر دی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا ہدف جزیرۂ عرب میں خودمختاری اور خلافت عثمانیہ سے علیحدگی حاصل کر کے عرب دنیا کو متحد کرنا اور دولت عثمانیہ سے قیادت اور خلافت کا جھنڈا چھیننا ہے۔ سلطان محمود ثانی نے دشمنوں کی چغلیوں پر یقین کر لیا حالانکہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ اس جھوٹ میں شک کرتے اور ایسے امانت دار اعیان مملکت کو بھیجتے جو اس امر کی تحقیق کرتے۔ مسلمانوں کے فرمانروا نہ سمجھ سکے کہ ایک سچی اسلامی تحریک پر لگائے جانے والے الزام کی تصدیق کے نتائج کس قدر خطرناک ہو سکتے ہیں۔ الغرض سلطان نے دشمنان اسلام کی اس تجویز پر عمل کیا کہ اس تحریک کو فوراً کچل دیا جائے۔ اس سے پہلے کہ یہ خطرناک صورت اختیار کرے اور اس کے لئے بے تحاشا دولت اور افرادی قوت کی فراہمی کی ذمہ داری پوری کرے۔(1)

دولت عثمانیہ نے دولت سعودیہ سے جنگ کرنے کا پروگرام وضع کر لیا اور جنگ کی ذمہ داری پڑوس کے علاقوں کے والیوں کے کندھوں پر ڈال دی جس میں دولت عثمانیہ کے سامنے دو ہدف تھے۔ ایک یہ کہ عرب کے مشرقی علاقوں میں سعودی توسیع پسندی کا خاتمہ ہو جائے اور دوسرا یہ کہ یہ والی جنگ کی وجہ سے کمزور ہو جائیں تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے دولت عثمانیہ کے تابع رہنے پر مجبور ہو جائیں۔ دولت عثمانیہ سب سے پہلے والئی بغداد کی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ یہ والی نجد کے قریب ترین والیوں میں سے تھا لیکن بغداد کا والی اپنی ولایت کے داخلی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ پھر اس کی فوجی قوت اتنی کمزور تھی کہ وہ سعودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور یہ عراقی سرحدوں پر سعودیوں کے حملوں کو روکنے میں کئی بار ناکام ہو چکا تھا۔ اس لیے دولت عثمانیہ نے والی شام کو سعودیوں سے ٹکر لینے کی ذمہ داری سونپی کہ شاید ان کا راستہ روکا جا سکے لیکن اس کی قسمت میں بھی ناکامی لکھی تھی۔ والی شام والی عراق سے زیادہ بری طرح ناکام ہوا۔ جب دولت عثمانیہ بغداد اور شام (2) کے والیوں سے مایوس ہو گئی تو مصر کی طرف رخ کیا اور 1807ء میں مصر کے والی سے مطالبہ کیا کہ وہ عرب کے علاقوں پر حملہ کرے "تاکہ حرمین شریفین سے دشمن کا صفایا کیا جائے اور ان مقدس مقامات کو آزادی دلائی جائے۔" سعودیوں کے ہاتھ سے تاکہ جزیرۂ عرب میں زوال پذیر سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کو دوبارہ بحال کیا جائے لیکن محمد علی پاشا اس مطالبے کو فوراً عملی جامہ نہ پہنا سکا بلکہ 1811ء کے بعد اس نے سعودیوں سے ٹکر لینے کا ارادہ کیا جب وہ مصر میں مملوکی بیگوں سے گلوخلاصی کر چکا۔

دعوت سلفیہ کے پیروکاروں نے نہ تو خلافت کا مطالبہ کیا اور نہ ہی کبھی خلافت اسلامی کے زیر نگیں ہونے پر کسی اعتراض کا اظہار کیا۔ اختلاف صرف دو بنیادی باتوں میں تھا۔ ایک یہ کہ حاجیوں کے وفد اسلامی طریقوں کی پابندی کریں (3) اور وہ تمام

1۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی۔ ص 94 2۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی۔ ص 171 3۔ ایضاً ص 172

چیزوں سے الگ ہو جائیں جو شریعت اسلامیہ کے منافی ہیں اور دوسری بات تھی دولت عثمانیہ کا یہ احساس کہ حجاز کے مقدس مقامات پر وہابیوں کے قبضے کے سامنے ان کی ایک نہیں چل رہی۔ اس میں ان کا نقصان اور کمزوری کا اظہار ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اس طرح ان کا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا اور ان کے سیاسی غلبہ کو نقصان پہنچے گا۔(1)

جبرتی نے بیان کیا ہے کہ وہابیوں کا مؤقف یہ تھا کہ شام کے حاجی وفود نہ آئیں مگر صرف اس صورت میں کہ ان شرائط کی پابندی کریں جو ان پر عائد کی جائیں اور وہ یہ کہ وہ کجاوے کے بغیر آئیں اپنے ساتھ طبل (جو نوبت جنگ کے لئے بجائی جاتی ہے) اور بانسری نہ لائیں اور کوئی اسلحہ بھی نہ لائیں اور نہ ہی کوئی دوسری ایسی چیز جو شریعت کے منافی ہو۔ جب لوگوں نے یہ شرائط سنیں تو وہ بغیر حج کے واپس چلے گئے اور ان خلاف شرع امور کو ترک نہ کیا(2)۔ جبرتی مصری حاجی وفد کے بارے میں بھی اسی طرح کی بات کرتا ہے۔(3)

عثمانی سلطان کے پہلے حکم نامہ میں جن چند چیزوں پر اکتفا کیا گیا تھا ان میں ایک چیز محمد علی سے سعودیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا مطالبہ تھا۔ دوسرے شریف جدہ کے خطوط کے محرکات کا تذکرہ تھا اور تیسری چیز رعایا تاجروں کے ساتھ بہتر سلوک اور حرمین شریفین کی خلاصی تھی جس کے پیچھے انگریزوں کی سوچ اور فکر کارفرما تھی (4) اس کے بعد اس مطالبہ کو دوبارہ پھر دوہرایا گیا اور حرمین شریفین کی آزادی پر اکتفا کیا گیا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں کے مقابلے میں بار بار کی ہزیمت اور شکست کے بعد جب حجاز مقدس کے شہروں میں عثمانیوں کو پہلی بار کامیابی ہوئی تو سلطان محمود ثانی نے مصر میں اپنا شاہی حکم نامہ ارسال کیا جسے مسجدوں میں پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ حکم نامہ بھی حرمین شریفین کی واپسی کے بارے تھا(5)۔ اور یہ بات اشارہ کرتی ہے کہ سلطان عثمانی کا ہدف اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کہ حجاز مقدس عثمانی سیادت میں لوٹ آئے۔

ممکن تھا کہ یہ جنگ اسی حد تک ختم ہو جاتی۔ محمد علی کی فوجیں حجاز مقدس کے شہروں پر قبضہ کر چکی تھیں اور محمد علی نے حجاز کے علاقے کے لئے ایک نیا شریف (گورنر) مقرر کر دیا تھا۔ نیا شریف اب مجبور تھا کہ حجاز کی طرف سفر کرے اور شریف غالب کو اس علاقے سے نکال باہر کرے جس نے اس کی فوجوں کی مدد کی تھی اور حجاز مقدس میں محمد علی کے داخلے کو ممکن بنایا تھا(6)۔

1۔ عالم اسلام میں بیت اللہ شریف اور روضہ اقدس کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حجاج، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو ذریعہ نجات اور سعادت دارین خیال کرتے ہیں۔ ہر مسلمان حاجی مناسک حج کی حتی المقدور پابندی کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے وقت ادب کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ آخر حجاج کیا کرتے ہونگے کہ سعودیوں کو انہیں اسلامی منہج کی پابندی کرانے کی فکر تھی۔ پھر ایک عرصہ سے لوگ حج و زیارت کو آ رہے تھے۔ کبھی کسی دور میں بھی کسی حکومت نے مسلمانوں کو اس بات کا پابند نہیں کیا تھا کہ وہ کس اصول کے تحت حج کریں۔ ہر شخص آزادانہ اپنے فقہ کے مطابق حج و زیارت کرتا آ رہا تھا۔ صدیوں سے جاری وہ طریقے یک لخت بدعت میں کیسے تبدیل ہو گئے۔ پوری امت پلک جھپکنے کی دیر میں کیسے گمراہ ہو گئی کہ وہابیوں کو امت کی اصلاح کی ضرورت پڑ گئی۔ پھر جس خلافت کو وہ اسلامی خلافت سمجھتے تھے اس سے ٹکر لینا۔ اس کے ما تحت علاقوں میں جنگ کرنا اگر بغاوت نہیں تو کیا ہے۔ اگر اسے جہاد کا نام دیا جا سکتا ہے تو ہر باغی اور مجرم اپنے جرائم کو جہاد کا نام دے سکتا ہے۔ آخر جہاد کے بھی تو کچھ اصول ہیں۔ حکومت کی اجازت کے بغیر چند لوگوں کا اپنے مسلمان بھائیوں سے آمادہ پیکار ہونا کیسے جہاد ہو سکتا ہے۔ (مترجم)

2۔ من اخبار نجد والحجاز۔ محمد ادیب غالب۔ ص 111   2۔ ایضاً ص 112,111   3۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی ص 186

5۔ من اخبار نجد والحجاز۔ محمد ادیب غالب۔ ص 110   6۔ من اخبار نجد والحجاز۔ محمد ادیب غالب۔ ص 100

دعوت سلفیہ کے سعودی قائدین نے محمد علی سے صلح کی پیشکش کی لیکن اس نے ایسی کڑی شرائط پیش کیں جن کو قبول کرنا سعودیوں کے لئے مشکل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ صلح کی پیشکش کے اس جواب میں محمد علی نے سعودیوں کو دھمکی بھی دی تھی۔ جبرتی اس سلسلے میں لکھتا ہے۔ رہی صلح تو وہ شرائط کی وجہ سے نہ ہو سکی کیوں کہ اس میں یہ شرائط رکھی گئی تھیں کہ جنگ کے اول دن سے لے کر اب تک جتنے جنگی اخراجات ہوئے ہیں وہ سعودی ہمیں دیں گے۔ تمام علاقے عثمانیوں کے حوالے کریں گے۔ حجرہ شریف کے تمام جواہر اور ذخائر محمد علی کے حوالے کریں گے(1)۔ حجرہ شریف کا جو سامان ناکارہ ہوا ہے اس کی قیمت ادا کریں گے اس کے بعد سعودی قائد آئے گا۔ مجھ سے ملاقات کرے گا اور میں اس کے ساتھ معاہدہ کروں گا۔ اس کے بعد ہماری صلح مکمل ہوگی اور اگر اس نے انکار کیا اور میرے پاس نہ آیا تو ہم اس کی طرف جائیں گے۔(2)

حجاز اور نجد پر محمد علی کے حملے کی حقیقت

محمد علی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروں کے درمیان جاری جنگ ایسی فوجوں کے درمیان جنگ نہیں تھی جن کے دونوں طرف کے لوگ اسلام کو اپنا دین خیال کرتے ہوں۔ اسی طرح یہ عربی جنگ نہیں تھی جیسا کہ بعض لوگوں نے اسے عربی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں ایک فریق خالص اسلامی بنیادوں پر جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کے سامنے کوئی سیاسی مقاصد نہیں تھے بلکہ اس نے غیرت ایمانی کا ثبوت دیا اور صرف اس بات کی خواہش کی کہ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کی دوبارہ سے پاسداری ہونے لگے۔ یہ سعودی فوج تھی۔ اس نے اسلامی علاقوں سے کافر سامراجی قوتوں کے خطرات کو روکنے کے لئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ رہی دوسری قوت جو سعودیوں سے برسر پیکار تھی تو یہ فوج مصر کے والی محمد علی کی فرستادہ تھی۔ یہ کسی بھی صورت مصری فوج نہیں تھی۔ اس میں اکثریت ارناؤوط تھے اور کچھ ترکی اور نصاریٰ جبکہ اس فوج کے بعض افسر فرانسیسی تھے(3)۔ اس فوج کے اکثر سالار صرف نام کے مسلمان تھے۔ جبرتی جو عینی شاہد ہے وہ اس فوج کی اصلی صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے جبرتی کا یہ بیان اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب شروع شروع میں وہابیوں کو عثمانیوں کے مقابلے میں کامیابی ہو رہی تھی۔ جبرتی وہابیوں کی مذہبی حالت اور ان کے تقویٰ کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''ہم کیسے فتح مند ہو سکتے ہیں...... جبکہ ہمارے اکثر ٹروپس (Troops) مسلمان نہیں ہیں۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں جن کا کوئی دین نہیں اور وہ ہمارے مذہب پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمارے ہم نشین پرلے درجے کے شرابی لوگ ہیں۔ ہمارے لشکر میں اذان کی آواز تک سنائی نہیں دیتی نہ یہاں فرض نماز پڑھی جاتی ہے۔ مومن لوگ تو ایک امام کے پیچھے صفیں باندھ کر خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب عین لڑائی میں نماز کا وقت آ جاتا ہے تو مؤذن اذان پڑھتا ہے اور مسلمان صلوٰۃ الخوف پڑھتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک گروہ نماز پڑھتا ہے اور دوسرا گروہ جنگ کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ پھر دوسرا گروہ نماز کے لئے پیچھے ہٹ آتا ہے اور پہلا گروہ اپنی نماز مکمل کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر ہماری فوج کو تعجب ہوتا ہے

1۔ عجائب الآثار اخبار یوم آخر ذی القعدہ سنہ ۱۲۳۵ھ ادیب غالب ص149

2۔ سعودیوں نے حجرہ شریف کا خزانہ لوٹا جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا۔ (مترجم)

3۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر محمد انیس۔ ص233

کیونکہ انہوں نے کبھی صلوٰۃ الخوف کا نام تک نہیں سنا چہ جائیکہ انہوں نے کسی لشکر کو اس سے پہلے صلوٰۃ الخوف پڑھتے دیکھا ہو۔ یہ لوگ اپنے پڑاؤ میں آواز دیتے ہیں اور کہتے ہیں چلو مشرکوں سے لڑو جو داڑھیاں منڈواتے ہیں۔ زنا اور لواطت کو مباح خیال کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ ان کے اکثر مقتول فوجیوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ غیر مختون ہیں۔ جب یہ فوج بدر میں پہنچی ہے اور اس پر قابض ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے دیہاتوں اور وادیوں کو اپنے قبضہ میں لیا ہے جہاں کے باسی بہترین اہل علم اور نیک لوگ تھے تو ان کو لوٹ لیا ہے۔ ان کی عورتوں، بیٹیوں، بچوں اور کتابوں پر قبضہ کر لیا ہے"۔(1)

محمد علی جنگ میں الٰہی قانون کی پابندی کرنے والا نہیں تھا۔ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والا تھا۔ اسلامی احکام کی اسے مطلقاً پرواہ نہیں تھی۔ اس کا لشکر قتل و غارت گری کرتا، تباہی و بربادی پھیلاتا۔ لوگوں سے ان کے مال چھین لیتا۔ مسلمان جو توحید پر کاربند تھے کی عزتوں کو پامال کرتا تھا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے موقع پر اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں' بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو زخمی کو قتل نہ کرو اور جو ہتھیار پھینک دے وہ بھی امن میں ہے۔"(2)

آپ کا فرمان ہے"خبردار عورتوں سے تعرض نہ کرنا چاہے تمہیں ماں بہن کی گالی دیں۔ تمہارے امیروں کو سب وشتم کریں۔ ایک مرد عورت کو کھجور کی ٹہنی یا چھڑی سے مارتا ہے اسے اس کی وجہ سے نجات دلائی جاتی ہے اور وہ اس کے بعد سزا دی جائے گی"(3)۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں"میں نے جنگ صفین میں شرکت کی۔ مسلمان کسی زخمی کو قتل نہیں کرتے تھے۔ کسی پیٹھ پھیرنے والے (بھاگنے والے) کو قتل نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا سامان نہیں چھینتے تھے۔"(4)

عثمانی سلطان کے لئے حجاز کا اس کے زیر نگیں ہونا کافی تھا۔ درعیہ پر حملہ اس کو مطلوب نہیں تھا اور نہ ہی دولت عثمانیہ اسے اپنی ضرورت خیال کرتی تھی۔ محمد علی متشدد تھا وہ کڑی شرائط صلح عائد کر کے درحقیقت جنگ جاری رکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسی صورت میں اپنے توسیع پسندانہ اہداف حاصل کر سکتا تھا اور برطانوی سیاست کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کر سکتا تھا کیونکہ سعودی سلطنت برطانوی مفادات کے لئے ایک خطرہ بن گئی تھی۔ برطانیہ کو محمد علی کی ضرورت تھی اور محمد علی ان سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے چکر میں تھا۔ اس طرح یہ حملہ درحقیقت اسلامی لباس میں صلیبی حملہ تھا جو بحر احمر، خلیج عربی اور عراق تک پہنچنے والے بری راستے کو سعودیوں سے خالی کرا کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔(5)

جب طوسون بن محمد علی کو امیر عبداللہ بن سعود کے مقابلے میں شکست ہوئی اور اس کا آدھا لشکر موت کی گھاٹ اتر گیا تو محمد علی نے خود حجاز کی راہ لی۔ 1813ء میں اس نے شریف مکہ غالب بن مساعد کو گرفتار کر لیا اور اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ سعودیوں

1۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی۔ ص188

2۔ رواہ ابن ابی شیبۃ: کتاب الجمل (263/15)

3۔ نصب الرایۃ۔ زیلعی (463/3)

4۔ الحاکم فی المستدرک (155/2)، بسند صحیح ووافقہ الذہبی

5 قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی۔ ص189

کے ساتھ سازش میں شریک ہے۔ محمد علی نے اس کا مال و متاع سب کچھ ضبط کر لیا اور اس طرح شریف مکہ حجاز میں محمد علی کے ملازموں میں شمار ہونے لگا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہوگا کہ جنوری 1815ء میں محمد علی کو سعودی فوجوں کے مقابلے میں بسل کے مقام پر فتح حاصل ہوئی (1)۔ بعض مؤرخین اسے وہابی تحریک کی سب سے بڑی جنگ بلکہ مصر کی حربی تاریخ میں اہم ترین معرکہ شمار کرتے ہیں۔ (2)

محمد علی جزیرۂ نمائے عرب میں نہ ٹھہرا کہ جو فتح اسے حاصل ہوئی تھی اس کے سلسلے کو آگے بڑھائے بلکہ وہ اپنے بیٹے طوسون کو حجاز میں چھوڑ کر مصر واپس آ گیا (3) اور تیزی سے نجد کے شمال کی طرف بڑھتا ہوا اس کے شہر جا پہنچا۔ پھر شبیہ پر قبضہ کیا اور یوں درعیہ کی طرف اس کے آگے راستہ کھل گیا۔ امیر عبداللہ نے فوراً مذاکرات کا دروازہ کھولنے کی درخواست کی تاکہ خون ریزی نہ ہو اور شہر اور دیہات محفوظ رہیں (4)۔ طرفین میں مذاکرات شروع ہوئے۔ طوسون کی طرف سے صلح کے لئے درج ذیل شرائط پیش کی گئیں۔

1. مصری فوجیں درعیہ پر قابض ہوں گی۔
2. امیر عبداللہ اپنے آپ کو طوسون پاشا کے حوالے کر دیں گے اور وہ جس سمت چاہیں گے اسے روانہ کر دیں۔
3. امیر عبداللہ حج کے راستوں کو پر امن بنائیں گے اور محمد علی کی طرف سے اس شہر پر جو حاکم ہوگا امیر عبداللہ اس کے حکم کی پابندی کریں گے حتیٰ کہ صلح پر اتفاق ہو جائے۔
4. اگر ان شرائط پر اتفاق ہو جاتا ہے تو یہ شرائط اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوں گی جب تک محمد علی ان کی توثیق نہیں کر دیتا۔

لیکن یہ شرائط امیر عبداللہ کی طرف سے قبول نہ ہوئیں اور فیصلہ یہ ہوا کہ ایک وفد مصر بھیجا جائے جو شروط صلح کے بارے براہ راست محمد علی سے مذاکرات کرے لیکن محمد علی پاشا کے تشدد کے باعث صلح کی یہ کوششیں ناکام رہیں اور سعودی آمادۂ پیکار ہو گئے۔ 1816ء میں محمد علی نے ایک اور مہم روانہ کی جس کی قیادت ابراہیم پاشا کر رہا تھا۔ (5)

ابراہیم پاشا اپنی فوج کو لے کر حجاز سے نجد کی طرف روانہ ہو گیا اور عنیزہ، بریدہ اور شقراء کے شہروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا اور قصیم کا تمام علاقہ اس کے زیر نگیں آ گیا۔ ابراہیم پاشا نے قبائل کے ساتھ نرمی کی پالیسی اختیار کی جس کی وجہ سے اہل نجد کی ایک بہت بڑی تعداد اس کی ہمنوا بن گئی۔ ابراہیم ہمیشہ مجالس منعقد کرتا اور لوگوں کو عطیات سے نوازتا۔ اس نے شروع میں ایسا طریقہ اختیار کیا کہ قبائل اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اس نے فوج کو مار دھاڑ اور لوٹ مار سے روک دیا۔ اپنے تجربہ کار فرانسیسی افسروں کے ذریعے ابراہیم اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ وہ درعیہ پہنچ گیا اور شہر کا چاروں

1۔ الدولۃ السعودیۃ الاولی ڈاکٹر عبدالرحیم ص 199 2۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص 172 3۔ ایضاً ص 172
4۔ سعودی بے شمار اہل علم کے خون سے ہاتھ رنگ چکے تھے۔ صحابہ کرام کی قبروں کا نام و نشان مٹا چکے تھے۔ وہ واقعی قابل گردن زدنی تھے۔ (مترجم)
5۔ الدولۃ السعودیۃ الاولی: ص 345,339

طرف سے محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ بہت طویل تھا جو 6 اپریل سے شروع ہوا اور 9 ستمبر 1818ء تک جاری رہا۔ بالآخر امیر عبداللہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور گرفتاری پیش کردی۔ ابراہیم درعیہ میں داخل ہو گیا۔ امیر عبداللہ بن سعود کو سخت حفاظت میں درعیہ سے مصر اور پھر مصر سے استنبول بھیج دیا گیا(1)۔ استنبول میں پورے تین دن تک اس کی تشہیر کی گئی پھر اسے پھانسی دینے کا حکم دے دیا گیا۔ اللہ اس مظلوم پر رحمت فرمائے (2)۔ ان کے قتل کی حقیقت بروز قیامت سامنے آئے گی۔ یہ وہی شخص ہے جس نے صلح کی دعوت دی۔ شیخ احمد حنبلی نے ایک خط میں جو انہوں نے طرسوں کو لکھا اہل جزیرہ کی صلح کی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ عثمانی سلطان کی خلافت کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ سلطنت خلافت کے باغی نہیں ہیں۔ پھر کیوں فوجیں بار بار جزیرۂ عرب کی طرف بھیجی جاتی ہیں؟ یوں دشمن کی سازشوں سے ایک عرصہ تک مسلمان مسلمان کے خون سے ہولی کھیلتا رہا اور دشمن کو تقویت پہنچاتا رہا۔(3)

جب فرانسیسیوں نے مصر پر قبضہ کیا تھا تو جزیرۂ عرب کے لوگوں نے ان کی مدد کی تھی تو پھر ان پر عملاً یہ زیادتی کی جا رہی تھی؟(4) محمد علی نے لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کے حکم سے کر رہے ہیں اور خلیفہ کی فرمانبرداری اور اطاعت ان پر فرض ہے۔ اس کارروائی کا مقصد جزیرۂ عرب کو سلطنت خلافت کے جسم سے الگ کرنے کی سازش کو ناکام بنانا ہے۔(5)

محمد علی مسلمانوں کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ اس کی دوستی اور ہمدردیاں اسلام کے دشمنوں کے ساتھ تھیں۔ اس نے انہیں کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ محمد علی اور امت مسلمہ کو ان کے انجام تک پہنچائیں۔ اس بات کا یہی عملی نتیجہ تھا کہ تمباکو نوشی کے سامان کو لے کر ایک غیر مسلم تاجر ان علاقوں میں آیا تاکہ اسلامی شہروں میں شریعت اسلامی کی پاسداری کو روک کر بے راہ روی کو رواج دے۔ یہ تاجر ہمیشہ غیر معروف النسب رہا۔(6)

1۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث: ص 174 2۔ ایضاً، ص 174

3۔ افسوس کہ مسلمان مسلمان کی گردن مار رہا تھا۔ لیکن انصاف کی کہیں تو ایسے نازک حالات میں مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانا۔ مشرک سمجھ کو ان کی گردنیں مارنا۔ اسلامی حکومت جو چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں آ چکی تھی۔ اس کی فوجوں کو میدان کارزار میں للکارنا اور اسے خود اپنے ملک میں الجھانا۔ کہاں کی دینداری اور دانشمندی ہے۔ کتنے صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اولیاء کاملین کے مزارات کو وہابی حکومت نے مسمار کیا۔ کیا اس سے پہلے پوری اسلامی دنیا شرک میں مبتلا رہی اور دین سے بے بہرہ رہی؟ ہم مانتے ہیں کہ مسلمانوں میں بدعملی اور بے عملی آ چکی تھی۔ بعض غیر شرعی رسوم بھی اپنا لی گئی تھیں۔ لیکن کیا اس کا یہی علاج ہے کہ تبلیغ کی بجائے انتہاء پسندی کا ثبوت دیا جائے۔ پوری قوم کو مشرک قرار دے کر ان کی گردن ماردی جائے اور ملک کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اسلامی اتحاد کو سبوتاژ کر دیا جائے؟ نعوذ باللہ (مترجم)

4۔ جن لوگوں نے فرانس کے مصر پر حملہ کے دوران مسلمان بھائیوں کی مدد کی تھی۔ وہابیوں نے انہیں مشرک کہہ کر ان کو موت کی نیند سلا دیا تھا یا انہیں زبردستی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ان لوگوں نے تو خلافت کی مدد کی تھی جب کہ وہابی خلافت کے خلاف لڑ رہے تھے۔ عرب اور غیر عرب کی یہ تقسیم تو ہے ہی غیر شرعی جس کا مصنف یہاں اشارہ دے رہے ہیں۔ وہابی تحریک کے ہاتھوں جو علماء اور مشائخ قتل ہوئے ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ (مترجم)

5۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالھادی۔ ص 96 6۔ ایضاً

جب ابراہیم پاشا کی فوجوں کے ہاتھوں پہلی سعودی سلطنت کے دارالحکومت درعیہ کا سقوط عمل میں آیا تو برطانیہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی (1)۔ کیونکہ سلفی سلطنت خلیج عربی میں برطانیہ کے خلاف جنگ میں قواسم کو مدد دبا ہم پہنچا رہی تھی اور اس سے ہندوستان میں برطانیہ کے مفادات کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے (2)۔ یہاں ہمارے ذہن میں ایک سوال آتا ہے بالخصوص ان حالات میں جن میں عالم اسلام اپنی نئی تاریخ میں زندگی گزار رہا تھا کہ محمد علی پاشا اور دولت عثمانیہ کی فوجیں اگر پہلی دولت سعودیہ کے ساتھ الجھنے کی بجائے ان کے ساتھ تعاون کرتے اور متحد ہو کر یورپی مفادات بالخصوص برطانوی مفادات کے سامنے ڈٹ جاتے تو یقیناً ہماری تاریخ آج مختلف ہوتی۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ سعودی سلطنت ایک مسلمان سلطنت تھی جو صحیح سلفی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی اور اسلامی دنیا کو اس وقت ایک ایسی ہی سلطنت کی ضرورت تھی۔ بہرحال برطانیہ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ سو اس نے اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر فوراً تہنیت کا پیغام بھیجا اور درعیہ پر قبضہ کرنے پر ابراہیم پاشا کو مبارکباد دینے کے لئے کیپٹن جارج فورسٹر مادلیر کو بھیجا (3)۔ برطانیہ نے کوشش کی کہ ابراہیم پاشا کی بری فوج اور برطانیہ کی بحری فوج کے درمیان ایک معاہدہ طے پا جائے تا کہ دونوں مل کر قواسم کے خلاف جو پہلی دولت سعودیہ کے حلیف ہیں' حملہ کیا جائے۔ (4)

برطانیہ اور محمد علی کے درمیان تعلق بہت عرصے سے تھا۔ اپنی حکومت کے شروع میں محمد علی نے برطانیہ کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ ان مذاکرات میں محمد علی نے اپنی جدت پسندی اور برطانیہ کے ساتھ اپنے ربط کی خواہش کا اظہار کیا بلکہ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ برطانیہ کی ماتحتی کو بھی قبول کرلے گا۔ اس کی دلیل وہ رپورٹ ہے جو فریزر نے محمد علی کے ساتھ مذاکرات کے دوران 16 اکتوبر 1807ء کو جرنل مور کو روانہ کی تھی۔ جرنل مور اس مذاکراتی ٹیم کے اہم ترین رکن تھے۔ اس رپورٹ میں یہ بات مذکور تھی کہ ''مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں آپ لوگوں کو حالات سے آگاہ کروں تا کہ مصر کے پاشا اور میجر جنرل شریوک اور کیپٹن فیلوز کے درمیان جو مذاکرات ہوئے ہیں وہ آپ کی نظر میں رہیں۔ اپنی مہم کو سرانجام دینے کے دوران جو مذاکرات ہوئے ہیں میجر جنرل شریوک اور میرے نزدیک حوصلہ افزا ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ گفتگو اور دوسرے بہت سے مواقع پر میرے ساتھ ہونے والے رابطوں میں پاشا سنجیدہ ہیں اور جو اس نے تجویز پیش کی ہے وہ صحیح ہے۔ محمد علی پاشا جو مصر کے والی ہیں انہوں نے تو یہاں تک پیش کش کر دی ہے کہ وہ برطانیہ کی دست نگری کو بھی قبول کر سکتے ہیں۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ہم ان کی تجاویز کو برطانیہ کی سینئر فوجی قیادت تک پہنچائیں گے تا کہ یہ سینئر آفیسر ان تجاویز سے حکومت برطانیہ کو آگاہ کریں اور حکومت اس بارے غور و فکر کرے۔ محمد علی اس بات کی بھی ضمانت دیتا ہے کہ وہ فرانسیسیوں اور ترکوں یا کسی دوسرے لشکر کو جو کسی بھی ملک کے تابع ہے' سمندر کے راستے سے اسکندریہ میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسکندریہ کی حفاظت برطانیہ عظمیٰ کے ایک حلیف اور دوست کی طرح کرے گا لیکن

1۔ دراسات فی تاریخ الخلیج العربی الحدیث والمعاصر (198/1)
2۔ تاریخ الاحساء السیاسی۔ ڈاکٹر محمد عرابی۔ ص (42-43)
3۔ ج ج لاریمر۔ دلیل الخلیج التاریخی۔ (1009/2-1010)
4۔ حروب محمد علی فی الشام: ڈاکٹر عایض روقی۔ ص 112

اسے اس بات سے مفر نہیں کہ وہ انگریزی بحریہ کی مدد کا انتظار کرے جب اس پر سمندر کی طرف سے حملہ ہو۔ کیونکہ اس کے پاس جنگی بحری جہاز نہیں ہیں۔ محمد علی کو اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ اگر برطانیہ کے جہازوں کو جو اسکندریہ سے دور کھڑے ہیں نیل میں آنے کی ضرورت پڑے گی تو انہیں نیل میں لایا جائے گا۔ بس سگنل دینے کی ضرورت ہوگی اور اس بارے پہلے سے اتفاق کر لیا جائے گا۔(1)

محمد علی پاشا اور انگریزوں کے درمیان اتفاق جس کی حیثیت ایک معاہدہ کی تھی' کی اطلاع جب فرانسیسی کونسل کو ملی تو اس نے ان معلومات کے بارے ایک (Drofic) تحریر پیش کرتے ہوئے کہا ''اگر اس طرح کا معاہدہ مکمل ہو جاتا ہے تو انگریزوں کی وہ تمام توقعات جو انہوں نے اس مہم کی روانگی کے وقت اس سے وابستہ کی تھیں' پوری ہو جائیں گی بلکہ امکان یہ ہے کہ انہیں اس معاہدہ سے توقعات سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل ہو جائے۔''(2)

معاہدے پر دستخط ہو چکے۔ اسکندریہ کو خالی کر دینے اور مصر کے گورنر محمد علی پاشا کے حوالے کر دینے کے بعد بھی انگریز اس معاہدے کی تمام شقوں کو سامنے نہ لائے کیونکہ برطانیہ چاہتا تھا کہ اس بارے کچھ عرصہ انتظار کرے کیونکہ اس معاہدہ میں دولت عثمانیہ کے ساتھ کھلی عداوت کا اعلان تھا۔ انگریز ایک ایسے حاکم کی پشت پناہی کر رہے تھے جو دولت عثمانیہ سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اپنی خود مختاری کے لئے کوشاں تھا اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ظہور پذیر ہوا جب برطانیہ کے دولت خلافت سے بڑے مفادات وابستہ تھے اور وہ ہر ممکن حد تک دولت عثمانیہ اور اپنے نئے ایجنٹ سے فائدہ حاصل کر کے اپنا اقتدار مستحکم کرنا چاہتے تھے۔(3)

یونان کی بغاوت

یورپ دولت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا تھا۔ سو اس نے اس ہدف تک پہنچنے کے لئے کئی ذرائع اختیار کیے۔ ایک تو گروہی اور مذہبی فتنے کھڑے کیے۔ اپنے مادی اور اخلاقی امداد کے ذریعے داخلی بغاوتیں برپا کروادیں۔ یونان اسلامی علاقوں کے ایک حصے کی حیثیت رکھتا تھا۔ کئی صدیوں سے یونان کے شہروں اور دیہاتوں میں رات دن آذان پڑھی جارہی تھی اور پانچ نمازوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ان تمام علاقوں میں اسلامی قانون نافذ تھا اور یہ چیز نصرانی زعماء کو پسند نہیں تھی۔ خواہ وہ یونان سے تعلق رکھتے تھے یا یورپ کے دوسرے ممالک سے۔ اس لئے انہوں نے یونان' روس اور دوسرے علاقوں میں خفیہ جمعیتوں کی بنیاد رکھنا شروع کی۔ ان جمعیتوں کا مقصد یہ تھا کہ استنبول میں رومی آرتھوڈکس بطرکی ادارہ کے تحت قدیم بیزنطینی شہنشاہیت کا احیاء کیا جائے اور بہت سے بشپ، پادری اور مذہبی لوگ دولت عثمانیہ کی مخالف ان جمعیتوں کے اصل ممبر بن جائیں(4)۔ یہ مذہبی لوگ معاشرے میں اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائیں اور لوگوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر ابھاریں۔ ان پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے یورپی ملکوں سے بالخصوص روس سے گہرے روابط تھے۔ ہمارے پاس ایک ایسی اہم تاریخی

1۔ مصر فی مطلع القرن التاسع عشر۔ ڈاکٹر فواد شکری (857,856/2)
2۔ ایضاً
3۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی۔ ص 174
4۔ دور الکنیسۃ فی ھدم الدولۃ العثمانیۃ۔ ثریا شاہین۔ ص 56-57

دستاویز موجود ہے جو دولت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے تعاون اور توافق کے سلسلہ میں رابطے کا پتہ دیتی ہے۔
یہ عبارت بشپ حریجوریوس کے ایک خط کی ہے جو انہوں نے روس کے قیصر کے نام تحریر کیا۔ بشپ موصوف اس خط میں دولت عثمانیہ کو اندر سے تباہ کرنے کی کیفیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

''آمنے سامنے کی جنگ میں عثمانی ترکوں کو تباہ و برباد کرنا ناممکن ہے کیونکہ عثمانی ترک انتہائی جنگجو بہادر اور خوددار ہیں۔ وہ جان دے دیتے ہیں لیکن اپنی عزت پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ ان کی یہ خصلتیں جو وہ اپنے اندر رکھتے ہیں' دین کے ساتھ وابستگی کا نتیجہ ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے فیصلے پر خوش ہیں۔ اس کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ وہ اس عقیدہ پر سختی سے کاربند ہیں کہ جو کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ان اعلیٰ صفات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قوت ان کی وراثت' تاریخ' اپنے فرمانروا' قائدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور بڑوں کے احترام کا نتیجہ ہے۔(1)

عثمانی ترک بلا کے ذہین ہیں۔ بڑے جفاکش' محنتی اور اپنے ان رئیسوں کا حکم ماننے والے ہیں جو صحیح ایجابی راستے کی طرف ان کی قیادت کرتے ہیں اور ان کو لے کر چلتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو انہیں ایک بہت بڑی قوت میں تبدیل کر دیتی ہے جس کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔ یہ لوگ قناعت پسندی' عزم و حوصلہ اور جنگ میں شجاعت و ثابت قدمی جیسی اعلیٰ صفات میں تمام لوگوں سے فائق ہیں۔

عثمانی ترکوں کی یہ سب خصوصیات بلکہ ان کی شجاعت و بہادری اپنے دین کے ساتھ تمسک' اپنے رسم ورواج' روایات کے ساتھ ارتباط اور اخلاقی پختگی کی وجہ سے ہے لہٰذا

(1) سب سے پہلے تو ان کے اندر سلطان اور قیادت کی اطاعت کے جذبے کو ختم کیا جائے۔ ان کی معنوی روح کو تباہ کیا جائے۔ ان کے دینی رابطوں پر ضرب لگائی جائے اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مختصر ترین راستہ ہے کہ انہیں ایسے افکار اور ایسے غیر ملکی طرز زندگی کا عادی بنا دیا جائے جو ان کی علاقائی اور روحانی میراث سے میل نہیں کھاتے۔

(2) عثمانی ترکوں کو اس بات پر ابھارنا ضروری ہے کہ وہ خارجی امداد کو قبول کریں جن کا آج تک وہ اپنی عزت و وقار کی بدولت انکار کرتے آئے ہیں اور اس بیرونی امداد کا انہیں عادی بنا دیا جائے تاکہ وہ اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں اور محتاج بن جائیں۔

اس طرح ان کے ذہنوں میں مادی چیزوں کی اہمیت اور قدر و قیمت بڑھا کر انہیں تباہ و برباد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انہیں مادی مفادات کا اسیر بنا کر تباہ کیا جائے۔ انہیں صرف عسکری میدان میں شکست دینا کافی نہیں بلکہ دوسرا راستہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر صرف جنگ وجدل کا راستہ اختیار کیا گیا تو یہ لوگ چوکنے ہو جائیں گے۔ بہت جلد بیدار ہو جائیں گے اور دولت عثمانیہ کی قوت کو سبوتاژ کرنے کے لئے جو منصوبہ بندی ہو رہی ہے وہ اس کی حقیقت کو سمجھ جائیں گے۔ جو چیز ہمارے ذمہ لازم ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کی شخصی اور معاشرتی بنیادوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیں اور ان کی ملکی عظمت کو

1۔ دشمن کو بھی اعتراف تھا کہ عثمانی سچے مسلمان ہیں لیکن وہابی انہیں مشرک سمجھتے تھے۔ نعوذ باللہ (مترجم)

نیست و نابود کر دیں اور انہیں خبر تک بھی نہ ہو"۔(1)

بشپ جریجوریوس جمعیت کا ایک انتہائی فعال رکن ہونے کے ساتھ ساتھ استنبول کے بشپ بھی تھا۔ اس نے اپنے اثر و رسوخ اور اپنے تمام ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے کوشش کی کہ خفیہ جمعیت کے احکام کو نافذ کر کے یونان کی عظیم دولت کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر کیا جائے۔ اس خفیہ جمعیت کے مقاصد درج ذیل تھے۔

1 دولت عثمانیہ میں جگہ جگہ ایسی خفیہ تنظیمات کا قیام عمل میں لانا اور روم کی امیر اور بااثر شخصیات کو ان تنظیموں کا رکن بنانا۔ ایسے لوگوں کو ان تنظیموں میں رکنیت دینے کا مقصد مادی اور معنوی مساعدات کی ضمانت تھی۔

2 رجالی کلیسا میں سے مشہور ہیلنین کو ان جمعیتوں کا صدر بنانا۔

3 خفیہ تنظیموں کی مالی امداد کو یقینی بنانے کے لئے تجارتی کمپنیوں کی تاسیس۔

4 ان ہیلینز جوانوں سے استفادہ جو یورپ میں پڑھتے ہیں۔

5-یونان کی (موہومہ) عظیم سلطنت کی امداد کو یقینی بنانے کے لئے عملی اقدامات۔(2)

خفیہ تنظیم کا جال مورہ کے پورے علاقے اور اس کے باہر کئی دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ داخلی رکاوٹوں سے گلو خلاصی کرانے کے لئے کئی سازشیں ہوئیں۔ 1821ء میں باقاعدہ بغاوت کا اعلان ہو گیا۔ باتراس کا پادری جو مورہ کی خفیہ تنظیم کا لیڈر بھی تھا ایک جھنڈا ہاتھ میں لئے اٹھ کھڑا ہوا جس پر حضرت مریم کی (خیالی) تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ چیخ چیخ کر اعلان کرنے لگا۔ "اے یونانی قوم! آؤ میرا ساتھ دو اور ترکوں کو قتل کر دو" وہ تمام رومیوں کو عثمانیوں کے خلاف جنگ کی دعوت دینے لگا۔ اسی دوران بغاوت پھوٹ پڑی اور وسیع پیمانے پر پھیلتی چلی گئی۔

یہ بغاوت 1821ء میں شروع ہوئی اور علاقائی اور دینی رنگ اختیار کر گئی۔ اس کی قیادت مذہبی لوگ کر رہے تھے۔

جمہوریہ قبرص کے سابق فرمانروا مکاریوس نے 1951ء میں ترکی کے مشہور صحافی اور وکیل "نوزاد قرا کیل" کے ساتھ ایک مباحثے میں کہا تھا "ممکن ہے آپ یہ بات جانتے ہوں کہ یونان کی بغاوت کی قیادت کلیسا نے کی تھی جب 1821ء میں عثمانیوں کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ پادری ہی تھے جنہوں نے اس شورش کی زمام اپنے ہاتھ میں لی تھی یعنی جس شخص نے سب سے پہلے علم بغاوت بلند کیا' وہ پادری ہی تھا اور ان ہی لوگوں کی متعین کردہ راہ کو اختیار کر کے یونان نے دولت عثمانیہ سے خود مختاری حاصل کی تھی(3)۔ مکاریوس نے مزید یہ بھی کہا کہ آزادی ہی مسیحیت کی بہترین سوچ ہے۔(4)

سچ تو یہی ہے کہ یہ سب کچھ واقع ہوا۔ پادریوں کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ دیہاتوں اور قصبوں میں اس بات کو پہنچائیں کہ وہ ترکوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے ان پر حملہ کریں۔ حملے کی ابتداء عید فصح کی رات کو ہو گی۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے سے قسمیں لیں کہ اس راز کو مقررہ وقت سے پہلے عیاں نہیں ہونے دیں گے۔ عثمانیوں کو اپنے دوستوں کے ذریعے اس بات کا

1۔ دور الكنيسة فی ھدم الدولة العثمانية: تالیف ثریا شاہین۔ ترجمہ محمد حرب ص 70 تا 72		2۔ ایضاً ص 60
3۔ دور الكنيسة فی ھدم الدولة العثمانية: ص 65		4۔ ایضاً ص 65

علم ہو گیا اور احتیاطاً انہوں نے قلعوں کی طرف کھسکنا شروع کر دیا لیکن ان قلعوں نے ان کی کچھ مدد نہ کی اور وہ ان باغیوں کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑے نہ ہو سکے۔ یکے بعد دیگرے یہ قلعے مجرم باغیوں کے ہاتھوں مفتوح ہوتے گئے اور تھوڑے عرصہ میں یعنی صرف تین ہفتوں میں پورے مورہ پر باغیوں نے قبضہ کر لیا۔ صرف ''تریبولیجہ'' کا قلعہ بچ گیا جہاں عثمانی بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ یہ قلعہ مورہ کی ولایت کا مرکز تھا۔ کئی ہفتوں تک یہاں مقابلہ ہوتا رہا۔ رومیوں کے ہاتھ جو بھی عثمانی گرفتار ہوا انہوں نے اسے ایسے وحشت ناک طریقے سے قتل کیا کہ تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی اور جو بھی ہتھے چڑھا باغیوں نے قتل کر کے اس کا مال لوٹ لیا۔

ان مذہبی رہنماؤں کا ''عظیم سوچ'' کی تنظیم کے کارکنوں سے مسلسل اور مضبوط رابطہ تھا۔ پادریوں نے کلیساؤں میں افلاق اور بغدان کی رومی فوجوں کی پوری طرح مدد کی اور کلیسا نے ان فوجوں کے سینئر آفیسرز کو خوب مالی مدد باہم پہنچائی۔ اس کے علاوہ ان پادریوں نے باغیوں کو اجازت دی کہ وہ چرچز میں توپیں اور گولہ بارود رکھیں اور انہیں اپنے لئے سٹور بنالیں۔

اس کے علاوہ ان پادریوں نے انہیں اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ ان کلیساؤں میں رہائش اختیار کریں۔

لاٹ پادری ''بالیا بادرا'' نے روسی کونسل کو ایک خط ارسال کیا اور درخواست کی۔ ''ترکوں سے مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ روس باغیوں کی بھرپور مدد کرے''۔

بشپ جوریجوریوس نے دولت عثمانیہ کے خلاف رومی بغاوت میں اہم کردار ادا کیا جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا ہے لیکن اس بات کی وضاحت کو ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ بشپ مذکور باوجود اس کے کہ یونان کبریٰ کے قیام کی کوشش کرنے والی جمعیت یا جسے رومی عظیم سوچ کا نام دیتے تھے کہ سرکردہ ممبر تھے لیکن جب روس نے اپنے مفادات کی خاطر یہ اعلان کیا کہ وہ آرتھوڈکس کی بغاوت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا تو بشپ جریجوریوس نے مجبوراً ایک حکم نامہ صادر کیا جسے ''بیان الحرمان'' کا نام دیا گیا اور تمام باغیوں پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔(1)

عثمانیہ خفیہ ایجنسیاں یقینی اور پختہ خبریں لانے میں کامیاب ہو گئیں جن کا مفاد یہ تھا کہ ''یونان کی عظیم آرتھوڈکس سلطنت کے قیام کا منصوبہ بنانے والا بشپ جریجوریوس ہی ہے۔''(2)

جب یہ اطلاع سلطان محمود ثانی کو پہنچی تو اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ہکا بکا رہ گیا اور حکم دیا کہ بشپ کا ٹھکانا معلوم کیا جائے۔ علی پاشا نے بشپ مذکور کو گرفتار کرنے کے لئے بڑے مضبوط طریقے سے چھاپا مارنے کا پلان تیار کیا اور جب چھاپہ مار کر بشپ کو گرفتار کیا گیا تو بہت ساری دستاویزات حکومت اور حکومتی نمائندوں کے ہاتھ لگیں جن سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ سارا کھیل بشپ کا تیار کردہ تھا۔

ان دستاویزات میں وہ خطوط بھی موجود تھے جو ان پادریوں کے نام لکھے گئے تھے جو اس بغاوت کی قیادت کر رہے تھے۔ خطوط کے علاوہ استنبول میں بغاوت برپا کرنے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنے کے بارے جاری کردہ معلومات' تیاریاں

1۔ دور الکنیسۃ فی ھدم الدولۃ العثمانیۃ: ص66

2۔ ایضاً ص67

اور خفیہ تیاریاں جن کو دولت عثمانیہ نے مخفی رکھا اور ان کے ذریعے کلیسا کے تابع رومی امراء کو گرفتار کیا۔ ان کے علاوہ وہ خطوط اور معلومات بھی بشپ مذکور کے پاس سے برآمد ہوئیں جو انگریز اور فرانسیسی سفارت کاروں کی طرف سے بشپ کو موصول ہوئی تھیں۔ بالخصوص روس میں موجود رومی سلطنت کی تیاری کے مختلف مراحل کے بارے معلومات' اودیسا کے شہر کی خفیہ تنظیم کے مرکز سے بھیجی گئیں اسلحہ کے بارے اطلاعات' بیانات اور پوری آرتھوڈکس دنیا کی طرف لکھے گئے امداد کی حصول کے خطوط' بغاوت کے لئے بشپ کی طرف سے مالی امداد دینے کے لئے رابطے کی دستاویزات سب کچھ بشپ سے برآمد کر لیا۔

یہ سب دستاویزات عثمانی حکومت کے ہاتھ آ گئیں۔ بشپ نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور کہا یہ تمام اقدامات میں نے کیے ہیں۔ اس نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی۔ دوسرے لوگ بھی جو اس کام میں بشپ کے شریک کار تھے حکومت کی نظر میں آ گئے۔

سلطان محمود ثانی نے بشپ جزیجوریوس کو اس کے منصب سے معزول کرنے کا فرمان جاری کیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد بشپ کے قتل کا فرمان جاری ہوا (1)۔ آرتھوڈکس رومیوں کے عید الفصح کے دن اسے موت کی گھاٹ اتار کر قصہ پاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان نے ایک اور فرمان جاری کیا تاکہ مقتول بشپ کی جگہ کسی اور شخص کو بشپ منتخب کیا جائے۔ جب یہ شاہی فرمان حکومتی ترجمان استافرا کی بیگ کے حوالے ہوا اور وہ اسے لے کر بشپ کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو لوگ تھرا اٹھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ مسیحی ذمہ داروں کو یہ فرمان پڑھ کر سنایا گیا اور پھر انہوں نے اویانیوس نامی شخص کو اپنا بشپ منتخب کر لیا۔ (2)

عثمانی حکومت نے بعض باغیوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس کی بدولت پوری آبادی میں دوبارہ صورت حال بہتر ہو گئی حتیٰ کہ نیا بشپ باغیوں اور دولت عثمانیہ کے درمیان واسطہ بن گیا اور بات یہاں تک پہنچی کہ نئے بشپ نے ''عرض حال'' کے نام سے حکومت کو ایک درخواست پیش کی اور عفو عام کا مطالبہ کیا۔ عثمانی اداروں نے بشپ کی ان کوششوں کو قبول کیا اور ہر اس شخص کو معاف کر دینے کا اعلان کر دیا جو اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ ان لوگوں کے مال اور املاک انہیں واپس کر دی گئیں اور ان کی درخواست قبول کر لی گئی۔ رہے وہ لوگ جن کو موت کی سزا دی جا چکی تھی تو حکومت نے ان کے ورثاء کو مالی امداد دی کلیسے اپنا کردار ادا کرنے لگے اور پہلے کی طرح نصرانی دینی رسومات منائی جانے لگیں۔ اسی طرح حکومت نے لوگوں سے وعدہ کیا کہ لوگوں کو ان کے آرام و آسائش کے تمام وسائل دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے ممالک میں سفیر بھیج کر ان تمام حالات سے بیرونی ملکوں کو آگاہ کر دیا گیا لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود حالات پرسکون نہ ہوئے۔ واقعات رونما ہوتے رہے اور مجبوراً حکومت کو مداخلت کرنا پڑی۔ (3)

محمد علی پاشا اور یونان

محمد علی جزیرۂ عرب میں سلفی دعوت کے خاتمے میں اپنا کردار ادا کر چکا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اس کو کمزور کیا جائے اور اس کے پر کاٹ دیئے جائیں۔ اسی لیے یورپی ملکوں نے سلطان محمود ثانی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ یونان کی بغاوت کو فرو

1۔ دور الکنیسۃ فی ھدم الدولۃ العثمانیۃ، ص 73 2۔ ایضاً، ص 74 3۔ ایضاً، ص 74

کرنے کے لئے محمد علی کی آرمی سے مدد حاصل کرے۔ ادھر ان بیرونی طاقتوں نے محمد علی کو اس بات پر تیار کر رکھا تھا کہ جونہی دولت عثمانیہ اس سے فوجیں بھیجنے کا مطالبہ کرے تو وہ اس مہم کو قبول کرے۔ انہوں نے اسے باور کرا دیا کہ اس طرح وہ اس علاقہ کی سب سے بڑی قوت بن جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خلافت کے اقتدار کے کمزور ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بن جائے۔ محمد علی نے سلطان محمود ثانی کی درخواست کو اس شرط پر قبول کر لیا کہ کریٹ اور یونان پر اس کی عملداری ہوگی اور جونہی اسے شرط کی منظوری کی خبر موصول ہوئی تو اس نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو حرب مورہ کے قصے کو حل کرنے کی ذمہ داری سونپ دی(1)۔ 1234ء بمطابق 1823ء میں مصری فوج ابراہیم پاشا اور محمد علی کے فرانسیسی مشیر سلیمان پاشا کی قیادت میں مورہ اور کریٹ کی طرف چل دی۔ 1240ء بمطابق 1824ء کو نافرین فتح ہوا۔ 1241ء بمطابق 1823ء میں فوج اتھینا میں داخل ہوگئی۔ باوجود اس کے کہ انگریزی بحریہ کے قائد لارڈ کوشران یونان کے صلیبیوں کی مدد کر رہا تھا۔ جب مسلمان آرمی یونان کی صلیبی بغاوت کو فرو کر چکی تو اچانک یورپ کے صلیبی تیوری چڑھائے نمودار ہوئے اور یونان کی حمایت کا کھلم کھلا اعلان کر دیا بلکہ روس نے تو یونانی بغاوت کو امداد فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔ روس نے سوچا یہ بہتر موقع ہے اور اس کا فائدہ اٹھا کر استنبول میں داخل ہو کر اسے دوبارہ بت پرست صلیبی مرکز بنایا جا سکتا ہے۔ انگریزوں نے بھی روس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔(2)

28 صفر 1248ھ بمطابق 1832ء کو دولت عثمانیہ نے مجبوراً آق کرمان کا معاہدہ کیا جس کی اہم ترین دفع یہ تھی کہ روسی جہاز رانوں کو بحر اسود میں آنے اور عثمانی تنگ نائے سے بغیر تفتیش کے گزرنے کا حق ہوگا۔ باوجود اس بات کے کہ یہ معاہدہ یونان کی صلیبی بغاوت کی وجہ سے عمل میں آیا تھا لیکن عجیب بات ہے اس بارے معاہدہ میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد 8 رجب 1244ھ بمطابق 1828ء کو انگریزوں نے دولت عثمانیہ کو یہ درخواست روانہ کی کہ ”دولت عثمانیہ بیچ بچاؤ کرانے کی پالیسی اختیار کرے کیونکہ یہ اس کے داخلی امور میں کھلی مداخلت ہے“(3) لیکن دولت عثمانیہ نے اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ انگریزوں کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کا مطلب تھا۔ ایک ایسی دلیل مہیا کرنا جس کو بنیاد بنا کر یورپ نے دولت عثمانیہ کے خلاف ایک دفع پھر جنگ کا اعلان کر دیا۔

روس، فرانس اور انگریز 11 ذی الحجہ کو اس بات پر متفق ہو گئے کہ دولت عثمانیہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ یونان کو خود مختاری دے۔ اس کا مطلب تھا دولت عثمانیہ جو اس کی ماں کی حیثیت رکھتی تھی، سے اس کو الگ کر دینا۔ دولت عثمانیہ نے اس مطالبے کو نامنظور کر دیا۔ یورپی ملکوں نے اپنے بحری بیڑوں کو حکم دے دیا کہ یونان کے ساحلوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ادھر ابراہیم پاشا سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ جنگ نہ کرے۔ ابراہیم پاشا کا طبعاً جواب یہی ہوگا کہ اسے خلیفۃ المسلمین سے یا اپنے باپ سے یہی حکم مل چکا ہے نہ کہ کسی غیر سے۔ بیس دن تک جنگ نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں کہ اس کے پاس ہدایات پہنچ گئیں۔(4) یورپ کی متحدہ فوجیں ”نوارین“ کی بندرگاہ تک پہنچ گئیں لیکن انہوں نے جنگ کے لئے اپنے جھنڈے بلند نہ کیے۔ اس

1۔ الدولة العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص 98 2۔ ایضاً، ص 99 3۔ ایضاً، ص 100 4۔ ایضاً

لئے ان کا یہاں داخل ہونا ایک دھوکہ تھا۔ اچانک یورپی لشکروں نے مسلمان لشکر پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ مسلمان جو آنکھیں بند کیے یورپی طاقتوں کے وعدوں پر اعتبار کیے بیٹھے تھے۔ اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور انہیں بہت بری طرح شکست ہوئی۔ کئی جہاز ڈوب گئے۔ انہیں اس دھوکے کی توقع نہ تھی۔ صورت حال بالکل بگڑ گئی۔ مسلمان جو ابھی تک دشمن سے بہتر پوزیشن میں تھے، بالکل مغلوب ہو کر رہ گئے۔

یورپ اس کامیابی پر بغلیں بجانے لگا(1)۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ محمد علی کے تین ہزار سے زیادہ فوجی جنگ میں مارے گئے اور اس طرح دشمن کا پلان مکمل ہو گیا۔ محمد علی اپنی طاقت کھو چکا تھا۔ دولت عثمانیہ سے کئی اسلامی شہر الگ ہو چکے تھے۔ فرانس اور انگریزوں نے بڑی شاطرانہ چال چلی۔ ایک طرف سلطان کو یونان کی بغاوت فرو کرنے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف خود ہی اس کی آرمی پر ہلہ بول کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

والی مصر محمد علی کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو اپنے بیٹے کو واپس آ جانے کا حکم دیا۔ اب محمد علی کے لشکر کی جگہ فرانسیسی فوجوں نے لے لی۔ فرانس اور انگریزوں نے ایک کانفرنس کی اور فیصلہ صادر کیا کہ یونان کو دولت عثمانیہ سے الگ کر دیا جائے۔ اس شرط پر کہ یہاں ایک نصرانی حاکم فرمانروائی کرے جسے تین ملک (فرانس، برطانیہ اور دولت عثمانیہ) منتخب کریں گے۔(2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ (ابراہیم)

''اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرۃ: 217)

''اور ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (التوبہ: 10)

''نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا۔''

تمام کافروں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازش کی تاکہ وہ مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کر لیں اور ان سے ان کی سرزمین چھین لیں۔(3)

محمد علی پاشا شام پر قبضہ کر لیتا ہے اور دولت عثمانیہ سے جنگ کرتا ہے

برطانیہ اور فرانس کے سیاستدانوں نے دیکھا کہ محمد علی کو اپنے لشکروں کو لے کر شام اور پھر وہاں سے اناطول جانے کی اجازت دے دینا دولت عثمانیہ کے علاقوں میں روسی نفوذ کو روکنے کے سلسلہ میں کام آ سکتا ہے۔ محمد علی کی طرف سے اس رجحا

1۔ دور الکنیسۃ فی ہدم الدولۃ العثمانیۃ: ص 77 2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ص 101 3۔ ایضاً

کرنے کے لئے محمد علی کی آرمی سے مدد حاصل کرے۔ ادھر ان بیرونی طاقتوں نے محمد علی کو اس بات پر تیار کر رکھا تھا کہ جونہی دولت عثمانیہ اس سے فوجیں بھیجنے کا مطالبہ کرے تو وہ اس مہم کو قبول کرے۔ انہوں نے اسے باور کرا دیا کہ اس طرح وہ اس علاقہ کی سب سے بڑی قوت بن جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خلافت کے اقتدار کے کمزور ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بن جائے۔ محمد علی نے سلطان محمود ثانی کی درخواست کو اس شرط پر قبول کر لیا کہ کریٹ اور یونان پر اس کی عملداری ہوگی اور جونہی اسے شرط کی منظوری کی خبر موصول ہوئی تو اس نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو حرب مورہ کے قضیے کو حل کرنے کی ذمہ داری سونپ دی (1)۔ 1234ء بمطابق 1823ء میں مصری فوج ابراہیم پاشا اور محمد علی کے فرانسیسی مشیر سلیمان پاشا کی قیادت میں مورہ اور کریٹ کی طرف چل دی۔ 1240ء بمطابق 1824ء کو نافرین فتح ہوا۔ 1241ء بمطابق 1823ء میں فوج اتھینا میں داخل ہوگئی۔ باوجود اس کے کہ انگریزی بحریہ کے قائد لارڈ کوشران یونان کے صلیبیوں کی مدد کر رہا تھا۔ جب مسلمان آرمی یونان کی صلیبی بغاوت کو فرو کر چکی تو اچانک یورپ کے صلیبی تیوری چڑھائے نمودار ہوئے اور یونان کی حمایت کا کھلم کھلا اعلان کر دیا بلکہ روس نے تو یونانی بغاوت کو امداد فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔ روس نے سوچا یہ بہتر موقع ہے اور اس کا فائدہ اٹھا کر استنبول میں داخل ہو کر اسے دوبارہ بت پرست صلیبی مرکز بنایا جا سکتا ہے۔ انگریزوں نے بھی روس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ (2)

28 صفر 1248ھ بمطابق 1832ء کو دولت عثمانیہ نے مجبوراً آق کرمان کا معاہدہ کیا جس کی اہم ترین دفع یہ تھی کہ روسی جہاز رانوں کو بحر اسود میں آنے اور عثمانی تنگ نائے سے بغیر تفتیش کے گزرنے کا حق ہوگا۔ باجود اس بات کے کہ یہ معاہدہ یونان کی صلیبی بغاوت کی وجہ سے عمل میں آیا تھا لیکن عجیب بات ہے اس بارے معاہدہ میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد 8 رجب 1244ھ بمطابق 1828ء کو انگریزوں نے دولت عثمانیہ کو یہ درخواست روانہ کی کہ "دولت عثمانیہ بچ بچاؤ کرانے کی پالیسی اختیار کرے کیونکہ یہ اس کے داخلی امور میں کھلی مداخلت ہے" (3) لیکن دولت عثمانیہ نے اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ انگریزوں کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کا مطلب تھا۔ ایک ایسی دلیل مہیا کرنا جس کو بنیاد بنا کر یورپ نے دولت عثمانیہ کے خلاف ایک دفع پھر جنگ کا اعلان کر دیا۔

روس، فرانس اور انگریز 11 ذی الحجہ کو اس بات پر متفق ہو گئے کہ دولت عثمانیہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ یونان کو خود مختاری دے۔ اس کا مطلب تھا دولت عثمانیہ جو اس کی ماں کی حیثیت رکھتی تھی، سے اس کو الگ کر دینا۔ دولت عثمانیہ نے اس مطالبے کو نامنظور کر دیا۔ یورپی ملکوں نے اپنے بحری بیڑوں کو حکم دے دیا کہ یونان کے ساحلوں کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ادھر ابراہیم پاشا سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ جنگ نہ کرے۔ ابراہیم پاشا کا طبعاً جواب یہی ہوگا کہ اسے خلیفۃ المسلمین سے یا اپنے باپ سے یہی حکم مل چکا ہے نہ کہ کسی غیر سے۔ بیس دن تک جنگ نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں کہ اس کے پاس ہدایات پہنچ گئیں۔ (4)

یورپ کی متحد فوجیں "نوارین" کی بندرگاہ تک پہنچ گئیں لیکن انہوں نے جنگ کے لئے اپنے جھنڈے بلند نہ کیے۔ اس

1۔ الدولۃ العثمانیہ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 98 2۔ ایضاً ص 99 3۔ ایضاً ص 100 4۔ ایضاً

لئے ان کا یہاں داخل ہونا ایک دھوکہ تھا۔ اچانک یورپی لشکروں نے مسلمان لشکر پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ مسلمان جو آنکھیں بند کیے یورپی طاقتوں کے وعدوں پر اعتبار کیے بیٹھے تھے۔ اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور انہیں بہت بری طرح شکست ہوئی۔ کئی جہاز ڈوب گئے۔ انہیں اس دھوکے کی توقع نہ تھی۔ صورت حال بالکل بگڑ گئی۔ مسلمان جو ابھی تک دشمن سے بہتر پوزیشن میں تھے بالکل مغلوب ہو کر رہ گئے۔

یورپ اس کامیابی پر بغلیں بجانے لگا(1)۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ محمد علی کے تین ہزار سے زیادہ فوجی جنگ میں مارے گئے اور اس طرح دشمن کا پلان مکمل ہو گیا۔ محمد علی اپنی طاقت کھو چکا تھا۔ دولت عثمانیہ سے کئی اسلامی شہر الگ ہو چکے تھے۔ فرانس اور انگریزوں نے بڑی شاطرانہ چال چلی۔ ایک طرف سلطان کو یونان کی بغاوت فرو کرنے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف خود ہی اس کی آرمی پر ہلہ بول کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

والی مصر محمد علی کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو اپنے بیٹے کو واپس آ جانے کا حکم دیا۔ اب محمد علی کے لشکر کی جگہ فرانسیسی فوجوں نے لے لی۔ فرانس اور انگریزوں نے ایک کانفرنس کی اور فیصلہ صادر کیا کہ یونان کو دولت عثمانیہ سے الگ کر دیا جائے۔ اس شرط پر کہ یہاں ایک نصرانی حاکم فرمانروائی کرے جسے تین ملک (فرانس، برطانیہ اور دولت عثمانیہ) منتخب کریں گے۔(2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ (ابراہیم)

''اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرۃ:217)

''اور ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (التوبہ:10)

''نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا۔''

تمام کافروں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازش کی تاکہ وہ مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کر لیں اور ان سے ان کی سرزمین چھین لیں۔(3)

محمد علی پاشا شام پر قبضہ کر لیتا ہے اور دولت عثمانیہ سے جنگ کرتا ہے

برطانیہ اور فرانس کے سیاستدانوں نے دیکھا کہ محمد علی کو اپنے لشکروں کو لے کر شام اور پھر وہاں سے اناطول جانے کی اجازت دے دینا دولت عثمانیہ کے علاقوں میں روسی نفوذ کو روکنے کے سلسلہ میں کام آ سکتا ہے۔ محمد علی کی طرف سے اس رجوع

1۔ دور الكنيسة في هدم الدولة العثمانية: ص 77 2۔ الدولة العثمانية: ص 101 3۔ ایضاً

کو خوش آمدید کہا گیا تا کہ اس کے خصوصی آقاؤں یعنی برطانویوں کے اہداف پورے ہوسکیں اور جو چیز اس نقطہ نظر کو سپورٹ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انگریز نے محمد علی کے اس پلان کی بڑی شدت سے مخالفت کی کہ فرانس کی پیشکش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے وہ شام سے ایک سال پہلے الجزائر پر حملہ کرے۔ برطانیہ نے دھمکی دی کہ اگر محمد علی ایسا کرے گا تو برطانیہ اس کی بحریہ اور بری فوج پر حملہ کردے گا۔ اگرچہ فرانس کے ساتھ محمد علی کا اس بات پر اتفاق ہو چکا تھا لیکن اس نے الجزائر پر حملہ کرنے اور فرانس کے پلان پر عمل کرنے کی بجائے شام پر حملہ کر دیا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ محمد علی نے الجزائر پر قبضہ کرنے کے خیال کو محض اس لئے ترک کر دیا کہ اس پر برطانیہ کی طرف سے دباؤ تھا۔ برطانیہ دراصل روس کے دولت عثمانیہ میں بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا چاہتا تھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو، محمد علی نے اپنا کردار مخفی رکھتے ہوئے سطحی قسم کی باتوں کو بہانہ بنا کر شام پر حملہ کر دیا جیسے والی عکا عبداللہ پاشا کا ان تمام لوگوں کو پناہ دینا جنہوں نے محمد علی کی فوج میں بھرتی ہونے سے بھاگ کر پناہ لی تھی۔ ایسے مصریوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ صرف 1831ء کے عرصہ میں مصر سے جو لوگ فرار ہو کر آئے ان کی تعداد چھ ہزار بتائی جاتی ہے۔ محمد علی نے مطالبہ کیا کہ ان تمام مفروروں کو واپس کیا جائے لیکن عبداللہ پاشا نے انکار کر دیا۔ اسی طرح عبداللہ پاشا کا محمد علی پاشا کے ماتحت تاجروں کو بلیک میل کرنا۔ یہ وہ سطحی قسم کی وجوہات تھیں جنہیں بہانہ بنا کر شام پر حملہ کیا گیا۔

محمد علی نے باب عالی کو ایک خط لکھا اور اسے بتایا کہ وہ ان وجوہات کی بنا پر عبداللہ پاشا پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس خط کا جو جواب صدر اعظم نے دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دولت عثمانیہ کس حد تک زوال کا شکار ہو چکی تھی اور وہ محمد علی کو روکنے کی طاقت سے کس قدر محروم ہو چکی تھی۔ صدر اعظم نے کہا: ''محض تاجروں کی شکایت پر جنگ وجدل تلوار زنی اور آگ بھڑکانے کا حکم دینا کسی صورت میں جائز نہیں ہوسکتا۔ پڑوسی پاشاؤں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں انہیں تلوار کے ذریعے نہیں باب عالی کی مداخلت سے حل کیا جانا چاہیے۔(1)

صدر اعظم کی بات سے محمد علی مطمئن نہ ہوا اور اپنی آرمی کو اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کی قیادت میں روانہ کر دیا۔ مورہ کے لوگوں نے محمد علی کی آرمی کا ساتھ دیا اور ان کو مدد باہم پہنچائی۔ فرانسیسیوں نے مورہ کے نصرانیوں کی پیٹھ ٹھونکی کہ وہ ابراہیم پاشا کا ساتھ دیں اور اسلحہ کے ذریعے اس کی مدد کریں۔ شام کے نصرانیوں نے اعلان کر دیا کہ ابراہیم پاشا ان کا دوست ہے اور انہوں نے ابراہیم سے تعاون کرنے کے لئے مکمل تیاری شروع کر دی۔ اسی طرح ابراہیم پاشا نے بھی یہودیوں اور مسیحیوں پر سے تمام مفروضہ پابندیاں ہٹا دیں اور جو علاقہ بھی اس کے زیر نگیں ہوتا گیا وہاں مساوات اور حریت کے دعویٰ کے ساتھ غیر مسلموں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی (2)۔ اس بات کے بہت قوی دلائل ہیں کہ ابراہیم پاشا ماسونی مجالس سے متاثر تھا اور فرانس کے تابع ان مجالس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے باپ اور اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا تھا۔(3)

اگرچہ ابراہیم پاشا کی فوج نے عثمانی فوج کو شکست سے دوچار کر دیا لیکن عثمانی شام کے لوگوں کو اس کی مخالفت پر کمربستہ کرنے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے دینی اور اقتصادی اسباب سے خوب فائدہ اٹھایا۔ خصوصاً اس بات سے کہ نصرانیوں

1۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 192 2۔ ایضاً 3۔ الجامعۃ الاسلامیۃ: احمد شوکۃ: ص 101

اور یہودیوں کو کھلی آزادی دے کر انہوں نے مسلمانوں کو ناراض کر دیا تھا۔ آخر 1840ء میں لندن کا معاہدہ ہوا جس کی رو سے محمد علی کی زندگی میں ہی والی مصر کے لئے شام میں مصری وجود کی یقین دہانی کر دی گئی۔(1)

محمد علی کی فوجوں کے شام پر قبضہ کے مختلف مراحل نے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے بارے مخالفانہ جبکہ یہود و نصاریٰ کے بارے دوستانہ رویہ رکھتا ہے۔ اس قبضہ نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ محمد علی سیاسی پلیٹ فارم پر برطانوی اہداف کا نفاذ جبکہ بلاد شام میں ثقافتی سطح پر فرانسیسی اہداف کا نفاذ چاہتا ہے۔

ابراہیم پاشا نے فرانسیسی اور امریکی مشنری وفود کے داخلہ کے لئے مصر اور شام کے دروازے چوپٹ کھول دیئے اور تمام استثنائی قوانین اور وہ تمام ضوابط جن کا تعلق صرف نصرانیوں سے تھا' ختم کر دیئے۔ بعض لکھنے والے خیال کرتے ہیں کہ 1834ء کا سال تاریخی تبدیلی کا سال ہے کیونکہ یسوعی فرقہ کے لوگ واپس آ گئے۔ امریکی وفود کی آمد و رفت میں بہت وسعت آ گئی۔ امریکی مشنری پبلشنگ کے ادارے کو مالٹا سے بیروت منتقل کر دیا گیا۔ بیروت میں بچیوں کے ایک سکول کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہ بنیاد ایلی سمتھ اور اس کی بیوی نے رکھی (2)۔ یورپی ملکوں کے ایماء پر بعض چرچز نے نئے چھاپہ خانے لگا کر چھاپہ خانوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ اس جدوجہد کا مقصد دراصل یہ تھا کہ طباعت پر نصرانیوں کو اجارہ داری حاصل ہو جائے (3) اور مسلمان اپنے افکار و نظریات کا پوری طرح پرچار نہ کر سکیں اور نصرانی اپنے اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔(4)

محمد علی پاشا کی فوجوں کا شام میں داخلہ مشنری نصرانیوں کے کردار کا نقطہ آغاز تھا۔ اگر محمد علی کا بیٹا ان کا ساتھ نہ دیتا تو ان کی عقلیں مفلوج ہو کر اور ان کے افکار ناکارہ ہو کر رہ جاتے۔ ''عین طورۃ'' کا کالج جس کا دوبارہ افتتاح ہوا اور جو اب تک قائم ہے، نے مصنفین اور دانشوروں کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ اس کالج نے مسلمانوں کے اندر تعلیمی سیاست کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ کالج میں سیاسیات پڑھانے کا اصل مقصد شام کے لوگوں میں قومیت کی دعوت کے ہدف کو پورا کرنا تھا۔ مصر سے کلوٹ بیگ (5) نامی ایک فرانسیسی کو اس مقصد کے لئے شام بلایا گیا تاکہ وہ اس پالیسی کے نفاذ کی نگرانی کرے۔ کلوٹ بیگ مصر میں سیاسی تعلیم کے فروغ میں خاصی مہارت حاصل کر چکا تھا۔ اس کی نگرانی میں ایک پریس دے دیا گیا تاکہ وہ سیاسیات پر عربی میں زیادہ سے زیادہ لٹریچر چھاپ کر لوگوں تک پہنچائے اور اپنا ہدف پورا کرنے کی کوشش کرے۔ ان تمام طریقوں کو کام میں لاتے ہوئے مغربی سیاستدانوں' نصرانی مشنز اور چرچز میں موجود مذہبی رہنماؤں نے تربیت کا انداز بالکل بدل کر رکھ دیا اور تھوڑے سے سالوں میں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت پر عربی رنگ کے بجائے یورپی رنگ چھا گیا اور اس طرح ماسونی فرانسیسی مجالس کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے اہداف پورے ہوئے۔(6)

جس دوران محمد علی پاشا شام کے علاقے میں نصرانی غلبہ کے لئے پوری طرح کوشاں تھا اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کی

1۔ قراۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص 193 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 195 4۔ ایضاً ص 196
5۔ ایضاً ص 196 6۔ ایضاً ص 193

سبیل کر رہا تھا۔ عین اسی دور میں یعنی 1830ء میں خلافت عثمانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانس الجزائر پر قبضہ کرنے میں مصروف تھا۔ فرانسیسی آرمی جو 28 ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ سو جہازوں کی بحریہ اور جیسا کہ تین جہازوں پر 27 ہزار بحری سپاہی سوار تھے، الجزائر میں داخل ہوگئی۔ یورپی ملک اس کھلی جارحیت کی پوری پشت پناہی کر رہے تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ بیمار آدمی (دولت عثمانیہ) کے ترکے کو تقسیم کیا جائے اور مشرق کے مسئلے کو یورپی طریقہ سے حل کیا جائے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب فرانسیسی الجزائر پر قبضہ کر رہے تھے محمد علی کہاں تھا؟ وہ کیوں خاموش تھا؟ کیا اس کے وسائل اسے اجازت نہیں دیتے تھے کہ الجزائر کی مسلمان قوم کی جہادی سرگرمیوں کی پشت پناہی کرتا یا وہ ان سے بہت دور تھا یا یہ کہ خاموشی کی کچھ قیمت تھی۔ یورپی ملکوں نے اس سے کچھ وعدے کر رکھے تھے۔ کیا اس لئے تو نہیں کہ فرانس نے اس کو باور کرا دیا تھا کہ وہ مصر کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرمانروا بن جائے گا اور اسی لئے کہ انہوں نے اسے بلاد شام پر حملہ کر کے اسے اپنے قلم رو میں شامل کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا یا کچھ اور تاریک وعدے تھے جو سب لوگوں سے پوشیدہ تھے؟

محمد علی پاشا ایک زہر آلود خنجر تھا جسے دشمنوں نے اپنی پالیسیاں نافذ کرنے کے لئے استعمال کیا۔ یہی وجہ تھی کہ بیرونی طاقتوں نے علمی، اقتصادی اور عسکری ترقی میں محمد علی کا ساتھ دیا۔ کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ محمد علی اور اس کے اعوان و مددگار اور آرمی نظریاتی اور مذہبی پہلو سے کمزور ہو چکے ہیں۔ (1)

اس پورے علاقے میں محمد علی نے جو کردار ادا کیا اس پر یہ نتائج مرتب ہوئے کہ یورپی ملکوں کو اندازہ ہو گیا کہ دولت عثمانیہ بہت حد تک کمزور ہو چکی ہے اور نتیجتاً وہ تیار ہے کہ اس کی اراضی کو مناسب سیاسی حالات کے دوران تقسیم کر دیا جائے۔ (2)

شام اور اناضول میں محمد علی پاشا کے لشکروں کے مقابلے میں دولت عثمانیہ کی فوج کو شکست کے بعد مجبوراً دولت عثمانیہ کو روس سے مدد طلب کرنا پڑی کیونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ محمد علی کو برطانیہ اور فرانس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ 1833ء میں کوتاہیتہ کے معاہدے کے بعد ''انکیار اسکلہ سی'' کا معاہدہ ہوا۔ یہ معاہدہ روس اور عثمانیوں کے درمیان ایک دفاعی معاہدے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس معاہدہ کی بدولت فرانس اور برطانیہ نے فوراً محمد علی سے رابطہ کیا کہ کہیں روس کی مداخلت بڑھ نہ جائے۔ انہوں نے اس پر 1840ء کا معاہدہ ٹھونس دیا۔ ان واقعات کے نتیجے میں سلطان محمود ثانی نے دولت عثمانیہ میں جو اصلاحی کوششیں شروع کر رکھی تھیں، وہ ناکام ہو گئیں اور دولت عثمانیہ مجبور ہو گئی کہ یورپی ملکوں کی ہدایات کو قبول کرے تا کہ وہ اس کے بدلے میں محمد علی پاشا کے مفادات کے مقابلے میں اس کی حفاظت کریں (3) اور اس طرح محمد علی پاشا کی پالیسی دشمنان اسلام کی طرف سے ایک طے شدہ اقدام تھا تا کہ پورے خطے کو استعماری مرحلہ کے لئے تیار کیا جائے جس کے اثرات کا امت مسلم آج تک سامنا کر رہی ہے۔ یورپ کی نصرانی سیاست اپنے مخلص ایجنٹ محمد علی پاشا کی وساطت سے درج ذیل اہداف حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

❶ پہلی دولت سعودیہ کا خاتمہ جو قریب تھا کہ خلیج عربی میں خصوصاً اور مشرق میں عموماً برطانوی مقاصد کی پیٹھ میں ایک زہر

1۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبد الہادی: ص (103،102) 2۔ قراءۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص 197 3۔ ایضاً، ص 198

آلود خنجر ثابت ہوتی۔

❷ دین اسلام کی مخالف تنظیمات کے لئے دروازوں کو چوپٹ کھول دینا۔ ماسونی مجالس' مشنری وجوڈ چرچز' کلیسے' سکولز قائم کر کے اسلام مخالف قومی رجحانات کا بیج بونا اور ایسے افکار و نظریات کی اشاعت کرنا جو امت مسلمہ کے مفادات کے سراسر منافی تھے۔

❸ یورپ کی تجارتی کمپنیوں کو یہ موقع دینا کہ وہ اقتصادیات میں اجارہ داری حاصل کر لیں۔

❹ یورپیوں کو وسیع اختیارات دینا اور مصر و شام کے لوگوں کو ان اختیارات اور مراعات سے محروم رکھنا۔

❺ محمد علی کا خالص اسلامی رجحان کو ناپسند کرنا اور علماء وفقہاء پر عرصہ حیات تنگ کرنا اور مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہ دینا کہ وہ اپنے پاکیزہ مقاصد کے لئے اکٹھے ہو سکیں۔

❻ محمد علی پاشا یورپی ملکوں کے لئے ایک نمونہ قرار پایا۔ وہ اس نمونے پر مسلمان علاقوں میں کئی ایجنٹوں کو ڈھالنے میں کامیاب رہے جیسے مصطفیٰ کمال پاشا وغیرہ۔

یورپی ممالک نے جب اپنے ایجنٹ محمد علی کی وساطت سے اپنے تمام اہداف حاصل کر لئے تو اب وقت آ گیا تھا کہ اس کی طاقت کو کمزور کیا جائے اور اس کو لگام دی جائے۔ ان کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور وہ اپنے ٹارگٹ کو حاصل کر چکے تھے لہٰذا اب ضروری تھا کہ محمد علی کی فوجوں کو کمزور کیا جاتا۔ سو انگریز محمد علی کی فوج کے خلاف کھلم کھلا میدان میں اتر پڑے۔ شام کے لوگوں کی مدد سے محمد علی کی فوجوں کو شکست فاش دی اور اس کی سرحدوں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں محمد علی کی تین چوتھائی فوج میدان جنگ میں کام آئی۔ یہ لوگ مصر اور شام کے رہنے والے تھے۔ اب محمد علی کو مجبور کیا گیا کہ وہ انگریز کے دباؤ کے تحت معاہدہ پر دستخط کرے۔ اس معاہدہ کی اہم شقیں یہ تھیں۔

❶ محمد علی اس معاہدہ کی رو سے شام کے علاقوں کی حکومت سے دستبردار ہو جائے گا اور مصر کی حکومت اسے اور اس کے بیٹوں کی وراثت قرار پائے گی۔

❷ مصری فوج کی زیادہ سے زیادہ تعداد اٹھارہ ہزار ہوگی۔

❸ مصر بحری بیڑے کے لئے جہاز نہیں بنائے گا۔

❹ والی مصر ملازم کے رتبے سے زیادہ فوج میں کسی اعلیٰ افسر کی تقرری نہیں کرے گا اور دولت عثمانیہ کو سالانہ آٹھ ہزار کیس (بیگ) ادا کرے گا۔(1)

فرانس اور انگریزوں نے گروہی شورشیں برپا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ (1841ء سے 1860ء تک) لبنان میں غیر مسلم اقلیتوں کے درمیان کئی فسادات ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ ان فتنوں کی سرکوبی کیلئے آنے والی عثمانی فوجوں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں فرانس اور انگلستان کی مداخلت کا جواز پیدا کیا جا سکے تا کہ لبنان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا

1۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 108

سکے اور اس پر قبضہ جمایا جا سکے۔(1)

روس نے افلاق اور بغدان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور 1265ھ بمطابق جون 1848ء میں استنبول کے قریب بلطہ لیمان میں عثمانی اور روسی معاہدہ ہوا جس میں یہ طے پایا کہ روس اور ترکی کی مشترکہ آرمی اس وقت تک اس علاقے میں رہے گی جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے۔ سوال یہ ہے کہ روس جو ایک کافر ملک تھا وہ ایک اسلامی ملک میں کیا کر رہا تھا؟ اس سازش کی بدولت نصرانیوں کو اپنی فوج اسلامی علاقوں میں رکھنے کا موقع مل گیا۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ (ابراہیم)

''اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے''۔

اب دولت عثمانیہ جو ایک مریض کے ترکے کی حیثیت رکھتی تھی کہ مختلف صوبوں کو باہم تقسیم کرنے کے سلسلے میں یورپی ملکوں کے درمیان سخت جنگ شروع ہوئی (2)۔ جو ممالک دولت عثمانیہ اور اس کی املاک کے انجام کے بارے زیادہ فکر مند تھے وہ یہ ہیں۔

❶ برطانیہ جس کی یہ خواہش تھی کہ مشرق اقصیٰ اور خصوصاً ہندوستان کی طرف جانے والے راستے پرامن ہو جائیں اور ان علاقوں کے ساتھ تجارتی روابط ہر طرح سے یقینی ہو جائیں۔ خواہ وہ سویس، بحر احمر کے راستے ہوں یا خلیج عربی دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے راستے ہوں۔

❷ روس کی قیصری حکومت چاہتی تھی کہ اسے بحر اسود سے بحر متوسط کے گرم پانیوں تک پہنچنے کی راہ مل جائے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ قسطنطنیہ، باسفورس اور دردنیل کے تنگناؤں پر اس کا قبضہ ہو جائے۔ اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ جزیرہ بلقان میں اس کو زیادہ سے زیادہ نفوذ حاصل ہو جائے تا کہ وہاں وہ ایک بہت بڑی سلافیہ سلطنت کی بنیاد رکھ سکے۔

❸ فرانس جس نے بہت ابتدائی دور سے شام کے علاقوں میں رہنے والے کیتھولک نصرانیوں کی بالعموم اور لبنان میں مارونی نصرانیوں کی بالخصوص مفادات کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ذمے لے رکھی تھی اور جس کی خواہش تھی کہ وہ اس علاقہ کی عیسائی رعایا کے مفادات کی دیکھ بھال کرے۔ پھر شمالی افریقہ کے ساحلوں پر واقع دوسرے ممالک کی املاک میں نفوذ کے لئے اس کے اقدامات اور تیونس اور الجزائر پر قبضہ یہ تمام باتیں تقاضا کرتی تھیں کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے امور میں خصوصی دلچسپی لے۔

❹ ان بڑی تین طاقتوں کے علاوہ جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ کئی دوسری طاقتیں بھی دولت عثمانیہ کے انجام کی فکر میں تھیں۔ جیسے آسٹریا اور بروسیا کیونکہ عثمانیوں کے ہاتھوں یہ اپنا وجود کھو دینے کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اسی لیے انہیں یورپ کے مریض کا نام دیا گیا ہے (3)۔ جن متعدد عوامل نے اس مشرقی قضیہ کو نمایاں کرنے میں حصہ لیا ان میں چند یہ ہیں۔

❶ ایسا راستہ جس کے ذریعے روس گرم پانیوں تک پہنچ جائے اور یہ وہ راستہ ہے جو بحر مارمورہ سے ہو کر بحر اسود تک پھر بحر ایجہ سے ہوتا ہوا بحر متوسط تک پہنچتا ہے یعنی باسفورس اور دردنیل کی آبناؤں سے گزرتا ہے اور یہ دونوں آبنائے عثمانی

1۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 108 2۔ ایضاً 3۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی۔ ص 141

سلطنت کے علاقہ میں تھے۔

● بڑے بڑے ممالک جن کے بحر اسود میں طاقتور مراکز تھے اور جو ان تنگناؤں پر آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ ان پر ان کے قبضے کی وجہ سے بحر متوسط کے مشرقی حصے کے شہروں پر ان کا اقتدار وسیع ہو جائے گا اور بحر متوسط سے ہندوستان اور مشرق اقصیٰ کو جانے والے راستے پر ہونے والی تجارت پر ان کا مکمل کنٹرول ہو جائے گا۔

● جو ممالک بلقان تک اپنا اثر و نفوذ بڑھا رہے تھے ان کا پروگرام تھا کہ جب اس علاقے سے عثمانی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا تو وہ بلقانی اقوام پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں گے اور یوں ان کو ایک ایسا اہم مرکز حاصل ہو جائے گا جس کے ذریعے وہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور یورپ میں بگڑتے ہوئے طاقت کے توازن پر قدغن لگا سکیں گے۔(1)

برطانیہ ان ملکوں میں پیش پیش تھا جو اس دور میں چاہتے تھے کہ سلطنت عثمانیہ کا وجود باقی رہے(2)۔ اور جب بلقان سے عثمانی اقتدار کے خاتمے کے ساتھ جو جگہ خالی بچ گئی تھی اس کو پر کرنے کے امکانات پیدا ہو گئے تو برطانیہ اور دوسری تمام مملکتیں جو ابھی تک دولت عثمانیہ کے وجود کی حفاظت پر کمربستہ تھیں' الگ ہو گئیں اور ان یورپی ممالک نے عملاً کوشش کی کہ بلقان کو خود مختاری دے کر اس مسئلہ کو کسی حد تک ختم کر دیا جائے۔ انیسویں صدی کے آخر تک جن بلقانی ملکوں کو خود مختاری حاصل ہوئی وہ یہ ہیں۔ یونان' رومانیا' بلغاریا اور سربیا۔(3)

نویں بحث

سلطان عبدالحمید اول

(1255ھ تا 1277ھ بمطابق 1839ء تا 1860ء)

سلطان عبدالحمید اول نحیف الجثہ، ذہین، حقیقت پسند اور رحمدل انسان تھے۔ وہ قدر و منزلت میں آل عثمان کے تمام سلاطین سے آگے تھے۔ انہوں نے اصلاحی کاموں کو پسند کیا۔ جدید اداروں کو متعارف کرایا اور نظم وضبط کے جدید طریقوں کو ملک میں نافذ کرنے میں اپنی رغبت کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے عثمانی آرمی میں مکمل اصلاحات شروع کیں۔ ان کے دور میں علوم و فنون نے ترقی کی۔ تجارت کا دائرہ وسیع ہوا۔ شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ان کے عہد میں ٹیلیفون لائنوں کا ملک میں جال بچھ گیا اور کئی شہروں کے درمیان ریلوے لائن بچھائی گئی۔(4)

1839ء میں اپنے والد محمود ثانی کی وفات کے بعد سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ ان کی صغر سنی کو موقع غنیمت خیال کرتے ہوئے ان کے بعض وزراء نے جو مغربی ذہنیت رکھتے تھے ان کے مرحوم والد کے شروع کردہ کئی کاموں کو یورپی طریقہ کے مطابق تکمیل پذیر کرنے اور مغربی وسائل کی پیداوار میں انتہا تک نکل جانے کی

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر عبدالعزیز شناوی (232,194/1)
2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی۔ ص 143
3۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی۔ ص 144
4۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر علی حسون: ص 198

کوشش کی۔ ان وزراء میں جو مصلحین اور سچے خیر خواہوں کے لبادے میں ظاہر ہوئے تھے مصطفیٰ رشید پاشا کا نام سرفہرست ہے۔ مصطفیٰ رشید پاشا لندن اور پیرس میں دولت عثمانیہ کی طرف سے سفیر رہ چکے تھے۔ اور ترقی کرتے کرتے سلطان محمود ثانی کے دور کے آخری عرصہ میں وزیر خارجہ کے منصب تک پہنچ چکے تھے۔ اس کی اصلاحی کوششوں میں سب سے پہلی کوشش وہ شاہی حکم نامہ ہے جو انہوں نے شریف کلخانہ خط کے نام سے سلطان سے جاری کروایا۔ یہ حکم نامہ 1839ء میں سلطان کے اپنے خط سے جاری ہوا تھا۔ اس میں یہ بات درج تھی کہ:

"...... یہ بات عوام الناس پر مخفی نہیں کہ ہماری عظیم مملکت شروع سے آج تک قرآن کریم کے احکام اور شریعت مقدسہ کے قوانین کی پاسداری کرتی آئی ہے۔ لہٰذا ہماری عظیم سلطنت کی طاقت، خوشحالی اور اس میں بسنے والے لوگوں کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن ڈیڑھ سو سال سے صورت حال بالکل مختلف ہوگئی ہے۔ جس کا سبب شریعت کی پابندی اور حکم خداوندی سے اعراض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کو یکے بعد دیگرے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ سو اب اس کی طاقت کمزوری سے اور اس کی ثروت، غربت و افلاس سے تبدیل ہو چکی ہے۔......"(1)

اس کے بعد بعض بیانات ذکر کیے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1. دینی اعتقادات سے قطع نظر پوری رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت
2. ٹیکسز کی تقسیم اور وصولی میں صحیح طریقہ کی ضمانت فراہم کرنا
3. فوجی خدمات کو لاگو کرنے میں عدل و انصاف سے کام لینا اور فوجی خدمت کے عرصہ کا تعین
4. مسلم اور غیر مسلم کے حقوق و فرائض میں مساوات (2)

ایک نیا عہد شروع ہوا۔ جسے عثمانی فلاحی تنظیموں کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں شخصی آزادی، مالی آزادی اور دینی آزادی کا احترام کیا گیا۔ قطع نظر اس کے کہ لوگوں کے اعتقادات اور نظریات کیا ہیں اور اس سلسلے میں یہ عبارت تحریر کی گئی کہ تمام ادیان قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ (3)

جزیرہ متلین میں یونانی، ارمن اور یہودی مذہبی رہنماؤں کا ایک اجتماع ہوا۔ جہاں رشید پاشا نے جو مصلحین میں شمار ہوتا تھا سلطان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان سے خطاب کیا۔ اس نے کہا: "اے مسلمانوں، نصرانیوں اور یہودیو! تم ایک ہی شہنشاہ کی رعایا ہو اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہو۔ سلطان تم تمام کو برابر کی نظر سے دیکھتا ہے۔"(4)

شاہی حکم نامہ یا دستور جس کی پشت پناہی مصطفیٰ رشید نے کی تھی۔ جب لوگوں کے پاس پہنچا تو بہت کم لوگوں نے اس کی تائید کی۔ اکثر مسلمانوں نے اس کے بارے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ علماء نے اس کی مذمت کی اور رشید پاشا پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ یہ حکم نامہ مجموعی حیثیت سے قرآن کریم کے منافی ہے۔ بالخصوص اس کی جو دفعات مسیحی

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر علی حسون: ص 185
2۔ ایضاً، ص 186
3۔ الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ۔ ڈاکٹر علی زہرانی: (266/2)
4۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیھا: (253/1)

اور مسلمانوں کی مساوات کے بارے میں ہیں شریعت اسلامیہ سے کسی صورت میل نہیں کھاتیں۔ علماء نے خیال کیا کہ قطع نظر دینی پہلوؤں کے یہ خط سلطان کی رعایا کے قلق واضطراب کا سبب بنے گا اور ملک کو نقصان ہوگا۔

اس شاہی فرمان کا مقصد درحقیقت وہی تھا جو ماسونی تحریک نے پلان کر رکھا تھا۔ ماسونی چاہتے تھے کہ مسیحی اقوام کے دلوں میں دولت عثمانیہ کے خلاف قومی شعور اجاگر کیا جائے۔(1)

اس شاہی فرمان کے ذریعے عقیدہ ولاء (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کافر سے بھائی چارہ اور دوستی جائز نہیں) اور براء (مشرکوں سے برات یعنی لاتعلقی کا عقیدہ) پر کاری ضرب لگائی گئی تھی اور شریعت اسلامیہ کے احکامات میں سے ایک اہم حکم کو جو ذمیوں سے متعلق تھا اور مسلمانوں کے غیر مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کی تعیین کرتا تھا کو بالکل ختم کر دیا گیا تھا۔(2)

لگتا ہے کہ کلخانہ کا مقدس فرمان (شاہی فرمان) دولت عثمانیہ اور محمد علی پاشا والی مصر جو خود مختاری کا خواہاں تھا کے درمیان نزاع کے تصفیہ کی وہ قیمت تھی جو برطانیہ اور یورپی ملکوں نے سلطان عبدالحمید سے حاصل کی۔ 1255ء تا 1257ھ بمطابق 1839ء تا 1841ء کے عرصہ میں مصر اور دولت عثمانیہ کے تعلقات کی خرابی کی یہ بہت بڑی قیمت تھی جو مسلمانوں کو چکانا پڑی تھی۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یورپی بالعموم اور برطانوی دباؤ بالخصوص انیسویں صدی کے دوران عثمانی اصلاح تجدد پسندی کی تحریک اور تنظیموں کی تحریک کا واحد منبع تھا۔ بلکہ اس تحریک میں کئی دوسرے عوامل نے بھی حصہ لیا مثلاً دولت عثمانیہ اور یورپی تہذیب وثقافت سے متاثر لوگوں کا ملکی اداروں کی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرنا اور یورپی تنظیموں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی اہمیت کو سمجھنا اور شرعی احکام کی پرواہ کیے بغیر ان قوانین کو قبول کرنا۔(3)

اس خطرناک فرمان کے ذریعے جو سلطان نے یورپی ملکوں کی نزدیکی حاصل کرنے کی خاطر جاری کیا تھا۔ عثمانی روایات کو پس پشت ڈال دیا اور شریعت اسلامی کو تبدیل کرنے کی جسارت کی۔ عثمانی روایات اور شریعت دونوں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتی تھیں کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں خلیفۃ المسلمین کی نظر میں یکساں حیثیت رکھتے ہوں۔ ضروری تھا کہ ان ہی حقوق میں جو مسلمانوں کے ذمہ لازم تھے۔ خود مسلمانوں کے درمیان بھی فرق کو روا رکھا جاتا۔ یہ خطرناک فرمان ظاہر کرتا تھا کہ حکومتی ارکان نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ قدیم روایات اس قابل نہیں کہ انہیں حکومت میں دستور کی حیثیت دی جائے۔ مغرب کے طور طریقوں کو قبول کرنا اگرچہ وہ شریعت اور سنت کے منافی ہوں ضروری ہے۔(4)

رشید پاشا نے ایک پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی۔ اور جدید قوانین کے مطابق ملک کے لئے تعزیراتی قوانین وضع کیے۔ ملک کے لئے جدید قانون وضع کرنے کے لئے ایک فرانسیسی کو لایا گیا۔ جس نے بڑی احتیاط سے ایسے قوانین مرتب کیے جن میں لوگوں کے احترام کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد ملک کے لئے ایک جدید بنک قائم کیا گیا۔ نوٹ جاری کیے گئے (5)۔

1۔ قراءۃ جدیدۃ فی التاریخ العثمانی: ص 208
2۔ الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ: (267/2)
3۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 154
4۔ الشرق الاسلامی: حسین مونس: ص 256
5۔ یہ نوٹ زرضمانت کی رسید کے بغیر چھاپے گئے تھے۔ نتیجتاً افراط زر کی مشکل پیش آئی۔ غیر ملکی مشیروں نے کوئی رہنمائی نہ کی۔

پھر 1856ء کو ایک دوسرا فرمان جاری ہوا۔ جس میں سلطان عبدالحمید اول نے آئندہ کے پروگرام کے بارے رشید پاشا کی زبانی اعلان کیا۔ اس فرمان میں غیر مسلم رعایا کے نئے مزید مراعات اور سہولتوں کا اعلان کیا گیا تھا(1)۔اس فرمان شاہی کو عثمانی تاریخ میں ''خط ہمایونی'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس خط میں پہلے کی نسبت زیادہ وضاحت سے غیر مسلموں کے حقوق کے بارے بات کی گئی تھی اور مغرب سے استفادہ کے موضوع پر زیادہ روشنی ڈالی گئی تھی۔اس خط کے اہم نکات یہ ہیں۔

1. رشوت ستانی اور لاقانونیت کے نظام کا خاتمہ
2. فوجی خدمات لینے میں مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان مساوات
3. دولت عثمانیہ کی تمام رعایا کے ساتھ مساویانہ سلوک ان کا دین اور مذہب چاہے کوئی ہو۔(2)
4. غیر مسلم اقوام کے رؤوسا کے حقوق اور مراعات کی حفاظت
5. ملی نظام کی رکاوٹوں کو دور کرنا تاکہ مملکت کے رہنے والے تمام لوگ عثمانی شہریت کے مساوی حقوق سے متمتع ہو سکیں۔
6. مسیحی رعایا کے خصوصی معاشرتی مسائل کو ایک خصوصی مجلس کے سپرد کرنا جو مسیحی شہریوں اور علماء پر مشتمل ہو جس کا انتخاب مسیحی خود کریں۔
7. مسیحیوں پر تمام تعلیمی اداروں کے دروازے وا کرنا تاکہ وہ مملکت کے اہم مناصب تک رسائی حاصل کر سکیں۔
8. غیر ملکیوں کو دولت عثمانیہ کے علاقے میں زمین خریدنے کی اجازت دینا۔ سلطان نے وعدہ کیا کہ قیمت کی ادائیگی میں لوگوں سے تعاون کیا جائے گا اور مکانوں کی تعمیر کے سلسلہ میں یورپی ماہرین بھی مہیا کیے جائیں گے تاکہ ملک کی اقتصادی صورت حال بہتر ہو سکے۔(3)

سلطان عبدالحمید وہ پہلا عثمانی سلطان خیال کیا جاتا ہے جس نے قانونی لحاظ سے دولت عثمانیہ کو مغربیت کے رنگ میں رنگنے کی اجازت دی۔ کیونکہ انہوں نے اس تحریک کو اپنانے کیلئے ملکی سطح پر حکم صادر کیا اور 1854ء اور 1856ء کے عرصہ میں دو فرمان جاری کیے۔ان فرامین کے ساتھ ہی وہ دور شروع ہو گیا جسے تنظیمات کا دور کہا گیا ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہے یعنی ملکی امور کو مغربی نہج پر چلانے کا دور۔ان فرامین کے ساتھ ہی اسلامی شریعت پر عمل درآمد کا سلسلہ رک گیا۔اور ملک میں قانون سازی اور اداروں کے قیام کا ایک سلسلہ چل نکلا۔(4)

حقیقت یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید اپنے وزیر رشید پاشا سے بے حد متاثر تھا۔رشید پاشا مغرب کا دلدادہ اور ماسونی فلسفہ کا اسیر تھا۔رشید پاشا ہی وہ شخص ہے جس نے آنے والے وقتوں کے لئے وزراء اور اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں کی ایک کھیپ تیار کر کے دی اور اس کی پشت پناہی کی بدولت ان لوگوں نے مغربیت کی گاڑی کو دھکا دیا۔ جس کی ابتداء خود رشید نے کی تھی(5)۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حکومت کی نظر میں نصرانی اور یہودی مسلمانوں کے مساوی ہیں اور شریعت مطہرہ کو

1۔ الانحرافات العقدیۃ والعملیۃ: (268/2)
2۔ تاریخ العرب الحدیث۔ مجموعۃ العلماء: ص140
3۔ ایضاً
4۔ الانحرافات العقدیۃ والعملیۃ: (268/2)
5۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ترجمہ محمد حرب: ص3

نصرانی قوانین کے ساتھ بدلا جار ہا ہے، اسلام کی مقدس ثقافت کی جگہ مغربی ثقافت لے رہی ہے اور مسلمان نصرانیوں کے طور طریقے اپنا رہے ہیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ رشید پاشا کی حکومت جب بھی کوئی قانون بناتی ہے تو نصرانیوں کی خاطر داری کا خاص خیال رکھتی ہے، ان کے حقوق کی پاسداری کرتی ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ نصرانیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے تو مسلمان ان اقدامات سے متنفر ہو گئے۔ سلطان اور ارکان دولت نے ضروری خیال کیا کہ رشید پاشا کو منظر سے ہٹا دیا جائے اور اسے معزول کر دیا جائے۔ کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ کہیں مسلمان اٹھ نہ کھڑے ہوں اور بغاوت نہ کر دیں۔ (1)

لیکن رشید پاشا کی معزولی کی وجہ سے مغربیت کی تحریک میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ پہلے کی طرح تنظیمات اور قوانین بنتے رہے جن میں مغربیت کا رنگ نمایاں تھا۔ کیونکہ اب راستہ ہموار ہو چکا تھا۔ اور دروازے مغربیت پر کھول دیے گئے تھے۔

رشید پاشا اور اس کے وضع کردہ دستور کی مخالفت اگرچہ کامیاب رہی اور 1841ء میں اسے برطرف کر دیا گیا۔ لیکن چار سال بعد 1845ء کو وہ واپس آیا۔ اب اس کی پشت پناہی ماسونی مجالس کے ارکان کی ایک جماعت کر رہی تھی۔ جس نے ملک کو سیکولر بنانے کی پالیسی پر توجہ مبذول کر رکھی تھی (2)۔ اب جبکہ وہ واپس آیا تو وہ وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا۔ اس منصب پر 1846ء میں اس کا تقرر ہوا اور 1858ء میں وہ اس سے معزول ہو گیا۔ (3)

ملکی صورت حال روز بروز زوال و انحطاط کی طرف جا رہی تھی۔ جسے دیکھتے ہوئے ملک کی اہم شخصیات نے ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کے بارے غور و خوض کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے سامنے اصلاح کا صرف یورپی طریقہ تھا۔ وہ کسی اور طریقے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اصلاح احوال کے لئے مغربی نقطہ نظر کو اپنا لیا گیا۔ خصوصاً جب ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے اکثر ارکان دولت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کو ملکی نمائندگی کیلئے ملک سے باہر بھیجا گیا یا عسکری تعلیم کی خاطر انہیں مغربی ممالک سے استفادہ کا موقع دیا گیا اور یہ ایسا دور تھا کہ اسلامی ذہن رکھنے والے مصلحین سے میدان خالی تھا۔ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو معاملات کو سنبھال سکتا۔ نظریاتی جنگ کی پشت پناہی کرنے والوں کی راہ روکتا اور اسلامی نہج پر اعتماد کرتے ہوئے کامیابی سے اصلاح احوال کی کوشش کرتا۔ (4)

اور جیسا کہ ایک ترکی مولف پروفیسر نجیب فاضل کا کہنا ہے: عثمانی شہنشاہیت کا تین یا چار صدیوں سے نظریاتی قائد یا کسی بڑے اور حقیقی معاشرتی مصلح سے محروم رہنا ملکی زوال کا اہم ترین سبب ہے۔ میدان سطحی ذہنیت رکھنے والے، مغرب زدہ، یورپ کے مقلدین ڈپلومیٹس کے لئے خالی پڑا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ روح کا فقدان، فکر کی کجی، ارادے کی پستی اور عمومی بے حسی کی صورت میں سامنے آیا۔ (5)

مغرب کی فکری یلغار کا یہ اثر ہوا کہ ترک سیاستدانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اور ان کے دوستوں میں مغربی افکار و

1۔ الشرق الاسلامی۔ حسین مونس: ص 256
2۔ قراۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص 209
3۔ الدولۃ العثمانیۃ دولۃ اسلامیۃ مفتری علیھا (181/1)
4۔ الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ (270/2)
5۔ السلطان عبدالحمید حیاتہ واحداث عصرہ: ص 43

نظریات پھیل گئے اور ان لوگوں نے انگریزی طور طریقوں کو اختیار کر کے دین بیزاری کی روش اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ علامہ عراقی آلوسی نے جب 1267ھ میں کرکوک کے والی علی پاشا کو دیکھا تو اس کی تعریف کی اور علماء کے ساتھ ان کی محبت ان کی توقیر اور ان کے اخلاق فاضلہ کو سراہا۔ تعریف کرنے کے بعد یہ بھی کہا کہ ''ظاہر ہے ان کا عقیدہ کمزور نہیں۔ انہوں نے فرنگیوں کے جدید نظریات کو بالکل قبول نہیں کیا۔ کیونکہ ان سے کسی ہمنشین نے لوندرہ اور پیرس کی باتیں نہیں سنیں۔ اس علاقے کے لوگوں پر آج اتنی رحمت ہی کافی ہے کہ ان کا والی اس عیب سے پاک ہے۔ اس پرفتن دور میں اتنی رحمت بھی کچھ کم نہیں ہے۔''(1)

مغربی رجحان دولت عثمانیہ کے تمام میدانوں اور اداروں پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

بہرحال اصلاح و تجدید کی عثمانی تحریک کے اہم خطوط ان تین نکات کے گرد گھومتے تھے۔

1. آرمی نظم وضبط، فوجی اسلحہ، ڈسپلن اور ٹریننگ میں مغرب سے استفادہ کرنا۔
2. عثمانی معاشرے کو سیکولرزم کی طرف تدریجاً لے جانا۔
3. استنبول اور صوبوں میں اقتدار کی مرکزیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرنا۔(2)

خط کلخانہ کے اجراء کا سال یورپی حلقوں میں ایک اہم سال تھا۔ ایک فرانسیسی نصرانی مشنری اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ 1839ء کا سال ترکی میں فرانس کی مداخلت کے حوالے سے ایک عظیم سال ہے۔ یہ تنظیموں کی ابتداء کا سال ہے اور اصلاح کا پہلا سال ہے۔

ہم مذہبی لوگ اس ڈرپوک مذہب بیزاری سے فائدہ اٹھائیں گے اور کیتھولک تعلیم کیلئے تبلیغی مشن بھیجنے کا سلسلہ شروع کریں گے(3)۔ محترم ایتیان جو اس مشن کے لیڈر تھے۔ کہتے ہیں: یہ پہلا موقع ہے کہ اس ایمان کی فتح یقینی ہو گی جسے ہم تعلیم کریں گے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن اس وقت تک اس تعلیم کو حرام ٹھہراتا رہا ہے(4)۔ پہلا مشن جو سات آدمیوں پر مشتمل تھا۔ 21/11/1839 کو استنبول کی طرف روانہ ہوا۔ بہنوں نے یتیم خانے کھولے اور تدریسی کلاسوں کا اجراء کیا۔ 1840ء کے آخر میں تلامذہ کی تعداد 230 تھی جو 1842ء میں 500 طلبہ تک پہنچ گئی۔(5)

اس طرح مسیحی یورپ اور ان کے کلیساؤں نے وقت ضائع کیے بغیر ان نئے حالات اور تنظیموں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ شاہی فرمان کے اجراء سے سترہ دن بعد پہلا مشنری وفد مرسیلیہ سے عثمانی دارالحکومت کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اس مشنری وفد کے پاس مسلم دشمن اور اسلام مخالف نظریات و افکار تھے۔ وہ قرآن کریم کے بارے یہ ہرزہ سرائی کرتے تھے کہ قرآن تعلیم کی مخالفت کرتا ہے۔ تنظیموں کی یہ وباء بہت تیزی سے عثمانی سلطنت کے خودمختار عربی صوبوں میں پھیل گئی۔ 1857ء میں محمد بائے نے عہد الامان کے نام سے ایک فرمان جاری کیا اور اس کی بنیاد درج ذیل اصولوں پر رکھی۔

1۔ نشوۃ المدام فی العودۃ الی مدینۃ السلام: ص 103
2۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی ص 152
3۔ الدولۃ العثمانیۃ قراۃ جدیدۃ لعوامل الانحطاط ڈاکٹر قیس عزاوی ص 61
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً

حریت

انسان اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کرسکتا جبتک اسے حریت کی ضمانت فراہم نہ کی جائے۔عدل وانصاف انسان کو ظلم کے خلاف تحفظ مہیا کرتا ہے۔

مکمل امن وامان

قانون کے آگے مسلم وغیر مسلم میں مکمل مساوات

یہ چیز دوسرے نکتے میں بھی بیان کی گئی ہے۔کیونکہ یہ حق تمام لوگوں کو دیا گیا تھا۔غیر ملکی لوگوں کو وہی حقوق حاصل تھے جو ٹیونس کے لوگوں کو حاصل تھے۔غیر ملکی باشندے مختلف قسم کے کاروبار کرتے تھے۔انہیں ملکیت کا حق حاصل تھا(1)۔ٹیونس کی طرح مصر میں مغربیت چھا گئی۔استنبول، ٹیونس اور مصر میں ان قوانین کے اجراء سے جدیدیت کو مقبولیت حاصل ہوگئی اور یہی یورپ چاہتا تھا۔بعض مخصوص گروہوں نے کوشش کی کہ سلطان بعض ایسے شاہی فرامین جاری کرے کہ معاشرہ میں مغربی تہذیب کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہو جائے اور ایسے قوانین تشکیل دیے جائیں کہ لوگ مغربی تہذیب کو اپنانے کیلئے مجبور ہو جائیں۔وہ چپقلش جو پہلے دولت عثمانیہ اور بیرونی دباؤ کے درمیان تھی۔اب اندرون ملک شروع ہوگئی۔یعنی اداروں کو مغربی بنانے کے اختیاری یا غیر اختیاری اقتدار کے قائلین اور ان اداروں کی مخالفت کرنے والوں کے درمیان شدید چپقلش شروع ہو گئی۔معاشرے کو علماء وفقہاء اور ان مبلغین کی مدد حاصل تھی جنھوں نے جدیدیت کے رجحان کا سختی سے مقابلہ کیا اور علی الاعلان کہہ دیا کہ یہ چیز اسلامی شریعت کی منافی ہے(2)۔ان تنظیمات کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

- یہ پہلی قانونی دستاویزات تھیں جنہیں اسلامی شریعت سے اخذ نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ان کی بنیاد ان وضعی دساتیر پر رکھی گئی تھی جس کا تجربہ یورپ نے کیا تھا۔یہ قوانین غیر ملکی نظریات پر مشتمل تھے۔جیسے ''وطن'' اس نظریہ کو خط گلخانہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور امت کی بجائے اس لفظ کا استعمال کیا گیا۔یہ دین کو سیاست سے الگ کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔
- ''انسانی حقوق کی پاسداری''، ''عہد امان'' اور ''پارلیمنٹ'' اور اس طرح کی دوسری اصطلاحات جو مغربی تجربہ سے اخذ کی گئی تھیں اس بات کی اجازت دیتی تھیں کہ ایک طرف سے ایسے قوانین بنتے رہیں جو عوام الناس کو ظلم وستم کی چکی میں پیستے رہیں اور دوسری طرف غیر ملکی تاجروں اور مشنری طبقہ کو یہ حق حاصل رہے کہ وہ تجارتی قوانین اور مشنری اجازت ناموں کے ذریعے مسلمان معاشرے پر اپنی گرفت آئے روز مضبوط سے مضبوط تر کرتے جائیں۔
- 1876 کا دستور جو مدحت پاشا نے وضع کیا تھا اس میں دونوں شاہی خطوط، خط گلخانہ اور خط ہمایوں کی تمام دفعات موجود تھیں اسلامی تاریخ اور مسلمان ملکوں میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک ایسے دستور پر عمل درآمد ہو رہا تھا جو فرانس، بلجیم اور سوئٹزرلینڈ کے دستور سے ماخوذ تھا اور ان ملکوں کے دساتیر وضعی اور سیکولر تھے۔

1۔الدولۃ العثمانیۃ قراۃ جدیدۃ لعوامل الانحطاط، ص 61 2۔ایضاً ص 62

تنظیموں نے دولت عثمانیہ کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیا جس کا انجام ایک غیر اسلامی مملکت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ سیکولر قوانین، ایسے اداروں کا قیام جو وضعی قوانین پر عمل کرتے تھے اور تجارت، سیاست اور معیشت کے میدانوں میں اسلامی قوانین سے دوری نے مسلمانوں میں دولت عثمانیہ کی شرعی حیثیت کو مشکوک بنا دیا۔ بلکہ بات یہاں تک پہنچی کے دولت عثمانیہ کے اندر ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اس کے خلاف برسرپیکار تھے۔ ایک طرف یورپ کے لوگ تھے۔ جو ثقافت، اقتصاد اور سیاست کے میدان میں مغربیت کے فروغ کے لئے کوشاں تھے اور دوسری طرف مسلمان عوام اور علماء تھے جو اس رجحان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو چکے تھے۔ ان دونوں طاقتوں کے درمیان ایک ختم نہ ہونے والی جنگ شروع تھی اور جنگ و جدل کا یہ سلسلہ دولت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد بلکہ آج تک جاری و ساری ہے۔(1)

ان واقعات کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم یہاں قدرے وضاحت سے بات کریں۔ سلطان عبدالحمید ثانی کی یادداشتوں میں یہ تاریخی شہادت موجود ہے کہ انہوں نے دولت عثمانیہ کو اس گرداب بلا سے نکالنے کی کوشش کی۔ کیونکہ دولت عثمانیہ کئی مشکلات کا شکار ہو چکی تھی اور اس کے اردگرد گھیرا تنگ ہو چکا تھا۔ اصلاحی تحریک دراصل مغرب کی ایک چال تھی۔ اس کے پس پردہ وہ دولت عثمانیہ کو مغرب کا باجگزار بنانا چاہتے تھے۔ جب سلطان نے ان حقائق کا اظہار کیا تو دستوری اور یہودی مہاجنوں نے ان کے خلاف جنگ کی اور انہیں معزول کر دیا۔ اپنے آخری دور حکومت میں جب کہ وہ بے بس حکمران بن چکا تھا۔ تجدید و اصلاح کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا: ''تجدید جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں اور اسے اصلاح کا نام دیتے ہیں ہمارے زوال کا سبب بن جائے گی۔ ہمارے دشمن جنہوں نے شیطان سے اس نصیحت کا خود معاہدہ کر رکھا ہے ہمیں کیوں یہ نصیحت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں پوری طرح یقین ہے کہ اصلاح بیماری ہے دوا نہیں۔ اور تجدید اس ملک کو نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب ہم بعض اصلاحات کو اپنانے کا ارادہ کریں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ملکی حالات کا ضرور خیال رکھیں اور مٹھی بھر ملازموں کے فکری معیار کی اساس پر حالات کو قیاس نہ کریں۔ ضروری ہے کہ جو چیز یورپی ہے اس کے بارے طبقہ علماء کے شکوک وشبہات کو ذہن میں رکھیں۔ یورپیوں کا یہ گمان ہے کہ نجات کا واحد راستہ کلی طور پر مغربی تہذیب کو اپنانا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ترقی کا ڈیزائن ہمارے نزدیک وہ نہیں جو یورپیوں کے نزدیک ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم طبعی حالات کے تحت ترقی کریں اور اپنے وسائل پر بھروسہ کریں۔ اور خارجی حالات سے صرف خاص حالات میں استفادہ کریں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ ہم کو مغرب سے آنے والی ہر چیز کی مخالفت کا الزام دیا جاتا ہے۔''(2)

عثمانی اصلاحی تحریک کے بارے سلطان عبدالحمید کی یہ گفتگو حقیقت کے بہت قریب ہے۔ ان کی یہ گفتگو مبنی پر انصاف ہے۔ انہوں نے مغربی تہذیب سے استفادہ کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ انہوں نے قارئین پر یہ بات واضح کر دی کہ مغربی تہذیب اور دوسری جاہلی تہذیبوں کے بارے اسلام کے موقف کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یہ کہ ان

1۔ الدولۃ العثمانیۃ قراۃ جدیدۃ لعوامل الانحطاط: ص 63 2۔ ایضاً

تہذیبوں سے استفادہ کی صورت کیا ہے؟

مغرب کی کافر تہذیب اور دوسری تہذیبوں سے استفادہ کی تین صورتیں ہیں۔

❶ ایک یہ کہ ان کی مصنوعات، صنعتی علوم، علمی تحقیقات، تجرباتی علوم، عسکری اور طبعی معارف جیسے ریاضی، کیمسٹری، فزکس، انجینئرنگ، بیالوجی اور فلکیات سے استفادہ کریں۔ لیکن ان سے استفادہ کیلئے بھی ضروری ہے کہ جاہلی افکار ونظریات اور مفروضوں سے انہیں پاک کر کے پوری تحقیق کے بعد قبول کیا جائے اور انہیں اسلام کے صاف ستھرے قالب میں ڈھال لیا جائے۔ ان میں بعض علوم تو ایسے ہیں جو واجب کی حیثیت رکھتے ہیں (1)۔ ان کا حصول اور ان کو مغرب سے سیکھنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ ان سے مراد وہ علوم وفنون ہیں جن کی آج امت مسلمہ کو سخت ضرورت ہے۔ اور بعض ذمہ داریاں صرف اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہیں کہ ان علوم وفنون میں مسلمان کامل مہارت حاصل کریں۔ جیسے اسلحہ سازی کا میدان، اور عسکری نظم ونسق۔ ہم ان شعبوں میں مغربی علوم وفنون سے استفادہ کیے بغیر دعوت اور جہاد کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے۔ وہ تمام علوم جو مباح ہیں ضروری ہے کہ مسلمان ان کو حاصل کریں اور مسلمان اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ان علوم میں مہارت حاصل کر کے دنیا کی امامت کا فریضہ سرانجام دیں۔

ایک اسلامی فلاحی دولت کا قیام صرف اسی صورت میں عمل میں آ سکتا ہے کہ مباح وسائل پوری تحقیق اور دانشمندی کے ساتھ قبول کیے جائیں۔ اگر وسائل ایسے ہوں جن کی اجازت اسلام نہیں دیتا اور جو بہت کم ہیں تو انہیں ترک کرنا اولیٰ ہے (2)۔ کیونکہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اسباب کو بروئے کار لائیں۔ ان سے استفادہ کریں ان میں انحصار کرنے کی صلاحیت حاصل کریں اور کفار کی دست نگری سے بچنے کی کوشش کریں۔

❷ عبادات، عقائد، دینی تعلیمات، نظریات وافکار، فلسفیانہ آراء جو کائنات، زندگی۔ انسان سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا عقیدہ کے ساتھ تعلق ہے ان میں تقلید جائز نہیں ہے۔ ایسے امور میں کافروں سے استفادہ کرنا باطل ہے اور کفر کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر تقلید کرنے والا ایسے نظریات کی صحت کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سب کچھ وہ نا سمجھی میں کر رہا ہے تو بھی کم از کم حرام کا مرتکب ہو رہا ہے۔

❸ رہی اخلاق وکردار، آداب ومعاشرت، فکر وفلسفہ اور فنون میں مغرب کی تقلید تو ایسے امور یا تو اسلام کے منافی ہونگے یا ان کے بارے اسلام کا کوئی صریح حکم موجود نہیں ہوگا۔ اگر ایسے امور ہیں جو اسلامی اصول وقوانین سے متعارض ہیں یا اندیشہ ہے کہ ان کو اپنانے سے کفار کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی۔ جس سے شارع علیہ السلام نے روکا ہے تو یہ چیز حرام ہے۔ اور اگر اسلام اس کے بارے خاموش ہے تو وہ چیز مباح ہے (3)۔ اگر اس میں کوئی فائدہ ہے تو اسے قبول کرنے میں حرج نہیں۔ واللہ اعلم

مسلمان علماء ومفکرین اور اس دور کے دانشوروں نے تقلید اور مغربی تہذیب سے استفادہ کی کیفیت کے بارے جو گفتگو کی

1۔ مجلۃ المنار محمد رشید (553,551/1) 2۔ ایضاً 3۔ التقلید والتبعیۃ۔ ڈاکٹر ناصر عبد الکریم، غفل ص 38

ہے ذیل میں ہم چند علماء کی تصریحات پیش کرتے ہیں۔
مصطفیٰ صادق رافعی کہتے ہیں: ''میں سمجھتا ہوں کہ عرب ممالک میں رہنے والوں کو مغرب کے تمدنی عناصر کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اس سے استفادہ پوری تحقیق اور سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اور اخذ و قبول سے پہلے ہر چیز کی تحقیق کا حق ادا کرنا چاہیے۔ تقلید طبعاً پست طبقات میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس قوم سے کچھ بھی نہ لیں۔ حسن تمدن اور خواہشات نفس، فنون خیال اور فحاشی و عریانی کو قبول کرنے میں بڑا فرق ہے۔''(1)
حسن البنا کہتے ہیں: ''سچ تو یہ ہے کہ ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہم اسلامی تعلیمات اور دینی اصول وضوابط سے دور ہو گئے ہیں۔ اسلام اس بات سے ہرگز نہیں روکتا کہ ہم نفع بخش چیزوں کو قبول کریں اور حکمت و دانائی جہاں سے ملے ہم اسے لے لیں لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم کافر جو دین سے کچھ تعلق نہیں رکھتے' کے رنگ میں رنگ جائیں اور اپنے عقائد، اپنے فرائض، حدود، احکام چھوڑ کر اس قوم کے پیچھے چل دیں جنہیں دنیا نے آزمائش میں ڈال رکھا ہے اور جنہیں شیطانوں نے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔''(2)
ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں۔ ''اگر کوئی ایسی چیز ہے جو مطلوب ہے اور اس لائق ہے کہ ایک امت اسے دوسری امتوں سے لے تو وہ ہے ان کی علمی تحقیقات کے نتائج، فکری قوا کے ثمرات ایجادات کی صلاحیت اور علمی مناہج جن کی بدولت وہ دنیا میں ترقی کی اعلیٰ بلندیوں پر پہنچ گئے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی قوم ہو اگر اس کی تاریخ، اس کے نظم معاشرت یا اس کے اخلاق میں کوئی نفع بخش درس موجود ہے تو نہ صرف یہ ضروری ہے کہ ہم اسے اس قوم سے قبول کریں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس قوم کی ترقی اور خوشحالی کے اسباب کا پوری دقت اور تفحص کے ساتھ جائزہ لیں اور جو چیز ہماری ضرورت اور ہمارے حالات کے مناسب ہو اسے لے لیں لیکن جب ہم ان بنیادی باتوں سے اعراض کر لیتے ہیں اور مغربی اقوام سے ان کا لباس، معیشت کے طریقے، کھانے پینے کے آلات لینا شروع کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان اقوام کی ترقی اور کامیابی کا راز انہیں چیزوں میں ہے تو ہم اپنی کم عقلی، ابلہی اور حماقت کی دلیل فراہم کرتے ہیں۔ کیا کوئی عقل مند یہ یقین کر سکتا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مغرب نے جو ترقی اور کامیابی حاصل کی ہے اس کی وجہ ان کی پینٹ، پتلون، ٹائی، جوتا اور ہیٹ ہے یا یہ کہ ان کی ترقی اور تقدم کا اصل سبب چھری کانٹے کے ساتھ کھانا کھانا، سامان آرائش، فارغ البالی، ٹوتھ پاؤڈر، ٹوتھ برش اور سرخی میں مضمر ہے۔ اگر معاملہ ایسے نہیں اور ظاہر ہے ایسے نہیں ہے تو ہمارے ہاں اصلاح کی باتیں کرنے والے ترقی یافتہ لوگ صرف انہیں چیزوں پر اپنا سارا زور کیوں صرف کرتے ہیں۔(3)
شیخ محمد امین شنقیطی ''اضواء البیان'' میں مغربی تہذیب کے بارے مسلمانوں کے موقف کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔
''مکمل اور قطعی چھان بین اس بات پر دال ہے کہ مغربی تہذیب، نفع بخش اور نقصان دہ دونوں قسم کی چیزوں پر مشتمل ہے

1۔ وحی القلم (203/3)
2۔ رسائل الامام الشہید حسن البنا۔ ص 307 طبع دار اندلس
3۔ الاسلام فی مواجہۃ التحدیات المعاصرۃ۔ مودودی: ص 164,163

جو چیز اس میں نفع بخش ہے تو وہ مادی پہلو سے نفع بخش ہے۔ اس تہذیب کی ترقی تمام مادی میدانوں میں اتنی واضح ہے کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مادی لحاظ سے اس میں انسان کے لئے اتنے فوائد ہیں کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے انسان کے لئے بہت بڑی خدمات سرانجام دی ہیں لیکن اس حوالے سے کہ وہ ایک حیوانی جسم ہے۔ وہ چیز جو اس میں نقصان دہ ہے تو وہ ہے اس پہلو سے کلیتاً بے توجہی برتنا جو ہر بھلائی کی بنیاد ہے اور یقیناً اس کے بغیر دنیا میں کوئی بھلائی ہے ہی نہیں اور وہ ہے انسان کی روحانی تربیت اور اس کے اخلاق کی تعمیر و تہذیب۔ (1)

یہ بات ذکر کرنے کے بعد کہ جو چیز نفع بخش ہے اس سے نفع حاصل کیا جائے۔ کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ابوالاریقط دولی کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا اور سفر ہجرت میں اس کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کیا حالانکہ وہ کافر تھا۔ اس دلیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام اور مسلمانوں کا مغربی تہذیب کے بارے طبعی موقف یہ ہے کہ مادی شعبوں میں جو انہوں نے ایجادات کی ہیں ان کو حاصل کرنے میں مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے اور خالق کائنات کے بارے جو سرکشی کا ارتکاب کیا ہے اس سے بچنا چاہیے۔ اس سے ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی لیکن افسوس ان میں اکثر مسلمانوں کا عمل مختلف ہے۔ وہ مغربی تہذیب سے اخلاقی بے راہ روی، دینی بیزاری، خالق کائنات کی اطاعت سے فرار جیسی چیزیں تو قبول کر لیتے ہیں لیکن ایسی تحقیقات اور ایجادات سے فائدہ نہیں اٹھاتے جن میں مادی نفع ہے۔ اس طرح وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اٹھاتے ہیں اور یہ واضح نقصان ہے۔

سید قطب شہید کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عقیدے اور منہج اسلامی کے بارے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ جس قدر سختی برتتے تھے اسی قدر تجربہ کے لئے چھوڑی گئی علمی زندگی کے کاموں میں تجربہ اور رائے میں آزادی دیتے تھے تاکہ یہ لوگ زراعت اور جنگی معاملات میں اپنی رائے اور تجربہ کا آزادانہ اظہار کر سکیں کیونکہ ایسے امور کا معاشرتی نظام کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی یہ انسانی زندگی کے تنظیم کے ساتھ کوئی خاص ارتباط رکھتے ہیں۔ اعتقادی اور عام دنیوی امور میں فرق بالکل واضح ہے۔ منہج حیات الگ شے ہے اور خالص تجرباتی اور تطبیقی علوم الگ شے ہیں۔ اسلام جو منہج خداوندی کے ذریعے زندگی کی رہنمائی کیلئے آیا ہے۔ عقل کو معرفت و آگہی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ہر اس مادی ایجاد سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اس کے مقرر کردہ منہج حیات کے دائرہ میں آتی ہے۔ (2)

اس گفتگو کے بعد انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ قلم بند فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس تورات کا کچھ حصہ دیکھا تو آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ واپس لوٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ **لا تسالوا اهل الکتاب عن شیء فانهم لن یهدوکم وقد ضلوا** ''اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے مت پوچھو۔ وہ تمہاری ہرگز رہنمائی نہیں کر سکیں گے۔ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔''

یہ ہیں اہل کتاب اور یہ ہے ان سے استفادہ کرنے کے بارے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی۔ وہ امور جن کا تعلق

1۔ اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: (412/4)
2۔ فی ظلال القرآن: سید قطب (21,20/4)

عقیدے، نظریے، شریعت اور اسلامی قانون سے ہے، ایسے امور میں غیر مسلموں سے رہنمائی حاصل نہیں کی جاسکتی لیکن باقی تمام انسانی کوششوں سے استفادہ کرنے میں قطعاً کوئی حرج نہیں لیکن ضروری ہے کہ ان کا اسلامی منہج کے ساتھ ربط پیدا کیا جائے۔ ان کے بارے یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان علوم سے آگاہ کر کے اور کائنات کو انسان کے لئے مسخر کر کے انسان پر بڑا فضل فرمایا ہے لہٰذا ان امور سے انسان کا نفع حاصل کرنا بہترین مفاد میں ہے۔ اس سے امن و خوشحالی کو ممکن بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے اس معرفت کی نصیحت سے اور کائنات کی طاقتوں اور قوتوں کو مسخر کر کے ان پر فضل فرمایا لہٰذا اس نعمت پر عبادت کر کے شکر کرنا ضروری ہے اور اس معرفت کی طرف انسان کی مزید رہنمائی کر کے شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ تسخیر بشریت کے لئے بھلائی ہے لیکن کفار سے عقائد، کائنات کی تفسیر، انسانی وجود کی غرض و غایت، اسلوب حیات، اسلامی قوانین اور شرائع میں رہنمائی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس چیز نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ناراض کیا اور اس طرح کی معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو پسند نہ آئی اور یہی وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو خبردار کیا اور اسے کفر صریح قرار دیا ہے۔(1)

جب خلافت عثمانیہ میں ضعف اور کمزوری آ گئی تو مغرب کی تقلید کا رجحان عام ہو گیا۔ تخریبی قوتیں اسے اندر اور باہر سے ریزہ ریزہ کرنے کے لئے بے تاب نظر آنے لگیں اور جب اس کمزور سلطنت کو ان نوزائدہ نصرانی ملکوں کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا احساس ہوا تو وہ ان ملکوں کی تقلید کی طرف متوجہ ہو گئی اور ان کے جدید انکشافات کو قبول کرنے میں جت گئی۔ اس تقلید کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و نظریات بھی متاثر ہوئے اور وہ اللہ کریم کے عطا کردہ زندگی کے حقیقی اصولوں سے دور ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کی سوچ میں تبدیلی آ گئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ صحیح منہج سے دور ہو گئے۔ کفار کی سوچ سمجھے بغیر تقلید کرنے لگے۔ یہ نہ سوچا کہ ان کی ترقی اور آگے بڑھنے کے حقیقی اسباب کیا ہیں۔ ان اسباب کو جاننے اور اختیار کے بغیر، جدوجہد کا راستہ اپنائے اور اپنی ذاتی قوتوں پر اعتماد کیے بغیر مغرب کی اندھی تقلید میں حد سے آگے نکل گئے۔(2)

اندھی تقلید کی فوج طاقت پکڑتی گئی۔ خواہشات نفسانی، داخلی انحراف اور بیرونی طاقتوں کی طرف سے کی جانے والی منظم کوششوں نے اس تقلید کو حماقت اور انتہا کی حد تک پہنچا دیا۔ مسلمان ملک یکے بعد دیگرے اسی راہ پر گامزن ہوتے گئے۔ پہلے ترکی پھر مصر، اس کے بعد شام اور ایران سب سے آخر میں ہندوستان۔

حیرت ہے عالم اسلام میں تقلید کے تمام رجحانات عسکری کمزوری اور اسلامی ملکوں میں سپاہ کی تنظیم کی ضرورت کے احساس کی وجہ سے شروع ہوئے۔ اسی وجہ سے مغرب پر اعتماد کے عقیدے نے جنم لیا۔ ہر وہ چیز جو مغربی تھی، کافروں کے علاقے سے ہمارے ہاں آئی۔ چاہے وہ کتنی بری اور بھونڈی تھی اس کو پسند کیا جانے لگا اور ہر وہ چیز جو مشرق سے تعلق رکھتی تھی خواہ وہ کتنی ہی اچھی اور عظیم تھی اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔(3)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں اندھی تقلید سے روکا ہے اور کئی آیات میں متعدد مواقع اور مختلف اسالیب میں ہمیں

1۔ التقلید والتبعیۃ: ص 42 2۔ التقلید والتبعیۃ: ص 20 3۔ ایضاً ص 21

خبردار کیا ہے۔ بالخصوص اللہ کریم نے کافروں کی تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کبھی تو ان کی اطاعت و اتباع سے روکا ہے اور کبھی ان کے مکروفریب میں آنے، ان کی آراء کو قبول کرنے، ان کے کاموں، چال چلن اور اخلاق سے متاثر ہونے سے خبردار کیا ہے اور کبھی ان کے ان رذائل کو ذکر کر کے مسلمانوں کو ان سے اور ان کی تقلید سے متنفر فرمایا ہے۔

اکثر آیات میں یہود اور منافقین سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن کئی آیات ایسی بھی ہیں جن میں عام اہل کتاب اور مشرکین سے نفرت دلائی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ کافروں کی تقلید اور اطاعت، بارگاہ خداوندی میں مردود ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ (محمد)

''بیشک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجود یکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔''

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں کمال پیدا فرمایا ہے وہاں انسان کے وضعی قوانین کی اتباع کرنے سے روکا ہے۔ قرآن کریم اھواء نفس اور کفار کی اتباع سے روکتے ہوئے کہتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ (الجاثیہ)

''پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں۔ پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔''

رب قدوس اہل کتاب سے ہوشیار رہنے کے بارے فرماتا ہے۔

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ:109)

''دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

''نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے رب کی

طرف سے۔" (البقرہ:105)

سورۂ مائدہ میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ (المائدہ:51)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست و (مددگار)"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی اطاعت، ان کی خواہشات کی اتباع اور ان کے اخلاق رذیلہ کو اپنانے سے منع فرماتے ہوئے فرمایا۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ:120)

"اور ہرگز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی۔"

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝

"اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا) کہ لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔" (آل عمران)

سورۂ مائدہ میں فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ (المائدہ:49)

"آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو۔"

یہود و نصاریٰ کی دوستی اور ان کو اپنا راز دار بنانے میں جو خطرات ہیں انہیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ (آل عمران:118)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو، وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں۔ وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے۔ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔"

اسی طرح قرآن کریم میں مختلف واقعات کے ذریعے یہود و نصاریٰ کی تقلید سے روکا گیا ہے اور مسلمانوں کو خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ کریم نے گزری ہوئی کافر قوموں، ان کے واقعات، ان کے دشمنانہ رویوں اور دعوت توحید اور ایمان کے مخالف ان کے نظریات کو بیان کرنے کے بعد ان کو جن سزاؤں اور عذاب سے سابقہ پڑا ان کو واضح کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ ان کی تقلید سے بچیں اور ان کے طریقہ کو اپنانے سے اجتناب کریں (85)۔ مثلاً

1۔ التقلید والتبعیۃ: ص51

سورۂ حشر میں ان کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ○ (الحشر)

''پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو!''۔

سورۂ یوسف میں فرمایا

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (یوسف: 111)

''بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھداروں کے لئے۔''

قرآن کریم میں کفار کی تقلید سے روکنے کے سلسلے میں جو آیات آئی ہیں ان کو علماء نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عام امور میں مسلمانوں کی ان کی مخالفت کرنا مسلمانوں کے لئے بہت فائدے کی بات ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس پر تمام آیات دال ہیں۔

آیات کی دوسری قسم وہ ہے جن میں ان کی مخالفت ہی مطلوب ہے اور یہ مخالفت شرعاً فرض ہے۔ اس مضمون پر بعض آیات دال ہیں۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث ہیں جن میں اندھی تقلید سے روکا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے غیر شرعی امور کو اپنانے سے منع فرمایا ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم (2) ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہے''۔

اسی طرح کئی احادیث ایسی ہیں جن میں کفار کی تقلید سے بالعموم اور یہود و نصاریٰ کی تقلید سے بالخصوص روکا گیا ہے۔ مختلف مقامات پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

خالفوا الیھود (3) یہودیوں کی مخالفت کرو۔

خالفوا المشرکین (4) مشرکوں کی مخالفت کرو۔

والا تشبھوا بالیھود (5) یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو۔

کفار کی تقلید سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

لا تسلوا اھل الکتاب عن شیء فانھم لن یھدوکم۔ وقد ضلوا وانکم اما ان تصدقوا بباطل واما ان تکذبوا بحق۔ وانہ واللہ لو کان موسی حیا بین اظھرکم ما حل لہ الا ان یتبعنی۔ (6)

''اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے مت پوچھو۔ وہ ہرگز تمہاری رہنمائی نہیں کر سکیں گے۔ وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم (ان کی باتوں کو تسلیم کر کے) یا تو باطل کی تصدیق کرو گے یا سچ کو جھٹلاؤ گے۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے

1۔ اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم لابن تیمیہ: ص 17　2۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب لباس الشھرۃ: (367/2)

3۔ یہ کئی احادیث میں مذکور ہے۔　4۔ بخاری　5۔ ابوداؤد　6۔ مسند الامام احمد (338/2)

درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی حلال نہ ہوتا مگر یہ کہ وہ میری اتباع کریں۔"

اسی طرح مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے قانون سے پہلوتہی کریں گے وہ یہود و نصاریٰ اور گمراہ قوموں کے آثار پر انحصار کریں گے تو ان کے ہاتھ کیا آئے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبراً بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قلنا يارسول الله! اليهود و النصارىٰ قال فمن؟؟(1)

"تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ضرور پیروی کرو گے بالشت بہ بالشت ذراع بہ ذراع حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کی بل میں گھسے تو تم ان کی اتباع کرو گے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کی؟ فرمایا: اور کس کی؟"

شریعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد مسلمانوں کو اندھی تقلید سے روکنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ کو دین حق اور کامل رہنمائی دے کر مبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرمادے۔ اللہ بزرگ و برتر نے شریعت کو لوگوں کے لئے کامل ٹھہرایا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

"آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔"

اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ میں ہر دور اور ہر جگہ کے لوگوں کے لئے تمام مصالح رکھ دیئے ہیں۔ اس لیے کفار سے مدد حاصل کرنے، ان کی تقلید کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات اب بالکل واضح ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کو یورپ کی اندھی تقلید سے شخصی اعتبار سے کیا نقصان پہنچا۔ مسلمانوں کی فہم و فراست متاثر ہوئی۔ ان میں کمزوری آگئی۔ یہ لوگ احساس کمتری کا شکار ہوئے۔ شکست خوردگی کا احساس اجاگر ہوا۔ اللہ کریم کے مقرر کردہ راستے اور اللہ کریم کی شریعت سے دور ہو گئے۔ پھر تجربہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ کفار کو پسند کرنا، کافروں کو اپنائیت کی نظر سے دیکھنا، ان کے ہیروز اور ان کی میراث کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا، ان کی محبت اور ان پر کامل اعتماد پیدا ہونے کا سبب ہے۔ کفار سے محبت اسلام سے دوری، مسلمان ہیروز، اسلامی میراث اور اس کے فیوض و برکات سے محرومی کا سبب ہے۔ یہی کچھ دولت عثمانیہ کے ساتھ بھی ہوا اور یہی کچھ اس کے مختلف صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جب یہ لوگ خدائی پیغام سے کٹ گئے اور مغرب کی سلطانی کے سامنے سر جھکا دیئے تو ان کی قدر و منزلت قصہ پارینہ بن گئی اور ان کا تعلق اسلام اور اسلامی تاریخ سے برائے نام رہ گیا(2)۔

تقلید کا شرعی حکم اس کی نوعیت اور کیفیت کے اختلاف اور اس کے خطرات اور اثرات کی کمی بیشی کے حوالے سے مختلف ہے جس طرح کہ یہ حکم تقلید کرنے والے اور جس کی تقلید کی جاری ہے، ان دونوں کے درمیان شرعی تعلق اور غیر مسلموں کی تقلید

1۔ بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب لتتبعن سنن من کان قبلکم۔ جلد تین جز نو ص83

2۔ التقلید والتبعیۃ: ص81

کرنے کے بارے تقلید کرنے والے کے اعتقاد کے حوالے سے مختلف ہے۔ جب تقلید ان عقائد کے بارے ہو جو ایمان اور نظریاتی اصولوں کے بارے ہیں یا شرعی قطعی احکام سے متعلق ہیں یا غیبی مسائل کے بارے ہیں تو ایسے امور میں تقلید کفر ہے۔ جیسے نصرانیوں کی تقلید ان کے عقیدہ تثلیث میں۔ کمونسٹوں کی انبیاء اور ادیان کے انکار میں اور کافر ملکوں کی تقلید حدود اللہ کو معطل بنانے میں اور یہ اعتقاد رکھنے میں کہ یہ حدود اب اس قابل نہیں رہیں کہ ان کا نفاذ کیا جائے۔

جب تقلید اخلاق رذیلہ اور منکرات کے ارتکاب میں ہو تو فسق ہے جیسے نشہ آور چیزوں کا استعمال وغیرہ اور کبھی ایسی تقلید حرام کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے جیسے تہواروں میں کافروں کی تقلید، ان کی طرح اجتماعات منعقد کرنا اور ان میں ان کی تقلید کرنا اور کبھی تقلید مکروہ ہوتی ہے جیسے زندگی کے عام رویوں میں ان کی تقلید جس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا نہ یہ چیز ان کے عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ ہی ان کا شعار ہوتی ہے۔

اگر اندیشہ ہو کہ تقلید سابقہ امور کفر، فسق، حرام، کراہت کا سبب بن جائے گی۔ تو سد ذرائع کے لئے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جس کا یہ تقلید سبب بن سکتی ہے۔

بعض شروط و قیود کے ساتھ تقلید مباح ہے۔ جیسے مادی ایجادات، انسانی اور خالص تجرباتی علوم، عسکری تجربات وغیرہ میں تقلید اور انہیں اسلامی رنگ میں رنگ کر جو چیزیں جاہلیت سے متعلق ہیں ان سے انہیں خالی کر دیا جائے تا کہ ان سے مسلمان فائدہ حاصل کر سکیں اور تا کہ یہ دینی اور دنیوی شرعی مصالح سے متعارض نہ ہوں۔ (1)

اگر ہم تاریخ عالم پر نظر کریں اور گذشتہ اقوام کے حالات و واقعات کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت ہم پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی قوم کا دوسری قوم یا کسی امت کا دوسری امت کی تقلید کرنا دونوں کے درمیان تشابہ و تفاعل کا نتیجہ بنتا ہے۔ تقلید کرنے والی قوم اپنا تشخص اور خود مختاری کھو بیٹھتی ہے اور اس کی الگ حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کریم نے اپنی مخلوق میں یہ سنت جاری فرما دی ہے کہ جو قوم مغلوب اور کمزور ہوتی ہے وہ طاقتور، غالب اور فاتح قوم کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے (2)۔ اور اس کی تقلید کر کے اس کے اخلاق، چال چلن اور انداز حیات کو اس حد تک اپنا لیتی ہے کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ کمزور قوم طاقتور قوم کے عقائد و نظریات، ثقافت اور تمدن اور علوم و فنون میں بھی اس کی اندھی تقلید کرنے لگتی ہے اور اس طرح تقلید کرنے والی قوم اپنے اجزائے ترکیبی اور اپنی تہذیب کو کھو دیتی ہے اور دوسری قوم کی دست نگری میں اپنی زندگی گزارنے لگتی ہے۔

جب ایک مغلوب قوم حالات کا صحیح ادراک نہیں کرتی اور اپنی ذاتی کوششوں اور جہادی سرگرمیوں کی مدد سے اندھی تقلید سے نجات حاصل نہیں کرتی تو لامحالہ وہ زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے۔ غلامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کا تشخص پوری طرح مٹ جاتا ہے اور وہ خطرناک معاشرتی امراض، احساس کمتری، چھوٹے پن اور خود اعتمادی کے فقدان کا شکار ہو جاتی ہے اور بالآخر مکمل سیاسی و اقتصادی مغلوبیت اور ہر میدان میں شکست خوردگی سے دوچار ہو جاتی ہے۔ جو اقوام الٰہی پیغام کی حامل ہیں۔ جیسے امت مسلمہ تو ان کا کسی دوسری قوم کی تقلید کرنا دین سے بیزاری کا سبب بنتا ہے۔ ایسی قوم جہاد کی راہ ترک کر دیتی

1۔ التقلید والتبعیۃ: ص 83 2۔ مقدمۃ ابن خلدون فصل اقتداء المغلوب بالغالب: ص 147

ہے۔ اس کی تگ و دو دین حنیف کی سربلندی کی بجائے دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے ہونے لگتی ہے۔ اندھی تقلید کا شکار قوم بدعات اور خرافات میں اپنی تمام طاقتیں صرف کرنے لگتی ہے۔ وہ ایسے قوانین، ایسے نظام ہائے حیات کی گرویدہ ہو جاتی ہے اور ایسی اخلاقی بیماریاں اس کے وجود کو آلیتی ہیں جو بالآخر اسے اپنے پیغام سے غافل کر دیتی ہیں اور اس کی وجہ سے وہ کافر اور خدا بیزار قوموں کی محبت کا دم بھرنے لگتی ہے۔ یہ مرحلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی گرفت کو آواز دینے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآنی واقعات سے ثابت ہے جو کئی امتوں سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ آج امت مسلمہ اسی سٹیج پر کھڑی ہے جس سٹیج پر وہ پہلی امتیں کھڑی تھیں۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہوا تھا۔ آج مسلمان کافروں کی اندھی تقلید کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پس پشت ڈال کر کافروں کی دوستی اور تمام شئون حیات میں ان کی اندھی تقلید، وضعی قوانین کی پیروی، زنا، ربا اور فسق و فجور کو جائز سمجھنے جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہو چکا ہے اور ان تمام برائیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ پر اپنے اسلام کا احسان جتلا رہا ہے۔ (1)

دسویں بحث

سلطان عبدالعزیز

1277ھ تا 1293ھ بمطابق 1861ء تا 1876ء

سلطان عبدالعزیز 1277ھ کے اواخر میں اپنے بھائی کے بعد تخت نشین ہوئے۔ ان کے دور میں جزیرہ کریٹ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ جسے 1283ھ بمطابق 1863ء میں کچل دیا گیا۔ 1285ھ بمطابق 1869ء میں نہر سویس کو کھولا گیا۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ اور قانون التجارۃ البحریہ (سمندری تجارت کا قانون) جیسی مایہ ناز کتابیں شائع ہوئیں۔ انہوں نے یورپ کا دورہ کیا۔ وہ یورپی ملکوں کے تجربات سے استفادہ کرنے کی سوچ رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ تمام یورپی اقوام دولت عثمانیہ کے خلاف ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے۔ یورپ اس صلیبی کینہ کو آج تک نہیں بھول سکے جو ان کے دلوں میں بویا گیا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے ذاتی مفادات کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ (2)

یورپی ممالک عثمانی حکومت پر برابر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ مغربی طرز پر اصلاح و ترقی کے لئے اقدام کرے۔ یورپی اور سیکولر افکار و نظریات کو ملک میں رائج کرنے کی کوشش کرے۔ سلطان عبدالعزیز نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اسی راہ پر گامزن رہے گا جس پر اس کے والد گرامی محمود ثانی اور اسکے بھائی عبدالحمید چلتے رہے۔ انہوں نے تمام ملازمین پر لازم کر دیا کہ وہ اصلاحات نافذ کریں۔ ان کے دور میں جن اہم ترین انتظامی اصلاحات کا نفاذ ہوا وہ یہ تھیں۔ صوبوں میں قانون کا اجراء۔ یہ قوانین 1281ھ بمطابق 1864ء میں جاری ہوئے۔ اس کے علاوہ انتظامی میدان میں بھی اصلاحات ہوئیں جیسے سپریم کورٹ (دیوان الاحکام العدلیہ) کا قیام۔ اسی طرح 1285ھ بمطابق 1868ء میں فرانسیسی طرز پر پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آیا۔ جسے ''شورائے دولت'' کا نام دیا گیا۔ اس کی اہم ڈیوٹی بحث و تمحیص کرنا تھی۔ (3)

1۔ التقلید والتبعیۃ: ص (115,114) 2۔ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ: ص 492,490) 3۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 159

رہا شعبہ تعلیم تو اس سلسلے میں سیکنڈری سکول کا قیام عمل میں آیا۔ اس سکول کی بنیاد 1285ھ بمطابق 1868ء کو رکھی گئی۔ اس سکول کا نام تھا "غلطہ سرائے"۔ اس کا نصاب دوسرے سیکنڈری سکولوں کے نصاب سے بہتر تھا۔ اس میں تمام مواد فرانسیسی زبان میں پڑھایا جاتا تھا۔ سوائے ترکی زبان کی کتاب کے۔

اس سکول کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ایسے لوگوں کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو مختلف ملازمتوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں۔ ان سکولوں میں پڑھنے والے طلبہ کا تعلق مختلف ادیان سے تھا۔ اکثریت مسلمان طلبہ کی تھی۔ لیکن ان میں کئی طلبہ مذھبا عیسائی تھے اور ان کا تعلق یونان اور ارمن قوم سے تھا۔ اسی طرح ایک قابل ذکر تعداد یہودی طلبہ کی بھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سکول میں طلبہ جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ 1869ء میں ان کی تعداد چھ سو تک پہنچ گئی۔ اس تعداد میں مسلمان، عیسائی اور یہودی تمام طلبہ شامل ہیں۔(1)

ان تمام اصلاحی اقدامات کے باوجود یورپی ملک دولت عثمانیہ سے خوش نہیں ہوئے۔ وہ ان تمام تبدیلیوں کو ترقی کیلئے ناکافی خیال کرتے رہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ دولت عثمانیہ اصلاح کا ارادہ رکھتی ہے۔ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے اور ان مفاسد کا قلع قمع کرنا چاہتی ہے جو حکومت اور انتظامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس دور کے مغربی مفکرین کی نظر میں یہی وہ مفاسد تھے۔ جو بالآخر دولت عثمانیہ کے زوال کا سبب بنے۔(2)

اس دور کے کئی انگریز اور دوسری اقوام کے دانشوروں کی نظر میں دولت عثمانیہ کا زوال یقینی ہو چکا تھا۔ کیونکہ بقول ان کے انہوں نے یورپی اصلاح کے طور طریقوں کو نہیں اپنایا تھا۔ لارڈ کلارنڈون جو برطانیہ کا 1865ء میں وزیر خارجہ تھا نے کہا: عثمانیوں کے حالات کی اصلاح کا واحد راستہ یہ ہے کہ سطح زمین سے ان کا وجود بالکل مٹا دیا جائے"(3)۔ اس رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نصرانی مجاہد دولت عثمانیہ سے کس حد تک بغض رکھتے تھے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس مملکت نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے انہیں شکست سے دوچار کیا تھا۔

دولت عثمانیہ یورپی اسباب اصلاح کو قبول کرنے میں ناکام ہوگئی کیونکہ یورپی اور عثمانی اصولوں میں مکمل ہم آہنگی کا فقدان تھا۔ یورپی اصول انسان کے وضع کردہ تھے جبکہ عثمانی اصول قرآن وسنت سے ماخوذ تھے۔(4)

سلطان عبدالعزیز کی معزولی

سلطان عبدالعزیز نے یورپ کا دورہ کیا اور اس نے محسوس کیا کہ یورپ کی تمام طاقتیں دولت عثمانیہ کے خلاف متحد ہیں اور ہر لمحہ اس کے خلاف سازشیں کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ اس نے کوشش کی کہ مغربی ملکوں اور روس کے درمیان جو اختلافات ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے بار بار روسی سفیر کو استنبول آنے کی دعوت دی۔ یورپی ملک اس سے خوفزدہ ہوگئے اور اس کے خلاف فضول خرچی اور اسراف کا خوب پروپیگنڈہ کیا(5)۔ آخر مدحت پاشا سلطان

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص159　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً
4۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص110　2۔ ایضاً ص110

مدحت پاشا نے عبدالعزیز کو معزول کرنے میں کامیاب رہا۔ اور اس کی معزولی کے بعد 1293ھ بمطابق 1876ء میں مدحت پاشا نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے سلطان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔(1)

مدحت پاشا ڈونمہ کے یہودیوں سے تھا۔ ماسونی مبلغین نے مشرقی اور مغربی علاقوں میں اس کی خوب تشہیر کی اور اسے بطل جلیل کے روپ میں پیش کیا۔ جس نے سلطنت عثمانیہ میں آزادی اور اصلاح کا علم بلند کیا۔ سیکولر طاقتوں نے اسے بابائے دستور کا نام دیا۔ انہوں نے اخبارات، رسائل اور جرائد میں اس کی خوب تشہیر کی اور وہ اعلیٰ مناصب تک پہنچا۔ حتیٰ کہ شام اور عراق کے باشویہ کے بعد وہ سلطنت عثمانیہ کے اعلیٰ ترین منصب صدر اعظم تک پہنچا۔ پھر اس نے سازشوں اور تخریب کاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ماسونی اور یہودی پوری طرح اس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ حکومت کو نیچا دکھانے کیلئے اس نے ماسونیوں کی مدد سے کئی چالیں چلیں۔ بالخصوص سلطان عبدالحمید جو ماسونیت کا سب سے بڑا دشمن تھا اور جس نے یہودیوں کی آرزوؤں کی تکمیل کو ناکام بنانے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا اس کے خلاف کئی سازشیں کیں۔ مدحت پاشا نے ڈونمہ کے یہودیوں اور عالمی ماسونی طاقتوں کے ایماء پر ایک جمعیت کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام ''جمعیۃ الاتحاد والترقی'' تھا۔ اس جمعیت کا نعرہ بھی وہی تھا جو ماسونی تحریک کا نعرہ تھا۔ اس کا صدر دفتر سلانیک میں تھا۔ سلطان عبدالحمید کو جب اس یہودی کی سازشوں کا علم ہوا تو اسے فوراً گرفتار کر لیا اور اس کے بعد اسے جلاوطن کر دیا۔(2)

سلطان عبدالعزیز کے قتل کی وجہ

سلطان عبدالعزیز نے مغربی دساتیر کے نفاذ سے کلیتہً انکار کر دیا۔ اسی طرح اسلام مخالف مغربی عادات واطوار کو رواج پذیر ہونے سے روکنے کیلئے پوری طرح کوشش کی۔ انہوں نے کوشش کی کہ اسلامی دائرہ کے اندر رہ کر دولت عثمانیہ کی بڑے پیمانے پر اصلاح کی جائے بالخصوص عسکری شعبہ کی۔ تاکہ دفاع کو مضبوط کیا جا سکے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے قدیم اسلحہ کی جگہ جدید اسلحہ کا اہتمام کیا۔ یورپ کی بہترین اسلحہ خانوں سے ضروری سامان جنگ درآمد کیا۔ جدید طرز پر عسکری پالیسیاں ترتیب دیں۔ مختلف صوبوں میں رہنے والے قبائل اور خاندانوں کیلئے فوجی یونٹس تشکیل دیں۔ قلعوں اور مورچوں پر جدید ترین بڑی بڑی توپیں نصب کیں۔ حتیٰ کہ توپ خانہ میں دولت عثمانیہ کو وہ ترقی نصیب ہوئی کہ پوری دنیا ان کی مثال پیش نہیں کر سکتی تھی۔ توپ سازی کے کارخانہ ''توپ خانہ'' کی اصلاح کی گئی اور اس میں جدید مشینیں اور آلات رکھے گئے۔ حتیٰ کہ عثمانی تمام اسلحہ جدید ترین طرز پر بنانے کے قابل ہو گئے۔ بحریہ کے شعبے میں بھی نئی اصلاحات کی گئیں۔ غیر ملکی ماہرین کی جگہ عثمانی ماہرین کا تقرر ہوا۔ اگرچہ ان ماہرین اور ان کے ملکوں نے اس تبدیلی پر اعتراض کیا۔ سلطان عبدالعزیز کے دور میں عثمانی بحریہ دنیا کی بہترین بحریہ میں شمار ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے بحری وفود بیرون ملک بھیجے۔ بکتر بند جنگی جہاز خریدے اور اپنے ملک میں ان کی تیاری کیلئے کئی کارخانے قائم کیے۔ اس کے علاوہ دوسرے آلات جنگ اور بائلرز (Boilers) کی تیاری کا بھی اہتمام کیا۔ حتیٰ کہ ''ازمیت'' کی اسلحہ ساز فیکٹری اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ سلطان نے بحری

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر جمال عبدالہادی: ص 110
2۔ الیہود والماسونیۃ۔ عبدالرحمٰن الدوسری: ص 70-71

مشتوں کیلئے کئی حوض بنائے۔ مجلتہ الاحکام العدلیہ شائع کیا۔ عدل وانصاف کے قیام کیلئے عملی کوششیں کیں۔ بڑی بڑی سیاسی شخصیات کا محاسبہ کیا۔ جیسے خسرو پاشا، عاطف پاشا اور طاہر پاشا۔ اسی عدل وانصاف اور اصلاح احوال کی وجہ سے ان کا شہرا دور دور تک پھیل گیا۔ یورپی ملکوں کو ان کی یہ مساعی قطعاً پسند نہ آئیں۔ انہوں نے انہیں قبول نہ کیا کیونکہ مغربی طاقتیں تو ملک میں انار کی پھیلانے کی خواہش مند تھیں تا کہ اس عظیم مملکت کا زوال جلد از جلد ہو۔ سلطان عبدالعزیز نے مالی اصلاحات بھی کیں۔ ایک منضبط بجٹ تیار کرنے کا حکم دیا۔ پہلے مالی ادارے ختم کر دیے۔ جس کی وجہ سے ملک کے تمام ادارے مساوی حیثیت اختیار کر گئے۔ لین دین نقدی کے ساتھ ہونے لگا اور مالی حالات میں نظم وضبط پیدا ہو گیا۔

تھوڑے سے وقت میں اتنے انقلابی اقدامات کو دیکھ کر یورپی ملک تھرا گئے۔ سلطنت عثمانیہ جو ایک بیمار شخص کا روپ دھار چکی تھی۔ اس کے بارے ان کے پلان ناکام نظر آنے لگے۔ سو انہوں نے سلطان کو حکومت سے برطرف کرنے کیلئے سازشیں کیں اور بالآخر انہیں قتل کرا دیا۔(1)

سلطان عبدالعزیز کے قتل میں یورپی کونسلوں اور دولت عثمانیہ کے دارالحکومت میں موجود یورپی ملکوں کے نمائندوں کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ سلطان کو معزول کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ ان سازشوں میں سرفہرست مدحت پاشا کا نام آتا ہے(2)۔ جس نے خود اعتراف کیا کہ اس نے سلطان کو معزول کرنے کیلئے کوشش کی اور پھر انہیں قتل کرا دیا۔ یہ چیز بالکل معروف ہے اور دستاویزات میں تحریری طور پر موجود ہے۔(3)

گیارہویں بحث

سلطان مراد خامس

1293ھ ان کی حکومت صرف 93 دن باقی رہی

سلطان مراد خامس اپنے والد گرامی سلطان عبدالحمید کے ہاں 25 رجب 1256ھ بمطابق 1840ء کو پیدا ہوئے اور 7 جمادی الاولیٰ 1293ھ کو تخت حکومت پر متمکن ہوئے۔(4)

سلطان مراد خامس بڑے ذہین، ترکی اور مغربی ثقافت کے دلدادہ، علم وادب کے شائق تھے اور یورپی شئون کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے یورپ کو دیکھا بعض یورپیوں سے ملے اور ماسونی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔ ماسونی تحریک کے ایک سرگرم عمل رکن کے ساتھ ان کے بڑے گہرے روابط تھے۔ وہ دستور، لبرلزم (Liberalism) اور سیکولرزم کو بہت پسند کرتے تھے(5)۔ ماسونی تحریک ہی نے اسے اقتدار حاصل کرنے کی شہ دی لیکن جب آدھی رات کو جگا کر اسے یہ اطلاع دی گئی کہ سلطان عبدالعزیز معزول ہو چکے ہیں۔ تو اس پر خوف وہراس چھا گیا اور عقلی قوتوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 206,205 2۔ ایضاً ص 205 3۔ ایضاً ص 208
4۔ ایضاً ص 206,205 5۔ الدولۃ العثمانیۃ۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 178,177

اسے یہ اطلاع ملی کہ حسن جر کسی کو قتل کر دیا گیا ہے تو اسے اعصابی امراض لاحق ہوگئیں۔ جن کی وجہ سے اس کا نظام انہضام بری طرح متاثر ہوا۔ جس وقت مدحت پاشا نئے دستور کا اعلان کر رہا تھا اور شریعت اسلامیہ کی جگہ ایک خود ساختہ منشور ملک میں نافذ ہو رہا تھا۔ تو سلطان کی صحت مسلسل خرابی کی طرف جا رہی تھی۔ اسی مرض کی حالت میں قوانین وضع ہوئے۔ اور اسی حالت میں مغربی طرز کا نظام حکومت ملک میں رائج ہوا۔ حتیٰ کہ سلطان کی بیماری نے شدت اختیار کی اور وہ مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔ جب اس بات کی مکمل تحقیق ہوگئی کہ سلطان جنون کی مرض میں بری طرح مبتلا ہو چکا ہے تو ایسے میں ان کی برطرفی ضروری تھی۔ سو 1886ء میں شیخ الاسلام کی طرف سے اعلان کیا گیا۔ ان کے فتویٰ کی عبارت یہ تھی۔ ''جب مسلمانوں کا حاکم مکمل جنون کے مرض میں مبتلا ہو جائے تو امامت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ تو کیا ایسے میں اسے حکومت اور عہدہ امامت سے برطرف کرنا صحیح ہے؟ (ان کا جواب تھا) ایسے میں امامت سے اس کی برطرفی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ اس فتویٰ کو فقیر حسن خیر اللہ عفا اللہ عنہ نے تحریر کیا۔'' (1)

معزولی کے بعد ان کی دماغی بیماری جاتی رہی اور اس نے اپنی بقیہ عمر ''قصر چراغاں'' میں گزاری حتیٰ کہ چونسٹھ سال کی عمر کو دار فانی سے کوچ کیا۔ (2)

مراد خامس ''جمعیت الاتحاد والترقی'' کے نوجوان اراکین سے بہت متاثر ہوا اور مجلس ماسونی سے تعلق قائم کر لیا۔ ہمیشہ شراب میں دھت رہتا تھا اور سیکولر اور مغربی فلسفیانہ افکار کو بہت پسند کرتا تھا۔ (3)

سلطان عبد الحمید نے اس کے بارے کہا تھا: ''اس کی طبیعت کا یہ خاصا تھا کہ جب بھی کوئی اس کے ساتھ ہنس کر بات کر لیتا تھا تو وہ اس سے دھوکہ کھا جاتا تھا۔ وہ یہ نہیں سوچتا تھا کہ جو بات یہ شخص کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ وہ مستقبل کا خلیفہ ہے لہٰذا اسے ماسونی محافل میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔ بعض لوگ جو تجدید کے دعویدار تھے انہوں نے اس کو ہمیشہ شراب پینے پر ابھارا اور اسے یورپی طرز زندگی کا دلدادہ بنا دیا۔ (4)

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 209
2۔ ایضاً ص 210
3۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر علی حسون: ص 210
4۔ والدی السلطان عبد الحمید: ص 178

چھٹی فصل

سلطان عبدالحمید کا دور

پہلی بحث

سلطان عبدالحمید کی شخصیت

1293ھ تا 1326ھ بمطابق 1876ء تا 1909ء

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ کے سلاطین میں چونتیسواں سلطان تھا۔ چونتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ کیونکہ اس کا سن پیدائش 16 شعبان 1258ھ بمطابق 1842ء ہے۔

دس سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی سوتیلی ماں نے ان کی دیکھ بھال کی۔ ان کی یہ سوتیلی ماں بانجھ تھیں۔ سو انہوں نے ان کی بہترین طرز پر تربیت کی اور سگی ماں کی طرح ان کی پرورش کرنے کی کوشش کی۔ سلطان عبدالحمید سے اسے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ جب یہ فوت ہوئیں۔ تو اپنی ساری جائیداد اپنے اس بیٹے کے نام وصیت کر گئیں۔ سلطان عبدالحمید ان کی تربیت سے بہت متاثر تھے۔ ان کے وقار، دین داری اور ان کی پرسکون مدہم آواز کو بہت پسند کرتے تھے۔ ساری عمر اس خاتون کی شخصیت کا عکس سلطان عبدالحمید کی شخصیت پر نمایاں رہا۔

سلطان عبدالحمید نے قصر سلطان میں اپنے دور کے اخلاق اور علم میں مایہ ناز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں کی تحصیل کی۔ تاریخ کا مطالعہ کیا علم و ادب میں دسترس حاصل کی۔ تصوف کے رموز و معارف سے آگاہی حاصل کی اور ترکی عثمانی زبان میں اشعار بھی کہے۔ اور ان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ (1)

اسلحہ کے استعمال کا تجربہ حاصل کیا۔ وہ تلوار زنی اور تیر اندازی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ بدنی مشق ہمیشہ کرتے تھے۔ عالمی سیاست پر گہری نظر تھی اور اپنے ملک کے طول و عرض کے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔

اپنے چچا سلطان عبدالعزیز کے ساتھ یورپ کا دورہ

سلطان عبدالعزیز نے یورپ کا دورہ کیا۔ ایک اعلیٰ سطح کا وفد بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس عثمانی وفد میں ایک شخص امیر عبدالحمید بھی تھا جو یورپیوں کے سامنے اپنے سادہ لباس اور پاکیزہ قابل تعریف سیرت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ (2)

امیر عبدالحمید نے اس دورے کی خصوصی تیاری کی اور اس کیلئے خصوصی معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے مغرب میں جو کچھ دیکھا اس کے بارے اپنے گہرے مشاہدے اور صحیح موقف کا اظہار کیا۔ اس عثمانی وفد نے اس دور کی اہم یورپی سیاسی شخصیات سے ملاقات کی۔ جیسے فرانس کے نپولین ثالث، انگلینڈ کی ملکہ وکٹوریا، بلجیم کے لیوبلٹ ثانی، جرمنی کے گلیوم اول اور آسٹریا کے فرنسوا جوزف وغیرہ (3)۔ اس سے پہلے یہ وفد سلطان عبدالعزیز کی معیت میں مصر کا دورہ بھی کر چکا تھا۔ اور مصر میں انہوں نے یورپی چکا چوند جھوٹی روشنی کا بنظر غائر مطالعہ کر لیا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ کس طرح مصریوں نے یورپی

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص 31 2۔ ایضاً ص 33 3۔ ایضاً

تعلقات کو اپنایا ہے۔ جس کی بدولت ان کو بیرونی قرضوں کی ضرورت پیش آئی ہے اور وہ قرضوں میں بری طرح جکڑ دیے گئے ہیں۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ مصر کی یہ حالت والی مصر اسماعیل پاشا کے اسراف اور فضول خرچی اور مصر کو یورپ کے رنگ میں رنگنے کا نتیجہ ہے۔ اب مصر کے بعد یہ وفد یورپ کا دورہ کر رہا تھا۔ یہ دورہ 21 جون سے شروع ہوا اور 7 اگست 1867ء تک جاری رہا۔ اس دوران عثمانی وفد نے فرانس انگلستان، بلجیم اور ہنگری کی دولت آسٹریا کو بہت نزدیک سے دیکھا۔

اس یورپی سیاحت کے دوران عبدالحمید نے کئی تجربات حاصل کیے اور بعد میں اپنے دور حکومت میں ان سے پوری طرح استفادہ کرنیکی کوشش کی۔

ان میں سے درج ذیل امور خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

❶ یورپی زندگی، اس کے تمام لوازمات جیسے حیرت افزاء اقتصادی طریقے، مختلف اخلاقیات اور ثقافتی رجحانات

❷ صنعتی اور عسکری ترقی، بالخصوص فرانس اور جرمنی کی بری اور برطانیہ کی بحری فوج

❸ عالمی سیاسی کھیل

❹ دولت عثمانیہ کی سیاست پر یورپی طاقتوں کا اثر انداز ہونا۔ بالخصوص نپولین ثالث کا اثر عبدالحمید کے چچا سلطان عبدالعزیز پر اور نپولین کا ان پر دباؤ تاکہ وہ وزیر علی پاشا کی مدد کریں۔ حالانکہ سلطان عبدالعزیز محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کسی غیر ملکی قوت کے زیر اثر ہیں۔(1)

امیر عبدالحمید کو اپنے اس دورہ کے دوران اس بات کا یقین ہو گیا کہ فرانس لہو و لعب کا ملک ہے۔ انگلستان ثروت، زراعت اور صنعت و حرفت کا جبکہ جرمنی تنظیم، عسکریت اور نظم و ضبط کا ملک ہے۔ امیر عبدالحمید سب سے زیادہ جرمنی سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے دل میں اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ جب وہ زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لیں گے تو عثمانی لشکر کو ٹریننگ کے لئے جرمنی روانہ کریں گے۔ امیر عبدالحمید اس دورہ کے دوران مغرب سے بہت متاثر ہوئے اور اسی چیز نے انہیں اس بات پر ابھارا کہ وہ اپنے ملک کے اندر مختلف شعبوں تعلیم، صنعت، نقل و حمل اور فوج میں نئی ایجادات کو متعارف کرائیں۔ انہوں نے آبدوز جہازوں کی خریداری کی۔ ان جہازوں کو جدید اسلحہ سے لیس کیا۔ اپنے ذاتی خرچ پر ملک کے طول و عرض میں ٹیلیگراف کا اہتمام کیا۔ جدید سکولوں کی بنیاد رکھی۔ ان میں عصری علوم کی تدریس کو لازم کیا۔ انہی کی کوششوں سے پہلی بار دولت عثمانیہ میں پہلی بس سروس شروع ہوئی اور سائیکل متعارف ہوا۔ انہوں نے ناپ تول کے لئے نئے پیمانے میٹر کا اجراء کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کوشش کی کہ کسی طرح مغربی فکر ملک میں رائج نہ ہونے پائے۔(2)

یورپ کے اس دورے نے عبدالحمید کو متاثر کیا اور انہوں نے یورپ کے بارے آزادانہ اور خود مختارانہ پالیسی اختیار کی لیکن وہ کسی یورپی شخصیت سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔ خواہ اس کی صداقت جس درجہ کی تھی اور دولت عثمانیہ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ تھا۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص 56

2۔ ایضاً، ص 57

اس دورے کے دوران عبد الحمید کی توجہ اس ڈیبیٹ (Debate) نے خاص طور پر اپنی طرف مبذول کی جو عثمانی صدر اعظم فواد پاشا اور بعض یورپی حکام کے درمیان ہوا۔ فواد پاشا سے اس دورہ کے دوران سوال کیا گیا کہ تم جزیرہ کریٹ کتنے میں بیچو گے؟

فواد پاشا نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: جس قیمت سے ہم نے یہ جزیرہ خریدا ہے اسی قیمت پر بیچیں گے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ عثمانیوں نے جزیرہ کریٹ کی حفاظت کے لئے 27 سال تک جنگ کی ہے۔ لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لیے اتنی ہی مدت جنگ کرنا ہوگی۔

فواد پاشا سے یہ سوال بھی ہوا۔ دنیا میں آج سب سے طاقتور ملک کون سا ہے؟

فواد پاشا نے جواب دیا: آج دنیا میں سب سے طاقتور ملک دولت عثمانیہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم اسے باہر سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کر رہے ہو اور ہم اسے اندر سے منہدم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن ہم دونوں کی کوششیں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔(1)

اس گفتگو سے سلطان عبد الحمید نے یہ سبق حاصل کیا کہ جو طاقتیں دولت عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے کوشاں ہیں انہیں خاموش کرانے کی ان میں سکت ہے۔ انہوں نے اس سفر کے دوران سیاسی گفتگو کا تجربہ حاصل کیا اور بعد میں اس میں پوری مہارت حاصل کی۔ اس دورہ کے دوران عبد الحمید کی عمر پچیس سال تھی۔(2)

ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت اور دستور کا اعلان

اپنے بھائی مراد کے بعد جمعرات کے روز 11 شعبان 1293ء بمطابق 13 اگست 1876ء کو ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس سال تھی۔ بیعت کے لئے وزراء اعیان دولت اور بڑے بڑے سول اور فوجی افسر سرائے طوبقبو میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح مختلف جماعتوں کے نمائندوں نے انہیں خلافت کی مبارک باد دی۔ سلطنت کے طول و عرض میں توپوں کے گولے داغے گئے اور جشن کا اہتمام کیا گیا۔ تین دن تک استنبول میں خوب چہل پہل رہی اور صدر اعظم نے اطلاع کے لئے دنیا کے مختلف ملکوں کو تار بھیجے۔(3)

سلطان عبد الحمید نے مدحت پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا پھر 23 دسمبر 1293ھ، 1876ء کو اس دستور کا اعلان کر دیا جس میں شہری آزادیوں کی ضمانت دی گئی تھی اور پارلیمانی حکومت کی طرز پر دستور مدون کیا۔

اس دستور کے مطابق پارلیمنٹ دو مجالس پر مشتمل تھی۔ ایک مجلس النواب (مجلس نمائندگان) یا مجلس المبعوثین اور دوسری مجلس الاعیان یا مجلس الشیوخ (ایوان بالا)(4)

سلطان عبد الحمید کو اپنے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں وزراء کی طرف سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔" جدید

1۔ السلطان عبد الحمید الثانی: محمد حرب: ص 58
2۔ ایضاً
3۔ الدولۃ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی الحدیث: ص 183
4۔ ایضاً: ص 178

عثمانیوں کی جمعیت'' کی قیادت میں ان کی مغربی طرز کی پالیسیوں کی وجہ سے انہیں سخت پریشانی اٹھانا پڑی۔ یہ لوگ اگرچہ تعلیم یافتہ تھے لیکن مغرب سے بہت متاثر تھے۔ ماسونی طاقتوں نے ان کے اس رجحان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ وزراء کا حکومت پر دباؤ اس حد تک بڑھ گیا کہ مدحت پاشا جو جدید عثمانیوں کی جماعت کی نمائندگی کر رہے تھے نے سلطان عبدالحمید کو ابتدائی دور حکومت میں (1877ء) میں لکھا: '' دستور کے اعلان سے ہمارا مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ ظلم کا خاتمہ ہو۔ آں جناب کے حقوق اور فرائض کا تعین ہو۔ وزراء کے وظائف کا تعین ہو۔ تمام لوگوں کی آزادی اور حقوق کی ضمانت فراہم ہوتا کہ ہمارا ملک ترقی کرے۔ میں آپ کے احکام کی صرف اسی صورت میں بجا آوری کروں گا جب یہ احکام قوم کے مفادات کے منافی نہیں ہوں گے۔ (1)

سلطان عبدالحمید اس سلسلہ میں کہتا ہے'' میں دیکھتا ہوں کہ مدحت پاشا اپنے آپ کو مجھ پر حاکم اور آمر خیال کرتا ہے اور اپنے معاملے میں جمہوریت سے بہت دور اور آمریت کے بہت قریب ہے۔''(2)

مدحت پاشا اور اس کے ساتھی شراب کے رسیہ تھے۔ سلطان عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے'' یہ بات مشہور ہے کہ اس عہد کے آزاد منش شعراء اور ادباء مدحت پاشا کے گھر اس دن جمع ہوئے جس دن اساسی قانون کا مسودہ شائع کیا گیا۔ یہ لوگ اس لئے اکٹھے نہیں ہوئے تھے کہ امور سلطنت کے بارے بات چیت کریں۔ بلکہ اس لئے اکٹھے ہوئے تھے کہ شراب پییں اور اودھم مچائیں۔ یہ لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔ مدحت پاشا جوانی سے شراب پیتا آ رہا ہے اور اس سے سب لوگ واقف ہیں۔ شراب کا نشہ قانون اساسی کے اعلان کے نشے کے ساتھ مل گیا ہے۔ جب مدحت پاشا دستر خوان سے اٹھا تو اسے دو آدمی سہارا دے رہے تھے وہ اسے بازوؤں سے پکڑے ہوئے تھے تا کہ وہ زمین پر گر نہ پڑے۔ جب وہ ہاتھ دھونے لگا تو اپنی بہن کے خاوند طوسون پاشا سے کہا جبکہ نشہ کی وجہ سے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اے پاشا! آج کون ہے جب کہ میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں کہ مجھے میرے منصب سے جدا کرے؟ کون ہے؟ کہو میں کتنے سال صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہوں؟ اس کے جواب میں طوسون پاشا نے کہا:

اگر یہ حالت رہی تو صرف چند ہفتوں کی بات ہے۔ (3)

مدحت پاشا شراب نوشی کی خصوصی محافل میں مملکت کے اہم ترین راز افشاء کر دیتا تھا۔ اور دوسرے دن یہ راز استنبول کے رہنے والوں کے درمیان پھیل جاتے تھے۔ ایک رات اس نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ بہت جلد دولت عثمانیہ میں جمہوریت کا اعلان کرنے والے ہیں۔ اور وہ خود جدید عثمانی جمہوریت کے صدر ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے فرانس میں نپولین ثالث کے ساتھ ہوا۔

مدحت پاشا پر سلطان عبدالعزیز کے قتل کا الزام بھی تھا۔ سلطان عبدالحمید نے ایک کمیٹی تشکیل دی تا کہ وہ اس بارے تحقیق کرے۔ پھر الزام لگانے والوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ مدحت پاشا پر جرم ثابت ہو گیا عدالت نے اسے موت کی سزا

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص59 2۔ ایضاً ص60 3۔ مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص77

سنائی لیکن سلطان عبدالحمید کی مداخلت پر سزائے موت کو قید کی سزا سے تبدیل کر دیا گیا اور مدحت پاشا کو حجاز مقدس کی طرف جلا وطن کر دیا گیا جہاں فوجی قیدیوں کے لئے ایک قید خانہ موجود تھا۔

دستور میں بظاہر اختیارات کی تقسیم نظر آتی تھی لیکن حقیقت میں تمام اختیار پہلے کی طرح فرد واحد کے ہاتھ میں تھے۔ اسی طرح نظام حکومت میں جو تبدیلیاں لائی گئیں وہ بھی ترقی کی قبیل سے تھیں۔ کسی نے سلطان کی خود مختاری کے خلاف سوچا تک نہ تھا۔ بلکہ دستور میں یہ عبارت موجود تھی کہ سلطان کی ذات پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی جائے گی اور سلطان کسی شخص کے سامنے جواب دہ نہیں ہوگا۔ یوں یہ دستور ایک شخصی دستور تھا(1)۔ صرف ایک شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ کسی کو وزیر مقرر کرے یا اسے وزارت سے برطرف کر دے۔ سلطان خود مختار تھا کہ جس ملک کے ساتھ چاہے معاہدہ صلح کرے اور جس ملک کے خلاف چاہے اعلان جنگ کر دے۔ سلطان ہی فوجوں کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ پارلیمنٹ کی طرف رجوع کیے بغیر خود ہی قانون وضع کرے اور اس کا اجراء کر دے۔

سلطان عبدالحمید اپنے اسلاف کی طرح 1293ھ تا 1327ھ بمطابق 1876ء تا 1909ء کلی اختیارات استعمال کرتا رہا اس کی خود مختاری کو سب سے پہلے مدحت پاشا نے چیلنج کیا اور وہ قربانی کا پہلا بکرا بن گیا۔ وہ وسیع اختیارات جو دستور میں سلطان کو حاصل تھے۔ وزیر اعظم کے اختیارات کو محدود کرنے کا سبب تھے۔ کیونکہ حکومتی امور میں اس کی رائے کو ثانوی حیثیت حاصل تھی اور اختیارات کا اصل منبع سلطان خود تھا۔(2)

دستور میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کے ممبران کو آزادی رائے اور اپنے خیالات کو بیان کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کا محاسبہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ وہ مجلس کے اصولوں سے تجاوز کر جائیں۔ یہ دستور عثمانی ترکی زبان میں لکھا گیا تھا کیونکہ یہی ملک کی سرکاری زبان تھی۔ تمام اجتماعات میں اسی زبان میں گفتگو ہوتی تھی۔

دستور میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کے ممبران پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی رائے کا اظہار علی الاعلان یا مخفی طریقہ سے جس طرح حالات کا تقاضا ہوگا کریں گے۔ دستور کی رو سے پارلیمنٹ سلطان کی مداخلت کے بغیر بجٹ تیار کرے گی لیکن تمام قوانین میں سلطان آخری اتھارٹی ہوگا۔

عوام الناس کے حقوق کے بارے دستور نے اس بات کا اعلان کیا کہ ملک میں رہنے والے تمام افراد عثمانی قوم کے افراد شمار ہونگے اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں برتی جائے گی۔ تمام افراد خواہ ان کا تعلق کسی بھی دین سے ہو قانون کی نظر میں یکساں ہونگے تمام افراد پر ایک جیسے فرائض وواجبات عائد ہوں گے اور تمام کو یکساں حقوق حاصل ہونگے۔ دستور میں عدلیہ کی آزادی کو بھی بیان کیا گیا تھا۔ شرعی عدالتوں کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ غیر مسلم اپنے دینی معاملات میں اپنی دینی عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے۔(3)

سلطان عبدالحمید نے حکم دیا کہ دستور کو نافذ کیا جائے اور عام انتخاب کرائے جائیں۔ تاریخ عثمانی میں اس طرح کا کام

1۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 234 2۔ ایضاً 3۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 180

پہلی بار ہو رہا تھا۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں 71 سیٹیں مسلمان نمائندوں کو، 44 سیٹیں نصرانیوں کو اور 4 سیٹیں یہودی نمائندوں کو حاصل ہوئیں۔ پہلی عثمانی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس 29 مارچ 1877ء بمطابق 1294ھ کو ہوا۔ ایوان بالا 26 ممبران پر مشتمل تھا جس میں 21 مسلمان نمائندے اور باقی غیر مسلم تھے جبکہ مجلس نمائندگان (پارلیمنٹ) 120 ارکان پر مشتمل تھی۔ اجلاس میں جب مختلف موضوعات پر بات چیت ہوئی تو بعض عرب نمائندوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ لیکن مجلس نمائندگان کی عمر بہت کم ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ اس کا دوسرا اسیشن مکمل ہوتا 13 فروری 1878ء بمطابق 1296ھ میں بعض نمائندگان نے تین وزراء کو مجلس کے سامنے جواب دہ ہونے کے لئے طلب کر لیا۔ کیونکہ ان پر کچھ الزامات تھے۔ سلطان کے پاس اب اس کے سواء کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ مجلس کو برطرف کر دے۔ اور نمائندگان کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جانے کا حکم دے۔ سو سلطان نے مجلس برخاست کر دی اور بہت سے ممبروں کو جلاوطن کر دیا۔(1)

اس طرح اس مجلس کی کل مدت صرف 10 ماہ اور 15 دن بنتی ہے۔ یہی اس کے پہلے اور دوسرے سیشن کی کل مدت ہے۔

تین سال تک دوبارہ اس کا اجلاس نہ ہوا۔ پارلیمنٹ ہاؤس بند پڑا رہا اور اسے ایک بار بھی دوبارہ نہ کھولا گیا۔(2)

سلطان عبدالحمید نے مجبوراً اس دستور کا اعلان کیا تھا کیونکہ اس پر ماسونیوں کا دباؤ تھا جن کی قیادت مدحت پاشا کر رہا تھا۔ لیکن جب اسے فرصت ملی تو اس نے مجلس معطل کر دی۔

عبدالحمید ثانی درحقیقت مغربی جمہوریت کا مخالف تھا۔ اور اس کے علاوہ دستوری طرز حکومت جسے عثمانی اصطلاح میں ''مشروطیت'' کا نام دیا جاتا تھا کے بھی خلاف تھا۔ دستوری حکومت حاکم کے اختیارات کی حد بندی کرتی تھی اور سلطان کا خیال تھا کہ یہ نظام حکومت چونکہ مغرب سے آیا ہے اس لئے دولت عثمانیہ میں اس کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے جو لوگ دستوری نظام حکومت یا جمہوریت کی بات کرتے تھے۔ سلطان ان کو پسند نہیں کرتا تھا اور مدحت پاشا کے نظریات کی مخالفت کرتا تھا۔ سلطان نے مدحت پاشا پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا: ''اسے مغرب کے مشروطی نظام حکومت کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اس نے مشروطیت کے اسباب اور نتائج کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ قرض کی گولیاں ہر مرض کا علاج نہیں۔ دوسرے ملکوں سے قرض لیکر ہم ملکی عمارت کو نہیں اٹھا سکتے۔ میرا خیال ہے کہ مشروطیت ہر قوم کے لئے موزوں نہیں اور ہر قومی حالت کے لئے اس میں فوائد موجود نہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ یہ مفید ہے۔ لیکن اب مجھے اس کے نقصان دہ ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔(3)

مشروطیت (جمہوریت) کے نقصان دہ ہونے کے بارے سلطان کے پاس دلائل موجود تھے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ دستوری حکومت کی بات کرنے والے لوگوں کی جب سلطان نے درخواست منظور کی اور دستوری حکومت نافذ کرنے کا حکم جاری کیا تو ان لوگوں نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا۔ مثلاً

جب سلطان نے دستور کا اعلان کیا تو عین اس وقت حکومت نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ بعض قراردادوں پر دستخط

1۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 181　2۔ البلاد العربیۃ والدولۃ العثمانیۃ: ساطع الحصری: ص 99، 100

3۔ مذاکرات السلطان عبدالحمید الثانی: محمد حرب: ص 80

کرے جن کی رو سے ان صوبوں میں جن میں کثرت سے مسلمان بستے ہیں نصرانیوں کو حکومت دی جائے۔ اسی طرح ان سکولوں میں نصرانی طلبہ کو بھی داخلہ دیا جائے جن میں عثمانی فوجوں کو عسکری تربیت دی جاتی ہے۔ سلطان نے ان دونوں مسودات پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مدحت پاشا جو وزیر تھا نے یہاں تک کہہ دیا کہ اعلان دستور سے ہمارا مقصد محلات کے ظلم و ستم کو ختم کرنا ہے۔ آں جناب پر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔(1)

دوسرا سبب جس کی بناء پر سلطان عبدالحمید دستوری نقطہ نظر کی مخالفت کرتا تھا وہ یہ تھا جیسا کہ وہ کہتا ہے'' دولت عثمانیہ ایک ایسی سلطنت ہے جس میں مختلف اقوام کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس طرح کے کسی ملک میں جمہوریت کا نفاذ اصلی عنصر کی موت ثابت ہوسکتا ہے۔ کیا انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک بھی ہندوستانی نمائندہ موجود ہے؟ کیا فرانس کی پارلیمنٹ میں ایک بھی ایسا نمائندہ موجود ہے جو الجزائر سے تعلق رکھتا ہو۔(2)

سلطان نے اپنی مملکت میں دستوری نظام حکومت کے نفاذ کے بارے اپنا نقطہ نظر تبدیل نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب وہ حکومت سے الگ کر دیے گئے اور لوگوں نے دستوری نظام حکومت کو رائج کرنا شروع کیا تو وہ کہا کرتے تھے۔

'' مشروطیت کے اعلان سے کیا ہوا؟ کیا قرضے کم ہو گئے ہیں؟ کیا راستوں سکولوں اور بندرگاہوں کی کثرت ہوگئی ہے؟ کیا اب قوانین زیادہ منطقی اور قرین عقل و دانش ہیں؟ کیا امن و امان کی صورتحال بہتر ہوگئی ہے؟ کیا اب لوگ زیادہ خوشحال ہو گئے ہیں؟ کیا شرح اموات کم ہوگئی ہے؟ اور شرح ولادت میں اضافہ ہوگیا ہے؟ کیا عالمی رائے ہمارے لیے پہلے سے بہتر ہوگئی ہے؟ جب ایک نفع بخش دواء ناتجربہ کار طبیب کے ہاتھ میں آجائے تو وہ سم قاتل بن سکتی ہے۔ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آ کر ایک بہترین دوا موت کا پیغام بن سکتی ہے جو اس کے بارے تجربہ نہیں رکھتا مجھے بے حد افسوس ہے۔ حالات میری گفتگو کی سچائی کو ثابت کر چکے ہیں۔''(3)

سلطان عبدالحمید بیان کرتا ہے کہ اس کا موقف دستوری طرز حکومت کے بارے ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ ان کا یہ نقطہ نظر ان حالات میں ہے جن حالات میں اس کو نافذ کیا گیا ہے۔ اگر حالات تبدیل ہو جائیں تو اس بارے ان کے نقطہ نظر میں تبدیلی آسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں'' یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں ہمیشہ سے اس نظام حکومت کے خلاف ہوں جس کی بنیاد مشروطیت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔(4)

سلطان عبدالحمید کا دور حکومت داخلی اور خارجی فتنوں، سازشوں اور مشکلات کا دور تھا۔ دولت عثمانیہ اس دور میں گوناگوں عالمی سازشوں کا سامنا کر رہی تھی۔ انہوں نے امور مملکت میں یورپی عمل دخل کو روکنے کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاح احوال کی کوششیں شروع کیں۔ اور ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کیے۔ نام نہاد رائٹرز اور مغرب زدہ صحافیوں کو ہمیشہ دارالحکومت سے دور رکھا۔ اسلامی تہذیب کے مخالف مغربی رجحانات کو ملک کے مختلف علاقوں میں پروان

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص95 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص96 4۔ ایضاً

چڑھنے سے روکا۔ اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایسا طاقتور ادارہ قائم کیا جو خبر رسانی کا فریضہ سرانجام دیتا تھا اور ملک کے اندر رونما ہونے والے تمام حالات وواقعات کے بارے سلطان کو اطلاعات فراہم کرتا تھا۔

سلطان نے اسلامی اتحاد و یگانگت کے بارے بھی سوچ و بچار کی۔ اس اتحاد نے عظیم نتائج دیئے۔ یورپی سلطان کی اس عمیق اور گہری سوچ سے تھرا اٹھے اور ان کی اس سوچ کو ختم کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔

سلطان نے اپنی خفیہ اطلاعاتی ایجنسی کے بارے بات کرتے ہوئے کہا ''عثمانی رواج کے مطابق سلطان اگر ایک طرف حکومتی ادارے کے طریق کار کے بارے رعایا کی سوچ اور ان کی شکایات، اپنی حکومت اور عدلیہ کے بارے ان کے خیالات کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے تو دوسری طرف ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی خانقاہوں اور درویشوں کی درگاہوں کے بارے معلومات حاصل کرتا ہے۔ اور ان آراء وافکار کو جمع کر کے ان سے امور مملکت کی سرانجام دہی میں رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

میرے جد امجد سلطان محمود ثانی نے خبر رسانی کے دائرے کو بہت وسعت دی تھی۔ اس ادارے میں کئی درویشوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو ملک کے طول وعرض میں سفر کرتے رہتے تھے (1)۔ جب میں سریر آرائے سلطنت ہوا تو یہی طریقہ رائج تھا اور اسی طریقہ کار پر میں کاربند چلا آرہا ہوں۔

مجھے اپنے لندن میں سفیر موسوروس پاشا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ سابق صدر اعظم سر عسکر حسین عونی پاشا نے انگریزوں سے رقم وصول کی ہے۔ جب صدر اعظم جو بادشاہ کے نام سے ملک کا نظم ونسق چلاتا ہے ملک کے ساتھ اسطرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ خبر رسانی پر معمور لوگ قصر خلافت پہنچیں اور اس کی بددیانتی کو طشت از بام کریں تا کہ ایک حکومتی نمائندہ اپنے منصب سے غلط فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے فرائض منصبی کو کماحقہ پورا کرے۔ میں صدر اعظم کے بارے یہ بات سن کر بہت پریشان ہوا اور اس واقعہ سے میں نے بڑا اثر قبول کیا۔ انہی دنوں میرے پاس محمود پاشا آیا اور مجھے ''ترکیا الفتاۃ'' کے بارے بعض معلومات فراہم کیں یہ اطلاعات جو انہوں نے مجھ تک پہنچائیں بہت ضروری تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے یہ معلومات کیسے حاصل کی ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک ذاتی خبر رساں ایجنسی ہے۔ اس نے ''ترکیا الفتاۃ'' کے بعض اشخاص کو تحریص کے ذریعے حاصل کیا ہے یہ لوگ رقم کے لالچ میں آ کر اپنے ساتھیوں سے خبریں وصول کرتے ہیں اور پھر آ کر مجھے بتاتے ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ وہ میرے بہنوئی ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کہ ایک افسر (پاشا) کے پاس اپنی ذاتی خبر رساں ایجنسی ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ فوراً اپنی اس ایجنسی کو ختم کر دیں وہ یہ بات سن کر بہت پریشان ہوئے ہیں۔

1۔ صوفیاء کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ روحانی تجربات حاصل کرنے اور سیروفی الارض کے حکم ربانی پر عمل پیرا ہونے کے لئے سفر کرتے رہتے تھے۔ ان صوفیاء کی زبانی ملک کی صحیح صورت حال سے فرمانرواؤں کو آگاہی ہوتی۔ یہ صوفیاء جہاں حاکم وقت کو لوگوں کی مشکلات سے آگاہ کرتے وہاں بادشاہوں کو تنبیہ کرتے اور ظلم سے روکتے تھے۔ (مترجم)

ایسے میں کوئی مملکت بھی امن سے نہیں رہ سکتی جبکہ دوسرے ملک اپنے مفادات کے لئے صدر اعظم کی سطح کے آدمیوں کو استعمال کر رہے ہوں۔

ان حالات کے پیش نظر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسی خفیہ خبر رساں ایجنسی قائم کروں جو براہ راست میرے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ یہی وہ ایجنسی ہے جسے میرے دشمن جورنالجیہ (خفیہ پولیس، انٹیلی جنس) کا نام دیتے ہیں۔

ضروری ہے کہ میں سچے اور جھوٹے مخبروں میں تمیز کروں اور ان کی معلومات کے بارے چھان بین کروں اور جب تک حقیقت حال واضح نہیں ہو جاتی ان کی اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہ کروں۔

میرے جد امجد سلطان سلیم (سلیم ثالث) کہا کرتے تھے۔ ''غیر ملکی ہاتھ میرے جگر کے اوپر حملہ کرنے کے لئے بلند ہو چکے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم دوسرے ملکوں میں اپنے سفیر بھیجیں تا کہ وہ یورپ کی ترقی کے طریقوں کو یہاں متعارف کرائیں۔ ضروری ہے کہ ہم دوسرے ممالک میں اپنے نمائندے بھیجیں تا کہ ان کے تجربات سے جس قدر جلد ممکن ہو ہم استفادہ کر سکیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ان غیر ملکی ہاتھوں میں ہوں۔ لیکن وہ میرے جگر کے اوپر گرفت نہیں رکھتے بلکہ وہ میرے دل میں پنجے گاڑھ چکے ہیں۔ لوگ میرے صدر اعظم اور وزراء کو خرید چکے ہیں اور ان کو میرے ملک کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میں نے خزانہ دولت سے ان پر بڑی خطیر رقم خرچ کی ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کس چیز کی تیاری کر چکے ہیں؟ ہاں میں نے جورنالجیہ (انٹیلی جنس) کے ادارے کی بنیاد رکھی ہے اور میں خود اس ادارے کی نگرانی کر رہا ہوں۔

یہ سب کچھ کب واقعہ ہوا؟

اس کے بعد کہ میں نے دیکھا میرے صدر اعظم غیر ملکوں سے رشوت لیکر ملک کا سودا کر رہے ہیں اور میری حکمرانی کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں میں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی ہے اس لئے نہیں کہ یہ اپنے ہم وطنوں کے خلاف آلہ کار بن جائیں بلکہ اس لئے کہ وہ ان لوگوں تک رسائی حاصل کریں اور ان کو بے نقاب کریں جو میرے ملک کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ قومی خزانہ سے بھاری تنخواہیں لیتے ہیں اور ملک ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔(1)

درحقیقت سلطان عبدالحمید کو جمعیت الاتحاد والترقی کی طرف سے سخت تنقید کا سامنا تھا۔ ان کا اعتراض تھا کہ سلطان نے ایک سراغرساں ایجنسی کیوں قائم کی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہی وہ ادارہ تھا جس نے دولت عثمانیہ کے لئے بہت اہم کام سرانجام دیے اور ملک کو آنے والے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے بہترین کردار ادا کیا'' باغی اور دہشت گرد ارمنوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف آمادۂ بغاوت کر رہے تھے تو یہی ادارہ تھا جس نے اس سازش کو بے نقاب کیا اور لشکر کشی کر کے فوراً باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ یہ وہ ادارہ ہے جس نے تیس سال تک سلطان عبدالحمید کو ملک میں ہونے والی ہر تحریک کے

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص160

بارے باخبر رکھا اور اس کی بدولت سلطان نے ہر داخلی بغاوت کو بروقت کچل کر رکھ دیا۔(1)

بلقان کی شورشیں اور بغاوتیں

جبل اسود اور سربیا کے لوگ ھرسک کے عیسائیوں کی شہ پر دولت عثمانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بغاوت 1293ھ بمطابق 1876ء کو ہوئی۔ عثمانیوں نے اسے فرو کر دیا۔ اور سلطان عبدالحمید نے خواہش ظاہر کی کہ یورپیوں کو دولت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت سے روکا جائے۔ سوانہوں نے ایک فیصلے کا اعلان کیا جس کی رو سے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا۔ قاضیوں کے تقرر میں انتخاب کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ملک میں بسنے والے تمام لوگوں مسلمانوں اور عیسائیوں پر مساوی ٹیکسز لاگو کیے گئے۔ لیکن یہاں کے رہنے والے لوگ اس پر راضی نہ ہوئے۔ بغاوت دوبارہ ہوئی لیکن اس بار بھی اسے کچل دیا گیا۔ لیکن آسٹریا کا ملک جو اس بغاوت کی پشت پناہی کر رہا تھا اور بوسنیا اور ھرسک کو متحد کرنے کی خواہش رکھتا تھا، لوگوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف آمادہ بغاوت کرتا رہا۔ آسٹریا نے روس، جرمنی، فرانس اور انگلستان سے مل کر سلطان عبدالحمید سے مطالبہ کیا کہ وہ ملک میں اصلاحات کو نافذ کریں۔ سلطان نے اصلاحات کے نفاذ کی حامی بھر لی لیکن بوسنیا کے نصرانی راضی نہ ہوئے اور انہوں نے ان اصلاحات کو قبول نہ کیا۔ درحقیقت اصلاحات کا مطالبہ ایک ڈھونگ تھا۔ یورپ اس بہانے دولت عثمانیہ کے معاملات میں بالواسطہ اور بلاواسطہ مداخلت کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس مملکت کو کمزور کر سکیں اور اس کا تختہ الٹ سکیں۔(2)

عین اس وقت جب بوسنیا اور ھرسک کے نصرانیوں نے شورش کی، بلغاریہ میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اس بغاوت کی پشت پناہی آسٹریا اور یورپی ملک بالخصوص روس کر رہا تھا۔ اسی دوران آرتھوڈکس نصرانیوں اور سسلی کے لوگوں کے درمیان روسی اثر ونفوذ کو بڑھانے کی خاطر بلغاریہ میں کچھ تنظیمیں معرض وجود میں آئیں۔ ان تنظیمات کی مدد روس کر رہا تھا اور انہیں وافر مقدار میں اسلحہ پہنچا رہا تھا۔ اور یہ تنظیمیں سربیا، بوسنیا اور ھرسک کے نصرانیوں کو شورش برپا کرنے میں پوری طرح کوشاں تھیں۔ جب دولت عثمانیہ نے بعض جرکس قیدیوں میں کمی کی تو بلغاریہ کے لوگوں نے اس پر احتجاج کیا اور بغاوت کر دی۔ روس اور آسٹریا نے اسلحہ اور دولت کی صورت میں ان کی مدد کی۔ لیکن دولت عثمانیہ نے باغیوں کا سر کچل کر ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ یورپی دولتوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمانی نصرانیوں کی نسل کشی کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا صرف باغیوں کی بیخ کنی کی گئی تھی۔ اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر یورپ کی رائے عامہ دولت عثمانیہ کے خلاف ہو گئی اور یورپی حکومتوں نے عثمانیوں کے خلاف سخت پابندیاں عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ بلغاریہ کو خودمختاری دی جائے اور یہاں ایک ''نصرانی حاکم کا تقرر کیا جائے۔''(3)

روس، جرمنی اور آسٹریا نے سربیا اور جبل اسود کے لوگوں کو عثمانیوں کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ کیونکہ روس چاہتا تھا کہ بلغاریہ کی طرف اپنی حدود کو وسعت دے۔ آسٹریا، بوسنیا اور ھرسک کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی حدود کو وسیع کرنا چاہتا

1۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 189 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

تھا۔ان ملکوں نے سربیا اور جبل اسود کے امیر سے وعدہ کیا کہ وہ اسے مدد فراہم کریں گے۔روسی فوج نے اچانک خفیہ طریقہ سے سربیا اور جبل اسود کے علاقوں میں گھسنا شروع کر دیا۔جنگ شروع ہوگئی لیکن دولت عثمانیہ نے سربیا اور اس کے حلیفوں پر فتح حاصل کر کے یورپیوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ایسے میں یورپی ملکوں نے مداخلت کی اور جنگ بندی کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر جنگ بند نہ ہوئی تو میدان جنگ وسیع ہو جائے گا۔(1)

یورپی ملکوں کے مندوبین استنبول میں جمع ہوئے اور دولت عثمانیہ کے سامنے چند تجاویز پیش کیں جن میں درج ذیل بہت اہم ہیں: بلغاریہ کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان صوبوں کے گورنر نصرانی ہوں۔فیصلوں کے نفاذ کے لئے ایک ملکی کمیٹی تشکیل دی جائے۔بوسینا اور ہرسک کو بھی یہ مراعات دی جائیں اور دولت عثمانیہ بعض علاقوں سے سربیا اور جبل اسود کے لوگوں کے حق میں دست بردار ہو جائے۔

لیکن دولت عثمانیہ نے ان قراردادوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور سربیا کے ساتھ الگ حیثیت سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔جس کے نتیجے میں دولت عثمانیہ نے اپنی آرمی کو سربیا سے واپس بلا لیا اور اس علاقہ پر عثمانی اور سربی جھنڈے لہرائے گئے جو اس بات کی دلیل تھے کہ یہاں سیادت عثمانیوں کی ہے۔

سلطان عبدالحمید کو یقین تھا کہ مغربی ملکوں کا اصل ٹارگٹ دولت عثمانیہ کو ختم کرنا ہے۔وہ اس بات کا اظہار اپنی یادداشتوں میں یوں کرتے ہیں۔''استنبول میں بڑے بڑے ملکوں کی جو کانفرنس ہوئی اس میں میں نے دیکھا کہ یہ ملک کس چیز کا عزم رکھتے ہیں۔ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ یہ کہتے ہیں کہ مسیحی رعایا کے حقوق کی ضمانت فراہم کی جائے بلکہ درحقیقت یہ اس رعایا کی ذاتی خودمختاری کی ضمانت چاہتے ہیں اور پھر ان کی مکمل خودمختاری کے سلسلے تک پہنچنا چاہتے ہیں اس طرح دولت عثمانیہ تقسیم ہو کر رہ جائے گی اور یہی ان کی خواہش ہے۔

وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر دو طرح کی کوششیں کر رہے ہیں:

1- مسیحی رعایا کو بغاوت پر آمادہ کر کے ملکی فضا کو مکدر کیا جائے اور پھر ان حالات سے فائدہ اٹھا کر مغربی ملک نصرانیوں کی حمایت کے لیے آواز بلند کریں۔(2)

2- ہماری صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لئے جمہوریت کی بات کرنا بدقسمتی سے ہمارے اندر سے انہیں کئی ایسے لوگ مل گئے ہیں جو ان مقاصد میں ان کے کام آ سکتے ہیں۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دشمن نے روٹی پر کچھ گھی لگا دیا ہے۔ہمارے بہت سے پڑھے لکھے نوجوان اس بات کو نہیں سمجھ رہے کہ دستوری نظام حکومت ایک ایسے ملک میں تو کامیاب ہوسکتا ہے جہاں قومی وحدت پائی جاتی ہو لیکن جہاں کئی اقوام رہتی ہوں وہاں یہ نظام حکومت قطعاً کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہمارے نوجوان ان دونوں صورتوں میں دراصل تمیز کرنے سے قاصر ہیں اور دشمن کی چالوں میں آ کر اپنی ملکی سلامتی کے خلاف کوشاں ہیں''۔(3)

1۔الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص190 2۔ایضاً 3۔مذکرات السلطان عبدالحمید: ص145

روس اور دولت عثمانیہ کے درمیان جنگ

روس دینی، اقتصادی اور جغرافیائی عوامل کے سبب گرم پانیوں تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ پطرس اکبر (1627ء تا1725ء) روس کو وصیت کرتے ہوئے (اپنی نصیحت کے نویں، گیارویں اور تیرھویں جملے میں) کہتا ہے کہ عثمانیوں کے خلاف تہذیبی کشمکش جاری رہنی چاہیے یہاں تک کہ اس کا دنیا سے وجود مٹ جائے''۔

پطرس اکبر اپنی وصیت کے نویں جملے میں کہتا ہے۔

''ہم قسطنطنیہ اور ہند کے بقدر امکان نزدیک پہنچ چکے ہیں جو ملک قسطنطنیہ کا مالک ہوگا وہی دنیا کا مالک ہوگا۔ اس بناء پر ہمیں عثمانیوں سے جنگ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے''۔

گیارویں جملے میں کہتا ہے'' عثمانیوں کو یورپ سے نکالنے کے لئے ہم آسٹریا کا ساتھ دیں گے کیونکہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں''۔

بارھویں فقرے میں کہتا ہے'' عثمانی ملکوں پر قبضہ کرنے کے بعد ہم اپنی فوجوں کو جمع کرلیں گے اور ہمارے بحری بیڑے بحر بلطیق اور بحر اسود میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد ہم دنیا کو باہم تقسیم کرنے کے لئے فرانس اور آسٹریا کے ساتھ مذاکرات شروع کریں گے۔''(1)

روس نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں روس اور یورپی ملکوں کے ایماء پر بلقان، یونان، اور دوسرے عثمانی علاقوں میں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ ان ملکوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کئی خود مختار نصرانی ملکوں کے قیام کے سلسلے میں کوششیں بھی کیں جیسے رومانیا، بلغاریا، سربیا اور یونان اور جب عثمانیوں کو بلقان میں شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں تو روس میدان جنگ میں اتر پڑا اور دولت عثمانیہ کے خلاف ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا اعلان کردیا۔ رومانیا نے بھی روس کا ساتھ دیا۔ عثمانیوں نے روس کے ساتھ سخت ترین جنگ کی۔ روسی فوجوں نے دریائے دانوب کو پار کیا اور دولت عثمانیہ کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا جیسے'' تیرنوہ'' اور'' نیقولبلی بل'' جو آج کل بلغاریہ میں واقع ہیں۔ اسی طرح روس نے بعض دوسرے اہم مقامات اور بلقان کی طرف جانے والے راستوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ روسی حملوں کا جواب دینے کے لئے سلطان عبدالحمید نے عثمانی فوج کی قیادت میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کیں۔ روس نے بلفنہ کے شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ شہر موجودہ بلغاریہ میں واقع ہے۔ یہ بلقان کی طرف جانے کے لئے اہم بندرگاہ تھی لیکن عثمانی فوج کے بہادر سپہ سالار عثمان پاشا نے پوری بہادری سے اس کو للکارا اور روسی فوجوں کو شکست خوردہ واپس جانے پر مجبور کردیا۔ روس نے دوبارہ اپنی کثیر آرمی کے ساتھ حملہ کیا لیکن اس بار بھی اس مرد آہن نے روس کے چھکے چھڑا دیے۔ اسی بہادری کی وجہ سے سلطان عبدالحمید نے ایک خصوصی شاہی فرمان جاری کیا جس میں اس عظیم اور بے مثل قائد کی تعریف کی۔(2)

اس چٹان کے سامنے روسی جب بے بس ہو گئے تو انہوں نے شہر پر قبضہ کرنے کی اپنی پالیسی تبدیل کرلی۔ انہوں نے

1۔ التحفۃ الحلیمیۃ: ابراہیم حلمی بک: ص 241
2۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 418

چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر کے شہر کا دفاع کرنے والی فوج کی سپلائی مکمل طور پر بند کرنے کی پالیسی اختیار کی محاصرہ کے ساتھ ساتھ روسی فوج نے شہر پر ایک سخت حملہ کیا۔ اس حملے میں روسی قیصر نے خود حصہ لیا۔ رومانیا کے امیر نے بھی روس کا ساتھ دیا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ جنگجو تھے۔ اس جنگ میں روس کا پلڑا بھاری رہا۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ کر ڈیڑھ لاکھ ہو گئی۔ انہوں نے تین خطوط پر عثمانیوں کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود عثمان پاشا کی قیادت میں عثمانی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹے رہے۔ اگرچہ ان کی تعداد صرف 50 ہزار تھی لیکن انہوں نے کمال جرات کا مظاہرہ کیا انہوں نے نہ صرف دفاع کیا بلکہ محاصر فوجوں پر اقدام کر کے ان کے چھکے چھڑا دیے۔ عثمانیوں کے دل میں صرف ایک ہی سودا سمایا تھا کہ ہم فتح یاب ہوں گے اور محاصرہ توڑ دیں گے یا پھر سب شہادت سے ہمکنار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوں گے۔

عثمان پاشا کی قیادت میں عثمانی فوج دشمن پر بار بار حملہ کر رہی تھی۔ نعرہ تکبیر کی آواز سے آسمان کانپ رہا تھا۔ بہادر جان کی پرواہ کیے بغیر دشمن پر بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد روسی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے محاصرین کے پہلے خط کو توڑ ڈالنے میں کامیابی حاصل کی۔ دوسرا خط بھی ان کا راستہ نہ روک سکا۔ دشمن کی کئی توپوں پر عثمانیوں نے قبضہ کر لیا۔ جب تیسری لائن کو توڑنے کی کوشش ہو رہی تھی عین اس وقت اسلامی سپاہ کے عظیم قائد عثمان، پاشا کو کچھ زخم آئے۔ اپنے قائد کو زخمی دیکھ کر مسلمان سپاہ میں شوق شہادت انگڑائیاں لینے لگا۔ انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ کسی طرح شہر کے دفاع کا فریضہ پورا ہو۔ انہوں نے شہر میں واپس آنے کی کوشش کی لیکن روسی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ چاروں طرف سے دشمن ان پر آگ برسا رہا تھا۔ آخر عثمانی مجبور ہو گئے اور روسی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ واقعہ 1294ھ بمطابق 1877ء کا ہے۔ عثمانی قائد ''عثمان پاشا'' نے بھی گرفتاری دے دی۔ وہ زخموں سے چور تھے۔ لیکن روسی فوجیں اس عظیم قائد کی صورت دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں جس نے اپنی شجاعت اور بہادری کی بدولت اپنے دشمن کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ روسی فوج اس عظیم قائد کی بہادری اور اقدامی جنگ پر بڑے حیران تھے (1)۔ حتیٰ کہ روسی فوج کے چیف نے شاندار دفاع پر عثمان پاشا کو مبارک باد دی اور اس کی جنگی طاقت اور ثابت قدمی کے احترام میں اس کی تلوار اس کو لوٹا دی۔ عثمان پاشا کو دسمبر 1877ء میں روس بھیج دیا گیا۔ قیصر روس نے اس کا شاندار استقبال کیا اور عثمان پاشا کے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہ کیا۔

روس کی ان کامیابیوں نے بلقان میں سربیا کو حوصلہ دیا اور اس نے عثمانیوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی فوج نے عثمانی علاقوں پر ہلہ بول دیا اس حملے کی وجہ سے عثمانیوں کی توجہ روس کی طرف سے ہٹ گئی جو نئے علاقوں کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے کوشاں تھا اور اس نے بالفعل صوفیا پر قبضہ بھی کر لیا (جو موجودہ رومانیا کا دارالحکومت ہے) روس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کی فوجوں نے قدیم عثمانی دارالحکومت کا رخ کر لیا اور استنبول سے صرف پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ گئیں۔ دولت عثمانیہ کے اندرونی حالات بھی حد سے زیادہ خراب ہو گئے۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 141

اسی عرصہ میں روس اور عثمانیوں کے درمیان ایشیاء کے علاقوں میں کئی معرکے ہوئے اور روس اناضول تک پہنچ گیا۔ لیکن اس کے باوجود عثمانی انہیں شکست دینے اور روسی علاقوں کے اندر دھکیل لے جانے میں کامیاب رہے۔ عثمانیوں نے احمد مختار پاشا کی قیادت میں چھ سے زیادہ معرکوں میں روس کو شکست دی جس کی وجہ سے سلطان عبدالحمید نے شاہی فرمان جاری کیا اور احمد مختار کی خوب تعریف کی۔ روس نے ان علاقوں پر دوبارہ حملہ کر دیا اور 1295ھ میں عثمانیوں کو شکست دینے اور اناضول کے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔(1)

یورپ اور ایشیاء میں عثمانیوں کی ان ناکامیوں کی وجہ سے دولت عثمانیہ نے روس کے ساتھ مذاکرات صلح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ 1878ء میں طرفین کے مابین ایک معاہدہ ہوا جسے ''سان سٹفنو'' کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔

اس معاہدہ پر 3 مارچ 1878ء کو دستخط ہوئے۔ دولت عثمانیہ کی طرف سے جب صفوت پاشا اس معاہدہ پر دستخط کر رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ظاہر ہے اس معاہدہ میں ایسی شرائط پائی جاتی تھیں جو دولت عثمانیہ کے لئے ہلاکت کا باعث تھیں۔(2)

سان سٹفنو کا معاہدہ 15 فروری 1878ء بمطابق 1295ھ

روسی مندوب پہلے سے طے شدہ شروط لے کر آیا اور ان پر براہ راست دستخط کرنے کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس پر دستخط نہ ہوئے تو روسی فوجیں پیش قدمی کرتی ہوئی استنبول پر قبضہ کر لیں گی۔ عثمانیوں کے لئے اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس رسوائے قوم معاہدہ پر دستخط کر دیں۔ اس معاہدہ میں درج ذیل باتیں تحریر کی گئی تھیں۔

1. جبل اسود کی حدود کا تعین تا کہ جنگ کا خاتمہ ہو اور اس صوبے کی خود مختاری کا اعلان۔
2. سربیا کی خود مختاری اور کئی دوسرے علاقوں سے اس کے حق میں دستبرداری۔
3. بلغاریا کی انتظامی خود مختاری، اس کے بدلے میں بلغاریا دولت عثمانیہ کو ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔ اس علاقہ میں فوج اور سول ملازمین تمام کے تمام نصرانی ہونگے۔ بلغاریا کی حدود کا تعین روس اور دولت عثمانیہ کے مشورے سے ہوگا۔ امیر کا تقرر یہاں بسنے والے لوگوں کے انتخاب سے ہوگا۔ اور عثمانی اپنی فوج کو بلغاریا سے نکال لے جائیں گے۔
4. دولت رومانیا کی مکمل خود مختاری۔
5. دولت عثمانیہ ارمن، نصرانی کرد اور سرکس اقوام کی حفاظت کا عہد کرے گی۔
6. دولت عثمانیہ جزیرہ کریٹ کے نصرانیوں کے حالات کی بہتری کے لئے عملی اقدامات کرے گی۔
7. دولت عثمانیہ جنگی تاوان ادا کرے گی جس کی مالیت 250 ملین سونے کے لیرہ ہوگی اگر روس چاہے گا تو اس رقم کے بدلے بعض علاقوں کو اپنے ملکی حدود میں شامل کرے گا۔
8. باسفورس اور دردنیل کی تنگنائیں امن و جنگ دونوں صورتوں میں روسی فوجوں کے لئے کھلی رہیں گی۔

1۔ الفتح الاسلامیہ عبر العصور: ص 418
2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 144

9 بلغاریا کے مسلمان دولت عثمانیہ کے جس علاقہ کی طرف چاہیں گے ہجرت کر سکیں گے۔(1)

اس طرح دولت عثمانیہ کے یورپی علاقے ایک ایک کر کے اس سے الگ ہو گئے۔ اگرچہ بلغاریا کی اس انفرادیت نے بلقان کی دوسری مملکتوں کو ناراض کر دیا جیسے آسٹریا یونان اور سربیا اور برطانیہ نے بلقان میں روس کے بڑھتے ہوئے نفوذ کو خطرہ محسوس کیا اور اس نے روس کے ساتھ دوبارہ جنگ چھیڑ دی۔

برطانیہ نے جون 1878ء میں دولت عثمانیہ سے قبرص پر قبضہ کرنے کا حق حاصل کر لیا۔ اس شرط پر کہ جزیرہ دولت عثمانیہ کے ماتحت رہے گا۔ لیکن اس کا نظام وانصرام برطانیہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے مقابلے میں برطانیہ دولت عثمانیہ کے ایشیائی علاقوں کا دفاع کرے گا تاکہ روس مزید آگے نہ بڑھ سکے۔ سلطان برطانیہ کے مشورہ سے اپنے ایشیائی علاقوں میں ضروری اصلاحات کرے گا۔ برطانیہ نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر روس سلطنت عثمانیہ کے ایشیائی علاقوں سے دستبردار ہو جائے تو برطانیہ بھی قبرص عثمانیوں کے حوالے کر دے گا۔(2)

سلطان عبدالحمید دراصل اس جنگ میں شرکت پر راضی نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اس معاہدہ کی تصدیق نہ کی اور سیاسی اور اعلیٰ سطح کی ڈپلومیسی کوششیں کر کے برطانیہ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی لئے ایک اور کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا جس کا نام برلن کانفرنس ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف معاہدہ سان سٹفنو کے اثرات کم ہوں تو دوسری طرف روس کو برطانیہ کے مقابلے میں آنے سے ڈرایا جائے تاکہ روس جنگ سے باز رہے۔ اس کانفرنس سے دولت عثمانیہ کو کچھ فوائد حاصل ہوئے اور پہلے معاہدہ کے نقصانات کچھ کم ہو گئے۔

ان دونوں معاہدوں کے حالات وواقعات سے سلطان عبدالحمید کی سیاسی عبقریت سامنے آجاتی ہے۔ جنہوں نے روس اور جرمنی کے درمیان بھی نفرت کی دیوار کھڑی کر دی۔(3)

جرمنی کا فرمانروا ''گلیوم ثانی'' اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔

''میں نے روس کے قیصر سکندر ثانی کے عہد حکومت میں قیصری دربار سے تعلق رکھنے والے ایک بہت بڑے افسر سے مذاکرات کیے۔ یہ مذاکرات روسی اور جرمنی، حکومتوں دونوں ملکوں کی فوج اور ان کے باہمی تعلقات سے متعلق تھے۔ میں نے روسی سپہ سالار سے کہا کہ میں ان علاقوں میں ایک بہت بڑی تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا'' یہ برلن کانفرنس کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جس کا ارتکاب بسمارک نے کیا ہے۔ اس نے ہمارے درمیان دوستی کے قدیم تعلق کو ختم کر دیا ہے۔ روسی دربار شاہی اور روسی حکومت کا اب جرمنی سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ آرمی نے بھی اب یہ سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ایک خون ریز لڑائی کے بعد جس کی ہولناکیوں میں یہ فوج 1877ء میں گھسی تھی ان پر بہت بڑا ظلم کیا گیا ہے۔(4)

1۔الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص193,192
2۔ایضاً ص193
3۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص145
4۔مذاکرات غلیوم الثانی ص19,18

برلن کانفرنس 1305ھ، 1887ء

اس کانفرنس میں بڑی بڑی سلطنتیں شریک ہوئیں جیسے انگلستان، فرانس، جرمنی اور آسٹریا اور دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان طے پانے والے معاہدہ سان سٹفنو میں ترمیم کے بارے گفتگو ہوئی۔ کیونکہ مذکورہ بالا یہ ملک اس معاہدہ کے حق میں نہیں تھے۔ وجہ یہ تھی کہ یہ معاہدہ ان کے ملکی مفادات کے موافق نہیں تھا۔ کانفرنس کے شرکاء نے معاہدہ سان سٹفنو میں ترمیم سے اتفاق کیا اور برلن معاہدہ طے پایا جس کی اہم دفعات درج ذیل ہیں۔

1. بلغاریا کی خودمختاری اور اس کی حدود میں تبدیلی۔ اس معاہدہ کے تحت بلقان کے جنوب میں مشرقی روملی کے نام سے ایک نئی ولایت تشکیل پذیر ہوئی جو سیاسی اور عسکری لحاظ سے دولت عثمانیہ کے ماتحت تھی لیکن اس پر حکمران ایک نصرانی تھا جس کا تعین پانچ سال کے لئے ان مذکورہ بالا ملکوں کے اتفاق سے قرار پایا۔ معاہدہ میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ روسی فوجیں جن کی تعداد صرف پچاس ہزار سپاہی ہوں گے وہ بھی بلغاریہ میں رہیں گی۔
2. یونان کی حدود تھوڑی سی شمال کی طرف بڑھ گئیں حالانکہ اس بات سے سب واقف تھے کہ یونان کا اس جنگ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور سان سٹفنو کا معاہدہ اس کے کسی علاقے سے متعلق ہے ہی نہیں۔
3. بوسنیا اور هرسک کو آسٹریا میں ضم کر دیا گیا۔
4. بسارابیا کو رومانیا سے الگ کر کے روس کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور دوبرجیہ کے علاقوں اور بعض جزیروں کو رومانیا کے حوالے کر کے ان کو مکمل خودمختاری دے دی گئی۔
5. سربیا اور جبل اسود کی خودمختاری
6. قارص، ردھان اور باطوم کا روس سے الحاق۔
7. کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگی تاوان جو معاہدہ سان سٹفنو میں دولت عثمانیہ پر عائد کیا گیا تھا اور جسکی مالیت 250 ملین سونے کے لیرے تھے باقی رہے گا۔
8. دولت عثمانیہ پر یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی کہ وہ عدالتوں میں تمام لوگوں کی گواہی کو قبول کرنا یقینی بنائے گی قطع نظر مذہب وملت کے۔
9. جزیرہ کریٹ میں نصرانیوں کی فلاح و بہبود پر اتفاق رائے (1)

جرمن ایڈوائزر بسمارک نے اس کانفرنس کے انعقاد کی دعوت دی تھی اس خوف سے کہ کہیں روس اور برطانیہ کی یہ جنگ پورے یورپ کی جنگ کا روپ اختیار نہ کر لے اور جرمن اتحاد پارہ پارہ نہ ہو جائے جس کے لئے بہت زیادہ کوششیں کی گئیں تھیں۔ اس نے بڑے بڑے ملکوں کو برلن میں کانفرنس بلانے کی دعوت دی تاکہ سان سٹفنو کے معاہدہ کا جائزہ لیں اور روس اور ترکی کے درمیان جنگ کے نتائج کے بارے فیصلہ کریں۔ (2)

1۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 195 2۔ ایضاً

بعض مورخین نے ذکر کیا ہے(1) کہ برلن کانفرنس میں بسمارک نے جو تجاویز پیش کیں ان کا مقصد عثمانی شہنشاہیت کو یورپی امن کے مذبح پر قربان کرنا تھا۔ مصر برطانیہ کو ٹیونس اور شام فرانس کو، بوسنیا اور ھرسک آسٹریا کو، اور باسفورس اور درد نیل روس کو پیش کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن اس چیز کو کانفرنس کی قراردادوں میں درج نہیں کیا گیا۔(2)

اس طرح برلن کانفرنس عثمانی شہنشاہیت کے زوال کے لئے واضح علامات کی طرف اشارہ تھا۔ عثمانی سلطنت اپنے بہت سے علاقوں سے دست برداری پر مجبور ہو چکی تھی۔ اور برطانیہ اور فرانس کو دولت عثمانیہ میں شامل علاقوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ چکی تھی۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے بہت جلد اپنے استعماری ارادوں کو ظاہر کر دیا۔

1299ھ، 1881ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا اور اسی دوران یعنی 1300ھ، 1882ء میں برطانیہ نے علی الاعلان قبرص پر قبضہ کر لیا اور اس بات کا اظہار بھی کر دیا کہ اب اس پر قبضہ کرنے کا وقت آ چکا تھا۔(3)

نتیجۃً دولت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ان دگرگوں حالات کا سامنا کرنے کے لئے سلطان نے ضروری خیال کیا کہ خلافت کا لقب اختیار کیا جائے تا کہ جدید چیلنجوں سے نمٹا جا سکے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی اتحاد کے قیام کو بھی عملی جامہ پہنایا تا کہ اندرونی اور بیرونی سطح پر تمام مسلمانوں کو متحد کیا جا سکے۔

اسلامی اتحاد کی تحریک نے بلاشبہ عالم اسلام کو متحد کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ دنیا کے تمام مسلمانوں نے سلطان کی اس کوشش کو بڑا سراہا اور استحسان کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ دولت عثمانیہ کی کمزوری کا اصل سبب دینی شعور سے محرومی ہے۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اسلام دشمن طاقتوں نے مسلم معاشروں میں عام کرنے کی کوشش کی اور یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔(4)

دوسری بحث

اسلامی اتحاد

دولت عثمانیہ کے سیاسی پلیٹ فارم پر اسلامی اتحاد کی سوچ پہلی بار سلطان عبد الحمید کے دور حکومت میں سامنے آئی۔ اور 1876ء میں دولت عثمانیہ کے تخت نشین ہونے کے بعد اس نے باضابطہ طور پر ایک تحریک کی صورت اختیار کی۔ سلطان عبد الحمید کو جب سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا اور مغرب زدہ ذہنیتوں سے اسے خلاصی ملی اور اس نے حکومت کی باگ ڈور پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لی تو اسلامی اتحاد کی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سلطان عبد الحمید سمجھتے تھے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ انہیں ذہنی اور فکری لحاظ سے ہم آہنگ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں اخوت اسلامی کے رشتوں کو مضبوط کرنے اور چین، ہندوستان، افریقہ وغیرہ علاقوں

1۔ ڈاکٹر اسماعیل یاغی: اور احمد مصطفیٰ عبد الرحیم
2۔ فی اصول التاریخ العثمانی: ص 195
3۔ الدولۃ العثمانیہ: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 195
4۔ ایضاً

کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے اسلامی اتحاد کے قیام کی اہمیت پر بڑا زور دیا۔ سلطان عبدالحمید تو ایران سے بھی خیر سگالی کے تعلقات چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ یہ کہتے ہیں۔ ''ایران کے ساتھ خیر سگالی کے تعلقات کا نہ ہونا ایک افسوسناک امر ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ انگریزوں اور روسیوں کے اسلامی علاقوں کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ دولت عثمانیہ کے ساتھ انگلستان کے تعلقات عثمانیہ وحدت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ عبدالحمید ثانی لکھتے ہیں۔ ''اسلام اور مسیحیت دو الگ الگ نظریے ہیں۔ ان دونوں کو ایک تہذیب میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔'' اسی لئے ان کا خیال ہے کہ ''انگریزوں نے مصریوں کے ذہنوں کو خراب کر دیا ہے کیونکہ بعض مصری باشندے قومیت کو دین پر فوقیت دے رہے ہیں اور یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ مصری تہذیب کے ساتھ یورپی تہذیب کا امتزاج ممکن ہے۔ انگریز چاہتا ہے کہ اسلامی علاقوں میں قومیت پر مبنی نظریات قبولیت اختیار کریں تا کہ میری حکومت کو نقصان پہنچے۔ نیشنلزم کی سوچ مصر میں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ مصر کے ماڈرن لوگ دراصل انگریزوں کے ہاتھ میں کھلونا بن چکے ہیں وہ اسلامی سلطنت کو ڈانواڈول دیکھنا چاہتے ہیں وہ خلافت پر سے لوگوں کے اعتماد کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔(2)

سلطان خلافت کے بارے انگریزی سوچ کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''انگریزی مجلہ سٹینڈرڈ نے کہا ہے ہے۔ ''ضروری ہے کہ جزیرہ عرب انگریزوں کی حمایت میں آ جائے اور ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات پر انگریز قابض ہو جائیں۔'' انگریز کے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ایک اسلام کے اثرات کو کم کرنا اور دوسرا یورپی تہذیب کو اسلامی معاشروں میں ترویج دینا۔ اس لئے انگریزوں نے کوشش کی کہ مصر کے خدیوی کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں لیکن کوئی سچا مسلمان اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ خدیوی مسلمانوں کا خلیفہ بنے کیونکہ اس نے جنیوا سے تعلیم کی ابتداء کی ہے اور فینا میں اس کو مکمل کیا اس کی شخصیت میں کافروں کا رنگ جھلکتا ہے''(3)

جب انگریزوں نے یہ تجویز پیش کی کہ شریف مکہ حسین وخلیفۃ المسلمین ہونا چاہئے(4)۔ تو سلطان عبدالحمید ثانی نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ان میں یورپی ملکوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ ''لیکن یہ بڑی طاقتیں خلافت کے اسلحہ سے لرزہ براندام ضرور ہیں۔ اور انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمان خلافت کے جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہو جائیں اسی لئے وہ دولت عثمانیہ کو ختم کرنے پر اتفاق کر چکے ہیں۔(5)

'' دولت عثمانیہ میں مختلف نسلوں کے لوگ بستے ہیں ترک، عرب، البان، بلغار، یونانی، زنگی، اور کئی دوسری نسلوں کے لوگ لیکن مختلف رنگ ونسل کے باوجود وحدت اسلامی نے انہیں ایک خاندان کی حیثیت سے اسلامی جھنڈے کے نیچے متحد کر دیا ہے۔(6)

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 23 2۔ ایضاً 3۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 24
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

سلطان عبدالحمید کو یقین تھا کہ اسلامی دنیا کی وحدت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے بلکہ انہیں مسلمانوں کے اتحاد پر مکمل یقین تھا وہ کہتے تھے" دنیا کے تمام علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی اور ربط وضبط بہت ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ مستقبل میں اپنی بقا کی اگر ہمیں کوئی صورت نظر آتی ہے تو وہ ہے کہ ہم سب یکجان ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ اب وقت ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہو جائیں۔ صرف اسی صورت میں ہم کفار کی گردن دبوچ سکتے ہیں۔(1)

اسلامی اتحاد کی سوچ کے ذریعے سلطان عبدالحمید کے بقول ہم درج ذیل اہداف پورے کر سکتے تھے۔

1 مغربی ثقافت وتہذیب پر فریفتہ لوگوں کا راستہ روکنا جو اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں جنہوں نے انتظامی اور حساس سیاسی کلیدی اسامیوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ لوگ تمام اسلامی علاقوں میں بالعموم اور دولت عثمانیہ میں بالخصوص موجود ہیں اسلامی اتحاد کے قیام کے ذریعے ہم ان لوگوں کا راستہ روک سکتے ہیں۔ اور اس اسلامی اتحاد میں شامل مسلمان ان کی جگہ لے کر اسلامی علاقوں سے انہیں دور کر سکتے ہیں۔

2 یورپ کے استعماری ملکوں اور روس کا راستہ روکنا جو اس کوشش میں ہیں کہ مسلمان کبھی بھی اکٹھے نہ ہوں تا کہ ان کی توسیع پسندانہ سوچ کی تکمیل ہو سکے۔ اسلامی اتحاد ان لوگوں کا راستہ روکنے کا واحد موثر ذریعہ بن سکتا ہے۔

3 جدید اسلامی اتحاد عالمی سیاست پر اپنے اثرات مرتب کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

4 اس بات کو یقینی بنایا جاسکتا ہے کہ مسلمان ایک ایسی سیاسی اور عسکری قوت ہیں جو روس اور یورپ کی تہذیبی فکری اور سیاسی یلغار کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

5 دولت عثمانیہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے اور بحیثیت خلافت اسلامیہ کے اپنا کردار ادا کرنے کی اہلیت حاصل کر سکتی ہے۔ اسلامی اتحاد کے ذریعے یہ ہر میدان میں جدید علمی اداروں کے قیام اور ان کو موثر بنانے میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ اس سے اس کا رعب ودبدبہ دوبارہ اسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور یہ دوسرے اسلامی علاقوں کے لئے ایک تاریخی سبق بن سکتی ہے۔ عبدالحمید فرماتے ہیں سیاسی ڈھانچہ کو مضبوط کرنا اور اسلامی معاشروں کو فکری لحاظ سے طاقتور بنانا کسی علاقے کو مورد الزام ٹھہرانے اور اس زمین پر فکری اور معاشرتی حوالے سے ایک ان جانے ڈھانچے کو تشکیل دینے سے بہتر ہے۔(2)

6 منصب خلافت کا احیاء تا کہ یہ ایک طاقتور ادارہ کی حیثیت حاصل کر جائے۔ محض نام کی خلافت جیسا کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے چلا آرہا ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لئے صرف سلطان ہی اکیلا مغربی توسیع پسندی اور استعماریت کا مقابلہ کرنے کا ذمہ دار نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ مسلمانوں کو خارجی اور داخلی ہر دو دشمنوں سے چوکنا ہونا ہے اور اپنے اندر فکری وحدت پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

برطانوی مورخ" آرنلڈ توئنبی" اپنی گفتگو میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے" سلطان عبدالحمید کی کوشش تھی کہ

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 24
2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 168

دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ان کی سیاسی پالیسی کا اہم ترین ہدف ملت اسلامیہ کو متحد کرنا تھا۔اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ تمام مسلمان مل کر مغربی دنیا کے خلاف جنگ آزما ہوں وہ مغربی دنیا جن کا ہدف عالم اسلام ہے"۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اس دور میں جتنے وسائل تھے تمام کو بروئے کار لاتے ہوئے عالم اسلام کی مختلف نسلوں سے ایسے مبلغ اور داعی تیار کیے جنہوں نے عالم اسلام کے کونے کونے میں جا کر اتحاد بین المسلمین کے لئے کوششیں کیں۔علماء، سیاسی میدان کی نمایاں شخصیات اور مبلغین نے دنیا کے مختلف اسلامی ملکوں کے مسلمان معاشروں سے ربط ضبط پیدا کیا ان کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی، انہیں خلیفۃ المسلمین کے نظریات سے باخبر کیا کہ وہ کس طرح علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔کس طرح انہوں نے ملک کے اندر اور باہر اسلامی تعلیمات کے لئے مراکز قائم کرنے کی سبیل کی ہے۔اسلام کی بنیادی کتب کی طباعت کی گئی ہے۔اور دولت عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عربی زبان کو ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دینے کی کوشش کی گئی۔یا دوسرے لفظوں میں دولت عثمانیہ کو عربی سلطنت بنانے کی کوشش کی۔مساجد کی خوب دیکھ بھال کی گئی۔مدارس قائم کیے گئے۔ان میں ضروری ترامیم کی گئیں۔یا انہیں نئے سرے سے بنایا گیا۔عالم اسلام میں مساجد کے احیاء کے لئے کوششیں کی گئیں۔دولت عثمانیہ کے مختلف علاقوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے خصوصی اہتمام کیا گیا۔عرب قبائل کے سرداروں کو دولت عثمانیہ کی وفاداری کی طرف لایا گیا۔دار الخلافہ میں قبائلی سرداروں کے بچوں کے لئے مدرسہ تعمیر کیا گیا۔انہیں تنظیمی امور کی تعلیم دی گئی۔صوفی طرق کے شیوخ کی ہمدردیاں حاصل کی گئیں۔اسلامی اتحاد کے لئے اسلامی صحافت سے استفادہ کیا گیا۔بعض کتابیں بھی شائع ہوئیں تاکہ اس اتحاد کی دعوت کا وسیلہ بنیں۔دولت عثمانیہ میں تکنیکی اور علمی ترقی کو آگے بڑھانے کے لئے خصوصی خطوط پر کام ہوا۔اور جس قدر ضروری تھا بعض نئی چیزوں کو متعارف کرایا گیا۔(2)

ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے علماء اور مبلغین کی ایک جماعت نے اسلامی اتحاد کی دعوت پر لبیک کہا جیسے جمال الدین افغانی، مصر سے مصطفیٰ کامل، شام سے ابوالھدیٰ ھسیادی، سیریا سے عبدالرشید ابراہیم، اور لیبیا سے سنوسی تحریک وغیرہا۔

جمال الدین افغانی اور سلطان عبدالحمید

جمال الدین افغانی نے سلطان عبدالحمید کی اسلامی اتحاد کی دعوت کی پوری تائید کی اور سلطان کی توقع سے کہیں زیادہ تجاویز پیش کیں۔سلطان عبدالحمید کے پیش نظر صرف اتنی بات تھی کہ اس طرح اسلامی معاشروں کے درمیان مرکزیت پیدا ہو جائے گی اور وہ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔یہ وحدت بیک وقت فکری اور عملی ہوگی جس کی وجہ سے خلافت کو پھر سے رعب و جلال اور قوت حاصل ہو جائے گی لیکن افغانی نے یہ سکیم پیش کی کہ صرف اہل السنت کا اتحاد کافی نہیں۔بلکہ اہل السنت اور اہل التشیع کا باہمی اتحاد بھی ضروری ہے۔سلطان عبدالحمید کے پیش نظر صرف اتنی بات تھی کہ یہ دونوں دھڑے عالمی استعماریت کا سامنا کرنے کے لئے سیاسی اعتبار سے ایک ہو جائیں۔(3)

سلطان عبدالحمید نے افغانی سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔اور اسلامی اتحاد کے قیام کی راہ میں ان کی تجاویز کو بڑی اہمیت

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص169 2۔ایضاً ص172 3۔ایضاً

دی۔ ہاں سلطان اور افغانی کی سوچ میں کچھ اختلاف تھا جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

1 افغانی مسلمانوں کی وحدت کے مسئلے پر یقین رکھتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ سلطان عبدالحمید کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی بھی تائید کرتا تھا جس میں بہت سے ترک قومیت کے حامل افراد اور عثمانی موجود تھے۔

2 افغانی ایک طرف اگر اسلامی معاشروں کی وحدت کی دعوت دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک ہو کر یورپ کے ان ملکوں کا مقابلہ کرنا چاہئے جو دولت عثمانیہ کو تقسیم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ تو دوسری طرف اس نے فرانسیسی استعمار پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہ کی اور اس کے خلاف اپنے منہ پر ایک لفظ بھی نہ لایا۔ حالانکہ سلطان عبد الحمید شمالی افریقہ میں فرانسیسیوں کے خلاف برسرپیکار تھا اور اسے ضرورت تھی کہ اس کی اخلاقی مدد کی جائے۔(1)

3 جمال الدین افغانی نے انگریزی استعماریت پر سخت نکتہ چینی کی جبکہ سلطان عبدالحمید نے ذکر کیا کہ عثمانی خبر رساں ایجنسی نے اس منصوبہ کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے جسے انگریزی وزارت خارجہ نے تیار کیا ہے اور جمال الدین افغانی اس سکیم کو تیار کرنے میں بلنت نامی انگریز کے شریک کار ہیں۔ اس منصوبے کا مقصد سلطان عبدالحمید کو حکومت سے برطرف کرنا اور عثمانیوں کو بالعموم سیاست کے میدان سے الگ کرنا تھا۔ بلنت نامی یہ انگریز، انگریزی وزارت خارجہ میں کام کرتا تھا۔ اس نے ''مستقبل الاسلام'' کے نام سے ایک کتاب کی تالیف کی جس میں لوگوں کو علی الاعلان عثمانیوں سے خلافت چھین لینے اور عربوں کی تقلید کی ترغیب دی۔ مصر میں ملی تحریک کے قائد مصطفیٰ کامل پاشا نے اپنی مشہور کتاب ''المسالۃ الشرقیۃ'' میں بلنت کی تردید کی اور کہا'' دوسری باتوں کے علاوہ مستقبل الاسلام نامی کتاب کے مولف محترم کا خیال ہے اور وہ اپنی قوم کی امیدوں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں کہ اسلام کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی مملکت انگریزوں کے حوالے کر دیں بلکہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ انگریز بن جائیں۔(2)

4 باوجود اس کے کہ روسی اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دولت عثمانیہ کے خلاف روس نے کئی جنگیں کی تھیں اور بہت سارے عثمانی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ سید جمال الدین افغانی کا موقف روس کی توسیع پسندی کے بارے بڑا عجیب تھا۔ اور یہ موقف اسلامی اتحاد کے مقاصد سے متصادم تھا۔ افغانی ہندوستان میں روس کے فعال کردار اور اہم مقاصد کی حمایت کرتا تھا اور اسے ترغیب دیتا تھا کہ وہ ہندوستان پر قبضہ کر لے۔ افغانی کو ہندوستان پر روس کے قابض ہو جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ وہ روس کو نصیحت کرتا تھا کہ اس کے لئے وہ محفوظ ترین راستوں پر چلے اور اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آسان ترین طریقہ استعمال کرے۔ اور وہ محفوظ راستہ اور آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ روس فارسیوں سے مدد حاصل کرے اور افغانیوں کو کام میں لائے تاکہ ہندوستان کے علاقے اس کے ہاتھ پر فتح ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اسے صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ ان دونوں علاقوں کے رہنے والوں کو مال غنیمت میں حصہ دینا ہوگا اور انہیں منفعت میں شریک کرنا ہوگا۔(3)

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 182 2۔ ایضاً، ص 183

3۔ شاید افغانی روس اور برطانیہ کو جنگ میں الجھا کر مسلمانوں کی طرف سے غافل کرنا چاہتا تھا جو ان دونوں ملکوں کے سامنے بے بس ہو چکے تھے۔ (مترجم)

۵ علمائے استنبول اور جمال الدین کے درمیان عقیدہ کا بھی اختلاف تھا۔ الشیخ خلیل فوزی فیلیباوی کی کتاب ''السیوف القواطع'' اسی دوران سامنے آئی جس میں افغانی کے عقائد پر اعتراض کیا گیا تھا اور افغانی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی جسے مصر میں ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا۔

سلطان عبدالحمید تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی طرف راغب تھا کیونکہ وہ اپنے وزیروں، فوجی افسروں اور صدر اعظم کی کرسی پر براجمان لوگوں کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا چکا تھا۔ یہ لوگ جو مغربی افکار و نظریات سے متاثر تھے ملک میں یورپی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے جو ایک منتخب اسمبلی رکھتی ہو جس میں دولت عثمانیہ میں رہنے والی تمام قوموں کے منتخب نمائندے موجود ہوں۔ یہ لوگ سلطان عبدالحمید کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ مسلمان نمائندگان کی تعداد پارلیمنٹ کے جملہ ارکان کا نصف ہے۔ جبکہ جمال الدین افغانی جمہوریت کی طرف مائل تھے اور ایک خاص شخص کے ہاتھ میں تمام اختیارات کے ارتکاز کے حق میں نہیں تھے۔ اس کے علاوہ افغانی آزادی رائے کے حق میں تھے۔(1)

سلطان عبدالحمید نے اپنی یادداشتوں میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ افغانی ہلڑ باز تھا اور اس کا انگریز انٹیلی جنس کے ساتھ تعلق تھا۔ ''میرے ہاتھ میں ایک پروگرام لگا ہے جسے انگریزی وزارت خارجہ میں موجود ایک ہلڑ باز نے تیار کیا ہے جس کا نام جمال الدین افغانی ہے اور اس کا شریک کار ایک انگریز ہے جس کا نام بلنت ہے۔ اس سکیم میں ان دونوں نے ترکوں کی خلافت کے خاتمے کی تجویز پیش کی ہے اور انگریز کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ امیر مکہ شریف حسین کی خلافت کا اعلان کر دیں۔''(2)

میں جمال الدین افغانی کو قریب سے جانتا ہوں۔ وہ مصر میں تھا۔ نہایت ہی خطرناک انسان تھا۔ ایک بار اس نے مجھے یہ تجویز دی کہ میں مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دوں تاکہ وسطی ایشیا کے تمام مسلمان میرے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ انگریز کا آدمی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انگریزوں نے اس شخص کو میرے امتحان کے لئے تیار کیا ہو۔ اس لئے میں نے فوراً اس کی تجویز کو رد کر دیا اور اس نے بلنت کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔

میں نے اسے ابوالہدی صیادی حلبی کی وساطت سے جسے تمام عرب علاقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا استنبول بلایا۔ منیف پاشا جو قدیم افغان کا حامی ہے اور معروف شاعر اور ادیب عبدالحق حامد وغیرہ نے اس بارے ثالثی کی۔ جمال الدین استنبول آیا اور اس کے بعد میں نے اسے یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہ دی...... (3)

رہی یہ بات کہ جمال الدین افغانی کی رائے سلطان عبدالحمید کے بارے کیا تھی تو وہ کہتے ہیں ''سلطان عبدالحمید کی شخصیت کا اگر ان کی ہم عصر چار نابغہ روزگار شخصیتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بھی ان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ سلطان فہم و فراست، معاملہ فہمی، سیاسی سوجھ بوجھ اور اپنے ہم جلیسوں کو قائل کرنے میں بہت آگے ہیں بلاشبہ جب وہ مغربی ملکوں کی طرف سے پیش آمدہ مشکلات کے بارے بات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو سننے والے تمام لوگ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 184 2۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 148

3۔ جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ: ڈاکٹر محسن عبدالحمید: ص 137

سکتے۔اور وہ تمام لوگ جوان کی مجلس سے اٹھ کر باہر آتے ہیں ان کی شخصیت اور سیرت وکردار سے متاثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اوران کے دلائل سے ان کی تسلی ہو چکی ہوتی ہے۔خواہ وہ بادشاہ ہوں، امیر ہوں وزیر ہوں یا سفیر......''

کہتے ہیں:'' میں نے دیکھا کہ وہ سیاسی امور کی باریکیوں سے واقف ہیں۔مغربی ممالک کے اہداف کو بخوبی جانتے ہیں۔ملک کو بیرونی خطرات سے بچانے اور مشکلات سے نجات دلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے حیران کیا ہے وہ ان کے تیار کردہ خفیہ ذرائع اور تیز ترین اسباب وعوامل ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ یورپ عثمانی علاقوں پر کوئی متفقہ کارروائی نہ کر سکے۔انہوں نے مغرب پر اس حقیقت کو عیاں کر دیا ہے کہ دولت عثمانیہ کے حصے بخرے ہونگے تو تمام مغربی ملکوں پر ہمہ گیر بربادی آجائے گی۔(1)

جمال الدین افغانی کہتا ہے۔'' جب میں نے سلطان کی بیدار مغزی، صالح سوچ، یورپی مکروفریب کے ابطال کے لئے ان کی ضروری تیاری، پختہ عزائم اور اس ملک کو ترقی دینے کی تیاری دیکھی جس کی ترقی عام مسلمانوں کی ترقی کے مترادف ہے تو میں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کی بیعت کر لی۔میں بخوبی جانتا ہوں کہ مشرق کے اسلامی ممالک یورپ کی بندر بانٹ سے نہیں بچ سکتے۔یورپی ان ملکوں کو کمزور کرنے اور ان کو بانٹنے کی ضرور کوشش کریں گے۔اور بلآخر یکے بعد دیگرے ان کو ذلیل کریں گے۔اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ مسلمان بیدار ہو جائیں۔ان میں ہمہ گیر اتحاد آجائے اور وہ خلیفہ اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں......''(2)

جمال الدین افغانی کا معاملہ بڑا حیران کن ہے۔بعض لوگ اس کا دفاع کرتے ہیں۔اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ان پر ایجنٹ ہونے اور ماسونی مجالس کے ساتھ تعلق رکھنے کا الزام لگاتے ہیں۔مثلاً مصطفیٰ فوزی عبد اللطیف غزال کی کتاب ''دعوۃ جمال الدین الافغانی فی میزان الاسلام'' کے مطابق افغانی امت مسلمہ کی تاریخ جدید میں اس امت کو منہدم کرنے والی شخصیتوں میں سے ایک ہے۔جبکہ ڈاکٹر محسن عبد الحمید اپنی کتاب'' جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ'' میں انہیں ایک مصلح کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

صوفی سلاسل

سلطان عبد الحمید نے صوفی سلاسل سے درخواست کی کہ وہ دولت عثمانیہ کی سرپرستی کریں اور اسلامی اتحاد کی سوچ کی ترویج کے لئے اپنی خدمات پیش کریں۔سلطان نے استنبول جو مرکز خلافت تھا کے درمیان اور صوفی خانقاہوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔آپ نے تحریک تصوف کو عالم اسلامی میں ایک ذریعہ بنایا تا کہ ان لوگوں کی وساطت سے اسلامی اتحاد کی آواز پوری دنیا میں پھیل جائے۔ان کے علاوہ غیر صوفی زاہدین کی بھی امداد حاصل کی اور ان کے ذریعے اسلامی اتحاد کی فکر کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔انہوں نے دار الخلافہ میں ایک مرکزی کمیٹی قائم کی جس میں علماء ومشائخ شامل تھے۔یہ لوگ اسلامی اتحاد کے سلسلے میں سلطان کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔شیخ ''احمد اسعد'' جو حجاز مقدس

1۔جمال الدین الافغانی المصلح المفتری علیہ: ڈاکٹر محسن عبد الحمید: ص 137

2۔ایضاً

میں ایک بہت بڑی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ شیخ ''ابو الہدی الصیادی'' جو سلسلہ رفاعی کے بزرگ تھے۔ شیخ ''محمد ظافر طرابلسی'' جو سلسلہ مدنیہ سے تعلق رکھتے تھے اور حرم کعبہ کے مشہور علماء میں سے تھے یہ تمام مشائخ اسلامی اتحاد کی مرکزی کمیٹی کے ممبر تھے اور ان کے علاوہ کئی دوسرے علماء مشائخ بھی تھے جو ان کے شریک کار تھے۔

اس کمیٹی کی ذیلی شاخیں پورے عالم اسلام میں تھیں جو مرکزی کمیٹی کے تحت کام کرتی تھیں۔ ان میں سے اہم ترین شاخ مکہ مکرمہ میں تھی جو شریف مکہ کے زیر نگرانی کام کرتی تھی۔ اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ حج کے دنوں میں حاجیوں کے اندر اسلامی اتحاد کی سوچ کو عام کرے۔ دوسری اہم شاخ بغداد میں تھی۔ جو سلسلہ قادریہ کے مریدوں کے درمیان اسلامی اتحاد کی فکر کی ترویج کے لئے کام کرتی تھی۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں شمالی افریقہ سے ہر سال شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ یہ ذیلی کمیٹی ان لوگوں کو اسلامی اتحاد کے اہداف سے آگاہ کرتی تھی۔ اس کمیٹی نے صرف ایک سال کے عرصہ میں تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار افراد تیار کیے جو سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمیٹی کی یہ کوشش ہوتی تھی۔ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حاضر ہونے والے تمام لوگ اسلامی اتحاد کی سوچ کو اپنے ساتھ لے جائیں اور اپنے علاقے میں اس سوچ کی ترویج کا باعث ہوں۔ فرانسیسی انٹیلی جنس شمالی افریقہ کے ان زائرین کی سرگرمیوں کے بارے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہتی ہے۔ ''یہ لوگ فرانس کے خلاف جنگی کارروائیوں میں شرکت کرتے ہیں اور فرانسیسی استعمار کے خلاف کام کرتے ہیں۔ رپورٹ میں درج ہے'' شمالی افریقہ میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جارحیت کا مظاہرہ کرنے والے لوگوں کا تعلق سلسلہ قادریہ سے ہے۔''(1)

اسلامی اتحاد کی مرکزی کمیٹی کی ایک شاخ افریقہ میں بھی کام کر رہی تھی۔ یہ کمیٹی مکمل خفیہ طریقے سے عمل پیرا تھی۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ یہاں پر موجود دینی جماعتوں کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے۔ اور مل کر فرانسیسی قبضے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان جماعتوں میں سلسلہ شاذلیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ مدنیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(2)

صوفی بزرگوں کی برپا اس تحریک کا اثر و نفوذ اور ان کی ہیبت اس حد تک پہنچ گئی کہ فرانسیسی انٹیلی جنس نے شمالی افریقہ کے بارے اپنی رپورٹ میں اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ''اسلامی اتحاد کی بدولت سلطان عبدالحمید کے لئے ممکن ہے کہ وہ شمالی افریقہ میں دینی جماعتوں کے ساتھ اپنے مضبوط تعلقات کی وجہ سے کوئی ایسا مقامی منظم لشکر جمع کرلے جو ضرورت پڑنے پر کسی بیرونی طاقت کی راہ روک دے''۔(3)

فرانسیسی انٹیلی جنس شمالی افریقہ کے صوفی سلسلوں کی تنظیم کے وسائل کا پتہ نہ لگا سکی جو اسلامی خلافت کے تابع تھے۔ فرانسیسی اتنا کر سکے کہ انہوں نے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں سلطان عبدالحمید کی ہیبت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی اتحاد کی پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے اقدامات کیے۔ اس سلسلہ میں فرانسیسی پالیسی نے جن خطوط پر کام کیا وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 196　2۔ ایضاً، ص 197　3۔ ایضاً

❶ بعض صوفی سلسلوں کے مشائخ کو مال و دولت کا لالچ دیکر فرانس اور شمالی افریقہ میں ان کی پالیسی کا ساتھ دینے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی۔

❷ مسلمانوں کو سفرِ حج سے روکنے کے لئے کئی افواہیں عام کیں اگرچہ علی الاعلان لوگوں کو حج سے نہیں روکا گیا بلکہ مختلف ذرائع سے کوششیں کی گئی کہ لوگ سفرِ حج ملتوی کر دیں۔ اس کا مقصد دراصل مسلمانوں کی اجتماعیت کی راہ روکنا تھا۔ کیونکہ حج کے اجتماع سے مسلمانوں کے باہم مل کر اسلامی اتحاد کے قیام کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے امکانات پیدا ہونے کے اثرات تھے اور فرانسیسی حکومت نہیں چاہتی تھی کہ مسلمان کسی بھی طریقے سے باہم متحد ہوں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مختلف افواہیں پھیلائی گئیں مثلاً یہ خبر مشہور کردی گئی کہ اسلامی ممالک میں ہیضہ کی وباء پھیلی ہوئی ہے (1)۔ سلطان عبدالحمید نے زاہدوں اور صوفیوں کی ایک جماعت کو ہندوستان بھیجا تاکہ وہ عثمانیوں سے خلافت چھین کر عربوں کو دینے کی کوششوں کو روک دینے کے لئے عملی اقدامات کریں۔ ان صوفیوں نے عرب اور بالخصوص حجاز مقدس کے بعض حکام سے بھی رابطہ کیا تاکہ اس سازش کی راہ روکی جائے اور اسلامی ملکوں کی بندر بانٹ سے بچا جائے۔ (2)

اسلامی اتحاد کے داعی خلیفۃ المسلمین اور دولت عثمانیہ کے فرمانروا ہونے کی حیثیت سے سلطان عبدالحمید اور ترکستان، جنوبی افریقہ اور چین کے مشائخ اور مختلف صوفی سلسلوں کے درمیان گہرے روابط تھے۔ ان میں سے بعض صوفیاء کے ساتھ تعلقات تو سامنے آ گئے لیکن اکثر کے متعلق دستاویزات کچھ زیادہ انکشاف نہیں کرتیں۔ (3)

سلطان عبدالحمید صوفی سلسلوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ان کے خلاف قرآن و سنت بہت سارے عقائد و نظریات کے بارے سکوت اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں تصوف اسلامی میں بہت ساری بدعات نفوذ کر چکی تھیں اور قرآن و سنت کا رنگ جو تصوف کی روح ہے ماند پڑ چکا تھا۔ ہاں کئی ایسے لوگ بھی تھے جو ان خرافات و بدعات سے دور حقیقی صوفی تھے۔ انشاء اللہ آنے والے صفحات میں اس بات کا تذکرہ ہوگا کہ کس طرح جعلی صوفیاء عثمانی، سنی اسلامی خلافت کے سقوط کا سبب بنے۔ (4)

دولت عثمانیہ کو عربی رنگ میں رنگنے کی کوشش

تخت نشین ہوتے ہی سلطان عبدالحمید نے اس بات کی ضرورت کو محسوس کیا کہ عربی کو دولت عثمانیہ کی سرکاری زبان بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 198 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ مصنف کی تضاد بیانی ملاحظہ ہو کہ ایک طرف وہ صوفی سلاسل کی اتحادی کوششوں کو بیان کر رہا ہے اور دوسری طرف انہیں سلاسل کو بدعتی ہونے کا الزام دے رہا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہابی تحریک کی نمائندگی ہے جو اس مشکل وقت میں عالم اسلام کے مرکز حجاز مقدس میں خود اپنے مسلمان بھائیوں سے برسرِ پیکار انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کر رہی تھی اور مسلمان صوفیاء کی اتحادی کوششوں کی راہ میں سدِ راہ بنی ہوئی تھی۔ عرض مترجم میں ہم نے اس تحریک کے انگریزوں کے ساتھ روابط کو قوی دلائل کے ساتھ ثابت کردیا ہے۔ مترجم

''عربی زبان ایک خوبصورت زبان ہے۔ کاش! ہم نے اسے اپنی سلطنت کی سرکاری زبان بنایا ہوتا' میں نے خیر الدین پاشا ٹیونسی کو جب وہ صدر اعظم تھے یہ تجویز دی تھی کہ عربی کو ملک کی سرکاری زبان بنایا جائے لیکن سعید پاشا جو محل کے امینوں میں سے تھے نے میری اس تجویز پر اعتراض کیا تھا اور کہا'' جب ہم ملک کو عربی بنا دیں گے تو اس کے بعد ترکی عنصر کے لیے کچھ باقی نہیں بچے گا۔''

سعید پاشا ایک بے کار آدمی تھا اور اس کی یہ بات بھی فضول تھی' اس مسئلے کا ترکی عنصر سے کیا تعلق؟ یہ بالکل ایک الگ نوعیت کا مسئلہ تھا' اس سے یقیناً ہمیں یہ فائدہ ہوتا کہ عربوں کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت مضبوط ہو جاتے اور کوئی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتا۔(1)

سلطان عبدالحمید اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں اس بات سے ڈرتا تھا کہیں وزراء اور قصر سلطان کے امین اس سے نظریاتی اختلاف نہ کرنے لگیں کیونکہ یہ لوگ مغرب سے متاثر ہو چکے تھے اور قومی اور مغربی افکار کے گرویدہ ہو چکے تھے' وہ ہمیشہ قصر سلطان پر دباؤ ڈالتے رہتے تھے' خواہ ان کے والد سلطان عبدالحمید کا دور ہو یا ان کے چچا سلطان عبدالعزیز کا دور یا پھر ان کا اپنا دور' یہ لوگ انہیں اپنی طاقت کا احساس دلاتے رہے۔ ان لوگوں نے نہ صرف سلطان عبدالحمید کے ملک کو عربی بنانے کی تجویز کی مخالفت کی بلکہ اس سے بھی بہت آگے بڑھ گئے اور بعض علماء دین کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔(2)

دولت عثمانیہ سے جو مختلف غلطیاں ہوئیں' ان میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم میں عربی زبان کو فروغ دینے کی کوشش نہیں کی اور قرآن و حدیث کے ذریعے ملک کو اسلام کی طرف لانے میں کوتاہی کی۔

پروفیسر محمد قطب لکھتے ہیں: ''اگر ہم تصور کریں کہ دولت خلافت عربی رنگ اختیار کر لیتی اور عربی زبان بولنے لگتی جس میں یہ دین حنیف نازل ہوا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کے اندر وحدت و یکجہتی کے عوامل زیادہ طاقتور ہو جاتے اور ملکی مفادات سے کھیلنے والے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اس میں اہلیت پیدا ہو جاتی۔ اس کے علاوہ مسلمان قرآن و سنت سے براہ راست استفادہ کر کے دین کے بارے صحیح معلومات حاصل کرنے کے قابل بن جاتے اور اس چیز کی حکام اور عوام الناس دونوں کو ضرورت بھی تھی لیکن اس ضرورت کے باوجود ایسا نہ کیا گیا بلکہ اس کے لیے ترکی زبان میں تراجم بھی نہ ہوئے اور اس دین کے بارے ترکی زبان میں تالیف و تصنیف کا کوئی گراں قدر کام بھی نہ ہوا۔(3)''

تعلیمی اداروں' عورت اور عورت کی بے پردگی پر سلطان کی گرفت

سلطان عبدالحمید جب تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ تعلیمی ادارے اور ان کا نظام تعلیم مغربی فکر سے کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور قومیت پرستی کا رجحان ان مدارس پر چھایا ہوا ہے تو انہوں نے ان تعلیمی اداروں کے معاملات میں دخل دیا اور انہیں اپنی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ سلطان نے ان تعلیمی اداروں کے بارے جو پالیسی مرتب کی' اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 199 2۔ ایضاً ص 200 3۔ ایضاً

❶ جنرل ادب اور جنرل تاریخ کے مضامین کو نصاب تعلیم سے خارج کرنا کیونکہ یہ دونوں مضامین مغربی ادب۔ اور دوسری قوموں کی تاریخ کے وسائل کا ایک ذریعہ بن رہے ہیں اور ان سے مسلمان طلبہ منفی اثر قبول کر رہے ہیں۔

❷ نصاب میں فقہ' تفسیر اور اخلاقیات کی تعلیم کو شامل کرنا۔

❸ صرف اسلامی تاریخ کی تدریس پر اکتفا جس میں عثمانیوں کی تاریخ بھی شامل ہے۔

سلطان عبدالحمید نے بعض ایسے مدارس قائم کیے جن کی نگرانی وہ خود کرتے تھے اور ان مدارس کو انہوں نے اسلامی اتحاد تک پہنچنے کا ایک اہم ذریعہ خیال کیا۔(1)

سلطان نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی' لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ ادارے قائم کیے جہاں ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جاتی تھی' سلطان نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط پر پابندی عائد کردی' اس پر جمعیت الاتحاد والترقی نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ وہ عقل اور علم کے دشمن ہیں۔ سلطان نے ان الزمات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''اگر میں علم و عقل کا دشمن ہوتا تو تعلیمی ادارے کھولتا؟ اگر میں علم کا دشمن ہوتا تو بچیوں کے لیے ٹریننگ سنٹر کھولتا جن میں انہیں مردوں سے الگ تعلیم دی جاتی؟(2)''

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ میں عورت کی بے پردگی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور عثمانی خواتین میں مغربی قدروں کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے لیے اس پر کاری ضرب لگائی۔ استنبول کے اخبارات میں 3 اکتوبر 1883ء کو ایک حکومتی بیان کا اعلان کیا گیا جس سے عورت کے بارے سلطان کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ اس بیان میں کہا گیا: ''بعض عثمانی خواتین جو رات کے وقت سڑکوں پر نکلتی ہیں' خلاف شرع لباس پہنے ہوتی ہیں۔ سلطان نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اس بے پردگی کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ سلطان نے اس بات کا بھی حکومت کو حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کو مکمل شرعی نقاب پہننے کا پابند کریں اور جب وہ سڑکوں پر آئیں تو مکمل اسلامی نقاب اوڑھ کر آئیں۔'' اس دوران مجلس الوزراء کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں درج ذیل فیصلے صادر کیے گئے۔

❶ صرف ایک مہینے کی مہلت دی جائے اگر اس کے بعد بھی یہ بے پردگی باقی رہے تو عورتوں پر باہر نکلنے کی پابندی عائد کردی جائے اور صرف ان عورتوں کو نکلنے کی اجازت ہو جو باپردہ ہوں اور ضروری ہے کہ یہ نقاب ہر طرح کی زینت اور بیل بوٹوں سے خالی ہوں۔

❷ باریک ریشمی نقابوں پر پابندی عائد کردی جائے اور ایسے نقاب اوڑھنے کا عورتوں کو دوبارہ پابند کیا جائے جن سے چہرے کے خدوخال نظر نہ آئیں۔

❸ اس بیان کی تشہیر کے ایک ماہ بعد پولیس بزور ان فیصلوں پر عمل کرائے اور انتظامی فورس ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کی پابند ہوں۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 201 2۔ ایضاً ص 99

● حکومتی فیصلوں کے ذریعے سلطان کے اس بیان کی تصدیق کی جائے۔
● یہ بیان اخباروں میں شائع کیا جائے اور سڑکوں پر آویزاں کیا جائے۔(1)

اس بیان کے نشر ہونے کے دوسرے دن یعنی 4 اکتوبر کو استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار "وقت" نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا: "عثمانی معاشرے نے بالعموم اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے ملک وقوم کے لیے بے حد مفید قرار دیا ہے۔"(2)

سلطان عبدالحمید کی نظر میں "عورت اپنی بناوٹ کے لحاظ سے مرد کے برابر نہیں ہوسکتی" وہ کہتے تھے "جب تک قرآن کریم یہ بات کہتا رہے گا' جدیدیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی شخص عورت کو مرد کے برابر قرار نہیں دے سکتا' یہ مسئلہ بالکل واضح ہے' اس پر دو آراء نہیں ہوسکتیں۔"

ان کا نقطہ نظر تھا "مساوات کا یہ نظریہ مغرب سے آیا ہے"۔(3)

عثمانی میڈیا پر تعدادِ ازدواج کے مسئلے پر بڑی زور وشور سے بحث جاری تھی' انہوں نے اس نظریہ کا دفاع کیا اور اس بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "یہ لوگ صرف دولت عثمانیہ کے اندر اس چیز کو برا خیال کیوں کرتے ہیں' امریکہ اور دوسرے یورپی ملکوں میں تعدادِ ازدواج کے رجحان پر یہ ماڈرن لوگ اعتراض کیوں نہیں کرتے؟ سلطان اس بات پر زور دیتا تھا کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح مباح ہے' اس پر اعتراض کیسے ہوسکتا ہے؟"(4)

سلطان عبدالحمید خواتین کی تعلیم کے حق میں تھا' اسی لیے انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت کے لیے خواتین ٹریننگ سنٹر قائم کیے تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والی طالبات تعلیم کے سلسلہ کو آگے بڑھا سکیں۔ سلطان عبدالحمید اختلاطِ مرد وزن اور عورت کی بے پردگی کے خلاف تھا اور ان کے عہدِ حکومت میں مملکت کے امور میں عورت کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہیں رہا تھا' ان کے خیال میں عورت گھر میں اور نسل نو کی تعلیم وتربیت میں فعال کردار ادا کرنے کی ذمہ دار تھی۔ سلطان عورت کے ساتھ نہایت ہی مہربانی کے سلوک کے حق میں تھا' ان کی سوتیلی ماں جنہوں نے سلطان کو اپنی گود میں لے کر پروان چڑھایا اور ان کی تعلیم و تربیت کی' سلطان جب تخت نشین ہوئے تو ان کے ساتھ کمال لطف ومہربانی اور عزت وتکریم سے پیش آئے' انہیں مملکت کی ملکہ کی حیثیت دی جیسا کہ جدید دور میں رواج ہے۔

قصرِ سلطان میں ملکہ ان کی والدہ تھیں' ان کی زوجہ نہیں تھیں جیسا کہ دوسری مملکتوں میں اکثر بادشاہ کی گھر والی ملکہ کے درجہ پر فائز ہوتی ہے۔(5)

اپنی تخت نشینی کے دوسرے دن سلطان اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں پیش ہوئے جو سلطان سے بے حد محبت کرتی تھیں' ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا:

"آپ کی شفقت اور محبت کی بدولت میں نے ماں کی کمی محسوس نہیں کی' آپ میری نظر میں میری سگی ماں ہیں' میں دونوں

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 100
2۔ موسوعہ اتاترک (60.59/1)
3۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 100
4۔ ایضاً: ص 101
5۔ پاکستان میں بھی خاتون اول صدر کی بیوی ہوتی ہے ماں نہیں (مترجم)

میں کوئی تفریق نہیں کرتا' میں نے آپ کو اس مملکت کی ملکہ بنایا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس محل میں جو چاہیں حکم دیں' آپ کے حکم سے سرتابی نہیں ہوگی لیکن میں امید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات کو کسی صورت نہیں ٹالیں گی کہ آپ مملکت کے کسی چھوٹے یا بڑے کام میں کسی طرح کی مداخلت نہیں فرمائیں گی''۔(1)

مدرسۃ العشائر کا قیام

سلطان عبدالحمید نے استنبول میں مقر خلافت و مرکز سلطنت ہونے کی بناء پر مدرسۃ العشائر العربیہ (عربی خاندان کا سکول) قائم کیا تاکہ یہاں حلب' شام' بغداد' بصرہ' موصل' دیار بکر' مغربی طرابلس' یمن' حجازہ' بنغازی' القدس اور دیرالزور کے صوبوں کے عربی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جاسکے۔

اس سکول میں مدت تعلیم پانچ سال رکھی گئی' یہ داخلی سکول تھے جن میں طلبہ کے جملہ اخراجات دولت عثمانیہ پورے کرتی تھی' ہر طالب علم کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا' یہ وظیفہ ہر دو سال بعد ملتا تھا' اس کے علاوہ طلبہ کا سفری خرچ بھی حکومت کے ذمہ تھا۔

استنبول کے مدرستہ العشائر کا نصاب

اس سکول کا نصاب کچھ اس طرح مقرر کیا گیا۔

① پہلا سال:۔ قرآن کریم' حروف ابجد کی لکھائی' دینی علوم' ترکی زبان پڑھنے کی تعلیم' ترکی زبان لکھنے کی مشق' عسکری ٹریننگ

② دوسرا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' دینی علوم' املاء' ریاضی' ترکی کی قرأت' خوش نویسی' عسکری ٹریننگ

③ تیسرا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' علوم دینیہ' املاء' خوش نویسی' ریاضی' جغرافیہ' فرانسیسی زبان' ٹریننگ

④ چوتھا سال:۔ قرآن کریم' تجوید' دینی علوم' عربی صرف' فارسی زبان' کتابت' ترکی گرائمر' جغرافیہ' ریاضی' خوش نویسی' فرانسیسی زبان' ٹریننگ

⑤ پانچواں سال:۔ قرآن کریم' تجوید' علوم دینی' عربی نحو' فارسی زبان' عثمانی تاریخ' عثمانی قواعد' ترکی زبان کی قرأت اور کتابت' ترکی میں گفتگو' جغرافیا' ریاضی' انجینئرنگ' خوش نویسی' جنرل نالج' حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم' دفتری امور کی انجام دہی کی ٹریننگ' فارسی زبان' فرانسیسی خوش نویسی' عسکری ٹریننگ۔(2)

اس سکول سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہونے والے طلبہ بڑے فوجی ٹریننگ سکولوں میں داخل ہوتے تھے اور پھر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے' یہاں سے فارغ ہونے والے لوگ شاہی سکول میں بھی داخل ہو سکتے تھے جہاں ایک سال پڑھنے کے بعد وہ بہت بڑی ڈگری حاصل کرتے اور اس کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں واپس ہو جاتے تھے۔(3)

1۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص98

2۔تاریخ التربیت الترکیۃ: عثمان ارکین: ص614-615-84-1180-1182

3۔السلطان عبدالحمید الثانی: ص202

اس کے علاوہ سلطان عبدالحمید نے واعظین اور مقررین کے لیے ایک ٹریننگ ادارہ قائم کیا جس میں ایسے افراد تیار کیے جاتے تھے جو اسلامی دعوت کا پرچار کرتے تھے' اسلامی اتحاد کا پیغام دنیا میں پھیلاتے اور رائے عامہ کو خلافت اور اسلامی اتحاد کے حق میں ہموار کرتے تھے۔(1)

سلطان عبدالحمید بڑا بیدار مغز اور قابل فرمانروا تھا' اسی لیے انہوں نے چین کے مسلمانوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ چین کے متعدد مسلمان بڑے جذباتی ہیں' علم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں' اسلامی تعلیمات سے استفادہ میں خصوصی رغبت رکھتے ہیں' ان کے ہاں تعلیمی ادارے اور مدارس ہیں' صرف بکین میں ان کی اڑتیس مسجدیں اور جامعات ہیں جن میں مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور ان میں خلیفہ عبدالحمید الثانی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ بکین کی ان مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے پھر اسے چینی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ سلطان عبدالحمید کے نام کا خطبہ صرف بکین میں ہی نہیں پڑھا جاتا بلکہ چین کی تمام مسجدوں اور جامعات میں پڑھا جاتا ہے اور ان کے لیے بحیثیت خلیفۃ المومنین دعا کی جاتی ہے۔(2)

چین کے دارالحکومت بکین میں ایک جامعہ ہے جسے چینی مسلمان ''دار العلوم الحمیدیہ'' کے نام سے موسم کرتے ہیں۔ یہ نام سلطان عبدالحمید الثانی کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ استنبول میں فرانسیسی سفیر نے اس جامعہ کو ''الجامعۃ الحمیدیہ'' کا نام دیا ہے اور یہ بات پیرس میں وزارت خارجہ کو بھیجی جانے والی ایک رپورٹ میں بھی درج ہے۔

اس جامعہ کے افتتاح کے موقع پر ہزاروں چینی مسلمان وہاں حاضر ہوئے' ان کے علاوہ بکین کے مفتی اور کئی دوسرے علماء نے بھی شرکت کی۔

اس افتتاحی تقریب میں جو تقریر ہوئی وہ عربی میں تھی جس میں سلطان عبدالحمید کے لیے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے دعا کی گئی۔ مفتی اعظم بکین نے اس عربی خطبہ کا چینی زبان میں ترجمہ کیا اور چینی زبان میں دعا مانگی وہاں پر موجود تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ چین کے مسلمانوں کا اپنے دین سے بہت گہرا ربط ہے' وہ بڑے جذباتی حد تک دین سے وابستہ ہیں' عربی زبان میں تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عالم اسلام کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے دینی بھائیوں کی زبان عربی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ الغرض اس تقریب کے بعد جامعہ کے صدر دروازہ پر دولت عثمانیہ کا علم بلند کر دیا گیا جس سے یہاں کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور خوشی کے آنسو ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔(3)

حجاز ریلوے لائن کا منصوبہ

سلطان عبدالحمید نے مسلمان معاشروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بہت سے کام کیے۔ دینی اور علمی ادارے قائم کیے' ان اداروں پر خطیر رقم خرچ کی' ان کے لیے عطیات کا اہتمام کیا۔ حرمین شریفین کی اصلاح وتعمیر پر بہت زیادہ رقم خرچ کی۔

1۔ الانقلاب العثمانی: مصطفیٰ طوران: ص 37

2۔ جریدہ ترجمان حقیقت: رسالہ مزالصین 1325/12/26 ہجری

3۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 205

مساجد میں ترمیم کی' ان کی آرائشگی کا اہتمام کیا۔ عرب مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے آپ نے خصوصی اقدامات کیے۔ عرب علاقوں سے اپنے لیے خصوصی نمائندے منتخب کیے' ان میں سے بعض لوگوں کو بڑے بڑے وظائف دیکر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جیسے اہل شام سے عزت پاشا العابد جس نے سلطان کے ہاں کافی مقبولیت حاصل کی اور عرب علاقوں سے متعلق معاملات میں سلطان کا خصوصی مشیر ٹھہرا۔ عزت پاشا نے دمشق سے مدینہ منورہ تک بچھائی گئی ریلوے لائن کی سکیم میں اہم کردار ادا کیا۔ سلطان عبدالحمید نے اس سکیم کو خلافت کی شان و شوکت کی بلندی اور اسلامی اتحاد کی سوچ کی اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ خیال کیا۔

سلطان عبدالحمید نے اپنے ملک کے طول و عرض میں ریلوے لائن بچھانے کا خصوصی اہتمام کیا' اس میں ان کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے۔

- مملکت کے دور دراز علاقوں کے درمیان رابطہ قائم کر کے عثمانی وحدت کی سوچ کو کامیاب بنانا' اسلامی اتحاد کے قیام کے لیے راہ ہموار کرنا اور تمام صوبوں پر اپنے کنٹرول کو مضبوط کرنا۔
- ان صوبوں کو سلطنت میں ضم ہونے اور عسکری قوانین کے سامنے گردن جھکا دینے پر مجبور کرنا اور ان پر اس بات کو لازم کرنا کہ وہ خلافت کے دفاع میں اپنی شرکت کے لیے مال پیش کریں اور افرادی قوت باہم پہنچائیں۔
- ملکی دفاع کو ہر طرف سے مضبوط بنانا اور دشمن کی راہ روکنے کے لیے فوجوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کو آسان بنانا' ریلوے لائن سے یقیناً ملک کے مختلف علاقوں میں جاری جنگوں میں کافی مدد مل سکتی تھی اور سرحدوں پر فوج کی تقسیم اور منتقلی میں آسانی ہو سکتی تھی۔(1)

حجاز ریلوے لائن سلطان عبدالحمید کے عہد خلافت میں بچھائی جانے والی ریلوے لائنوں میں اہم ترین لائن تھی۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک اس لائن کو بچھانے کا کام 1900ء میں شروع ہوا۔ اس ریلوے لائن کے ذریعے سفر سمٹ گیا اور جو سفر قافلے چالیس روز میں اور بحری راستوں میں کشتیوں کے ذریعے شام کے ساحل سے لے کر حجاز مقدس تک بیس روز میں طے کرتے تھے اب صرف پانچ چھ دنوں میں ہونے لگا۔ اس ریلوے لائن کو بچھانے کی غرض و غایت صرف حاجیوں کی خدمت نہیں تھی کہ وہ اس سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک پہنچ جائیں بلکہ سلطان عبدالحمید کے سامنے کئی دوسرے سیاسی اور عسکری اہداف بھی تھے۔ سیاسی نقطہ نظر سے تو یہ ریلوے لائن دنیا کے کونے کونے تک اسلامی دینی جذبہ کے فروغ کے لیے ایک بہترین ذریعہ تھی۔ سلطان عبدالحمید نے زمین کے مختلف اطراف میں رہنے والے مسلمانوں میں ایک بیان نشر کیا جس کے ذریعے انہیں اس ریلوے لائن کی تعمیر کے لیے عطیات میں حصہ ڈالنے کے لیے آمادہ کیا۔(2)

سلطان عبدالحمید نے چندے کی ایک لسٹ تیار کی جس میں انہوں نے اپنی جیب سے پچاس ہزار سونے کے عثمانی سکے دیئے اور ایک لاکھ سونے کے عثمانی سکے منافع کے صندوق سے دینے کا فیصلہ کیا۔ سلطان نے فلاحی کمیٹیاں بنائیں جن میں مسلمانوں

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ڈاکٹر موفق بنی المرجہ: ص 113
2۔ ایضاً

نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان اداروں کی تعمیر و اصلاح کے لیے جان و مال کے ذریعے سلطان کی اعانت کا اعلان کیا۔(1)
اس سکیم کے لیے مملکت کی اہم شخصیات نے چندہ دیا' مثلاً صدر اعظم اور وزیر دفاع حسین پاشا' وزیر تجارت اور حرف و صنعت ذہنی پاشا' سکیم کمیٹی کے سربراہ عزت پاشا۔
مختلف کمپنیوں کے ملازمین نے چندہ دینے میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا' ان لوگوں نے اس کار خیر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' ان کے علاوہ عثمانی بحریہ کمپنی کے ملازمین ملک اور اس کے مختلف صوبوں مثلاً بیروت' دمشق' حلب' بورصہ وغیرہ صوبوں کے عام ملازمین نے بھی دل کھول کر چندہ دیا۔
مصر کا شاہی محل بھی چندہ مہم میں شریک ہوا' مصر میں سکیم کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے احمد پاشا المنشادی کی سربراہی میں چندہ جمع کیا۔ مصر کے صحافیوں نے بھی حجاز ریلوے لائن کی اس مہم میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور اس کی مثال جریدۃ المؤید ہے۔ ''اللواء المصریہ'' نامی اخبار نے جو چندہ جمع کیا' اس کی مالیت 1904ء میں تین ہزار عثمانی لیرہ تک پہنچ گئی' اس اخبار کے چیف ایڈیٹر مصطفیٰ کامل پاشا تھے' اسی طرح علی کامل نے 1901ء تک 2000 عثمانی لیرہ کی رقم جمع کی۔
اس مہم میں المنار اور الرائد المصری نامی جرائد نے بھی خوب حصہ لیا۔ قاہرہ' اسکندریہ اور مصر کے کئی دوسرے شہروں میں اس سکیم کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے کئی کمیٹیاں بنائی گئیں۔
ہندوستان کے مسلمان پوری دنیا کے مسلمانوں سے آگے تھے' ان کا جوش و خروش اور چندہ مہم کے سلسلہ میں گرم جوشی دیدنی تھی۔ نواب حیدر آباد نے مدینہ منورہ ریلوے لائن کے لیے بہت بڑی رقم چندہ کے طور پر دی' اس طرح ایران کے بادشاہ نے 50000 عثمانی لیرہ کی رقم پیش کی۔
اگرچہ اس سکیم کو غیر ملکی فنی ماہرین کی ضرروت تھی کیونکہ پلوں اور سرنگوں کے کام میں ماہرین کی اشد ضرورت تھی لیکن غیر ملکی لوگوں سے مدد نہ لی گئی' ہاں جب ان کے بغیر کام ناممکن نظر آیا تو ان کی محدود حد تک مدد لی گئی کیونکہ غیر ملکی فنی ماہرین آزادانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور سلطان اب غیر ملکیوں پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے' اس مقصد کے لیے انہوں نے مصر کے ماہرین کی خدمات پر اکتفاء کیا اور دمشق کے جنوب میں 760 کلومیٹر کی مسافت پر واقع الاخضر نامی ریلوے لائن سے لے کر سکیم کے ختم ہونے تک کسی غیر ملکی ماہر فن کی خدمات نہیں لی گئیں کیونکہ سکیم کمیٹی ان سے بے نیاز ہو چکی تھی اور مصر کے فنی ماہرین ان کی جگہ لے چکے تھے۔ 1907ء میں ماہرین کو چھوڑ کر صرف مزدوروں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی اور اس سکیم کی تکمیل پر تقریباً 4283000 عثمانی لیرہ کی رقم خرچ ہوئی اگر اس سکیم میں غیر ملکی کمپنیوں کی خدمات حاصل کی جاتیں تو اخراجات بھی بڑھ جاتے اور مدت بھی زیادہ درکار ہوتی۔ مصری فنی ماہرین اور اپنے ملک کے مزدوروں کے جوش و جذبہ اور خدمت وطن کے جذبہ کے باعث بہت تھوڑے وقت اور عرصہ میں یہ سکیم مکمل ہو گئی۔ اگست 1908ء کو یہ

1۔ السلطان عبد الحمید الثانی: ص 222

ریلوے لائن مدینہ منورہ تک پہنچ گئی۔ پروگرام کے مطابق اس ریلوے لائن نے مدینہ طیبہ کے بعد مکہ مکرمہ تک جانا تھا لیکن اس پر کام روک دیا گیا اور یہ لائن مکہ مکرمہ تک نہ جا سکی۔ وجہ یہ تھی کہ شریف مکہ حسین بن علی کو اندیشہ تھا کہ دولت عثمانیہ کی گرفت حجاز مقدس پر سخت ہو جائے گی اور ممکن ہے اس طرح اس کی امارت کو خطرہ لاحق ہو جائے' چنانچہ اس نے مکہ تک ریلوے لائن بچھانے کے کام میں رخنہ اندازی شروع کر دی اور یوں یہ ریلوے لائن مدینہ منورہ تک پہنچ کر رک گئی' اسی دوران پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی' انگریزوں نے عربی فوجوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور یہ فوجیں فیصل بن حسین بن علی کی قیادت میں انگریزی فوج کے ساتھ مل گئیں اور حجاز ریلوے لائن کو نقصان پہنچایا' آج تک یہ ریلوے لائن بند ہے لیکن امید ہے کہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے گی اور بیت اللہ شریف کی طرف سفر کرنے والوں کو آسانی باہم پہنچانے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

1907ء میں برطانوی سفیر نے اپنی سالانہ رپورٹ میں قسطنطنیہ میں حجاز ریلوے لائن کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا:

''آخری دس سالوں کے سیاسی واقعات کے حوالے سے کچھ واقعات بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے' ان واقعات میں سے اہم واقعہ سلطان کا یہ ماہرانہ پروگرام ہے' جس کے ذریعے وہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے سامنے آئے اور تین سو ملین مسلمانوں کے روحانی قائد کی حیثیت سے لباس خلافت میں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا ہیں' انہوں نے اپنے اس عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ دینی شعور اور غیرت رکھتے ہیں' انہوں نے حجاز مقدس میں ریلوے لائن بچھا کر مسلمانوں کے لیے دور دراز راستوں کو سمیٹ دیا اور اب وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقامات مقدسہ کی زیارت اور فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے بڑی آسانی سے پہنچنے لگے اور اس بارے ہمارے ذہن سے اسی وقت تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سکیم پر انگریزوں نے بڑی خفگی کا اظہار کیا' انہوں نے اس سکیم کو ناکام بنانے کے لیے بہت سازشیں کیں اور بالآخر موقع ملنے پر اسے بارود سے اڑا کر ناقابل استعمال بنا دیا تا کہ عثمانی آرمی کا راستہ کاٹا جا سکے۔''(1)

اس ریلوے لائن کے ذریعے پہلی ٹرین شام کے شہر دمشق سے مدینہ منورہ 22 اگست 1908ء کو پہنچی۔ یہ دن پوری دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن تھا کیونکہ اس دن ان کے ایک بہت بڑے خواب کی تعبیر سامنے آ گئی تھی۔ دمشق سے مدینہ منورہ تک پہنچنے میں اس ٹرین کو صرف تین دن کا عرصہ لگا اور اس عرصہ میں اس نے 814 میل کا نہایت کٹھن اور مشکل راستہ طے کیا جو پہلے پانچ ہفتوں سے بھی زیادہ عرصہ میں طے ہوتا تھا۔ اس تاریخی روز کو ان لوگوں کی دل کی دھڑکن تیز ہو گئی جو فریضہ حج ادا کرنے کے مشتاق تھے۔(2)

عبدالحمید کی اسلامی پالیسی بہت مضبوط تھی' وہ چاہتے تھے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین تمام مسلمانوں کے دل اس کے گرویدہ ہوں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے شام سے حجاز مقدس تک کی یہ ریلوے لائن ایک اہم ذریعہ تھا۔(3)

مصر میں برطانوی نمائندہ (1301ھ، 1325ھ بمطابق 1883ء، 1907ء) کرومر وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی اتحاد کے خلاف یورپ کو اکسایا اور اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ سالانہ رپورٹوں میں اسلامی اتحاد کیخلاف شدید بغض کا

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 114 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

اظہار کیا جائے' اسی دوران مصر کے رسالے الاہرام نے فرانسیسی وزیر ہانوتو کے کچھ بیانات شائع کیے جن میں وزیر موصوف نے اسلامی اتحاد پر سخت تنقید کی تھی۔ اسلامی اتحاد کی مخالفت دراصل دولت عثمانیہ کی مخالفت کا نتیجہ تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ مسلمان ملکوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جائے اور اتحاد کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہنے دیا جائے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ دعوت اتحاد بین المسلمین کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو تقسیم کر کے استعماری نفوذ کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے چونکہ مسلمانوں کا تفرقہ ہی اس استعماریت کی اساس تھا' اس لیے یورپ چاہتا تھا کہ اس اساس کو برقرار رکھا جائے اور مسلمانوں کی صفوں کے درمیان کسی قسم کی وحدت پیدا نہ ہونے دی جائے (1)۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی بنیادی اقدامات کیے۔

1. صوبائیت' وطنیت' علاقائیت' گروہی اور نسلی اختلافات کو فروغ دینا۔
2. اسلامی اتحاد کے خلاف جنگ کے لیے فکری اور نظریاتی فضا قائم کرنا۔

یہ سب کوششیں درحقیقت خلافت عثمانیہ کو بالآخر ختم کرنے کی تمہید تھیں اور بین الاقوامی صیہونیت (2) ڈونمک تحریک کے یہودیوں اور ان کی پیروی کرنے والی جمعیتوں جیسے انجمن نوجوانان ترک' انجمن اتحاد و ترقی وغیرہ کے ساتھ تعاون کرنے کی ایک سبیل تھی۔

لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی پالیسی

سلطان عبدالحمید نے مختلف علاقوں کے ذی اثر شخصیات کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پالیسی اپنائی۔ سلطان اہل علم کی بڑی عزت کرتا تھا اور ان کی عزت افزائی میں کوئی بخل نہیں کرتا تھا' اس لیے اس نے مجلس مشائخ قائم کی اور اس کے ممبران کے لیے بڑے بڑے وظائف مقرر کیے۔ سلطان اپنے رہنماؤں کے ساتھ بہت احترام سے پیش آتا تھا اور ان کے بارے بہت اچھا گمان رکھتا تھا۔ سلطان کے ہاں اہل علم کا بڑا درجہ تھا۔ وہ اہم شخصیات کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ اس کی پشت پناہی کریں اور اسلامی اتحاد کی سوچ میں اس کا ساتھ دیں۔ ان اہم شخصیات میں مصطفیٰ کامل پاشا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کا تعلق مصر سے تھا۔ سلطان ان نمایاں شخصیات کی خطاؤں سے درگزر کرتے تھے جب انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ وہ سلطان سے مخلص ہیں اور اسلامی اتحاد کی سوچ میں اس کی معاونت کر سکتے ہیں اور اس کے خیالات سے اتفاق رکھتے ہیں' ایسے لوگوں میں نامق کمال کا نام بہت مشہور ہے۔

سلطان عبدالحمید ان سکولوں کے بعض طلبہ کا بھی انتخاب کرتا تھا جو عرب خاندانوں کے بچوں کے لیے قائم کیے گئے تھے' ان سکولوں میں پڑھنے والے اکثر طلبہ کا تعلق بڑے بڑے خاندانوں سے ہوتا تھا جن کو اسلامی معاشروں میں بڑی عزت کی نگاہ

1۔ حاضر العالم الاسلامی' ڈاکٹر جمیل مصری (101/1)   2۔ ایضاً

نیز سعودی خاندان جس پر انگریز بہت مہربان تھا۔ اور جس کو انگریزوں کی پوری پشت پناہی حاصل تھی۔ ترکیوں کی پوری کوشش تھی کہ عرب کے یہ علیحدگی پسند انگریزوں کی چال کو سمجھیں لیکن بے سود۔ (مترجم)

سے دیکھا جاتا تھا' ان کا اثر و رسوخ' اسلامی معاشروں پر ان کی گرفت اور ان کی شہرت بہت اچھی ہوتی' ان طلبہ کے ذریعے سلطان اتحاد بین المسلمین کے خواب کی تعبیر چاہتا تھا' آپ نے اس سلسلے کو بڑی وسعت دی' بعد میں اسی طرح کے کئی اور سکول قائم کیے اور ان سکولوں میں پڑھنے والے طلبہ جن کا تعلق عرب خاندانوں کے علاوہ کرد اور البان خاندانوں سے تھا کا انتخاب کیا اور ان کے ذریعے مختلف عرب قبائل کے امراء اور شیوخ سے رابطے کیے' بعض لوگوں کو خطوط لکھے اور بعض کی طرف وفود بھیج کر انہیں اپنے ساتھ ملانے' اسلامی بھائی چارہ کو فروغ دینے اور ان لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔ سلطان جانتا تھا کہ انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ انگریز کا عرب شیوخ کے ساتھ گہرا رابطہ ہے جیسے شریف مکہ اور یمن کا شیخ حمید الدین اور شیخ عیسیٰ۔ انگریز کی کوشش تھی کہ ان شیوخ کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکایا جائے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ خلیفہ کی اطاعت سے نکلنے کا اعلان کر دیں اور دولت عثمانیہ سے الگ ہو جائیں۔

سلطان عبدالحمید نے انگریز کے منصوبوں اور اس کی خبیث سازشوں کو خاک میں ملانے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ انہوں نے ایسے لوگوں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جن کے بارے انہیں شک تھا کہ وہ دولت عثمانیہ کے ساتھ محبت کے جذبات نہیں رکھتے اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے انہیں استنبول میں اپنے پاس روکے رکھا۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر کے اور بڑے بڑے مناصب دے کر ایک طرح سے انہیں اپنی نگرانی میں مقید کر دیا تاکہ ملک ان کی سازشوں سے محفوظ رہے۔ مثلاً شریف مکہ کو استنبول میں مجلس مشاورت کا ممبر بنا دیا تاکہ وہ واپس مکہ مکرمہ نہ جاسکے۔ شریف حسین کے بارے سلطان نے صدر اعظم فرید پاشا سے بات چیت کے دوران اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''شریف حسین ہمیں نہیں چاہتا لیکن اب وہ پرسکون اور خاموش ہے لیکن اللہ وحدہ لاشریک بہتر جانتا ہے کہ شریف حسین کل کو کیا کر سکتا ہے؟'' اسی وجہ سے شریف حسین کی قیادت میں برپا ہونے والی عربی بغاوت اس وقت تک موخر رہی جب تک کہ اتحادیوں نے سلطان عبدالحمید کو حکومت سے برطرف نہیں کر دیا۔

جب ماسونی پارٹی الاتحاد والترقی کی حکومت قائم ہوئی تو شریف حسین مکہ واپس اور اس کے بعد انگریزوں کے ساتھ معاہدہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں عرب کے مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر دی۔ (1)

سلطان عبدالحمید کا دشمنوں کے منصوبوں کو ناکام بنانا

انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول سے برطانیہ نے کردوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر رکھا تھا تاکہ ایک طرف عثمانیوں اور کردوں کے درمیان دشمنی پیدا کی جائے اور دوسری طرف کردوں کو ایک مملکت کے ذریعے جدا کیا جاسکے جو دولت عثمانیہ سے الگ ہو۔

جب ہندوستان میں برطانوی کمپنی قائم ہوئی تو انگریزوں کی سرگرمیاں عراق میں پہلے سے زیادہ ہو گئیں۔ انہوں نے امراء کے درمیان ایک قومی تحریک شروع کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ برطانوی مندوبین عراق میں بسنے والے کرد

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 227

خاندانوں کے پاس آنے جانے لگے اور کرد خاندانوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ عثمانی انٹیلی جنس بڑی عمیق نظروں سے ان امور کا پیچھا کر رہی تھی چنانچہ سلطان عبدالحمید نے انگریز کے اس تباہ کن اقدام کے خلاف ایک منصوبہ تیار کیا جس کی اہم باتیں درج ذیل ہیں۔

1. خلافت عثمانیہ کرد شہریوں کو ارمنوں کے خونریز حملوں سے بچانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ارمنوں کے خلاف کردوں کا ساتھ دیا۔
2. سلطان نے مسلمان علماء پر مشتمل کئی وفود کرد خاندانوں کے پاس روانہ کیے تاکہ وہ انہیں سمجھائیں' ان کی رہنمائی کریں اور انہیں اسلامی اتحاد کی دعوت دیں چنانچہ ان وفود نے مغربی مقاصد کے بارے کردوں کو بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔
3. سلطان عبدالحمید نے مختلف اقدامات کر کے کرد امراء کو اپنے اور دولت عثمانیہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔
4. مشرقی اناصنول میں کردوں پر مشتمل فوجی یونٹوں کی بنیاد رکھی گئی تاکہ ارمنی جارحیت کا راستہ روکا جاسکے۔
5. علیحدگی پسند ارمنوں کے مقاصد کے خلاف دولت عثمانیہ کا موقف بڑا مضبوط تھا' اسی لیے اس علاقہ میں رہنے والے کردوں نے امن وامان کی کیفیت کو محسوس کیا۔(1)
6. دولت عثمانیہ نے انگریز منصوبوں کو طشت ازبام کرنے کے لیے بھی عملی اقدامات کیے جن کا مقصد دولت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آزاد قومیت کے نام سے جاری تحریکوں کے ہاتھوں خود مختار علاقائی حکومتوں کا قیام تھا۔

سلطان عبدالحمید یمن میں برطانوی اثر ونفوذ کا دائرہ تنگ کر دینے میں کامیاب رہے اور اس علاقے میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں واضح کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے یمن میں آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عسکری یونٹ بنائی تاکہ یمن کو دوبارہ دولت عثمانیہ کی طرف لوٹایا جائے۔ انہوں نے اس پوسٹ کی قیادت کے لیے نہایت ہی ماہر فوجی افسر یمن روانہ کیے جیسے احمد مختار پاشا' احمد خوزی پاشا' حسین حلمی پاشا' توفیق پاشا' مشیر عثمان پاشا اور اسماعیل حقی پاشا۔ انگریزوں نے یمن میں دولت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی لیکن سلطان عبدالحمید کی حکیمانہ پالیسی کی بدولت ان کی ایک نہ چلی اور سلطان حمید پوری طرح کامیاب رہے۔(2)

لیبیا میں اٹلی کے مقاصد

اٹلی شمالی افریقہ کو اپنے ساتھ ملانے کے خواب دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ اس علاقے کو اٹلی کی میراث خیال کرتا تھا۔ اٹلی کے وزیر اعظم مانزینی نے اس بات کا برملا اظہار بھی کیا لیکن فرانس نے ٹیونس پر اور انگریوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور اٹلی کے پاس لیبیا کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

اٹلی کی لیبیا میں پالیسی

اٹلی نے لیبیا میں اپنی پالیسی کو تین مراحل پر مرتب کیا۔

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 132,131)
2۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 224

❶ سکولوں' بینکوں اور دوسرے رفاہی اداروں کے ذریعے پرامن طریقے سے لیبیا کے اندر اثر ونفوذ پیدا کرنا۔
❷ ڈپلومیسی کے ذریعے لیبیا پر اپنے قبضہ کے جواز کے لیے دوسرے ملکوں کو اپنے ساتھ ملانا تا کہ وہ اس قبضہ کو تسلیم کریں۔
❸ دولت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ اور لیبیا پر قبضہ۔

اس دور میں برطانیہ اور فرانس کے برعکس اٹلی کی یہ پالیسی تھی کہ وہ اپنی جدوجہد کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں ہونے دے۔ وہ بڑی حکمت اور سکون کے ساتھ عثمانیوں کے جذبات کو بھڑکائے بغیر لیبیا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔

سلطان عبدالحمید اٹلی کے ان مقاصد سے پوری طرح آگاہ تھا' انہوں نے مختلف ذرائع سے لیبیا میں اٹلی والوں کی سرگرمیوں اور ان کے اہداف کے بارے معلومات حاصل کیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ ''اٹلی والے سکولوں' بینکوں اور دوسرے فلاحی اداروں کی وساطت سے عثمانی صوبوں لیبیا اور البانیا میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ بالآخر دولت عثمانیہ کے ان علاقوں پر قبضہ کریں۔''

❶ مغربی طرابلس
❷ البانیا
❸ بحر ابیض متوسط کے ساحل پر واقع استنبول کے علاقے ازمیر' اسکندرون اور انطاکیہ۔

سلطان عبدالحمید الثانی نے اٹلی کے مذموم مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ضروری تدابیر کیں جب انہیں معلوم ہوا کہ اٹلی لیبیا پر مسلح حملہ کرنے والا ہے تو انہوں نے لیبیا میں 15000 سپاہیوں پر مشتمل اپنی فوجی امداد بھیجی تا کہ لیبیا کا دفاع کیا جا سکے۔ سلطان اٹلی کی جدوجہد کے بارے پوری طرح چوکنا رہا اور وہ ذاتی طور پر اس کی سرگرمیوں کا بنظر غائر جائزہ لیتا رہا اور روم کے سفیر اور والی طرابلس کے ذریعے لیبیا کے بارے مختلف امور کا بذات خود مطالعہ کرتا رہا جس کی وجہ سے اٹلی والوں کو مجبوراً لیبیا پر قبضہ کرنے میں تاخیر کرنا پڑی اور ان کا یہ خواب اس وقت پورا ہوا جب کہ سلطان عبدالحمید کی برطرفی کے بعد جمعیت الاتحاد والترقی کی حکومت آئی(1)۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل ہم اس سلسلہ کی ساتویں کتاب میں بیان کریں گے جو سنوسی تحریک، دعوت وتبلیغ میں اس کے اثرات اور افریقہ میں اس کی جہادی سرگرمیوں کے بارے ہے۔

اسلامی اتحاد کا پورے عالم اسلام میں بڑا شہرہ تھا جس کی مختلف وجوہات ہیں جس میں چند درج ذیل ہیں۔

❶ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں یورپی ممالک مشرق میں واقع مختلف اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ 1881ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا' 1882ء میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور فرانس نے مراکش کے معاملات میں مداخلت شروع کر دی حتیٰ کہ 1912ء میں فرانس اس بات کا اعلان کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ان علاقوں پر اس کا بھی حق ہے لہٰذا ان علاقوں کو ہسپانیہ اور فرانس کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے' اس طرح یورپی استعمار نے افریقہ کے اسلامی ملکوں پر یورش شروع کر دی جیسے سوڈان' نائیجیریا' زنجبار وغیرہ

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 139

❷ عالم اسلام کے درمیان رابطے اور وسائل نقل وحمل ترقی کر چکے تھے اور مصر، ترکی، الجزائر، ہندوستان، ایران، وسط ایشیا اور جاوہ (انڈونیشیا) میں صحافتی تحریک پھیل چکی تھی۔ اخبارات استعماریت اور عالم اسلام میں یورپی ملکوں کی دلچسپی کے موضوع پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ اسلامی علاقوں پر یورپیوں کے بار بار حملوں کی خبریں شائع ہو رہی تھیں جن کی وجہ سے لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہو رہے تھے۔ ایک اضطراب کی کیفیت طاری تھی اور مسلمان اپنے مظلوم بھائیوں کے حق میں اپنے جذبات اور اپنے جوش وخروش کا خوب مظاہرہ کر رہے تھے۔

❸ علماء اسلام کی کوششیں اور اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کیلئے ان کی دعوت وتبلیغ پورے عالم اسلام میں پھیل چکی تھی۔ مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ ان حالات میں مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیے اور انہیں یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ جوں جوں مغربی مظالم کا سلسلہ بڑھ رہا ہے، مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا ہو رہا ہے، انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تمام اسلامی معاشرے یکجان ہو جائیں اور خلافت عثمانی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔(1)

سلطان عبدالحمید الثانی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی یکجہتی بہت اہم ہے اور پوری امت کو خلافت عثمانیہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد کی کوشش کرنا چاہیے، اس سے دو مقاصد پورے ہو سکتے ہیں۔

❶ دولت عثمانیہ اندرونی خلفشار سے بچ سکتی ہے اور مغربی، ماسونی، یہودی، استعماری اور نصرانی نیشنلزم کے حملوں کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

❷ اور بیرونی سطح پر ان تمام مسلمانوں کو خلافت کے جھنڈے کے نیچے لا سکتی ہے جو روس، برطانیہ اور فرانس جیسے یورپی ملکوں کے سامنے سر جھکا چکے ہیں اور اس طرح ان تمام ممالک کو ان کی کارستانیوں کا جواب دیا جا سکتا ہے اور پورے عالم اسلام میں اعلان جہاد کر کے ان ملکوں کو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔(2)

تیسری بحث

سلطان عبدالحمید اور یہودی

سلطان عبدالحمید ثانی اور یہودیوں کے درمیان چپقلش اس غیور مسلمان سلطان کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے۔ یہودیوں کی اسلام دشمنی اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ظہور اسلام سے جب کہ اسلام کو جزیرہ عرب میں کامیابی ہوئی، ان کی بار بار کی خیانت اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی دائمی عداوت کی وجہ سے رسول ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، اس دن سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ہر موقع پر ڈسنے اور

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 112 2۔ ایضاً ص 113

نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور ان کی بدعہدی اور مکروفریب کی وجہ سے خلیفہ راشد حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہیں پورے جزیرہ عرب سے نکال باہر کر دیا گیا کیونکہ وہ آپ کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے' ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کیا اور اسلام کی طویل ترین تاریخ میں امت مسلمہ کے جسم میں زہر اتارنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن سبا' قرامطہ' حشاشین' رائیونڈ یے (1) اور کئی دوسری تخریب کار تحریکیں یہودیوں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔

بلاد قرم کے تاتاریوں نے سلطان سلیمان قانونی کو پندرہویں صدی میلادی میں ایک روسی یہودی دوشیزہ بطور تحفہ دی۔ یہ لوگ اسے ایک جنگ میں قید کر لائے تھے' سلطان سلیمان قانونی نے اس دوشیزہ سے شادی رچالی جس سے اس کی ایک بیٹی ہوئی جب یہ بچی بڑی ہوئی تو اس کی یہودن ماں نے کوشش کی کہ اس کی شادی رستم پاشا سے ہو جائے جو ایک غیر معروف النسب شخص تھا' اس عورت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دھوکہ سے اس وقت کے صدر اعظم ابراہیم پاشا کو قتل کرا کر اپنے داماد اس غیر معروف النسب شخص کو صدر اعظم کے عہدہ پر فائز کرا دیا' پھر اس نے ایک اور سازش کی اور ولی عہد مصطفیٰ بن سلطان سلیمان جو ان کی پہلی بیوی سے تھے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کی اور اس کی جگہ اپنے بیٹے سلیمان ثانی کو ولی عہد مقرر کروادیا۔

یہودی اس زمانے میں کسمپرسی کا شکار تھے' اندلس اور روس میں انہیں مشق ستم بنایا جا رہا تھا' ان میں سے بہت سے لوگ عیسائی تفتیشی عدالتوں سے بھاگ کر دنیا کے کونے کونے میں بکھر گئے تھے' اس یہودی عورت نے سلطان سے اسلامی ممالک میں یہودیوں کو پناہ دینے کا پروانہ حاصل کر لیا اور پوری دنیا سے جوق در جوق یہودی اسلامی علاقوں کا رخ کرنے لگے۔ ازمیر' ایڈریانوپل' بورحہ اور شمالی علاقوں میں کئی یہودی آ کر بس گئے۔ دولت عثمانیہ میں ان کے قیام کے بعد ان پر اسلامی (2) احکام لاگو ہوئے اور یوں اسلامی قلمرو میں انہیں شخصی آزادی کی نعمت میسر آ گئی۔ ہسپانیہ کے یہودیوں کو دولت عثمانیہ میں صرف پناہ ہی نہ ملی بلکہ انہیں مکمل آزادی اور رفاہیت بھی نصیب ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ اپنا اثر ورسوخ بڑھاتے گئے اور ملک کے اہم شہروں میں بستے چلے گئے جیسے ڈون جوزف باسی وغیرہ۔ ہسپانیہ کے یہودیوں کو بہت زیادہ خود مختاری حاصل ہوگئی تھی' حتیٰ کہ حاخامین نامی گروہ کے پیشوا کو دینی اور شہری معاملات میں مکمل اختیار حاصل ہو گیا اور اس کا اقتدار اور اختیار اس حد تک بڑھ گیا کہ اس گروہ کے دینی مراسم اور فیصلوں کی حکومت کی طرف سے تصدیق ہونے لگی اور انہیں یہودیوں کے خصوصی قوانین کا درجہ دیدیا گیا۔ (3)

1۔ مصنف نے ''الراوندیہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے' اس سے مراد تبلیغی جماعت نہیں جس کا سالانہ اجلاس رائیونڈ (لاہور) میں ہوتا ہے۔ بلکہ راوندیہ ایران کے شہر راوند جو اصفہان کے نزدیک واقع ہے سے اٹھنے والا ایک فرقہ ہے جو بادشاہوں کی تقدیس کے قائل تھے۔ اس فرقہ کے عقائد ونظریات کے لیے دیکھیے تاریخ الاسلام از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن' مطبع دار الجیل بیروت جزو ثانی ص 88 (مترجم)

2۔ ان احکامات کا تعلق معاشرتی اور مدنی قوانین سے تھا نہ کہ ان کی نوعیت مذہبی تھی کیونکہ غیر مسلم مذہبی قوانین کے مکلف نہیں ہوتے۔ اسلامی قلمرو میں مذہبی معاملات میں ذمی آزاد ہوتے تھے اور ان کے مذہبی تنازعات کا فیصلہ ان کے مذہبی رہنما کرتے تھے۔ (مترجم)

3۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ' ڈاکٹر احمد نعیمی' ص 37

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ علی پاشا جو اس دور میں وزارت خارجہ کے عہدے پر فائز تھے اور جو بعد میں صدر اعظم بنے' انہوں نے 1865ء میں یورپ کے مسیحی ملکوں کی طرف بھیجے جانے والے سفارتی وفود میں بہت سے یہودیوں کو بھی شامل کیا۔(1)

یہودیوں کو وہ تمام اختیارات اور حقوق حاصل تھے جو قانونی طور پر مملکت عثمانیہ کی رعایا کو حاصل تھے(2)۔ انہیں یہاں امن و آشتی کی نعمت میسر تھی اور وہ ملک میں مکمل طور پر آزاد تھے۔(3)

ڈونمہ کے یہودی

لفظ ڈونمہ کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں کیونکہ یہ لفظ لغوی پہلو سے ترکی لفظ ''ڈونمک'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے مرتد یا تذبذب کا شکار' لیکن دینی نقطہ نظر سے اس لفظ کا ایک خاص مفہوم ہے' ایک نیا دینی گروہ جس کی طرف حاخام شبتائی نے لوگوں کو دعوت دی جو پرلے درجے کا مکار اور جھوٹا تھا۔ رہا اس لفظ کا سیاسی مفہوم تو اس سے مراد یہودیوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو حکومت کی پوری فرمانبرداری کرتا تھا(4)۔ اکیسویں صدی سے ڈونمہ کے لفظ کا ایک خاص معنی میں ان یہودیوں پر اطلاق ہونے لگا جو اسلامی ملکوں میں رہائش پذیر تھے' بالخصوص صوبہ سلانیک میں عثمانیوں نے ڈونمہ کے نام کا اطلاق یہودیوں پر اس بات کی وضاحت اور بیان کے لیے کیا کہ جو لوگ یہودیت سے اسلام کی طرف پلٹ آئے ہوں لیکن بعد میں یہ اندلس کے ان یہودیوں کا علم بن گیا جنہوں نے دولت عثمانیہ میں پناہ لی اور بظاہر اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا۔(5)

فرقہ ڈونمہ کا بانی شبتائی کذاب ہے' جس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ انیسویں صدی کا مسیح منتظر ہے کیونکہ اس دور میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ مسیح 1648ء میں ظہور فرمائیں گے' وہ یہودیوں کی میں قیادت کریں گے اور پوری دنیا پر ان کی حکومت ہوگی جس کا دار الحکومت فلسطین ہوگا۔(6)

مسیح منتظر کا نظریہ یہودی معاشرے میں ان دنوں پوری طرح چھایا تھا اور قدیم یہودی حلقے مسیح کے عنقریب ظہور پر ایمان رکھتے تھے' اسی وجہ سے شبتائی کی دعوت کو فلسطین' مصر' مشرقی یورپ کے یہودیوں کی طرف سے بہت تائید حاصل ہوئی بلکہ بہت سارے یہودیوں نے اور مال دار لوگوں نے محض سیاسی اور مالی اغراض کے لیے اس دعوت کی تائید کی۔(7)

شبتائی کی آواز یورپ' پولینڈ' جرمنی' ہالینڈ' انگلستان' اٹلی اور شمالی افریقہ کے علاقوں تک پھیل گئی۔

ازمیر میں یہودی وفد کے ساتھ شبتائی کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایڈریا' نوپل' صوفیا' یونان اور جرمنی کے یہودی جوق در جوق اپنے مسیح منتظر کی زیارت کے لیے آنے لگے' ان وفود نے اسے جو ہار پہنائے' ان پر لکھا ہوا تھا ''تاج ملک الملوک'' یعنی بادشاہوں کے بادشاہ کا تاج' پھر شبتائی نے پوری دنیا کو 88 حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے ہر حصے کے

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ' ڈاکٹر احمد نعیمی: ص 37
2۔ ایضاً ص 38
3۔ ایضاً ص 39
4۔ یہود الدونمہ: ڈاکٹر احمد نعیمی: ص 8
5۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 242
6۔ یہود الدونمہ' ڈاکٹر احمد نعیمی ص: 16
7۔ یہود الدونمہ: ص 21

لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیا کیونکہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ فلسطین میں بیٹھ کر پوری دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ اس سلسلے میں اس کا کہنا تھا ''میں بشریت کے حاکم سلیمان بن داؤد کی نسل سے ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ القدس میرا قصر شاہی ٹھہرے گا''۔(1)

شبتائی نے اپنے اس خطبہ سے سلطان محمد رابع کے نام کو نکال دیا جو خطبہ وہ یہودیوں کے کنیسا میں دیا کرتا تھا' سلطان کے نام کی جگہ اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا اور اپنے آپ کو سلطان السلاطین اور سلیمان بن داؤد کے نام سے موسوم کرنے لگا جس کی وجہ سے عثمانی حکومت کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔(2)

شبتائی یہودیوں کے حاخامی فرقہ کے بہت سارے لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ انہوں نے اس کے خلاف سلطان سے شکایت کی' انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ شبتائی فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے لیے بغاوتی تحریک کے قیام کی نیت رکھتا ہے۔(3)

شبتائی فتنہ کی شدت کے نتیجے میں وزیر احمد کو برولو جو ایک طاقتور انسان تھے نے اس کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے اور اسے قید کر دیا گیا' دو ماہ تک وہ جیل میں رہا' پھر اسے جزیرہ غالیبولی کے قلعہ دردنیال میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کی بیوی اور اس کے کاتب خاص کو اجازت دے دی گئی کہ وہ بھی اس کے ساتھ سکونت اختیار کر لیں' اسے اس قلعہ میں امیروں جیسی مجلس میسر آئی' اس کی ملاقات کے لیے پہلے سے اجازت لینا لازم تھی' اس لیے زیارت کو آنے والے کئی کئی دنوں تک انتظار میں بیٹھے رہتے۔ اس کی بیوی زائرین مرد و خواتین کے ساتھ بڑی نخوت و غرور سے ملکہ کی طرح سلوک کرتی تھی اور اس کی زیارت کے لیے پوری دنیا سے یہودی جوق در جوق آتے تھے۔(4)

شبتائی پر ایڈریانوپل کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا' اس طرح کہ سلطان نے نائب صدر اعظم کی سربراہی میں ایک علمی اور انتظامی ادارہ تشکیل دیا جس کی دو شخصیات ممبر تھیں۔ ایک شیخ الاسلام یحیٰ آفندی منقری زادہ اور دوسرا بڑے علماء میں سے ایک جلیل القدر عالم، شاہی محفل کے امام محمد آفندی وانلی جبکہ مترجم کا کردار ترکی طبیب مصطفیٰ حیاتی نے ادا کیا جو ہسپانوی زبان کو اچھی طرح جانتے تھے۔(5)

سلطان نے قاضی کو یہ حکم دیا کہ اس مسئلہ کو دولت عثمانیہ کے حوالے سے لیا جائے گا اور اسے میرے گوش گزار کیا جائے گا۔ الغرض بادشاہ قریب کے کمرہ میں بیٹھ گیا جہاں وہ ترجمان کی آواز کو باآسانی سن سکتا تھا۔'' ترجمان کی وساطت سے شبتائی سے کہا گیا: تیرا دعویٰ ہے کہ تو مسیح منتظر ہے اگر یہ سچ ہے تو ہمیں اپنا معجزہ دکھا' ہم تیرے کپڑے اتار کر تجھے ننگا کرتے ہیں' پھر ہمارے ماہر تیر انداز تجھ پر تیر اندازی کرتے ہیں اگر تجھے تیر نہ لگے تو سلطان تیرے دعویٰ کو قبول کرلے گا' شبتائی سمجھ گیا کہ کیا کہا گیا ہے' اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' اس نے کہا لوگوں نے مجھ پر بہتان لگایا ہے(6) اس پر اسلام پیش کیا چنانچہ وہ محمد عزیز آفندی کے نام سے اسلام میں داخل ہوا اور عثمانی حکام سے مطالبہ کیا کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ یہودیوں کو اسلام کی دعوت دے چنانچہ اسے اجازت دے دی گئی اور اس نے فرصت پا کر یہودیوں کو

1۔ یہود الدونمہ: ص 27 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 34 4۔ ایضاً، ص 36 5۔ ایضاً، ص 36 6۔ ایضاً، ص 245

پھر سے اپنی طرف بلانا شروع کر دیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اتحاد قائم کریں' بظاہر اسلام قبول کریں اور بباطن اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے یہودی مملکت کے قیام کے لیے کوشاں رہیں''۔(1)

شبتائی اور اس کے ساتھی خفیہ طریقے سے اپنے دین موسوی کی اتباع کرتے رہے اور صیہونیت کے لیے بڑی رازداری سے کوشاں رہے لیکن بظاہر وہ اسلام کے ساتھ وابستہ رہے اور ترکوں کے سامنے صلاح وتقویٰ کی ایکٹنگ کرتے رہے۔شبتائی اپنے پیروں کو کہا کرتا تھا: ''اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہیں مجبوراً ایک عرصہ تک فرعون کے محلات میں رہنا پڑا تھا(2)۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن بالآخر'' قودی چشمہ'' نامی ایک کنیسا کے اندر سے اسے اس حال میں گرفتار کیا گیا' وہ عورتوں کے جھرمٹ میں شراب نوشی کر رہا تھا اور یہودی نغمے گائے جا رہے تھے' اس کے ساتھ کئی اور یہودی بھی تھے' اس کے علاوہ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کو مذہب بیزاری کی دعوت دیتا ہے اور انہیں ایمان ویقین کی راہ ترک کرنے پر اکساتا ہے۔الغرض شبتائی اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے سزا دینے کا ارادہ کیا گیا' اگر شیخ الاسلام مداخلت نہ کرتے تو اس کا سر قلم کر دیا جاتا لیکن شیخ الاسلام نے اس کے قتل پر یہ اعتراض کیا کہ اگر اس حیلہ ساز کو قتل کر دیا گیا تو یہ انسانیت میں ایک جھوٹ کا سبب بن جائے گا اور اس کے مرید دعویٰ کرنے لگیں گے کہ اسے آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ انہیں صلیب دیکر قتل کر دیا گیا(3)۔ چنانچہ اسے البانیا کے شہر دوسجنو کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔یہ واقعہ 1673ء کے موسم گرما کا ہے۔جلاوطنی کے پانچ سال بعد وہ بدعقیدہ مکار یہودی اپنی طبعی موت مر گیا لیکن شبتائی کا عقیدہ سالونیک فرقوں میں بدستور موجود رہا اور اس کے پیروں نے طرح طرح کے مکروفریب کر کے نئے نئے عقائد اور نئی نئی رسوم گھڑ لیں اور اس مکاری فکر نے ایک الگ مکتب فکر کو جنم دیا''۔(4)

شبتائی مکار نے ڈونمہ عقیدہ کو اٹھارہ دفعات میں ترتیب دیا۔ان میں سے سولہویں اور سترھویں دفعات ڈونمہ عقیدہ کی اہم ترین دفعات شمار ہوتی ہیں۔دفعہ نمبر 16 اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ'' ضروری ہے کہ ترکوں کے طور طریقے اور عادات کو اچھی طرح اپنایا جائے تاکہ ان کی نظروں سے بچا جاسکے۔ضروری ہے کہ میرے ماننے والوں میں سے کوئی شخص رمضان کے روزوں اور قربانی سے کسی تنگی کا اظہار نہ کرے' لوگوں کے سامنے ان تمام امور کا بجالانا ضروری ہے جس کا بجالانا واجب ہے۔'' سترھویں دفعہ میں یہ بات مذکورہ ہے کہ'' مسلمانوں کے ساتھ نکاح کرنا قطعی ناجائز ہے''۔(5)

شبتائی وہ پہلا یہودی شمار ہوتا ہے جس نے بنی اسرائیل کی فلسطین واپسی کی بشارت دی حالانکہ امر واقعی یہ ہے کہ اس کی یہ جھوٹی تحریک دینی تحریک سے کہیں زیادہ دولت عثمانیہ کے اقتدار کے خلاف سیاسی تحریک شمار ہوتی ہے۔(6)

اس گروہ نے عثمانی معاشرہ میں اسلامی قدروں کو پامال کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور الحاد' مغربی افکار ونظریات کو پھیلانے اور ماسونی خیالات کی اشاعت کے لیے عملی اقدامات کیے۔اس گروہ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ مسلمان عورتوں کو حجاب ترک کرنے پر آمادہ کریں تاکہ وہ مردوں کے ساتھ آزادانہ میل ملاپ رکھیں' بالخصوص سکولوں میں۔جمعیت اتحاد وترقی

1۔یہود الدونمہ: ص36 2۔ایضاً ص41 3۔ایضاً ص42 4۔ایضاً ص43 5۔ایضاً ص45 6۔ایضاً ص46

کے کئی ارکان نے اس گروہ کی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیا اور ان کے مختلف تہواروں میں شریک ہوئے۔

ڈونمہ فرقہ کے یہودیوں نے سلطان عبدالحمید مخالف قوتوں کی خوب مدد کی اور وہ تحریک جو سالونیک میں سلطان کی برطرفی کے لیے شروع ہوئی اور جس کے شرکاء کو جوان افسروں کے افکار کا نام دیا گیا' یہودیوں نے ان کی پوری مدد کی اور یہ لوگ ایسی تحریکوں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے حتیٰ کہ آج بھی وہ ایسے لوگوں کی پشت پناہی میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کے اپنے اخبار ہیں اور نشرو اشاعت میں ان کا بڑا اہم کردار ہے' انہوں نے دولت عثمانیہ کی معاشی حالت کو بد سے بدتر بنانے کی پوری سعی کی اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔(1)

یہ لوگ جمعیۃ الاتحاد والترقی کو اپنے کنٹرول میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان عبدالحمید ڈونمہ فرقہ کی حقیقت سے واقف تھے' اس حقیقت کو جزل جواد رفعت اتلخان یوں بیان کرتے ہیں: ''پوری ترک تاریخ میں وہ واحد شخص جو صیہونیت اور شبتائیت کی حقیقت' ترکوں اور اسلام کے لیے ان کے نقصانات اور ان کے خطرات سے پوری طرح واقف تھا اور جس نے ایک طویل عرصہ تک ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش کی وہ ہے ترکی کا عظیم سلطان (یعنی سلطان عبدالحمید الثانی)۔ انہوں نے ان خطرناک تنظیموں کا تینتیس سال تک بڑی عقلمندی' عزم اور عبقریت اور حیرت افزاء حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا''۔(2)

حقیقت یہ ہے کہ عبدالحمید نے ڈونمہ تحریک کو ولایت سالونیک تک محدود کرنے اور اسے آستانہ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے ضروری اقدامات کیے تاکہ یہ تحریک پورے ملک میں نہ پھیل جائے اور ان کی کارروائیوں سے لوگوں کو بچایا جا سکے۔ عبدالحمید کی طرف سے اس تحریک کا راستہ روکنے کی کامیاب کوشش کی گئی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے ان کی مخالف حکمت عملی کو اختیار کیا اور عوام الناس اور فوج کو ان سے بدظن کرنے لگے۔(3)

ڈونمہ تحریک کے بارے عبدالحمید کے اس موقف کے نتیجہ میں یہ لوگ انہیں برطرف کرنے کے لیے ماسونی مجالس سے تعاون کرنے لگے اور انہوں نے اس مقصد کے لیے ''حریت' جمہوریت' عبدالحمید ڈکٹیٹر کو برطرف کرو' جیسے نعروں کو کام میں لا کر فوج کی صفوں میں افتراق وانتشار اور تمرد و بغاوت پھیلانے کے لیے کوشش کی۔ اس سے مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ فلسطین میں صیہونی حکومت کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔ ڈونمہ کے یہودیوں نے بین الاقوامی یہودی منصوبوں کو نافذ کرنے کے لیے پہلی اینٹ رکھی۔(4)

سلطان عبدالحمید اور عالمی یہودی لیڈر ہرٹزل

عالمی صیہونی یہودی تحریک کا لیڈر ''تھیوڈر ہرٹزل'' یہودی مسئلہ میں یورپ کے عیسائی ممالک جرمنی' برطانیہ اور فرانس سے تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ان ملکوں سے دولت عثمانیہ پر دباؤ ڈلوایا تاکہ سلطان عبدالحمید سے ملاقات کرے

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیۃ' ڈاکٹر علی حسون: ص 46
2۔ السلطان عبدالحمید والخلافۃ الاسلامیۃ: جندی: ص 107
3۔ یہود الدونمہ: ص 81
4۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' محمد مصطفیٰ: ص (69,68)

اور اس سے فلسطین کا مطالبہ کرے۔ دولت عثمانیہ متعدد مالی مشکلات کا سامنا کر رہی تھی، عثمانی قلم رو کے مختلف علاقوں میں اقتصادی حالت کچھ اچھی نہیں تھی، اسی وجہ سے یورپ کے قرض دہندہ ملکوں نے ایک یورپی مالی کمیشن عثمانی ترکی میں بھیجنا ضروری قرار دیا تاکہ یہ مشن اقتصادی صورت حال کا جائزہ لے کر اپنے قرضوں کی ضمانت حاصل کر سکے۔ اسی وجہ سے عبدالحمید نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی۔

یہودیوں کے بارے عبدالحمید کی پالیسی پر اثر انداز ہونے کے لیے ہرٹزل کے سامنے یہ واحد راستہ تھا، اس بارے ہرٹزل اپنی یادداشتوں میں کہتا ہے "ہم پر لازم ہے کہ ہم بیس ملین ترکی لیرہ ترکی کی اقتصادی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے خرچ کریں، ان میں سے دو ملین فلسطین کی قیمت کے طور پر اور باقی عثمانی ترکی کو قرضوں کی ادائیگی سے آزاد کرانے کے لیے تاکہ یورپی مشن سے نجات حاصل کی جا سکے...... ہم اس کے علاوہ سلطان کو جو جدید قرضے مطلوب ہونگے وہ بھی پیش کریں گے"۔(1)

ہرٹزل نے جرمنی، آسٹریا، روس، اٹلی اور برطانیہ کے ذمہ دار عہدہ داروں کے ساتھ گہرے روابط قائم کیے۔ ان روابط کا مقصد سلطان عبدالحمید کے ساتھ مذاکرات کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں اس کے ایک دوست لانڈو نے 21 فروری 1869ء کو یہ مشورہ دیا کہ وہ "برید الشرق" اخبار کے مدیر اعلیٰ نیولنسکی کی خدمات حاصل کرے۔ ہرٹزل اسی سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے نیولنسکی سے کہتا ہے "اگر فلسطین ہمیں مل جائے تو ہم ترکی کو مالا مال کر دیں گے۔ اگر نیولنسکی ہماری ملاقات عبدالحمید سے کروا دے اور وہ ہمارے مطالبات مان لیں تو ہم ترکی کو بے تحاشہ دولت پیش کریں گے اور اس کی اقتصادی صورت حال کو بہتر بنا دیں گے۔ ہم سلطان کی ملکیت ان اراضی کو ہنری قانونی کی ضمانت کے تحت خرید لیں گے باوجود اس کے کہ شاہی اقتدار اور خاص ملکیت کے درمیان کسی طرح کا بیان فرق موجود نہیں ہے"۔(2)

1896ء میں ہرٹزل نے قسطنطنیہ کا دورہ کیا، اس دورہ میں نیولنسکی نامی شخص بھی اس کے ساتھ تھا جس کے سلطان عبدالحمید کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ نتیجتاً نیولنسکی نے ہرٹزل کی آراء کو قصر یلدز تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ نیولنسکی اور سلطان عبدالحمید کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ سلطان نے نیولنسکی سے کہا: کیا اس بات کا امکان ہے کہ یہودی فلسطین کے علاوہ کسی اور علاقہ میں قیام پذیر ہو جائیں؟ نیولنسکی نے جواب دیا: فلسطین یہودیوں کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے، اس وجہ سے یہودی صرف فلسطین کی طرف لوٹنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ سلطان نے اس کے جواب میں کہا: فلسطین صرف یہودی نسل کی ہی پہلی گود نہیں بلکہ یہ تمام ادیان کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیولنسکی نے کہا: اگر فلسطین یہودیوں کو نہ دیا گیا تو ان کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ ارجنٹائن چلے جائیں۔(3)

سلطان عبدالحمید نے اس کے دوست نیولنسکی کے ذریعے ہرٹزل کے نام اپنا خط ارسال کیا اور کہا: "اپنے دوست ہرٹزل کو بتا دو کہ اب اس موضوع پر مزید بات نہیں ہوگی کیونکہ میں مقدس زمین کی ایک بالشت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 116 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 117

میری ملکیت نہیں بلکہ میری قوم کی ملکیت ہے' اس سرزمین کی خاطر میرے آباؤ اجداد نے جنگیں لڑی ہیں اور اسے اپنے خون سے سینچا ہے۔ یہودی اپنے کروڑوں روپے اپنے پاس رکھیں جب میرا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا تو انہیں فلسطین بغیر کسی معاوضے کے مل جائے گا لیکن اس ملک کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہمارے جسم کو ریزہ ریزہ کیا جائے' ہاں جیتے جی میں اپنے جسم کو ریزہ ریزہ نہیں ہونے دونگا''۔(1)

اس سلسلہ میں عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں کہتے ہیں۔

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے اندر جو علاقے خالی پڑے ہیں ہم ان پر قبضہ کر لیں لیکن دوسری طرف اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خاص نقل مکانی کی پالیسی کی پیروی کے طریقہ کو اپنائیں لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ یہودیوں کی نقل مکانی مناسب ہوگی کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان علاقوں میں صرف وہی لوگ آباد ہوں جو ہمارے اسلاف کے دین پر کاربند ہیں اور ہمارے رسم ورواج پر قائم ہیں تاکہ یہ لوگ امور مملکت کو کنٹرول کرنے میں کسی طرح کی مشکل کا سبب نہ بنیں''۔(2)

نیولنسکی کی وساطت سے کی جانے والی ہرٹزل کی کوششیں ناکام ہونے کے بعد ہرٹزل جرمنی کے بادشاہ ولیم ثانی کے دربار کی طرف متوجہ ہوا اور بالخصوص اس وجہ سے کہ ولیم عبدالحمید کا دوست تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یورپ میں عثمانیوں کا واحد حلیف بھی لیکن اس کی کوششیں بھی بارآور نہ ہو سکیں۔ ترکی کے معروف مؤرخ نظام الدین نظیف اپنی کتاب ''اعلان الحریہ والسلطان عبدالحمید'' میں لکھتے ہیں:

''جب یہودی وفد جس کی پشت پناہی اٹلی کا بادشاہ ولیم کر رہا تھا کا یہ مطالبہ رد کر دیا گیا کہ ان کے لیے الگ وطن منظور کیا جائے یعنی جب ہرٹزل اپنی کوششوں میں ناکام ہو گیا تو ''یلدز'' کے خلاف اس کی دشمنی شدت اختیار کر گئی اور عبدالحمید کو اسی بات کی توقع تھی کیونکہ یہودی ایک ایسی قوم ہے جو ہر کام کو بڑے منظم طریقے سے پوری سوچ بچار کے ساتھ سرانجام دیتی ہے' ان کے پاس متعدد طاقتیں تھیں جو انہیں کوششوں کی کامیابی کی ضمانت دے رہی تھیں اور ان کے پاس مال و دولت کی کمی بھی نہ تھی' یہ لوگ عثمانی مملکت کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ یورپ کی صحافت بھی ان کے قبضہ میں تھی' اس لیے وہ جب چاہتے رائے عامہ کا رخ موڑ سکتے تھے''۔(3)

یہی ترکی مؤرخ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے انہوں نے عالمی صحافت کی تحریک شروع کی' پھر عبدالحمید کے دشمنوں کو متحد کرنا شروع کیا جو اسی مخلوط عثمانی معاشرہ سے پیدا ہوئے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کے حامیوں نے منظم اور ہجومی رنگ اختیار کر لیا' یہ جانتے ہوئے کہ وہ اب تک متفرق تھے اور بغیر کسی نظام اور پلیٹ فارم کے کام کر رہے تھے' ان لوگوں کے لیے مخلوط عثمانی معاشرہ کے پیدا کردہ حمیدالدین کے دشمنوں کو یکجا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اٹلی کے اس عظیم ماسونی مستشرق نے لوگوں کو متحد اور منظم کرنے کے لیے اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا کیونکہ یہ عثمانی شہنشاہیت کے مرکز سے قریب ترین تھا۔ اٹلی مجالس بالخصوص ''ریزوتا''

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 116 2۔ ایضاً: ص 120 3۔ السلطان عبدالحمید' حیاتہ واحداث عہدہ' محمد اورخان: ص 281

مجلس جو سالونیک میں تھی نے قابل ذکر کردار ادا کیا''۔(1)

اس ناکامی کے بعد ہرٹزل نے فیصلہ کیا کہ عبدالحمید ثانی کو قائل کرنے کے لیے دوسرے وسائل استعمال میں لائے جائیں چنانچہ اس نے اپنے دوست نیولنسکی کی وساطت سے سلطان کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ وہ آرمینیہ کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہے(2)۔ اس سلسلے میں ہرٹزل کہتا ہے: ''سلطان نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس کی خدمت بجالاؤں اور وہ یہ کہ میں یورپی میڈیا کو اس بات کی تائید پر آمادہ کروں کہ وہ آرمینیہ کے مسئلے پر گفت وشنید کے لیے راہ ہموار کریں اور یورپی ملکوں کو اس بات کی ضرورت کا احساس دلائیں کہ اس مسئلے کے سلسلہ میں ترکوں کے خلاف سخت زبان استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ میں نے نیولنسکی کو فوراً اس بات کی اطلاع دی کہ میں اس خدمت کو بجالانے کے لیے تیار ہوں لیکن میں نے اس بات پر زور دیا کہ میں آرمینیہ کی صورت حال کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کھل کر کروں گا' لندن میں وہ کون لوگ ہیں جن کو راضی کرنا ضروری ہے اور وہ کون سے اخبارات ہیں جن کو اپنی طرف مائل کرنا ضروری ہے(3) وغیرہ''۔

اس بنیاد پر صہیونی ڈپلومیسی ارمنوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوگئی کہ وہ علیحدگی کی تحریک سے الگ ہو جائیں' اس کے نتیجہ میں ہرٹزل نے سالز بوری اور انگریز ذمہ داران سے رابطہ کیا کہ وہ ارمن قوم پر اپنا دباؤ بڑھائیں تا کہ وہ اس بات کو تسلیم کرلیں' اسی طرح دوسرے علاقوں کے یہودیوں نے بھی کوششیں کیں جیسے فرانس میں اس کردار کو ادا کرنے کی کوشش ہوئی لیکن ہرٹزل کی کوششیں ناکام ہوگئیں کیونکہ برطانیہ نے سردمہری کا اظہار کیا کیونکہ اس سے سلطان عبدالحمید کی پالیسی کی تائید ہوئی تھی اور اس وجہ سے برطانوی رائے عامہ کے حکومت کے خلاف ہونے کا اندیشہ تھا۔(4)

ہرٹزل نے عبدالحمید ثانی سے ملاقات کرنے کی کوشش کی' بالخصوص ولیم ثانی کے قسطنطنیہ کے دوسرے دورے کے موقع پر لیکن ''قصر یلدز'' کے ملازمین نے اس ملاقات سے اسے روک دیا۔ ہرٹزل مسلسل اس کوشش میں رہا کہ اس کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوں اور دوسال بعد 1899-1901ء ''قصر یلدز'' کے بڑے ملازمین کی معیت میں عبدالحمید کے ساتھ براہ راست ملاقات کا اسے موقع مل گیا۔ اس نے سلطان سے دو گھنٹے کی ملاقات کی' ہرٹزل نے سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دولت عثمانیہ کی مدد سے یورپ میں ایک بہت زیادہ مالدار بینک قائم کرے گا بشرطیکہ سلطان فلسطین میں یہودیوں کو بسنے کی اجازت دے دیں' اس کے علاوہ اس نے اس بات پر زور دیا کہ وہ دولت عثمانیہ کے تمام قرض بھی ادا کردے گا اور یہ بات 1881ء سے لیکر اب تک کے قرضہ جات کے بارے میں تھی۔ ہرٹزل نے وعدہ کیا کہ وہ عبدالحمید کے ساتھ ہونے والی اس خفیہ میٹنگ کو کسی پر عیاں نہیں ہونے دے گا۔(5)

سلطان عبدالحمید اس ملاقات کے دوران خاموش رہا اور ہرٹزل کو کھل کر بات کرنے کا موقع دیا۔ عبدالحمید دراصل یہ

1۔ السلطان عبدالحمید' حیاتہ واحداث عہدہ' محمد اورخان: ص 282
2۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 132
3۔ السلطان عبدالحمید' حیاتہ واحداث عہدہ' محمد اورخان: ص 137
4۔ ایضاً ص 138
5۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 141

چاہتے تھے کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے' خیالات' تجاویز' منصوبے وہ باتوں باتوں میں کہہ ڈالے تا کہ اس کے مافی الضمیر سے آگاہی ہو جائے۔ سلطان کی اس خاموشی سے ہرٹزل کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن آخر میں اسے یہ معلوم ہوا کہ عبدالحمید کے ساتھ اس کی گفتگو ناکام رہی ہے اور وہ اس کے ساتھ ایک بندراہ پر چلتا رہا ہے۔(1)

سلطان عبدالحمید ثانی کے ساتھ ہرٹزل کی گفتگو اور اس کی کوششوں کی ناکامی کے بعد ہرٹزل نے کہا: ''اگر سلطان فلسطین یہودیوں کے حوالے نہیں کرے گا تو ہم مالی حالات کی تنظیم کو اپنے کندھوں پر اٹھالے جائیں گے اور براعظم یورپ میں ایشیا کے خلاف ہم مضبوط قلعہ بنائیں گے اور عنقریب ہم پسماندگی کے خلاف ایک تہذیب کی بنیاد رکھیں گے اور ہم یورپ کے کونے کونے میں اپنے وجود کی ضمانت فراہم کرنے کے لیے باقی رہیں گے''۔(2)

درحقیقت عبدالحمید کی رائے تھی کہ یہودیوں کو فلسطین میں بسنے سے روکنا ضروری ہے تا کہ عربی عنصر کے طبعی تفوق کو قائم رکھا جا سکے۔ اس بارے عبدالحمید کہتے ہیں: ''لیکن ہمارے پاس یہودی کافی تعداد میں ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ عربی عنصر کا تفوق باقی رہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مہاجرین کو فلسطین میں بسانے سے گریز کریں' اگر یہودیوں نے اس علاقے میں بود و باش اختیار کر لی تو بہت تھوڑے وقت میں تمام وسائل حیات پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے اور اس طرح ہم اپنے دینی بھائیوں کی حتمی موت کے ذمہ دار ٹھہریں گے''۔(3)

دولت عثمانیہ کی اکثر یہ کوشش رہی کہ عثمانی یہودی ہرٹزل کے افکار و نظریات سے دور رہیں اور صہیونی تحریک کے چنگل میں نہ پھنسنے پائیں۔ بارہا انہوں نے دھمکی آمیز زبان بھی استعمال کی' اس سلسلے میں علی فرح بیگ نے یہ بات غیر ملکی میڈیا پر واضح کر دی۔ انہوں نے پوری صراحت کے ساتھ کہا: ''یہ بات بالکل غلط ہے کہ صہیونیت عثمانی حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرے گی اور اس طرح اپنے مقاصد حاصل کرے گی' ہاں یہ ضرور ہو گا کہ ان مشکلات کی وجہ سے دولت عثمانیہ میں انہیں جو حقوق اور امن و سکون حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا...... ارمن کی رعایا کے ساتھ عثمانیوں کے جو تعلقات ہیں اس حوالے سے یہ نقطہ بالکل واضح ہے کیونکہ تھوڑے بہت باغی جنہوں نے غلطی اور حماقت کا ارتکاب کیا ہے وہ میکا خلی رہنمائی پر اعتماد کرتے ہیں لیکن بالآخر یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہونگے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائیں گے''۔(4)

اگرچہ سلطان عبدالحمید کے ساتھ ہرٹزل کے مذاکرات ناکام رہے لیکن پھر بھی اس نے لکھا: ''یہودیوں کی وساطت سے ارض فلسطین کی تدریجاً ملکیت حاصل کرنا ضروری ہے' اس سلسلے میں سختی برتنے کی ضرورت نہیں' ہم کوشش کریں گے کہ یہاں کے اصلی باشندوں کو قریب کے علاقوں سے لیکر یہاں پر بسائیں اور یہاں انہیں کام دینے کی ضمانت فراہم کریں لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ وہ ہمارے شہروں سے کچھ تعلق نہ رکھیں' اس زمین پر قبضہ کا کام ان خفیہ مزدوروں کے ذریعے مکمل ہو گا جو یہودی کمپنی کے ملازم ہونگے اور یہ کمپنی بعد میں ان لوگوں سے زمین خرید کر یہودیوں کی ملکیت میں دے دے گی' اس کے علاوہ یہودی کمپنی' زمین کی خرید و فروخت کے کام کو اپنی نگرانی میں لے لے گی اور پھر یہ زمین صرف یہودیوں کو بیچی جائے

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 143 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً: ص 146 4۔ ایضاً: ص 141

گی''۔(1)

ہرٹزل نے لکھا: '' سلطان عبدالحمید ثانی کے ساتھ اپنی گفتگو کی روشنی میں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ترکی سے فائدہ حاصل کرنا ناممکن ہے' ہاں اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ترکی کے سیاسی حالات بدل جائیں یا اسے ایسی جنگوں میں ڈالا جائے جن میں اسے شکست ہو یا اسے ملکی مشکلات میں ڈالا جائے یا پھر دونوں طریقے ایک ساتھ بروئے کار لائے جائیں''۔(2)

عبدالحمید صہیونیت کے اہداف سے واقف تھا' اسی لیے وہ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں: '' صہیونیت کا رئیس ہرٹزل مجھے ہرگز قائل نہیں کر سکتا' وہ یہ کہتا ہے کہ یہودی مسئلہ اس وقت حل ہو جائے گا جب یہودی کھیتی باڑی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے وہ اپنی رائے میں صحیح ہے' وہ اپنے یہودی بھائیوں کے لیے زمین کی ضمانت کی کوشش کر رہا ہے لیکن وہ یہ بات بھول گیا ہے کہ تمام مسائل کا حل فقط ذہانت نہیں ہے' صہیونیت صرف زراعت پر اکتفا نہیں کرے گی وہ فلسطین میں اپنی الگ حکومت تشکیل دینے کا ارادہ رکھتی ہے اور اپنے نمائندوں کو منتخب کرنا چاہتی ہے' میں ان کے منصوبوں کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن یہودی غلط سمجھ رہے ہیں کہ میں ان کی کوششوں کو تسلیم کر لوں گا اور جیسا کہ میں اپنی یہودی رعایا کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں' اسی طرح فلسطین میں ان کے مقاصد اور ان کی خواہشات کی میں مخالفت بھی کرتا ہوں''۔(3)

القدس شریف کے بارے عبدالحمید ثانی کہتے ہیں: '' ہم القدس شریف کو کیوں چھوڑ دیں' یہ سرزمین ہمیشہ ہماری ملکیت رہی ہے اور یہ ہمیشہ ہماری ملکیت رہے گی' یہ مقدس شہر ہمارے ہیں' ہماری اسلامی سرزمین پر ہیں اور ضروری ہے کہ القدس ہمیشہ ہمیشہ ہمارا رہے''۔(4)

سلطان عبدالحمید تھیوڈر ہرٹزل کی جو باتیں سن رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ درج ذیل امور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

1. یہودی منصوبوں کی حقیقت کیا ہے؟
2. یہودیوں کی عالمی قوت اور اس قوت کی حدود کس حد تک وسیع ہیں؟
3. یہودی خطرات سے دولت عثمانیہ کو بچانا کیسے بچایا جا سکتا ہے؟

سلطان عبدالحمید نے داخلی اور خارجی اطلاعات حاصل کرنے کے لیے اداروں کی تیاری شروع کر دی تاکہ یہودیوں کا پیچھا کیا جا سکے اور ان کے متعلق رپورٹیں لکھی جا سکیں' اس سلسلہ میں دو سالانہ رپورٹیں شائع ہوئیں۔ پہلی رپورٹ 28 جون 1890ء کو اور دوسری 7 جولائی 1890ء کو لکھی گئی' پہلی رپورٹ میں '' شاہسانیہ ممالک میں مقیم یہودیوں کو قبول کرنے سے انکار کیا گیا'' جبکہ دوسری رپورٹ میں مجلس وزراء پر لازم کر دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے اور اس کے بارے کوئی حتمی اور ٹھوس فیصلہ کرے۔(5)

سلطان عبدالحمید نے فلسطین میں یہودیوں کے ہاتھوں زمین بیچنے کی ممانعت کے لیے وہ تمام ضروری اقدامات کیے جن

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص148 2۔ ایضاً ص147 3۔ ایضاً ص148
4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص57 5۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص88

کی ضرورت تھی اور پوری کوشش کی کہ کوئی ایسا اقدام نہ ہونے پائے کہ جس سے ارض فلسطین میں یہودیوں کو غلبہ حاصل ہو جائے' ایسے حالات میں عبدالحمید کی برطرفی کے لیے صہیونیت کی منظم کوششوں کا ہونا ایک طبعی امر تھا' سو اس سلسلہ میں ہرٹزل لکھتا ہے: ''مجھے امید نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کی آرزوئیں پوری ہوں' جب تک سلطان عبدالحمید مسند نشین ہیں اور جب تک وہ حاکم رہیں گے' یہودی ارض مقدس میں داخل نہیں ہو سکتے''۔(1)

عالمی صہیونیت حرکت میں آ گئی اور انہوں نے سلطان عبدالحمید کے تمام دشمنوں کی کھل کر سپورٹ کی۔ ارض کے باغی بلقان کے قومیت پرست' حزب الاتحاد والترقی کی تحریک اور دوسری ان تمام تحریکوں کی انہوں نے کھل کر پشت پناہی کی جو دولت عثمانیہ سے علیحدگی کے نظریہ پر برپا تھیں۔(2)

چوتھی بحث

سلطان عبدالحمید اور جمعیت اتحاد و ترقی

انیسویں صدی کے نصف ثانی میں عثمانی قوم کے پڑھے لکھے جوان اس فرانسیسی انقلاب کے افکار سے کافی حد تک متاثر ہو چکے تھے جن کے نتیجہ میں فرانس میں جمہوری حکومت قائم ہو چکی تھی اور قومیت' سیکولرزم اور شخصی حکومت سے آزادی جیسے افکار سامنے آئے تھے' اسی طرح یہ لوگ اٹلی کی اس قومی تحریک سے بھی متاثر ہو چکے تھے جس کی قیادت مازینی نے کی تھی۔

دولت عثمانیہ عسکری اور میڈیا وار کا سامنا کر رہی تھی' ان حملوں کا مقصد اسے کمزور اور بالآخر اس کو ریزہ ریزہ کرنا تھا' یورپی ممالک دولت عثمانیہ میں مقیم نصرانیوں کے حالات کو سلطنت کے امور میں مداخلت کے لیے بہانہ بنا رہے تھے۔ ان حالات میں اور عین 1865ء کے سال کے دوران عثمانی قوم کے پڑھے لکھے چھ جوان استنبول کے مضافات میں غابہ بلغراد نامی ایک باغ میں لوگوں کی نظروں سے دور ایک موضوع پر بات چیت میں مصروف تھے۔

یہ جوان جس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے وہ سیاست سے متعلق تھا جب یہ لوگ باغ کی چار دیواری سے باہر آئے تو ایک خفیہ جمعیت بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے' بالکل اٹلی کے جوانوں کی جمعیت کی طرز پر جس کی بنیاد اٹلی کے معروف سیاسی رہنما مازینی نے 1831ء میں رکھی تھی اور جس کا ہدف یہ تھا کہ جمہوریت کے جھنڈے کے نیچے اٹلی کے لوگوں کو یکجا کیا جائے۔ ترکی کے ان جوانوں نے اپنی اس جمعیت کا نام ''اتفاق الحمیت'' رکھا' ان جوانوں میں وہ نوجوان شاعر بھی موجود تھا جس کو بعد میں وسیع شہرت ملی یعنی نامق کمال' ان لوگوں نے سوچا کہ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ یہاں کے معاشرے کو ان کے سیاسی حقوق سے آگاہ کیا جائے اور انہیں ان حقوق کے حصول کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اس طرح نصرانی معاشرے جو دولت عثمانیہ سے الگ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور غیر ملکی مداخلت کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں' انہیں کوئی بہانہ نہیں ملے گا کہ بیرونی امداد حاصل کریں اور ملک میں افراتفری پھیلے' ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ملک جن حالات سے دوچار ہے' ان سے اسے نکالنے کی واحد

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 158 2۔ السلطان عبدالحمید الثانی' محمد حرب: ص 234

صورت یہ ہے کہ یہاں جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے۔

ان دنوں مصری امیر مصطفیٰ پاشا فرانس میں تھا اور فواد پاشا سے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لیے جھگڑ رہا تھا۔ فرانس میں مصطفیٰ پاشا نے اعلان کیا کہ وہ دولت عثمانیہ میں دستور کی آواز بلند کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضمانت دیتا ہے' اس نے اپنے آپ کو ''حزب ترکیا الفتاۃ'' کے نمائندہ کے نام سے پیش کیا۔ یہ نام یورپی معاشروں کو بہت پسند آیا اور پورے یورپ میں ''حزب ترکیا الفتاۃ'' کا نام مشہور ہو گیا۔

تین عثمانی انقلابی صحافی نامق کمال' محمد ضیاء اور علی سعادی مصری امیر مصطفیٰ فاضل سے پیرس میں ملے اور انہوں نے ایک جمعیت بنائی جس کا نام ''جمعیۃ العثمانیین الجدد'' رکھا۔

اس جمعیت کی نمایاں شخصیات میں صحافی' شعراء اور ادباء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی' نامق کمال اور علی سعادی ان کی قیادت کر رہے تھے' ان شخصیات میں یورپ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالنے والی شخصیت نامق کمال کی تھی جو اسلامی ثقافت کے دلدادہ ہونے کے باوجود روسو جیسے انقلاب فرانس کے فلاسفہ سے بہت متاثر تھے' یہ بہت بڑے درجہ کے ادیب تھے' ان کی کتابیں چوتھائی صدی تک ان کے افکار کو پھیلاتی رہیں وہ بیک وقت شاعر' صحافی' رائٹر اور تاریخ نگار تھے' ان کی کتابیں تین سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتی تھیں' وہ تین سوال یہ ہے۔

1. دولت عثمانیہ کے انحطاط کے اسباب کیا ہیں؟
2. وہ کون سی راہیں ہیں جن پر چل کر ہم انحطاط کے اس سلسلہ کو روک سکتے ہیں؟
3. اس راستے میں کون سی اصلاحات کرنا ضروری ہیں۔

ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے نامق کمال نے جو بنیادی نکات دیئے وہ درج ذیل ہیں۔

1. دولت عثمانیہ کے انحطاط کے اسباب اقتصادی اور سیاسی ہیں۔
2. تربیت وہ واحد عمل ہے جس کے ذریعے ہم اس انحطاط کو روک سکتے ہیں۔
3. بنیادی اصلاح جس کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت ہے وہ ہے ملک کے مرکزی دستوری نظام کے قیام کی ابتداء۔

نامق کمال کا نظریہ تھا کہ عثمانی تنظیموں کی تحریک سلاطین کے اختیار کو باب عالی یعنی صدر اعظم کے اختیارات کے ساتھ تبدیل کر دے گی لہٰذا یہ تنظیمیں جو نظام لائیں گی وہ قدیم عثمانی نظام حکومت سے بھی ناقص ہوگا۔ اس لیے یہ تنظیمات ملک میں اقتصادی ترقی نہیں لاسکتیں اور اس طرح یہ تنظیمیں عثمانیوں کے داخلی امور میں دخل اندازی کے لیے یورپی ملکوں کے سامنے دروازہ چوپٹ کھول دیں گی۔

نامق کمال نے طبعی حقوق کی فکر کی بات کی جو اس دور کی مغربی تہذیب کی فلسفی اساس قرار پائے تھے' انہوں نے مدحت پاشا کو عثمانی دستور کی تجویز پیش کی' وہ فرانسیسی دستور (نپولین ثالث کے 1852ء کے دستور) سے متاثر تھے۔ نامق کمال کا خیال تھا اس وقت دولت عثمانیہ کے حالات کے پیش نظر یہی دستور مناسب ہوگا' نامق کمال مدحت پاشا کا دوست تھا' اسی لیے

سلطان عبدالحمید کے اس فیصلے سے متاثر ہوا جو مدحت پاشا کی معزولی کے بارے کیا گیا۔ سلطان عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں نامق کمال کے بارے کہتے ہیں ''کمال بیگ ان بہت سے لوگوں میں سب سے زیادہ میری توجہ کا مرکز بنا جو اپنے آپ کو جدید عثمانی کہتے تھے' یہ نہایت ہی متحرک شخص تھا' اس کی عائلی زندگی اس کی ذاتی زندگی سے بالکل مختلف تھی اور اس کی قلمی زندگی اس کی فکری زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔

آپ کسی بھی انسان کے بارے یہ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ کوئی بھی کام کر سکتا ہے یا وہ کوئی کام نہیں کر سکتا لیکن کمال بیگ کے بارے غور و فکر کرتے ہوئے ایسی کوئی بات کسی بھی صورت قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتا' آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہایت ہی نادر و کمیاب لوگوں میں سے ہے جو دو رنگ کی زندگی جیتے ہیں' ان کی زندگی کا ایک رنگ حسب مزاج ان کی زندگی کے دوسرے رنگ سے مختلف ہوتا ہے جو لوگ نامق کمال کو قریب سے جانتے ہیں وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جب وہ شاہی محل سے اتفاق رکھتا تھا تو اس نے ''تاریخ عثمانی'' نامی کتاب تصنیف کی لیکن جب تعلقات خراب ہوئے تو لوگ جانتے ہیں کہ اس نے اژدھے کا سر کاٹ دیا اور کہا ''وہ کتا جو شکاری کی خدمت کے لیے امن پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے انصاف نہیں کرتا''۔

وہ ایک متلون المزاج آدمی تھا' کبھی ایک نہایت ہی مخلص شخص کے روپ میں اور کبھی آپ کی طرح سوچتا ہوا ایک عام انسان۔ ممکن نہیں کہ تو اس کے بارے کوئی حتمی رائے دے۔ اچانک اس کی سوچ بدل جاتی تھی' کس لمحے اور کس دن اس کی سوچ بدلتی ہے' آپ اس کی حد بندی نہیں کر سکتے ہیں''۔(1)

سلطان عبدالحمید کو جب معلوم ہوا کہ جدید عثمانیوں کا گروہ مدحت پاشا کی قیادت میں مسلسل اس بات پر اپنا دباؤ بڑھا رہا ہے کہ سلطان ان کے افکار و نظریات کو قبول کر لے اور ان لوگوں نے ملک کو روس کے ساتھ جنگ کی آگ میں جھونک دیا ہے تو انہوں نے اس جماعت کے لوگوں کو بکھیرنے کے عملی اقدامات کیے' ان کے سرغنہ صدر اعظم مدحت پاشا کو فوراً جلاوطن کر دیا گیا' اس کے فوراً بعد سلطان کو تخت حکومت سے الگ کرنے کے لیے دو تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں' ان میں سے ایک علی سعاوی کی قیادت میں جو اس جمعیت کا رکن تھا اور دوسری ماسونی تحریک جس کی بنیاد جمعیت کلانٹی سکالیری عزیز نے رکھی تھی۔

ان دونوں تحریکوں کو انگریز کی پشت پناہی حاصل تھی' یہ دونوں تحریکیں اگرچہ ناکام ہو گئیں لیکن انہوں نے سلطان کو بیرونی سوچ اور اس سے متاثر ہونے والے لوگوں کے بارے زیادہ متشدد بنا دیا۔ اسی دوران ایک اور خفیہ جماعت قائم ہوئی' اس میں استنبول حربی سکول کے جدید فکر طلبہ شامل تھے اور اس کا مقصد سلطان عبدالحمید کی حکومت کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس جمعیت (کلانٹی عزیز بیگ) کے ایک رکن علی شفقتی بیگ نابولی جنیوہ کی طرف فرار ہو گئے جہاں اس نے 1879-1881ء کے عرصہ میں ''استقبال'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں عثمانی حکومت پر تنقید کی جاتی تھی۔

1889ء میں استنبول کے آرمی میڈیکل سکول کے طلبہ پر مشتمل ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی کیونکہ اس کالج کے بعض اساتذہ

1۔ مذکرات السلطان عبدالحمید: ص 47

کسی نہ کسی صورت طلبہ کو حکومت کے خلاف اکساتے رہتے تھے اس طرح طلبہ میں جدید عثمانیہ طلبہ کے افکار پھیل چکے تھے۔ اس تنظیم کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم تیمو رومانی تھے جو اٹلی ماسونی مجالس سے بے حد متاثر تھے اس تنظیم کا نام رکھا گیا ''الاتحاد العثمانی'' اس تنظیم کے قیام کا اعلان جس دن ہوا وہ فرانس کے انقلاب کی سو سالہ تقریب کا دن تھا۔ اس تحریک کا مقصد بھی سلطان عبدالحمید کو برطرف کرنا اور مغربی ملکوں کی طرز پر ملک کو نئے دستوری خطوط پر چلانا تھا جیسے کہ انگلستان، فرانس، جرمنی اور ان ممالک کی طرح جو دستور، حریت اور جمہوریت کے دعویدار تھے۔(1)

ملٹری میڈیکل کالج سے ''جمعیت الاتحاد العثمانی'' کے افکار دوسرے کالجوں تک بھی پہنچ گئے۔ جمعیت الاتحاد کے یہ جتھے خفیہ طریقے سے جمعیت کارونا ری آف اٹلی کے نظام پر کاربند تھے۔

یہ جمعیت جلدی میں نہیں تھی نہ اپنے افکار کی اشاعت کے سلسلہ میں اور نہ ہی سلطان کے خلاف تحریک چلانے کے سلسلہ میں یہاں تک کہ احمد رضا بیگ بورصہ کے علاقہ میں جاری ادارۃ المعارف کی ادارت کے منصب پر فائز ہوا اور اس نے 1889ء میں پیرس کا سفر کیا وہاں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ وہ واپس نہیں جائے گا۔ تقریباً چھ سال کا عرصہ وہ فرانس میں مقیم رہا، اس دوران اس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی جو قابل ذکر ہوتی کہ اس نے 1890ء میں اپنا ''مشورات'' نامی ایک رسالہ جاری کیا۔

جمعیت الاتحاد کے موسس ابراہیم تیموذکر کرتے ہیں کہ وہ اپنے اوقات باہر گزارا کرتا تھا حتیٰ کہ 1895ء میں اس نے نئے ممبران کو منظم کرنے کی کوشش کی تاکہ انہیں انقلاب کی تربیت دی جائے، اس نے اس مقصد کے لیے خفیہ اجتماع کیے جدید عثمانی جمعیت کے ممبروں کی لکھی ہوئی ادبی کتابوں کا مطالعہ کیا جیسے نامق کمال ضیاء پاشا۔ اور شفقتی بیگ کی تحریروں کا بھی مطالعہ کیا جو کلانٹی موسونی تحریک کا ممبر تھا اور بھاگ کر یورپ میں قیام پذیر ہو چکا تھا۔(2)

جمعیت الاتحاد کے ممبران جو ملک کے اندر رہتے تھے اور جو ملک سے باہر یورپ میں قیام پذیر تھے کے درمیان خفیہ مراسلات کے نتیجہ میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ فوجی اور شہری مل کر سلطان عبدالحمید کے خلاف اقدام کریں۔ جمعیت کے ان دونوں دھڑوں یعنی شہری اور ملٹری کو ''جمعیت الاتحاد والترقی'' کا نام دیکر ایک منظم طریقے سے اقدام کرنے کا فیصلہ ہوا۔

عسکری حلقوں میں اس جمعیت کا نام ''جمعیت الاتحاد العثمانی'' تھا اور احمد رضا بیگ شہری ونگ کا نمائندہ تھا جو مشہور فلسفی ''اوگسٹ کانٹ'' کے افکار سے متاثر تھا، اس فلسفی کا دستور ''الانتظام والترقی'' تھا۔ احمد رضا نے لفظ ''ترقی'' کانٹ کے دستور سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے لیا اور فوجی ونگ نے الاتحاد کے نام کو باقی رکھا، یوں دونوں ونگ اپنی تنظیم کو ''الاتحاد والترقی'' کا نام دینے پر متفق ہو گئے۔(3)

''الاتحاد والترقی'' کے جتھے نے فوج کی مختلف یونٹوں اور ملک کے سول ملازمین میں ایک شور برپا کر دیا، پیرس میں دونوں ونگوں شہری اور عسکری کے اتفاق کے بعد سلطان عبدالحمید کے خلاف مل کر کارروائی کرنے کے بارے طریقہ کار کے بارے

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی، ص 279　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، ص 280,281

سوچ و بچار شروع ہوگئی۔ 24 جولائی 1908ء کو جمعیت نے سلطان کو مجبور کر دیا کہ وہ اس دستور کا اعلان کریں جس کو روکنے کا حکم وہ بہت پہلے 1877ء میں دے چکے تھے۔(1)

جمعیت الاتحاد والترقی کی سوچ داخلی اور خارجی دونوں پلیٹ فارمز پر تورانی مفاہیم پر زور دیتی تھی۔ طورانیت کا لفظ ترکوں کے وطن اصلی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور انہیں توران کے پہاڑ کی طرف منسوب کرتا ہے جو ایران کے شمال مشرق میں واقع ہے۔(2,3)

اتحاد و ترقی کی تحریک کے اندر کافی حد تک یہ سوچ پائی جاتی تھی کہ ترک روئے زمین کی قوموں میں سب سے پہلی قوم ہیں' تمام قوموں کی نسبت یہ لوگ زیادہ عزت و احترام کے لائق اور تہذیب و تمدن میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ترک اور منگولی ایک ہی قوم ہیں لہٰذا انہیں اپنی اصلیت کی طرف لوٹنا چاہیے اور ایک قوم کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے' اسے وہ لوگ تورانی اتحاد کا نام دیا کرتے تھے' یہ لوگ صرف ان ترکوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے جو سیبیریا' ترکستان' چین' فارس' قوقاز' اناضول اور روس کے علاقوں میں مقیم تھے بلکہ بہت سارے دوسرے علاقوں کے بسنے والوں کو بھی اپنی قوم میں شریک کرتے تھے' ان لوگوں کا نعرہ عدم توہین تھا' یعنی یہ سیکولر ذہن کے مالک تھے اور اسلامی اتحاد کے حق میں نہیں تھے وہ صرف تورانی قومیت کی حد تک مسلمانوں کے اتحاد کے قائل تھے' ان کے نزدیک یہ اتحاد مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا' انتہا نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ ترکوں کے آباؤ اجداد کے سابقہ دین یعنی بت پرستی کی طرف لوٹ جائیں' ان کے نزدیک ترکوں کو اپنے قدیم شعار کی پابندی کرنی چاہیے' ان کی ڈاک ٹکٹوں پر ترکوں کے قدیم بت بوزقوت یا سفید بھیڑیے یا سیاہ بھیڑیے کی تصویریں تھیں۔ انہوں نے ان کی تعریف میں نغمے بھی نظم کیے اور آرمی پر لازم کر دیا کہ وہ جب سورج غروب ہو تو ان نغموں کو گایا کریں' گویا یہ لوگ نماز کی جگہ بھیڑیے کو خراج عقیدت پیش کرتے تھے تا کہ اسلامی شعور کی جگہ قومی شعور بیدار ہو۔

اتلا' طغرک' چنگیز خان اور تیمور لنگ جیسے لوگوں کو وہ تاریخ میں اپنے ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ تورانیت کے اس نظریہ سے وہ اس قدر پیار کرتے تھے کہ وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہتے: ''ہم ترک ہیں اور ہمارا کعبہ توران ہے'' یہ لوگ چنگیز خان کے گانے گاتے تھے' مغلوں کی فتوحات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی جنگی کارروائیوں میں سے کسی کارروائی کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ چنگیز کے واقعات حرب کو بڑا سراہتے تھے اور ان کو نظم کے انداز میں پیش کر کے خوش ہوتے تھے اور اپنے اس ترک سردار پر فخر کرتے تھے۔ اس طرح کے نظریات کئی شعراء اور ادیبوں کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے جیسے فیا کوک الپ' یوسف اقتھور' جلال ساہر' یحییٰ کمال' حمد اللہ صحی' محمد امین بیگ شاعر اور کئی دوسرے ادیب اور مفکرین اور بہت سارے طلبہ اور نسل نو کے نمائندہ اور ادیب۔

تورانیت پر یہودیوں کے اثرات بالکل نمایاں تھے' اس سلسلہ میں نیازی برکس' اپنی کتاب ''المعاصرۃ فی ترکیا'' میں لکھتا

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 163 2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص 119 3۔ علامہ اقبال نے اس کے رد میں کہا تھا:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (مترجم)

ہے: انیسویں اور بیسویں صدی کے عرصہ میں یورپ کے یہودیوں اور دولت عثمانیہ کے اندر رہنے والے یہودیوں کا تورانی قومیت کے رجحان کو عام کرنے میں بہت بڑا کردار ہے۔ مغرب کے یہودی علماء مثلاً لومالی دافید' لیون کاہون' ارمیئیوس فامیری جیسے لوگوں نے تورانی قومیت کی فکر کے اصولوں کے بارے میں کتابیں شائع کیں۔ اسی طرح مقامی یہودیوں نے جو دولت عثمانیہ میں قیام پذیر تھے جیسے کراسوا' موئیز کوہین' ابراہام غالانتی نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ جمعیت الاتحاد و الترقی میں یہودیوں کو بھی رکنیت کا حق حاصل تھا بلکہ اتحاد و ترقی میں یہودی شاخ موجود تھی۔ محض اس لیے کہ جمعیت الاتحاد و الترقی عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹ دے اور خود تمام اختیارات حاصل کر لے' صیہونیت نے اس کے ساتھ اتحاد کیا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ جمعیت الاتحاد و الترقی جب برسراقتدار آئے گی تو یہ بلا تامل یہودیوں کے لیے فلسطین کو ان کا قومی وطن قرار دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔(1)

نیازی برکس اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ایک یہودی کا ذکر کرتا ہے' جس کا نام موئیز کوھین ہے' یہ شخص رینیہ بیلو کے بارے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

1. کوہین ہی دولت عثمانیہ میں تورانی قومیت کی فکر کی بنیاد رکھنے والا ہے۔
2. کوہین کی کتاب تورانی سیاست بائبل کا درجہ رکھتی ہے۔(2)

موئیز کوہین نامی یہودی یورپی اخبارات میں اتحاد و الترقی کی تحریک کو متعارف کرانے میں بہت زیادہ سرگرم رہا' یہ شخص عبرانی اور ترکی کے علاوہ دنیا کی کئی دوسری زبانیں بھی جانتا تھا' اس نے ابتداء ایک مقالہ سے کی جو فرانسیسی زبان میں ''ترک اپنی قومی روح کی تلاش میں ہیں'' کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔

موئیز کوہین نے تورانی عنصر کی پالیسی کو مرتب کرنے میں حصہ لیا جس پر جمعیت الاتحاد و ترقی گامزن ہوئی' اس پالیسی نے دولت عثمانیہ میں بسنے والی قوموں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور ان کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کر دی۔

دولت عثمانیہ کو ریزہ ریزہ کرنے کی غرض سے یہ یہودی ترکی قومیت کی سوچ کو پھیلانے میں مسلسل کوششیں کرتا رہا اور اس بارے کسی اکتاہٹ کسی سستی کا مظاہرہ نہ کیا' اس نے تین کتابیں تحریر کیں جن پر جمعیت الاتحاد و الترقی نے اعتماد کیا' یہ کتابیں تھیں: پہلی کتاب ''اس جنگ سے ترک کیا حاصل کر سکتے ہیں''۔ دوسری کتاب ''توران'' اور تیسری کتاب تھی ''ترکی بنانے کی پالیسی'' اسی طرح اس یہودی رائٹر نے کمالی سوچ کو پروان چڑھانے کے لیے بھی کتابیں تحریر کیں جیسے ''کمالیہ' روح ترکی'' جس میں ترکی قوم کی ترقی اور عروج کی تاریخ بیان کی۔(3)

جمعیت الاتحاد و الترقی نے ترکوں میں قومی احساسات کو ابھارنے کی کوشش کی' انہیں طورانیت کا خواب دکھایا اور ان کے ذہن میں اسلام کی جگہ جدید نظریات وطن' دستور اور آزادی پیدا کر دیے۔ یہ الفاظ عثمانیوں کے لیے بالکل نئے تھے' بہت سے پڑھے لکھے ترک جوان اس جمعیت کے رکن بن گئے' ان کے علاوہ ڈونمہ تحریک کے یہودی بھی شامل ہوئے جن کا مقصد

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص 119 | 2۔ ایضاً: ص 122 | 3۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 168

عبدالحمید ثانی کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔(1)

پانچویں بحث

سلطان عبدالحمید الثانی کی حکومت کا تختہ الٹنا

سلطان عبدالحمید ثانی جمعیت الاتحاد والترقی جس کی پشت پناہی یہودی ماسونی مجالس اور مغربی ممالک کرر ہے تھے، سے پوری طرح چوکنا تھے۔ سلطان کی خبر رساں ایجنسیوں نے انہیں اس تحریک سے آگاہ کر دیا تھا اور اس کے بارے مکمل معلومات بھی فراہم کر دی تھیں لیکن یہ تحریک اب کافی طاقت حاصل کر چکی تھی اور اس کے اراکین پر قابو پانے کا وقت نکل چکا تھا' ان کے حوصلے اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ انہوں سلانیک' مناستر' اسکوب اور سوسن کے علاقوں میں لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دستور کی بحالی کے لیے آواز بلند کریں اور مطالبہ کریں کہ پارلیمنٹ کو دوبارہ کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ واقعہ جولائی 1908ء کا ہے' بہت سارے اسباب ہیں جن کی بناء پر جمعیت الاتحاد والترقی نے سلطان عبدالحمید ثانی کو اس وقت کرسی خلافت پر باقی رکھا جن میں چند درج ذیل ہیں۔

❶ 1908ء میں جمعیت الاتحاد والترقی کے پاس سلطان کو معزول کرنے کی پوری طاقت نہیں تھی۔

❷ عبدالحمید نے ان کے بارے نرمی کی پالیسی اختیار کی اور ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے دستور کی بحالی کا اعلان کر دیا۔

❸ عثمانی قوم سلطان عبدالحمید سے محبت کرتی تھی اور یہ بات بالکل واضح تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اتحاد وترقی کی کمیٹی کے اندر یہ جرات نہیں تھی کہ وہ فوج میں سلطان عبدالحمید کے خلاف پراپیگنڈا کرتی کیونکہ فوج سلطان کا بے حد احترام کرتی تھی۔(2)

عالم صہیونیت نے صرف دستوری تبدیلی (جو 1908ء میں ہوئی) پر اکتفانہ کیا بلکہ اس نے جمعیت الاتحاد والترقی کے ساتھ تعاون کر کے فلسطین کے بارے اپنے اہداف کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ بالآخر سلطان عبدالحمید سے نجات حاصل کی جائے' اسی لیے ملک میں افراتفری پھیلانے کے لیے منصوبہ بندی کی گئی جس کے نتیجہ میں استنبول میں 31 اپریل 1909ء کے واقعات رونما ہوئے اور نتیجۃً ہر طرف ہلچل مچ گئی اور جمعیت الاتحاد والترقی کے کچھ لوگ مارے گئے۔ تاریخ میں اس واقعہ کو 31 مارچ کے واقعات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہودی یورپی منصوبہ بندی کے ذریعے دار الحکومت میں بڑی بے چینی پیدا کر دی گئی' ان واقعات کے فوراً بعد سلانیک اور استنبول کے اندر اتحاد وترقی کا لشکر حرکت میں آ گیا اور انہوں نے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی کو اپنے تمام شہری اور دینی اختیارات سے معزول کر دیا پھر جمعیت الاتحاد والترقی نے ان پر درج ذیل الزامات عائد کیے۔

❶ 31 مارچ کے واقعہ کی منصوبہ بندی کی۔

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص168 2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص50

● قرآن کریم کے نسخوں کو جلایا۔
● فضول خرچی کا ارتکاب کیا۔
● ظلم کیا اور خونریزی کی۔(1)

جمعیت الاتحاد والترقی اگرچہ اسلام اور فکر اسلامی سے بالکل متضاد مغربی افکار کو اپنا چکی تھی لیکن لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے دین کا نعرہ لگایا اور سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف اپنی جنگ میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے قرآن و حدیث کی باتیں کی اور وہ اس سلسلے میں پوری طرح کامیاب رہے۔

جمعیت اپنے بیانات میں عثمانیوں سے کہتی: ''اے عثمانیو! ہمارا مقصود مملکت اور خلافت کی سلامتی ہے' کوئی شخص اس حقیقت سے ناواقف نہ رہے''۔ ''اللہ تعالیٰ کی مدد اور مسلمان بھائیوں کی ہمت و کوشش سے''۔ ''اے مسلمانو! ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم نے ایک جابر سلطان' بے ایمان شخص سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے کردار ادا کیا جس نے قرآن کریم کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا ہے اور اسی طرح ضمیر اور ایمان کی آواز کو کچل ڈالا ہے''۔ ''اے امت محمدیہ! جاگو' بہادری' شجاعت اے مسلمانو! بہادری ہماری طرف سے اور مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔'' نصر من اللہ وفتح قریب'' اے توحید پرست مسلمانو! پڑھ اپنے رب کے نام سے'' اے مسلمان جو توحید باری تعالیٰ پر کامل یقین رکھتا ہے' اٹھ اور اپنے دین کو اور اپنے ایمان کو ظالموں کے ہاتھ سے رہائی دے' اپنے آپ کو رہائی دے! شیطان ایک ظالم شخص کے روپ میں سر پر تاج خلافت سجائے بیٹھا ہے' اس کے ہاتھ میں تیرا دین و ایمان ہے' اپنے دین کو اس کے ہاتھوں سے نجات دے' اپنے ایمان کو بچا' اے مسلمان جو توحید پر یقین رکھتا ہے''۔ ''اے مسلمانو! سلطان عبدالحمید از روئے شریعت سلطان نہیں اور نہ ہی وہ خلیفہ ہے جو شخص ہماری اس بات کی تصدیق نہیں کرتا وہ کتاب و سنت کو دیکھ لے' ہماری جمعیت نے قرآنی آیات' احادیث نبویہ' اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو حکومت اور اس ملک میں بسنے والے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے''۔

لیکن سلطان عبدالحمید نے اللہ اور اس کے احکام سے منہ پھیر کر نفرت کا اظہار کیا' لوگوں پر مظالم ڈھائے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے بھی اسے شرم نہیں آئی' اس لیے ہماری قوم کو اس کے خلاف مسلح بغاوت کرنی چاہیے اگر ہماری قوم ایسا نہیں کرے گی تو عبدالحمید کے مظالم کا گناہ بھی اس کے ذمہ ہوگا۔(2)

جمعیت الاتحاد والترقی کے نظریات میں بنیادی نظریہ ماسونیت تھا' یہ لوگ کسی دین کو نہیں مانتے تھے' فلسفہ وضعیہ (عقلیت جو دین کی نفی کرتا ہے) اور سیکولرازم کے پیرو تھے (یعنی دین سے سیاست کو جدا کرنا) لیکن ان نظریات کے باوجود اتحادی انقلابیوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دین کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا اور دین کے حوالے سے سلطان پر الزامات عائد کیے۔(3)

وہ تمام الزامات جو سلطان عبدالحمید پر لگائے گئے علمی تحقیق کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ تمام دلائل ان کو تمام

1۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 282,283 2۔ ایضاً ص 283 3۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ: ص 50

الزامات سے بری ثابت کرتے ہیں۔ دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ 31 مارچ کے واقعات میں سلطان کا ہاتھ نہیں تھا اور نہ ہی سلطان کو ان حادثات کی پیشگی کوئی اطلاع تھی' اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ سلطان عبدالحمید جیسا شخص قرآن کریم کے نسخوں کو آگ لگائے' سلطان کا تقویٰ و پرہیزگاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی اور نہ ہی نماز کا ترک اور عبادت میں سستی کے حوالے سے لوگوں میں وہ معروف تھے' اسی طرح وہ فضول خرچی نہ کرنے کے معاملے میں شہرت رکھتے تھے' ان کے پاس مال و دولت کی ہمیشہ بہتات رہتی تھی' اسی وجہ سے انہوں نے اپنی ذاتی دولت سے ملک کے کندھوں سے بہت سا بوجھ اتارا' رہی خون ریزی اور ظلم تو سلطان عبدالحمید نے کبھی بھی ایسی پالیسی اختیار نہیں کی' اس حوالے سے ان کی شہرت اچھی تھی اور وہ ظالم مشہور نہیں تھے۔(1)

اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ انقلابیوں نے مفتی اسلام محمد ضیاء الدین کو مجبور کیا کہ وہ سلطان عبدالحمید کو برطرف کرنے کا فتویٰ صادر کریں اور اس بات کا اعتراف انقلابیوں کو کرنا پڑے گا کہ مفتی اسلام سلطان کو معزول کرنے کے حق میں نہیں تھے' بہرحال منگل کے روز 27 اپریل 1909ء کو مجلس الاعیان (دارالامراء) کے 240 ممبر ایک مشترکہ میٹنگ میں شریک ہوئے اور بالاتفاق سلطان عبدالحمید کو حکومت سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ فتویٰ کا مسودہ شیخ نائب حمدی آفندی حالی نے لکھا لیکن امین الفتوی نوری آفندی جسے اس میٹنگ میں بلایا گیا تھا' نے فتویٰ کا مسودہ لکھنے سے انکار کر دیا اور اس نے دھمکی دی کہ اگر اس فتویٰ میں ترمیم نہ کی گئی تو وہ اپنے منصب سے سبکدوش ہو جائے گا' اس ترمیم کے بارے بہت سے ممبروں نے بھی اس کی تائید کی چنانچہ اس فیصلے کی آخری شق میں تبدیلی کر دی گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ مجلس نمائندگان ہی سلطان عبدالحمید کی تنزلی یا علیحدگی کی درخواست کا فیصلہ کرے گی۔

فتویٰ کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

''اس فیصلے پر شیخ الاسلام محمد ضیاء الدین آفندی کے دستخط ہوئے اور مجلس نمائندگان نے بالاجماع اس سے اتفاق کیا ہے جب کہ مسلمانوں کا امام زید دینی کتابوں سے اہم شرعی مسائل کو نکالنے اور انہیں نظرانداز کرنے کو اپنا معمول بنا لے' قرآن و سنت کے استہزاء کے ساتھ ساتھ وہ فضول خرچی کا بھی مرتکب ہو۔ بیت المال میں اسراف کرے' شرعی قوانین کی مخالفت' قتل و غارت' حبس بے جا' کسی شرعی سبب کے بغیر رعایا کی ملک بدری اور دوسرے مظالم کے ساتھ اتفاق کرے' پھر اپنی گمراہی سے رجوع پر قسم کھائے لیکن پھر قسم توڑ کر دوبارہ ایسے امور کا التزام کرے' فتنہ و فساد کی آگ روشن کرے تاکہ تمام مسلمانوں کو اس آگ میں جھونک دے اور پورے عالم اسلام سے زید کے بارے مسلسل یہ مطالبہ کیا جائے کہ اسے حکومت سے الگ کر دیا جائے اور یہ بات بھی مشاہدہ میں ہو کہ اگر اس شخص کو اس منصب پر برقرار رکھا گیا تو اس سے بہت زیادہ نقصان ہوگا اور اس کی معزولی میں ملک کی صلاح و فلاح یقینی ہوگی تو کیا اہل حل و عقد اور ذمہ دار لوگوں پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ زید مذکور کو خلافت سے الگ کر دیں؟''

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 410

جواب: ہاں واجب ہے(1)

یہ فتویٰ ملی کونسل کے مشترکہ اجتماع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اتحادی ممبران پارلیمنٹ چیخ اٹھے' ہم انہیں تخت سے اتارنا چاہتے ہیں۔ گفت وشنید کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی کو حکومت سے برطرف کرنے پر اتفاق ہوگیا۔(2)

جمعیت اتحاد وترقی کے ایماء پر ایک کمیٹی بنائی گئی جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ خلیفۃ المسلمین' دولت عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید ثانی کو برطرف کرنے کے اس فیصلے سے انہیں آگاہ کرے۔ یہ کمیٹی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

1. ایمانویل قراصو: یہ ایک ہسپانوی یہودی تھا جو جوان ترکوں کی تحریک میں سب سے پہلے شامل ہونے والے لوگوں میں سے تھا' جمعیت اتحاد وترقی نے اس کو ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرے گا اور انہیں سلطان عبدالحمید ثانی کی مخالفت پر ابھارنے کے ساتھ ساتھ سلانیک اور استنبول کے درمیان خبر رسانی کے سلسلہ کو یقینی بنائے گا۔ قراصو پیشے کے لحاظ سے وکیل تھا' جمعیت الاتحاد والترقی عثمانی پارلیمنٹ تک اسے پہنچانے میں کامیاب رہی۔ ایک دفعہ اس نے سلانیک کی نمائندگی کی اور دوسری مرتبہ استنبول کی۔ انگریزی مصادر میں اسے جمعیت الاتحاد والترقی کے قائدین میں شمار کیا گیا ہے' جنگ کے دوران اس نے گزراوقات کے لیے انسپکٹر کی نوکری کی اور اس منصب پر رہ کر بہت زیادہ دولت کمائی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اٹلی کے لیبیا پر قبضہ میں اہم کردار ادا کیا جس کے بدلے اٹلی نے اسے بے تحاشا دولت سے نوازا۔ دولت عثمانیہ میں رہتے ہوئے اس نے خیانت کی اور فرار ہو کر اٹلی چلا گیا اور اٹلی کی شہریت حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے وہاں مقیم ہوگیا۔ یہ شخص ترےسنا میں 1934ء میں فوت ہوا۔ دولت عثمانیہ میں قیام کے دوران یہ شخص مجلس مقدونیا یز ولتا ماسونی کا سب سے بڑا استاد تھا۔

2. کمیٹی کا دوسرا اہم رکن آرام نامی شخص تھا جو ارمنی تھا اور عثمانی پارلیمنٹ کا رکن تھا۔

3. اسعد طوبطانی: یہ شخص البانوی النسل تھا اور مجلس نمائندگان میں منطقہ دراج کی طرف سے نائب تھا۔

4. عارف حکمت: یہ شخص پارلیمنٹ کا ممبر اور بحری فوج سے تعلق رکھتا تھا' نسلاً اعراق کے قبیلہ کرج سے تھا۔(3)

سلطان عبدالحمید اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کی تفصیلات کو یوں تحریر کرتے ہیں: "جس چیز کا مجھے دکھ ہے وہ اختیارات سے علیحدگی نہیں ہے بلکہ وہ گستاخانہ سلوک ہے جو اسعد پاشا نے میرے ساتھ کیا' اس کی گفتگو ادب کی تمام حدود سے باہر تھی' میں نے ان سے کہا: میں شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں اور مجلس نمائندگان کے فیصلے کو بھی تسلیم کرتا ہوں' یہ اللہ عزیز وعلیم کا فیصلہ ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ میرا ان واقعات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو 31 مارچ کو رونما ہوئے پھر میں نے مزید کہا جو الزام تم مجھ پر لگاتے ہو یہ بہت بڑا الزام ہے' اس گفتگو کے بعد عبدالحمید نے قرصو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "خلافت کے معاملے میں اس یہودی کا کیا کام؟ تم کس مقصد کے لیے اس شخص کو میرے سامنے لائے ہو؟"(4)

یہودی اور ماسونی تحریک سے وابستہ لوگوں کے لیے یہ عید کا دن تھا' یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور سلانیک کے شہر میں بہت بڑا مظاہرہ کیا۔ ماسونیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان مظاہروں کی تصویریں ڈاک ٹکٹوں پر شائع کیں تاکہ عثمانی ترکی

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص410 2۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص51 3۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص219 4۔ ایضاً ص220

کے بازاروں میں انہیں بیچا جائے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا' اتحادی ہمیشہ فخر کرتے رہے کہ وہ ماسونی ہیں' تحریک اتحاد و ترقی کے انقلاب کی کامیابی کے بعد رفیق مانیا سی زادہ نے پیرس سے نکلنے والے فرانسیسی اخبار ''تمبس'' کو جو بیانات دیئے اس میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ...... ''مالی اور اخلاقی امداد جو ہم نے اٹلی کی ماسونی جمعیت سے حاصل کی' اس نے ہمیں اتنی بڑی امداد اس لیے فراہم کی کہ ہمارا اس کیساتھ گہرا ربط و تعلق ہے''۔(1)

صیہونیت اور ماسونیت کے ساتھ جمعیت اتحاد و ترقی کے اس تعلق کی سلطان عبدالحمید نے بھی اپنے ایک خط میں نشاندہی کی جو انہوں نے شیخ ابوالشامات کی خدمت میں بھیجا جو سلسلہ شاذلیہ کے بزرگ اور سلطان کے مرشد تھے۔ یہ خط خلافت سے برطرفی کے بعد 1329ء کو لکھا گیا(2)۔ اس خط میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ:

''ان اتحادیوں نے مجھ سے پرزور مطالبہ کیا کہ میں ارض مقدس (فلسطین) میں یہودیوں کے لیے قومی وطن کی بنیاد کی منظوری دے دوں لیکن ان کے انتہائی اصرار کے باوجود میں نے قطعی طور پر اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انہوں نے 150 ملین انگریزی سونے کے لیرے کی خطیر رقم دینے کی پیشکش کی لیکن میں نے قطعی طور پر اس پیشکش کو بھی قبول نہ کیا اور انہیں یہ اٹل جواب دیا کہ اگر تم لوگ دنیا کے برابر بھی سونا دو گے تو بھی میں یہ منظوری ہرگز نہیں دوں گا''۔

میں نے 30 سال سے زائد عرصہ تک ملت اسلامیہ اور امت محمدیہ کی خدمت کی ہے' میں مسلمانوں کی تاریخ کو ہرگز سیاہ نہیں بناؤں گا۔ میرے اس جواب کے بعد یہ لوگ مجھے برطرف کرنے پر متفق ہو گئے اور مجھے آ کر بتایا کہ وہ مجھے سلانیک کی طرف لے جائیں گے' میں نے اس آخری ذمہ داری کو قبول کر لیا' یہ ہے ساری بات۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ میں نے اس کی توفیق سے عالم اسلام کو اس ابدی عار سے آلودہ نہیں کیا جس پر لوگ مجھے مجبور کر رہے تھے یعنی ارض مقدس فلسطین میں یہودی دولت کے قیام کی منظوری دے کر۔(3)

ترکی کے معروف جریدہ ''بویوک ضوغو'' کی 2 مئی 1947ء شمارہ 61 کی اشاعت کے ایک مقالہ میں مقالہ نگار ''محرم فوزی طوغای'' فلسطین اور یہودی مسئلہ کے عنوان سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''سلطان عبدالحمید نے فلسطین میں یہودی سلطنت کے قیام کے ہدف کو پورا نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں حد سے بڑھ کر ذمہ داری قبول کی حتیٰ کہ اپنی حکومت کو داؤ پر لگا دیا۔ بعد میں یہ چیز (یہودی سلطنت کا قیام) پوری دولت عثمانیہ کی تباہی کا باعث بن گئی' حالانکہ وہ جانتے تھے جیسا کہ نظام الدین لبہ ذنخلی اوغلو اپنے ایک لیکچر ''دولت عثمانیہ کے خاتمے میں یہودیوں کا کردار'' میں کہتے ہیں کہ ''یہودی کافی وسائل رکھتے تھے' وہ بڑے منظم طریقے سے کام کرتے تھے اور ہر کام میں کامیابی حاصل کر لیتے تھے' مال و دولت کی ان کے پاس کمی نہیں تھی' مختلف ممالک کے مابین ہونے والی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی' یورپ کی صحافت ان کی ملکیت میں تھی اور ماسونی مجالس پر انہیں کو اجارہ داری حاصل تھی''۔(4)

حرکت الاتحاد والترقی کے بعض چوٹی کے لیڈروں نے بعد میں اس بات کا انکشاف کیا کہ وہ ماسونی اور صیہونی طاقتوں کا

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 221 2۔ ایضاً: ص 223 3۔ ایضاً: ص 223 4۔ السلطان عبدالحمید الثانی: ص 88

آلہ کار بن بیٹھے: نور پاشا جنہوں نے 1908ء کے انقلاب میں اہم کردار ادا کیا' جمعیت الاتحاد والترقی کے ایک اور رکن جمال پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''جمال کیا آپ جانتے ہیں ہماری کیا غلطی ہے؟ پھر بڑے حسرت بھرے انداز میں خود ہی جواب دیتے ہیں کہ'' ہم سلطان عبدالحمید کو نہیں سمجھ سکے اور صیہونیت کے ہاتھوں میں آلہ کار بن کر رہ گئے' عالمی ماسونیت نے ہمارے ذریعے اپنے ذاتی مقاصد حاصل کیے ہیں' ہم نے اپنی تمام کوششیں صیہونیت کے نام وقف کی ہیں اور یہی ہمارا گناہ ہے''۔(1)

اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے آرمی سے تعلق رکھنے والے اتحادیوں کے ایک لیڈر ایوب صبری لکھتے ہیں: ''ہم یہودیوں کے جال میں پھنس گئے' ہم نے سنہری لیرہ (نوٹوں) کی صرف 2 پلیٹیں لے کر ماسونیوں کی وساطت سے یہودی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کام کیا حالانکہ انہوں نے 30 ملین سنہری لیرہ کی خطیر رقم سلطان عبدالحمید کو پیش کی لیکن انہوں نے اتنی بڑی رقم کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا''۔(2)

اس بارے برنارڈ لوئیس کہتا ہے: ''سلطان عبدالحمید کو تخت خلافت سے الگ کرنے کے لیے ماسونی بھائیوں اور یہودیوں نے خفیہ طریقہ سے ایکا کرلیا کیونکہ سلطان یہودیوں کے طاقتور مدمقابل تھے اور انہوں نے فلسطین میں یہودیوں کو ایک بالشت زمین دینے سے بھی انکار کر دیا تھا''۔(3)

اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ترکی کی رفاہ پارٹی کے لیڈر مجاہد کبیر نجم الدین اربکان نے کہا: ''ماسونی تحریک نے سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے کی سخت کوشش کی' سب سے پہلی محفل جس کا عثمانی ترکی میں افتتاح ہوا' اس کا افتتاح کرنے والا شخص امیل قرہ صو ہے جو یہودی ہے' سالونیکا کے علاقے کے افسران اس کے ساتھ مل گئے تھے''۔(4)

عبدالحمید کی معزولی کے بعد سلانیک کے یہودی اخبارات نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اسرائیل کے سب سے بڑے دشمن سے نجات مل گئی ہے' ان اخبارات نے یہ بھی کہا جیسا کہ اس بارے لوتھر لکھتا ہے۔

''سلطان عبدالحمید کی برطرفی کے بعد سلانیک میں یہودی اخبارات نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اسرائیل کے دشمن سے خلاصی پر ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دی گئیں جس نے 2 مرتبہ ہرتزل کے مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور جس نے ہمارے لیے سرخ کارڈ (ویزہ) جاری کیا تھا جس کی وجہ سے ہم سے غیر ملکیوں جیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا''۔(5)

سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف میڈیا کی پروپیگنڈا مہم پورے زور شور سے جاری رہی' اس مہم میں دشمنان اسلام کے سامنے درج ذیل اہداف تھے۔

(1) اراکین اتحاد وترقی کا دفاع اور سلطان عبدالحمید کی حکومت کو ختم کرنے میں ان کے کردار کو جواز مہیا کرنا تاکہ ملک اپنی اصلی حالت پر واپس آ جائے۔

(2) جمعیت اتحاد وترقی کی حکومت کی ناکامی پر پردہ ڈالنا' اتحاد وترقی کے ذمہ داروں نے قوت اور سختی کا سہارا لیا اور ملک

1۔ الیہود والدولۃ العثمانیہ: ص 228 2۔ ایضاً ص 229 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً ص 230

کے باسیوں کے درمیان اختلاف کو ہوا دی تھی۔

③ مصطفیٰ کمال اتاترک جیسے ملحد' باغی کے عہد حکومت کی روشن تصویر کشی کرنا' اس کے اعوان و مددگاروں کو مخلص ثابت کرنا' یہودیوں' انگریزوں اور مغربی ملکوں کے ایجنٹوں کے تصرفات کو جواز مہیا کرنا جنہوں نے خلافت' سلطنت کو ختم کر کے ترکی جمہوریت کا اعلان کیا تھا۔

④ سلطان عبدالحمید کی سیرت و کردار کو داغدار کرنا جنہوں نے فلسطین میں یہودی اہداف کے خلاف یہود مخالف پالیسی اپنائی ہوئی تھی۔(1)

حقیقت یہ ہے کہ اگر سلطنت عثمانیہ ایک مضبوط' مستحکم اور بلند ترین سلطنت نہ ہوتی تو سازشوں کی ان زوردار آندھیوں کی وجہ سے تنکوں کی طرح اڑ جاتی اور اس کا نام ونشان تک مٹ جاتا اور اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہی اس کی بساط لپیٹ دی جاتی لیکن 2 صدیوں تک یہ عظیم سلطنت استعماری حملوں' یہودی سازشوں اور ماسونی مکر وفریب کا بڑی جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی اگرچہ یہ سلطنت بہت کمزور ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود خم ٹھونک کر دشمنان اسلام کے سامنے کھڑی تھی' اس کمزوری کی ذمہ داری سلطان عبدالحمید پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

سلطان عبدالحمید نے جب عنان خلافت سنبھالی تو ملک یورپی استعماریت کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو چکا تھا جو ایک طویل عرصہ سے اس عظیم مملکت کے خاتمے کے لیے منصوبہ بندی کرتے چلے آ رہے تھے۔(2)

چھٹی بحث

اتحادیوں کی حکومت اور دولت عثمانیہ کا اختتام

سلطان عبدالحمید ثانی کے بعد سلطنت اور خلافت کی ذمہ داری ان کے بھائی محمد رشاد نے قبول کی لیکن حقیقت میں عملاً ان کے ہاتھ میں کسی قسم کے اختیارات نہیں تھے۔ سلطنت کے جملہ اختیارات جمعیت الاتحاد والترقی کے ہاتھ میں تھے۔ عثمانی حکومت مفہوم کے حوالے سے ایک ترکی لیکن اپنی عصبیت کے حوالے سے قومی حکومت کا روپ دھار چکی تھی جبکہ اس سے پہلے وہ اپنے نام کے لحاظ سے عثمانی اور عصبیت کے لحاظ سے اسلامی حکومت تھی۔ جمعیت الاتحاد والترقی تورانی قومیت کے افکار و نظریات سے کافی حد تک متاثر تھی جو تمام ترکوں کی آزادی کی دعویدار تھی' اس جمعیت کے ارکان دعویٰ کرتے تھے کہ اناضول اور وسطی ایشیا کے مسلمان ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان افکار میں جو بالآخر آہستہ آہستہ جمعیت کے مصنفین کی کوششوں سے سامنے آئے جن میں سرفہرست میں موئیز کوہین یہودی اور معروف ترکی رائٹر ضیاء کوک آلپ کے نام آتے ہیں۔ ترکی قومیت پرستی کی پالیسی کو سامنے لایا گیا' اس مقصد کے لیے ترکی زبان کو ملک کی واحد سرکاری زبان قرار دیا گیا اگرچہ عربی زبان بھی ساتھ ساتھ رہی لیکن زیادہ تر انحصار ترکی پر کیا گیا چنانچہ ترکی قومیت کے مقابلے میں عربی قومیت کی تحریک شروع ہو گئی۔

1۔ الدولۃ العثمانیۃ' ڈاکٹر شناوی (2/1018-1023) 2۔ الدولۃ العثمانیۃ: ڈاکٹر شناوی (2/1061)

عربوں نے "لامرکزیت پارٹی" بنائی' جس کے تحت غیر ترکی صوبے خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے اور استنبول سے باہر کسی قوت کے سامنے سر جھکانے لگے' ان لوگوں نے خفیہ جمعیتیں تشکیل دیں' جیسے عبدالکریم خلیل اور عزیز علی مصری کی الجمعیۃ القحطانیہ' الجمعیۃ العربیہ الفتاۃ جسے 1329ھ میں جمعیت ترکیا الفتاۃ کے طریقہ پر پیرس میں تشکیل دیا گیا' عرب طلبہ جو پیرس میں مقیم تھے' مغربی افکار بالخصوص قومی عصبیت کے اصولوں سے بہت بری طرح متاثر ہو رہے تھے' ان میں سے بعض تو ماسونی اصطلاحات بھی استعمال کرتے تھے' ان تحریکوں کا مقصد پورے عرب خطہ کو آزاد کرنا تھا کچھ عرصہ بعد ان تحریکوں کا مرکزی دفتر پیرس سے منتقل ہو کر بیروت اور پھر دمشق میں آ گیا یہاں ان جمعیتوں کے اراکین بالخصوص عرب نصرانیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

1331ھ میں بیروت کے اندر الجمعیۃ الاصطلاحیہ کی تشکیل ہوئی' اس نے المہجر میں جمعیت النہضۃ الالبنانیہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور ان دونوں جمعیتوں نے مل کر 1331ھ کو حکومت فرانس کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں فرانس سے یہ گزارش کی کہ وہ شام اور لبنان پر قبضہ کرے' اسی دوران بعض عراقی ماڈرن جوان انگریزوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ برطانیہ نے اصلاح کے بعض پروگراموں کی نگرانی میں ان کی مدد کی بلکہ ملک پر برطانیہ کے قبضہ تک یہ لوگ انگریزوں کا ساتھ دیتے رہے۔(1)

جب اتحادیوں نے ان عرب جمعیتوں کے اراکین کو گرفتار کیا تو "العربیہ الفتاۃ" نے 1332ھ/1913ء میں پیرس کے اندر ایک عربی کانفرنس منعقد کی۔ فرانسیسیوں نے اجتماع کے انعقاد کے لیے مناسب جگہ فراہم کی اور کانفرنس میں موجود اراکین نے درج ذیل فیصلے کیے۔

❶ جلد از جلد اصلاحات کے نفاذ کی کوشش۔
❷ مرکزی ادارہ کے ساتھ عربوں کو شریک کرنا۔
❸ تمام عربی صوبوں میں عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دینا۔
❹ عربوں کے لیے مقامی ملٹری خدمات کا فیصلہ الا یہ کہ ان کی کسی اور جگہ ضرورت ہو۔
❺ ارمن قوم کی خواہشات کے بارے نرمی اختیار کرنا۔

ان جمعیتوں کے اراکین نے اس بات پر زور دیا کہ ان کی تحریک کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' اس لیے کانفرنس میں مسلمانوں اور نصرانیوں کی تعداد کو برابر برابر رکھا گیا' اس کانفرنس کی سربراہی عبدالحمید الزہراوی نے کی۔(2)

فرانس نے اس کانفرنس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں' اس کانفرنس میں فرانس کے بہت سارے نمائندے شریک تھے پھر اس کے فیصلوں کو نشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی (1333ھ-1337ھ/1914ء-1918ء) ترکی نے وسطی ملکوں "جرمنی اور آسٹریا" کا ساتھ دیا جبکہ انگریز "حسن مکماھون" کے ساتھ خط و

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ' ڈاکٹر علی حسون: ص249
2۔ حاضر العالم الاسلامی: ڈاکٹر جمیل مصری (109/1)

کتابت کر کے عربوں کو اتحادیوں ''برطانیہ' فرانس اور روس'' کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ عربی قومیت کی سوچ ختم ہو کر رہ گئی اور عرب اور ترکوں کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔(1)

جنگ میں شکست کے بعد ترکی کا سقوط عمل میں آیا اور اتحادی ملکوں اور یونان نے اس کے مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

آستانہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا اور خلیفہ کی حیثیت اس میں قیدی کی سی ہو کر رہ گئی۔

سلطان عبدالحمید کی برطرفی اور جمعیت الاتحاد والترقی کی حکومت کا قیام دراصل اس منصوبے کو پورا کرنے کی طرف پہلا اقدام تھا جو جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد مختلف مراحل میں پورا ہوا' ہم اس کی تلخیص ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

❶ عالم اسلام جو دولت عثمانیہ کے زیر نگیں تھا کہ حلیفوں میں تقسیم کرنے پر اتفاق' یہ فیصلہ سائیکس بیکو کے خفیہ معاہدہ (1334ھ بمطابق 1916ء) میں اس وقت سامنے آیا جب عربوں کے ساتھ خود مختاری کا وعدہ کیا گیا' اس معاہدہ کے اہم نقاط درج ذیل ہیں۔

☆......جنوبی عراق برطانیہ کا جبکہ شام کا شمالی ساحل (لبنان) فرانس کی ملکیت ہوگا۔

☆......شمالی عراق اور شام کے وسطی اور جنوبی علاقوں پر مشتمل 2 ملک بنائے جائیں گے' پہلے ملک پر برطانیہ کا قبضہ ہوگا جس میں شمالی عراق اور مشرقی اردن کے علاقے شامل ہونگے اور دوسرا ملک فرانس کے قبضے میں ہوگا جس میں وسطی شام اور جزیرہ فرانیہ کے علاقے شامل ہونگے۔

☆......فلسطین ایک الگ ملک ہوگا۔

☆......آستانہ اور تنگنائے باسفورس اور دردانیل کے علاقے روس کے قبضے میں ہوں گے۔(2)

22 نومبر 1917ء بمطابق محرم الحرام 1326ھ کو بلفور کے اعلان کے مطابق فلسطین میں یہودیوں کی قومی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

3- ترکی نے مغربی اقدار کی تحریک کی غلاظت کو تسلیم کر لیا اور اسلامی اقدار کو ملک سے نیست و نابود کر کے اسلامی ترکی کو مغربی ترکی سے بدل دینے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا' دوسرے لفظوں میں سلطان عبدالحمید کی برطرفی اور اتحادیوں کے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی اس دور کا آغاز ہو گیا کہ جس میں حکام اور استعماریت دونوں نے دولت عثمانیہ کے خاتمے' تورانی اتحاد کے رنگ کو نمایاں کرنے اور ترکوں اور عربوں کے درمیان تعلقات کو اس نہج پر پہنچانے پر اتفاق کر لیا جہاں سے ان دونوں کے درمیان اتحاد کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں اور نفرت اور بغض و اعناد انتہا کو پہنچ گیا' یہی وہ چیز تھی جو ملک کے زوال' عرب علاقوں کی مغرب کے ہاتھوں تقسیم اور فلسطین میں یہودی سلطنت کے قیام کا سبب بنی۔(3)

اتحادیوں نے ملک کا رخ دین کی بجائے قومیت کی طرف پھیر دیا اور جب انگریز استنبول (آستانہ) پر قابض ہوئے تو خلیفہ ان کے ہاتھوں میں قیدی بن کر رہ گیا اور عملاً سیادت برطانیہ کے سامی القنسل نمائندہ اور جرنل ہازنجتون (استنبول میں

1- حاضر العالم الاسلامی: ڈاکٹر جمیل مصری (110/1) 2- ایضاً 3- ایضاً

معاہدین (افواجوں کا سپہ سالار اعظم) کے ہاتھ میں چلی گئی۔(1)

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے کھیلا جانے والا کھیل اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا' اب ایک ایسے مصنوعی ہیرو کی ضرورت تھی جس کے سامنے سے حلیفوں کے لشکر ہائے جرار فرار ہوتے دکھائے جائیں جو ملت اسلامیہ سے تعلق رکھتا ہو وہ ملت جو مایوسی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے اس شخص کو ایک ایسے ڈرامائی انداز میں سامنے لایا جائے کہ یہ اس قوم کے دل جیت لے۔ مسلمان اسے اپنا نجات دہندہ محسن اور ہیرو یقین کرنے لگیں تا کہ اس کے ہاتھوں مسلمانوں میں جو رہی سہی طاقت باقی ہے' اس کو ختم کر کے اسلامی علاقوں پر قبضہ کیا جائے۔ یہ سکیم ترکی کو تقسیم کرنے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی ان سینکڑوں سکیموں سے یقیناً بہتر تھی جو وقتاً فوقتاً بنائی گئی تھیں۔(2)

انگریز نے اپنی خبر رساں ایجنسیوں کی وساطت سے ایسا ہی ایک ہیرو تراشنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مصطفیٰ کمال پاشا حلیفوں اور یونانیوں سے جنہوں نے ازمیر پر برطانیہ کے ذریعے 1338ھ میں قبضہ کر لیا تھا اور اناصنول میں دفن شدہ صلیبی حقد و کینہ کو انتہاء تک پہنچا دیا تھا' دولت عثمانیہ کی عزت و حرمت کو بچانے والے کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اس نے ترکوں میں جہاد کی روح پھونک دی' قرآن کریم کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یونانیوں پر حملہ کر کے انہیں الٹے پاؤں بھگا دیا۔ حلیفوں کی فوجیں اسلحہ استعمال کیے بغیر اس کے سامنے سے فرار ہونے لگیں اور بہت سارے علاقوں کو خالی کر دیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا آہستہ آہستہ نمایاں ہونے لگا' عالم اسلامی اس کی اس کارروائی پر بہت خوش ہوا اور اسے غازی کا لقب دیا' شعراء نے اس کی مدح میں شعر کہے اور خطیبوں نے خطبے پڑھے۔

احمد شوقی نے اپنے ایک مشہور قصیدہ کے پہلے شعر میں اسے خالد بن ولید ثانی قرار دیا۔(3)

اللهُ أَكْبَرُ كَمْ فِي الْفَتْحِ مِنْ عَجَبِ   يَا خَالِدَ التُّرْكِ جَدِّدْ خَالِدَ الْعَرَبِ

''اللہ اکبر' اس فتح میں کتنے عجائبات ہیں' اے خالد ترک عرب کے خالد کی یاد تازہ کر دے''۔

شوقی اسے صلاح الدین ایوبی کی صف میں لاتا ہے اور کہتا ہے۔

حَذَوْتَ حَرْبَ الصَّلَاحِيِّينَ فِي زَمَنٍ   فِيهِ الْقِتَالُ بِلَا شَرْعٍ وَلَا أَدَبِ

(ایک ایسے دور میں تو صلاح الدین ایوبی کی سپاہ کے نقش قدم پر چلا جس میں باہمی جنگ بلا قانون اور ادب کے ہے۔)

شوقی' مصطفیٰ کمال کی فتح کو جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے۔

يَوْمٌ كَبَدْرٍ فَخَيْلُ الْحَقِّ رَاقِصَةٌ   عَلَى الصَّعِيدِ وَخَيْلُ اللّٰهِ فِي السُّحُبِ

تَهْنِئَةٌ أَيُّهَا الْغَازِي وَتَهْنِئَةٌ   بِآيَةِ الْفَتْحِ تَبْقَى آيَةُ الْحُقُبِ (4)

''(فتح کا یہ) دن یوم بدر کی مانند ہے چنانچہ حق کے (علمبرداروں کے) گھوڑے زمین پر رقص کر رہے تھے اور اللہ (کے فرستادوں کے) گھوڑے بادلوں میں محو رقص تھے''۔

1۔ حاضر العالم الاسلامی (111/1)   2۔ العلمانیہ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 569   3۔ حاضر العالم الاسلامی (111/1)   4۔ ایضاً

''اے غازی! مبارک باد تو نے کیا خوب کارنامہ سرانجام دیا' اس فتح کی یاد صدیوں تک باقی رہے گی۔''

لوگ جب مصطفیٰ کمال پاشا کی جدوجہد اور خلیفہ وحید الدین محمد السادس کی شکست کے درمیان موازنہ کرتے تو جس قدر مصطفیٰ ان کی نظر میں قدر و منزلت حاصل کرتا' اس قدر خلیفہ ان کی نظروں میں گر جاتے کیونکہ خلیفہ آستانہ میں سربگریباں' ذلت و رسوائی کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ خلیفہ کی ذات سے بے حد نالاں تھے اور مصطفیٰ کمال سے اخباروں میں مطالبہ ہو رہا تھا کہ خلیفہ پوری قوم کا مجرم' سزائے موت کا مستحق ہے۔ مصطفیٰ کمال ان کی آنکھوں میں ایک بطل جلیل اور ایک ایسے مجاہد کا روپ دھار چکا تھا جس نے خلافت کی مجد و بزرگی کی بازیابی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی۔ ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی کہ خلیفہ تو قابض فوجوں کے پاؤں میں پڑا خاک چاٹ رہا تھا۔

لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ مصطفیٰ کمال کی حقیقت لوگوں پر کھل گئی اور لوگ سمجھ گئے کہ یہ تو دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ کا تراشیدہ ہیرو ہے' بالخصوص انگریز کا جو جانتا تھا کہ خلافت کو ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں' اس کے خاتمے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ کوئی ہیرو تراشہ جائے اور اس کو عظیم رہنما کی صورت دی جائے' اس کے اردگرد عزت و کرامت اور کامیابی و کامرانی کا ایک ایسا جال بن دیا جائے کہ لوگ اسے اعجازی شخصیت یقین کر لیں' اس کے ہاتھوں کچھ معجزات کا صدور ہوتا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہی امت مسلمہ کا نجات دہندہ ہے' اس کے ہاتھوں پر ایسا زخم لگایا جائے جو زیادہ گہرا نہ ہوتا کہ اس کے خلوص پر کوئی شک نہ کر سکے' لوگ اس کی جھوٹی فتح مندیوں کی وجہ سے اس کے بارے کچھ سوچنا نہیں چاہتے تھے وہ بس ایک ہیرو تھا' اتحادیوں نے خود جھوٹ موٹ کی پریشانی کا اظہار کر دیا اور جنگ ختم کرنے کے لیے سلطان سے مطالبہ کرنے لگے' انہوں نے صلح کی مہم کے لیے مصطفیٰ کمال کا نام پیش کیا تا کہ وہ لوگوں کی آرزوؤں کا مرکز بن جائے۔ فوجی افسروں کی نظر میں اہمیت حاصل کر لے' اس کی قدر و منزلت اور ہیبت و جلال میں اضافہ ہو اور خلیفہ کی شہرت متاثر ہوتا کہ لوگوں کی نظروں میں مرکز خلافت کا درجہ کم ہو جائے' انگریزوں کی چالاکیوں کو آسانی سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ (1)

انگریزی خبر رساں ایجنسیاں مصطفیٰ کمال کی شخصیت میں اپنا گوہر مقصود پانے میں کامیاب ہو گئیں۔ ان ایجنسیوں اور مصطفیٰ کمال کے درمیان انگریز جاسوس آرمسٹرونج نامی شخص واسطہ بنا۔ اس شخص کا مصطفیٰ کمال سے اس وقت کا تعلق تھا جب مصطفیٰ کمال عثمانی آرمی کا فلسطین اور شام میں سپہ سالار تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آرمسٹرونج مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ نفسیاتی گٹھ جوڑ کی ابتداء کے بارے بات کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ اپنی کتاب میں اس نقطہ پر انگلی رکھ دیتا ہے جہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوا وہ مصطفیٰ کمال کی والدہ کی ایک امیر دوڈیسی کے ساتھ دوسری شادی کو اس تبدیلی کا نقطہ آغاز بتاتا ہے جب مصطفیٰ نے ناراض ہو کر اپنی ماں سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے مقدونی راہب دوستوں سے فرانسیسی زبان کی ابتدائی باتیں سیکھنے کے لیے اپنے ایک مقدونی دوست ''فتحی'' کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ اس دوران انہوں نے فولٹر اور روسو کی کتابیں پڑھیں' ہربز' جون سٹیورٹ

1۔ تاریخ الدولۃ العثمانیہ: ص 277

میل وغیرہ کی ممنوعہ تالیفات بھی دیکھیں حتیٰ کہ مصطفیٰ کمال قومی جذبات سے سرشار شعر نظم کرنے لگا اور اپنے دوستوں کو خطاب کرنے لگا جو ملٹری کالج میں اس کے ساتھ پڑھتے تھے' وہ سلطان کی برائی کرتا تھا حالانکہ اس کی عمر ابھی 20 سال نہیں ہوئی تھی پھر وہ استنبول چلا گیا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا' شراب نوشی' جواء جیسی قباحتوں میں مبتلا ہو گیا اور ''جمعیت وطن'' میں شرکت کے باعث گرفتاری سے پہلے عشق بازی جیسے مرض میں بھی مبتلا رہا۔(1)

آرمسٹرونج مصطفیٰ کمال کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے انجمن اتحاد و ترقی کی ڈونمہ اور ماسونی مجالس کے ساتھ تعلق کی شہادت فراہم کرتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں کہ کیسے ''اسے ایک اطالوی شہریت رکھنے والے یہودی کے گھر میں ڈونمہ اور ماسونی اجتماع میں دعوت دی گئی کیونکہ یہودی جو اطالوی شہریت رکھتے تھے حسب معاہدہ اور غیر ملکیوں کو دی جانے والی خصوصی مراعات سے فائدہ اٹھا کر وہ اس قسم کے اجتماعات منعقدہ کیا کرتے تھے اور اتحادی یہودیوں کی حفاظت میں ان اجتماعات میں شرکت کر کے ملک و قوم کے خلاف منصوبہ بندی کیا کرتے تھے۔ اتحادی یہودی گھروں میں بڑے اطمینان کے ساتھ بغیر کسی خطرہ کے آتے جاتے' ان یہودیوں میں سے بعض لوگ مصطفیٰ کمال کے قریبی دوست تھے جیسے مقدونیہ سے تعلق رکھنے والے فتحی جو کمال کے پرانے دوستوں میں سے تھے اور ماسونی جماعت ''آزاد معمار'' میں شریک تھے۔ آرمسٹرونج بیان کرتا ہے کہ کیسے ان لوگوں نے اپنی انقلابی جمعیت قائم کی اور ماسونی تنظیموں کی نہج پر کیسے اپنے مقاصد کے لیے لوگوں کو منظم کیا' کیسے ان لوگوں نے مختلف جہتوں سے وافر مالی اعانت حاصل کی اور ان لوگوں کے ساتھ میل جول بڑھایا جن کو سلطان نے ملک بدر کر رکھا تھا۔

آرمسٹرونج انکشاف کرتا ہے کہ کیسے مصطفیٰ کمال کو منتخب کیا گیا اور اس کے باقی ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا تا کہ اس کے ذریعے برطانیہ اپنے منصوبے کے آخری پروگرام کو عملی جامہ پہنائے۔ آرمسٹرونج کہتا ہے: ''مصطفیٰ کمال فطرتاً اس بات کا شائق تھا کہ وہ حکمران بنے اور امر و نہی اس کے ہاتھ میں ہو' وہ اتحادی لیڈروں کا احترام بالکل نہیں کرتا تھا اور ان کے ساتھ جھگڑ پڑتا تھا۔ جیسے انور جمال' جاوید جو یہودی الاصل تھا' نیازی البانی جو ایک نہایت ہی بدصورت انسان تھا۔ طلعت جو ایک بڑے ریچھ کی مانند تھا اور ایک ڈاکخانے میں چھوٹا سا ملازم تھا۔''

ایک چھوٹے سے افسر سے جو حالات پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا' برطانوی مخبروں کی وساطت سے بزرگیوں اور کامیابیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر غازی کا لقب پانے والے ایک جرنل بننے تک اور اس کے بعد کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے آرمسٹرونج مصطفیٰ کمال کی ذاتی زندگی کا ایک اور صفحہ ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ وہ لطیفہ نامی ایک دوشیزہ کے ساتھ مصطفیٰ کمال پاشا کی افسانوی شادی کا ذکر کرتے ہیں۔ لطیفہ امیر یہ خاندان کی ایک مالدار لڑکی تھی جو پیرس سے واپس آئی تھی تا کہ اپنے انتظامی تجربات' جدید تعلیم اور مختلف زبانوں میں اپنی مہارت کو کام میں لا کر مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنی زلف کا اسیر کرے جو خلافت اسلامیہ کو تار تار کرنے کی اہلیت رکھتا تھا اور غازی کا لقب حاصل کر چکا تھا' پہلے پہل تو اس امیر زادی نے

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 265,266

جو اپنے امیر کبیری باپ کے محل نما گھر میں رہتی تھی بے رخی برتی تا کہ شکار کے جذبات کو ابھارا جائے پھر ناز و ادا سے اسے اسیر کیا' یوں مصطفیٰ کمال کی فکریہ نامی لڑکی سے جدائی ہوگئی جسے اس نے علاج کیلئے میونخ بھیجا تھا اور اس بیماری کی وجہ سے مصطفیٰ اس لڑکی کی طرف مائل ہوا تھا اس کے بعد مصطفیٰ نے اس لڑکی کی خودکشی کی تدبیر کر کے اس سے جان چھڑائی' پھر صالحہ نامی لڑکی جس کے ساتھ اس کا یارانہ تھا کی خاطف سے شادی کروا کر اس کو بھی راستے سے ہٹا دیا تا کہ لطیفہ سے شادی کر سکے' اس کے بعد کہ وہ ''سعادت'' اور دسوں دوشیزاؤں' عورتوں اور لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکا تھا جن کی ساری تفصیلات اس کا ایک دوست جو فوجی افسر تھا اور اس کا ہم جلیس تھا بیان کرتا ہے۔(۱)

بعد میں لطیفہ بھی مصطفیٰ کمال کی زیادتیوں کا شکار ہوگئی کیونکہ مصطفیٰ نے اسے ایک وزارتی فیصلے کے ساتھ طلاق دے دی اور اسے امراض اور درد و غم کا شکار بنا کر چھوڑ دیا۔ مصطفیٰ نے اسے ڈرایا کہ وہ اس کی ذاتی زندگی کے بارے بالکل خاموش رہے ورنہ اسے بہت بری طرح سزا دی جائے گی' اب اس کے پہلو میں صرف ایک لڑکی تھی' عفت جو پیشہ کے اعتبار سے ٹیچر تھی' تاریخ نگاری سے اسے لگاؤ تھا' یہ عورت پرلے درجے کی فنکارہ تھی' اس نے اس وحشی کو اس حد تک مختلف طریقوں سے اپنا گرویدہ بنایا کہ وہ اس کی عبادت کرنے لگا اور اس کے اشاروں پر ناچنے لگا۔

لیکن ''لطیفہ'' کو ملک کا کوئی قانون اور دستور اس بات سے نہیں روکتا تھا کہ وہ اپنی یادداشتوں میں بین السطور تلمیح کے انداز میں تنقید کرے اور اپنی داستان غم بیان کرے' سو اس کی یادداشتوں کو ترکی اخبار (الحریہ) نے جون 1973ء کو شائع کیا جن میں اتاترک کی نجی زندگی' شراب نوشی کے بارے بہت کچھ ذکر ہوا۔ اس اخبار نے کوشش کی کہ اس کا ذمہ دار اس کے دوستوں اور ہم جلیسوں کو ٹھہرائے' ''قلیج علی' نوری جنکر'' اور ''رجب ہدی'' جو جان بوجھ کر اتاترک کا وقت ضائع کرتے تھے' یہ لوگ قاتلوں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو پرلے درجے کے مجرم تھے' اتاترک نے انہیں اپنے ندیموں میں شامل کر لیا تھا اور ان کے ہاتھوں اپنے بہت سارے مخالفین کو ٹھکانے لگایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ بہت بے تکلف ہو گئے تھے۔(2)

اس قسم کے اخلاق رذیلہ کے ساتھ مصطفیٰ کمال کا مشہور ہونا کچھ عجیب نہیں بالخصوص جب ہمیں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اس کی اصلیت ڈونمہ کے یہودیوں سے ہے۔

یہودی دائرۃ المعارف میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ سلانیک کے بہت سارے یہودیوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اتاترک کا تعلق ڈونمہ یہودیوں سے ہے' یہی نظریہ ان مسلمانوں کا بھی ہے جو اتاترک کے مخالف ہیں لیکن حکومت اس بات کا انکار کرتی ہے۔(3)

ٹوینی مصطفیٰ کمال کے نسب پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے: ''کمال کے خاندان کی رگوں میں یہودی خون دوڑ رہا ہے۔ سلانیک یہودیوں کی قیام گاہ تھا جن دنوں ان پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے' اس خاندان نے اسلامی عقائد کو قبول کر کے یہودی عقائد کو چھوڑ دیا تھا لیکن مصطفیٰ کمال کی عادتیں' اس کی آنکھوں کا رنگ اور اس کی شکل و صورت اسے اس بات سے دور کرتے

1۔ صحوۃ الرجل المریض: ص 267 2۔ ایضاً 3۔ یہود الدونمہ: ڈاکٹر نعیمی: ص 87,89

ہیں کہ یہودی خون سے متاثر ہو''۔(1)

اسامہ عینائی لکھتا ہے: ''ڈونمہ یہودی اتاترک پر فخر کرتے تھے اور اس بات پر مکمل یقین رکھتے تھے کہ اس کا تعلق یہودی نسل سے ہے اور ان کی اس بارے دلیل یہ ہے کہ اتاترک نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اسلام کے خلاف اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا''۔(2)

مصطفیٰ کمال کی تمام کارروائیاں جو بعد میں سامنے آئیں بتاتی ہیں کہ وہ اسلام سے بغض رکھتا تھا' 1337ء جبکہ اسے یونان کے خلاف انگورہ میں کامیابی حاصل ہوئی' اس نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ وہ تمام تدابیر جو عنقریب کی جائیں گی ان کا مقصد صرف اور صرف سلطنت اور خلافت کو محفوظ رکھنا اور سلطان اور اسلامی قلمرو کو غیر ملکی غلامی سے آزاد کرنا ہے(3)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب 1341ھ/1923ء میں وہ عنان حکومت سنبھالتا ہے تو اس کی سربراہی میں ''جمعیت الوطنیہ الترکیہ'' جمہوریت کے قیام کا اعلان کر دیتی ہے اور مصطفیٰ کمال اس کے پہلے فرمانروا قرار پاتے ہیں۔ مصطفیٰ نے کچھ وقت تک ترکی خلافت کو باقی رکھنے کی ایکٹنگ کی اور محمد السادس کی جگہ جسے برطانوی جہاز پر سوار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا تھا' سلطان عبدالمجید بن سلطان عبدالعزیز کو خلیفہ منتخب کر لیا لیکن خلیفہ کے پاس برائے نام اختیار بھی نہیں تھے۔(4)

خلیفہ عبدالمجید ایک مہذب اور پڑھے لکھے انسان تھے جیسا کہ بنی عثمان کی نسل کے شایان شان تھا' آپ ترکوں کی نظر میں اسلامی عثمانی میراث اور تاریخ کا زندہ نمونہ تھے۔ استنبول کے لوگ آپ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بڑی بے تابی کا مظاہرہ کرتے اور جب انہیں پتہ چلتا کہ خلیفہ تشریف لا رہے ہیں تو دیکھنے کو دوڑے چلے آتے۔ جمعۃ المبارک کی نماز ادا کرنے کے لیے خلیفہ جب تشریف لاتے تو مسلمان ان کا والہانہ استقبال کرتے۔ خلیفہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کتنے بڑے منصب پر فائز ہیں اور کس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' اس لیے جب بھی وہ باہر تشریف لاتے تو بڑے طمطراق سے تشریف لاتے' کبھی ان کے سر پر محمد فاتح کا عمامہ ہوتا اور کبھی سلطان سلیمان قانونی کی تلوار گردن میں حمائل ہوتی۔

یہ سب منظر دیکھ کر مصطفیٰ کمال آپے سے باہر ہو جاتا' وہ یہ منظر نہیں دیکھ سکتا تھا' لوگوں کی خلیفہ کے ساتھ اس قدر محبت اس کی برداشت سے باہر تھی۔ آل عثمانی خلافت اور سلطنت کے ساتھ لوگوں کا تعلق خاطر اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' چنانچہ اس نے خلیفہ کو نماز کے لیے باہر نکلنے سے روک دیا پھر ان کو دی جانے والی مراعات آدھی کر دیں۔ رعایا پر بے پناہ ظلم کیے اور اس کی اس ظالمانہ پالیسی کی بڑے بڑے مغربی ملکوں نے تائید کی۔

3 مارچ 1924ء کو مصطفیٰ کمال نے ''کانسٹی ٹیوشن اسمبلی'' کا اجلاس طلب کیا۔ مصطفیٰ جانتا تھا کہ اب یہ محض ایک نام کی اسمبلی ہے اور اس کی مخالفت کرنے کا اس میں دم خم نہیں' اس اسمبلی کے سامنے مصطفیٰ کمال نے خلافت کے خاتمے کی تجویز رکھی۔ دوسرے دن بغیر کسی گفت وشنید کے یہ فیصلہ ہو گیا اور خلیفہ کو ملک بدر کرنے پر سب نے خاموشی اختیار کر لی اور یوں مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں خلافت اسلامی کی روشنی ہمیشہ کے لیے بجھ گئی جو صدیوں سے مسلمانوں کی وحدت اور ان کے وجود کے بقاء کی

1۔ یہود الدونمہ: ڈاکٹر نعیمی: ص 90 2۔ ایضاً ص 94 3۔ حاضر العالم اسلامی (112/1) 4۔ ایضاً

ضمانت چلی آرہی تھی۔(1)

مصطفیٰ کمال درحقیقت ان سوچے سمجھے منصوبوں کو نافذ کرنا چاہتا تھا جو مغربی ملکوں کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں میں طے پائے تھے۔1340ھ/1923ء میں معاہدہ لوزان نے ترکی پر جو شرائط عائد کی تھیں اور ان شرائط صلح کو ترکی نے قبول کیا تھا' ان میں کرزون' جو لوزان کانفرنس میں انگریز کے وفد کے سربراہ تھے'' کی 4 شرائط خاص کر قابل ذکر ہیں جو یہ ہیں۔

1. ترکی اسلام سے اپنے تمام تعلقات ختم کردے گا۔
2. خلافت اسلامیہ کا کلی خاتمہ
3. خلیفہ' اس کے مددگار اور اسلام کو ترکی حدود سے باہر نکالنا اور خلیفہ کی جملہ دولت کو ضبط کرنا۔
4. ترکی کے قدیم دستور کی جگہ شہری دستور کا نفاذ۔(2)

عالم اسلام میں غم وغصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔شوقی جو کچھ عرصہ پہلے اتاترک کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا تھا' خلافت کے لیے اشک بار نظر آتا ہے:وہ کہتا ہے

عادت اغانی العرس جع نواح　　ونعیت بین معالم الافراح
کفنت فی لیل الزفاف بثوبه　　فنمت عند تبلج الاصباح
ضجت علیک ماذان ومنابر　　وبکت علیک ممالک ونواح
الهند والهة، ومصر حزینة　　تبکی علیک بمدمع سحاح
والشام تسال، والعراق وفارس　　امحا من الارض الخلافة ماح
یا للرجال لحرة موئودة　　قتلت بغیر جریمه وجناح

شادی کے گیت نوحوں کی آواز میں ڈھل گئے اور (اے خلافت!) شادی کے ہنگاموں کے دوران ہی تیری موت کی خبر دے دی گئی۔

شب زفاف کو عروسی لباس میں ہی تجھے کفن دے دیا گیا اور پو پھٹی ہی تھی کہ تو ابدی نیند سو گئی۔
منبر ومحراب تیری موت پر چیخ اٹھے' سلطنتیں اور گرد ونواح کے علاقے گریہ وزاری کرنے لگے۔
ہندوستان تصویر غم ہے اور مصر بے حد پریشان' تجھ پر موسلا دھار بارش کی طرح آنسو بہا رہا ہے۔
شام وعراق اور فارس (ایران) پوچھتے ہیں کیا کسی مٹانے والے نے زمین سے خلافت کا نام ونشان مٹا دیا ہے؟
اے مردان (کارزار) زندہ دفن ہونے والی آزادی کو واپس لاؤ جو بغیر کسی گناہ اور خطا کے قتل کردی گئی ہے۔

اس کے بعد شوقی مصطفیٰ کمال پاشا پر سخت تنقید کرتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے جس نے زبردستی ترکوں کو ایشیا کی سرزمین سے نکال کر یورپ کی سرزمین پر لا کھڑا کیا۔مشرق میں جہاں ان کی جڑیں بہت گہرائی تک اتر چکی تھیں وہاں سے اکھیڑ کر انہیں

1۔التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی' محمد ابو غدة:ص(110)　2۔تاریخ الدولة العثمانیة' ڈاکٹر علی حسون:ص 287

مغرب کے دروازے پر انتظار میں بٹھا دیا۔ شوقی کہتا ہے:

بکت الصلاة وتلک فتنة عابث بالشرع عربید القضاء وقاح
أفتی خز غبلة وقال ضلالة وأتی بکفر فی البلاد بواح
ان الذین جری علیهم فقهه خلقوا لفقه کتیبة وسلاح
نقل الشرائع، والعقائد، والقری والناس نقل کتائب فی الساح
ترکته کالشبح الموته امه لم تسل بعد عبادة الاشباح
غرته طاعات الجموع ودولة وجد السواد لها هوی المرتاح (1)

"نماز رو دی اور یہ فتنہ ایک ایسے شخص کا لایا ہوا ہے جو شریعت محمدیہ کو کوئی حیثیت نہیں دیتا' عدل و انصاف کا دشمن اور پرلے درجے کا بے حیاء ہے۔"

جس نے ہنسی مذاق کے رنگ میں فتویٰ دیا اور گمراہی کی بات کہی اور ملک میں کفر و گمراہی کو جائز قرار دے دیا۔

وہ لوگ جن کے خلاف اس کی فقہ (قانون) جاری ہوا تو وہ لشکر اور سامان جنگ کی فقہ (قانون) کے لیے پیدا کیے گئے (یعنی قتل کر دیے گئے)

اس نے شرعی قوانین' عقائد و نظریات' شہروں اور لوگوں کو اس طرح باہر نکالا جس طرح لشکروں کو میدان میں باہر نکالتے ہیں' ان لشکروں نے اسے یوں کر چھوڑا جیسے بچے کی وہ خیالی تصویر جسے اس کی ماں بہت چاہتی ہے لیکن پرچھائیوں کی عبادت اسے تسلی نہیں دیتی۔

اسے گروہوں کی فرمانبرداریوں اور مملکت نے دھوکے میں ڈال دیا ہے جس مملکت کی آبادی عیش و عشرت کی دلدادہ ہو گئی ہے۔

شوقی کی نظر میں ایسے ظالموں اور جابروں کے ظہور کی اصل وجہ لوگوں کی جہالت ہے' اسی کمزوری کی وجہ سے لوگ ظالموں اور آمروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں: شوقی کہتا ہے

مجد الامور زواله فی زلة لا ترج لامسک بالمور خلودا
خلعته دون المسلمین عصابة لم یجعلوا للمسلمین وجودا
یقضون ذلک عن سواد غافل خلق السواد مضللا ومسودا
انی نظرت الی اشعوب فلم اجد کالجهل داء للشعوب مبیدا
وإذا سبی الفرد المسلط مجلسا الفیت احرار الرجال عبیدا (2)

کارناموں کی بزرگی صرف ایک لغزش میں زائل ہو جاتی ہے' اپنے نام کو کارناموں کے ذریعے ہمیشہ زندہ رکھنے کی امید

1۔ التاریخ العثمانی فی شعر احمد شوقی: ص 112
2۔ الشوقیات دیوان احمد شوقی: ص (112/1)

مت کر۔

غیر مسلم لوگوں کی ایک جماعت نے اس بزرگی کی خلعت کو اتار دیا اور اس نے مسلمانوں کے وجود کو باقی نہ چھوڑا۔ انہوں نے غافل اکثریت کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا' ایسی اکثریت جسے گمراہ اور غلام پیدا کیا گیا ہے۔

میں نے قوموں کو دیکھا تو میں نے جہالت سے بڑی بیماری نہ پائی جو قوموں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

جب (غیر سے) مغلوب شخص کسی جماعت کو اپنا اسیر بنالیتا ہے تو آزاد لوگ بھی غلام بن جاتے ہیں

مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے منصوبے کو مکمل طور پر نافذ کر دیا اور اسلامی خطوط سے ملک کو بالکل دور کر دیا۔ ترکی اب مکمل مغربیت کی بدنما کارروائیوں کی زد میں تھا۔ 1343ھ بمطابق 1924ء میں وزارت اوقاف ختم کر دی گئی اور اوقاف کے جملہ امور وزارت المعارف کے سپرد کر دیئے گئے۔ 1344ھ/1925ء میں مسجدوں کو تالے لگا دیئے گئے۔ حکومت نے ہر دینی رجحان کی بڑی سختی سے ممانعت کر دی' ہر قسم کی دینی گفتگو پر پابندی عائد کر دی۔ 1350-1351ھ بمطابق 1931-1932ء کو مسجدوں کی تعداد محدود کر دی گئی' ہر حلقے میں صرف 500 میٹر احاطے کی مسجد کی منظوری دی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ اسلامی روح کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

مصطفیٰ کمال نے مسجدوں پر حملہ کرنے میں انتہاء پسندی کا ثبوت دیا۔ واعظین جنہیں حکومت تنخواہ دیتی تھی ان کی تعداد کم کر کے 300 کر دی گئی اور انہیں حکم دیا کہ وہ جمعہ کے خطبوں میں زیادہ سے زیادہ زرعی' صنعتی اور حکومتی پالیسی کے بارے بات کریں اور حکومتی کارناموں کی تعریف کریں۔ استنبول کی دو معروف ترین جامع مسجدیں بند کر دی گئیں' ان دو میں سے پہلی مسجد آیا صوفیا(1) کو موزیم میں بدل دیا گیا اور دوسری بڑی مسجد یعنی فتح مسجد کو گودام میں تبدیل کر دیا گیا۔ رہا اسلامی قانون تو اس کی جگہ خود ساختہ شہری قانون نافذ کر دیا گیا۔ یہ قانون اور دستور جو ترکی میں 1345ھ/1926ء کو نافذ ہوا' سوئٹزرلینڈ دستور سے لیا گیا تھا۔ ہجری تقویم کی جگہ گریگوری مغربی تقویم کو اپنایا گیا۔ 1342ھ کو پوری ترکی میں ہجری تقویم ختم کر کے 1926ء کو اس کی جگہ مغربی تقویم کو نافذ کر دیا گیا۔

1347ھ/1928ء کے دستور کی عبارت میں اس بات کا بالکل تذکرہ چھوڑ دیا گیا کہ ترکی ایک اسلامی ملک ہے' حلف برداری کے الفاظ جو مختلف مناصب پر تقرری کے وقت کہے جاتے تھے' ان کو بھی بدل دیا گیا' اب اللہ تعالیٰ کے نام کی جگہ لوگ اپنی عزت و شرف کی قسم کھانے لگے اور حلف برداری کا پہلا طریقہ چھوڑ دیا گیا۔

1935ء میں حکومت نے سرکاری چھٹی کا دن بھی تبدیل کر دیا' پہلے سرکاری چھٹی جمعہ کو ہوتی تھی اب اتوار کو سرکاری چھٹی کا دن قرار پایا۔ Week end کی چھٹی ہفتہ کے دن ظہر سے شروع ہوتی اور سوموار صبح تک رہتی۔

1۔ یہ وہ عظیم مسجد ہے جس کی بنیاد سلطان محمد فاتح نے اس روز رکھی جس روز اس نے نصرانیت کے مرکز قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یہ دور مسلمانوں کے انتہائی عروج کا ہے۔ اتاترک نے اسے دوبارہ مسجد سے میوزیم بنا دیا۔ یہ دور مسلمانوں اور ترکوں کے انتہائی زوال کا تھا۔ دین سے وابستگی کے وقت وہ پوری دنیا پر غالب تھے۔ دین سے ناطہ توڑا تو غیروں کے غلام بن گئے [illegible] (مترجم)

حکومت نے دینی تعلیم کی ممانعت کر دی وہ تمام مدارس جو پرائیویٹ طور پر تعلیم دیتے تھے بند کر دیئے گئے۔ جامعہ استنبول میں الکلیۃ الشریعۃ (شرعیہ کالج) میں طلبہ کی تعداد کم ہونے لگی اور بالآخر 1352ھ/1933ء کو اسے مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔

مصطفیٰ کمال کی حکومت نے ملک کو مغربیت کے رنگ میں رنگنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ ایک فیصلے کے مطابق ترکی ٹوپی پہننے پر پابندی عائد کر دی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ یورپی ملکوں کی طرح ہیٹ استعمال کریں۔(1)

1348ھ/1929ء میں حکومت نے زبردستی ترکی زبان کی کتابت کے لیے لاطینی حروف کو استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دی اور عربی رسم الخط کو ممنوع قرار دے دیا۔ اخبارات' کتابیں اور رسائل لاطینی رسم الخط میں شائع ہونا شروع ہوئے۔ عربی زبان کو کالجوں کے نصاب سے نکال دیا گیا' اسی طرح فارسی زبان کی تعلیم کو بھی ختم کر دیا گیا۔ ترکی تالیفات کی طباعت کے لیے عربی رسم الخط کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا' وہ تمام کتابیں جو استنبول کے پبلشنگ اداروں نے اس حکم سے پہلے چھاپ دیں ان کو مصر' ایران اور ہندوستان برآمد کر دیا گیا اور ملک کے اندر کی عربی کتاب کی خرید و فروخت کی گنجائش باقی نہ رہنے دی اور اس طرح ترکی حکومت نے ایک طرف ترکی اور اس کے اسلامی ماضی کے درمیان تعلق کو ختم کر دیا اور دوسری طرف ترکی کے باشندوں اور تمام عربی اور اسلامی ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان تعلقات ختم کر دیئے۔(2)

اتاترک ترکی قوم میں قومیت کی روح پھونکنے لگا اور بعض مورخین کی اس بات سے خوب فائدہ اٹھایا کہ نہرین کے درمیان قدیم تہذیب یعنی سامری تہذیب کی زبان ترکی زبان سے ملتی جلتی تھی اس نے کہا ترک دنیا میں قدیم ترین تہذیب کے حامل لوگ ہیں کیونکہ اتاترک تمام اسلامی سرگرمیوں کے خلاف جنگ کرنے کے بعد ان تمام اقدار کا لوگوں کو نعم البدل دینا چاہتا تھا جو وہ انقلاب کی وجہ سے کھو چکے تھے۔ مصطفیٰ کمال نے اپنے لیے اتاترک کا لقب استعمال کیا جس کا معنی ہے ''ترکوں کا باپ''۔(3)

اتاترک کی حکومت نے ہر اس رویئے کو ملک میں متعارف کرانے کی کوشش کی جو مغرب سے تعلق رکھتا تھا' ملک میں مختلف فنون کو اپنایا گیا' اتاترک کے بڑے بڑے مجسمے تمام بڑے میدانوں میں نصب کر دیئے گئے۔ رقص و سرور کا سلسلہ شروع ہوا اور ترکی میں غیر ملکی وفود کا تانتا بندھ گیا ان میں سے اکثر فنکاروں کا تعلق فرانس اور آسٹریا سے تھا۔(4)

حکومت نے عورت کے پردہ کرنے پر پابندی لگا دی اور بے پردگی کا حکم صادر کر دیا' عورت پر مرد کے کنٹرول کو ختم کر دیا اور اس بے پردگی اور عریانی کو آزادی اور مساوات کا نام دیا گیا۔ رقص و سرور کی محافل اور ایسے تھیٹروں کی حوصلہ افزائی کی گئی جن میں مرد و زن اکٹھے گاتے تھے اور رقص کرتے تھے۔

جب مصطفیٰ کمال نے ''لطیفہ'' کے ساتھ شادی کی جو ازمیر کے ایک مال دار باپ کی بیٹی تھی اور جس کی ازمیر کے یہودیوں کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے تو بھی مغربی رنگ اختیار کیا اور شادی مغربی طور طریقوں کے مطابق انجام پائی۔ مصطفیٰ اپنی بیوی کو لیے پورے ملک میں پھرتا رہا' وہ نیم عریاں لباس میں ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ نائٹ کلبوں میں اس کے ساتھ

1۔ حاضر العالم اسلامی (115/1) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المسئلہ الشرقیہ' دسوقی' ص (428-432)

جاتی اور مغربی آزادی کو عام کرنے اور اسلام کو لوگوں کے ذہن سے نکالنے کے لیے بھڑکیلے لباس اور مغربی طرز کے زیورات میں کھلے عام اپنے خاوند کے ساتھ پھرتی۔(1)

مصطفیٰ کمال نے قرآن کریم کو ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے تمام معانی اور مدلولات بدل دیئے اور حکم دیا کہ اذان بھی ترکی زبان میں ہو۔(2)

تعلیمی نصاب میں بڑی تبدیلیاں کی گئیں' ترکی قومیت کے رجحان کو عام کرنے والی ماضی کی ترکی تاریخ کو دوبارہ لکھنے کا حکم دیا۔ عربی اور فارسی کلمات کی جگہ خالص ترکی زبان استعمال کی گئی اور قدیم لاطینی زبان کے الفاظ کو یورپی الفاظ کے ساتھ تبدیل کر دیا۔

حکومت نے اعلان کیا کہ ہماری توجہ یورپ کی طرف رہے گی' عالم اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں' حکومت نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہر اس رجحان کو سختی سے ختم کر دیا جو کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات کے احیاء کا سبب بن سکتا تھا۔(3)

مصطفیٰ کمال کے ان اقدامات کے مصر' افغانستان' ایران' اسلامی ہندوستان' ترکستان اور عالم اسلام کے علاقوں پر بہت زیادہ اثرات مرتب ہوئے۔ مغربیت کے ہمنواؤں اور استعماری ثقافت کے خادموں کو موقع مل گیا کہ وہ کلیدی آسامیوں کو حاصل کریں اور ترکی کو نمونہ بنا کر ترقی اور انقلاب کی باتیں کریں۔ مصر کے اخبارات نے اہرام' سیاست اور معظم (مصر میں واقع ایک قدیم پہاڑ) اور ہر اس چیز کے بارے نعرہ لگانا شروع کیا جو اسلامی رجحانات کے کسی طرح بھی خلاف تھی' ایسے نظریات کے پرچار میں مغربی اثر و رسوخ' یہودی اور ماسونی امداد پوری طرح کارفرما تھی اور کئی لوگ محض ذاتی اغراض کے لیے ان دشمنان دین کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔

ان اخبارات نے مغربیت کے جواز میں ترکی کی سیکولر حکومت کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کی جدت پسندی کے ساتھ پورا پورا اتفاق کیا اور اس کے اقوال کو اپنی تحریروں میں نقل کیا۔ مثلاً اتاترک کا یہ قول اخبارات کی زینت بنا: ''جدید ترکی کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں'' مصطفیٰ کمال نے ایک دن اپنے ہاتھ میں قرآن کریم لے کر کہا: قوموں کی ترقی ایسے قوانین اور اصولوں کے نفاذ کے ذریعے ممکن نہیں جنہیں گزرے ہوئے صدیاں بیت چکی ہوں۔

ترکی کی سیکولر حکومت جس کا سربراہ کمال اتاترک تھا جیسا کہ امیر شکیب ارسلان نے کہا ہے۔ فرانس اور انگلستان کی طرز پر قائم ہونے والی کوئی دینی حکومت نہیں تھی بلکہ یہ ایک دین مخالف حکومت تھی' بالکل اسی طرح جس طرح روس میں اشترا کی حکومت قائم ہو چکی تھی کیونکہ مغرب کی لادینی حکومتوں نے باوجود اپنے انقلابات کے انجیل کے حروف' مذہبی رہنماؤں کے لباس' ان کے مذہبی تہواروں اور کلیساؤں میں کسی طرح کا دخل نہیں دیا تھا اور کلیساؤں کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔(4)

1۔ حاضر العالم اسلامی (116/1)
2۔ حاضر العالم اسلامی (136-135-134)
3۔ الاتجاہات الوطنیہ' محمد حسین: ص (100/2)
4۔ العلمانیہ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 573

مذہب بیزاری کی ترویج میں یہودی میڈیا نے بہت بڑا کردار ادا کیا جس طرح کہ اس نے اتاترک کی حوصلہ افزائی میں خوب کردار ادا کیا کہ وہ اسلام مخالف رجحانات کو عام کرنے کے لیے ہر حیلہ استعمال کرے۔ یہ اخبارات اسے باور کرار ہے تھے کہ قتل وغارت اور خونریزی جو اس کے ہاتھوں ہو رہی ہے وہ بالکل جائز ہے اور یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے' اسی طرح یہ اخبارات ترکی عورت کو عریانی' فحاشی اور آزادی کے نام پر بے حیائی پر آمادہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑے پلیٹ فارم کا کام دے رہے تھے جہاں سے وقتاً فوقتاً اسلام مخالف رجحانات کی تشہیر ہو رہی تھی' مثلاً شراب نوشی' جواء بازی اور زنا محض تمدن اور تہذیب کے مظاہر ہیں۔(1)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مصطفیٰ کمال عالم اسلام کے حکام کے لیے ایک واضح نمونہ بن گیا' اس کے بعد ہر آنے والے طالع آزمانے اس کے استبدادی اور ظالمانہ اسلوب سیاست کو اختیار کیا' نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ مغرب کے استعماری ملکوں نے اسلام کے خاتمے کے لیے اس کی کارروائیوں کو بطور دلیل پیش کیا۔ مثلاً فرانس نے شمالی افریقہ میں بسنے والے مسلمانوں کو جب جبراً عیسائی بنانا شروع کیا اور انہیں ان کے دین' عقیدے اور اسلام کو چھوڑ دینے پر مجبور کیا تو مصطفیٰ کمال پاشا کی اسلام مخالف سرگرمیوں کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا کہ اس پر اسلام کو باقی رکھنے کا فرض ترک مسلمانوں کی نسبت زیادہ عائد نہیں ہوتا(2)۔ (یعنی اگر خود مسلمانوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے ہیں تو وہ ایسے اقدامات کرنے میں حق بجانب کیوں نہیں)۔

مصطفیٰ کمال ان بہت سارے حکام کا روحانی پیشوا بن گیا جنہوں نے رزیل دنیا کے لیے اپنی آخرت کو بیچ ڈالا۔

مسلمانوں نے اسلام مخالف ترکی کی سیکولر حکومت کے خلاف مسلح بغاوتیں کیں' سب سے اہم بغاوت جنوب مشرقی علاقہ میں 1344ھ کو ہوئی' اس کے بعد ملیمین میں 1349ھ کو بغاوت ہوئی' کمال اتاترک کی حکومت نے پوری شدت سے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی' ان بغاوتوں کا قلع قمع کر دیا اور بہت سارے علماء نے جان کے نذرانے پیش کیے اور پورا علاقہ اقتصادی اور علمی لحاظ سے تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

اس کے بعد شیخ بدیع الزمان سعید نورسی کی سربراہی میں ''تحریک نور'' شروع ہوئی جسے بعد میں ان کے شاگردوں نے آگے بڑھایا۔ ''رسائل النور'' کے بہت سارے اسلامی رسائل لکھے گئے اور لوگوں میں اسلامی شعور پیدا کرنے اور کمال اتاترک کے اصولوں اور سیکولرازم کا مقابلہ کرنے کے لیے لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تحریک نے پرامن طریقہ تبلیغ کو اختیار کیا اور اسلحہ اٹھانے کا ارادہ نہ کیا۔ اتاترک نے شیخ کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی لیکن شیخ اس کے کہنے میں نہ آئے چنانچہ مصطفیٰ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔ مصطفیٰ کمال ان کی اس بات سے سخت نالاں تھا کہ وہ لوگوں کو نماز کی دعوت دیتے ہیں' ان پر حکومت نے یہ الزام لگایا کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اس الزام کا جواب دیتے ہوئے شیخ نے کہا:

1۔ حاضر العالم اسلامی (117/1)
2۔ العلمانیہ: ڈاکٹر سفر الحوالی: ص 573

''اسلام لانے کے بعد عظیم ترین حقیقت جو انسان پر منکشف ہوتی ہے وہ نماز میں ہی منکشف ہوتی ہے اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا خائن ہے اور خائن کی حکومت باطل اور مردود ہے''۔

چنانچہ آپ کو پہلے کچھ عرصہ تک قید میں رکھا گیا پھر جلاوطن کیا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ شخص حکومت کے نظام کو تبدیل کرنے کی سازش میں شریک ہے لیکن شیخ کی جلاوطنی کے باوجود بھی ''تحریک نور'' خفیہ طریقے سے یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ، فوج کی چھاؤنیوں اور ملک کے مختلف علاقوں میں جاری رہی۔ ایک مرتبہ شیخ کو اس جرم میں گرفتار کر کے عدالت کے سامنے پیش کیا گیا کہ انہوں نے اتاترک کو دجال کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ شیخ نے عدالت کے روبرو یہ بیان دیا:

''مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ایسے لوگوں کو جو قرآن' اس کے بیان اور اس کے معجزات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور اسلام کے بارے تبادلہ خیال کرتے ہیں مجرم ٹھہرایا جاتا ہے اور دوسری طرف سیاست اور خفیہ تنظیم سازی، کو قرآن کریم کے خلاف جھوٹ باندھنے اور اس کے حقائق کو مسخ کرنے کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے اور اسے ان کا مقدس حق اور آزادی فکر کا نام دے کر قرآن کریم کے ساتھ استہزاء کرنے کی آزادی دی جاتی ہے لیکن قرآن کریم کا نور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو روشن کر رہا ہے جو اس کے دستور سے وابستہ ہیں اور اسے حکومت شر پسندی' خباثت اور سیاست کا نام دے کر بجھانا چاہتی ہے۔ سن لو! اے وہ لوگو! جو دنیا کے بدلے اپنا دین بیچ چکے ہو اور اپنے کفر کے سامنے مکمل سر جھکا چکے ہو: میں جب تک زندہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق کی آواز بلند کرتا رہوں گا' تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ ہماری تو یہ دلی تمنا ہے کہ ہمارے سر اسلام کے حقائق میں سے ایک چھوٹی سے حقیقت پر قربان ہو جائیں''۔ (1)

شیخ کو دوبارہ جلاوطن کر دیا گیا اور 1367ھ تک آپ جلاوطن رہے حتیٰ کہ حکومت مسلمان قوم کے مطالبات کو پورا کرنے پر مجبور ہو گئی اور دینی سرگرمیوں پر سے کسی حد تک پابندی اٹھالی گئی۔ (2)

1349ھ میں اتاترک کی سیکولر سیاست اس کی پارٹی حزب الشعب الجمہوری (جمہوری وطن پارٹی) کے منشور میں بالکل نمایاں ہو گئی پھر 1355ء میں دوبارہ اس کو جلا ملی اور اس پارٹی نے ترکی کا دستور ترتیب دیا' اس دستور کے چھ اصول ہیں جنہیں پارٹی کے بیان کے مطابق چھ حصوں میں بیان کیا گیا اور وہ چھ اصول ہیں' قومیت' جمہوریت' نیشنلزم' انقلاب اور ملک کا غلبہ (3)

اتاترک 1356ھ میں فوت ہوا' اپنی موت سے پہلے وہ مسلمانوں کے نہ چاہنے کے باوجود ترکی کو سیکولر بنا چکا تھا' اپنی موت سے کئی سال پہلے مصطفیٰ ایک ایسی بیماری کا شکار ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنی پہچان مکمل طور پر کھو بیٹھا اسے لاعلاج ناقابل برداشت امراض نے گھیر لیا' ان امراض کا اصل سبب اس کی شراب نوشی تھی' وہ ایک مدت سے شراب نوشی کر رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا جگر بہت بری طرح متاثر ہوا اور اس کے اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا' اسے شکستگی اور کمزوری نے آلیا' اس کی طبیعت کافی حد تک تنہائی پسندی ہو گئی' اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ڈکٹیٹر اپنی سختی' وحشیانہ سزاؤں اور خود غرضی میں اپنی مثال آپ بن گیا۔ (4)

1۔ حاضر العالم اسلامی (122/1) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، (116/1) 4۔ المسئلۃ الشرقیۃ محمد ثابت شاذلی: ص 242

ساتویں بحث

سیکولر ترکی میں اسلامی آثار

1356ھ میں اتاترک کی وفات کے بعد اس کا سیکولر مزاج دوست عصمت انونو صدر منتخب ہوا اور اتاترک کی طرز سیاست کی پوری طرح پیروی کی' دوسری عالمی جنگ کے دوران ترکی پہلے تو غیر جانبدار رہا لیکن جنگ کے اختتام پر اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ ختم ہوئی تو ترکی اتحادی ملکوں کے قریب ہو گیا اور ان کے ساتھ معاہدوں میں شرکت کی۔ امریکہ نے ترکی علاقوں پر عسکری ضوابط قائم کر دیئے' اس کے نتیجے میں سخت اقتصادی بحران پیدا ہو گیا جو روز بروز سخت ہوتا گیا اور افراط زر بہت زیادہ بڑھ گیا۔

حکومت نے جدید سیکولر پارٹیاں تشکیل دینے کی اجازت دے دی۔ 1366ھ میں ڈیموکریٹک پارٹی قائم ہوئی' اس میں اکثریت جمہوری قومی پارٹی کے لوگوں کی تھی۔ یہ پارٹی لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے امریکی پالیسی کو اپنایا' 1374ھ میں جلال بایار صدر اور عدنان مندریس وزیر اعظم بنے اور صدر کے عہدہ سے وزیر اعظم کا عہدہ اہمیت میں بڑھ گیا۔

اقتصادی بحران اور کرائسس جوں کے توں رہے' جس کی وجہ سے حکومت پر عوام کی طرف سے سخت تنقید ہونے لگی چنانچہ نیشنل پارٹی جو 1368ھ میں منظر عام پر آئی تھی کو اتاترک کے اصولوں سے انحراف کے الزام میں کالعدم قرار دیدیا گیا لیکن یہ پارٹی قومی جمہوری پارٹی کے نام پر دوبارہ قائم ہوئی اور ان صحافیوں پر بھاری جرمانے عائد کیے گئے جو حکومت پر تنقید کرتے تھے۔ یونیورسٹیوں کے اساتذہ' ججز' سول سروسز کے ملازمین پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور 1376ھ میں ہر قسم کے اجتماعات پر پابندی عائد کر دی گئی۔

ڈیموکریٹک پارٹی نے بہت سے بے گناہ لوگوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ حکومت کے خلاف ایک سازش میں شریک ہوئے ہیں۔ اس سازش کو ''نو افسران کی سازش'' کا نام دیا گیا اور کہا گیا کہ انہوں نے سیکولر اصولوں سے انحراف کیا ہے اور اسلامی دینی تنظیموں کا ساتھ دیا۔ اس دوران عملاً اسلام مخالف بعض رجحانات سے کسی حد تک واپسی اور رجوع کا عمل سامنے آیا جس کی وجہ عملاً اسلامی دباؤ کا بڑھ جانا تھا۔(1)

حتیٰ کہ جمہوری نیشنل پارٹی نے اپنے بعض سیکولر نظریات میں تبدیلی پیدا کرنا شروع کر دی اور انقرہ میں الہیات فیکلٹی اور علوم اسلامیہ کا ایک ادارہ قائم کرنے سے اتفاق کیا۔

14 اگست 1950ء کے انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی نے اسلامی جماعتوں پر اعتماد کیا اور اسی وجہ سے وہ جمہوری نیشنل پارٹی کے مقابلے میں کامیاب ہوئی' اس کے علاوہ کئی دوسری جماعتوں پر اعتماد کیا جیسے 1961ء اور 1980ء میں

''عدالت پارٹی'' نے اسلامی جماعتوں کو اپنے ساتھ ملا کر کامیابی حاصل کی۔

رہی صراط مستقیم پارٹی تو اس نے اسی کی دہائی میں اسلامی رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

قومی عمل پارٹی الپ ارسلان تورکش کی سربراہی میں اسلامی سلسلہ میں شامل ہوئی اور اس نے سیکولرازم کے بارے اپنی تعبیر کو بدل دیا' یہ لوگ اسلامی رائے عامہ کے قریب آنا شروع ہوئے۔ 1987ء کے انتخابات میں اس پارٹی کا نعرہ تھا ''قرآن ہمارا رہنما ہے اور توران ہماری منزل ہے''۔(1)

مگر اس کا منظم عمل جس نے سیکولرازم کی تلاطم خیز موجوں میں اپنا راستہ بنایا' اس وقت سامنے آیا جب ''سلامت وطن پارٹی'' کا ظہور عمل میں آیا۔

ترکی میں ''سلامت وطن پارٹی'' کے ظہور سے قبل اسلامی تحریک درج ذیل عناصر پر مشتمل تھی۔

1. مصطفیٰ کمال کی مخالف صوفی تحریک: ترکی کے صوفیاء نے اسلامی میراث کی اپنے خاص مفہوم اور تعبیر کے ساتھ حفاظت کی' یہ لوگ خفیہ طریقے سے قرآن کریم کے حفظ کی تعلیم دیتے رہے' اس تحریک کا ہدف ترکی باشندوں کے دلوں میں اسلامی عبادات کے ذوق وشوق کو باقی رکھنا تھا' اس سلسلے میں انہوں نے ایسی تنظیمیں بنائیں جو ایسے مدارس کی مالی امداد کرتی تھیں جو امام تیار کرتے اور خطباء کی ٹریننگ کا فریضہ ادا کرتے' ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کام کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھایا جائے اور کمال پارٹی کے ظلم وستم کی وجہ سے اسلامی مبلغین کے چھپ جانے کی وجہ سے جو کمی واقع ہوئی ہے اس کو پورا کیا جائے۔ عظیم مصلح اور امام سعید نورسی کی تحریک جسے تحریک نور کے نام سے پہچانا جاتا ہے' اس پارٹی نے ایمان باللہ' ایمان بالآخرت کے حق میں الحاد پرستی اور مادیت پرستی کے خلاف جنگ' نئی نسل کی تربیت کے اہتمام پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور سیاست سے کافی حد تک الگ تھلگ رہی۔(2)

ترکی میں جب کسی حد تک آزادی رائے حاصل ہوئی تو اسلام سے وابستہ لوگوں نے اس بات کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا کہ سیاسی معرکہ آرائی کے میدان میں اتر کر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ سو اس مقصد کے لیے جنوری 1970ء میں ''ملکی نظام پارٹی'' کی بنیاد رکھی گئی' یونس عارف نے اس پارٹی کی تشکیل میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اس پارٹی کو بنیادی طور پر چھوٹے تاجروں' مزدوروں اور اناصنول کے دینی شعور رکھنے والے لوگوں کی تائید حاصل ہوئی' بہت کم عرصہ میں اس پارٹی نے ملک کے طول وعرض میں مقبولیت حاصل کی اور سیکولر پارٹیوں کے لیے ایک بہت بڑے خطرے کا روپ دھار گئی' اس کے قیام کے موقع پر جو بیان دیا گیا وہ درج ذیل ہے۔

''آج ہماری عظیم قوم جوان فاتحین کی وارث ہے جنہوں نے ایک ہزار سال پہلے صلیبی لشکروں کو ناکوں چنے چبوائے' جنہوں نے 500 سال پہلے استنبول کو فتح کیا جنہوں نے 400 سال قبل ویانا کے دروازوں پر دستک دی اور 50 سال پہلے خود

1۔ الحرکۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر احمد نعیمی: ص (184,187)

2۔ المعالم الرئیسیۃ التاریخیۃ والفکریۃ لحزب السلامۃ' عبدالحمید حرب: ص (435)' ندوۃ اتجاہات الفکر الاسلامی المعاصر: البحرین (1985ء)

مختاری کی جنگ میں گھس گئے۔ یہ عظیم امت آج پھر سے اپنی ٹھوکر سے سنبھل کر اٹھی ہے اپنے عہد کو تازہ کرتی ہے اور اپنی اصل پارٹی "نظام وطن پارٹی" کے ساتھ مل کر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نظام وطن پارٹی اس امت کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلائے گی اس امت کو جو عظیم اخلاق اور فضائل کی امین ہے جس کی تاریخ نہایت روشن ہے اور ان تمام باتوں کے علاوہ وہ ایک ایسا سرمایہ رکھتی ہے جس کا وارث آج کا وہ نوجوان ہے جو ایک بیدار مغز مؤمن کی حیثیت سے اپنے مسائل اور اپنے وطن کے قضیے کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور اپنے اسلاف کی نمائندگی کر کے اسے تمام بحرانوں سے بخوبی نکال سکتا ہے"۔(1)

نظام پارٹی نے اپنا منشور ایک نظم کی صورت میں پیش کیا جس کے اہم الفاظ درج ذیل ہیں۔

❶ ترکی کی تمام اہم تنظیمیں غیر ملکی اجنبی ہاتھوں میں ہیں' قومی اور طبعی حقیقت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تنظیموں کو اپنے ملک کے باشندوں کے ہاتھوں کی طرف لوٹا دیا جائے۔

❷ چالیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے کہ بیرونی طاقتیں ترکیوں کو ان کے حقیقی محور سے دور کر کے غیر ملکی محور کے اردگرد چکر لگانے کی کوشش میں ہیں' لوگ بہت مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں اور بے حد تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو فطرت کی طرف اور اپنے اصل محور کی طرف لوٹایا جائے تاکہ ان کے معاملات سنور جائیں اور وہ آزادی فکر سے مستفیض ہو سکیں۔

❸ اس دور کی اصطلاحات دایاں بازو' بائیاں بازو اور وسطی پارٹی جیسے الفاظ ماسونیت اور صیہونیت کی ایجاد ہیں۔ یہ تمام تنظیمیں ایک خاص مقصد کے تابع ہیں اور وہ یہ ہے کہ ترکی کو اس کے تہذیبی پروگرام سے جس کی عمر ہزار سال ہے دور کیا جائے' ان غیر ملکی ناموں سے نجات ضروری ہے اور اپنے اصل پروگرام کی طرف واپسی جو ہماری شاندار ماضی کو مشرق کے کل سے جوڑتا ہے نہایت ضروری ہے۔

❹ نظام وطن پارٹی دوسری پارٹیوں کی طرح نہیں ہے' تمام پارٹیاں تسلط' حکمرانی کی خواہش پر قائم ہوئی ہیں اور ہماری پارٹی کی بنیاد ایک نئے نظریہ پر رکھی گئی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور وطن کی خاطر کام کرنا۔

❺ ترکی کا نظام تعلیم بہت خراب ہے' اسے صلیبی اور یہودیوں کے ایک متعصب گروہ نے وضع کیا ہے۔ یہ نصاب تعلیم اس امت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ یہ نصاب تعلیم اس کی نظروں میں روحانی' اخلاقی اور دینی تمام اقدار کو گرا دیتا ہے' اس نظام تعلیم کی غرض و غایت ترکی کو اس کے اسلامی ماضی سے دور کرنا' اس کے دین اور اخلاقی قدروں سے اس کو متنفر کرنا ہے' اس طریقہ سے وہ صرف نسل نو کو قتل کر رہے ہیں اور ہمارے ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ 50 سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہم سنتے آ رہے ہیں کہ ترکی یورپ کا حصہ ہے اور ترکی صرف اس صورت میں ترقی کر سکتا ہے کہ دین سے بالکل ناطہ توڑ لے جس طرح مغرب نے ناطہ توڑ لیا ہے' یہ لوگ اس بات کو بھول چکے ہیں کہ اسلام کلیسا اور پادری کی مملکت سے بہت مختلف ہے۔

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا: ص 126

❾ ایک طرف تو حکومت اسلامی اداروں میں کتابوں کی تقسیم کو روک رہی ہے' امامت اور خطابت کی ٹریننگ کے ادارے قرآن کریم کی تعلیم کے مدارس بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور دوسری طرح اربوں روپے کی رقم تھیٹروں' آرٹسٹوں اور ایمبسڈروں کے مشروبات پر خرچ کر رہی ہے۔ ایک طرف حکومت ان طالبات کو سکاف اوڑھنے کے خلاف ہے جو دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور بغیر کسی شوروغوغا کے پرامن طریقے سے دینی کتابیں پڑھتی ہیں اور دوسری طرف نائٹ کلبوں اور رقص و سرور کی محافل پر بے تحاشا دولت لٹا رہی ہے جو ملک میں بے حیائی کی ضامن ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام وطن پارٹی حقیقی اسلام کی طرف واپسی پر زور دیتی ہے۔(1)

یہودی اور ترکی کے سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ اس ابھرتی ہوئی آواز کو کیسے برداشت کر سکتے تھے' ایک حیات بخش آواز ایک نشاط انگیز آواز جو نوجوانوں کے دلوں میں ایمان کی بجھتی چنگاری کو شعلہ جوالہ میں بدل سکتی تھی' ترکی نسل نو کو اپنے شاندار اسلامی ماضی کی طرف مائل کر سکتی تھی' اسی لیے 1971ء میں ترکی فوج حرکت میں آ گئی۔ نظام وطن پارٹی کا مسئلہ عدالت میں پیش ہوا اور 21 مارچ 1971ء کو اس پارٹی پر سخت پابندی عائد کر کے اسے کالعدم قرار دے دیا گیا۔

ملکی امن سپریم کونسل کا فیصلہ

اس کونسل نے درج ذیل نکات کو بنیاد بنا کر نظام وطن پارٹی کو کالعدم قرار دے دیا۔

❶ یہ پارٹی جن اصولوں پر قائم ہے اور جن امور کی سرانجام دہی کا اس نے فیصلہ کیا ہے وہ ترکی آئین کے خلاف ہیں۔

❷ ملک میں سیکولرازم کا خاتمہ اور اسلامی حکومت کا قیام۔

❸ ان تمام اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی بنیادوں میں تبدیلی جن پر یہ ملک قائم ہے۔

❹ اتاترک کے اصولوں کے مخالف سرگرمیاں

❺ بعض دینی مظاہر کا قیام

اس کونسل کے فیصلے میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اس پارٹی کے کسی شخص کو کسی اور سیاسی پارٹی میں شمولیت کی اجازت نہیں ہے' نہ ہی اس پارٹی کے ارکان کوئی نئی پارٹی بنا سکتے ہیں اور نہ ہی آنے والے انتخابات میں یہ لوگ حصہ لے سکتے ہیں۔ 5 سال تک نہ آزادانہ کینڈیڈیٹ کی حیثیت سے اور نہ ہی کسی پارٹی کے رکن کی حیثیت سے' گویا اس پارٹی کے قیام اور اس پر پابندی عائد ہونے کا درمیانی عرصہ صرف 6 ماہ کا ہے۔(2)

ایسے گرم حالات و واقعات اور اسلام اور سیکولرازم کے درمیان سخت چپقلش کے دوران جو ترکی میں برپا تھی' عظیم مجاہد نجم الدین اربکان سامنے آیا جو سیکولرازم کے حامیوں کے خلاف نظریاتی جنگوں میں گھس گیا۔ 2 اگست 1972ء کو وطن سلامت پارٹی کے قیام سے پہلے اربکان نے وطن کونسل میں تقریر کی اور کہا: ''ہماری رائے میں کسی بھی مسئلے کی ضروری اور زیادہ مناسب وضاحت دستور کو ایک جمہوری دستور بنا دیتی ہے۔ تحریکوں اور افکار و نظریات جیسے بنیادی انسانی حقوق پر قدغن لگانے کے لیے

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا: ص 127 2۔ ایضاً ص 128

مناسب دستوری مواد کا ہونا ضروری ہے اور اس طرح حالیہ قانون سازی کے لیے فضا ہموار کرنا ممکن ہو جائے گا جو دستور کے بنیادی اصولوں کے ساتھ متعارض ہے' اس طرح کی حالت میں ایک انسان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ حریت فکر و نظر کے وجود کے بارے بات کرے یقیناً اس سے ہمارا ملک ترقی کرے گا اور آگے بڑھے گا اور اس سے دنیا کی تہذیبوں کی صف میں ایک عزت کا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا''۔(1)

اربکان کی نظر میں کوئی آئین اس وقت تک جمہوری آئین شمار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں انسان کے بنیادی حقوق اور فکری اور اعتقادی آزادی کی ضمانت فراہم نہ کی گئی ہو' دراصل اربکان اس مکمل آزادی کے پس پردہ اسلامی افکار کی نشر و اشاعت کے کام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں' دونوں سیکولر اخبارات ''جمہوریت'' اور ''مللیت'' نے اربکان کے ان اقوال اور بیانات کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ سیاسی مقاصد کی خاطر دین کو استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں۔(2)

نجم الدین اربکان نے سیکولرازم پر خوب حملے کیے ہیں اور ترکی آئین میں موجود تھوڑی سی نرمی سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے ایک بیان میں سیکولر اخبارات کی تنقید کو رد کرتے ہوئے جوان کے خیالات پر کی گئی کہتے ہیں: ''قومیت' جمہوریت' سیکولرازم اور معاشرت ایسی اصطلاحات ہیں جن پر اس ملک کا وجود قائم ہے' دستور کی دوسری شق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہے کہ ہمارا دستور اختلاف رائے کی گنجائش نہیں رکھتا' اس صورت حال میں بالخصوص قومیت کی اصطلاح کی توضیح بہت ضروری ہے یعنی قومیت کی حدود کا اس طرح تعین ضروری ہے کہ اس سے ہماری قومیت کی من حیث التاریخ اور من حیث التقالید (تاریخ اور رسوم کے حوالے سے) تمام روحانی قدروں کا احترام قائم ہو سکے''۔(3)

نجم الدین نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا ''دین بنیادی نظریہ ہے اور افراد کا فکری نظام ہے' اس کا مطلب ہے فرد کے اعتقادات کے حقوق کا اعتراف اور اس کی آزادی اور وجود کے حق کو تسلیم کرنا' کسی انسان کو ان بنیادی حقوق سے محروم کرنا ہمارے دستور کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بالخصوص شق ''1'' مادہ ''19'' اور مادہ ''20'' کے''۔(4)

وطن سلامت پارٹی نے 8 ماہ کی مختصر مدت کے دوران 67 ضلعوں میں شاخیں قائم کیں اور نجم الدین اربکان نے اعلان کیا کہ اس کی پارٹی کی اس مختصر عرصہ میں اس حد تک کامیابی اس پارٹی کے ساتھ مقامی لوگوں کے اتفاق رائے کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ یہ پارٹی دینی قدروں کی اہمیت کی بات کرتی ہے' اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے وطن سلامت پارٹی نے اپنے منشور میں اس بات پر زور دیا کہ

''ایک ایسی پارٹی کا قیام جو انسان کی ذاتی خوبیوں اور اخلاق حمیدہ پر اعتماد رکھتی ہو اور انسان کو روحانی قدریں دینے کی ضمانت فراہم کرتی ہو' جیسا کہ دستور کی دفعہ ''10'' اور ''14'' میں مذکور ہے جس کے مطابق انسان کی روحانی قدروں پر اخلاقی اور ذاتی خوبیوں کی بنیاد پر زور دیا گیا ہے''۔(5)

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص 128 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ المعالم الرئیسیہ الاسس التاریخیہ لحزب السلامۃ الوطنی: ص 435 5۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ' ڈاکٹر نعیمی: ص 130

سلامت پارٹی کے اہم ترین کام

جب سلامت پارٹی کے ارکان نے محسوس کیا کہ انہیں طاقت حاصل ہوگئی ہے اور وہ ترکی کی سیاسی زندگی کا ایک اہم جزو بن گئے ہیں تو پارٹی کے اراکین نے ترکی میں سیکولرازم پر منظم شدید اعلامی حملے شروع کر دیئے اور لوگوں کو بتایا کہ جدید ترکی کا سیاسی ڈھانچہ اسلام کے سیاسی اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام دینی اور سیاسی تمام اختیارات کو دین کے تابع کرنے کا حامی ہے' گویا سیکولرازم اور سیکولر نظام اسلام' شریعت اور دین کے خلاف ہیں' بالخصوص ترکی میں ایسے نظام کے نفاذ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ نظام الحاد کی ضمانت کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔(1)

اس کے بعد سلامت پارٹی کے ارکان اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان خائن اور کذاب سیاستدانوں کے نزدیک دنیاوی معاملات دینی معاملات سے الگ ہیں لیکن مسلمانوں کے نزدیک سیاست دین سے جدا نہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قانون سازی کا حق انسان کے پاس نہیں اگر کوئی شخص قانون بناتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قانون ساز ہے تو اس کا علم خطا شمار ہوگا' اسلامی قوانین کا خالق انسان کا خالق ہے اور اس نے یہ قوانین انسان کی فطرت سے ہم آہنگ تخلیق کیے ہیں' انسانی قوانین انسانی فطرت سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو ہر دور کے لیے قابل عمل ہے۔ اسلام دین اور سیاست ہر دو امور میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن صرف اس لیے نازل نہیں ہوا کہ مزارات پر پڑھا جائے یا عبادت گاہوں میں بند کر کے رکھ دیا جائے۔ قرآن کریم اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے قوانین کی روشنی میں تمام امور سرانجام دیئے جائیں۔(2)

عظیم مجاہد نجم الدین اربکان نے سیکولرازم کے خلاف اپنی جنگ میں دلیل کے ذریعے بڑی مشکل کے ساتھ راستہ بنایا۔ انہوں نے پاکستانی سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ اپنی بات چیت کے دوران بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا اسلامی مملکت کے قیام کی واحد شرط ہے۔ اس سلسلے میں اربکان نے کہا: ''سب سے پہلے ضروری ہے کہ مملکت اسلامی ہو حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے دین اسلام خطرے میں ہے''۔(3)

سلامت وطن پارٹی نے 1973ء کے انتخابات میں براہ راست جمہوریت کے خلاف موقف اختیار کرنے کی کوشش نہ کی لیکن 1980ء کے انتخابات میں اپنے حقیقی خیالات کو کھول کر بیان کیا اور جمہوریت پر کھل کر تنقید کرتے ہوئے لوگوں کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ نظریہ سیاست اسلام کے خلاف ہے۔(4)

اس سلسلہ میں سلامت پارٹی نے کہا: ''جمہوریت مغرب کی سازش ہے جس کے ذریعے مغربی اور مسیحی طریقوں کو جاہل قیادت کے ذریعے ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' جمہوریت درحقیقت اس کے خلاف مسیحیت کی فتح ہے' اس لیے ضروری ہے کہ شرعی قوانین کی بالادستی قائم کی جائے کیونکہ انسان کے خودساختہ قوانین کا نفاذ بہتری کی ضمانت فراہم نہیں کرسکتا''۔(5)

1۔ الحرکۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ' ڈاکٹر نعیمی: ص 131 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 132 4۔ ایضاً ص 135 5۔ ایضاً

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بارے سلامت پارٹی کے نقطہ نظر کو نجیب فاضل کے ایک مضمون کے ذریعے اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جاتا ہے:

''نجات کی راہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں' پہلا حصہ ہے اسلام کا طریقہ نجات اور دوسرا ہے وہ طریقہ نجات جو ہمیں وراثت میں ملا ہے' آخر الذکر طریقہ نجات اور کامیابی کی ضمانت قطعاً فراہم نہیں کر سکتا کیونکہ آخر الذکر خدائی تعلیمات پر اعتماد نہیں رکھتا بلکہ انسان کے خود ساختہ قوانین کو خدائی قوانین کے مدمقابل لاتا ہے۔ مثلاً کمیونزم' سرمایہ دارانہ نظام' اشتراکیت اور جمہوریت۔ شریعت اسلامی اس بات پر زور دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات کو نافذ کریں کیونکہ ہماری ذاتی آراء قوانین کے سلسلہ میں کافی نہیں ہو سکتیں کیونکہ جمہوریت میں لوگ ووٹ کے نظام کے تحت حکومت کرتے ہیں اور کلام اللہ کی طرف رجوع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں تمام مسائل ووٹ کے نظام کے ذریعے حل کیے جاتے ہوں وہاں اسلام نہیں پھیل سکتا''۔

رہا یونائیٹڈ سٹیٹس کے بارے اس پارٹی کا موقف تو ترکی علاقوں میں امریکہ کی موجودگی کی اس پارٹی نے ہمیشہ مخالفت کی۔ اسی طرح اس پارٹی نے اس بات کی بھی مخالفت کی کہ امریکہ مشرق اوسط کے خلاف جارحیت کے لیے ترکی علاقوں کا استعمال کرے۔ اسی وجہ سے 1979ء کے اواخر میں سلامت پارٹی نے ڈیمرل کی حکومت پر تنقید کی کیونکہ ترکی میں امریکہ کی عسکری سرگرمیاں بڑھ رہی تھیں۔ اس پارٹی نے ترکی پارلیمنٹ سے مطالبہ کیا کہ وہ ڈیمرل کی حکومت سے امریکی سرگرمیوں کے بڑھنے کے بارے جواب طلبی کرے۔ اس پارٹی نے بطور دلیل ان دو طیاروں کا تذکرہ کیا جو جدید ترین اسلحہ لے کر مالقا کے ایئر پورٹ پر اترے۔ اس سامان کے علاوہ ان جہازوں میں 180 فوجی بھی سوار تھے' پارٹی نے اس بات پر زور دیا کہ یہ چیز علاقائی امن کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

درحقیقت پارٹی قبرص کے مسئلہ کے ذریعے مغرب اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اربکان نے عسکری قیادتوں کو الجزیرہ میں اپنی فوجیں اتارنے پر آمادہ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اجوید کے شمالی یورپ کے ملکوں کے دورہ کے دوران اس کی عدم موجودگی میں اربکان نے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اربکان کی قیادت میں پارٹی نے بحرایجہ میں یونان کے تمام منصوبوں اور سکیموں کو ناکام بنا دیا' اس سلسلے میں اربکان کہتے ہیں: ''ہم عدل و انصاف اور حق کے اصولوں پر عمل پیرا ہوں گے نہ کہ ان اصولوں کی پاسداری کریں گے جو یورپ کے بڑے بڑے ملکوں نے ہمارے لیے مرتب کیے ہیں''۔(1)

یورپ کی مشترکہ منڈی کے بارے اربکان کہتے ہیں: ''ترکی پر لازم ہے کہ وہ مغربی ملکوں کی یورپی مشترکہ منڈی میں شریک نہ ہو بلکہ وہ مشرقی ملکوں کی مشترکہ منڈی میں شرکت کرے۔ ترکی مغربی ملکوں سے بہت پیچھے ہے لیکن مشرقی ملکوں کی نسبت بہت آگے ہے جب ترکی موجودہ حالات میں مغرب کی مشترکہ منڈی میں شریک ہوگا تو وہ ان ملکوں کی نو آبادی کی شکل

1۔ الاحزاب السیاسیۃ فی ترکیا' حسین فاضل کاظم: ص 192

اختیار کرے گا''۔(1)

سلامت پارٹی کو ترکی میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی' اس پارٹی نے اسلامی تشخص کی بحالی کی پوری کوشش کی۔ اشتراکیت اور کمیونسٹ تنظیموں کا اسلامی دلائل و براھین کے ذریعے خوب مقابلہ کیا اور ترکی قوم پر واضح کر دیا کہ خدائی منہج سے انحراف کرنے کی وجہ سے انہیں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

اربکان لوگوں کی توجہ چیخ چیخ کر دشمنان اسلام کی طرف مبذول کراتا ہے اور دونوں نظاموں اشتراکیت اور سرمایہ داری کے خلاف خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اشتراکیت کے بارے کہتا ہے: ''یہ ایسا نظریہ ہے جو آزادیوں کو سلب کرتا ہے اور قومی ڈھانچے کو نقصان پہنچا کر غیر ملکی ذرائع پر اندھا اعتماد کرنے کی تلقین کرتا ہے''۔(2)

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے بارے کہتے ہیں: ''سرمایہ دارانہ نظام معیشت ایک ایسا نظریہ ہے جس کی بنیاد سود پر ہے اور اس کا مصدر و منبع بھی غیر ملکی ہے۔ سلامت پارٹی اپنے راستے پر اخلاق اور بہترین سوچ کا جھنڈا بلند کیے گامزن ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظام صرف میدان معیشت تک محدود نہیں رہتے بلکہ معاشرتی اور روحانی میدان بھی ان سے متاثر ہوتے ہیں' بظاہر دونوں نظاموں کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود یہ دونوں نظام مادی ہیں اور دونوں اخلاقی اور روحانی زوال کے مقابل مادی پہلو کی ترقی پر عمل کرتے ہیں' یہ دونوں نظام مادی ترقی کے ساتھ ساتھ ثقافتی اور اخلاقی گراوٹ کا سبب بنتے ہیں''۔(3)

سلامت پارٹی دراصل ''عظیم ترکی'' کے مفہوم تک پہنچنا چاہتی ہے اور عثمانی قوم کے عظیم ماضی کے طریقوں کو اپنانے کی خواہش مند ہے اس پارٹی نے اسلام کے ساتھ ترکوں کی وابستگی کی اہمیت کو لوگوں پر واضح کیا اور ایسی پالیسی اختیار کی ہے جو بالآخر اتاترک کے سیکولر اصولوں کے خاتمے کا سبب بنے گی' اس کے ساتھ ساتھ وہ ترکی میں غیر اسلامی عناصر کے ساتھ عدم تعاون کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی سختی کے ساتھ کمیونزم کی مخالفت کرتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بہترین راستہ اسلامی اصولوں کی اشاعت ہے اور یہی چیز ترکی ہم وطنوں کی آزاد زندگی کی ضامن بن سکتی ہے۔

اربکان نے تمام میدانوں میں عالم اسلام کے ساتھ ترکی کے تعلقات بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انہوں نے اس بارے کہا ہے: ''یہ تعلقات صرف ظاہری حد تک کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ یہ تعلقات عمل کے سانچے میں ڈھلیں اور روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوں کیونکہ دنیا میں 50 اسلامی ملک ہیں جن کے باسیوں کی تعداد کروڑوں میں ہے اور یہ اسلامی ممالک ہماری مصنوعات کے لیے طبعی طور پر ایک طاقتور منڈی ہیں''۔(4)

اس بنا پر اربکان صیہونیت اور ماسونیت دونوں پر سخت تنقید کرتا ہے(5)۔ اور اس بارے کہتا ہے: ''صیہونیت اور ماسونیت نے ترکی کو عالم اسلام سے دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور آج تک ان کی یہ سازش جاری ہے۔ ترکی میں اسلام اور

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص137
2۔ یقظۃ الاسلام فی ترکیا' انور الجندی: ص30-29
3۔ یقظۃ الاسلام فی ترکیا: ص30
4۔ ایضاً
5۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص141

صہیونیت کے درمیان جاری جنگ نے کئی شکلیں اختیار کی ہیں' یہ ایک لمبے عرصے کی جنگ ہے جو 5 صدیوں سے جاری ہے' اس روز سے جس روز سلطان محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا اور روم کو فتح کرنے کی پالیسی اپنائی تھی لیکن یہ چپقلش اب آخری صدی سے وہ شکل اختیار کر چکی ہے جسے ان کے اسلاف نے اپنے ذہنوں میں بہت پہلے مرتسم کر رکھا تھا' بعض طاقتوں نے 1839ء میں اس ملک کے نظریاتی جسم کو متاثر کرنے کی پالیسی اختیار کی اور یہودی ماسونی تنظیموں کے ذریعے اسلام مخالف وضعی قوانین کو رواج دیا۔"

ترکی میں اس یہودی کارروائی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن کی مجموعی مدت تیس سال بنتی ہے۔ یہ یہودی کارروائی لیٹوئیڈ ڈ اور ہرتزل کی سوچ کو عملی جامہ پہنانے سے عبارت ہے جس کا مقصد ترکی میں اسلامی مملکت کا سقوط ہے۔ دوسرا مرحلہ جو 20 سالوں پر مشتمل ہے' اس میں ترکی کو اسلام سے دور کرنے کی کوشش کی گئی' پھر اتحاد و ترقی پارٹی کا ظہور ہوا جن کے یہودیوں اور ماسونیوں سے گہرے روابط تھے۔ اسی وجہ سے سلطان عبدالحمید کی برطرفی عمل میں آئی اور ترکی اسلامی طریقہ کار سے دور ہوتا چلا گیا اور مختلف طریقوں سے مغربیت کو قبول کرتا چلا گیا' ان طریقوں میں اہم ترین طریقہ سیکولرازم کا ہے جس کا مطلب ہے ترکی میں ظلم وستم کے ذریعے مسلمانوں کی راہ روکنا۔(1)

وطن سلامت پارٹی نے 1973ء کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا اور اس نے 11,9 فیصدی ووٹ حاصل کیے' یعنی 124 ملین ووٹوں میں سے۔ اس کے نتیجہ میں ترکی کی قومی اسمبلی میں انہوں نے 45 سیٹوں کے ذریعے خود نمائندگی کی۔

1973ء کے انتخابات کی شام کو اربکان نے اعلان کیا "ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو واپس لائیں گے۔" انتخابات کے بعد انہوں نے اس بات کا اعلان بھی کیا کہ ان کی پارٹی کی حیثیت ایک چابی کی ہے جو ان کے سامنے بند دروازوں کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی اور تمام وفاقی حکومتوں کی چابی ثابت ہوگی۔(2)

اس کے نتیجے میں پہلی متحدہ حکومت تشکیل پائی' یہ واقعہ 25 جنوری 1974ء کو پیش آیا اور وزارت میں 18 وزیر حزب الشعب الجمہوری (جمہوری وطن پارٹی) اور 7 ممبران سلامت پارٹی سے لیے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سلامت وطن پارٹی کی کوششیں اربکان کی سربراہی میں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور یوں ترکی میں پہلی مرتبہ اگست 1974ء میں اسلامی سربراہی کانفرنس میں اس پارٹی کو نمائندگی حاصل ہوئی اور اس کانفرنس میں وطن سلامت پارٹی کے ایک نمائندہ نے بحیثیت وزیر داخلہ شرکت کی۔

ستر کی دہائی میں وطن سلامت پارٹی نے ترکی میں سیکولر رویوں پر کاری ضرب لگائی اور بعض اسلامی رویوں کو عام کرنے کی کوشش کی۔ بالخصوص ماہ رمضان میں اس کے علاوہ اسلامی مدارس کے سلسلے کو وسیع کیا گیا اور ان مدارس میں ائمہ اور واعظین کی تربیت کی اجازت دی گئی۔ ان مدارس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور تقریباً 10 فیصد طالب علم ثانوی مدارس سے آکر ان میں پڑھنے لگے۔ عورتوں کی تعداد جو ان مدارس سے مستفیض ہوئی' 50 ہزار تک پہنچ گئی۔ اس قدر زیادہ تعداد بچے بچیوں کا

1۔ الصحوۃ الاسلامیۃ منطلق الاصالۃ واعادۃ بناء الامۃ علی طریق اللہ: الجندی (ص 117)

2۔ ایضاً ص 143

مدارس کی طرف رجوع کرنا سیکولر ذہن رکھنے والے لوگوں کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ خیال کیا گیا' سوان لوگوں نے ترکی تمدن کے لیے اسے ایک بہت بڑا چیلنج خیال کیا۔(1)

سلامت وطن پارٹی اور النور تحریک کے طلبہ کے اثر ورسوخ سے ترکی میں ہزاروں کتابیں منصۂ شہود پر آئیں اور وزارت تربیت نے ان کی اشاعت میں مدد بہم پہنچائی' ترکی سلسلہ ثقافت نے اسلامی معیار حاصل کیا۔ سلامت پارٹی ترکی کی بڑی قومی مجلس میں اسلامی نظریات کو پھیلانے کی کوشش کرنے لگی۔ ترکی سے نکلنے والے اسلامی اخبارات نے کمال اتاترک پر خوب تنقید کی اور اسے ''دجال'' کا نام دیا۔ اس پارٹی نے مذہبی امور کے سربراہ پر دباؤ ڈالا حتیٰ کہ جون 1973ء میں وزارت مذہبی امور نے ایک بیان جاری کیا جس میں ترکی عورت کو حجاب کی دعوت دی۔

اربکان نے 1974ء میں جب سعودیہ کا دورہ کیا جبکہ وہ نائب رئیس الوزراء تھے تو سب سے پہلے کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کی' اپنے ایک خط میں جو انہوں نے شاہ فیصل مرحوم کے نام لکھا اس بات کا ذکر کیا کہ مشرقی اور جنوب مشرقی علاقوں میں جاری ان سکیموں سے حجاج اور عام لوگوں کا آگاہ ہونا بہت ضروری ہے جن کے تحت ترکی کو عنقریب قرضے جاری کیے جائیں گے۔ آپ لوگوں کا ترکی میں میرے موقف کی تائید کرنا عالم اسلام میں ترکی کے لیے ایک جدید مرحلے کا آغاز ثابت ہوگا۔ آپ لوگوں کی امداد اس مرحلے میں ہمارے لیے بہت سودمند ثابت ہوگی۔(2)

اربکان پارلیمنٹ سے ایک قانون پاس کروانے میں بھی کامیاب ہوگئے جس کے تحت ترک حج کرنے میں آزاد تھے جبکہ اس سے پہلے حکومت نے حج پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔(3)

وطن سلامت پارٹی نے ترکی معاشرہ میں نہایت جرات مندانہ اقدامات کیے۔ یہی وجہ تھی کہ ترکی فوج جو سیکولرازم کی غلام ہے' نے اس چیز کو برداشت نہ کیا اور 12 اگست 1980ء کو مداخلت کرتے ہوئے سیاسی آزادی اور اجتماعات پر پابندی عائد کر دی۔ اس سے پہلے 6 اگست کو قونیا میں بہت بڑے بڑے مظاہرے ہوئے جن میں مظاہرین نے اسلامی مملکت کے حق میں نعرے لگا۔ سلامت پارٹی کے اراکین نے اتاترک کے نظریات اور اس کے عسکری اداروں کا ٹھٹھا کیا۔ ملک کے کونے کونے سے آئے ہوئے ان لوگوں نے دینی نوعیت کے نعرے لگائے' ملک میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور قومی ترانہ کی دھن بجانے کی مخالفت کی۔(4)

مظاہرین نے القدس شریف پر یہودی قبضہ کے خلاف بھی احتجاج کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کرلے اور القدس شریف کو آزادی دلانے کی کوشش کرے' ان مظاہروں میں اربکان نے لوگوں کو اس بات کی بھی دعوت دی کہ وہ مغربی فکر وفلسفہ جس نے ترکی کو غلام بنا رکھا ہے سے خلاصی حاصل کریں۔ مظاہرین نے کتبے اٹھار کھے تھے جن پر عربی رسم الخط میں حکومت سے مختلف مطالبات کیے گئے تھے۔ مظاہرین نے صہیونی امریکی اور سوفیتی جھنڈوں کو بھی

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص 145
2۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر محمد مصطفی: ص 207
3۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص 147
4۔ ایضاً

نذر آتش کیا اور نعرہ لگایا ''موت یہودی قوم کا مقدر ہے'' تو نیا جس میں بہت بڑی تعداد یہودی قوم کی ہے' تقریباً 20 ہزار یہودی یہاں بستے ہیں' یہاں مظاہرین نے یہودیوں کے خلاف خوب نعرہ بازی کی اور کہا کہ ''دینی قانون کا دور آ گیا ہے اب وحشت و بربریت کا خاتمہ ہوگا' ہمارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں' شریعت کا نفاذ یا موت' الحاد پرست ملک کی بربادی ضروری ہے۔ قرآن ہمارا دستور ہے' ہم اسلامی مملکت چاہتے ہیں جو پابندیوں اور طبقاتی کشمکش سے آزاد ہو''۔

وطن سلامت پارٹی کے لوگ آگے بڑھتے گئے' روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا کیونکہ انہوں نے اسلامی احکام پر علی الاعلان عمل کرنا شروع کر دیا۔ بالخصوص 1980-1979ء کے عرصہ میں مجبوراً جمہوری پارٹی اور عدالت پارٹی کو سلامت وطن پارٹی کی خوشنودی حاصل کرنا پڑی اور اسلامی ممالک سے مالی امداد اور پٹرول حاصل کرنے کی غرض سے اسلامی نقطہ نظر کے حق میں اپنے بعض نظریات سے دستبرداری اختیار کی۔

ترکی آرمی کی قیادت اپنے فوجی انقلاب کے بعد یہ بات کہنے سے نہ شرمائی کہ ''ان کی مداخلت اسلامی ترکی کو روکنے کی غرض کے لیے ہے''۔

انقلابیوں (فوج) نے تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی عائد کرنے' ان کے قائدین کو نظر بند کرنے اور انہیں عدالتوں کے روبرو پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ سلامت وطن پارٹی پر مقدمہ چلانا ایک طبعی امر تھا' اربکان اور اس کے مجاہد ساتھیوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ ترکی میں دوبارہ اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور سیکولرازم اور مصطفیٰ کمال کے اصولوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ترکی کے سیکولر متکبر فوجی جرنیلوں نے بڑی بے شرمی سے چیف آف آرمی سٹاف جرنل ایفرن کی زبانی یہ اعلان کیا کہ وہ ہر اس شخص کی زبان کاٹ دے گا جو اتاترک پر تنقید کرے گا۔(1)

سلامت وطن پارٹی نے ترکی کی داخلی سیاست کے اسلوب میں بعض تبدیلیاں پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی' ان کامیابیوں میں سے مسجدوں میں اذان اور وہ بھی عربی زبان میں' ریڈیو اور ٹیلیفون چینلز کے ذریعے قرآن کریم کی تلاوت کے ضروری پروگرام کا اجراء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اذان اور عربی زبان میں قرآن کریم کی تلاوت مفسد کبیر مصطفیٰ کمال کے سربراہ مملکت بننے کے وقت سے ممنوع چلی آ رہی تھیں۔

اربکان اور اس کی مجاہد پارٹی ترکی میں اسلامی تحریکوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت اختیار کر گئی' اس پارٹی نے اسلامی حلقوں' صوفی سلسلوں اور روایتی خانقاہوں کو بہت متاثر کیا۔ ان روایتی اسلامی رجحان کے حامل بہت سارے لوگوں نے اس پارٹی کی مدد کی' اس کا ساتھ دیا اور اس کی پشت پناہی کی چنانچہ 1983ء میں بے انصاف فوجی عدالت نے مجاہد عظیم اربکان کے خلاف فیصلہ سناتے ہوئے انہیں 4 سال قید کی سزا سنائی' ان کے علاوہ وطن سلامت پارٹی کے 22 دوسرے اراکین پر بھی مقدمہ چلایا گیا اور انہیں 3½ سال قید کی سزا سنائی گئی۔(2)

ترکی فوج نے ہر اس شخص کو فوج سے الگ کر دینے کا بھی اہتمام کیا جس میں ذرا سا بھی دینی جذبہ موجود تھا' ایفرن نے

1۔ الحرکۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص 150
2۔ ایضاً' ص 165

اپنی اس مہم میں جس کا ہدف مسلح افواج کے اندر اسلامی ذہن رکھنے والے لوگ تھے' اعلان کیا کہ ان مسلمانوں کا اصل ہدف مسلح افواج کے اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل کرنا ہے اگر فوج کی باگ دوڑ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی تو کیا کچھ ہوگا؟ اس نے مزید کہا یہ لوگ ملک میں اپنی پسند کی تبدیلی لانے کی کوشش میں ہیں' کیا یہ دینی سرگرمی ہے یا خیانت ہے۔(1)

ترکی کی فوجی قیادت سیاسی مشکلات کا حل تلاش کرنے لگی' مغرب چونکہ ترکی پر یہ الزام لگا رہا تھا کہ حقوق انسانی کی پامالی ہو رہی ہے' اس لیے فوجی قیادت مغرب کو راضی کرنے کے چکر میں تھی۔ مغرب اس بات پر زور دے رہا تھا کہ ترکی میں جمہوریت کی بحالی ضروری ہے' سو ایک نئی کمیٹی بنائی گئی جس کا مقصد ملک کے لیے آئین ترتیب دینا تھا' ایک ایسا آئین جو ترکی صدر کو ایمرجنسی کی صورت میں پارلیمنٹ کو برطرف کرنے اور نئے انتخابات کرانے کا حق دیتا ہو۔ مغرب دراصل اس طریقے سے اسلام پسند جماعتوں کی راہ روکنا چاہتا تھا جو مسلسل سیکولر دستور کے خاتمے کے لیے کوشش کر رہی تھیں اور فوج کو یہ حق دینا چاہتا تھا کہ ترکی کی سیاست پر ان کی گرفت مضبوط رہے اور کوئی بڑی تبدیلی فوجی افسروں کی مرضی کے خلاف ممکن نہ رہے۔

1982ء میں نئے دستور کے اعلان کے بعد سیاسی پارٹیاں تشکیل دی گئیں۔ رفاہ پارٹی سامنے آئی' یہ سلامت وطن پارٹی کی سوچ کا ہی تسلسل تھا' اسلامی عناصر جوق در جوق اس پارٹی میں شامل ہونے لگے۔ اس پارٹی نے فوج کی مخالفت کا سامنا کیا اور فوج پر دباؤ ڈالا کہ فوج 1983ء کے انتخابات میں مداخلت نہ کرے۔ فوجی مداخلت اور مخالفت کے باوجود یہ پارٹی میدان انتخابات میں اتری اور اس نے 5 فیصد ووٹ حاصل کیے۔

اس کے علاوہ رفاہ پارٹی نے اکتوبر 1987ء کے انتخابات میں بھی حصہ لیا اور 6,7 فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئی۔

اسلامی جماعتیں رفاہ پارٹی کے اردگرد چکر لگانے لگیں۔ رفاہ پارٹی اسلامی تحریک کی قیادت میں ترکی کے تمام شہروں' بڑے بڑے قصبوں اور دور دراز دیہاتوں میں شروع ہوگئی' اسلامی تحریک کا فروغ شروع ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی قیادت نے اوزال کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اوزال ترکی میں اسلامی فروغ کے حق میں تھے' بالخصوص ان کی جماعت مادر وطن پارٹی میں اکثر ارکان ترکی کی معروف شخصیات تھیں جنھیں ایک زمانہ جانتا تھا۔ سلامت پارٹی جسے کچھ عرصہ پہلے کالعدم قرار دے دیا گیا تھا' اس کے ممبران بھی اس پارٹی میں شامل ہو چکے تھے' الغرض اس پارٹی نے 1983ء کے انتخابات میں شرکت کی اور غالب اکثریت کے ساتھ ان انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ اوزال حکومت نے مساجد اور دینی مدارس کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ مذہبی امور کی نگرانی کرنے والے وزیر مملکت کاظم اکصوی نے قرآن کریم کی تعلیم کے کئی کورسز کروائے۔ 1980ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں 200 سرکاری کورسز ہوئے جبکہ یہ سلسلہ آئے روز بڑھتا گیا اور 1987ء میں 3 ہزار تک پہنچ گیا۔ دینی سلسلے سرگرم عمل ہو گئے۔ کاظم اکصوی نے بعض دینی تنظیمیں قائم کیں' بعض اسلامی بینکوں کی بنیاد بھی رکھی جیسے اوقاف بینک' یہ ایک نہایت ہی اہم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا جو ترکی میں اسلامی تحریک کو مدد فراہم کرتا تھا۔(2)

رفاہ پارٹی اپنے پرامن جہاد اور ترکی کی مسلم قوم کے دل کی گہرائیوں میں پوری سنجیدگی سے اترنے کے لیے کوشش کرتی

1۔ الحرکۃ الاسلامیہ الحدیثہ فی ترکیا' ڈاکٹر نعیمی: ص 165 2۔ ایضاً' ص 183

رہی لوگوں کے ذہنوں میں سلامت پارٹی کی یادیں تازہ تھیں جس نے انہیں اپنے تشخص اور اپنی اسلامی پہچان کا احساس دیا تھا۔ رفاہ پارٹی جو دراصل سلامت پارٹی کا تسلسل تھی' مارچ 1994ء میں ترکی کے اہم بڑے بڑے شہروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ 1995ء میں سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت سے اس نے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ جون 1996ء میں ''صراط مستقیم پارٹی'' کے ساتھ مل کر رفاہ نے حکومت بنائی اور یوں اس کو ترکی میں اپنے اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ (1)

عظیم مجاہد نجم الدین اربکان وزیراعظم بنے اور انہوں نے بہت اہم اقتصادی اصلاحات کیں' بہت ہی کم عرصہ میں تنخواہیں بڑھ گئیں اور ترکی میں تیزی سے پورے جوش وخروش کے ساتھ اسلامی مشترکہ منڈی کے قیام کی دعوت شروع کردی گئی اور ترکی نے یورپ کی مشترکہ منڈی میں شریک ہونے سے انکار کردیا۔ ترکی حکومت نے اسلامی اقوام متحدہ اور اسلامی متحرک کونسل کے قیام کی بھی آواز بلند کی۔ رفاہ پارٹی کے نمائندوں نے مختلف علاقوں کا دورہ کیا' پورے ملک میں عفت و پاکیزگی' امانت اور بہترین منصوبہ بندی کی روشن مثالیں قائم کیں۔ پارٹی کی مختلف تنظیموں نے اپنے ہم وطنوں کی مختلف خدمات کو سراہا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ترکی قوم نے رفاہ پارٹی کے ساتھ بڑی ہمدردی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ کئی تنظیموں نے اپنا ووٹ رفاہ پارٹی کو دیا جس نے انہیں ملک میں بہتر کارکردگی کا موقع فراہم کیا۔ آوارگی' فحاشی' شر وفساد کا قلع قمع کیا اور لوگوں کو توبہ اور بخشش کی طرف واپس آنے کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا۔

رفاہ پارٹی کے نمائندوں اور استنبول شہر کی انتظامیہ نے دارالحکومت کے مسائل کو حل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ شہر کا بجٹ جو پہلے مالی خسارہ کی وجہ سے بہت کم ہوتا تھا اور لوگوں کو شکایت رہتی تھی' کئی گناہ بڑھا دیا گیا اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے ملکی دولت کو جو نقصان پہنچتا تھا اسے ختم کردیا گیا۔

یہودی اور سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ بھلا ترکی میں ایک اسلامی تحریک کے ہاتھوں واقع ہونے والی اتنی عظیم کامیابیوں پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے' فوراً اسلام مخالف یہ قوتیں حرکت میں آ گئیں' فوج کی قیادت کو اسلامی پارٹیوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے مجبور کیا گیا حتیٰ کہ فوجی قیادت نے رفاہ پارٹی اور صراط مستقیم پارٹی کے درمیان معاہدہ کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندی شروع کردی۔ ایک سیکولر انتہاء پسند پارٹی جسے فوجی طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی اور سیکولر سرمایہ دار آگے بڑھے اور رفاہ پارٹی کو آئینی عدالت میں لا کھڑا کیا جہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور 1997ء میں اس پر پابندی لگا کر اس کے جملہ اثاثوں کو ضبط کرلیا گیا۔ اسلامیوں کی یہودیت' سیکولر ذہنیت اور دشمنان اسلام سے جنگ جاری ہے' مسلمان پوری جرات' شجاعت' عقلمندی سے اسلام دشمن قوتوں سے برسرپیکار ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ ترکی میں اسلامی تحریک کامیاب ہوگی' حکومت تک پہنچے گی اور انشاء اللہ ملک میں شرعی قوانین کا خواب عنقریب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ آثار بتاتے ہیں کہ ترکی میں اسلامی حکومت ہوگی لیکن سنت خداوندی کا تقاضا ہے کہ اسلامی تحریکوں کی کوششیں بارآور ثابت ہوں۔ ترکی میں اسلامی تجربہ کے بارے اس

1۔ تحدیات سیاسیۃ تواجہ الحرکۃ الاسلامیۃ' مصطفی الطحان: ص 118

گفتگو کو میں پروفیسر نجم الدین اربکان کی اس گفتگو کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔ سیکولرازم کے ستونوں پر لرزہ طاری کرنے والے اس عظیم مجاہد سے جب ایک صحافی نے پوچھا: انتخابات کے اس عمل میں آپ حصہ لیتے ہیں حالانکہ یہ نظام خلاف شریعت ہے اور اس جاہلی نظام حکومت کو تقویت دینے میں حصہ ڈالتا ہے جو اسلام کا دشمن ہے' اس مسلم صحافی کو اربکان نے جو جواب دیا' سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ اربکان نے کہا: ''اگر ہم اس غیر شرعی طریقہ انتخاب میں حصہ نہ لیں تو کیا کریں؟ کیا یہ ممکن تھا کہ ہم شخصی اور عوامی آزادیوں کی اس سرزمین پر بڑی کامیابیاں حاصل کر لیتے' سینکڑوں اسلامی مدارس قائم کر لیتے اور پارلیمنٹ میں اپنی آوازیں بلند کر لیتے تا کہ اس دستوری مواد میں مناسب تبدیلی کی جائے جو دینی آزادیوں کی بالکل اجازت نہیں دیتا؟ کیا سیاست میں حصہ لیے بغیر یہ ممکن تھا کہ ہم لوگوں میں خود اعتمادی پیدا کرتے' انہیں اپنے دین پر بھروسہ کرنے کے قابل بناتے' شر و فساد کی مختلف صورتوں کا محاصرہ کرتے جو ہمارے ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا چکے تھے' ان وسائل ہی کے ذریعے ہم افراد اور جماعتوں کو اس بلند معیار پر لائے ہیں کہ وہ ملک وقوم کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل ہو چکے ہیں اور اس ملک کی تعمیر کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی اہلیت حاصل کر چکے ہیں''۔(1)

ترکی میں اسلامی رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے حالانکہ دشمنان اسلام نے اس کی راہ روکنے کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے ہیں اور اسلام کو دائیں بائیں سے بڑے بڑے خطروں کا سامنا ہے لیکن کچھ بھی ہو ہم اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کب پورا ہوتا ہے کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: 17)

''پس (بیکار) جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین میں''۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ (یونس)

''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو''۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ (التوبہ)

''اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچائے اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں اس کو کافر''۔

1۔ تحدیات سیاسیہ تواجہ الحرکۃ الاسلامیہ' مصطفیٰ الطحان: ص 118

آٹھویں بحث

دولت عثمانیہ کے سقوط کے اسباب

تمہید:۔دولت عثمانیہ کے سقوط کے اسباب کئی ہیں' ان تمام اسباب کا جامع سبب اللہ تعالیٰ کے قانون کی حاکمیت سے دوری اختیار کرنا ہے جس کی وجہ سے افراد اور قوم کو ذلت ورسوائی کی گہرائی میں اتر ناپڑا اور دین ودنیا کی ناکامی ان کا مقدر بن گئی۔شریعت سے دوری کے اثرات پوری زندگی پر پڑتے ہیں اور دینی' معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی زندگی کا کوئی پہلو اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین سے انحراف کرتی ہے تو لوگوں کو فتنوں اور آزمائشوں کا مسلسل سامنا کرنا پڑتا ہے حتیٰ کہ فتنے ان کی زندگی کے تمام امور کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور)

''پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں' رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے''۔

دولت عثمانیہ کے آخری سلاطین اللہ تعالیٰ کی شریعت سے دور ہوئے تو امت مسلمہ پر اس کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوگئے۔آخری دور کے سلاطین مادیت پرستی اور جہالت کی زندگی میں بری طرح گرفتار تھے جس کی وجہ سے ان پر حیرت' اضطراب' خوف اور بزدلی کی فضا چھائی ہوتی تھی' وہ بری طرح نصرانیوں سے ڈرنے لگے تھے اور ان کے سامنے عزت' وقار اور رعب ودبدبہ کی زبان میں بات نہیں کرسکتے تھے۔ان کی آواز دب گئی تھی اور گناہوں کی وجہ سے دشمنان اسلام کے سامنے کسی معرکہ میں جرات وبہادری کا مظاہرہ کرنے کی ان میں ہمت نہیں رہی تھی' زندگی ان پر بوجھ بن چکی تھی۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ:124)

''اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لیے زندگی (کا جامہ) تنگ کردیا جائے گا''۔

دولت عثمانیہ کے آخری مراحل میں اسلامی معاشرے بے وقوفی احساس ذات کے فقدان اور روحانی کمزوری کا شکار ہوگئے تھے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا تھا اور نتیجہ انہیں اس مصیبت سے دوچار کردیا گیا جس مصیبت سے بنی اسرائیل کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے دوچار کیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ (المائدہ)

''لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا' بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے

کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے' نہیں منع کیا کرتے تھے' ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے"۔

ہر وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی تعظیم نہیں کرتی اور اس کے امر و نہی کو نافذ نہیں کرتی بنی اسرائیل کی طرح اپنی عزت اور اپنا وقار کھو دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كلا واللہ لَتَأْمُرُنَّ بالمعروف ولتَنهَوُنَّ عن المنكر ولتأخُذُنَّ على يد الظّالم، ولتاطرُنّه على الحقِّ أطرًا، ولتقصرُنَّهُ على الحقِّ قصراً، أو ليضربَنَّ اللہ بقلوب بعضكم بعضًا، ثمّ لَيَلعَنَنّكُم كما لعنهم(1)

"بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دو گے' برائی سے منع کرو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لو گے' اسے حق و انصاف کی طرف زبردستی لوٹا دو گے اور عدل کا جبراً پابند کرو گے ورنہ تمہارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا اور تم پر بھی ایسی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی"۔

بلاشبہ دولت عثمانیہ میں سنت خداوندی پوری ہوئی جب دلوں میں اطاعت و انقیاد کی جگہ تمرد اور سرکشی نے لے لی تو یہ مملکت دشمن کی سازشوں کا شکار بن کر رہ گئی اور اس کا سارا رعب و جلال قصہ پارینہ بن کر رہ گیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الانفال:53)

"یہ اس لیے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو"۔

جس طرح وہ قومیں جو بے دین حاکموں کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتی ہیں' ذلیل و رسوا ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں سے اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خلاف مدد طلب کرتی ہیں جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' بالکل اسی طرح دولت عثمانیہ کے آخری سلاطین کا شریعت خداوندی سے انحراف اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے والی مسلم قوم کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلوتہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے درمیان اختلافات رونما ہوئے' لوگوں کو ہلاکت' دولت کے چھن جانے' عزتوں کے پامال ہونے جیسے امور کا سامنا کرنا پڑا۔ وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے باہمی معاملات میں الٰہی احکام سے رہنمائی حاصل کرنا چھوڑ دی تھی' ان کے درمیان جنگ و جدل اور فتنہ و فساد شروع ہو گیا تھا اور انہیں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا' باہمی سر پٹول جو دراصل شریعت سے انحراف کا نتیجہ تھی' ان کے زوال کے بعد بھی جاری رہی اور روس' انگلستان' بلغاریا اور سربیا وغیرہ کے غیر مسلم ان پر چھا گئے۔ انہوں نے ان کے باہمی اختلافات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ سلاطین نصرت خداوندی سے محروم ہو گئے' امت مسلمہ عزت و وقار کھو بیٹھی اور ان کے دلوں پر دشمن کا خوف و ہراس چھا گیا جو کبھی غالب اور صاحب تمکنت تھے' مصائب و آلام کا شکار بن گئے' کئی علاقوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کافروں کے زیر نگیں بن گئے۔

1۔ ابوداؤد: کتاب الملاحم' باب الامر بالمعروف' رقم الحدیث: 4670

اللہ تعالیٰ کی دینی حقائق سے مستنبط یہ سنتیں ہیں اور تاریخ کا یہ مسلم قاعدہ ہے کہ جب اللہ کو ماننے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو ان پر مسلط کر دیتا ہے جو عرفان ذات سے محروم ہوتی ہے۔ مسلمان جو معرفت الٰہی رکھنے کے دعویدار تھے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نصرانیوں کو مسلط کر دیا۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی ملک کو تباہ کرتا ہے اور قوموں کو عذاب سے دوچار کرتا ہے' دو قسم کے ہوتے ہیں۔

1. رسولوں سے دشمنی اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار۔
2. مال و دولت پر فخر کرنا' دنیاوی جاہ و حشمت پر فریفتہ ہو کر حق کا انکار کرنا' لوگوں کو حقیر سمجھنا' کمزوروں پر ظلم کرنا' طاقتوروں سے خوف کھانا' فضول خرچی کرنا' فسق و فجور میں حد سے گزر جانا' مال و دولت پر اترانا' یہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ہے' یہ دوسری قسم کا گناہ تھا جس کے مرتکب دولت عثمانیہ کے آخری سلاطین اور امراء ہوئے۔(1)

دولت عثمانیہ اپنے ابتدائی عرصہ میں ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل پیرا رہتی تھی' اپنے دعوتی اور جہادی سرگرمیوں میں اہل السنت کے طریقہ کار کا پورا پورا التزام کرتی اور غلبہ واقتدار کی شروط اور اسباب کو بروئے کار لاتی جیسا کہ قرآن کریم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں مذکور ہے لیکن اپنے آخری دور میں اقتدار کی شروط سے اس نے انحرف کر لیا۔ مادی اور روحانی اسباب سے دور ہو گئی' رب قدوس فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (النور)

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا' انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا' ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے' ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا' انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے' وہ میری عبادت کرتے ہیں' کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

عقیدہ ولاء و برأت سے روگردانی

عظیم مسلم مملکت' دولت عثمانیہ اپنے ابتدائی دور میں ان تمام شروط کا پورا پورا اہتمام کرتی تھی لیکن اپنے آخری دور میں اس نے ان شروط کے حقیقی مفہوم سے روگردانی کر لی تھی۔

1۔ دولۃ الموحدین' علی محمد صلابی: ص170

مثلاً سب سے پہلی شرط جو صحیح ایمان کے لوازمات سے ہے اس کو ترک کر دیا یعنی اہل ایمان سے بھائی چارہ اور اہل کفر سے برات۔

اپنے ابتدائی دور میں دولت عثمانیہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل پیرا رہی۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (آل عمران)

"نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے"۔

اور اس ارشاد گرامی پر:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (المائدہ)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست (مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

أوثق عُرا الإيمان الموالاة فى الله، والمعاداة فى الله، والحب فى الله، والبغض فى الله(1)

"ایمان کے حلقوں کو مضبوط کر (یعنی) باہمی دوستی اللہ کے لیے باہمی دشمنی اللہ کے لیے محبت اللہ کے لیے اور بغض اللہ کے لیے"۔

لیکن اپنے آخری دور میں بالخصوص تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں عثمانیوں نے ولاء اور براء کے مفہوم بدل ڈالے۔ وجہ یہ تھی کہ دولت عثمانیہ کے اکثر علاقوں اور اسلامی شہروں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی علماء ربانیین جو امت کے لیے راہوں کو منور کرتے ہیں اور اپنی ملت کی قیادت کرتے ہوئے راہ مستقیم پر گامزن رہتے ہیں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے حکام اور سلاطین اپنے دشمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے تھے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہے تھے پھر یہ کافر تھے بھی بڑے طاقتور ان کے پاس مادی وسائل کی کوئی کمی نہ تھی جبکہ مسلمان بہت کمزور تھے اس صورت حال نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور ان کے عقائد اور ایمان میں بہت زیادہ کمزوری آگئی۔(2)

1۔ صحیح الجامع الصغیر: (2/343ح2536)
2۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ علی زہرانی: (1/142)

یورپ کے مقابلے میں مسلمان بہت زیادہ زوال وانحطاط کا شکار تھے اور انہیں فقر وافلاس، کمزوری، جہالت، مرض اور بے چارگی جیسے مسائل کا سامنا تھا اور انہیں وجوہات کی وجہ سے عقیدۂ ولاء اور براء بھی کمزور پڑ گیا تھا لیکن کچھ بھی ہو ہم مادیت سے شکست خوردہ مسلمانوں کو بالکل بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اگر وہ سچے مسلمان ہوتے' ان کا ایمان مضبوط ہوتا تو وہ کبھی بھی کافروں کی سازشوں کا شکار نہ بنتے' کبھی ان کو مادی ترقی اور فوجی قوت مغلوب نہ کر سکتی' جیسا کہ قرون اولی کے مسلمانوں کو کوئی چیز راہ راست سے دور نہ کر سکی' یہ لوگ اپنے مضبوط عقیدہ کی وجہ سے اور اپنے دین کی برکت کی وجہ سے کافروں کی قوت پر غالب رہے اور شکست ونا کامی کے لمحات میں کافروں کی سطوت وقوت ان کے مضبوط ایمان میں کوئی رخنہ پیدا نہ کر سکی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ (آل عمران)

''اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو''۔

لیکن اس کے باوجود یہ عقیدہ امت مسلمہ میں معاشرتی سطح پر ہمیشہ دلوں کو گرماتا رہا اور عقلوں میں راسخ رہا' شمالی افریقہ کے مسلمان شام کے مسلمانوں سے محبت کرتے تھے لیکن اپنے پڑوس میں رہنے والے نصرانیوں سے نفرت کرتے تھے' اسی طرح تمام علاقوں اور تمام شہروں کی صورت حال تھی' مسلمان جہاں بھی تھا وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے محبت کرتا تھا اور اس کے دینی بھائیوں کو جب مشکلات کا سامنا ہوتا اور دشمن کی طرف سے انہیں زیادتیوں کا نشانہ بنایا جاتا تو وہ اس دکھ اور کرب کو شدت سے محسوس کرتا اور بعض مسلمان دشمن کے خلاف اپنے بھائیوں کی جہاد فی سبیل اللہ میں مدد کرتے اور انکے ساتھ معرکہ ہائے کارزار میں داد شجاعت دیتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق کہ ''مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جب کسی ایک عضو کو شکایت ہوتی ہے تو پورا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو کر اس دکھ کا جواب دیتا ہے''۔(1)

جب فرانس نے 1213ھ/1798ء میں مصر اور لیبیا پر قبضہ کیا تو حجاز کے مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی کس طرح مدد کی' ہم اس واقعہ کو گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں' کس طرح مسلمانوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اتحاد بین المسلمین کے لیے عملی اقدامات کیے اور کیسے لوگوں نے دنیا میں یورپی' روسی اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے تسلط کے مقابلے میں باہمی اتحاد کی دعوت کو قبول کیا۔ اس دعوت کے کافی ثمرات سامنے آئے' عالم اسلام کے تمام مسلمانوں نے زبان' رنگ اور علاقائی اختلاف کے باوجود ہر جگہ سے اس دعوت کا جواب دیا' اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی یگانگت اور بھائی چارے کی دلیل کیا ہو گی کہ بغداد اور حجاز کے درمیان ریلوے لائن بچھانے کے لیے تہائی خرچ مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر پیش کیا۔ مسلمانوں کے درمیان دینی یگانگت کا شعور بہت طاقتور تھا اگرچہ وہ کافی انحرافات کا شکار ہو چکے تھے جس کی وجہ سے ان کے درمیان گروہ بندی اور اختلاف پیدا ہو چکا تھا جسے بہت سے کلامی مسالک' فقہی مذاہب (2) اور صوفی

1۔ بخاری: کتاب الادب: باب رحمۃ الناس البھائم: (438/10)

2۔ فقہی مذاہب اور صوفی سلسلوں کو فرقہ بندی کا نام دینا پرلے درجے کی جہالت ہے۔ فقہاء کرام کی بدولت شریعت اور قانون اسلامی میں وہ (بقیہ آگے) مترجم

سلسلے قائم ہو چکے تھے لیکن ان تفرقہ بازیوں اور گروہ بندیوں کے باوجود عوام الناس کے دلوں میں مسلم بھائی چارہ اور کفر بیزاری کے جذبات موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ دیکھ رہے تھے کہ عقیدہ کی یہ دیوار اور آہنی پردہ ان کے منصوبوں اور مسلمانوں اور ان کے دین کو ختم کرنے کی تمام کوششوں کی کامیابی کے سامنے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے انہوں نے اس مضبوط دیوار کو گرانے اور اپنی کارگزاریوں کے راستے سے اس آہنی پردہ کو ہٹانے کے لیے عملی تدبیرات کرنا شروع کر دیں' ان کے ایجنٹوں نے اسلامی علاقوں اور دولت عثمانیہ میں کلیدی آسامیوں پر براجمان ہو کر سلاطین اور پاشوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جیسا کہ سلطان محمود الثانی المتوفی 1839ء کے ساتھ ہوا جس نے سب سے پہلے اصلاح کی تحریک شروع کی اور یورپ کی تقلید میں بہت دور نکل گیا۔ اس نے ولاء و براء کے عقیدہ کو مسخ کر دیا' دلوں سے اس عقیدہ کو محو کرنے کی کوشش کی' اس خطرناک نقطہ نظر کو سلطان اپنے ایک قول سے یوں عیاں کرتا ہے۔

''آئندہ میں نہیں چاہوں گا کہ مسلمان الگ تھلگ نظر آئیں سوائے مسجد کے مسیحی الگ نظر آئیں سوائے چرچ کے اور یہودی الگ نظر آئیں سوائے اپنی عبادت گاہ کے' میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگ مساوی حقوق اور پدرانہ شفقت سے مستفیض ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مسیحی اور دوسری قوموں کو جو اس مملکت میں بستی ہیں' وسیع پیمانے پر آزادی عطا کی ہے''۔(1)

اسی دور میں مسلم عثمانی مملکت کے اندر یونانی' آرمینی اور کیتھولک سکولوں کا ایک جال بچھ گیا اور سلطان نے ان سکولوں کو خصوصی مراعات دیں اور ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔(2)

عثمانی فوج کے ایک دستے نے اس وقت سلطان کے بھیجے گئے افسر کی مخالفت کی' اس کی حکم عدولی کر کے اسے وہاں سے نکال دیا کیونکہ اس نے فوج کو آسٹریا کی طرح صلیب نما پیٹی پہننے کا حکم دیا تھا(3)۔ اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان محمود ثانی کس قدر مغربیت زدہ تھا۔

سلطان نے مسیحی رعایا کو قدیم ٹوپی کی جگہ ترکی ٹوپی استعمال کرنے کی اجازت دے دی جس کی وجہ سے ان کی امتیازی حیثیت ختم ہو گئی اور مسلم و غیر مسلم میں بظاہر کوئی فرق نہ رہا' اس طرح غیر مسلم رعایا کو اپنی الگ شناخت سے نجات حاصل ہوئی' اس حکم پر انہوں نے خوشی کے شادیانے بجائے' سلطان نے علماء کو عمامہ کی جگہ ترکی ٹوپی پہنانے کی کوشش کی جسے انہوں نے سختی سے ٹھکرا دیا اپنے اس موقف پر پردہ ڈالنے کے لیے سلطان نے روس کے خلاف اعلان جہاد کر دیا ہے۔(4)

(گزشتہ) وسعت پیدا ہوئی کہ دنیا کا کوئی قانون اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ فقہاء کرام درجۂ اجتہاد پر فائز تھے ان کے درمیان فروعی اختلاف اگرچہ تھے لیکن اصولی طور پر یہ ایک تھے اور ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اہل السنت فقہاء اربعہ کا پورا احترام کرتے ہیں اور ان کی دینی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح صوفی سلاسل نے امت میں اسلام کی روح کو باقی رکھا اور اسلام کے ساتھ لوگوں کی محبت کو کمزور نہ پڑنے دیا۔ پھر یہ فقہی مذاہب تو قرون اولیٰ سے چلے آ رہے تھے۔ ان فقہی مذاہب کے ماننے والوں نے تین براعظموں پر حکومت کی۔ خود عثمانی حنفی تھے جنہوں نے دنیا کی قوموں کو اپنی غدایانہ جہادی کوششوں کی بدولت حیران کیے رکھا۔ صوفی سلاسل بھی پہلی صدی ہجری سے چلے آ رہے تھے۔ اولین عثمانی ان سلاسل کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محمد فاتح شیخ شمس الدین آق کے مرید تھے۔(مترجم)

1۔ حرکۃ الاصلاح فی عصر السلطان محمود الثانی' ڈاکٹر بحراوی: ص 214 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً ص 258 4۔ ایضاً ص 261

ان تمام باتوں سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ (دولت عثمانیہ نے بعض ایسے فوجی افسروں سے اس جنگ میں مدد طلب کی جو اس قدر گھٹیا تھے کہ انہوں نے روس کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر رکھے تھے۔ مملکت ان کے اس گٹھ جوڑ سے بالکل ناواقف تھی' اس طرح روس کو سلطان کی جدید فوج میں ایسے جاسوس دستیاب ہو گئے جو اسے نہایت اہم معلومات اور منصوبوں سے بروقت آگاہ کر دیتے تھے (1)) یہی وجہ تھی کہ کئی بار دولت عثمانیہ کو روس کے مقابلے میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ عثمانی فوج میں موجود فوجی افسر روس کے لیے جاسوسی کرتے تھے اور نہایت اہم معلومات ان لوگوں کے ذریعے روسی افواج تک پہنچ جاتی تھیں۔ رہا محمد علی پاشا والی مصر تو وہ بھی مغرب کا گرویدہ تھا' اس کی تمام پالیسیاں مغرب کے تابع تھیں' وہ ہر اقدام ان کے طے شدہ پروگرام کے مطابق کرتا' ان کی پوری طرح پیروی کرتا' اپنے پورے دور حکومت میں جو تقریباً 45 سال پر محیط ہے' ہمیشہ کافروں سے دوستی کرتا رہا اور ان کے ساتھ تعلقات بہتر بناتا رہا' اس نے ہمیشہ ان کی بہتری سوچی' ان کی اتباع کی' ان کے قوانین اور اصولوں کو اپنایا' عقیدہ ولاء اور براء کی ہمیشہ مخالفت کی اور اپنے دل میں کبھی بھی کفر دشمنی کو جگہ نہ دی تاکہ اس کے صلیبی آقا اس سے خوش رہیں اور امت مسلمہ ہمیشہ یہودی منصوبوں کے سامنے سر جھکائے رہے۔ محمد علی پاشا کی یہ عادت تھی کہ اس کے اردگرد ہمیشہ نصرانیوں اور یہودیوں کا جمگھٹا رہتا تھا' یہ لوگ اس کی حکومت اور اس کے دربار پر چھائے رہتے تھے' بالخصوص ارمن کے نصرانی جو ملت اسلامیہ کے سخت دشمن تھے' یہی لوگ محمد علی پاشا کے ندیم' دوست' ہم جلیس' مشیر اور دولت لوٹنے اور ملک کی جمع پونجی پر ہاتھ صاف کرنے میں محمد علی کے شریک تھے۔ (2)

محمد علی نے نصرانی صلیبی فوجوں پر اپنے ملک کے دروازے چوپٹ کھول دیئے تھے تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کی کمزوریوں سے پوری آگاہی حاصل کریں' جاسوسی کریں' حالات وواقعات کا پورا اندازہ لگائیں' مختلف مقامات کا اچھی طرح مطالعہ کریں بلکہ محمد علی نے ان لوگوں کی مدد کی اور راہ کی مشکلات کو ان کے لیے آسان بنایا۔ (3)

نصرانیوں نے دولت وثروت کے مراکز اور اہم مقامات کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور یہ مطالعہ ان کے لیے بعد میں بہت مفید ثابت ہوا۔ 1882ء میں جب صلیبیوں نے مصر پر حملہ کیا تو انہیں کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی کیونکہ وہ اس ملک کے بارے وسیع معلومات رکھتے تھے' بالخصوص جب ہمیں اس بات سے آگاہی ہوئی ہے کہ ان ماہرین آثار قدیمہ کی اکثریت کا تعلق انگلستان سے ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصر میں سالوں پہلے تحقیقی کام کے پیچھے فوجی قبضہ کارفرما تھا۔ دراصل یہ لوگ تحقیق کے نام پر ملک کی جاسوسی کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پیش نظر کئی اور اہداف بھی تھے جن کو بہت سے محققین نہیں سمجھ سکے' یہ گفتگو ہم ایک مستشرق کے لیے چھوڑتے ہیں جو اپنی کتاب ''الشرق الادنی مجتمعہ وثقافتہ'' میں لکھتے ہیں:

''ہر وہ اسلامی ملک جس میں بھی ہم داخل ہوئے ہم نے وہاں کی سرزمین کو خوب کھودا تاکہ اسلام سے پہلے کی تہذیبوں کا کھوج لگائیں' اس کام سے ہمارا مطمع نظر حقیقت حال کی دریافت نہیں تھی بلکہ ہم مسلمانوں کو مرتد کر کے قبل از اسلام کے ان نظریات وعقائد کا گرویدہ بنانا چاہتے تھے لیکن ہمیں اس سلسلے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ مسلمانوں کے درمیان اخوت کا

1۔ حرکۃ الاصلاح فی عصر السلطان محمود الثانی' ڈاکٹر بحراوی: ص 247 2۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ: (165/1) 3۔ ایضاً، (170/1)

رشتہ بہت مضبوط ہے اور اسلام اور اسلامی ثقافت و تہذیب کو مسلمانوں کے دلوں سے کھرچنا کوئی آسان کام نہیں ہے''۔(1)

اس بیان کی روشنی میں ہم نصرانیوں کی ملک کے طول و عرض میں کھدائیوں کی کوششوں کی صحیح توجیہہ کو سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے آثار قدیمہ کی کھدائی کے لیے کیوں اس قدر اخراجات برداشت کیے اس کام کی ابتداء فرانسیسیوں نے کی پھر اس کام کو انگریزوں نے سرانجام دیا۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کو قبل از اسلام کی تہذیبوں کی طرف لوٹا دیا جائے۔(2)

پروفیسر محمد قطب کہتے ہیں: ''وہ مذموم مقصد جس کو لے کر صلیبی یہاں آئے وہ ان ملکوں کی جاسوسی تھی جن پر مسلمانوں کی عملداری تھی' یہ لوگ زمین کی کھدائی کر کے آثار قدیمہ کا کھوج لگاتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے اخوت و بھائی چارے کو اکھاڑ پھینکیں''۔(3)

محمد علی پاشا نے جزیرہ عرب میں اسلامی سوچ کے خاتمے کے لیے یورپ کے دشمنانہ منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں پوری طرح مدد کی اور بظاہر عثمانی سلطان کی اطاعت کا ڈھونگ رچائے رکھا جس کا تسلط حرمین شریفین پر ختم ہو چکا تھا' اس نے اس چیز کو آڑ بنا کر برطانیہ اور فرانس کے منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جو سعودی وجود کو اپنے مقاصد کے لیے بڑا خطرہ سمجھ رہے تھے' بالخصوص خلیج عربی اور بحیرہ احمر میں۔(4)

محمد علی نے سعودیوں کے خلاف جو فوج حجاز مقدس بھیجی تھی اس کی قیادت فرانسیسیوں اور نصرانیوں کے ہاتھ میں تھی۔(5)

اس تباہ کن جنگی کارروائی سے فرانس اور برطانیہ بہت خوش ہوئے' فرانس نے قاہرہ میں اپنی ایمبیسی کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ حکومت فرانس محمد علی کی شکرگزار ہے کہ اس نے مشرقی علاقوں میں تمدن کے علم بلند کیے ہیں اور ان علاقوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔(6)

محمد علی پاشا نے علماء' فقہا اور ازہری بزرگوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ الازہر یونیورسٹی کے جملہ اوقاف کو ضبط کر کے یہاں پر تعلیم دینے والے علماء کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا(7)۔ حتیٰ کہ مکتبوں میں قرآن کریم کی تعلیم دینے والے اساتذہ کرام اور مسلمان بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم سے بہرہ ور کرنے والے معلم بھی اس کی دست درازی سے نہ بچ سکے' جبرتی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ بہت سے مدرسے جہاں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی تھی بند ہو گئے کیونکہ حکومت نے ان کے اوقاف کو ضبط کر لیا تھا اور

1۔افغانستان پر امریکی حملہ سے پہلے بہت سارے امریکی محققین نے اس علاقے، یہاں کے باشندوں کے رویوں' ان کی کمزوریوں اور ان کی خامیوں کے بارے ریسرچ کی اور بہت عرصہ بعد اس پر حملہ ہوا' اسی طرح عراق ایران جنگ جو امریکی ایما پر ہوئی لگتا ہے ریسرچ ورک تھی' امریکہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان دونوں مسلمان ملکوں کے پاس کس قدر جنگی اور دفاعی طاقت ہے پھر اقوام متحدہ کے ذریعے تحقیقی ٹیموں کی ریسرچ جو دراصل عراق کی جنگی طاقت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے تھی کی گئی جب اسے یقین ہو گیا کہ عراق کے پاس مہلک ہتھیار نہیں تو فوراً اس پر حملہ کر دیا گیا۔ اب پاکستان کی صوبہ بلوچستان اور آزاد قبائل پر یلغار لگتا ہے اسی نوعیت کی ریسرچ ہے دیکھیں پاکستانی قوم اس مشکل گھڑی میں کس عقلمندی کا ثبوت دیتی ہے اور امریکہ کی اسلام دشمن پالیسی کے مقابلے میں کس طرح محتاط دفاعی اور سفارتی اقدام کرتی ہے۔(مترجم)

2۔الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ: (171/1) 3۔واقعنا المعاصر: ص(202) 4۔قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص189

5۔قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص187 6۔الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ (174/1) 7۔قراءۃ جدیدۃ فی تاریخ العثمانیین: ص179

محمد علی پاشا نے اس تمام دولت پر خود قبضہ کر لیا تھا۔(1)

شیخ محمد عبدہ ذکر کرتے ہیں: محمد علی پاشا نے الازہر شریف اور دوسری درسگاہوں کے جو اوقاف باقی رکھے وہ ان کی آمدنی کا ہزارواں حصہ بھی نہیں تھے' اس نے الازہر شریف کے اوقاف کو اپنی تحویل میں لے لیا اگر یہ اوقاف آج تک باقی رہتے (شیخ محمد عبدہ کے زمانے تک) تو اس کی آمدنی سالانہ نصف ملین جنیہ سے کم نہ ہوتی جبکہ اس نے صرف 4 ہزار جنیہ سالانہ کے برابر رقم الازہر کے لیے مختص کی حالانکہ اس دوران وہ مغربیت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھا اور اس نے کئی وفود مغرب بھیجے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ یہ تباہ کن پالیسی جو محمد علی پاشا نے اپنائی اور جو مسلمانوں پر زبردستی ٹھونسی گئی' صلیبی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا ذریعہ تھی جس کو نافذ کرنے سے فرانسیسی حملہ آور عاجز آ گئے تھے کیونکہ انہیں بہت جلد یہاں سے کوچ کرنا پڑ گیا تھا' اب وہ ان منصوبوں کو اپنے اس ایجنٹ کے ذریعے پورا کر رہے تھے' یہ محض تعصب نہیں ایک حقیقت ہے جسے ایک انگریز مؤرخ آرنلڈ توینبی نے یوں بیان کیا ہے" محمد علی ایک ایسا ڈکٹیٹر تھا جس نے نپولین کی آراء کو مصر میں عملی حقائق میں تبدیل کر دکھایا"۔(2)

بلاشبہ محمد علی پاشا مغرب کا تیار کردہ ایک مہرہ تھا اور ان کے ایجنٹوں میں سے ایک ایجنٹ تھا جس نے ہر طرح سے دشمن کی مدد کی' خواہ صلیبی منصوبہ بندی کے نتیجے میں کرسی حکومت تک پہنچنے کے حوالے سے دیکھا جائے یا اس کے مکر وفریب اور سوچ کے اعتبار سے دیکھا جائے یا دونوں حوالوں سے الغرض اسے کسی بھی پہلو سے دیکھیں اس نے ایک ایجنٹ کا بالخصوص فرانسیسی ایجنٹ کا کام کیا' اس بات کا کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی کوئی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ مغربی ملکوں نے اسے اپنے چنگل میں لے لیا تھا اور نو آبادیاتیوں نے اسے ہمیشہ استعمال کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس میں برائی' فسادات قلبی' ترش مزاجی اور بددیانتی جیسی سلبی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور ایسا آدمی ہی انہیں چاہیے تھا۔(3)

محمد علی پاشا اپنے طویل دور حکومت میں عقیدہ ولاء و براء کے خلاف عمل پیرا رہا اور دوسروں کے لیے کام کرنے اور مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کی پالیسی اپنائی' اس نے اپنی مملکت کے طول وعرض میں وحشیانہ سزاؤں کا اجراء کر کے لوگوں کے دلوں سے ولاء و براء کے عقیدہ کو ختم کرنے کیلئے انتہائی کوشش کی۔(4)

اس کے باوجود کہ مستشرقین اور ان کے ہمنوا قومیت پرست اور سیکولر ذہن رکھنے والے مورخین کی طرف سے محمد علی پاشا کے اردگرد تقدس کا ایک ہالہ قائم کر دیا گیا ہے اور اس نے تعلیمی' اقتصادی اور عسکری مختلف میدانوں میں جو اصلاحات کیں' ان کو بہت سراہا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ مصر کے مسلمانوں کو ناپسند کرتا تھا' انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک کرتا تھا اور خود اس کے قول سے بڑھ کر اس پر کوئی دلیل نہیں دی جا سکتی' وہ کہتا ہے:" یقین رکھو میرا یہ فیصلہ کسی دینی جذبے کے تحت نہیں ہے' تم مجھے جانتے ہو اور تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس قسم کی باتوں سے آزاد ہوں

1۔عجائب الآثار:(478/3) 2۔قراءة جديدة في تاريخ العثمانيين: ص182

3۔الانحرافات العقدية والعلمية (181/1) 4۔ایضاً

جس میں میری قوم گرفتار ہے اور تم جو کہتے ہو کہ میرے ہم وطن گدھے اور بیل ہیں تو یہ حقیقت ہے جسے میں جانتا ہوں''۔(1)

محمد علی پاشا الجزائر پر فرانسیسیوں کے قبضے کی سازش میں شریک تھا حتیٰ کہ جب اسے یقینی احکام موصول ہوئے تو اس نے خود الجزائر پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی اور فرانسیسیوں کی خدمت پر کمربستہ ہو گیا لیکن اس کے فوجی افسروں نے اس سوچ کی مخالفت کی کیونکہ اس سے مسلمانوں کو اس گٹھ جوڑ کا علم ہو سکتا تھا اور نتیجتاً مسلمان اس کے خلاف اٹھ سکتے تھے اور بغاوت کر سکتے تھے' اسی خوف سے اس نے یہ پروگرام ملتوی کر دیا اور صرف الجزائر میں فرانسیسی فوجوں کو مالی امداد باہم پہنچانے پر اکتفا کیا۔(2)

ڈاکٹر سلیمان الغنام کا خیال ہے کہ برطانیہ کو جب محمد علی پاشا کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور محمد علی کو دھمکی دی کہ اگر اس نے اس بارے سوچا تو وہ اس کے بحری بیڑا کو بم سے اڑا دے گا۔

یہ تھا کردار دولت عثمانیہ کے پاشوں میں سے ایک پاشے کا جس نے براہ راست عقیدہ ولاء و براء کو کمزور کرنے کی عملی تدبیر کی۔ ایک ایسے عقیدے کی جو مسلمانوں میں ابھی تک موجود تھا' اس نے دوسروں کے لیے کام کرنے اور اپنے لوگوں کو ہراساں کرنے کی پالیسی پر عمل کیا اور بلاواسطہ مغربی تہذیب کو ملک میں رائج کرنے کی کوشش کی' محمد علی اس بات کا مستحق ہے کہ اسے دولت عثمانیہ کے تابع اسلامی عربی دنیا میں مغربی تہذیب کا علمبردار تسلیم کیا جائے' صرف اس پر موقوف نہیں اس کے بیٹے اور پوتے بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہوئے۔ یہ بھی مغربیت اور سیکولرازم کی آبیاری کرتے رہے اور انہی راستوں پر چل کر مغرب کی خوشنودی اور اس کی محبت کو حاصل کرنے کی کوشش میں مگن رہے۔(3)

بلاشبہ دولت عثمانیہ کے سلاطین اور اس کے پاشوں کے ایک گروہ نے کافروں کے ساتھ دوستی کرنے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں انتہائی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی کچھ پرواہ نہ کی' ان کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ تعلقات قائم کیے اور انہیں اپنا رازدان بنا لیا' یوں امت میں پائے جانے والے عقیدہ ولاء و براء کو نقصان پہنچایا اور اہل اسلام کے دلوں سے اس کو محو کرنے کی کوشش کی' اسی وجہ سے دولت عثمانیہ کے تشخص اور حیثیت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا اور یہ عظیم مملکت اپنے نہایت ہی اہم علاقوں سے محروم ہو گئی اور اس کے بعد اس کے بدخواہوں کے لیے آسان ہو گیا کہ وہ اس عظیم دولت پر تسلط حاصل کر کے اس کو بری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

عبادت کے مفہوم کا محدود ہو جانا

غلبہ و اقتدار کی جن شروط کی اولین عثمانیوں نے پاسداری کی تھی' ان میں سے ایک شرط ہے عبادت کا وسیع مفہوم جیسا کہ انہوں نے قرآن کریم' سنت نبوی سے سمجھا اور ائمہ سلف صالحین علیہم الرضوان سے اخذ کیا۔

اولین عثمانیوں کے ذہن میں عبادت کا مفہوم یہ تھا کہ دین سارے کا سارا عبادت ہے' اسی وجہ سے عبادت اپنے وسیع تر مفہوم کے ساتھ وہ حقیقی مقصد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (188/1) 2۔ الشرق الاسلامی' حسین مونس: ص 311 3۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (189/1)

قارئین یاد رہے شیخ شمس الدین آق سلطان محمد فاتح کے استاذ تھے اور سلطان کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف بھی حاصل تھا۔ (مترجم)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات)

''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

یہی وہ دعوت ہے جو حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء دیتے آئے ہیں۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف:85,73,65,59)

''اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا''۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36)

''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (الانبیا)

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔

اولین عثمانیوں نے عبادت کے اس وسیع مفہوم کو سمجھ لیا تھا جس کا ارادہ اللہ کریم نے فرمایا ہے اور وہ مفہوم یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی ہر سرگرمی عبادت میں شامل ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام)

''آپ فرمائیے بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا، نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''۔

ان عثمانیوں کی پوری زندگی مسلمان مملکت کو تقویت دینے، اپنی رعایا کی بہترین تربیت کرنے، انہیں قرآن کی تعلیم دینے، اس دور کے جدید علوم سکھانے، کفار اور منافقین کے خلاف جنگ کرنے، مسلمانوں کے امور کی نگہداشت کرنے اور غلبہ و اقتدار کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے جیسے عظیم کارناموں سے عبارت تھی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ شیخ شمس الدین آق نے امت مسلمہ کی ذہن سازی اور ان کی تعلیم و تربیت کر کے اور خود علم نباتات، طب اور جراحت جیسے علوم کو حاصل کر کے نہایت ہی شاندار کردار ادا کیا۔ یہ شیخ اپنے پروردگار عزوجل کی عبادت کرتے تھے لیکن دینی و دنیوی علوم کی اشاعت کے ذریعے علم نباتات اور معدے کے امراض کے علاج میں آپ نے خصوصی ریسرچ کی اور اس بارے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ انہوں نے سرطان کی بیماری کا بھی علاج دریافت فرمایا لیکن ان علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ محمد فاتح کی فوج کے ساتھ رہے۔ عثمانیوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرمانبرداری پر ان کی تربیت کی،

ان کے تزکیہ وتصفیہ کا اہتمام فرمایا' ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا' آپ بہترین مربی تھے' ہمیشہ سلطان محمد فاتح کو نصیحت کرتے رہتے تھے۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد محمد فاتح اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ تنہائی اور خلوت میں قبول فرمائیے۔ شیخ علیہ الرحمتہ نے انکار فرمادیا اور کہا'' جب تو خلوت نشین ہوگا تو ایسی لذت پائے گا کہ سلطنت تیری نظروں میں حقیر بن جائے گی نتیجہ سیاسی معاملات میں فتور آ جائے گا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ خلوت سے مقصود عدل وانصاف کا حصول ہے' آپ فلاں فلاں کام کیا کریں' آپ نے سلطان کو چند نصیحتوں سے بہرہ ور فرما کر واپس بھیج دیا۔''

دین کی یہ خوبصورت سمجھ دولت عثمانیہ کے ہمیشہ پیش نظر رہی کیونکہ اس دور میں علمائے ربانیین اپنا دینی فریضہ پوری تندہی سے انجام دیتے تھے اور لوگوں کی ذہن سازی اور تعلیم وتربیت میں کوئی سستی روا نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان محمد فاتح کے دور حکومت میں ہمیں ہمہ گیر اور ہمہ پہلو ترقی نظر آتی ہے۔ تعلیم وتربیت' سیاست' اقتصاد، دفاع' معاشرت اور تحقیق تمام شعبہ ہائے زندگی میں مسلمان دوسری قوموں سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ یہ تمام ترقیاں عبادت کے اس صحیح مفہوم کی مرہون منت ہیں جن کو اس دور کے مسلمانوں نے کما حقہ سمجھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دولت عثمانیہ کی عظمت' ترقی اور قوت کے دور میں ہر شعبہ زندگی میں تفوق دیکھتے ہیں مثلاً جغرافیہ میں ریس بیری کا نام سامنے آتا ہے جو سلطان سلیم اول اور سلیمان قانونی کے دور میں ہوئے ہیں۔ ریس بیری عثمانی بحریہ کے قائد اور علم جغرافیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ (ولادت: 1465ء وفات 1554ء)

یہ عظیم جغرافیہ دان عثمانی جغرافیائی ادب میں نقشہ نویسی کے علمبرداروں میں شمار ہوتا ہے' اس میدان میں ان کے دو نہایت ہی اہم نقشے بہت معروف ہیں' ان میں سے پہلا نقشہ اندلس مغربی افریقہ' بحر اٹلانٹک اور امریکہ کے مشرقی ساحلوں کے بارے ہے۔ ریس نے یہ نقشہ سلطان سلیم اول کو مصر میں 1517ء میں پیش کیا تھا۔ یہ نقشہ ان دنوں استنبول کے طوبقو (توپخانہ) کے میوزیم میں موجود ہے اور اس پر ریس کی مہر بھی موجود ہے' اس نقشے کا سائز 85x60 سینٹی میٹر ہے۔

دوسرا نقشہ صرف بحر اٹلانٹک سے متعلق ہے جس میں جرونلانڈ سے لے کر فلورنڈا تک کے علاقہ جات کی تفصیلات موجود ہیں' اس کا سائز 69x68 سینٹی میٹر ہے اور یہ نقشہ بھی استنبول کے توپخانہ میوزیم میں اب تک موجود ہے۔

اس بات کا تذکرہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ریس بیری کا تیار کردہ یہ نقشہ امریکہ کا قدیم ترین نقشہ ہے۔

26 اگست 1956ء میں امریکی متحدہ ریاستوں کی یونیورسٹی جامعہ جارج ٹاؤن میں ریس بیری کے نقشوں کے تعارف کے سلسلے میں ایک کونشن ہوا جس میں شریک تمام جغرافیہ دانوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ریس بیری کے امریکہ سے متعلق یہ نقشہ جات ''معجزانہ انکشاف ہیں۔''

ریس بیری کولمبس سے بہت پہلے امریکہ دریافت کر چکا تھا' وہ اپنی سمندری کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں'' مغربی سمندر یعنی بحر اٹلانٹک ایک عظیم سمندر ہے جو عرضاً دو ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے' یہ بوغاز سبتہ سے شروع ہو کر مغرب کو چلا جاتا ہے' اس عظیم سمندر میں ایک براعظم موجود ہے جسے براعظم انٹلیا کہتے ہیں۔ انٹلیا کا معنی دنیا یا امریکہ ہے۔ ریس لکھتا ہے کہ یہ

براعظم 870ھ/1465ء میں سامنے آیا یعنی کولمبس کی دریافت سے 27 سال قبل''۔(1)

ریس بیری نے اپنے پیچھے ایک کتاب بھی چھوڑی جس میں حیرت افزاء معلومات پائی جاتی ہیں اور اس میں ایسے ایسے نقشے ہیں جنہوں نے امریکہ اور یورپ کے جغرافیہ دانوں کو حیران کر دیا ہے' ان معلومات اور نقشہ جات کو موجودہ دور کے تمام علماء نے صحیح قرار دیا ہے۔

راہب جزویٹ لاین ہام جو ویستون میں مرکز الارصاد کے ایڈیٹر تھے' عثمانی قائد ریس بیری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں' ان کی یہ گفتگو ریس بیری علم جغرافیہ میں عبقریت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ریس بیری کے ڈیزائن کردہ نقشہ جات اس حد تک صحیح ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے' بالخصوص اس وجہ سے کہ ان کے تیار کردہ یہ نقشے ایسے مقامات کی بھی وضاحت کرتے ہیں جو سولہویں صدی میلادی میں سامنے آئے ہیں' سب سے زیادہ حیرت افزاء بات یہ ہے کہ انہوں نے انٹارکٹکا کے پہاڑی سلسلے کے خطوط کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنے تیار کردہ نقشوں میں ڈیزائن کیا ہے حالانکہ 1952ء سے قبل کسی شخص کو ان انکشافات کی توفیق نہیں ہوئی' اس کا مطلب ہے بیسویں صدی کے نصف ثانی تک جو چیز پردہ خفا میں تھی اور جس سے دنیا کا کوئی جغرافیہ دان واقف نہیں تھا' ریس بیری نے اسے پندرہویں صدی میں نقشہ پر نمایاں کر کے دکھا دیا۔ یہ آخر کیسے ہو گیا؟ ترقی یافتہ Commutatos سامان کو استعمال کیے بغیر؟ بہر حال عثمانی قائد ریس بیری سے قبل یعنی سولہویں صدی میلادی تک کوئی شخص انٹارکٹکا کے وجود سے واقف نہیں تھا کیونکہ یہ پہاڑ تاریخ انسانی کے پورے ادوار میں برف سے ڈھکے رہے ہیں۔(2)

کہا جاتا ہے کہ انٹارکٹکا چھٹا براعظم ہے جو زمین کے جنوبی نصف کرہ میں واقع ہے۔ ریس بیری کی فراہم کردہ ان معلومات سے صرف راہب لاین ہام ہی حیرت زدہ نہیں بلکہ ان کے علاوہ کئی دوسرے علماء و محققین بھی ان کی معلومات کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں۔ زمینی اشکال کے بعض ماہرین نے بیسویں صدی میں لی گئی فضائی مرکبات کی تصویروں کا ان نقشوں کے ساتھ موازنہ کیا جو عثمانیہ بحریہ کے قائد ریس بیری نے سولہویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ڈیزائن کیے تھے تو انہیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ان فضائی مرکبات کی تصویروں اور بیری کے نقشہ جات میں مکمل مشابہت پائی جاتی ہے۔(3)

بیشک دولت عثمانیہ نے اپنے عروج کے دور میں جو ترقی کی وہ کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں تھی بلکہ یہ ترقی علمی' معاشرتی' حکومتی اور فوجی ہر میدان میں پائی جاتی تھی' ملک وملت کی یہ تحریک دراصل عبادت کے وسیع مفہوم کی سچی تعبیر تھی لیکن دولت عثمانیہ کے آخر ادوار میں عبادت کا مفہوم صرف عباداتی شعائر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اور مسلمان صرف عادۃ نماز روزہ' حج اور زکوۃ کی پابندی کرتے تھے لیکن ان کی عام زندگی میں ان عبادات کے اثرات نمایاں نہیں تھے بس جب تک ایک مسلمان ان عبادات کو ادا کر رہا ہوتا تو بڑے خشوع وخضوع کا اظہار کرتا لیکن جب عام زندگی میں جاتا تو اسے احکام الٰہی کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ عبادت باقی اسلام سے مکمل طور پر علیحدہ ہو گئی تھی گویا اسلام صرف عبادات میں منحصر ہو کر رہ گیا تھا لیکن زندگی کی باقی

1۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص 382 2۔ ایضاً ص 383 3۔ ایضاً ص 384

سرگرمیوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا' مثلاً جہاد' معاملات اور مالی تعلقات کو اسلام سے الگ دنیوی امور سمجھا جاتا تھا حالانکہ اکثر لوگ بلکہ یوں کہنا چاہیے تمام لوگ صرف یہی جانتے تھے کہ اسلام صرف فرض عبادات کا نام ہے اور بس انہوں نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں دینی احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا اور ان سے اپنی نظریں ہٹالی تھیں' ان کی نظر میں باقی چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی' صوفیاء کا ایک گروہ ایسا تھا جو عبادات سے ہٹ کر باقی تمام چیزوں سے قطع تعلقی کی دعوت دیتا تھا۔ جہاد' نہی عن المنکر' ظلم کی روک تھام استعماریت کا مقابلہ اور ظلم کیخلاف جنگ یہ تمام امور جو اہل ایمان کیلئے بہت اہمیت کے حامل امور تھے' اس فریق کی نظر میں فضول تھے اور اللہ اور اس کی عبادت سے انسان کو غافل کرنے کا سبب تھے (1) حالانکہ اسلام میں اصلاح اور تقویٰ کا معیار یہ ہے کہ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں خوف خدا اور رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا جائے اور ان تمام ذمہ داریوں کو بخوبی پورا کیا جائے جن کو اسلام نے ضروری ٹھہرایا ہے' مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد' علم' عدل و انصاف' لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام' معاملات میں صفائی' احسان' یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اخلاص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جبکہ عثمانی دولت کے آخری دور میں تقویٰ کا معیار یہ قرار پایا تھا کہ انسان صرف عبادات میں مشغول رہے اور بس :(2)

اور یوں اس فکر نے عبادت کو نظام اسلامی کے دوسرے تمام اجزاء سے الگ کر کے سیاسی' معاشرتی اور اخلاقی سوچ کو بے حد نقصان پہنچایا۔

عبادت کا یہ محدود مفہوم کئی منفی رویوں کا سبب بنا جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

❶ تعبدی شعائر رسمی صورت اختیار کر گئے اور ان کی تاثیر ختم ہو کر رہ گئی' اسلام کے باقی امور سے کٹ جانے کی وجہ سے ان عبادات کا فائدہ بھی محدود ہو کر رہ گیا اور حیات انسانی میں ان کا کردار کچھ نہ رہا' نماز جس کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:45)

''بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے''۔

اسے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے رکنے کا ایک موثر ذریعہ شمار نہیں کیا جاتا تھا' لوگ نماز پڑھتے تھے لیکن ایک عادت کے طور پر جس کی وجہ سے نمازی کی زندگی پر اس کے خاطر خواہ اثرات مرتب نہیں ہوتے تھے۔ الغرض عبادت کا وسیع

1۔ صوفیائے کرام کا زہد اور ترک علائق کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں کوتاہی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ جیسے صوفیاء پر ترک دنیا کی تعلیم کا الزام لگایا گیا ہے حالانکہ صوفیاء کے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ کوئی کام محض دنیاوی اغراض کے لیے نہ کیا جائے بلکہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو سامنے رکھا جائے' عثمانیوں کے آخری دور میں مادیت پرستی عروج پر تھی' مسلمان مغرب کی چکاچوند سے بری طرح متاثر ہو کر صلیبیوں کے ہاتھوں بک رہے تھے۔ صوفیاء نے اس رجحان کو ختم کرنے کے لیے اور مسلمانوں میں للہیت پیدا کرنے کے لیے زہد و فقر کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی۔ زہد و فقر کی وہ تعلیم جس سے قرآن بھرا پڑا ہے' تصوف جو زندگی کو مہمیز کرنے کا ذریعہ ہے' سب سے پہلے اس کے خلاف جو آواز بلند ہوئی وہ مغرب نے کی تاکہ مسلمانوں کو آسانی سے شکار کیا جائے پھر وہابی تحریک نے اس کام کو منظم طریقے سے آگے بڑھایا اور مسلمان مادیت پرست ہو کر رہ گئے۔ مترجم

2۔ الانحرافات العقلیۃ والعلمیۃ :(100/1)

مفہوم محدود ہو کر صرف تعبدی امور میں منحصر ہو گیا تھا۔

2 زندگی کے روزمرہ پہلوؤں میں لوگوں کی سستی اور کاہلی۔ چونکہ لوگوں کے نزدیک زندگی کے روزمرہ معاملات کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا' اس لیے وہ مسلمان جو فرض نماز باقاعدگی سے مسجد میں باجماعت ادا کرتے جب مسجد سے باہر آتے اور ابھی مسجد کی چوکھٹ پر ہی ہوتے کہ جھوٹی قسم کھاتے' بیع وشراء میں من مانی کرنے لگتے' ملاوٹ' چور بازاری اور حیلہ سازی کر کے لوگوں کا ناحق مال کھاتے' کئی گنا سود لیتے' لوگوں کی عزتوں کو پامال کرتے لیکن پھر بھی مطمئن ہوتے' ان کا دل مطمئن ہوتا' ان کا ضمیر ہر قسم کی ندامت سے خالی ہوتا اور دل و دماغ ان امور پر کوئی احتجاج نہ کرتے کیونکہ وہ یہی سمجھ رہے ہوتے تھے کہ نماز ادا کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر رہے ہیں' اپنے دینی فرائض کو پوری طرح ادا کر کے خدائی دین کی پابندی کر رہے ہیں' باقی رہے دنیوی معاملات تو ان کا دین سے' آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔

3 انفرادی اور شخصی پہلو پر توجہ اور معاشرتی پہلوؤں کے بارے سرد مہری۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان انفرادی آداب اور ذاتی اخلاقیات پر زیادہ توجہ کرتے ہیں بہ نسبت اجتماعی آداب کے جن کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہوتا ہے' ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان صاف ستھرا ہو لیکن اس بات کی اسے کوئی پرواہ نہ ہو کہ وہ کوڑا کرکٹ دوسرے مسلمانوں کے راستے میں ڈال رہا ہے' یہ بات بھول کر کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا ایمان کا حصہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔(1)

ہوسکتا ہے ایک مسلمان طہارت کے احکام کی پوری رعایت کرتا ہو اور ذاتی طور پر نظافت کی شرائط کی پاسداری کرتا ہو لیکن اسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ وہ راستوں کو اور پبلک مقامات کو گندا کر رہا ہے اور ان معاشرتی آداب کی خلاف ورزی کر رہا ہے جن کا حکم اسلام نے دیا ہے۔(2)

چونکہ عبادت کا مفہوم تعبدی شعائر تک محدود ہو گیا تھا اور باقی اعمال عبادت کے مفہوم سے نکل گئے تھے نتیجتاً لوگوں نے اپنے ذاتی امور کی طرف توجہ مبذول کر لی تھی اور امور عامہ کو بالکل ترک کر دیا تھا اور جوں جوں انفرادی روح پروان چڑھتی گئی معاشرتی روح میں ضعف اور کمزوری آتی گئی۔

4 عبادت کا عمل کی جگہ لے لینا اور صرف عبادت کی رسوم اور شعائر پر اکتفا' نیز بدعتوں کا رواج پا جانا اور اسباب اختیار کرنے سے انحراف کر لینا۔

''مثلاً قرآن کریم کی قرأت اور لفظی تلاوت پر ساری کی ساری توجہ مرکوز ہو کر رہ گئی لیکن قرآن کریم کے اندر جو احکامات تھے' ان پر عمل کی ضرورت کا احساس جاتا رہا' لوگ جہاد' کائنات میں غور وفکر' عدل و انصاف کو قائم کرنا' اللہ کی کتاب کے مطابق حکومت کرنا' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دنیاوی نعمتوں سے نفع اندوز ہونا' اس طرح کی تمام آیات کی تلاوت کرتے' اس تلاوت کو کار ثواب بھی یقین کرتے لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت محسوس نہ کرتے' ان کے نزدیک جہاد' کائنات میں غور وخوض' زمین و آسمان اور اجرام فلکی کو بنظر غائر دیکھنا اور ان میں مستور حقائق کا سراغ لگانا' کرسی عدالت پر بیٹھ کر انصاف کرنا' اللہ

1۔ مسلم شریف: کتاب الایمان' باب بیان عدد شعب الایمان (63/1)

2۔ المجتمع الاسلامی المعاصر: محمد مبارک' ص66

تعالیٰ کی کتاب کے مطابق حکومت کرنا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا یہ سب دنیا داری تھی' ان کے نزدیک ان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا حالانکہ لفظاً ان کی تلاوت کو وہ کار ثواب سمجھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی ان کے سامنے تھا' آپ ﷺ مشرکین سے جنگ کرنے کے لیے ہر طرح کی تیاری کرتے' اسباب کو بروئے کار لاتے جیسا کہ اللہ کریم کا فرمان ہے: حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے' مدد و نصرت کیلئے گڑگڑا کر التجا کرتے لیکن دولت عثمانیہ کے آخری دور کے مسلمان نماز پڑھتے' دعا کرتے لیکن اسباب کو بروئے کار نہ لاتے' صرف دعاؤں پر اکتفا کرتے (1)۔ یہ لوگ رزق کے لیے التجا کرتے' شفا کے لیے روتے پیٹتے' مدد کی درخواست کرتے لیکن ان اسباب کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے جن کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے لیے شرط قرار دیا ہے بلکہ یہ لوگ مخصوص دعاؤں کی تلاوت پر اکتفا کرتے تھے' تعویز گنڈوں سے بیماری دور کرنے کی کوشش کرتے اور مقامات مقدسہ کی زیارت اور اوراد و وظائف کو نجات کا واحد ذریعہ خیال کرتے۔'' (2)

عبادت کے اس خطرناک محدود مفہوم کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے بہت سارے اعمال عبادت کے دائرہ سے نکل گئے۔ سیاسی عمل کا عبادت سے کوئی تعلق نہ رہا جس کے ذریعے رعایا اپنے حاکم کے اعمال پر کڑی نظر رکھتی ہے' اسے نصیحت کرتی ہے' شریعت کے نفاذ پر اس کو متنبہ کرتی ہے اور لوگوں کی زندگی میں عدل و انصاف جاری کرنے پر اسے مجبور کرتی ہے۔

سید قطب عبادت کی حقیقت کی توضیح کرتے ہوئے اور شعائر تعبدیہ میں عبادت کو منحصر کرنے والوں پر حیرت کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ عبادت اگر صرف شعائر تعبدیہ میں منحصر ہوتی تو انبیاء کرام کا مبارک قافلہ تشریف نہ لاتا' ان کے پیغامات لوگوں تک پہنچانے کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی' ان محبوبان خدا نے جو مشکلات برداشت کیں جو مسائی جمیلہ فرمائیں ان کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہوتی' وہ آلام و مصائب جو انبیاء اور اہل ایمان پر روا رکھے گئے' داعیان برحق کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' یہ سب کچھ نہ ہوتا' انبیاء نے اتنی بھاری قیمت جو چکائی تو صرف اس لیے کہ انسانیت سرتاپا

1۔ عالم اسلام کے مسلمانوں کی آج بھی یہی حالت ہے' افغانستان' عراق اور فلسطین کے مسلمانوں کا بالخصوص اور دوسرے اسلامی ممالک کا بالعموم سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے جدید ٹیکنالوجی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی حالانکہ قرآن کریم نے قوت کی فراہمی کو نماز روزہ کی طرح فرض قرار دیا ہے۔ مترجم

2۔ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ پیش آمدہ مسئلے کے بارے غور و خوض کرتے' اپنے غلاموں سے مشورہ کرتے' جہاندیدہ لوگوں کی میٹنگ بلاتے' تمام سے رائے لیتے' تمام اسباب کو پوری طرح بروئے کار لاتے' حتیٰ المقدور کوشش کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گڑگڑا کر دعا مانگتے' نماز ادا کرتے اور اوراد و وظائف پڑھتے' بعض لوگوں کو، جو مصیبت میں پریشانی میں یا کسی بیماری میں مبتلا ہوتے دعائیں سکھاتے اور پڑھنے کو وظیفہ دیتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ علاج معالجے کا اہتمام فرماتے' صحت کے طبی اصولوں کی پاسداری کرتے' جنگ احزاب میں آپ نے حضرت سلمان فارسی کے ایماء پر مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی' طائف محاصرے کے دوران منجنیق استعمال فرمائی' آپ نے پہلی مرتبہ جنگ بدر میں صف بندی فرما کر تین گنا بڑے لشکر کو شکست دی' آپ کے جاسوس دشمن کی فوج میں پھرتے' ان کی تعداد' ارادوں' جنگی چالوں سے حضور ﷺ کو آگاہ کرتے' حضور ﷺ ان لوگوں کے ذریعے دشمن کے اندر پھوٹ ڈلواتے' قبائل کو توڑتے' اپنے ساتھ ملاتے' روپیہ پیسہ خرچ کر کے تالیف قلب کرتے' مدینہ طیبہ میں جب حالات سازگار نہیں تھے تو آپ ساری رات جسم پر ہتھیار سجا کر پہرہ دیتے تھے۔ الغرض قرآن کریم اور اسوۂ رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دور کے منفعت بخش علوم کو حاصل کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ قرون اولیٰ میں مدارس کے اندر ہر طرح کے علوم سکھائے جاتے تھے' کاش ہمارے مدرسوں میں جدید علوم سکھانے کی کوئی سبیل کی جاتی' کاش مدارس سائنسدان پیدا کرتے۔ (مترجم)

زندگی کے تمام شعبوں میں، دین میں داخل ہو جائے اور ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھے' دنیا اور آخرت کے تمام کام دین کے قالب میں ڈھل جائیں''۔(1)

یہ تھا عبادت کا وسیع مفہوم جس کو اولین عثمانیوں نے ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور اسے اپنی زندگی میں نافذ کیا اور زمین پر رہتے ہوئے اس پر عمل کیا' اسی کی بدولت ممالک ان کے قریب ہوتے گئے۔ سرکش قومیں ان کے سامنے سر جھکاتی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں انہیں غلبہ واقتدار عطا فرمایا اور انہوں نے دنیا کے ایک نہایت ہی وسیع وعریض علاقے پر اپنا علم لہرایا لیکن عبادت کا مفہوم جب بدل گیا اور شعائر کے دائرہ میں منحصر ہو گیا تو ان کی ہمتیں کمزور ہو گئیں اور اسلام کے تمام امور کو بجالانے سے ان کے حوصلے جواب دے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں کمزوری آ گئی اور پھر اس عظیم مملکت کا سقوط عمل میں آ گیا۔

دولت عثمانیہ کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا مثلاً عسکری ناکامیاں' اقتصادی بحران' اخلاقی انحرافات' معاشرتی مصائب' فکری آلودگیاں' روحانی کمزوریاں' تہذیبی پسماندگی ان سب کا سبب اسلام کا اپنے اصلی مفہوم سے خالی ہو جانا تھا اور عبادت کے وسیع مفہوم کا ضائع ہو جانا تھا۔ وہ دن جب وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال:60)''اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت وطاقت''۔

عبادت تھی کسی کو جرات نہ ہوئی کہ مسلمانوں کی اراضی پر قبضہ کریں اور مسلمانوں کے مال و دولت کو سلب کریں جب طلب العلم فریضہ''علم حاصل کرنا فرض ہے'' عبادت تھا تو مسلمان علمی لحاظ سے پسماندہ نہیں تھے بلکہ یہ امت' امت علم کی حیثیت رکھتی تھی جس کی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں یورپ تعلیم پاتا تھا۔ جب

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (الملک:15)

''چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے دیئے ہوئے رزق سے''۔

عبادت تھا تو اسلامی معاشرے دنیا کے امیر ترین معاشرے تھے۔

جب کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ:''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے پوچھا جائے گا'' عبادت تھا تو امراء پر لرزہ طاری رہتا تھا کہ وہ نگہبان ہیں اور ان سے رعایا کے بارے باز پرس ہو گی۔ اس دور میں غرباء اسلامی سوسائٹی میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کیونکہ فقر وافلاس کے مسئلہ کا ربانی حل اسلامی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر لاگو کیا جاتا تھا جب وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:19)''اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں سے عمدگی سے'' عبادت تھا تو مسلمان عورت کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا کیونکہ تمام حقوق اور ضمانتیں جو اللہ کریم نے اسے دینے کا حکم دے رکھا ہے اسے حاصل تھیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت یقین کرتے ہوئے ادا کیا جاتا تھا۔(2)

عبادت کے وسیع مفہوم سے انحراف دولت عثمانیہ میں سیکولر نظریات اور غیر ملکی رسم ورواج پھیلنے کا سبب بنا۔ دولت عثمانیہ کے آخری ادوار میں بہت تیزی سے غیر ملکی تہذیبی اثرات مختلف علاقوں میں پھیلتے چلے گئے اور مسلمان ان کا راستہ روکنے سے قاصر رہے۔

1۔ فی ظلال القرآن:(1938/4) 2۔ مفاہیم ینبغی ان تصحح: محمد قطب: ص249

شرک و بدعت اور دوسری خرافات کی اشاعت

دولت عثمانیہ آخری دو صدیوں میں شرک و بدعت اور خرافات کے بہت سارے مظاہر میں غرق ہوگئی تھی۔ توحید الٰہی سے خطرناک حد تک انحراف واقع ہوگیا تھا' توحید باری تعالیٰ کے عقیدے پر تاریکیاں اور جہالت چھائی ہوئی تھی جن کی وجہ سے دین کی حقیقت نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ توحید کی روشنی اس مملکت میں ناپید ہوگئی تھی (1) اور اسلامی قلم رو میں صراط مستقیم سے مکمل انحراف ہو چکا تھا۔ (2)

دولت عثمانیہ جب توحید پر کامل یقین رکھتی تھی' عبادت کے وسیع مفہوم پر عمل پیرا تھی اور شرک کے خلاف برسرپیکار تھی تو غلبہ عزت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت کی بلند ترین چوٹیوں پر فائز تھی۔ سلطان مراد اول کو ایک سربی سپاہی نیزہ مارتا ہے' سلطان جان کنی کی کیفیت میں ہیں اور دنیا کو اس حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین ہے' ان کی زبان پر منافی شرک خالص و جامع توحیدی کلمات ہیں۔ وہ کہتے ہیں: میرے کوچ کا وقت مجھے صرف اتنی مہلت دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کیونکہ وہ علام الغیوب ہے' فقیر کی دعا کو سننے والا ہے' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں' شکر و ثنا کا مستحق صرف وہی ہے' میری زندگی کے آخری لمحات ہیں' میں اسلامی لشکر کی فتح دیکھ چکا ہوں' میرے بیٹے یزید کی اطاعت کرنا' قیدیوں کو اذیت نہ دینا' انہیں عذاب سے دوچار نہ کرنا' انہیں برہنہ نہ کرنا' میں اسی گھڑی تمہیں اور اپنے عظیم فتح مند لشکر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سپرد کرتا ہوں' پس وہی تمہاری مملکت کی ہر برائی سے حفاظت فرمائے گا۔ (3)

سلطان مراد ثانی نے اپنے پیچھے جو وصیت چھوڑی' اس میں یہ بات مذکور ہے کہ ''ایک دن ایسا آئے گا کہ لوگ اس میں میری مٹی دیکھیں گے (4)'' سلطان کو یہ اندیشہ تھا کہ مرنے کے بعد انہیں کسی بڑی قبر میں دفن کیا جائے گا' وہ چاہتے تھے کہ ان کے مدفن پر کسی قسم کی عمارت تعمیر نہ ہو۔

اولین سلاطین کی گفتگو سے توحید کے معانی پھوٹتے تھے اور ان کے اعمال سے توحید کا نور منعکس ہوتا تھا' یہ مفاہیم پوری عثمانی قوم کے دل و دماغ میں مرتسم تھے لیکن آخری ادوار میں صورت حال تبدیل ہوگئی تھی۔ باوجود اس کے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کی طرف جانے والے تمام راستوں کو بند فرما دیا اور ان کے بارے بڑے واضح' قطعی دلائل فراہم کر دیئے جو حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں پھر بھی مسلم امہ کسی حد تک شرکیہ اعمال کا شکار ہوگئی۔ مثلاً رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جسے صحیحین میں نقل

1۔ پورے عالم اسلام کو بیک جنبش قلم مشرک ٹھہرانا انتہا پسندی ہے اگر ترکیوں میں بدعات موجود تھیں تو ماننا پڑے گا کہ وہاں کی تحریک بھی انتہاء پسندی کی راہ پر گامزن تھی اور اپنے سواء پورے دنیا کے مسلمانوں کو بدعتی' کافر اور مشرک یقین کرتی تھی' نہ صرف یہ بلکہ دین کے نام پر اس تحریک نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا' مسلمان عورتوں کو مشرکہ یقین کر کے ان سے زنا کیا اور ان کی آزادی سلب کر کے ان کو باندیاں بنایا۔ مصنف کتاب چونکہ وہابی نقطہ نظر کا حامل ہے' اس لیے بہت ساری چیزوں جن کی کتاب وسنت میں اصل ہے کو بدعت' شرک اور خرافات خیال کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک نے عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور عین اس وقت جبکہ اسلامی فوجیں صلیبیوں سے برسرپیکار تھیں' دین کے نام پر ملت اسلامیہ کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر دشمن کے لیے راہ ہموار کی۔ عرب دنیا بے مول بک گئی اور آج تک ان کی دفاع کی ذمہ داری ان کے یورپی آقا پوری کر رہے ہیں' کاشف عرب باہم اتحاد کر لیتے تو بھی بات بن جاتی۔ (مترجم)

2۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (271/1) 3۔ الفتوح الاسلامیہ عبر العصور: ص 391 4۔ العثمانیون فی التاریخ والحضارہ: ص 346

کیا گیا ہے۔لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد(1,2)''اللہ تعالیٰ کی یہود ونصاریٰ پر پھٹکار' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنادیا'' آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ ان کی راہ مت اختیار کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کو نمایاں کر دیا جاتا لیکن انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کی قبر انور کو مسجد بنایا جائے(3)۔لعن اللہ زائرات القبور، والمتخذین علیھا المساجد، والسرج(4)''اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان مردوں پر جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں۔''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال سے پہلے 5 چیزوں کے بارے ارشاد فرمایا: إنَّ من کان قبلکم کانوا یتّخذون القبور مساجد، الا فلا تتّخذوا القبر مساجد! فإنّی أنھاکم ذلک۔(5)

''بیشک تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجدیں بنادیا کرتے تھے۔خبردار! قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔میں تمہیں اس بات سے روکتا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَللّٰھُمَّ لَا تجعلْ قَبرِیْ وَثنًا یُعْبَدُ. اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ

''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا غصہ سخت ہوگیا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''۔(6)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَاتَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا''قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو''۔(7)

جب امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں حبشہ کے ایک گرجا کا تذکرہ کیا جس میں تصاویر تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اُولٰٓئِکَ اِذَا مَاتَ فِیْھِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنُوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا. ثُمَّ صَوَّرُوْا فِیْہِ

1۔مسلم: باب النھی عن بناء المساجد علی القبور: حدیث نمبر 376

2۔قبر کو مسجد بنانے سے مراد قبر کو سجدہ کرنا ہے۔تمام شارحین اور فقہاء کے نزدیک اس لفظ کی یہی توجیہ ہے۔قبر پر عمارت تعمیر کرنا حرام ہوتا تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں دفن نہ کیا جاتا۔آپ کا روضۂ اقدس آج بھی قائم ہے صحابہ کرام کے دور میں کسی نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ حضور کی قبر انور حجرہ کے اندر ہے اور یہ شرک ہے۔(مترجم)

3۔بخاری: کتاب الجنائز' باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور: حدیث نمبر 1330

4۔ترمذی: کتاب الجنائز' باب ماجاء ان یتخذ علی القبر مسجد: حدیث نمبر 320

5۔مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ' باب النھی عن بناء المساجد علی القبور: حدیث نمبر 532

6۔موطا امام مالک: (172/1)

7۔مسلم: کتاب الجنائز' باب النھی عن الجلوس علی القبر: حدیث نمبر 972

تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ اَشْرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَاللّٰهِ

''بیشک جب ان لوگوں میں کسی نیک شخص کا وصال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے (1)' پھر اس میں ان تصویروں کو نقش کرتے' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں''۔ (2,3)

نبی پاک ﷺ کا قبروں کو چونا کرنا' ان پر بیٹھنا اور ان پر عمارت بنانے سے روکنا حدیث سے ثابت ہے۔ ایک روایت

1۔ اور اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے۔ عبادت میں شریک کرنے کی وجہ سے وہ مشرک بن جاتے۔ حضور ﷺ نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے روک دیا کیونکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم کوئی بھی سجدہ غیر کو جائز نہیں۔ اسی سے اس میں روکا جا رہا ہے۔

2۔ بخاری: کتاب الصلوٰۃ' باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ؟ حدیث نمبر 427

3۔ مصنف نے چونکہ اپنے موقف کی تائید میں بہت ساری احادیث نقل کی ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کا صحیح معنی ومفہوم بذیہ قارئین کیا جائے اور بتایا جائے کہ مزارات اولیاء پر عمارت بنانے کا شرعی ثبوت کیا ہے:

اولیائے کرام اور علمائے کبار کے مزارات مرجع خلائق ہوتے ہیں' ان پر زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے' رات دن کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ یہاں آدمیوں کی بھیڑ نہ لگی ہو' لوگ ان کے مزارات پر بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں' ذکر واذکار کرتے ہیں اور ان سے فیض حاصل کرتے ہیں لہٰذا ان زائرین کو سردی اور گرمی کی شدت سے بچانے کے لیے قبر کے اردگرد (نہ کہ قبر کے بالکل اوپر) مقبرہ بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں زائرین کو آرام پہنچانے کی غرض سے قبروں پر خیمہ لگایا گیا' مثلاً جب حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی قبر پر خیمہ نصب فرمایا: (دیکھئے' بدائع الصنائع جلد اول: ص320)

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ نصب فرمایا' اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ زائرین کی سہولت کے لیے قبر پر خیمہ لگانا صحیح ہے۔ (دیکھئے' فتح الباری: ص467' جلد سوم)

اسی طرح حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حضرت فاطمہ بنت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک خیمہ لگایا' (نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری: 825/2) حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک پر بھی خیمہ لگایا (عمدہ القاری شرح صحیح البخاری 134/8)

ان آثار سے استدلال کرتے ہوئے علمائے اہل سنت نے مزارات اولیاء پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ زائرین کو تکلیف نہ ہو۔

مثلاً حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی لکھتے ہیں کہ میرے شیخ علی اور بھائی افضل الدین عام لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے' تابوت رکھنے اور چادریں چڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قبروں پر گنبد اور چادریں صرف انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کی شان کے لائق ہے۔ رہے ہم تو ہمیں لوگوں کے قدموں کے نیچے راستے میں دفن کر دینا چاہیے۔ (مواقع الانوار القدسیہ: ص593' شرح صحیح مسلم سعیدی 815/2)

علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی 986ھ اپنی تالیف مجمع البحار میں لکھتے ہیں کہ سلف صالحین نے مشائخ اور مشہور علماء کرام کی قبروں پر عمارت بنانے کو مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں اور اس عمارت میں بیٹھ کر آرام حاصل کر سکیں۔ (جلد دوم ص187)

حضرت امام علی بن سلطان محمد ہروی نزیل مکہ المعروف قاری متوفی 1014ھ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقات المصابیح میں لکھتے ہیں۔

سلف صالحین نے مشائخ اور مشہور علماء کی قبروں پر عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آسکیں اور اس عمارت میں بیٹھ کر آرام حاصل کر سکیں۔ (جلد چہارم: ص69)

فتاویٰ شامی میں ہے کہ میت اگر مشائخ اور علماء میں سے ہے تو اس کے مزار پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔ (جلد اول: ص601)

حضرت شیخ امام اسماعیل حقی اپنی مشہور تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں: علماء اور اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا' غلاف چڑھانا' پگڑی باندھنا اور کپڑے رکھنا جائز ہے: (دیکھئے تفسیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ......) (مترجم)

میں قبروں پر لکھنے کی ممانعت بھی آئی ہے(1)۔لیکن دولت عثمانیہ کے آخری دور میں یہ ساری چیزیں عام ہوگئیں تھیں اور بزرگوں کی قبروں پر عالیشان عمارتیں' روضے اور تابوت بننے لگے تھے اور مزارات کے قصے کہانیاں اس طرح دہرائے جاتے اوران کی کرامات بیان کی جاتیں گویا یہ قرآنی نصوص ہیں جن میں قبروں پر عمارتیں بنانے کا حکم دیا گیا ہے' ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کام کی ترغیب دی گئی ہے۔

اور سب سے افسوس ناک بات یہ تھی کہ بعض فقہاء نے قبروں پر گنبد بنانے کے حق میں فتویٰ دے دیا تھا بشرطیکہ میت عالم فاضل ہو اور دلیل میں یہ بات پیش کی کہ بعض اسلاف نے اسے امر مستحسن کہا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ انہوں ان فاسد آراء کو اپنی تصنیفات میں درج کر دیا جو طالب علموں کے مطالعہ میں رہنے لگیں اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔(2)

یہ وباء عام ہوگئی اور اس نے دولت عثمانیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' اس کا شر بڑھ گیا اور جس چیز سے نبی کریم ﷺ نے امت کو خبردار کیا تھا وہ شر عظیم ہو کر رہا۔

اس دور میں شرک کے مظاہر وذرائع درج ذیل صورتوں میں سامنے آئے۔

❶ مساجد' قبوں اور خانقاہوں کی تعمیر اور ملک کے طول وعرض میں اس چیز کا پرچار' صرف دولت عثمانیہ پر ہی کیا موقوف یہ چیز پورے عالم اسلام میں رائج ہوگئی اور سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہوتا ہے کہ دولت عثمانیہ کے آخری ادوار میں ان خانقاہوں' مزارات اور قبروں کی تعظیم عالم اسلام میں پورے عروج پر تھی' مثلاً بصرہ کے لوگوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے احترام میں نہایت ہی دولت وثروت خرچ کی اور بہت زیادہ رسوم ورواج کو اپنایا۔عثمانیوں نے ان کے مزار اقدس پر مسجد تعمیر کر دی' سلطان کی والدہ (سلطان عبدالعزیز کی والدہ) نے قبوں کی ترمیم اور مسجد کی وسعت پر بڑا پیسہ خرچ کیا۔1293ء میں سلطان عبدالحمید الثانی نے والی بصرہ ناصر پاشا سعدوں کی نگرانی میں اس مرقد شریف کی تعمیر کا حکم دیا۔(3)

1۔الترمذی: کتاب الجنائز' باب ماجاء فی کراھیۃ تجصیص القبور' اسے البانی نے صحیح کہا ہے' حدیث نمبر 757

2۔الانحرافات العقدیہ والعلمیۃ: (273,272/1)

3۔اہل اسلام نے ان مزارات کی کبھی بھی عبادت نہیں کی لیکن ان کے مزارات سے فیض حاصل کرنے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی' کیا مزارات بزرگان دین سے فیض حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز' اس بارے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث ہدیہ قارئین کی جاتی ہے:

عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ اِنْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَاِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا اِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْاُبُلَّةُ قُلْنَا نَعَمْ. قَالَ مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَيَقُوْلَ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ

ترجمہ: "صالح بن درہم سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حج کے ارادے سے مکہ گئے وہاں ہماری اچانک ایک شخص سے ملاقات ہوگئی جس نے ہم کو کہا کہ تمہارے شہر کے اطراف میں ابلہ نامی بھی کوئی مقام ہے؟ ہم نے کہا: ہاں ہے' آپ نے فرمایا: کہ تم میں سے کون یہ ذمہ لیتا ہے کہ وہ میرے لیے وہاں کی مسجد عشار میں دو یا چار رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کا ثواب مجھے (ابوہریرہ) کو بخشے' کیونکہ میں نے اپنے دوست ابوالقاسم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مسجد میں سے ایسے شہداء کو اٹھائے گا جو شہدائے بدر کے ساتھ ہوں گے"۔(بقیہ آگے)

پھر 1303ء سلطان عبدالحمید نے ان گنبدوں کو چونا کرنے کا حکم دیا' نیز یہاں مسجد تعمیر کروائی اور حکم دیا کہ ان دونوں مزارات یعنی حضرت زبیر اور عقبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کے مزارات پر سرخ دیباج کی نہایت ہی قیمتی چادریں چڑھائی جائیں جن پر چاندی سے کڑھائی کی گئی ہو' اس کے علاوہ سلطان نے یہ بھی حکم دیا کہ ان دونوں مزارات مقدسہ کے قریب عود دان اور چاندی کے قمقمے رکھے جائیں۔(1)

(بقیہ گزشتہ) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے پاک بندوں کے مزارات ہوتے ہیں وہاں عبادت کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور ایسے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا دین میں امر مستحسن ہے لہٰذا اگر ایسے مقام پر لوگوں کی آسانی کے لیے کوئی عمارت تعمیر کردی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ حدیث میں عمارت بنانے یا مسجد بنانے کی جو ممانعت آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صاحب مزار کے فائدہ کے لیے بنایا جائے جیسا کہ مشرکین اپنے بزرگوں کی قبروں پر خیمہ لگاتے تھے کہ اس سے انہیں سایہ میسر آئے لہٰذا اس نیت سے خیمہ لگانے کی بھی ممانعت کردی گئی لیکن زائرین کی سہولت کے لیے اس نہی کے بعد بھی خیمہ لگانا ثابت ہے۔ انما الاعمال بالنیات' ہاں فضول خرچی نہیں ہونی چاہیے۔

قرآن کریم میں اصحاب کہف کے واقعہ میں یہ بات بھی مذکورہ ہے کہ اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا' جب وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا (بطور یادگار) تعمیر کروان کے غار پر کوئی عمارت'' (الکہف:21)

اس آیت کے تحت امام رازی لکھتے ہیں:

اِنَّ بَعْضَهُمْ قَالَ: اَلْاَوْلٰی اَنْ یَسُدَّ بَابَ الْکَهْفِ لِئَلَّا یَدْخُلَ عَلَیْهِمْ وَقَالَ آخَرُوْنَ بَلِ الْاَوْلٰی اَنْ یُبْنٰی عَلٰی بَابِ الْکَهْفِ مَسْجِدٌ وَهٰذَا الْقَوْلُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اُولٰٓئِکَ الْاَقْوَامَ کَانُوْا عَارِفِیْنَ بِاللّٰهِ مُعْتَرِفِیْنَ بِالْعِبَادَةِ وَالصَّلٰوةِ۔

''ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ غار کے دروازے پر دیوار چن دی جائے تاکہ کوئی شخص اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور بعض نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ غار کے دروازے پر مسجد تعمیر کردی جائے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کا اعتراف کرتے تھے۔''

چونکہ اس حکم کو باقی رکھا گیا ہے اور کسی دوسری آیت میں اس کا نسخ نہیں آیا' اس لیے بزرگوں کی آرام گاہوں کے نزدیک مسجد بنانا امر مشروع ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اسلاف مفسرین نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ حضرت سیدی پیر محمد کرم شاہ الازہری علامہ ثناء اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا جائز ہے۔ هٰذِهِ الْاٰیَةُ تَدُلُّ عَلٰی جَوَازِ الْمَسْجِدِ لِیُصَلّٰی فِیْهِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّکِ۔ (مظہری)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جن احادیث میں مسجد بنانے کی ممانعت مذکور ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے۔ معنیٰ اتخذوا قبور انبیاء هم مساجد انهم یسجدون الی القبور کما هو صریح فی حدیث ابی المرثد غنوی قال قال رسول ﷺ لاتجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیها۔ (رواہ مسلم)

یعنی ابو مرشد غنوی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ ضیاء القرآن جلد سوم ص 1

ان تصریحات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مزارات اولیاء پر عمارت بنانا بدعت' شرک یا کفر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہابی تحریک سے پہلے پورے عالم اسلام میں ان چیزوں کا رواج تھا اور کوئی بھی ان کی مخالفت نہیں کرتا تھا' کیا پورا عالم اسلام مشرک ہو گیا تھا' سب لوگ بدعتی بن گئے تھے' العیاذ باللہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے' میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی' وہابی تحریک نے جس بے دردی سے صحابہ کرام' اہل بیت اطہار اور اولیاء کبار کے مزارات کو تختہ مشق بنایا اسے بھی اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب ﷺ تو قبروں پر پاؤں رکھنے سے منع کرتا ہے اور انہوں نے بلڈوزر چلا کر مقدس مزارات کا نام و نشان مٹا دیا اور ان پر عمارتیں تعمیر کردیں۔ دراصل یہ وہ چیز تھی جس سے اللہ کے محبوب ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ (مترجم)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (294/1)

تمام اسلامی ممالک' حجاز مقدس' یمن' افریقہ' مصر' مغرب، عربی عراق' شام' ترکی' ایران' ماوراء النہر کے علاقے' ہندوستان اور دوسرے کئی علاقوں میں مزارات اور گنبدوں کی تعمیر زوروں پر تھی اور لوگ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے بے تحاشا دولت صرف کر رہے تھے اور اصحاب مزارات کی تعظیم و تکریم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کیونکہ مزارات پر عمارتیں بنانا ہی ایک ایسا عمل تھا جس میں لوگ روبہ ترقی تھے اور یہ وہ شرف تھا جس کو حاصل کرنے کی خاطر اکثر لوگ بے تاب نظر آتے تھے۔

اپنے آخری دور میں عثمانی ہر اس مقام پر عمارتیں تعمیر کرنے میں حریص نظر آتے تھے جس کی لوگ تعظیم کرتے تھے' خواہ وہ بزرگان دین کی قبور تھیں یا انبیاء علیہم السلام کے آثار تھے یا کوئی اور چیز۔

یہ مقامات اور مزارات مدد مانگنے' فریاد کرنے کا محل بن گئے تھے' لوگ یہاں آتے اور ان بزرگوں سے مدد طلب کرتے اور ان سے فریاد کرتے' شرکیہ عقائد کا دور دورہ تھا جیسے مزارات پر جانوروں کا اس نیت سے ذبح کرنا کہ اس سے صاحب مزار کا تقرب حاصل ہو جائے اور صاحب مزار اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ زائر کی شفاعت کرے۔ قبروں سے لوگ حاجت روائی کرتے' ان کو مضبوطی سے پکڑتے' مزارات اور خانقاہیں پوری انسانی زندگی پر چھا گئی تھیں (1)۔ اور انسانی زندگی کو بہت زیادہ نقصان پہنچا' جملہ امور ٹھپ ہو کر رہ گئے' انسانی عقلیں ماؤف ہو کر رہ گئیں' ان مزارات نے ان کے دل و دماغ میں نہایت ہی اعلیٰ مقام حاصل کر لیا اور مزارات کا تقدس اس قدر بڑھ گیا کہ اموات کو خدا کا شریک بنا دیا گیا۔ دین کے معاملے میں غلو برتا گیا' اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگ ان کے ساتھ تعلق وابستہ کرنے کی کوشش کرنے لگے' اپنے ہر چھوٹے بڑے کام میں مزارات کی طرف رجوع کرنے لگے' اصحاب مزارات سے دعائیں کرنے لگے' ان سے مشورہ طلب کرتے حالانکہ یہ مزارات اپنے آپ کو بھی نہ کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں تو وہ دوسروں کے نفع و نقصان کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟ افسوس کہ علمائے اسلام عوام الناس سے دو قدم آگے تھے' وہ مزارات کی تعظیم میں بہت بڑے بڑے طریقوں کو ایجاد کر رہے تھے اور لوگوں کے دلوں میں مزارات کی ہیبت بٹھا رہے تھے۔

لوگ شرک اور گمراہی میں حد سے بڑھ گئے' بت پرستی اور توحید کی مخالفت کی حد کر دی' انہوں نے صرف مردہ و زندہ لوگوں کو شریک ٹھہرانے اور ان کی تعظیم کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ درختوں اور پتھروں کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بغداد میں ایک قدیم توپ تھی جو ایک میدان میں نصب تھی اور سلطان مراد عثمانی کے اسلحہ سے تھی جس کو انہوں نے ایرانیوں کے خلاف استعمال کیا تھا تا کہ ان کو بغداد سے نکال باہر کریں' لوگ اس توپ پر منتیں ماننے لگے اور اپنے بچوں

1۔ برطانوی جاسوس ہمفرے لکھتا ہے: ''ہماری دشواریوں میں سے ایک بڑی دشواری بزرگان دین کے مزاروں پر مسلمانوں کی حاضری ہے۔ ضروری ہے کہ مختلف دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا جائے کہ قبروں کو اہمیت دینا اور ان کی آرائشات پر توجہ دینا بدعت اور خلاف شرع ہے اور حتمی مرتبت ﷺ کے زمانہ میں مردہ پرستی اور اس قسم کی باتیں رائج نہیں تھیں۔ آہستہ آہستہ ان قبروں کو مسمار کر کے ان کی زیارت سے لوگوں کو روکا جائے۔'' حکومت برطانیہ کو آخر اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ وجہ ظاہر ہے کہ یہ مزارات مسلمانوں کے اتحاد کا ذریعہ تھے اور پورا عالم اسلام ان بزرگوں کے ذریعے باہم متحد تھا یہاں سے انہیں روحانی غذا ملتی تھی۔ حکومت برطانیہ نے نجدی شیخ کے ذریعے ان مزارات کے خلاف پروپیگنڈا کیا کہ یہ شرک بدعت کے مرکز ہیں' العیاذ باللہ (مترجم)

کی زبان کی گرہ کھلوانے کے لیے یہاں دعائیں مانگنے لگے۔ یہ توپ ''طوب ابی خزامہ'' کے نام سے مشہور تھی۔
اس لغو و بیہودہ بات کے رد میں علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اور لوگوں کو زجر و توبیخ کی جو اس توپ کو حاجت روا خیال کرتے تھے اور یہاں آ کر منتیں مانتے تھے' اس رسالے کا نام ہے ''القول الانفع فی الرد عن زیارۃ المدفع''۔(1)
دولت عثمانیہ کے آخری دور میں لوگوں کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ وہ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے' اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھانا ان کے لیے آسان تھا لیکن جان بوجھ کر وہ مخلوق کی جھوٹی قسم نہیں اٹھاتے تھے۔

بدعات اور لغویات کا عام ہونا

دولت عثمانیہ کے اولین سلاطین بدعت اور اہل بدعت سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے اور ان کے خلاف لڑتے رہے' دیکھئے سلطان محمد فاتح اپنی وصیت میں اپنے پسماندگان کو فرماتے ہیں ''بدعتوں اور بدعتیوں سے دور رہنا اور ان لوگوں سے الگ رہنا جو تمہیں ان بدعات پر ابھاریں''۔ لیکن آخری ادوار میں دولت عثمانیہ میں ہر جگہ بدعتوں کا دور دورہ تھا' مملکت میں رہنے والے لوگوں کی زندگی بدعتوں سے پر ہو چکی تھی' بہت کم ہی کوئی عبادت کوئی عمل اور زندگی کا کوئی معاملہ شرک و بدعت سے خالی تھا۔ جنازوں' ماتموں' عرسوں' ضیافتوں' ولیموں میں طرح طرح کی بدعتوں کا رواج عام تھا۔ منحرف صوفیوں کے ہاں طرح طرح کی بدعات رواج پاگئی تھیں' اس طرح بدعتیں ہر کہیں دیکھی جا سکتی تھیں' انہیں حیات انسانی میں صدارت کی جگہ حاصل ہو چکی تھی۔ جاہل لوگ ان بدعتوں پر عمل کرتے تھے اور عالم ان کی تائید کرتے تھے۔ سنت بدعت کا اور بدعت سنت کا درجہ حاصل کر چکی تھی (2)۔ دین اور علم کا مفہوم بالکل بدل چکا تھا' دینی اور علمی اقدار کی جگہ عجیب و غریب رسوم اور رواج نے لے لی تھی' لوگ ان رسوم کے اسیر ہو کر رہ گئے تھے اور گمان رکھتے تھے کہ وہ ہدایت کے راستے پر ہیں۔ بخاری شریف جس میں نبی کریم ﷺ کا طرز حیات درج ہے' ایک پرانی مروج رسم میں بدل گئی تھی' لوگ مشکلات میں اس کی تلاوت کرنے لگے تھے' جنگوں میں اس کو پڑھنے لگے تھے' اس کو مدد و نصرت طلب کرنے کا محض ایک ذریعہ اور دشمنوں کو نیچا دکھانے کا وسیلہ خیال کر لیا تھا۔(3)
اس دور میں سنت پر عمل نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا' بدعات کا ایک طوفان تھا جس کی ہر طرف عملداری تھی' لوگ بدعتوں میں یوں منہمک تھے گویا وہ دین کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں' اس سلسلے میں وہ حد سے بڑھ چکے تھے لیکن اسلامی احکام کے سلسلے میں سرد مہری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی' لوگ بدعتوں کے رواج کے لیے کوشاں تھے' اس سلسلے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو نفع پہنچا رہے ہیں۔(4)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (367/1)
2۔ مشکلات الجلیل ضوء الاسلام: ص 373
3۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (380/1)
4۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (428/1)

لغویات کا عام ہونا

دولت عثمانیہ کے آخری دور میں لغویات کا دور دورہ تھا' جھوٹی کہانیاں اور قصے زبان زد عوام وخواص تھے' تمام مسلمانوں میں جھوٹی کہانیاں اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کی حیثیت ایسے مسلمہ حقائق کی ہو چکی تھی جن کے بارے کوئی اختلاف گویا ممکن ہی نہیں اور اسی پر ہی موقوف کیا' ان میں سے بہت سے لوگوں کے نزدیک ان بدعتوں اور خرافات نے مقدس امور کا روپ دھار لیا تھا جن میں سستی کا کوئی جواز نہیں تھا چہ جائیکہ ان کی صحت کے بارے کسی شک وشبہ کا اظہار ہو۔

ان خرافات میں سے ایک وہ جھوٹی کہانی بھی ہے جو آستانہ میں پھیلی ہوئی تھی' لوگوں کا اعتقاد تھا کہ خواجہ مصطفیٰ پاشا کی جامع مسجد جس زنجیر سے گھری ہوئی ہے اور سرو کے جس قدیم درخت کے ساتھ وہ بندھی ہوئی ہے' اس کی یہ خاصیت ہے کہ اگر کوئی شخص اس زنجیر کے نیچے بیٹھ کر جھوٹی بات کہے تو یہ اس کے سر پر گر پڑتی ہے اور اگر وہ سچا ہو تو یہ زنجیر حرکت نہیں کرتی (1)۔ اس دور کے تمام مسلمان قبروں کی پوجا پاٹ میں غرق تھے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان قبروں سے امیدیں وابستہ کر چکے تھے۔ یہ لوگ بہت بری طرح شرک' غلو' بدعت اور خرافات کا شکار ہو چکے تھے' ان خرافات نے ان کی زندگی کو بھر دیا تھا۔ ان کا پورا وقت ان کی نذر ہو گیا تھا اور ان کی ساری طاقت اور استعداد انہیں خرافات میں ضائع ہونے لگی تھی' ان کی کوششیں صحیح راستے سے ہٹ گئی تھیں' لوگ یوں منہ کے بل گر چکے تھے کہ ان کا اٹھنا محال تھا' یہ قوم اپنے زوال انحطاط کے اسباب کو سمجھنے سے قاصر ہو چکی تھی' دشمن کے لشکروں کے سامنے ہزیمت خوردہ ان کے منصوبوں اور سازشوں کے مقابلے سے عاجز آ چکی تھی جس کے نتیجے میں دولت عثمانیہ ختم ہو کر رہ گئی۔

منحرف صوفیاء

سب سے بڑا انحراف جوامت اسلامیہ کی تاریخ میں واقع ہوا وہ منحرف صوفیاء کا اسلامی معاشرے میں ایک منظم قوت کی حیثیت سے ظہور تھا۔ ایک ایسا گروہ جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے دور عقائد' افکار اور عبادات کا حامل تھا۔ منحرف صوفیاء کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی اور دولت عثمانی کے آخری ادوار میں ان کی شوکت بہت زیادہ ہو گئی تھی' ویسے تو اس کے کئی عوامل ہیں لیکن ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1. بدترین حالات جن میں امت مسلمہ زندگی بسر کر رہی تھی اور وہ تلخ حقیقت جس سے اس دور میں امت مسلمہ کو واسطہ تھا جیسے عام پسماندگی' ظلم وزیادتی' فقر وافلاس' بیماری اور جہالت' ان تمام چیزوں نے لوگوں کو جعلی صوفیوں کی گود میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا' یہ صوفیاء ان کو تھپکی دیتے تھے' انہیں متنبہ کرتے اور انہیں ایک ایسی غیر حقیقت پسندانہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے تھے جس سے وہ بھاگ کر ان کی پناہ لیتے تھے۔
2. دولت عثمانیہ کے آخری دور میں امن وامان کی حالت کا خراب ہو جانا اور سکون کا معدوم ہو جانا' اس دور میں معمولی وجوہات

1۔ الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ (432/1)

بلکہ بعض اوقات بغیر کسی سبب کے جانوں کو تلف کر دیا جاتا تھا' اس سیاہ ترین فضا اور مشکل ترین حالات میں ارباب تصوف ایک پرسکون زندگی جیتے تھے۔ مصائب وآلام اور فتنہ وفساد سے دور پورے امن وسکون اور اطمینان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

یقیناً فقراء کسانوں' تاجروں اور کاریگروں سے زیادہ فارغ البال اور خوشحال تھے' ان لوگوں کو قوانین کے نفاذ سے پورا امن حاصل تھا' وہ ظلم کے گرانبار لمحوں میں واقع ہونے والے ان تمام شر وفساد سے اکثر اوقات محفوظ رہتے تھے کیونکہ سپاہی ان کے خوف سے کانپتے تھے اور ان کی روحانی بادشاہی سے ڈرتے تھے' لشکری انہیں اللہ کا مقرب خیال کرتے' ان کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ خیال کرتے' ان کی خوشنودی حاصل کرتے' بعض لوگ اطمینان قلب اور استقرار حال اور دولت وثروت کے حصول کی خاطر راہ سلوک کو اختیار کرتے تھے' ان کا مقصد قطعاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں ہوتا تھا۔ (1)

● اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا معاشی اعتبار سے خوشحال ہونا" فقراء اس دور میں زندگی کی مشکلات سے بالکل دور تھے' انہیں روزمرہ کی ضروریات کے لیے کسی جدوجہد اور محنت ومشقت کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ اپنی خانقاہوں میں بڑے آرام سے کروفر کی زندگی بسر کرتے تھے' ان کے جملہ اخراجات ان کے مریدین اور عقیدت مند پورا کرتے تھے' دولت مند طبقہ اپنی دولت کے دروازے ان فقراء پر وا رکھتا تا کہ یہ لوگ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی یاد کر سکیں اور تہجد اور اللہ کی عبادت کی خاطر علائق دنیا سے الگ تھلگ رہ سکیں' اس دور کی سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ یہ زہد وقناعت کے دعوے کے باوجود نہایت ہی عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کی زندگی کاشتکاروں' تاجروں اور پیشہ وروں سے کہیں زیادہ آسودہ تھی۔" (2)

● عثمانی ترکوں کی درویشوں اور اہل تصوف سے محبت۔" ترک تصوف کے دلدادہ تھے اور اہل ایمان کی تقدیس کی طرف مائل ان کی دوستی کا صدق دل سے دم بھرتے تھے"۔ (3)

یقیناً عباسی دور حکومت جس میں اسلامی معاشرہ میں صوفیاء پھیلنا شروع ہو گئے تھے لیکن ان کی حیثیت ایک ایسے گروہ کی تھی جو معاشرہ سے الگ تھلگ تنہائی کی زندگی گزارتا تھا لیکن دولت عثمانیہ کے سائے میں اور بالخصوص ترکی میں یہ معاشرے کا ایک حصہ تھے اور تصوف دین بن چکا تھا' بالخصوص دو آخری صدیوں میں یہ مفروضہ عام ہو چکا تھا کہ جس کا شیخ نہیں شیطان اس کا شیخ ہے (4)۔ عام لوگوں کے نزدیک بالعموم تصوف دین میں داخل ہونے کا دروازہ بن چکا تھا اور یہی وہ میدان تھا جس میں رہ کر دینی تعلیمات پر صحیح عمل کیا جا سکتا تھا۔ (5)

آل عثمان کے بہت سارے سلاطین صوفیاء کی سرپرستی کرتے تھے' ان کی تعظیم کرتے اور ان کا ادب بجالاتے تھے حتیٰ کہ

1۔ التصوف فی مصر ابان العصر العثمانی' ڈاکٹر الطویل ص: 152-154 2۔ ایضاً ص: 154 3۔ ایضاً ص 154

4۔ یہ صرف اس دور کے لوگوں کا اعتقاد نہیں تھا سلف صالحین اور آئمہ دین بھی اس کے قائل تھے' شیخ عبدالحق محدث دہلوی حدیث احسان کی شرح میں حضرت امام مالک کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: "جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ زندیق ہے اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہے اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہے" اور سب جانتے ہیں کہ امام مالک تبع تابعین ہیں۔ آپ کا وصال 179ھ میں ہوا۔

امام غزالی کے نزدیک بھی تصوف کی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے آپ لکھتے ہیں کہ وکذالک یفترض عَلَیْهِ عِلْمُ اَحْوَالَ الْقَلْبِ من التوکل والخشیۃ والرضاء (تعلیم المتعلمین) اسی طرح انسان پر قلب کے احوال کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے جیسے توکل' خشیت اور رضا۔ 5۔ واقعنا المعاصر: ص 155

جب سلطان عبدالحمید سریر آرائے خلافت ہوئے تو سخت ترین حالات تھے' سازشیں امت کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں' حادثات اور مشکلات نے اس عظیم مملکت کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' قومیت کا پرچار کرنے والے اپنی دعوت پورے ملک میں بڑے زور وشور سے پھیلا رہے تھے' آپ نے لوگوں کو اسلامی اتحاد کی طرف بلایا' دینی یکجہتی کی دعوت دی' مختلف سلاسل اور طرق کے صوفیاء اس دعوت کو پھیلانے میں پیش پیش تھے۔

یہ دور صوفیاء کا دور تھا' عالم اسلامی کے تمام طبقات ادنیٰ واعلیٰ سب ان سے متاثر تھے' کوئی شہر اور کوئی قریہ ایسا نہ تھا جہاں یہ لوگ موجود نہ تھے اگر کہیں صوفیاء موجود نہیں تھے وہ نجد اور اس کے ملحقہ علاقے تھے۔(1,2)

اس دور میں منحرف صوفیاء عالم اسلام پر چھا چکے تھے اور اکثر مسلمان ان کے دام تزویر میں پھنس چکے تھے' ان دو صدیوں میں صوفیاء کی سطوت بہت بڑھ چکی تھی اور ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا' عالم اسلام کے طول وعرض میں جمہور مسلمانوں پر انہیں جو تسلط حاصل تھا وہی کافی تھا پھر جب انہیں حکومت کی پشت پناہی بھی حاصل تھی تو ان کی قوت اور اثر ونفوذ کا کیا عالم ہوگا۔(3)

منحرف صوفیاء بیکار رہنے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے' مانگنے کو جائز خیال کرتے تھے' تنگی پیدا کرتے تھے' ذلت کی جگہوں کی طرف دوڑتے تھے' پستی کے دلدادہ ہو چکے تھے' وہ اسباب کو بروئے کار لانے کے حق میں نہیں تھے' ان کی نظر میں وہ تاجر کس قدر ناکام تھا جو اپنا وقت تجارت میں صرف کرتا تھا وہ کاشتکار جو اپنی صلاحیتیں زراعت میں صرف کرتا تھا' محض وقت ضائع کرتا تھا اور وہ کاریگر جو اپنی قوت وطاقت اپنی کاریگری میں صرف کرتا تھا' وہ اپنا وقت ضائع کرتا تھا' اس شخص سے زیادہ ناکام شخص کوئی نہیں جو اپنا وقت روزی کمانے میں صرف کرتا ہے اور اس کے لیے سفر کرتا ہے اور مال ودولت حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ رزق انسان کی تلاش میں ہے۔ عجب ہے کہ انسان رزق کے پیچھے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے' ان میں سے اگر ایک سکون سے بیٹھ جائے تو دوسرا متحرک ہو جاتا ہے۔

ان بہت سارے صوفیاء کے نزدیک عقیدہ قضا وقدر نے غلط مفہوم اختیار کر لیا تھا' جرمنی کا ایک مستشرق آخری ادوار میں مسلمانوں کی صورت حال کے بارے لکھتے ہوئے کہتا ہے'' مسلمان کی طبیعت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو تسلیم کرتا ہے

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ:(447/1)

2۔ یہی وجہ تھی کہ یورپیوں کو پورے عالم اسلام میں کہیں کوئی امید کی کرن نظر نہ آئی' صوفیاء نے کمال مزاحمت کی حتیٰ کہ اس کتاب کا مصنف خود اعتراف کر چکا ہے کہ شمالی افریقہ کے قادری، مدنی اور شاذلی سلسلے کے بزرگوں نے فرانسیسیوں کو پریشان کر دیا' دیکھیے اس کتاب کا ص 469 (یہ عربی کتاب کا صفحہ نمبر ہے) لیکن تصوف کی برکتوں سے محروم یہ خطہ نجد یورپیوں کی امید گاہ ٹھہرا۔ برطانوی جاسوس ہمفرے لکھتا ہے۔'' محمد بن عبدالوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے' اس کی اونچا اڑنے کی خواہش' جاہ طلبی' غرور' علماء ومشائخ اسلام سے اس کی دشمنی' اس حد تک خودسری کے خلفاء راشدین بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن وحدیث سے استفادہ اس کی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔'' ہمفرے کے اعترافات ص:31 (مترجم)

3۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ:(447/1)

اور اس کی قضا و قدر پر راضی رہتا ہے اور ہر اس فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتا ہے جو واحد و قہار ذات نے صادر فرمایا ہو اس اطاعت گزاری کے دو مختلف اثرات نمایاں ہوتے رہے ہیں' قرون اولیٰ میں اسی عقیدہ کے تحت جنگوں میں مسلمان ایک بہت اہم کردار ادا کرتے تھے اور نتیجہ یہ کہ انہیں مسلسل کامیابیاں حاصل ہوتی تھیں لیکن یہی عقیدہ جو مسلمانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کرتا تھا' قرون آخیرہ میں جمود کا سبب بن کر رہ گیا اور پورا عالم اسلام اس کی لپیٹ میں آ گیا' سو اس نظریئے نے انہیں پستی اور دنیا بیزاری میں دھکیل دیا اور عالمی حالات و واقعات کے رجحانات سے انہیں بے بہرہ بنا کر رکھ دیا''۔(1)

بلاشبہ اس شخص نے جو کافر ہے' اس حقیقت کا ادراک کر لیا ہے یعنی اس حقیقت کا کہ ایمان بالقدر کا سلف کے ہاں جو مفہوم تھا' اس کے درمیان اور جو تصوف سے متاثر دور جدید کے لوگوں نے گھڑ لیا' اس کے درمیان کیا فرق ہے؟ یہ عقیدہ کی خرابی نہیں بلکہ اس عقیدہ کو اپنانے والوں کا گناہ ہے' شاعر اسلام حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

من القرآن قد تركوا المساعى وبالقرآن قد ملكوا الثريا

الى التقدير ردوا كل سعى وكان زماعهم قدرا خفيا

تبدلت الضمائر فى اسار فما كرهوه صارلهم رضيا (2)

''تم نے قرآن کریم کی آیات سے استدلال کر کے تگ و دو کو ترک کر دیا اور انہوں نے قرآن کریم کے ذریعے ثریا پر کمندیں ڈال لیں۔

تم نے تقدیر کا بہانہ کر کے ہر کوشش کو رد کر دیا اور ان کے عزائم خود تقدیر خفی تھے

تمہارے دل غلامی کے خوگر بن چکے ہیں جس چیز کو وہ ناپسند کرتے تھے تم اسی چیز پر خوش نظر آتے ہو''۔

نپولین بونا پارٹ نے قضا و قدر کے اس غلط عقیدہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جب اس کے فوجی دستوں نے مصر پر قبضہ کیا تو وہ اپنی منشورات میں مسلمانوں کو یاد دلانے کے لیے یہ عقیدہ شائع کرتا رہتا تھا کہ مصر پر قبضہ اور یہاں کی آبادی کا اسیر ہو جانا اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ہوا ہے جو اس واقعہ پر اعتراض کرے گا گویا وہ قضا و قدر پر اعتراض کرے گا۔(3)

1۔ الاسلام قوۃ الغد العالمیہ' باؤل سمتھ: ص 78 2۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے صرف دو زبانوں'' اردو اور فارسی'' میں شاعری کی ہے' آپ عربی کا اگرچہ اعلیٰ ذوق رکھتے تھے لیکن عربی میں شعر نہیں کہتے تھے' یہ غالباً آپ کے اشعار کا منظوم ترجمہ ہے۔(مترجم)

3۔ ہم مسلمان صدیوں پر محیط شکست و ریخت کے باوجود بھی تمام ناکامیاں ایک دوسرے کے سر تھوپتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے' نہ ہم اخلاقی قدروں میں مغرب سے زیادہ برے تھے' نہ عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے ہم میں کوئی گراوٹ آئی تھی' نہ مسلمانوں کی یکجہتی اولین سبب تھا' حقیقت یہ تھی کہ مغرب ٹیکنالوجی میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا' اگرچہ انہوں نے مذہب' خدا' بائبل' دین' شریعت' شرافت' بھلائی اور نیکی سے ناطہ توڑ لیا تھا اور پورے مغرب پر الحاد چھا رہا تھا لیکن ٹیکنالوجی میں وہ حیرت انگیز ترقی کر رہے تھے اور آئے روز ایسے ایسے مہلک ہتھیار تیار کر رہے تھے جن کا عالم اسلام کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ انہیں ہتھیاروں کی وجہ سے مسلمان ہر محاذ پر شکست کھا رہے تھے حالانکہ مسلمان اب بھی اللہ تعالیٰ کا کامل یقین رکھتے تھے لیکن جدید علوم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ہر میدان میں شکست سے دوچار ہو رہے تھے' پھر ایسے حالات میں دوسری اقوام کو ایجنٹ بھی مل جاتے ہیں' عقیدے بھی فاسد ہو جاتے ہیں' اتحاد بھی قائم نہیں رہتے اور کوئی تدبیر کام نہیں آتی' آج بھی یہی صورت حال ہے' افغانیوں کی غیرت' ایمان اب بھی قائم ہے عربوں میں فدائیت اب بھی کم نہیں' جذبہ و جہاد سرد نہیں پڑا' خدا اور رسول پر ایمان محکم ہے لیکن ہمارا صرف ایک جرم ہے جس کی سزا مل رہی ہے کہ ہم جدید علوم کے حصول کیلئے (بقیہ آگے)

تصوف کے غلط نظریات دولت عثمانیہ کے وجود کو ریزہ ریزہ کر رہے تھے حالانکہ صلیبی دنیا علم کے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کر رہی تھی' قوت وطاقت' تقدم وترقی کے اسباب کو حاصل کرتے ہوئے سائنسی تجربات کے میدانوں میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہی تھی' دولت عثمانیہ کو ریزہ ریزہ کرنے اور عالم اسلام پر تسلط حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں اور تدبیریں کر رہی تھی۔

ادھر منحرف صوفیاء لہو ولعب میں مشغول سماع پر فریفتہ ہو رہے تھے' فن موسیقی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ان کی مجلیس طبلوں' سارنگیوں' رنگا رنگ کے جھنڈوں سے بھری ہوئی تھیں' بہت سارے منحرف صوفیا سلسلے اپنے حلقہ ذکر میں دف بجا کر اللہ کا ذکر کرتے تھے حتیٰ کہ اس بارے ابوالہدیٰ الصیادی جو سلطان عبدالحمید ثانی کے خواص میں سے تھا اور اتحاد بین المسلمین میں ان کے مددگاروں میں سے تھا نے کہا:

اضرب الدف وجانب جاهلا حكمة الشرع لمعنى مادرى
كل ما حرك قلبا ساكنا ودعا العقل منه معتبرا
واجال الروح فى برزخها تذكر الله وتبغى مظهرا
فهو بر والذى يفعله فعل البر والله يرى
انفى الدف و فى رنته نغمةنغمة يعرفها من ذكرا
صوته ذكر و فى بحته انه تذكر اوقات السرى
نضرب الدف ومنه عندنا ذاكرا نسمعه لن يفترا (1)

''دف بجا اور شریعت کی حکمت سے جاہل شخص سے کنارہ کر کیونکہ وہ اس کے مفہوم کو نہیں سمجھتا۔
ہر وہ چیز جو غافل دل کو بیدار کر دے' عقل کو یقین کی طرف بلائے' روح کو عالم برزخ میں تڑپا دے' اللہ کی یاد کو تازہ کر دے اور اس کے جلوؤں کا طالب بنا دے۔
وہ نیکی ہے اور جو ایسا کام کرتا ہے وہ نیکی کرتا ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے۔
دف اور اس کی آواز میں ایسا نغمہ ہے جس کو صرف وہی جانتا ہے جس کا دل ذکر کی لذت سے آشنا ہے۔
اس کی ڈب ڈب کی آواز ذکر ہے اور یہ خوشی کی لحات کی یاد دلاتی ہے۔
ہم دف بجائیں گے کیونکہ اس کی آواز ہمارے نزدیک ایک ایسے ذاکر کی حیثیت رکھتی ہے جو کبھی سست نہیں ہوتا اور ہم اس کی آواز کو سنیں گے۔(2)

(بقیہ گزشتہ) کوشش نہیں کر رہے جب تک ہم اس جرم سے توبہ نہیں کریں گے اور جدید علوم کی تدریس کا خاطر خواہ بندوبست نہیں کریں گے پٹتے رہیں گے۔ (مترجم)

1۔ ریاضۃ الاسماع فی احکام الذکر والسماع' صیادی: ص45

2۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی شرعی حیثیت کے بارے چند احادیث وآثار یہاں نقل کر دیے جائیں کیونکہ وہابیوں کو سماع سے بہت چڑ ہے اگرچہ انہوں نے سینماؤں اور عام گانوں پر زیادہ شدت نہیں برتی' عرب ملکوں کے ٹی وی چینل صبح وشام نغمات الاپ رہے ہیں اور دوشیزائیں رقص (بقیہ آگے)

جمہور صوفیاء کے نزدیک سماع کی بڑی قدر و منزلت ہے' ابوالہدیٰ الصیادی کہتے ہیں: ''جس میں سماع تحریک پیدا نہ کرے وہ شخص ناقص ہے' اعتدال کی نظافت سے روگرداں' روحانی نور سے دور ہے' اس میں طبیعت کی سختی اور کثافت بہت زیادہ ہے بلکہ ایسا شخص پتھروں' پرندوں اور چوپائیوں سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں موزوں آوازوں اور نغمات سے اثر قبول کرتی ہیں' الغرض سماع دل میں ایک کیفیت پیدا کرتا ہے (1)۔ جسے وجد کہتے ہیں اور وجد جوارح میں تحریک پیدا کرتا ہے اگر یہ حرکت غیر موزوں ہو تو اضطراب کہلاتی ہے اور اگر موزوں ہو تو تالی بجانا اور رقص کرنا کہلاتی ہے۔'' (2)

کاش! یہ صوفی لوگ صرف طرب' سماع اور غنا کو پسند کرنے پر اکتفا کرتے لیکن انہوں نے تو اسے قربت خداوندی کا ذریعہ خیال کر لیا' اس دشمن خدا کو اطاعت خداوندی کا درجہ دے دیا جس سے قلوب میں سوز پیدا ہوتا ہے اور روح میں تصفیہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

علامہ حافظ ابن قیم جوزی نے ان صوفیاء کے بارے کیا خوب کہا ہے ''اگر آپ ان کو محافل سماع میں دیکھیں تو ان کی آوازیں دھیمی پڑ جاتی ہیں' ان کی حرکات میں سکون آ جاتا ہے اور ان کے دل بالکل ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس کو پوری یکسوئی کے ساتھ سنتے ہیں اور شاخ بید کی طرح جھومنے لگتے ہیں' اپنی حرکات اور رقص میں ٹوٹ ٹوٹ جاتے ہیں' کیا تو نے کبھی دیکھا ہے کہ خنثے اور عورتیں جس طرح جھومتے ہیں؟

اور یہ چیز ان کا حق سمجھا جاتا ہے' لوگوں کی کثرت آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہے اور یہ ان محافل میں وہ کام کر گزرتے ہیں

(بقیہ گزشتہ) کناں ہیں' (العیاذ باللہ) میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ وہابی حضرات ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ جتنا زور وہ سماع کے خلاف استعمال کرتے ہیں اتنا زور عام نغمات کی روک تھام پر صرف نہیں کرتے حالانکہ سماع مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اور بعض احادیث و آثار سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً

1۔ ''حضرت عامر سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ عیاض الاشعری انبار میں ایک شادی میں شریک ہوئے اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم کو گاتے بجاتے نہیں دیکھ رہا جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گایا بجایا جاتا تھا۔'' (سنن ابن ماجہ: باب ماجاء فی التقلیس یوم العید)

2۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کی زبانی اشعار سنے جو دف بجا کر بدری صحابہ کی شان سے متعلق اشعار گا رہی تھیں۔ (راوی ربیع بنت معوذ ابن عفراء)

3۔ نسائی شریف میں ہے کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بچیوں سے گانا سنا جو دف بجا رہی تھیں' ان میں بدری صحابہ بھی تھے۔ (نسائی: ص 451)
حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش (المتوفی 465ھ) اپنی کتاب کشف المحجوب میں سماع کو مباح قرار دیتے ہیں اور منکرین سماع کے بارے لکھتے ہیں: ''فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کھیل کود کے اسباب نہ ہوں اور سماع سے دل میں بدکاری کا خیال پیدا نہ ہو تو اس کو سننا مباح ہے' جس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں'' (سماع کا بیان دیکھیے) اس میں گفتگو کے بعد حضرت علی ہجویری نے کئی احادیث نقل کی ہیں جن کی اس حاشیہ میں گنجائش نہیں۔ (مترجم)

1۔ ریاضۃ الاسماع فی احکام الذکر والسماع' الصیادی: ص 45

2۔ اگر کوئی شخص اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے لیکن قابو نہیں رکھ سکتا اور اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو حرج نہیں لیکن محض رسماً وجد کرنا صحیح نہیں' حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں: ''ایک گروہ اس میں محض رسموں کا پابند ہوا ہے جو ظاہری حرکتوں کی تقلید کرتا' باقاعدہ رقص کرتا اور ان کے اشاروں کی نقل کرتا ہے' یہ حرام محض ہے'' آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''واضح ہو کہ شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں'' (کشف المحجوب ص 582) لہٰذا رقص تالی بجانا اور وجد کو ضبط نہ کرنا صوفیاء کے نزدیک درست نہیں۔ (مترجم)

جو شراب کی شدت بھی نہیں کر سکتی' محض غیر اللہ کے لیے بلکہ شیطان کے لیے دلوں کو یہاں ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر کپڑے لٹائے جاتے ہیں حتیٰ کہ ان پر سکر کی کیفیت چھا جاتی ہے جس سے شیطان کی امیدیں بر آتی ہیں' اس کی خواہشات پوری ہوتی ہیں' وہ اپنی آواز سے اور اپنے حیلے سے ان کو مشتعل کر دیتا ہے اور اپنے پیادوں اور اپنے شہ سواروں سے ان کو اپنے محاصرے میں لے لیتا ہے' ان کے دلوں میں کچوکے دیتا ہے' ان کو تحریک دیتا ہے کہ وہ زور زور سے زمین پر اپنے پاؤں ماریں' کبھی ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ گدھوں کی طرح مدار کے اردگرد چکر لگائیں اور کبھی انہیں اس بات پر اکساتا ہے کہ شہروں کے وسط میں مکھیوں کی طرح رقص کناں ہوں' اے بچارے مکانوں کے چھت اور زمین کا سینہ جوان کے قدموں کی ضربوں کو برداشت کرتے ہیں' ہائے وہ لوگ بیچارے جو لاشیں ہیں جیسے گدھوں اور چوپاؤں کی لاشیں ہوتی ہیں لیکن ان میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی' ہائے دشمنان اسلام کا خوش ہونا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کے خواص ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی لذت وطرب میں گزار دی اور دین کو لہو ولعب بنا کر رکھ دیا' مزامیر شیطان ان کے نزدیک قرآنی سورتوں کے سننے سے زیادہ پسندیدہ ہیں اگر ان میں سے کوئی شخص اول تا آخر قرآن کریم کو سن لے تو وہ ذرا برابر بھی حرکت نہ کرے' نہ اس کے دل میں کوئی تحریک پیدا ہو نہ اس میں وجد کی کیفیت طاری ہو' نہ ان کے دل سے محبت خداوندی کی چنگاریاں پھوٹیں جس طرح چقماق سے چنگاریاں نکلتی ہیں لیکن جب ان کے سامنے شیطان کے قرآن (موسیقی) کی تلاوت کی جاتی ہے اور مزامیر کی لے ان کے کانوں سے ٹکراتی ہے تو وجد کے چشمے ان کے دل سے ان کی آنکھوں کے راستے سے پھوٹ پڑتے ہیں' ان کے قدم رقص کرنے لگتے ہیں' ان کے ہاتھ تالیاں بجانے لگتے ہیں' ان کے تمام اعضاء جسمانی میں جنبش آ جاتی ہے' سارا جسم طرب میں ڈوب جاتا ہے' سانسوں میں تیزی آ جاتی ہے' سرد آہوں کا سلسلہ بندھ جاتا ہے' آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے..... کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے''۔

تلی الكتاب فاطرقوا لا خفية ... لكنه اطراق ساه لا هي

واتى الغناء فكالحمير تناهقوا ... والله مارقصوا لاجل الله

دف ومزمار ونغمة شادان ... فمتى رايت عبادة بملا هي

ثقل الكتاب عليهم لما راوا ... تقييده باوامر ونواهي

سمعوا له رعدا وبرقا اذ حوى ... زجرا وتخويفا بفعل مناهي

ورواه اعظم قاطع للنفس عن ... شهوتها ياذبحها المتناهي

واتى السماع موافقا اغراضها ... فلاجل ذاک غدا عظيم الجاه (1)

''کتاب الٰہی (قرآن) پڑھا جاتا ہے تو سر جھکا کر خاموش ہو جاتے ہیں' خدا کے خوف سے نہیں بلکہ ایک غافل اور لہو ولعب کرنے والے شخص کی طرح خاموش ہوتے ہیں۔

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (506/1)

اور جب گانا آتا ہے تو گدھوں کی طرح ہینگنا شروع کر دیتے ہیں' خدا کی قسم! یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے رقص نہیں کرتے۔
دف' باجہ اور کسی آہو (چشم) کا نغمہ بس جب تو دیکھے گا تو ان کو ان کھلونوں کی عبادت کرتا دیکھے گا۔
جب وہ دیکھتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں اوامر ونواہی کی پابندی ہے تو یہ کتاب ان پر بوجھ بن جاتی ہے۔
وہ اس میں برق ورعد' زجر وتوبیخ کی باتیں سنتے ہیں اور اس میں گناہوں کے ارتکاب پر ڈرایا گیا ہے۔
وہ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ نفس کو اس کی خواہشات سے سب سے زیادہ الگ کرنے والا ہے' اے نفس کا بہت زیادہ ذبح ہونا جبکہ سماع ان کی خواہشات سے موافق رکھتا ہے' اسی لیے اس کی ان کے ہاں بڑی قدر ومنزلت ہے۔(1)

اس طرح منحرف صوفیاء کی زندگی لھو ولعب کی نذر ہوگئی اور انہوں نے اپنا وقت اور اپنی عمریں ذکر' سماعت اور کھیل کود کی محفلوں میں برباد کر ڈالیں' ان کی زندگی از اول تا آخر منحرف صورت میں ذکر کے ارد گرد گھومنے لگی اور سعی کی عبادت زمین کے مختلف علاقوں میں ضائع ہوگئی' رزق کا طلب کرنا' جہاد' علم کا طلب کرنا اور اس کی اشاعت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ تمام امور ذکر سے غفلت کا نتیجہ قرار دے دیئے گئے' اسی لیے اس بات کی تبلیغ ہونے لگی' مسلمانوں کو ان باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دینی چاہیے اور انہیں سماع' غنا اور رقص کے ساتھ ذکر میں زندگی گزارنا چاہیے۔(2)

منحرف تصوف کی اس دنیا میں بعض بزرگوں کی تقدیس کا عقیدہ داخل ہوگیا' ان میں سے بعض زندہ تھے اور بعض اس دنیا سے جا چکے تھے' لوگوں نے ان کی طرف کئی کرامات اور خوارق للعادۃ کو منسوب کر رکھا تھا اور اوھام کی دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے' اسی وجہ سے لوگوں میں کمزوری' عجز اور انحطاط جیسی بیماریاں عام ہوگئی تھیں اور یہ پسماندگی اور انحطاط کی خلیج بہت وسیع ہوگئی تھی جبکہ یورپ کے صلیبی مادی تہذیب کے زینے مسلسل چڑھ رہے تھے اور ان کی فوجیں خرافات' اوہام کی دنیا میں غرق اور خوارق وکرامات پر بھروسہ کرنے والے عالم اسلام پر پے در پے حملے کر رہی تھیں۔

1۔ صوفیاء کرام قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم اور سب سے زیادہ شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی لکھتے ہیں: راہ سلوک پر وہ شخص چل سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ ہو' راہرو کو قرآن وسنت کی روشنی میں یہ سفر طے کرنا چاہیے تاکہ نہ شبہات کے گڑھے میں گرے اور نہ ہی بدعت کی تاریکی میں پڑے: (تذکرہ اولیاء)۔ شیخ ابوبکر طمستانی کہتے ہیں: راستہ بالکل واضح ہے' کتاب وسنت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ رسالہ قشیریہ ص34)
مشرب پیر حجت نہیں' دلیل قرآن وحدیث سے چاہیے (اخبار الاخبار: ص81)
لہٰذا تصوف پر عدول شریعت کا الزام محض تعصب ہے۔ (مترجم)
2۔ جب میں صوفیاء کی کتابیں پڑھتا ہوں' ان کے سوانح کا مطالعہ کرتا ہوں اور دین کی نشر واشاعت کے بارے ان کی تگ ودو کو دیکھتا ہوں تو مصنف کی باتوں پر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے بلاشبہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کو پھیلانے والے قدسی صفات لوگ یہی صوفی تھے۔ انہوں نے اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ رزق حلال کے لیے تگ ودو کی' کسب حرام سے لوگوں کو روکا' عبادت خداوندی کا ذوق دلوں میں پیدا کیا' راتوں کو جاگے دن کو تبلیغ کے لیے بستی بستی قریہ قریہ گھومے پھرے' حصول تعلیم کے لیے زندگیاں وقف کیں' اپنے دور کے سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے مخاطب کیا' ان کی سرزنش کی اور جابرین کے سامنے کلمہ حق سے نہ گھبرائے' کن لوگوں کی تبلیغ سے منگولوں نے اسلام قبول کیا' کن لوگوں کی تحریک سے اسلامی فوجوں نے یورپ کے دروازوں پر دستک دی' کن لوگوں کی مساعی سے افریقہ میں آج تک اسلام زندہ ہے' وہ کون سی ہستی تھی جس نے (بقیہ آگے)

جس وقت امت مسلمہ کو کمزوری اور انحطاط کا سخت سامنا تھا' ان پر دشمنوں کی سازشوں کا چاروں طرف سے حملہ ہو رہا تھا اور وہ طرح طرح کی چالیں چل رہے تھے' اس امت کے بہت سارے علماء ان منحرف صوفیاء کے دامن سے وابستہ جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑ چکے تھے اور ان کے مشائخ یہ صوفیاء امت میں ذلت' مسکنت' سستی و کاہلی کی روح پھونک رہے تھے' لوگوں کے نزدیک مجاذیب' مجانین اور پاگل لوگ اولیاء اللہ کا روپ دھار چکے تھے' اس میں کوئی شک نہیں' ان میں ایک بڑی تعداد دجالوں اور پیشہ وروں کی تھی جو لوگوں کے دلوں میں ان مجذوبوں کا تقدس پیدا کر کے ذاتی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ یہ لوگ صوفیاء کی صفوں میں گھس رہے تھے تاکہ انہیں بھی اولیاء میں شامل کر لیا جائے جو ہر قسم کی باز پرس سے ماوراء ہوتے ہیں نہ کوئی ان کو ملامت کرتا ہے اور نہ انہیں سرزنش کرتا ہے' چاہے وہ کتنی ہی ہلاکت خیزیوں کا ارتکاب کریں۔ علی الاعلان کتنے گناہوں کا اور فحاشیوں کا ارتکاب کریں (1) ان میں سے کئی عامل تھے جو جنوں کے ذریعے لوگوں کی تکلیفیں دور کرتے تھے۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں پر دشمنوں کے تیر کارگر ثابت ہوتے ہیں اور ان کے منصوبے کامیاب ہوتے ہیں۔ الغرض صلیبی فوجوں نے ہماری سرزمین کو لتاڑنا شروع کر دیا اور ہماری عزتوں کی پامالی کو حلال سمجھ لیا۔

صوفیائے منحرفہ باطل عقائد کے بحر زخار میں غوطہ زن تھے اور شاید سب سے آخری عقیدہ جس پر منحرف صوفیاء میں سے بہت سو نے یقین کر لیا تھا وہ وحدۃ الوجود اور (2) حلول کا عقیدہ تھا' منحرف صوفیوں نے ان عقائد کو اپنی گود میں لے لیا تھا اور ان کی نشر و اشاعت شروع کر دی تھی' اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور ان کے بارے یہ خیال کیا گیا کہ یہ وہ حقیقت ہے جو ان پر عیاں ہوئی ہے اور یہ راز دوسرے لوگوں سے مخفی رکھا گیا ہے۔ (3)

(بقیہ گزشتہ) ہندوستان میں لاکھوں ہندوؤں کو اسلام سکھایا' کون لوگ تھے جو خلافت اسلامی کے دفاع میں پیش پیش تھے جبکہ وہابی اسلامی مجاہدین کی پشت میں چھرا گھونپ رہے تھے' حجاز مقدس میں اپنے مسلمان بھائیوں کی گردنیں مار کر برطانیہ کے لیے سقوط خلافت کی راہ ہموار کر رہے تھے' وہ کون سا ملک ہے' جس کے دفاع کی ذمہ داری آج تک امریکہ اور برطانیہ پوری کر رہا ہے اور اس کو اپنی فوج رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی' کس نے جہاد سے منہ موڑ لیا ہے' انصاف سے کہیے؟ (مترجم)

1۔ حالت سکر میں کوئی شخص شرعی احکام کا مکلف نہیں رہتا' ایسے حالات میں ان کی زبان سے اگر کوئی خلاف شرع کلمہ صادر ہوتا ہے تو وہ اس لیے قابل مواخذہ نہیں ہوتا کہ وہ مکلف ہی نہیں ہوتا جیسے پاگل لوگ' لہٰذا ان کے اقوال و افعال نہ کسی کے لیے حجت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے اقوال و افعال کی حکایت چاہیے۔ اصل چیز جو قابل تقلید اور قابل عمل ہے' قرآن و حدیث سے مستنبط احکام ہیں۔ (مترجم)

2۔ صوفیاء میں سے کوئی شخص حلول کا قائل نہیں اگر کوئی شخص حلول کا قائل ہے تو ہمارے نمائندہ صوفیاء کے نزدیک دجال ہے۔ (مترجم)

3۔ وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود ایک ہی چیز ہے۔ یہ نزاع لفظی ہے' امت کے مختلف علماء کبار نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں' سب سے پہلے اس مسئلے پر جس شخص نے سیر حاصل گفتگو کی ہے وہ ابن عربی (المتوفی 1240ء) ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ دور متاخر کی بدعت ہے صحیح نہیں ہے' اس مسئلے کی تشریح و توضیح کرنے والوں میں نہایت ہی جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ شیخ عبدالغنی نابلسی دمشقی (المتوفی 1731ء) نے اس کی تشریح اپنی کتاب ایضاح المقصود میں کی' ہاں کئی علما نے اس مسئلے سے اختلاف کیا ہے جیسے امام ذہبی' علامہ سبکی اور حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کے مقابلے میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا جس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا (بقیہ آگے)

''فصوص الحکم'' اور ''الفتوحات المکیہ'' جو ابن عربی کی تالیفات ہیں اور ان کے علاوہ دوسری صوفیانہ کتابیں جو وحدۃ الوجود اور حلول کے عقائد کو بیان کرتی ہیں ان کی تدریس کبار صوفی علماء کا شعار رہی ہے' یہ ایسا عظیم مرتبہ ہے جو ان میں سے صرف خاص لوگوں کے شایان شان ہے' اس علمی مرتبہ تک صرف فحول علماء ہی پہنچ سکتے ہیں۔(1)

اس پرفتن دور' جس سے امت اسلامیہ گزر رہی تھی کے منحرف صوفیاء میں یہ غلط عقائد وسیع سطح پر رواج پا چکے تھے' ان میں سے اکثر عقیدہ وحدۃ الوجود پر ایمان رکھتے تھے' یہ عقیدہ زندگی کے لیے تباہ کن تھا' اس نے عالم اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور ادیان کو کلیۃً تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ اس نظریہ کی وجہ سے دین اسلام کی شکل مسخ ہو کر رہ گئی' مسلم و کافر کے درمیان کوئی عداوت اور کوئی جہاد نہ رہا' سب انسان ایک بن گئے' سب ادیان نے ایک دین کی شکل اختیار کر لی' اگرچہ ظاہری اعمال میں فرق رہا' ہم اللہ تعالیٰ سے دین کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ ان کے نزدیک اپنا وزن بالکل کھو بیٹھی۔ شرعی ذمہ داریاں ان کے نزدیک بے وقعت ہو کر رہ گئیں بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے آپ کو ان ذمہ داریوں سے ماوراء خیال کرنے لگے' دین کے اوامر اور نواہی کی یہ لوگ اہانت کیا کرتے' ولایت حزب جذب اور شہود جیسے ناموں کی آڑ میں دین کا مذاق اڑایا جاتا۔ تصوف کے پردہ میں مغربی تہذیب بڑی تیزی سے دولت عثمانیہ میں پھیلنے لگی اور اس تحریک کو جھوٹے صوفیوں کی مذہب بیزاری نے بڑا سہارا دیا۔

منحرف جماعتوں کی سرگرمیاں

قادیانیت اور بہائیت وغیرہ جیسے گمراہ اسلام دشمن فرقوں کا ظہور' ان فرقوں کا معاملہ بہت سنگین صورت اختیار کر گیا تھا' بالخصوص صلیبی سامراجیت کے وقت جوامت اسلامیہ کو اپنی غلامی کے شکنجے میں کس رہی تھی وہ اپنی عادت کے مطابق مسلمان دشمنوں کے ساتھ ان کی مدد کر رہے تھے اور ان کی قیادت کے ماتحت بڑے خلوص سے ان کے سپاہیوں کا کردار ادا کر رہے تھے۔

ماضی میں یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں اور صلیبیوں کے سب سے بڑے مددگار تھے اور اب پھر یہ لوگ اپنے اس خیانت دارانہ طریقے پر عمل پیرا امت مسلمہ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں صوفیہ اثنی عشریہ فرقے کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کیا ہے کہ کس طرح وہ دولت عثمانیہ کے خلاف ایک عرصہ تک برسرپیکار رہے ہیں اور جب فرانس نے شام پر قبضہ کیا اور جہادی تحریکیں فرانسیسیوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں تو ان باطل فرقوں کے کئی اراکین فرانسیسیوں کے شانہ بشانہ مسلمانوں سے جنگ کر رہے تھے جس طرح کہ ان لوگوں نے مجاہد ابراہیم ھنانو اور ان کے ساتھی مجاہدین کے ساتھ کیا۔(2)

امیر بشیر شہابی (المتوفی 1266ھ) نے اپنی فوجوں کے ساتھ مل کر محمد علی کی فوجوں کا ساتھ دیا جبکہ مصری فوجیں شام پر قبضہ کر رہی تھیں' سو اسی امیر کی مدد سے حمص میں عثمانی لشکر کے مقابلے میں محمد علی کے لشکر کو بڑی آسانی سے فتح حاصل ہو گئی'

(بقیہ گزشتہ) کہ یہ نزاع لفظی ہے اگر وحدۃ الوجود کا نظریہ محض شرک ہوتا تو حضرت شاہ صاحب جیسے جلیل القدر عالم سے یہ بعید تھا کہ وہ اس کو نزاع لفظی پر محمول کرتے۔(مترجم)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (556/1) 2۔ الاعلام (42/1)

اس کی فوجوں نے طوروس کے پہاڑوں کو عبور کیا اور ترکوں کے علاقے کے قلب میں اس کے لشکروں نے دھاوا بولا نپولین اور شہابی کے درمیان سلسلہ خط و کتابت بھی جاری رہا جس وقت کہ فرانسیسی عکا کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔(1)

بہائی فرقہ 1260ھ/1844ء کو روسی استعمار عالمی یہودی تحریک اور انگریزی استعماریت کی نگرانی میں اسلامی عقائد کو خراب کرنے اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے نیز انہیں بنیادی مسائل سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کی غرض سے معرض وجود میں آیا۔ پہلے اس فرقہ کے بانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبوت کا' پھر ربوبیت کا اور بالآخر الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔(2)

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دولت عثمانیہ نے اس خبیث پودے کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے میں سستی کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے اور ان جیسے گمراہ لوگوں کو سزا دینے سے گریز کیا۔

رہی قادیانیت تو یہ فرقہ غلام احمد قادیانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' قادیان دراصل ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک قصبہ ہے' اسی مناسبت سے اس فرقہ کو قادیانی کہا جاتا ہے (غلام احمد قادیانی کی وفات 1326ء میں ہوئی) یہ تحریک مسلمانوں کو ان کے دین اور بالخصوص فریضہ جہاد سے دور کرنے کی غرض سے ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایماء پر برپا ہوئی تاکہ مسلمان اسلام کے نام سے انگریز استعماریت کا مقابلہ کرنے سے رک جائیں۔ قادیانی نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا اور پھر الوہیت کا(3)' غلام احمد قادیانی کی دعوت کی نمایاں بات یہ ہے کہ وہ انگریزوں کی طرف خصوصی میلان رکھتا تھا۔ بلاد ھند میں ان کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ان کے ساتھ تعاون کرنے' مسلمانوں کے عقیدہ جہاد کو باطل کرنے میں پیش پیش تھا۔ غلام احمد انگریزوں کی تعریف کرتا تھا اور اپنے ماننے والوں کو ہر جگہ ان کی مدد پر ابھارتا تھا۔(4)

قادیانی کہتا ہے: ''میرے نزدیک یہ بات جائز نہیں کہ ہندوستان کی رعایا باغی مسلمانوں کی راہ پر چلے اور اس محسن مملکت کے خلاف اپنی تلواریں بلند کرے یا اس معاملے میں کسی شخص کی مدد کرے اور قول و فعل' اشارے' مال' یا فساد انگیز تدبیرات کے ذریعے کسی مخالف کی کچھ بھی اعانت کی جائے بلکہ یہ تمام امور قطعی حرام ہیں اور جس نے ان امور کا ارادہ کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور واضح طور پر گمراہ ہوا''۔(5)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (577/1) 2۔ الموسوعۃ المیسر ہللادیان: ص389

3۔ الوہیت کا دعویٰ تو قادیانی نے نہیں کیا۔ شاید مصنف قادیانی نظریات کے بارے صحیح معلومات نہیں رکھتا یا تعصب سے کام لے کر ایک جھوٹی بات قادیانیوں کی طرف منسوب کر رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جن لوگوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر گئی ہیں انہوں نے قادیانی کی طرف جان بوجھ کر منسوب کیا ہو تاکہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں کچھ بھی ہو قادیانی کافر ہونے کے باوجود الوہیت کا دعویدار نہیں تھا ہاں وہ نبوت کا دعویدار تھا اور یہی اس کے کفر کا سبب ہے علاوہ ازیں غلام احمد قادیانی نے جہاد کے موقوف ہونے کا فتویٰ جاری کیا اور کوشش کی کہ مسلمان انگریزی استبداد کو تسلیم کر لیں اور حریت فکر کی راہ اختیار نہ کریں۔ یورپی ملک ہر ملک میں حسب ضرورت مختلف تدابیر اختیار کر رہے تھے۔ ہندوستان میں نام نہاد مصلحین کے ذریعے جہاد کو موقوف ثابت کر رہے تھے تو بلاد حجاز میں ایک مذہبی شخصیت کے ذریعے جہاد کے نام سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا رہے تھے اور بت پرستی' شرک و بدعت کے خاتمے کے نام پر مسلمانوں کے مقابر اور مشاہر کی توہین کر رہے تھے۔ (مترجم)

4۔ عقیدہ ختم النبوۃ ڈاکٹر عثمان عبدالمنعم' (ص209) 5۔ عقیدہ ختم النبوۃ بالنبوۃ المحمدیہ ڈاکٹر احمد حمدان: (ص255)

یہ تمام جماعتیں پریشانیوں اور فتنوں کے پھوٹنے کا سرچشمہ تھیں' دولت عثمانیہ کے اندر انکار کی ان ہی جماعتوں کے ذریعے پھیلائی جاتی تھی' اسی طرح ہندوستان کے مسلمان معاشروں میں فتنہ وفساد پھیلانے میں یہ لوگ پیش پیش تھے' یہ جماعتیں دشمنان اسلام کا ہمیشہ ساتھ دیتی تھیں اور سازشوں کو جاری رکھنے سے بالکل نہ گھبراتیں اور نہ اکتاتیں تھیں' ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ مسلمانوں کا وقت ضائع کریں' حالات کو خراب کریں' جب اہل السنہ کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور ان پر قائم اسلامی حکومت کا ڈھانچہ کمزور ہو گیا اور اہل السنّت کے دلوں میں کمزوری آ گئی تو ان فرقوں کو کھل کھیلنے اور اپنے عقائد پھیلانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

قیادت ربانی کا فقدان

امت کی تعمیر وترقی ربانی قیادت کے بغیر ممکن نہیں' امت کو صرف اسی صورت میں غلبہ اور اقتدار حاصل ہو سکتا ہے کہ اسے ربانی قیادت میسر آئے کیونکہ کسی بھی امت کی قیادت امت کی زندگی کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لیے اعصاب اور دھڑ کے لیے سر' اگر قیادت صالح میسر آ جائے تو پوری امت صالح بن جاتی ہے اور اگر قیادت بری ہو تو پوری امت فساد و بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔ حیات ملی میں قیادت ربانی کی اہمیت سے دشمنان اسلام پوری طرح واقف تھے' اس لیے ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ ربانی قیادتیں تمام معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لویس نہم نے اپنے منصوبے میں یہ وصیت کی تھی ''کہ بلاد اسلامیہ اور عربیہ صالح حاکم کی قیادت میں نہیں جانی چاہیے'' اسی طرح اس نے یہ بھی وصیت کی کہ ''بلاد اسلامیہ میں رشوت' فساد اور عورتوں کے ذریعے نظام حکومت اور اداروں کو برباد کرنا بہت ضروری ہے تاکہ صف اول کی صحیح مسلمان قیادت کے ہاتھ کچھ نہ رہے اور اداروں کی باگ ڈور ہمارے ایجنٹوں کے ہاتھ آ جائے''۔(1)

برطانوی مستشرق قائد ''منٹگمری واٹ'' لندن ٹائمز اخبار میں واضح الفاظ میں کہتا ہے ''جب اس امت کو مناسب قیادت مل گئی جو اسلام کے بارے مناسب گفتگو کر سکتی ہو تو اس دین کے لیے ممکن ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں ایک بار پھر عظیم سیاسی قوت کی حیثیت سے سامنے آ جائے''۔(2)

صیہونی مستشرق برنارڈ لویس ''اسلام کی واپسی'' کے عنوان کے تحت اپنے ایک مقالہ میں جو 1976ء کو شائع ہوا لکھتا ہے ''دور حاضر کی تعلیم یافتہ قیادت کا فقدان' ایک ایسی قیادت جو علم اور تنظیم جس کا تقاضا عصر رواں کرتا ہے کے ذریعے اسلام کی خدمت کر سکے' ایسی قیادت کے فقدان نے اسلامی تحریک کو ایک فاتح طاقت کی حیثیت سے ابھرنے سے روک رکھا ہے' ایسی قیادتوں کے فقدان نے اسلامی تحریکوں کو اس بات سے روک رکھا ہے کہ عالم اسلام میں وہ انتخابات میں ایک خطرناک مدمقابل کے روپ میں سامنے آئیں لیکن ان تحریکوں کو اگر اس قسم کی قیادت میسر آ جائے تو ممکن ہے کہ وہ بہت بڑی سیاسی قوت میں تبدیل ہو جائیں''۔(3)

دولت عثمانیہ کے بارے تحقیق کرنے والا ایک شخص بخوبی جانتا ہے کہ قدیم ادوار میں قیادت ربانی موجود رہی ہے۔

1۔ قادۃ الغرب یقولون: جلال العالم: ص63 2۔ قادۃ الغرب یقولون: جلال العالم: ص25 3۔ التمکین للامۃ الاسلامیہ: ص185

خصوصاً قسطنطنیہ کی فتح کے وقت ہم جہادی اور مدنی میدانوں میں قیادت ربانی کو موجود پاتے ہیں ہم صحیح اعتقادات' علم شرعی' اللہ پر یقین' بہترین کردار' سچائی' خود اعتمادی' شجاعت' مروت' زہد' ایثار و قربانی' معاونین کا بہترین انتخاب' تواضع' قربانی کو قبول کرنا' حلم' صبر' بلند ہمتی' بیدار مغزی' جذباتیت سے احتراز اور پروپیگنڈہ کو سمجھنے کی صلاحیت' حزم و احتیاط' عزم و ہمت' عدل و انصاف' باہمی احترام' مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت' تعلیمی استعداد' قیادت کی تیاری وغیرہ جیسی مشترک صفات ان میں موجود پاتے ہیں۔ محمد فاتح نے اپنے زمانے میں ربانی قیادت کو اپنایا' ایمان ان کے دلوں اور رگوں میں سرائیت کیے ہوئے تھا اور ان کے اعضاء سے اس کا عکس نمایاں ہوتا تھا' ان حرکات و سکنات' اعمال و احوال سے تقویٰ کی صفات پھوٹتی نظر آتی تھیں اور اس کا ان کی مملکت اور قوم کو فائدہ پہنچتا تھا اور وہ بڑے مضبوط قدموں کے ساتھ اپنے مقررہ اہداف کو حاصل کرتے تھے' اس عظیم مملکت میں علمائے ربانی قیادت میں قلب کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ قیادت کا عقل تھے' اسی لیے امت مسلمہ اور عثمانی قیادت بصیرت ہدایت اور علم کی راہ پر گامزن تھی (1) لیکن آخری دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ عسکری اور علمی سطح پر عثمانی قیادت خطرناک انحراف کا شکار ہو چکی تھی۔ مثلاً صدارت عظمیٰ کے منصب پر مدحت پاشا جیسا ماسونی شخص فائز تھا اور علماء و فقہاء نے مصر کی ولایت محمد علی پاشا جیسے شخص کے حوالے کر دی تھی۔ انسان یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ علماء نے محمد علی پاشا جیسے شخص کا انتخاب کیا کہ وہ ان کے امور کی نگہداشت کرے اور اس پر انہوں نے زور دیا کہ وہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے کیا اس سے یہ بہتر نہ تھا کہ ایک جاہل اور مفرور سپاہی کو یہ منصب تفویض کر دیا جاتا؟ یوں لگتا ہے کہ علماء کو اپنے علم پر اعتماد نہیں رہا تھا' اسی لیے وہ میدان میں اترنے سے گھبراتے تھے اور بڑی بڑی ذمہ داریاں پوری کرنے سے ڈرتے تھے کیونکہ انہوں نے حلقہ ہائے علم اور تالیف کتب میں عمر گزاری تھی اور دوسری ذمہ داریوں اور مہمات کو سرانجام دینے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے۔

سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ علماء کے درمیان مقابلہ بازی اور حقد و کینہ کی فضاء قائم ہو چکی تھی' ان میں سے بعض حکام سے مدد حاصل کرتے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب صورت حال یہ ہو تو باغیوں کو علماء کی توہین اور انہیں نیچا دکھانے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ بڑی آسانی سے علماء کی آہنی دیوار کو گرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں' کچھ اس طرح کے اختلاف تھے جن کی وجہ سے شیخ عبداللہ شرقاوی شیخ الازہر کی توہین کی گئی' ان کے اور دوسرے مشائخ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے شیخ شرقاوی کے خلاف محمد علی پاشا نے نظر بندی کے احکام جاری کر دیئے نہ وہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتے تھے اور نہ کسی دینی اور علمی سرگرمی میں حصہ لے سکتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں نماز جمعہ کے لیے جانے کی بھی اجازت نہیں تھی اور اس کی وجہ جیسا کے جبرتی لکھتا ہے: ''اس کے اور اس کے بھائیوں کے درمیان مقابلہ بازی' حقد و کینہ کے جذبات اور کئی دوسرے امور تھے' ان لوگوں نے پاشا کو اس بات پر ابھارا کہ وہ مذکورہ بالا اقدام کرے لہٰذا شیخ الازہر پر پابندی عائد کر دی گئی اور کسی شخص نے نہ ان کی مدد کی اور نہ اس حکم کے خلاف آواز بلند کی''۔ (2)

شیخ مصطفیٰ صبری ان علماء کی حالت کو بیان کرتے ہیں جو سیاست سے دور ہو چکے تھے اور حکام کو نصیحت نہیں کرتے تھے اور

1۔ فقہ التمکین فی القرآن الکریم' علی الصلابی: ص 328
2۔ عجائب الآثار: (134/3)

علماء کے بارے سیکولرازم کی ذہنیت کو واضح کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں "ہمارے علاقوں میں جن لوگوں نے دین کو سیاست سے الگ کر دیا ہے وہ اوران کے بھائی سیاست میں علمائے دین کی دلچسپی کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ علماء کو سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے کیونکہ یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہے حالانکہ وہ سیاست میں اجارہ داری کے خواہش مند ہیں اوراس میدان میں صرف اپنی ذات کو دیکھنا چاہتے ہیں' یہ لوگ علماء کو دھوکہ دیتے ہیں' ان کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں اور انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ وہ ان کا بے حد احترام کر رہے ہیں حالانکہ وہ دھوکے باز ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ علماء امور جہانبانی سے دور رہیں تاکہ یہ لوگ عوام کے دین و دنیا کے بارے جیسے چاہیں فیصلے کریں' اس اندیشے سے آزاد ہوکر کہ علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے من مانی کرنے سے روک دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں یہ خوف ہو کہ وہ بیانات تک محدود رہیں گے اور دل سے انہیں برا خیال کریں گے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے"۔

سیاست سے دور علماء گویا ہر ظالم اور نیک سیاست دان کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے ہیں' یہ لوگ عوام الناس جو ان پر نظر رکھتے ہیں اور ان کے اعمال کو اپنے لیے حجت خیال کرتے ہیں' ان کے لیے بہت برا نمونہ پیش کر رہے ہیں' ان میں سے بہت سے تو متاع دنیا میں غرق ہو چکے ہیں اور وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں' ان کے منہ بغیر کسی تلوار اور بغیر کسی کوڑے کے درہم ودنانیر سے بند کر دیئے گئے ہیں۔ پاشوں اور حاکموں کی طرف سے انہیں خوب عطیات مل جاتے ہیں' انہیں بڑی بڑی تنخواہوں' بڑی بڑی سہولیات والے منصب پر فائز کر دیا جاتا ہے اور یہ چیز ان کی آوازوں کو خاموش کرنے' ان کی تحریکوں کو دبانے اور ان کے اعتراضات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ (1,2)

دولت عثمانیہ کے آخری ادوار میں علماء زمین سے لگ کر رہ گئے تھے' اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تھے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی اہلیت کھو بیٹھے تھے' مال و دولت ان کا مطمع نظر تھا' اعلیٰ مناصب کو زندگی کی معراج خیال کرتے تھے' ان کے نزدیک زندگی عیش کوشی کا نام تھا' دنیاوی جاہ وجلال کے حصول کے لیے وہ دین کو قربان کر رہے تھے اور اپنی امت کو بے مول بیچ رہے تھے۔

حالانکہ اس امت کی تاریخ میں علماء ہمیشہ امت کی قیادت کرتے اور ان کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں جب لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو علماء ہی ان کی جائے پناہ ہوتے تھے جب انہیں خوف وہراس سے سابقہ پڑتا تھا تو علماء ہی ان کے لیے ملجاء وماوی ثابت ہوتے تھے' لوگ ہر معاملے میں علماء کی طرف رجوع کرتے' ان سے دین کا علم حاصل کرتے' اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے' حکام اور ولات کی طرف سے جب ان پر ظلم وزیادتی ہوتی تو لوگ آتے اور علماء سے درخواست کرتے کہ وہ کوشش کریں اور ظالموں کو ان کے رب کی یاد دلائیں' انہیں نیکی کا حکم دیکر اور برائی سے منع کر کے ان کو ظلم سے روکیں' علماء سلاطین کی طرف سے ظلم وستم کا نشانہ بنتے تھے' انہیں جیلوں میں بند کیا جاتا تھا' انہیں جسمانی اذیت دی جاتی تھی' مالی جرمانہ کیا

1۔ الاتجاہات الوطنیۃ فی الادب المعاصر (84/2) 2۔ الانحرافات العقدیۃ والعلمیۃ (605/1)

جاتا تھا' ان کی توہین کی جاتی تھی لیکن وہ ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی ذمہ داریوں کی جواب دہی کے خوف سے ہمیشہ بادشاہوں کو ظلم ترک کرنے اور انصاف برتنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

اسی طرح علمائے دین سیاسی' معاشرتی' اقتصادی' فکری' روحانی امور میں بھی امت کے قائد اور رہنما تھے۔ یہی لوگ تھے جو عوام الناس کو جہاد کی دعوت دیتے تھے جب کوئی دشمن اسلامی سرحدوں پر آ کر دستک دیتا تو علماء کی آواز پر پوری امت مسلمہ لبیک کہتے ہوئے دشمن کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی۔ علماء لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا دیپ روشن کرتے تھے' انہیں آخرت کی یاد دلاتے تھے' انہیں جنت کی ابدی نعمتوں کی یاد دلاتے تھے جو ان کی عرصہ سے منتظر ہیں' نہ صرف یہ وہ خود بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے بلکہ بعض اوقات وہ خود فوجوں کی قیادت کرتے تھے۔

یہ تھا علماء کا کردار اور ان کا عمل۔ دین ان کے دلوں میں زندہ تھا' تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کی' اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا' اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا' راہ خدا میں پہنچنے والی مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا' نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی ہار مانی۔ تاریخ کے جس دور کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں اس دور کے علماء اب کہاں تھے؟

وہ عہد جس میں علماء نے امت کی قیادت کی تھی' کچھ زیادہ دور نہیں ہے' کیا یہی لوگ نہیں تھے جو امت کو ظلم سے بچاتے تھے؟ کیا یہ لوگ سلاطین کی طرف سے روا رکھے جانے والے ظلم و زیادتی کے سامنے دیوار بن کر کھڑے نہیں ہو جاتے تھے؟ کیا وہ امت کے سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی حقوق کی نگہداشت میں پیش پیش نہیں ہوتے تھے؟

ہاں ہاں یہی لوگ تھے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے تھے' ظالم سلطان کے سامنے کھڑے ہو جاتے' اسے نیکی کا حکم دیتے اور اسے برائی سے منع کرتے خواہ وہ انہیں قتل کرے یا چھوڑ دے۔

لیکن اب وہ زمانہ آ گیا تھا کہ ان میں سے بہت سے لوگ سلاطین کے غلام بن کر رہ گئے تھے' ان کے ہمرکاب چل رہے تھے' ان کی خوشامد میں پیش پیش تھے' ان کے مظالم کو باعث برکت خیال کرتے تھے' ظلم و زیادتی میں ان کی مدد کرتے تھے اور ان میں سے جو نیک خصلت تھے وہ اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ رہے تھے' انہیں صرف درس و تدریس اور کتابوں کی تالیف سے واسطہ تھا' ان کا خیال تھا کہ ان کا کام صرف اتنا ہی ہے' ان کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی اور علم کی تلقین کریں۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم ظلم کا ساتھ نہیں دے رہے' بلاشبہ ان میں سے کئی حق بات کا پرچار کر رہے تھے' ان میں سے بعض نے مناصب اعلیٰ کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا جب دیکھا کہ اس سے تو سلطان کی خواہشات کی تکمیل کی امید کی جا رہی ہے' اس کی حیثیت غلام کی سی ہے یا اسے کلمہ حق کہنے سے روکا جا رہا ہے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی' زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو متاع دنیا پر فریفتہ کتوں کی طرح ریجھ رہے تھے اور درس و کتابت کو قصور تک پہنچنے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔(1)

دینی علوم پر جمود کا طاری ہونا ایک فطری امر تھا کیونکہ پے در پے کئی صدیوں سے امت کو ایسے عوامل درپیش تھے جن کا اثر

1۔ واقعنا المعاصر: ص 327

انداز ہونا یقینی تھا' ان عوامل میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

خلاصہ جات کی تیاری

بعض علماء نے طویل تالیفات کے اختصار کا اہتمام کیا تا کہ طلبہ ان خلاصہ جات کو آسانی سے تیار کر سکیں کیونکہ حفظ طلباء اور علماء کے نزدیک اصل مقصود و غایت ٹھہری تھی۔ علوم کو سمجھنے اور استنباط کرنے کا ملکہ کمزور پڑ گیا تھا۔ ''فقہاء اپنے سے پہلے علماء کے اقوال نقل کرتے تھے اور اپنی تالیفات کو مختصر متون میں مقید کرتے تھے' وہ صرف اقوال کو لیتے اور کتاب وسنت کے دلائل کو چھوڑ دیتے تھے صرف ان اقوال کی ان کے قائلین کی طرف نسبت کو کافی سمجھتے تھے''۔(1)

شیخ عبدالحمید بن بادیس فقہ کی تدریس کے طریقہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' ہم نے فقہی فروعات کی قرآت پر اکتفا کیا اور ان میں پوشیدہ حکمتوں کو ان سے الگ کر دیا' مختصر الفاظ کی دیواروں کے پیچھے ان معانی تک پہنچنے سے پہلے عمریں ختم ہو گئیں جو اصل حقیقت تھے''۔(2)

امام شوکانی اپنے دور کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کس طرح مختصر تالیفات پر عمر برباد کی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ اس میں مخفی خطرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں'' انہوں نے اپنے مطالب کی غایت اور مقاصد کی انتہاء اس بات کو ٹھہرالیا ہے کہ فقہ کی ان مختصر کتابوں کا علم حاصل کر لیا جائے جو رائے روایت اور رائے اغلب کے علم پر مشتمل ہیں اور ان کو چھوڑ کر علوم کی دوسری انواع کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں' اسی چیز نے انہیں کتاب وسنت سے نابلد بنا دیا ہے' ان دونوں (رائے اور روایت) کا علم محض جہالت ہے کیونکہ ان کے نزدیک شریعت کا حکم ان مختصر تالیفات میں منحصر ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے وہ محض بے کار اور فضول ہے' ان کتب میں ان کی دلچسپی حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ ان ہی کے دلدادہ ہو کر رہ گئے ہیں' ان کتب کے علاوہ باقی کتب سے انہیں کوئی واسطہ نہیں وہ اس بارے انتہائی حد تک بے نیاز سے ہو گئے ہیں''۔(3)

شروح' حواشی اور نوٹس

علامہ شوکانی جنہوں نے ان شروح اور دینی ولغوی علوم کی مختلف حواشی کو پڑھا اور طلبہ کو پڑھایا وہ ان پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں'' باوجود اس کے کہ ان میں وہ سب کچھ ہے جس کی ضرورت ہی نہیں بلکہ غالب علوم اسی طرح ہیں' بالخصوص ان کی شروح اور نہایت ہی دقیق حواشی کتاب وسنت سے بہت دور کرنے والے ہیں''۔(4)

شروح وحواشی اور گنجلک عبارتوں پر مشتمل یہ تالیفات کثرت سے موجود تھیں جنہوں نے ذہنی قوتوں کو ماؤف کر رکھا تھا اور کئی صدیوں تک علمی جمود کا نتیجہ ثابت ہوئی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفید حواشی اور شروح بھی تھیں لیکن اتنی کم کہ نہ ہونے کے برابر تھیں' پھر ان کی تدریس کا نظام نہایت ناقص تھا۔

1۔ المجتمع الاسلامی المعاصر: ص56

2۔ ابن بادلیس حیاتہ وآثارہ (108/1)

3۔ ادب الطلب: ص59

4۔ البدر الطالع بمحاسن ما بعد القرن السابع (86/1)

اہل السنت والجماعت کے منہج تدریس کو چھوڑ دیا گیا تھا' اسلامی اداروں میں تقریباً ایک ایسا نظام تدریس رائج تھا جو اصلی اسلامی منہج تدریس سے بہت دور تھا۔

مثلاً الازہر شریف جو ایک بہت بڑا اسلامی ادارہ اور منفرد یونیورسٹی ہے' علم کلام کی تدریس کا مرکز تھا حالانکہ منطق فلسفہ اور کلامی مباحث کی اس دور میں اتنی ضرورت نہ تھی جتنی جدید علوم کی تھی' الازہر شریف کے فلسفہ کے ایک استاد لکھتے ہیں۔

''وہ علوم جن کو الازہر میں پڑھا کر میں نے مطلق کچھ حاصل نہیں کیا وہ علم کلام ہے' میں نے کئی سال تک اس علم کی الازہر میں تدریس کی ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے اس علم کے ذریعے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ میں ایسی اصطلاحات میں ڈوب کر رہ گیا جنہوں نے میری فکر میں غموض اور اضطراب کو بڑھا دیا حتیٰ کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میرا ایمان بھی عوام کی طرح ہوتا''۔(1)

اس دور میں اسلامی مناہج کو جمود کے ساتھ ساتھ خشکی کی ایک موج کا بھی سامنا کرنا پڑا کیونکہ ''آخری ادوار کافی حد تک روح اسلام سے دور ہو گئے' صرف جسم اور مادہ پر توجہ دی گئی' اسلامی تعلیمات بے جان و بے روح تعلیم کا روپ دھار گئیں' ان تعلیمات کی وبا نے فقہ کے تمام ابواب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ ان ابواب کو بھی جن میں روح کی تعلیم ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتی تھی''۔(2)

تعلیمی اسناد

اس دور میں علمی حیات کے انحطاط کے عوامل میں سے ایک عامل اسناد دینے میں آسانی پیدا ہو جانا ہے' دولت عثمانی کے آخری دور میں بغیر کسی اصول وقانون کے سندیں جاری ہونا شروع ہو گئیں تھیں' طالب علم کے لیے صرف ایک دو ابتدائی کتابوں کا پڑھ لینا ضروری خیال کیا جانے لگا جو شخص بھی کسی استاد سے ابتدائی ایک دو کتابیں پڑھ لیتا تھا وہ اس کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کر لیتا تھا' کئی بار تو دور دراز علاقوں کے لوگ محض خط و کتابت کے ذریعے اسناد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ استاد قاہرہ میں بیٹھا ہوتا' طالب علم مکہ مکرمہ میں بغیر شاگرد کو دیکھے پرکھے سند جاری کر دیتا تھا۔(3)

اس آسانی نے مسلمانوں کو تحصیل علم سے غافل کر دیا اور وہ اس طرح علوم حاصل نہ کر سکے جس طرح انہیں علوم حاصل کرنے چاہئیں تھے اور تعلیمی معیار کے انحطاط میں سندوں کا آسان اجراء ایک اہم عامل کی حیثیت سے سامنے آیا اور یوں شرعی علوم میں کمزوری آ گئی کیونکہ علم کی طرف منسوب ان بہت سارے لوگوں کا ہدف ان اسناد کا زیادہ سے زیادہ تعداد میں حصول تھا جو محض کاغذ کے پرزے تھے اور جن کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔(4)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیۃ (42,43/2)
2۔ المجتمع الاسلامی المعاصر: ص 210
3۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیۃ (59/2)
4۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیۃ (64/2)

علمی منصب کا وراثت بن جانا

دولت عثمانیہ کے آخری دور میں علمی مناصب نے وراثت کا روپ دھار لیا' نہایت اہم علمی امور مثلاً تدریس' فتویٰ' امامت حتیٰ کہ قضاء وراثت میں منتقل ہونے لگے' مرنے والا جب دنیا سے رخصت ہوتا تو جہاں پسماندگان گھروں' سامان اور دولت کے وارث قرار پاتے وہاں ان اعلیٰ علمی مناصب کے بھی وارث ٹھہرائے جاتے' اکثر ایسا ہوتا کہ شیخ جو عرصہ تک تدریس کرتا رہا اور طلبہ کا مرجع رہا جب فوت ہوتا تو ابھی اس کی قبر کی مٹی خشک بھی نہ ہونے پاتی کہ اس کا منصب اور کرسی اس کے بیٹے' بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کے حوالے کر دی جاتی' کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وارث کم فہم اور علمی بصیرت سے بے بہرہ ہوتا لیکن اسے پڑھانے اور علوم کی منتقلی کے منصب پر فائز کر دیا جاتا اور یہ سند اس شخص کے قطعاً حوالے نہ کی جاتی جو ہوتا تو عالم لیکن متوفی کے رشتہ داروں سے نہ ہوتا تھا۔(1)

ترکی مورخ احمد جودت (المتوفی 1312ھ)(2) دولت عثمانیہ میں اس افسوس ناک صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں "صدور اور قضاۃ کے بیٹے تدریس کی ذمہ داری قبول کرنے لگے حالانکہ وہ بہت کم سن اور بچے ہوتے اور عالم کا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ اعلیٰ مناصب تک ترقی کرنے لگے حتیٰ کہ ان میں سے ایک بچہ "مولویت" (3) کے منصب تک پہنچتا لیکن اس کی مونچھ داڑھی کے بال بھی نہیں اگے ہوتے تھے' ہر صاحب اقتدار و سطوت شخص تدریس کے منصب پر فائز ہو جاتا اگرچہ وہ علوم سے بالکل ہی بے بہرہ کیوں نہ ہوتا حتیٰ کہ مراتب و مناصب علمیہ وراثت بن گئے' نتیجہ وزراء اور ارباب حکومت کے لیے آسان ہو گیا کہ وہ اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو آگے لائیں۔ ایک شور برپا ہو گیا' جاہل لوگ حکومتی اور علمی مناصب پر چھا گئے' حالات بگڑ گئے اور ہر طرف فتنہ و فساد کا دور دورہ ہو گیا"۔(4)

محمد کرد علی شام میں علمی حالات اور عصر عثمانی میں ان کی ابتری کے بارے بات کرتے ہوئے کہتا ہے "اس دور میں یہ اصول پوری شدت سے کارفرما تھا کہ باپ کی بھلائی بیٹے کی ملکیت ہے' اس کام کو سب سے پہلے رواج دینے والے اور لوگوں کو اس راہ پر لگانے والے ابوالسعود ہیں جو آستانہ کے مشائخ اسلام میں سے تھے۔ تدریس' خطابت' امامت' سجادہ نشینی اور دوسرے دینی مناصب جہلا کے سپرد ہو گئے' اس دعویٰ کے ساتھ کہ ان کے آباؤ اجداد عالم تھے لہٰذا ضروری ہے کہ ان کے بیٹے ان ذمہ داریوں کے اور مناصب کے وارث ٹھہریں اگرچہ وہ جاہل ہی کیوں نہ ہوں جس طرح کہ وہ ان کی دکانوں' زمینوں' گھروں اور کتابوں کے وارث ہیں بلکہ حالت اس نوبت تک پہنچ چکی تھی کہ مملکت کے اعلیٰ مناصب پر محض ان پڑھ لوگوں کا قبضہ تھا۔ کتنے ہی ابجد ناشناس' دمشق' حلب۔ القدس اور بیروت میں قاضی القضاۃ تھے' رہے دوسرے صوبے اور علاقے تو ہو سکتا ہے ان سے کہیں زیادہ جاہل لوگ اس منصب پر فائز ہوں"۔(5)

1۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (64/2)

2۔ احمد جودت عثمانی دربار میں وزیر تھے' تاریخ جودت کے نام سے ترکی زبان میں کتاب تحریر کی جو 12 جلدوں پر مشتمل ہے۔

3۔ قاضی عسکر کے بعد ملک کا سب سے بڑا عدالتی عہدہ مولویت کہلاتا تھا۔

4۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (68/2)

5۔ خطط الشام (70/3)

اس بری عادت کے تعلیمی معیار پر بہت خطرناک اثرات مرتب ہوئے' مسلمانوں کی علمی زندگی بہت کمزور ہوگئی اور اس کی وجہ دینی مناصب کا وراثتاً منتقل ہونا تھا اور ان پر ایک مخصوص خاندان کی اجارہ داری قائم ہو جانا تھا۔ نتیجتاً علمائے ربانی کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت سے' احقاق حق' نصرت مظلوم اور دین کی نشر و اشاعت اور عزت کی بحالی سے دور کر دیا گیا۔

اجتہاد کے دروازے کو کھولنے سے انکار

دولت عثمانیہ کے آخری دور میں یہ دعویٰ کرنا کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے' ایک بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ خیال کیا جاتا تھا' بعض مقلدین اور جمود کے شکار علماء کے نزدیک اجتہاد کی بات کرنا کفر کی حد تک پہنچتا تھا' سلفی دعوت (1) کے دشمنوں نے جو الزام عائد کیے ان میں سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ یہ تحریک اجتہاد کا دعویٰ کرتی ہے' یہ اس دور کا بہت بڑا الزام تھا لیکن ان میں سے کسی عالم نے اجتہاد کا دعویٰ کیا نہیں تھا۔ اجتہاد کے دروازے کے بند ہونے کا دعویٰ متعصب لوگوں کو وراثت میں ملا تھا جو ایک عرصہ سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا آرہا تھا' ان کی یہ خواہش دولت عثمانی کے آخری دور میں سامنے آگئی تھی' اب یہ لوگ اس دروازے کو نہ کھولنے کے حق میں مزاحمت کر رہے تھے اور ہر اس شخص سے مقابلہ کر رہے تھے جو اس بارے بات کرتا تھا' اس بات نے مغربی ذہن رکھنے والے لوگوں کو حوصلہ دیا کہ وہ یورپ کے اصول وضوابط کو یہاں متعارف کرانے کی کوشش کریں۔ الغرض اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے انتہائی خطرناک اثرات مرتب ہوئے جو مسلمانوں کی زندگی کو آج تک پارہ پارہ کرتے آرہے ہیں۔

دواعی اور تقاضوں کے باوجود اگر اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو کیا نتائج نکلیں گے؟ لامحالہ دو میں سے ایک چیز ضرور سامنے آئے گی یا تو زندگی جمود کا شکار ہو جائے گی اور اس کی نشوونما رک جائے گی کیونکہ اس سے یا تو زندگی ایسے سانچوں کی تابع ہو جاتی ہے جو اس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے یا ان مقررہ سانچوں کو توڑ کر یوں آزاد ہو جاتی ہے کہ شریعت کے دائرے کو پھلانگ کر الحاد تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ شریعت کا سایہ جب اس میں اجتہاد کی اجازت نہ دی جائے' انسان کو آزادی سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔

یہ دونوں چیزیں یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوئیں' پہلے جمود طاری ہوا اور پھر اس کے بعد دائرہ شریعت سے بغاوت کا رجحان بڑھ گیا۔ (2)

امت مسلمہ نے اجتہاد کے دروازے کی بندش کا سامنا کیا۔ دولت عثمانیہ اپنے آخری دور میں اجتہاد کا حق کسی کو دینے کے

1۔ سلفیوں نے ظلم یہ کیا کہ تقلید کو کفر اور مقلدین کو کافر ٹھہرا دیا۔ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام ابن حنبل جیسے مجتہد علماء کو گمراہ ٹھہرایا اور ہر شخص کو یہ حق دے دیا کہ وہ خود قرآن وحدیث سے استنباط کرے خواہ وہ اسلام کے بارے کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ اسی وجہ سے علمائے اسلام نے ان پر تنقید کی۔ نجدیوں کا یہ اقدام بہت خطرناک ثابت ہوا۔ جب عامیوں نے قرآن وحدیث سے براہ راست مسائل مستنبط کرنے شروع کیے تو اپنی جہالت کی وجہ سے کئی لوگوں نے قرآن کو حدیث سے متصادم پایا اور حجیت حدیث کے انکار کا رجحان پیدا ہوا اور امت مسلمہ مزید فرقوں میں بٹ گئی۔ (مترجم)

2۔ واقعنا المعاصر: ص 159

لیے تیار نہ تھی' زندگی کی گاڑی بڑی تیزی سے رواں دواں تھی اور تقلید و جمود کا شکار مسلمان جو ہر نئی چیز کو رد کر رہے تھے' بہت پیچھے رہ گئے تھے اور معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔'' یوں مسلمانوں کے نزدیک عقلیت کی تحریک رک گئی تھی اور ہر نئی چیز کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئی تھی جسے زندگی پیدا کر رہی تھی' زندگی بہت پیدا کرنے والی ہے وہ کبھی ولادت سے نہیں رکتی' زندگی ہر روز کوئی نہ کوئی ایک ایسی نئی چیز کو جنم دیتی ہے جس سے انسان پہلے ناواقف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان یعنی غیر مسلم اقوام ہر نئی چیز کو لبیک کہہ رہے تھے' اس کو استعمال میں لا رہے تھے اور نئی نئی ایجادات سامنے لا رہے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھیں لیکن مسلمان ابھی تک اسی جگہ کھڑے تھے جہاں ان کے آباء واجداد قرنوں پہلے پہنچے تھے۔(1)'' مذہبی تعصب تعلیمی معیار کو کمزور کرنے' علوم کو پست کرنے' جمود طاری کرنے' عقلوں کو ماؤف کرنے اور ان کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت سے محروم کرنے میں مسلسل آگے بڑھ رہا تھا' اس کے علاوہ یہ چیز مسلمانوں میں گروہ بندی' فرقہ پرستی' عداوت افراد کے درمیان انتشار و انشقاق اور جماعت بندی کا سبب بن رہی تھی۔ جب مسلمان جماعتوں اور گروہوں میں بٹ گئے تو ہر طائفہ اپنے مذہب کی مدد کرنے لگا اور دوسرے مذہب کے عقائد و نظریات کے ساتھ دشمنی کرنے لگا' اس دور میں گروہی تعصب اس حد تک پہنچا کہ اس سے کوئی علاقہ اور کوئی شہر محفوظ نہ رہا۔ یہ وباء پوری اسلامی دنیا میں پھیل گئی اور پورا عالم اسلام افتراق و انتشار کا شکار ہو گیا۔ جامع الازہر ان مذہبی مناقشوں کے لیے ایک وسیع میدان تھا' بالخصوص شوافع اور احناف کے درمیان مذہبی مناظرے ہو رہے تھے اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ہر شخص شیخ الازھر کے منصب تک رسائی حاصل کرنے کی دوڑ میں شریک تھا۔(2)

مذہبی تعصب نے آخری صدیوں میں مسلمانوں کے درمیان دبیز پردے حائل کر دیئے تھے' معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے ان کی اسلامی وحدت کا شعور کمزور پڑ چکا تھا اور اس کی جگہ عداوتوں نے لے لی تھی' جس سے دشمنان اسلام نے خوب فائدہ اٹھایا' اب مسلمان دین اسلام کے دشمنوں سے غافل مسلمانوں اور اسلام کا محاصرہ کرنے والے مختلف خطروں سے بے پرواہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔(3)

مذہبی تعصب منہج الٰہی سے انحراف کر چکا تھا اور اس انحراف نے عقلی جمود اور علمی انحطاط کو بہت گہرا کر دیا تھا۔ اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا تھا جس کا دولت عثمانیہ کی کمزوری میں اثر بہت نمایاں تھا' ملک آئے روز انحطاط کی طرف جا رہا تھا' داخلی سازشیں بڑھ رہی تھیں' دشمنوں نے اس عظیم سلطنت کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ صلیبیوں نے ترکی کے اس مریض شخص کو ابدی نیند سلانے کی پوری تیاری شروع رکھی تھی۔

مملکت میں ظلم وستم کا عام ہو جانا

ظلم مملکت کے لیے ایسے ہی مہلک ثابت ہوتا ہے جیسے انسان کے لیے بیماری۔ مریض جس طرح اپنی مقررہ معیاد پوری

1۔ سد باب الاجتہاد وما ترتب علیہ' ڈاکٹر عبد الکریم خطیب: ص 144 2۔ عجائب الآثار: (242/2)
3۔ الانحرافات العقدیہ والعلمیہ (86/2)

کرنے کے بعد عدم کی نیند سو جاتا ہے' مملکت اسی طرح اپنا وجود کھو دیتی ہے۔ مریض کی موت کتنے عرصہ بعد ہوگی یا مملکت کا وجود کب ختم ہوگا یہ وہ بات ہے جسے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر بروقت علاج نہ کیا جائے تو مرض ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے اور مملکت خواہ وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ رہی ہو اپنا وجود کھو دیتی ہے کیونکہ یہ قانون خداوندی ہے جو اس نے امتوں کی موت کے لیے وضع کیا ہے' اس قانون کی بنیاد کچھ عوامل پر ہے جیسے بقاء کے لیے عدل ضروری ہے' اسی طرح ہلاکت کا سبب ظلم وستم ہے' اس کا اثر بہر حال ظاہر ہوتا ہے اور ایسا ملک جس میں ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہو' ایک دن بالآخر اپنا وجود کھو دیتا ہے لیکن کب؟ اس راز کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے (1) ارشاد ربانی ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ (الاعراف)

''اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے سو جب آ جائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں' ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔

علامہ آلوسی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہلاک ہونے والی تمام قوموں کی ہلاکت کا وقت مقرر ہے' اس مقررہ وقت کو ان کا نام ونشان مٹ جائے گا (2)۔ امتوں کی ہلاکت تو ایک یقینی امر ہے لیکن ان پر کب اللہ کا عذاب آئے گا' یہ بات نامعلوم ہے یعنی ہم اسے یقین کے ساتھ نہیں جانتے۔ ایک ظالم قوم بالیقین ہلاک ہوگی' اپنے ظلم کے سبب اس پر عذاب مسلط ہوگا کیونکہ یہ ظلم اور ظالموں کے بارے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے لیکن ہم یقین کے ساتھ ان کی ہلاکت کے وقت کو نہیں جانتے اور نہ کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ ایام یا سالوں کی حد بندی کرے جن میں عذاب خداوندی نے آنا ہے۔ (3)

ظالم قوموں کی ہلاکت کے بارے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون عام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ ۖ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ۖ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٠٢﴾ (ہود)

''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے' ان میں سے کچھ کھڑی ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر' پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی' جب آ گیا حکم آپ کے رب کا' ان دیوتاؤں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو در آنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں' بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے۔''

یہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف ان قوموں پر آتا ہے جو ظلم وستم کو اپنا وطیرہ بنا لیتی ہیں بلکہ تمام ظالموں کو پکڑنے میں جو الٰہی سنت کارفرما ہے وہ ایک ہی ہے' اس لیے کوئی شخص اس گمان کا شکار نہ ہو کہ ہلاکت صرف سابقہ امتوں

1۔ السنن الالٰهیہ: ڈاکٹر عبدالکریم زیدان' ص 121
2۔ تفسیر آلوسی (112/8)
3۔ السنن الالٰهیہ: ص 121

کے ساتھ خاص تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان قوموں کا تذکرہ کیا تو ساتھ فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ (اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جو شخص بھی ان سابقہ امتوں جیسے افعال کرتا ہے اور ان کے اعمال میں شریک ہوتا ہے تو اسے سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ آیت کریمہ ظلم کی برائی سے ڈرا رہی ہے' ایک کافر مملکت ممکن ہے' عادل ہو یعنی اس کے حکام لوگوں پر ظلم نہ کرتے ہوں اور لوگ بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ ڈھاتے ہوں تو ایسی مملکت باوجود کفر کے باقی رہتی ہے کیونکہ الٰہی قانون یہ نہیں کہ کسی کافر مملکت کو اس کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا جائے گا بلکہ سنت خداوندی ہے کہ ظلم کی وجہ سے قوموں کو تباہ کیا جاتا ہے' خواہ وہ ظلم بادشاہ کا رعایا پر ہو یا عوام کا ایک دوسرے پر (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ (ہود)

''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کرے' بستیوں کو ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں''۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں' اس آیت کریمہ میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کے مکینوں کو محض اس لیے تباہ نہیں کرتا کہ وہ مشرک ہیں جبکہ وہ باہمی معاملات میں اصلاح سے کام لینے والے ہوں اور ان کے تعلقات باہمی میں کسی طرح کا فساد موجود نہ ہو۔ (2)

امام قرطبی نے بھی ''ظلم'' کی تفسیر شرک و کفر سے کی ہے' آپ فرماتے ہیں: وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ وہ آپس کے حقوق پوری ایمانداری سے ادا کرتے ہوں' آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو محض کفر کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ کفر و شرک کے ساتھ ساتھ وہ لوگ ظلم و زیادتی کا شکار نہیں ہو جاتے جیسا کہ اللہ کریم نے شعیب علیہ السلام کی قوم کو ناپ تول میں کمی کی وجہ سے اور قوم لوط کو لواطت کی وجہ سے تباہ و برباد کیا۔ (3)

امام ابن تیمیہ' ظالم مملکت جبکہ وہ مسلمان ہو کی ہلاکت کے بارے کہتے ہیں ''انسانوں کے معاملات عدل کے ساتھ صحیح ڈگر پر انجام پاتے ہیں' ایک ایسے عدل کے ساتھ جس میں شرک جیسا گناہ موجود ہو لیکن حقوق میں ظلم کے ہوتے ہوئے معاملات بہتر طریقے سے انجام نہیں پاتے' بیشک ان لوگوں میں شرک کا گناہ موجود نہ بھی ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عادل مملکت اگرچہ کافر ہو قائم رہتی ہے اور ظالم مملکت قائم نہیں رہ سکتی خواہ وہ مسلمان ہی ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل ایک ایک چیز کے لیے نظام کی حیثیت رکھتا ہے' دنیا کا معاملہ اگر عدل پر مبنی ہو تو وہ قائم ہے اور اگر اس میں عدل و انصاف کا فقدان ہو جائے تو وہ قائم نہیں رہ سکتی' اگرچہ دنیا میں رہنے والے لوگ صاحب ایمان ہوں' ان کو اس ایمان کا صلہ آخرت میں دیا جائے گا''۔ (4)

بعض پاشے نہایت ہی قبیح افعال کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے عوام پر بے انتہا ظلم کیے' ان کے ہاتھوں کئی بے گناہوں کا خون ہوا اور لوگوں کا مال غصب کیا گیا۔ ابراہیم پاشا جودالی کے نام سے معروف تھا' سلطان مراد ثالث کا وزیر تھا۔

1۔ السنن الالٰھیۃ: ص 122
2۔ تفسیر رازی: (16/8)
3۔ تفسیر قرطبی (114/9)
4۔ رسالۃ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر' ابن تیمیہ: ص 40

دیار بکر کا پورا علاقہ اس کی تولیت میں تھا اور وہ امیر الامراء کے منصب پر فائز تھا' اس نے اس علاقے میں بے پناہ ظلم ڈھائے' لوگوں کے ساتھ زیادتی کی' ایسی ایسی خباثتیں کیں جن کو لکھنا محال ہے' لوگوں کی آبرو سے کھیلا' ان کی جمع پونجی پر ہاتھ صاف کیے اور جو جی میں آیا کر گزرا جب اس کی سلطان سے شکایت کی گئی اور وہ عدالت کے سامنے پیش ہوا تو اس کے خلاف کسی شخص کو گواہی دینے کی جرات نہ ہوئی' لوگ سہمے ہوئے تھے اور کوئی بھی اس کے خلاف شہادت دینے کے لیے تیار نہ تھا' بلا شہادت قاضی اس کو سزا نہیں دے سکتا تھا لہٰذا وہ اس دعویٰ کی پوری تحقیق نہ کر سکا کیونکہ اس کی بہن سلطان مراد کے ہاں بڑی مقبولیت رکھتی تھی' اس کے مخالف واپس لوٹ گئے' سلطان نے اسے پھر دیار بکر کا والی مقرر کر دیا۔ ابراہیم پاشا دیار بکر واپس لوٹا' شکایت کرنے والے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ خلق کثیر اس کے انتقام کا شکار ہوئی لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور یکجا ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک قلعہ میں مظلوم لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ ابراہیم پاشا کے حکم سے ان شہریوں پر توپوں کے گولے داغے گئے اور ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا گیا۔(1)

محمد علی پاشا نے مصر' شام اور حجاز (2) کے رہنے والوں پر جو ظلم کیے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں' اس کتاب میں ہم نے اس کے مظالم کو بیان کر دیا ہے' اس طرح ترکوں نے عربوں' کردوں اور البانیہ کے لوگوں پر جو بے پناہ ظلم کیے جبکہ حکومت انجمن اتحاد و ترقی کے پاس تھی بلکہ اس جماعت نے تو خود ترکی کے اندر کتنے لوگوں کو مشق ستم بنایا۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ان لوگوں نے سلطان عبدالحمید ثانی سے کس قدر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کا سلوک کیا لہٰذا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون جو غیر متبدل اور غیر متغیر ہے جاری ہوا۔ ظالموں سے خوب انتقام لیا' انہیں ایک دوسرے سے برسر پیکار کر دیا اور بالآخر خلافت عثمانیہ کا وجود مٹ گیا۔

عیش کوشی اور خواہشات میں انہماک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ہود)

''تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ہوتے جو روکتے زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے سے' مگر وہ قلیل تھے جنہیں ہم نے نجات دی تھی ان سے اور پیچھے پڑے رہے' ظالم اس عیش و طرب کے جس میں وہ تھے اور وہ مجرم تھے۔''

1۔ المختار المصون من اعلام القرون: (917,916/2)

2۔ وہابیوں نے اپنے مخالفین پر جو ظلم ڈھائے انہیں سن کر انسان کانپ اٹھتا ہے اور ان مظالم کو جہاد کا نام دیا گیا۔ ان ظالموں نے اسلامی علاقوں کو دارالحرب اور مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کے خلاف جنگ کی اور بے شمار انسانوں کا خون بہایا۔ حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارات کی بے حرمتی کی۔ بے شمار علمائے اہل حق ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس فرقہ نے دشمن سے زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور ملت کو کمزور کیا۔ (مترجم)

''اور پیچھے پڑے رہے ظالم عیش وطرب کے'' سے مراد ظالم لوگ ہیں جو نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہوتے' یعنی دین کے اہم ترین اس رکن کا اہتمام نہیں کرتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے بلکہ اس کے برعکس وہ عیش وعشرت' خواہشات میں انہماک' سرداری کی طلب چودھراہٹ کی حفاظت اس کے لیے کوشش اور پرسکون زندگی کے اسباب کی طلب میں مگن ہیں اور باقی سب کچھ بھول چکے ہیں۔(1)

ان عیش کوش لوگوں کے بارے سنت الٰہی کا نفاذ ہو چکا ہے جن کو مال و دولت نے معذور بنا دیا اور وہ شریعت الٰہی سے دور ہو گئے اور وہ ہلاکت اور عذاب سے دوچار ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ (الانبیاء)

''اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں کیونکہ وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرمادی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا' اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے''۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس نے اس قوم کی ہلاکت کے لیے اس قوم کے مال داروں کے فسق وفجور کو سبب بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ (الاسراء)

''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی) کا حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں' اس میں پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان' پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے: ''جب اس قوم کی بربادی کا وقت قریب آ جاتا ہے تو ہم اس کے رئیسوں کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں' اس قوم کے مال داروں' جابروں اور بادشاہوں سے اپنی اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں لہٰذا وہ ہمارے حکم سے سرتابی کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان پر ہلاکت واجب ہو جاتی ہے ہم حکم دیتے ہیں اور اس قوم کو برباد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے لیے مال داروں اور رئیسوں کو مخصوص فرمایا اور ان کے ساتھ ساتھ تمام لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا کیونکہ وہی فسق کے امام ہیں اور گمراہی کے رئیس ہیں' معاشرے میں جو بھی برائی ہے انہیں لوگوں کی اتباع کا نتیجہ ہے' ان کے ورغلانے سے عوام الناس گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں' اس لیے ان کو خصوصی طور پر اطاعت کا حکم دیا گیا اور ان کی ہدایت یابی پر زور

1۔ السنن الالٰھیۃ فی الامم والجماعات والافراد: ص186

دیا گیا"۔(1)

سلطان محمد بن ابراہیم کے زمانے میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ دارالخلافہ کو 3 دن کے لیے آراستہ کیا گیا۔ سلطان محمد ان دنوں روم ایلی کے شہر سلسترہ میں تھے انہوں نے قسطنطنیہ کے قائم مقام وزیر عبدی پاشا نیشانی کے نام خط لکھا کہ وہ دارالخلافت میں آنا چاہتا ہے اور اس نے اپنی پوری عمر میں اس کے اندر کسی طرح کی کوئی چہل پہل نہیں دیکھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ جب وہ آئے تو شہر کو آراستہ کرنے کا اعلان کیا جائے۔ سلطان کی آمد سے 40 روز پہلے اعلان ہوا اور لوگوں نے شہر کو سجانے کی تیاریاں شروع کر دیں پھر سلطان کی آمد ہوئی' لوگوں نے شہر کو خوب سجایا' اس پر خوب دولت خرچ کی' اہل عصر اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرح کا جشن کسی دور میں واقع نہیں ہوا' میں ان دنوں قسطنطنیہ میں اجنبی تھا' میں نے اس جشن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' زیب و زینت کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کا اہتمام نہ کیا گیا ہو' لوگوں نے سجاوٹ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' اس پر زر کثیر صرف کیا' پورے جوش و جذبے کا مظاہرہ ہوا' لوگ لذت و سرور میں مستغرق ہو گئے۔ عیش و نشاط اور فرحت و انبساط کے تمام سامان مہیا کیے گئے' مناہی کا خوب ارتکاب ہوا اور ہر انسان نے اس بے حیائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ لوگ جو عقلمند تھے سمجھ گئے کہ بربادی کے دن قریب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب غلط ہوا' اس کا ارتکاب جرم تھا' سلطنت کا زوال شروع ہوا' کتاب سعادت کا آخری باب ختم ہوا' پھر واقعی انحطاط شروع ہو گیا' بربادی کے شواہد و آثار دکھائی دینے لگے اور نفع نقصان میں تبدیل ہو گیا۔(2)

990ھ میں سلطان مراد بن سلیم ثانی نے اپنے بیٹے سلطان محمد کی رسم ختنہ پر ایک جشن کا اہتمام کیا' ایسے جشن کی مثال کسی بھی خلیفہ اور بادشاہ کے زمانے میں نہیں ملتی۔ وسیع پیمانے پر دعوتوں' شادیانوں اور لھو و طرب کا اہتمام ہوا۔ 45 روز تک برابر لوگ طرح طرح کے کھانے کھاتے رہے اور داد عیش دیتے رہے۔ سلطان ابراہیم پاشا کے گھر میں کھلے بندوں بیٹھا رہا اور لوگوں میں دراہم و دینار تقسیم کرتا رہا' میں نے تاریخ کبیری میں دیکھا ہے کہ سونے اور چاندی کی چھوٹی چھوٹی پلیٹیں تھیں جنہیں سونے چاندی سے بھر کر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا رہا' سونے کی پلیٹ میں چاندی بھری جاتی اور چاندی کی پلیٹ میں سونا بھر کر دیا جاتا تھا یہ سب انعام و اکرام تھا' ان لوگوں کا جو گانے بجانے والے اور رقص و سرور کی محفلیں بپا کرنے والے تھے اور دوسرے طالبین احسان کے لیے۔(3)

یہ اس منہج سے خطرناک انحراف تھا جس پر یہ عظیم مملکت اپنے قوت اور رعب و دبدبہ اور اقتدار و غلبہ کے دور میں کاربند رہی تھی۔ محمد فاتح نے اپنے ولی عہد کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا "بیت المال کی دولت کو ضائع کرنے سے بچنا۔ مال کو عیش و عشرت اور لہو و لعب میں صرف نہ کرنا اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے سے اجتناب کرنا کیونکہ فضول خرچی ہلاکت کا ایک بہت بڑا سبب ہے"۔ اس خطرناک انحراف' عیش و عشرت اور لہو و لعب میں انہماک کا طبعی نتیجہ یہ نکلا کہ مملکت اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکی کیونکہ اس کی بقاء کے ستون پیوند خاک ہو چکے تھے۔

1۔ دیکھیے تفسیر آلوسی (42/15)

2۔ المختار المصون من اعلام القرون: (1164,1163/2)

3۔ المختار المصون من اعلام القرون: (1155,1154/2)

اختلافات اور فرقہ بندی

اللہ تعالیٰ کی سنت اقوام وملل میں جاری وساری ہے جو نہ تبدیل ہوتی ہے نہ تغیر پذیر ہے اور نہ کسی کے بارے رعایت برتتی ہے اللہ تعالیٰ نے باہمی اختلاف کو امتوں کی ہلاکت کا ایک اہم سبب ٹھہرایا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا. وَ فِي رِوَايَةٍ فَأَهْلِكُوا(1)

''بیشک تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا اور نتیجتاً وہ ہلاک ہوئے'' دوسری روایت میں الفاظ ہیں اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

ابن حبان اور حاکم حضرت ابن مسعود سے یوں روایت کرتے ہیں'' جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کو اختلاف نے ہلاک کر دیا''

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:'' اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں اتحاد اور باہمی محبت کی ترغیب دی گئی ہے اور تفرقہ اور اختلاف سے خبردار کیا گیا ہے''۔(2)

کسی قوم میں پایا جانے والا مہلک اختلاف ایسا اختلاف ہے جو مذموم ہے اس سے مراد ایسا اختلاف ہے جو قوم میں تفریق' تشتت اور دونوں دھڑوں کے درمیان عدم تعاون وتناصر کا سبب ہو' ہر دھڑا یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ جو کچھ دوسرے دھڑے کے پاس ہے وہ غلط ہے اور کبھی معاملہ اس حد تک شدت اختیار کر جائے کہ یہ دونوں دھڑے باہم قتال کو مباح سمجھ لیں۔(3)

ایسا اختلاف امت کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کیونکہ قابل مذمت اختلاف جس کی وجہ سے امت مختلف فرقوں میں بٹ جاتی ہے' امت کی کمزوری کا باعث بنتا ہے کیونکہ اس امت کی طاقت اس کے اتحاد میں ہے لہٰذا جب بھی یہ امت تقسیم ہوگی کمزور پڑ جائے گی اور یہی وہ عمومی کمزوری ہے جس میں جب امت مبتلا ہوتی ہے تو دشمن کو اس کے خلاف جنگ آزما ہونے کا حوصلہ ملتا ہے اور تمام دشمنان اسلام اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی خواہش کرنے لگتے ہیں' نتیجتاً علاقے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں' دشمن غالب آ جاتے ہیں' مسلمانوں کو غلام بنا کر ان کے تشخص کو مٹا دیا جاتا ہے اور بالآخر امت اپنی پہچان اور وجود کھو دیتی ہے۔(4)

ان تاریخی حقائق سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہلاکت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے ملعون اختلاف سے احتراز کیا جائے جو ہلاکت کا سبب بنتا ہے کیونکہ اختلاف دولت عثمانیہ کے ضیاع' ہلاکت اور مٹنے کا سبب بنا' آج سب سے زیادہ ہمیں جس خطرناک چیز کا سامنا ہے وہ ہے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا فقدان اور افتراق وانتشار کا پایا جانا جن کی ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں' یہ اختلاف امت کی کمزوری کا نتیجہ ہے اگر اس سے بچنے کی راہ نہ اپنائی گئی تو ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

شیخ عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:'' اختلاف... جس طرح امت کو کمزور کرتا ہے' اسی طرح اس مسلم جماعت کو بھی کمزور کرتا

1۔ صحیح البخاری بشرح العسقلانی: (102,101/9)
2۔ صحیح البخاری بشرح العسقلانی: (102/9)
3۔ السنن الالھیۃ: ص139
4۔ ایضاً

ہے جو دعوت الی اللہ کی ذمہ داری کو قبول کرتی ہے اور اگر اس اختلاف کا سد باب نہ کیا جائے تو وہ جماعت اپنا وجود کھو دیتی ہے لہٰذا سب سے بدترین بیماری جس میں مسلم جماعت مبتلا ہو چکی ہے وہ ہے اس کے افراد کے درمیان مذموم اختلاف کا واقع ہو جانا جس نے اس جماعت کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے' ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ صرف وہی حق وصواب کی راہ پر گامزن ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام لوگ ضلالت و گمراہی کے راستے پر ہیں' ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ صرف وہی دعوتی فریضہ کو کما حقہ نبھا رہا ہے۔ افتراق و انتشار بھلا دعوتی کام کے لیے کیسے سود مند ثابت ہو سکتا ہے اور دعوت کا فائدہ تفریق کے راستے سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے لیکن شیطان مختلف فرقہ بازوں کی آنکھوں میں تفریق' انتشار اور گروہ بندی کو خوبصورت پیرائے میں پیش کر رہا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ان کا یہ اختلاف اور گروہ بندی دعوت کی مصلحت کے لیے ہے''۔

جماعت میں اختلاف کے اثرات صرف جماعت کی کمزوری تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس کے اثرات لوگوں کی کمزوری پر منتج ہوتے ہیں' باطل فرقے لوگوں کو ورغلانا شروع کر دیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں: ایک بڑی جماعت لوگوں کو اسلامی احکام کا حکم دے رہی ہے جبکہ اسلام تو الفت اور اتحاد کا داعی ہے اور اختلاف سے روکتا ہے جبکہ یہ اسلام کی مخالفت پر کمربستہ افتراق و انتشار کا شکار ہے' اس جماعت کے اندر دھڑے بندی کہ ہر گروہ دوسرے کی عیب جوئی کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ صرف وہی حق کی راہ پر ہے' یوں معاشرے میں یہ جماعت اپنا اثر ورسوخ کھو بیٹھتی ہے' کمزور ہو جاتی ہے اور آخر مٹ جاتی ہے اس کی جگہ جدید جماعتیں لے لیتی ہیں' یہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہیں جو انہیں فرقوں سے جدا ہوتے ہیں۔ تاریخی واقعات خواہ وہ زمانہ بعید سے تعلق رکھتے ہوں یا زمانہ قریب سے ہماری بات کی تائید کرتے ہیں۔(1)

دولت عثمانیہ اپنے آخری ادوار میں اختلاف اور انتشار میں مبتلا ہو گئی۔ سلاطین اور لیڈروں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے' بعض مقامی حاکموں نے مرکزی حکومت کو چھوڑ کر ذاتی خودمختاری کی کوشش کی تاکہ ان کی حکومت کا دورانیہ طویل ہو جائے اور مقامی حکومتوں کی تاسیس کی کوشش کی (جیسے عراق میں ممالیک' شام میں آل عظم' لبنان میں معنی اور شہابی' مصر میں محمد علی' فلسطین میں ظاہر العمر' عکا میں احمد جزار' مصر میں علی بیگ کبیر' لیبیا میں قرامانلی)(2) مقامی حکام اور دولت عثمانیہ کے درمیان اس چپقلش کا اس عظیم مملکت کو کمزور کرنے میں بہت زیادہ حصہ ہے' اسی اختلاف کی بدولت یہ مملکت آخر ختم ہو کر رہ گئی بعض مورخین نے اس سلطنت کے سقوط کے اسباب کا ذکر کیا ہے اور سقوط کے اسباب اور الٰہی قوانین سے دوری پر مرتب ہونے والے اثرات کے درمیان تفریق کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ (حالانکہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں)

سیاسی' حربی' اقتصادی' علمی' اخلاقی' معاشرتی ضعف اور اس ضعف پر قابو پانے کی کیفیت کے بارے گفتگو' استعمار' فکری جنگ' نصرانیت کا فروغ اور اس کے مقابلے کی کیفیت کے بارے گفتگو ان خوفناک حالات پر قابو پانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں لیکن یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ امت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لے جو عقیدہ کے خلا کی مصیبت میں مبتلا ہوئی جب تک حقیقی اسباب کے خلاف جنگ اور ان کو ختم کرنے کی پوری کوشش نہیں ہوگی ناممکن ہے کہ ان خطرناک اثرات پر قابو پایا جا سکے۔

1۔ السنن الالٰھیۃ: ص 140,141 2۔ العالم العربی فی التاریخ الحدیث: ڈاکٹر اسماعیل یاغی: ص 94

اثرات باہم مربوط اور ایک دوسرے کے ساتھ گھتے ہوتے ہیں' ان میں سے ہر ایک اثر دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے' مثلاً سیاسی ضعف' اقتصادی ضعف پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسی طرح اقتصادی ضعف سیاسی ضعف پر اثر انداز ہوتا ہے' یہی صورت دوسرے اثرات کی ہے۔

عالم اسلام کی طرف سے ہونے والی اکثر کوششیں جو اسلامی مملکت کے اعادے اور اسلام کی عزت اور قوت کی بحالی کے لیے کی گئیں' انہیں اثرات پر مرکوز رہیں اور ان کوششوں نے حقیقی اسباب کی طرف کوئی توجہ نہ دی جو دراصل دولت عثمانیہ کے ضیاع' ملت اسلامی کے ضعف اور انحطاط کا سبب بنے۔

نصرانیوں' یہودیوں اور سیکولرازم کے حامیوں کی کوششیں صرف اس وقت دولت عثمانیہ پر اثر انداز ہوئیں جب اس نے الٰہی قانون سے انحراف کیا اور غلبہ و تسلط کی شروط کو پس پشت ڈالا' نیز اس نے مادی اسباب و ذرائع اور روحانی و معنوی ذرائع کے سلسلہ میں سستی و کاہلی کے جرم کا ارتکاب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ (یوسف)

"بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج و زوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے' سمجھ داروں کے لیے نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑ لی گئی بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے' ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے' اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

نتائج بحث

1. تاریخ عثمانی کو یہود و نصاریٰ اور سیکولر ذہنیتوں کی طرف سے تشویہ و تزویر اور تشکیک کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔
2. عرب اور ترک مورخین خلافت عثمانیہ کے عہد کے بارے معاندانہ نقطہ نظر رکھنے والے قافلے کے ساتھ چلے۔
3. یورپی طاقتوں نے خلافت اسلامیہ کے مخالفانہ نقطہ نظر کی سرپرستی کی' مصر و شام میں مورخین کی پشت پناہی کر کے وہاں پر قومیت کی سوچ کو پروان چڑھایا اور اس کی خوب ترویج و اشاعت کی' ان لوگوں میں بستانی' یازجی جرجی زیدان' ادیب اسحاق' سلیم نقاش' شبلی شمیل' سلامت موسیٰ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ (1)
4. ماسونی مجالس لیڈروں کے ذہنوں پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور ان کے ذریعے اسلامی معاشروں میں نیشنلزم کی سوچ کو پھیلانے کی کوشش کی' یہ لیڈر ماسونی محافل کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوم کی مصلحتوں اور اپنے دین کی ذرا پرواہ نہ کی۔
5. جن مورخین نے دولت عثمانیہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی' انہوں نے حقائق کو جھٹلایا ہے' کذب بیانی' بہتان تراشی' تشکیک اور فریب سے کام لیا ہے' ایسی کتابوں اور تحقیقات پر اندھی دشمنی' منحرف جذبات کی چھاپ بالکل واضح ہے اور ان کا

1۔ ان میں سے اکثر لوگ مذہباً نصرانی یا یہودی تھے۔ (مترجم)

حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

٦ عثمانی تاریخ لکھنے والے علماء کے ایک گروہ نے جن کا تعلق اس امت سے ہے' ان الزامات کے رد اور دولت عثمانیہ کے دفاع کی کامیاب کوشش کی ہے' ان میں سے زیادہ اہم اور نمایاں شخصیات میں ڈاکٹر عبدالعزیز شناوی کا نام آتا ہے جنہوں نے تین ضخیم جلدوں میں ''دولت عثمانیہ دولت عظمیۃ مفتری علیہا'' کے نام سے ایک بہت اچھی کتاب تصنیف فرمائی' اس طرح ڈاکٹر محمد حرب کی کتابیں بہت اہم ہیں جو ان الزامات کی تردید کرتی ہیں' مثلاً العثمانیوں فی التاریخ والحضارۃ'' سلطان محمد الفاتح فاتح القسطنطنیہ وقاہر الروم' ایک اور اہم کتاب جس کے مصنف ڈاکٹر موفق بنی المرجہ ہیں۔ ''صحوۃ الرجل المریض'' ہے یہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔

٧ ترکوں کے آباؤ اجداد کا تعلق ماوراء النہر کے علاقے سے ہے جسے آج کل ترکستان کہتے ہیں' یہ علاقہ منگولیا کے پہاڑوں سے شروع ہو کر شمال میں چین تک اور مغرب میں قزوین تک چلا جاتا ہے اور شمال میں سیبریا کے میدانوں سے شروع ہو کر جنوب میں برصغیر ہندوستان اور فارس تک پھیلا ہوا ہے۔

٨ عز قبائل نے اس علاقے کو اپنا وطن بنایا اور اس قوم کے بڑے بڑے قبائل ان علاقوں میں بس گئے جو بعد میں ترک یا اتراک کے نام سے معروف ہوئے۔

٩ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ ترک قبائل دولت اسلامیہ کی رعایا میں داخل ہو گئے اور عباسی خلفا اور امراء کے درباروں میں ان کی تعداد بڑھتی گئی' یہ لوگ اس مملکت کے اہم انتظامی اور عسکری مناصب پر چھانے لگے' ان میں سے کئی لوگ سپاہ' کئی قیادت اور کئی کاتبوں میں شامل ہو گئے۔

١٠ سلاجقہ (جو دراصل ترک تھے) ایک بہت بڑی ترکی سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے جس میں خراسان ماوراء النہر ایران' عراق' شام اور ایشیائے کوچک کے علاقے شامل تھے۔

١١ سلجوقیوں نے بغداد کی عباسی خلافت کو مدد باہم پہنچائی اور اس کے سنی مذہب کو خاص تقویت دی جبکہ قریب تھا کہ ایران' عراق میں قائم شیعی بویہی اثر و نفوذ اس کی ہلاکت کا سبب بنتا اور مصر اور شام میں فاطمی عبیدی اثر و نفوذ اس کو نیچا دکھاتا' سلجوقیوں نے بویہی نفوذ کا بالکل خاتمہ کر دیا او عبیدی خلافت (فاطمی) کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

١٢ سلجوقی لیڈر طغرل بیگ نے 447ھ میں بغداد کے اندر سے دولت بویہیہ کا نام و نشان مٹا دیا' تمام فتنوں کا قلع قمع کر کے مسجدوں کے دروازوں سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سب و شتم پر مبنی عبارتوں کو مٹا دیا اور رافضیوں کے شیخ ابو عبداللہ الجلاب کو رفض میں غلو کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا۔

١٣ طغرل بیگ کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان سلجوقیوں کا سردار بنا۔ الپ ارسلان ایک ماہر سپہ سالار اور جنگجو لیڈر تھا۔ 463ھ میں یہی عظیم قائد روم کے شہنشاہ کے لشکروں پر ملاذ کرد کی جنگ میں غالب آیا' یہ فتح اسلامی تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم موڑ ثابت ہوئی کیونکہ اس نے ایشیائے کوچک کی اکثر ریاستوں میں روم کی حکومت کو کمزور کر دیا' یہ نہایت ہی

اہم مراکز تھے جن پر بیزنطینی شہنشاہیت کا دارومدار تھا۔

⑭ الپ ارسلان کے بعد سلجوقیوں کی قیادت اس کے بیٹے ملک شاہ کے ہاتھ آئی اور اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت کو خوب وسعت حاصل ہوئی حتیٰ کہ مشرق میں یہ سلطنت افغانستان سے لیکر مغرب میں ایشیائے کوچک تک اور جنوب میں بلاد شام تک پھیل گئی۔

⑮ نظام الملک سلجوقیوں کے وزیروں میں سب سے بڑا وزیر خیال کیا جاتا ہے' وہ ملکی نظم وضبط' علم دوستی' علماء کی سرپرستی' صبر اور بھلائی کے کاموں میں خوب خرچ کرنے اور مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے مدارس قائم کرنے کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتا ہے۔

⑯ سلجوقی سلطنت کے سقوط میں متعدد عوامل کارفرما نظر آتے ہیں اور یہی عوامل خلافت عباسیہ کے سقوط پر منتج ہوئے' ان میں کچھ یہ ہیں' سلجوقی گھرانے میں باہم چپقلش' عورتوں کا حکومتی معاملات میں عمل دخل' عباسی خلفاء کی کمزوری' باطنی سازشیں جنہوں نے بہت سارے سلجوقی سلاطین' زعماء اور قائدین کو دھوکے سے قتل کیا۔

⑰ دولت سلجوقیہ نے اسلام کے لیے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے' ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ انہوں نے دولت عباسیہ کے زوال کو دو صدیاں موخر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مصر کی عبیدی شیعی حکومت کو اپنے توسیعی مقاصد پورا کرنے سے روک دیا' سلجوقیوں کی کوششیں اسلامی مشرق کی وحدت کی تمہید ثابت ہوئیں اور یہ وحدت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں عباسی خلافت کے جھنڈے کے نیچے اپنی انتہا کو پہنچ گئیں۔ سلجوقیوں نے علم کی اشاعت اور امن وامان قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا' بیزنطینی شہنشاہیت کی طرف اٹھنے والی تحریکوں کا جوانمردی سے مقابلہ کیا' بڑی حد تک منگول خطرے کو روکنے کی کوشش کی اور سنی مذہب اور سنی علماء کی عزت افزائی کی۔

⑱ عثمانی ترکمانی قبیلہ کی طرف منسوب ہیں یہ لوگ کردستان میں زندگی بسر کرتے تھے اور مویشی پالنے کا پیشہ کرتے تھے۔

⑲ عثمان کے دادا نے 617ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ کردستان سے اناضول کے علاقوں کی طرف ہجرت کی اور موجودہ ترکی کے مشرق میں اخلاط کے شہر میں آبسا۔

⑳ سلیمان کے قبیلہ کی سرداری سلیمان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ارطغرل کے حصے میں آئی جو مسلسل اناضول سے شمال مغرب کی طرف سفر کرتا گیا حتیٰ کہ اس نے مسلمان سلجوقیوں اور روم کے نصرانیوں کو ایک میدان میں جنگ کرتے دیکھا۔ ارطغرل مسلمانوں کے ساتھ مل گیا' اس کا بروقت جنگ میں شریک ہونا سلجوقیوں کی فتح کا سبب بنا۔

㉑ اسلامی سپہ سالار سلجوقی نے ارطغرل اور اس کی برادری کو اناضول کے مغرب میں روم کی سرحد کے قریب جاگیر عطا کی اور ان کو یہ موقع دیا کہ وہ روم کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اپنے علاقے کو وسیع کرتے جائیں۔

㉒ اپنے باپ کی وفات کے بعد عثمان اول نے اپنی قوم کی زمام قیادت ہاتھ میں لی اور اپنے والد گرامی کے طریقے کے مطابق رومی علاقوں میں وسعت اختیار کرنے لگا۔

۲۳ عثمان اول کو رب قدوس نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا' وہ بڑے بہادر' دور اندیش' معاملہ فہم' مخلص' صابر' ایماندار' عادل 'وفادار تھے' ان کی فتوحات محض اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تھیں' وہ علماء کا بڑا قدردان اور علم دوست انسان تھا۔

۲۴ دولت عثمانیہ کے موسس اول عثمان کی زندگی سراسر جہاد اور دعوت الی اللہ تھی' علمائے دین ان کو گھیرے رکھتے تھے' انتظامی منصوبوں اور شرعی قوانین کے نفاذ میں اس کی پوری رہنمائی کرتے تھے' تاریخ نے اس وصیت کو ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے اورخان کے لیے اس وقت کی جبکہ وہ بستر مرگ پر تھے' اس وصیت میں تہذیبی رہنمائی اور شرعی منہج کے وہ اصول موجود ہیں' جن پر بعد میں دولت عثمانیہ گامزن رہی۔

۲۵ 726ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد اورخان سریر آرا ہوا اور حکومت اور سلسلہ فتوحات میں اپنے والد کی پالیسی کو اپنایا' ان کی بڑی تمنا تھی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح قسطنطنیہ کی بشارت ان کے ہاتھوں پوری ہو' انہوں نے مغرب اور مشرق سے بیک وقت بیزنطی دارالحکومت کے محاصرے کے لیے ایک نہایت ہی اہم منصوبہ بنایا۔

۲۶ اہم کارنامے جو سلطان اورخان کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں' ان میں اہم ترین کارنامہ اسلامی سپاہ کی تاسیس اور اس کے لیے ایک خاص نظام کو اپنانے کی خواہش ہے' انہوں نے اپنی سپاہ کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کیا' ہر یونٹ دس' سو یا ہزار اشخاص پر مشتمل تھی' مال غنیمت کا پانچواں حصہ فوج کے لیے مختص کیا' پہلے ضرورت پڑنے پر لوگوں کو جنگ کے لیے بلایا جاتا تھا لیکن انہوں نے مستقل فوج قائم کی جو ہمہ وقت جنگ کے لیے تیار رہتی تھی' انہوں نے ان کی ٹریننگ کے لیے خصوصی مراکز بھی قائم کیے۔

۲۷ اورخان نے اپنی مملکت کے ستونوں کو مضبوط کرنے کا اہتمام کیا' اصلاحی اور عمرانی سرگرمیوں کو تسلسل دیا' انتظامی معاملات کو منظم کیا' لشکروں کو طاقتور بنایا' مسجدوں کی تعمیر کی' علمی ادارے قائم کیے اور ان پر بہترین علماء و معلمین کو نگران مقرر کیا' ان علماء کو مملکت میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۲۸ سلطان اورخان کے بعد 761ھ میں سلطان مراد اول حکمران بنے' مراد اول بلا کے بہادر' مجاہد' نیک طینت اور دیندار انسان تھے۔ آپ ایک اچھے منتظم اور نظم وضبط کے بڑے پابند تھے' اپنی رعایا اور فوجیوں سے عدل وانصاف کا سلوک کرتے' غزوات میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے' مساجد' مدارس اور پناہ گاہوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ مبذول کرتے' تجربہ کار قیادت' منتظمین اور قائدین کا ایک بہت بڑا گروہ اپنے ساتھ رکھتے' یہی لوگ آپ کے مشیر ہوتے جو مختلف امور کے بارے آپ کو مشورہ دیتے' آپ نے اپنی مملکت کی حدود کو بیک وقت ایشیائے کوچک اور یورپ میں وسعت دی۔

۲۹ مراد اول نے 762ھ میں ایڈریانوپل کو فتح کیا اور اسے اپنی مملکت کے لیے دارالحکومت بنایا اور اسی کے ساتھ ہی دارالحکومت ایشیا سے یورپ کی طرف منتقل ہو گیا اور ایڈریانوپل اسلامی دارالحکومت بن گیا۔

۳۰ مراد اول جانتا تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ اس کی ذمہ داری ہے جبکہ فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اکثر دعا کرتا اور بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کرتا' انہیں اللہ پر مکمل بھروسہ تھا' ان کی گریہ وزاری اور شب زندہ داری سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی معرفت رکھتے تھے۔ معانی عبودیت کو اچھی طرح جانتے تھے' آپ سربوں

کیخلاف لڑتے ہوئے قوصاہ کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

۲۱ سلطان مراد نے 30 سال تک عثمانیوں کی قیادت کی اور بڑی دانائی اور مہارت کا ثبوت دیا' ان کے زمانے کے سیاستدانوں میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔

۲۲ اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد 791ھ میں بایزید نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی' اپنے باپ کی طرح بایزید بڑا بہادر' خوددار' سخی اور فتوحات اسلامیہ کا جذبہ رکھنے والا تھا' اسی لیے انہوں نے عسکری معاملات کا بہت بڑا اہتمام کیا' اناضول میں مسیحی امارتیں ان کا ہدف بنیں اور ایک سال کے اندر اندر تمام سلطنتیں دولت عثمانیہ کے تابع فرمان ہوگئیں' بایزید برق رفتاری سے بلقانی اور اناضولی علاقوں کے درمیان نقل وحرکت کرتا' اسی وجہ سے انہیں الصاعقہ (آسمانی بجلی) کا لقب دیا گیا۔

۲۳ بایزید کو تیمور لنگ کی فوجوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بہت تیزی اور عجلت سے کام لیا اور اپنی فوجوں کے لیے بہتر میدان جنگ کے انتخاب سے قاصر رہے۔

۲۴ دولت عثمانیہ داخلی خطرات کا شکار ہوگئی۔ بایزید کے بیٹوں کے درمیان سلطنت کے لیے جنگ چھڑ گئی اور یہ جنگ 10 سال تک جاری رہی' دولت عثمانیہ کی تاریخ میں یہ مرحلہ امتحان کا مرحلہ تھا اور فتح قسطنطنیہ کے لیے گویا ایک پیشگی امتحان اور عملی مشق تھی۔

۲۵ سلطان محمد چلپی نے اس خاندانی جنگ پر قابو پالیا کیونکہ یہ نہایت محتاط' عقل مند اور دور اندیش انسان تھے اور ایک ایک کر کے اپنے بھائیوں پر غالب آ گئے حتیٰ کہ مملکت اسلامیہ ان کے ہاتھ میں آ گئی اور وہ واحد سلطان قرار پائے' کئی سال انہوں نے مملکت کی داخلی اصلاح وتعمیر پر صرف کیے' اس کے ستونوں کو مضبوط کیا اور پورے ملک میں اتحاد واتفاق کی فضاء قائم کی بعض مورخین انہیں دولت عثمانیہ کا موسس ثانی خیال کرتے ہیں۔

۲۶ سلطان محمد چلپی شعروادب اور فنون لطیفہ کے دلدادہ تھے' کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے عثمانی سلطان ہیں جنہوں نے امیر مکہ کو سالانہ ہدیہ بھیجنے کی بنیاد ڈالی۔

۲۷ سلطان محمد چلپی نے شیخ بدرالدین کی تحریک کا خاتمہ کیا جو لوگوں کو مال' سامان اور ادیان میں سب برابر کا حق دار خیال کرتا تھا' لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتا تھا اور مسلم وغیر مسلم کے درمیان عقیدہ کے لحاظ سے فرق روا رکھنے کے خلاف تھا۔

۲۸ اپنے باپ محمد چلپی کی وفات کے بعد 824ھ میں سلطان مراد ثانی سریر آرائے سلطنت ہوئے' آپ بھی جہاد اور دعوت الی الاسلام کا بہت شوق رکھتے تھے' آپ شاعر تھے اور علماء وشعراء کی بڑی عزت افزائی فرماتے تھے۔

۲۹ 855ھ میں سلطان مراد کی وفات ہوئی تو ان کے بیٹے محمد فاتح جن کی عمر ابھی 22 سال تھی نے زمام اقتدار سنبھالی' وہ اپنی بے مثال شخصیت کے حوالے سے ایک منفرد مقام رکھتے تھے' آپ میں قوت اور عدل کی خصلتیں بیک وقت موجود تھیں اور کم سنی کے باوجود علوم وفنون سے حظ وافر پایا تھا' آپ نے مدرسۃ الامراء سے اکتساب فیض کیا' بالخصوص مختلف زبانیں سیکھنے میں کمال دلچسپی لی' تاریخی کتب کے مطالعہ کا خصوصی شغف رکھتے تھے۔

۴۰ سلطان محمد فاتح کا اہم ترین کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے' اس فتح کے عالم اسلام اور یورپ پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے' قسطنطنیہ کی فتح کے اسباب مادی اور معنوی دونوں طرح کے ہیں اور کئی شروط ہیں جن کو اخذ کیا گیا۔

۴۱ عثمانیوں نے شریعت اسلامیہ کی حاکمیت کو قائم کیا جس کے نتیجے میں عثمانی معاشرے پر اسی کے دنیوی اور آخروی اثرات پڑے' جیسے نیابت و اقتدار' امن و استحکام' فتح و نصرت' عزت و وقار' بلند اخلاقی قدروں کا فروغ اور رزائل کا خاتمہ وغیرہ۔

۴۲ محمد فاتح کی شخصیت کی اہم قائدانہ خصوصیات میں حزم و احتیاط' شجاعت و بہادری' فہم و ذکاء' عزم و حوصلہ' ہمت و لگن' عدل و انصاف اور ذاتی قوت' کثرت جنود' وسعت سلطنت پر نہ اترانا' اخلاص اور علم دوستی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۴۳ محمد فاتح کے تہذیبی کارناموں میں مساجد و مدارس اور علمی اداروں کی تعمیر' علماء شعراء اور ادباء کی قدر افزائی' ترجمہ' تعمیرات' آبادکاری' طبی سہولتوں کا اہتمام' تجارت و صنعت' اداراتی' فوجی' بحری اور عدالتی تنظیمات پر خصوصی توجہ۔

۴۴ محمد فاتح کا ایک ایسی وصیت پیچھے چھوڑنا جو زندگی میں ان کے منہج کی سب سے سچی تعبیر خیال کی جاتی ہے' اس کے اصول اور بنیادی پالیسیاں جن کو انہوں نے اپنایا۔

۴۵ محمد فاتح کی شخصیت پر دو شخصیات کا اثر بہت نمایاں ہے' ایک شیخ محمد بن حمزہ جو آق شمس الدین کے نام سے مشہور ہیں اور دوسرے احمد کورانی جو آپ کے استاد تھے۔(1)

۴۶ سلطان محمد فاتح کے بعد 886ھ میں ان کا بیٹا بایزید ثانی سریر آرائے سلطنت ہوا' وہ پیدائشی طور پر سلطان تھا' ادب کی محبت میں پرورش پائی' علوم اسلامی میں بڑی مہارت رکھتا تھا' بالخصوص فلکیات سے خاص شغف تھا۔

۴۷ بایزید ثانی کو اپنے بھائی جمشید سے جنگ کرنا پڑی اور شامی حدود پر ممالیک کے ساتھ پے درپے کئی معرکے درپیش آئے' انہوں نے اندلس کے مسلمانوں کو سخت تکلیف سے نجات دلانے کی پوری کوشش کی۔

۴۸ بایزید ثانی کے بعد سلطان سلیم اول سلطان بنے' ادب' فارسی شاعری اور تاریخ کو بہت پسند کرتے تھے' سخت مزاجی کے باوجود اہل علم کی صحبت کی طرف مائل تھے۔ مورخین اور شعراء کو ساتھ رکھتے حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی انہیں ساتھ لے جاتے تاکہ جنگی وقائع کو قلم بند کیا جائے اور شعراء ماضی کی عظمتوں کے بارے شعر موزوں کر کے فوجوں کے حوصلے بلند کریں۔

۴۹ سلطان سلیم کی محنت اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے عراق اور فارس سے شیعی نفوذ میں کمزوری آئی اور انہوں نے صفوی شیعہ رافضیوں پر معرکہ جالدیران میں عظیم الشان فتح حاصل کی

۵۰ دولت عثمانیہ اور دولت صفویہ کے درمیان اس معرکہ کی بدولت شمالی عراق اور دیار بکر کے علاقے دولت عثمانیہ کی قلمرو میں شامل ہوئے اور یوں عثمانیوں نے مشرقی حدود کو پرامن بنایا اور اسماعیل صفوی کے اعوان اور پیروں کے خاتمے کے بعد ایشیائے کوچک میں سنی مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔

۵۱ پرتگالیوں نے شیعہ سنی اس چپقلش سے خوف فائدہ اٹھایا اور کوشش کی کہ مشرق و مغرب کے درمیان تمام قدیم راستوں پر

1۔ آق شمس الدین محمد فاتح کے مرشد تھے اور فتح قسطنطنیہ کی مہم میں محمد فاتح کے ساتھ تھے۔

اپنا تسلط جمانے کے لیے مشرقی سمندروں پر قبضہ ہو جائے۔

52 عثمانیوں اور صفویوں کی معرکہ آرائیوں سے یورپی بہت خوش ہوئے اور یورپیوں نے دولت عثمانیہ کے خلاف صفوی شیعوں کی بھرپور مدد کی تاکہ دولت عثمانیہ اپنے مسلمان بھائیوں سے الجھی رہے اور یورپ کی طرف پیش قدمی کی اسے فرصت نہ ملے۔

53 عثمانی غزہ کے معرکہ میں اور پھر زیدانیہ کے معرکہ میں ممالیک کے خلاف شاندار کامیابیاں حاصل کرنے میں کامیاب رہے اور بالآخر ممالیک کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

54 سلطان غوری اور اس کے نائب طومان کے قتل کے بعد شریف مکہ برکات بن محمد نے سلطان سلیم اول کی اطاعت قبول کر لی اور کعبہ شریف کی چابیاں سلطان کے سپرد کر دیں' یوں سلطان سلیم کو خادم الحرمین الشریفین بننے کی سعادت حاصل ہوگئی۔

55 ممالیک کی دولت کے سقوط کے بعد یمن بھی عثمانی اقتدار کے ماتحت آ گیا' یمن نہایت ہی اہمیت کا علاقہ تھا' اسے بحر احمر کی کنجی خیال کیا جاتا تھا' یمن کی سلامتی پورے حجاز مقدس اور مقامات مقدسہ کی سلامتی تھی' عثمانیوں نے یمن پر اپنے قبضے سے خوب فائدہ اٹھایا اور پرتگالی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے خلیج میں کئی بحری حملے کیے۔

56 مصر اور شام کو اپنے ملک کا حصہ بنانے کے بعد عثمانی عربی علاقوں میں اپنا جھنڈا گاڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور یہاں سے دولت عثمانیہ نے پرتگالیوں کا بے مثال شجاعت سے مقابلہ کیا اور بحر احمر کی بعض نہایت اہم بندرگاہیں جیسے مصوع اور زیلع واپس لینے میں کامیاب ہو گئے' اس طرح میر علی بیگ کی قیادت میں افریقی ساحلوں کی طرف بحری فوج بھیجنے میں بھی کامیابی حاصل کی اور مقدیشو' ممبسہ کے شہروں کو آزادی دلائی اور پرتگالی فوج کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا۔

57 سلطان سلیمان قانونی کے عہد حکومت (927ھ-974ھ) میں دولت عثمانیہ پرتگالیوں کو بحر احمر سے پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہوگئی اور ان مراکز پر حملے کیے جو خلیج عربی میں پرتگالیوں کے مستقل ٹھکانوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

58 عثمانی پرتگالیوں کو روکنے' ان کو اسلامی علاقوں سے دور رکھنے اور ان کی سرگرمیوں کو محدود کرنے میں کامیاب ہو گئے' دولت عثمانیہ نے بحر احمر کی صورت حال کو یقینی بنانے اور پرتگالیوں کی توسیع پسندانہ سرگرمیوں سے مقامات مقدسہ کو محفوظ رکھنے میں کامیابی حاصل کی کیونکہ پرتگالیوں کا ہدف استعماریت' مذموم مقاصد اور اسلام اور مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے نیچا دکھانے کی کوشش کرنا تھا۔

59 عثمانی اور پرتگالی چپقلش کے نتیجے میں عثمانیوں نے مقامات مقدسہ حج کے راستوں اور بری حدود کو سولہویں صدی تک کے لیے پرتگالیوں کے حملوں سے محفوظ بنا دیا اور وہ تجارتی راستے جو ہندوستان اور انڈونیشیا کو خلیج عربی اور بحر احمر کے پار مشرق قریب کے علاقوں سے ملاتے تھے پھر سے کھل گئے اور ان پر آمدورفت شروع ہو گئی۔

60 سلطان سلیمان قانونی کے زمانے میں روڈس فتح ہوا' سلیمان نے ویانا کا محاصرہ کیا اور فرانس کے قریب ہونے کی پالیسی اپنائی۔

61 دولت عثمانیہ نے شمالی افریقہ کی طرف خصوصی توجہ دی' بحری جنگ میں ان کا ساتھ دیا اور انہیں مادی اور روحانی ہر طرح کی

مساعدات باہم پہنچائیں۔

۶۲ الجزائر سلیم اول کے زمانے سے دولت عثمانیہ کے نفوذ کے تحت چلا آ رہا تھا' شمالی افریقہ کے میدان جنگ میں دو عظیم قائد بہت نمایاں ہوئے' یہ دونوں بھائی تھے' ایک عروج اور دوسرا خیر الدین بار بروسا۔

۶۳ خیر الدین الجزائر کی نوزائدہ سلطنت کو فوجی امداد دینے میں بہت کامیاب ہوا' عثمانی امداد کا سلسلہ مسلسل جاری تھا۔ سلطان سلیمان قانونی پوری طرح الجزائر کی مدد کر رہا تھا۔ خیر الدین نے ہسپانوی ساحلوں پر بھرپور حملے کیے اور اس کی کوششوں سے ہسپانیہ سے ہزاروں مسلمانوں کو نکال لانے میں کامیابی حاصل کی۔

۶۴ الجزائر میں عثمانیوں کی موجودگی مغرب میں پرتگالی بادشاہ کے موقف پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی کیونکہ عثمانیوں نے یہاں نہایت ہی کامیاب عسکری کارروائیاں کیں۔

۶۵ خیر الدین عثمانی بحریہ کے امیر البحر بن جانے کے بعد بحر متوسط کے مشرقی علاقوں میں بہت دور تک نکل گیا' الجزائر کی حکومت کی باگ دوڑ قائد حسن آغا طوشی نے اپنے ہاتھ میں لی' انہوں نے امن قائم کرنے اور ایک مستحکم حکومت کو بنیادیں فراہم کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی اور الجزائر کے تمام علاقوں کو متحد کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

۶۶ حسن آغا طوشی نے چارلس پنجم کی قیادت میں برسر پیکار صلیبی فوجوں کو الجزائر کے علاقوں میں شکست فاش دی' اس شکست کے ہسپانیہ کے شہنشاہیت' اس کے فرمانروا چارلس اور عالمی واقعات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

۶۷ چارلس کی شکست یورپ پر بجلی بن کر گری اور یورپ کی سطح پر بڑی تیزی سے حالات تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔

۶۸ چارلس پنجم اب الجزائر پر دوبارہ حملے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا' خاص و عام ہر شخص خیر الدین اور حسن آغا سے ہراساں نظر آتا تھا اور ان کی پرچھائیوں سے بھی ڈرتا تھا۔

۶۹ شمالی افریقہ میں بڑے بڑے قائد ظہور پذیر ہوئے جنہوں نے ہسپانیہ اور نصرانیوں کے خلاف بحر متوسط کی جنگوں میں خوب حصہ لیا' ان میں مشہور ترین خیر الدین بار بروسا' صالح رائیس اور قلیج علی ہیں۔

۷۰ دولت عثمانیہ نے دولت سعدیہ کے ساتھ گہرے روابط پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کئی بار یہ کوشش ناکام رہی۔ خصوصاً سلطان محمد الشیخ سعدی اور محمد المتوکل کے دور میں۔

۷۱ دولت سعدیہ کا عظیم ترین کارنامہ جو اس نے سلطان عبد الملک کے زمانے میں سرانجام دیا' تین بادشاہوں کے معرکہ میں پرتگال کے نصرانیوں کے خلاف عظیم اور شاندار فتح ہے جسے تاریخ میں قصیر کبیر یا وادی مخازن کا معرکہ کہا جاتا ہے۔

۷۲ وادی مخازن میں مغربیوں کی یہ فتح و کامرانی کئی امور کی مرہون منت ہے' ان میں سے ایک بیدار مغز قیادت ہے جو سلطان عبد الملک اور اس کے بھائی ابو العباس کی صورت میں سامنے آئی اور دوسری چیز ہے مغربی قوم کا اپنی قیادت پر اعتماد' تیسری چیز ہے مسلمانوں کی اپنے دین عقیدہ اور عزت کی حفاظت کی خواہش اور سقوط غرناطہ اور سقوط اندلس کے سبب لگنے والے زخموں پر مرہم رکھنا' چوتھی چیز ہے تجربہ کار عثمانی فوجوں کی شراکت جو توپوں کے ساتھ گولہ باری میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور اسی چیز

نے مغربی توپ خانے کو نصرانی توپ خانے پر فوقیت دے دی۔

۳ اپنے بھائی عبدالملک کی وادی مخازن کے معرکہ میں شہادت کے بعد سلطان احمد المنصور دولت سعدیہ کے فرمانروا بنے۔

۴ الجزائر میں قلیج علی کی وفات کے ساتھ ہی بلیربک کا نظام ختم ہوگیا' اسی نظام نے الجزائر کے حکام کو وسیع اختیارات و اثرونفوذ کا حامل بادشاہ بنا رکھا تھا' اس کی جگہ پاشویت کا نظام آیا جس طرح کہ ٹیونس اور طرابلس میں یہ نظام پہلے سے رائج تھا۔

۵ دولت عثمانیہ مغرب اقصیٰ کو اپنے ساتھ ملانے میں ناکام رہی کیونکہ الجزائر نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں ظاہر کردیں۔

۶ عثمانی اندلس کو واپس لینے کے لیے بے تاب تھے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی کیونکہ دولت سعدیہ کا موقف کچھ اور' انکشاریوں کا موقف ان سے مختلف اور مشرقی بازؤوں کا نقطہ نظر ان دونوں سے بالکل مختلف تھا۔

۷ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دولت عثمانیہ کی عظمت کا سورج سلطان سلیمان قانونی کی وفات 974ھ کے ساتھ ہی گہنا گیا' ان کے دور میں مملکت کی کمزوری کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوگئے تھے۔

۸ سلیمان قانونی کے بعد سلیم ثانی تخت نشین ہوا' سلیم اپنے والد سلطان سلیمان کی فتوحات کی حفاظت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا' اگر محمد پاشا صوقللی نہ ہوتے جو ایک قابل وزیر' عظیم مجاہد اور سیاسی مدبر تھے' تو یہ مملکت اپنا وجود کب کا کھو چکی ہوتی' محمد پاشا کی شخصیت امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔

۹ 979ھ/1571ء میں عثمانیوں کو معرکہ لیپانٹو میں شکست ہوئی' اس جنگ کے نتائج عثمانیوں کی امیدوں پر پانی پھیر گئے' بحر متوسط میں عثمانی سیادت کا خطرہ ختم ہوگیا' یہ بحری سلطنت کی قوت کے عروج کی انتہاء تھی۔

۱۰ لیپانٹو کا معرکہ فرانس کے لیے ایک اہم موقع تھا' اس نے اسلامی مغرب میں اپنے قدم بڑھانے شروع کردیئے جونہی اسے اطلاع ملی کہ عثمانی بحریہ کو اس معرکہ میں شکست ہوگئی تو فرانس کے فرمانروا چارلس نہم نے سلطان عثمانی کو ایک سکیم پیش کی' یہ سکیم اس نے اپنے سفیر جو استنبول میں تھا کے ذریعے پیش کی۔ اس نے کہا کہ اس کی حکومت کو الجزائر میں اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مسلمانوں اور ان کے دین اسلام کے دفاع میں عثمانیوں کی مدد کرسکیں۔

۱۱ سلطان سلیم ثانی نے ہسپانیہ کے قبضہ سے ٹیونس کو رہائی دینے کے لیے عملی اقدامات کیے اور قلیج علی اور سنان پاشا کی قیادت میں عثمانیوں نے 982ھ کو ٹیونس فتح کرلیا۔

۱۲ ٹیونس کے ہسپانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے نے افریقہ میں ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور تدریجاً ان کی گرفت کمزور ہوتی گئی حتیٰ کہ صرف بعض بندرگاہیں ان کے قبضہ میں باقی بچ گئیں جیسے ملیلتہ وھران اور مرسی کبیر' یوں شمالی افریقہ میں دولت ہسپانیہ کے قبضے کا خواب بکھر گیا اور مٹی میں مل گیا۔

۱۳ سلطان سلیم ثانی نے یمن پر ایک بہت بڑا حملہ کردیا اور عدن اور صنعاء کو زیدیوں کے تسلط سے آزاد کرالیا۔

۱۴ 979ھ کے لیبانٹو کی جنگ میں شکست کے بعد دولت عثمانیہ کی پالیسی تبدیل ہوگئی' اب سب سے پہلا مسئلہ مقدس مقامات کی حفاظت کرنا تھا اور پھر اس کے بعد بحراحمر اور خلیج عربی کو دشمن کے حملوں سے محفوظ کرنا تھا۔ اسی لیے آپ نے ایک ایسے بحری بیڑے کی تیاری کا حکم دیا جو پرتگیزیوں کے بحری بیڑے کا مقابلہ کر سکے۔

۱۵ دولت عثمانیہ نے ایک طاقتور زرہ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی جس کی وجہ سے مقامات مقدسہ مسیحی حملوں سے محفوظ ہوگئے' اسی خصوصی دفاع کے ذریعے سلطان نے مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ اور ینبع کی حفاظت کو یقینی بنانے کا عثمانی خواب پورا کردیا۔

۱۶ سلطان سلیمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد ثالث تخت نشین ہوا' مراد علم و ادب' شعروسخن اور فنون لطیفہ کا دلدادہ تھا وہ تینوں زبانیں ترکی' عربی اور فارسی میں پوری دسترس رکھتا تھا' آپ نے شراب نوشی کے رجحان کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن انکشاری فوج نے آپ کو مجبور کردیا کہ وہ یہ حکم واپس لے لیں' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مملکت اسلامی کس حد تک کمزور ہوچکی تھی۔

۱۰ مراد ثالث کے بعد محمد ثالث نے زمام اقتدار ہاتھ میں لی' اس ضعف اور کمزوری کے باوجود جس کا دولت عثمانیہ شکار تھی جہاد کا سلسلہ جاری رہا' سلطان معرکہ کارزار میں خود شریک ہونے لگا۔ شیخ سعد الدین آفندی نے ان کو ترغیب دی کہ وہ لشکروں کی خود قیادت کریں۔ سلطان سے کہا: ''میں آپ کے ساتھ چلوں گا تاکہ میں اپنے آپ کو گناہوں سے نجات دے سکوں اب جبکہ میں گناہوں کے ساتھ روانہ ہورہا ہوں''۔

۱۱ محمد ثالث کے بعد ان کا بیٹا احمد اول تخت نشین ہوئے' ان کی عمر صرف 14 سال تھی' اس سے قبل اتنا کم سن کوئی شخص دولت عثمانیہ کے تخت پر نہیں بیٹھا تھا' ان دنوں ملکی حالات نہایت مخدوش تھے' عثمانی یورپ میں آسٹریا کے خلاف جنگوں میں مصروف تھے' ادھر ایران کے ساتھ بھی جنگ جاری تھی' اس کے علاوہ ایشیا میں کئی مقامات پر بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں' انہوں نے اپنے والد گرامی کے شروع کی گئی جنگی تیاریوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا' احمد اول بڑے پاک باز بندے تھے' بڑے عبادت گزار اور شریعت کے پابند تھے' مملکت کے امور کو براہ راست سرانجام دیتے' لباس میں سادگی کا اہتمام کرتے' اہل علم و معرفت اور تجربہ کار قائدین سے ہمیشہ مشورہ کرتے' ان کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ سے گہری محبت تھی۔

۱۹ احمد اول کی وفات کے بعد کمزور سلاطین تخت نشین ہوتے رہے' جیسے مصطفیٰ اول' عثمان اول' مراد رابع' ابراہیم بن احمد' محمد رابع' سلیمان ثانی' احمد ثانی' مصطفیٰ ثانی' احمد ثالث' محمود اول' عثمان ثالث' مصطفیٰ ثالث اور عبدالحمید اول۔

۹۰ سلطان سلیم ثالث اپنے والد گرامی عبدالحمید اول کی وفات کے بعد 1203ھ میں سریر آرا ہوئے اور اس کے ساتھ ہی دولت عثمانیہ اور اس کے دشمنوں کے درمیان جنگ کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوگیا' سلطان سلیم ثالث نے اپنی فوج میں روحانیت کو زندہ کرنا شروع کردیا۔

۹۱ روس اور آسٹریا کی فوجوں نے عثمانی لشکر کو شکست سے دوچار کردیا' اس شکست کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوئے' عثمانیوں کو مسلسل ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا' عثمانی فوجیں مشرقی دانوب کی طرف پیچھے ہٹنے لگیں' آسٹریا نے بلغراد کا محاصرہ

توڑنے کے لیے اس موقع کو غنیمت خیال کیا' اتحادی فوجوں کے لیے راستہ کھل گیا اور عثمانیوں کو یورپ سے بھگا دیا گیا۔

92 جنگ ختم ہونے کے بعد سلطان سلیم ثالث نے داخلی اصلاحات کی طرف توجہ دی' انکشاریہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے فوج کی تنظیم نو شروع کر دی گئی کیونکہ انکشاریہ ہر فتنے کا سبب بن رہے تھے' سلطان نے فوج کو یورپی خطوط پر منظم کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں معزول کر دیا گیا۔

93 فرانس نے دولت عثمانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نپولین بوناپارٹ کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی' یہ مہم فرانسیسی انقلاب کی بازگشت تھی اور انقلابی افکار سے متاثر تھی۔

94 اس مہم کے شرکاء نے کوشش کی کہ شیوخ' علماء اور عوام الناس کے دلوں سے دین کی محبت کو ختم کر دیا جائے تاکہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کو فروغ حاصل ہو۔

95 فرانسیسی مصر کے قبطی مسیحی عناصر کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے تاکہ یہ مقامی لوگ اس مہم کو کامیاب بنانے میں مدد کریں۔

96 جدید تاریخ میں یہ پہلا صلیبی حملہ تھا جو فرانس نے کسی عربی علاقے پر کیا تھا' فوراً سلطان سلیم ثالث نے فرانس کے صلیبیوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا' ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حجاز' شام اور شمالی افریقہ کے بے شمار لوگوں نے جہاد کی راہ لی۔

97 برطانیہ مصر وغیرہ میں فرانس کے مقاصد کو بڑی گہری نظر سے دیکھ رہا تھا جب فرانسیسی فوجوں نے کوچ کیا اور مصر پہنچیں تو برطانیہ نے اپنا بحری بیڑہ نیلسون کی قیادت میں روانہ کر دیا تاکہ وہ فرانسیسی فوجوں کا پیچھا کرے' الغرض ابی قیر کی سمندری جنگ میں انگریزی بحریہ نے فرانسیسی بحریہ کو شکست دی اور اسے تباہ کر دیا۔

98 ابی قیر کی بحری جنگ میں فرانسیسی بحریہ کی شکست نے دولت عثمانیہ کو حوصلہ دیا اور انہوں نے مصر میں فرانسیسی فوجوں پر حملہ کر دیا' سلطان سلیم ثالث نے فرانس پر حملے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ فرانسیسی سفارتی عملے کو گرفتار کر لیا جائے' اسی طرح استنبول میں فرانس کے جتنے افراد رہائش پذیر تھے تمام کو گرفتار کر کے قید کرنے کا حکم دے دیا۔

99 فرانس کی فوجوں نے مجبوراً مصر کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا کیونکہ ان پر انگریزوں اور عثمانیوں نے مشترکہ حملہ کر دیا تھا جس کے مقابلے کی ان میں تاب نہیں تھی' متعدد عوامل کی وجہ سے فرانس کی قابض فوجیں بالآخر مصر سے نکلنے پر مجبور ہو گئیں' ایک وجہ یہ تھی کہ ابوقیر کی بحری جنگ میں ان کی بحریہ تباہ ہو گئی تھی او بحر متوسط پر انگریزی بحریہ کا قبضہ ہو گیا تھا' اب مصری ساحلوں کا انگریزوں نے سخت محاصرہ کر لیا تھا جس نے فرانس کی حکومت کو مصر میں اپنی فوجوں کو امداد پہنچانے سے عاجز بنا دیا تھا۔

100- فرانسیسی حملے کے مشرق پر عموماً اور مصر پر خصوصاً دور رس اثرات مرتب ہوئے' یہودی ماسونی مجالس اسلام کی پیٹھ میں اپنا زہر آلود خنجر گھونپنے کے لیے راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئیں' فرانسیسیوں نے اپنے افکار کا بیج بونے میں کامیابی حاصل کی اور اس علاقے میں کئی ایجنٹ حاصل کر لیے جنہوں نے ان کے بعد بھی ان کے مفادات کے لیے کام کیا۔ فرانس کی فوجوں کے

جانے کے بعد ان لوگوں نے اس خطرناک کردار سے خوب فائدہ اٹھایا جو مصر کے حاکم محمد علی پاشا نے ادا کیا۔

۱۰۱ سلطان محمود ثانی 1223ھ میں تخت نشین ہوا' اس نے انکشاریہ سے گلو خلاصی حاصل کرنے اور ان کے وجود کو مٹانے میں کامیابی حاصل کی' اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو ترقی دینے میں آزاد تھا' سو اس نے مغربی تہذیب کے اقدامات کو اپنایا' عمامہ کی جگہ رومی ٹوپی اور یورپی وردی کو فوج کیلئے لازم کر دیا اور حکم دیا کہ یہی وردی ہر ملازم کیلئے ضروری ہوگی۔

۱۰۲ عثمانی تاریخ کے اس پرفتن دور میں مصر' شام اور ترکی میں ماسونی مجالس پھیل گئیں اور دن رات ایک کر کے اپنے باطل نظریات کے ذریعے ملک کی کمزوری اور اسے ریزہ ریزہ کرنے کے لیے انتھک محنت کرنے لگیں۔

۱۰۳ ماسونی مجالس نے محمد علی کی پشت پناہی کی تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنے آئندہ پروگرام کو پوری حفاظت اور طاقت کے ساتھ عملی جامہ پہنا سکیں اور عظیم دولت عثمانیہ کو کمزور کر سکیں۔ محمد علی پاشا دولت عثمانیہ کے دل میں ایک زہر آلود خنجر ثابت ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ محمد علی پاشا نے ان کی مدد سے ایک نہایت ہی ترقی یافتہ جدید اور طاقتور بحری بیڑہ تیار کیا اور دمیاط میں بحری اسلحہ خانہ بھی قائم کیا۔

۱۰۴ محمد علی نے مصر میں نہایت مشکوک کردار ادا کیا' اس نے مصر سے مکمل اسلامی چھاپ ختم کر کے اسے ایک ایسا موڑ دیا جو بالآخر الٰہی قانون سے نکل جانے کا سبب بنا' مصر میں محمد علی کے اس تجربے سے بعد میں آنے والے تمام طالع آزماؤں نے خوب فائدہ اٹھایا جیسے مصطفیٰ کمال اتاترک۔

۱۰۵ محمد علی نے فرانس' برطانیہ' روس' آسٹریا اور یورپی ممالک کی نیابت میں تمام اسلامی علاقوں مصر' جزیرہ عرب' شام میں خلافت عثمانیہ کے اسلامی نظریات پر کاری ضرب لگائی جس کا پوری اسلامی دنیا پر اثر پڑا اور مغربی مقاصد کے لیے اسلامی دنیا میں راہ ہموار ہوئی۔

۱۰۶ محمد علی پاشا آستین کا سانپ اور زہر آلود خنجر تھا جسے دشمنان اسلام نے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا' اسی لیے دشمنوں نے علمی' اقتصادی اور عسکری ترقی میں اس کی مدد کی کیونکہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اس کے نزدیک عقیدہ اور مسلمان ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کے ساتھی اور وہ خود اپنے ذاتی مفادات کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۱۰۷ محمد علی نے اس پورے علاقے میں جو کردار ادا کیا' اس سے یورپی ملکوں کو یقین ہو گیا کہ دولت عثمانیہ کس حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ نتیجتاً انہوں نے اسلامی قلمرو کو باہم تقسیم کرنے کے لیے موزوں سیاسی حالات کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔

۱۰۸ سلطان محمود ثانی کی وفات کے بعد ان کا بیٹا سلطان عبدالمجید اول تخت نشین ہوا' یہ دبلے پتلے جسم کا مالک نہایت ذہین' واقعیت پسند اور رحم دل انسان تھا اور آل عثمان کے تمام سلاطین سے زیادہ جلیل القدر تھا۔

۱۰۹ سلطان عبدالمجید اپنے وزیر رشید پاشا سے بے حد متاثر تھے اور رشید پاشا ذہنی طور پر مغرب سے مرعوب تھا اور ماسونی فلسفہ پر کامل یقین رکھتا تھا' رشید پاشا ہی کی بدولت ایک ایسی نسل تیار ہوئی جس نے وزارت اور مملکت کے دوسرے امور کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مغربیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۱۰ اصلاح وتجدید کی عثمانی تحریک تین اہم نکات کے اردگرد گھومتی تھی' عسکری امور کی تنظیم میں مغرب سے استفادہ' حکومت اور انتظامی امور میں جدید رجحانات کو اپنانا اور عثمانی معاشرے کی سیکولر خطوط پر ذہن سازی۔

۱۱۱ مدحت نے 1876ء میں جو دستور وضع کیا' اس پر ہمایوں اور گل خانہ خطوں کی چھاپ نمایاں تھی' اسلامی تاریخ اور اسلامی ممالک میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلامی دستور کی جگہ ایک وضعی دستور لاگو کیا گیا جو دراصل فرانس' بلجیم' سوئٹزرلینڈ وغیرہ ملکوں کے دستور سے ماخوذ تھا اور یہ تمام دساتیر غیر مذہبی تھے۔

۱۱۲ دولت عثمانیہ کی تنظیمات کی تحریک ایسے خطوط پر برپا کی گئی کہ جس کے نتیجے میں یہ مملکت بحیثیت ایک اسلامی مملکت کے ختم ہو کر رہ گئی' تمام قوانین کو سیکولر بنا دیا گیا' ایسے ادارے بنائے گئے جو وضعی قوانین کے ذریعے کام کرتے تھے' تجارت' سیاست اور اقتصاد کے میدانوں سے اسلامی قانون دور کر دیئے گئے اور یوں مسلمانوں کی نظروں میں اس عظیم اسلامی مملکت کی حیثیت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔

۱۱۳ تاریخ امم اور ان کے حالات کا بنظر غائر جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ جب ایک قوم کسی دوسری قوم کی تقلید کرتی ہے' اس کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اس سے رہ ورسم ضرورت سے زیادہ بڑھاتی ہے تو کمزور قوم اپنا تشخص اور وجود کھو دیتی ہے اور اس کی آزادی اور خود مختاری سلب ہو جاتی ہے۔

۱۱۴ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے یہ اصول وضع فرمایا ہے کہ کمزور اور مغلوب قوم ہمیشہ طاقتور اور غالب قوم سے اثرات قبول کرتی ہے' اسی وجہ سے کمزور لوگ طاقتور لوگوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں' ان کے اخلاق' چال چلن اور انداز حیات کو اس حد تک اپنا لیتے ہیں کہ بالآخر ان کے عقائد' افکار' ثقافت' ادب اور فنون کو بھی اندھا دھند قبول کرتے چلے جاتے ہیں اور اس سے تقلید کرنے والی قوم اپنے ذاتی خصائص سے محروم ہو جاتی ہے' اس کی تہذیب مٹ جاتی ہے' بشرطیکہ وہ تہذیب رکھتی ہو اور یوں وہ دوسری قوموں کی غلام بن کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۱۱۵ سلطان عبدالعزیز بن محمود ثانی 1277ھ میں دولت عثمانیہ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے' یورپی ممالک دولت عثمانیہ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ اصلاحی اقدامات اٹھائیں اور اپنے ملک میں مغربی منہج اور یورپی فکر کے مطابق مزعوم ترقی کریں' سلطان عبدالعزیز مغربی دساتیر اور اسلامی تہذیب سے متصادم مغربی طرز حیات کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے' انہوں نے کوشش کی کہ عثمانی اسلامی معاشرہ اسلامی خطوط پر ترقی کرے لیکن انہیں مہلت نہ ملی۔ مغربی کونسل خانوں اور دارالحکومت میں قیام پذیر یورپی ملکوں کے نمائندوں کی وساطت سے ان کے قتل کی سازش تیار کی گئی اور اپنے ان ایجنٹوں کے ذریعے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اہتمام کیا جنہوں نے مغربی افکار کو کلیتہً قبول کر رکھا تھا اور مملکت میں ان کا کافی اثر ورسوخ تھا' ان میں سرفہرست ماسونی ایجنٹ مدحت پاشا کا نام آتا ہے جس نے اس کام کو اس کے انجام تک پہنچانے میں مدد کی۔

۱۱۶ عبدالعزیز کے قتل کے بعد ان کا بھتیجا مراد خامس تخت نشین ہوا' یہ شخص ماسونی سلک میں پرویا ہوا ایک موتی تھا' اس کا میلان شروع ہی سے دستور' لبرلزم اور سیکولرازم کی طرف تھا۔ ماسونی مجالس ہی کے ایماء پر وہ سلطنت تک پہنچا لیکن جب اسے معلوم

ہوا کہ اس کے چچا کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس پر ایک خوف طاری ہو گیا اور اس کی عقل جواب دے گئی' اس کے اعصاب پر ایک خوف طاری ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نظام انہضام متاثر ہوا' اس کی صحت مسلسل بگڑنے لگی جس کی وجہ سے مجبوراً اسے برطرف کرنا پڑا۔ سو شیخ الاسلام کی طرف سے اس کی برطرفی کا اعلان ہوا اور وہ ملکی ذمہ داریوں سے الگ کر دیا گیا۔

117 مراد خامس کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی۔ 1293ء میں انہیں یہ سعادت حاصل ہوئی' مدحت پاشا کی طرف سے اس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ دستور کا اعلان کریں لہٰذا اس نے دستور کا اعلان کیا' وزراء نے اپنے مظالم کا بازار گرم کر دیا' انجمن جدید عثمانی کی قیادت میں مغربیت کی پالیسی پر شدت سے عمل ہونے لگا' اس انجمن میں وہ منتخب لوگ تھے جو جدید علوم سے بہرہ ور تھے اور مغرب سے بہت متاثر تھے۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے مناسب موقع پا کر دستور کو کالعدم قرار دینے کا اعلان کر دیا اور مغربیت کے قائدین کو بکھیر دیا' ان لوگوں کے اختیارات کو کمزور کرنے کے لیے آپ نے خصوصی اقدامات کیے' اسلامی تعلیمات کے مطابق ملک میں اصلاحات کی گئیں اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے کوشش کی گئی۔

118 سلطان عبدالحمید نے ایک خبر رساں ایجنسی کی تشکیل کی تا کہ ایک طرف ملک کی اندرونی امن و امان کی صورت کو بحال کیا جائے اور دوسری طرف باہر سے دشمنوں کے بارے ہر قسم کی معلومات حاصل کی جائیں۔ سلطان نے بڑی جوانمردی اور عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے تمام فتنوں کی سرکوبی کی' بلقان میں بغاوتوں اور دوسری داخلی شورشوں کو فرو کیا۔ یہ خبر رساں ادارے سلطان کے لیے اہم ذریعے تھے جن کی وجہ سے وہ بروقت داخلی شوروں پر قابو پا لیتے تھے۔

119 دولت عثمانیہ روس کے ساتھ ایک نہایت ہی سخت سلسلہ جنگ میں داخل ہوگئی جو بالآخر دولت عثمانیہ کی شکست پر منتج ہوا' عثمانیوں نے مجبوراً روس کے ساتھ سان سٹفنو کا معاہدہ کیا اور کچھ عرصہ بعد برلن کانفرنس جو جرمنی میں ہوئی' اس میں ترمیم کا باعث ہوئی۔

120 سلطان عبدالحمید کے دور حکومت میں سیاست کے میدان میں اسلامی اتحاد کی سوچ سامنے آئی' اس سوچ کے ذریعے سلطان نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان اسلامی بھائی چارہ کو فروغ دینے میں ان کی مدد کی تا کہ ملت اسلامیہ صلیبی خواہشات کے خلاف کھڑی ہو سکے۔

121 سلطان عبدالحمید نے متعدد وسائل کے ذریعے اسلامی اتحاد تک پہنچنے کے لیے کئی منصوبے شروع کیے' ان میں سے ایک تو انہوں نے مختلف مبلغین کے ساتھ رابطہ کیا' صوفی سلسلوں کی تنظیم بنائی' مملکت کو عربی رنگ دینے کے عملی اقدامات کیے' مختلف عربی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مدرسۃ العشائر کی بنیاد ڈالی' حجاز ریلوے لائن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور یوں دشمنوں کے عزائم کو خائب و خاسر کرنے کی کوشش کی۔

122 سلطان کو جب ڈونمہ یہودیوں کی قوت اور اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کا علم ہوا تو آپ نے ان کا گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کی' اس لیے ڈونمہ یہودیوں نے آپ کے خلاف نہایت اہم منصوبہ تیار کیا۔ عثمانی رائے عامہ کو آپ کے خلاف ہموار

کیا' فوج کو آپ کی مخالفت پر ابھارا اور ماسونی مجالس کی مدد سے' آپ کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ حریت' جمہوریت' اور آمریت کا خاتمہ جیسے نعروں سے لوگوں کو سلطان کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کی' ملک کے اندر انار کی پھیلائی' فوج کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا' ڈونمہ یہودی عالمی صیہونی تحریک کے لیے پہلی اینٹ ثابت ہوئے' ان کی وساطت سے بین الاقوامی یہودی منصوبوں کی تنفیذ کا کام شروع ہوا اور بالآخر فلسطین پر ان کا قبضہ ہو گیا اور فلسطین کو انہوں نے اپنا وطن بنا لیا۔

(123) سلطان عبدالحمید صیہونی دانشوروں کے منصوبوں کے سامنے بڑی سختی سے ڈٹے رہے' انہوں نے ان کو مال و دولت کی پیشکش کی لیکن وہ انہیں نہ خرید سکے۔ انہوں نے منصوبہ بنایا اور یہودیوں کے ہاتھوں زمین بیچنے کی راہ روک دی اور انہوں نے یہودیوں کو کسی قسم کی رعایت نہ دی کہ جس کی وجہ سے وہ فلسطینی علاقوں پر غالب آ جائیں۔

(124) عالمی صیہونیت سلطان عبدالحمید کے دشمنوں کی پشت پناہی کرنے کے لیے متحرک ہو گئی' ارمن کے باغیوں اور بلقان کے قوم پرستوں کو سلطان کے خلاف یہودیوں نے ہر قسم کی مدد فراہم کی۔ انجمن اتحاد و ترقی کی تحریک کو بھی یہودیوں کی پشت پناہی حاصل تھی بلکہ ہر وہ تحریک جو دولت عثمانیہ سے علیحدگی کے نظریے پر برپا ہوئی' یہودیوں نے اسے مدد فراہم کی۔

(125) انجمن اتحاد و ترقی سلطان عبدالحمید کو حکومت سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئی' اسے اس ہدف تک پہنچنے کیلئے یورپی ممالک' یہودیوں اور ماسونی مجالس تمام کی مدد حاصل تھی۔

(126) انجمن اتحاد و ترقی دوسری عالمی جنگ میں شکست کے بعد اتحادیوں کا سامنا نہ کر سکی اور اس انجمن کے لیڈر جرمنی اور روس کی طرف فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

(127) انگریزوں اور یہودیوں نے دولت عثمانیہ تک کی طرف مصطفیٰ کمال کو پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لی اور بالآخر اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق یہاں کرزوں چہارم کی شرائط کو لاگو کرنے میں کامیابی حاصل کی' وہ طے شدہ پروگرام یہ تھا کہ ترکی کا اسلام سے ہر طرح کا تعلق ختم' خلافت اسلامیہ کو مکمل طور پر کالعدم کر دینا' خلیفہ وقت اور ان کے اعوان و انصار کو جلاوطن کرنا' خلیفہ کا مال و دولت ضبط کرنا اور ترکی کے قدیم دستور کی جگہ نیا شہری دستور بنانا اور اسے نافذ کرنا۔

(128) مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کو اس کے عقیدے' اسلام سے دور کر دیا' ملک میں دینی قدروں پر پابندی عائد کر دی' مبلغین کا گھیرا تنگ کر دیا' خواتین کو بے پردگی اور اختلاط کی دعوت دی لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود ترکی میں حق کی آواز سیکولرازم کا شدت سے مقابلہ کرتی رہی' اس دوران سعید نورسی کی تحریک اور سلامت پارٹی جیسی اسلامی تحریکیں سامنے آئیں جو بعد میں رفاہ پارٹی کی صورت اختیار کر گئیں۔ حق و باطل کے درمیان چپقلش جاری ہے' ہدایت اور گمراہی میدان کارزار میں برسرپیکار ہیں اور ترکی میں خیر و شر کا معرکہ ابھی برپا ہے۔

(129) دولت عثمانیہ کے سقوط کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور ان تمام کا جامع سبب اللہ تعالیٰ کے قانون کی حاکمیت سے دوری ہے جس نے افراد اور امت کو دنیا میں زوال و انحطاط سے دوچار کیا اور اللہ تعالیٰ کے قانون سے دوری کے اثرات دینی' معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی ہر سطح پر بڑی شدت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

۱۳۰ دولت عثمانیہ کے آخری سلاطین کا الٰہی قانون سے انحراف اور ان کے ماتحت اسلامی معاشروں کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں کمزوری دکھانا ایک ایسا عمل تھا جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرے پر مرتب ہوئے' داخلی اختلاف بڑھ گئے' لوگوں نے ہلاکت' ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ اور اراضی پر ناجائز قبضوں جیسی قباحتوں کا سامنا کیا کیونکہ ملک میں انارکی کی فضا تھی' کوئی شخص قانون کا احترام نہیں کرتا تھا' جنگ و جدل کا بازار گرم ہوا' فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کے بعد وہ عداوت و بغض پیدا ہوا کہ جو ان کے زوال پر منتج ہوا۔

۱۳۱ تاریخی حقائق سے اخذ کردہ الٰہی اصولوں کے مطابق جب ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے جو اس کی معرفت رکھتے ہیں تو ان پر ایک ایسی قوم کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو معرفت خداوندی کی نعمت سے محروم ہوتی ہے' سو اس قانون خداوندی کے تحت مسلمانوں پر نصرانیوں کو مسلط کر دیا گیا' امت کی مدد و نصرت کا سلسلہ ختم ہو گیا' غلبہ و اقتدار سے ان کو محروم کر دیا گیا' ان پر خوف و ہراس کی فضاء چھا گئی' مصائب و آلام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا' علاقوں پر علاقے ان کے ہاتھ سے نکلے اور ان پر کفار کا قبضہ ہو گیا۔

۱۳۲ یہ امت عقیدہ کی خرابی' دین کے حقیقی مفاہیم سے روگردانی جیسے عقیدہ ولاء و براء اور مفہوم عبادت کی تبدیلی کا شکار ہوئی۔ مظاہر شرک و بدعت اور خرافات کا دور دورہ ہو گیا۔

۱۳۳ امت مسلمہ کی تاریخ میں پیدا ہونے والی سب سے بڑی خرابی جھوٹے اور جعلی صوفیاء کا اسلامی معاشرے میں ایک منظم طاقت کی حیثیت سے سامنے آنا ہے' یہ لوگ ایسی عبادات' افکار و نظریات کے حامل تھے جن کا کتاب و سنت سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا' عثمانی حکومت کے آخری دور میں جھوٹے صوفیا نے بہت طاقت حاصل کر لی اور ان کی شان و شوکت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

۱۳۴ بہت سارے علماء ظالم حکمرانوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئے اور نوکریوں اور تنخواہوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بادشاہوں کی خوشامد کرنے لگے' ان کا مطلوبہ کردار ختم ہو کر رہ گیا' نتیجتاً دینی علوم جمود کا شکار ہو گئے' علماء نے مختصرات شروح' حواشی اور نوٹس کا خصوصیت سے اہتمام کرنا شروع کر دیا' اور وہ اسلام کی حقیقی روح قرآن و سنت سے دور ہوتے چلے گئے' کئی علماء نے اجتہاد کے دروازے کو کھولنے سے انکار کر دیا' اجتہاد کی بات کرنا گناہ کبیرہ قرار پایا اور بعض جمود کا شکار مقلدین اسے کفر کے مترادف خیال کرنے لگے۔

۱۳۵ دولت عثمانیہ میں ظلم عام ہو گیا' ظلم بیماری کی طرح ہے جو ایک انسان کو قبل از وقت موت سے ہمکنار کر دیتا ہے جب اللہ کریم اس مریض کی مقررہ مدت پوری کر دیتا ہے تو موت کا جھونکا آتا ہے اور اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیتا ہے' اس طرح جب کسی قوم میں ظلم و ستم کی گرم بازاری ہو جاتی ہے تو پھر بڑی تیزی سے وہ امت ہلاکت کے گڑھے کی طرف لپکتی ہے اور جب اس کا مقرر وقت آتا ہے تو ہلاکت کے اس گڑھے میں گر کر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب دولت عثمانیہ میں ظلم و ستم کی گرم بازاری ہوئی تو بہت جلد یہ عظیم مملکت ہلاک ہو گئی اور اپنا وجود باقی نہ رکھ سکی' اسی طرح جب کوئی قوم خواہشات نفس'

عیش و عشرت، باہمی اختلاف و انتشار، گروہ بندی اور فرقہ پرستی کا شکار ہوتی ہے تو اس کا وجود مٹ جاتا ہے، یہی دولت عثمانیہ کے ساتھ ہوا اور اس کی عظمت کی کہانی قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔

۱۲۶ امت مسلمہ کی خداوند عالم کے قانون سے دوری اور انحراف پر نہایت ہی خطرناک اثرات مرتب ہوئے جیسے سیاسی ضعف اور حربی، اقتصادی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی انحطاط۔ یہ امت اپنے دشمنوں سے مقابلہ اور ان کے خاتمے کی قدرت سے محروم ہوگئی، اسے دشمنوں نے نوآبادی میں تبدیل کر دیا، فکری جنگ اس پر مسلط کر دی، نتیجتاً وہ اقتدار و غلبہ کی ثروت سے محروم ہوگئی، مادی اور روحانی اسباب سے روگردانی اور امتوں کے زوال و عروج کے انہی اصولوں سے ناواقفیت کی وجہ سے آئے روز نئے نئے فتنوں کا شکار ہوتی چلی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الاعراف)

''اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

۱۲۷ یہ معمولی سی کوشش نقد و جرح کے قابل ہے، یہ ایک حقیری کوشش ہے جس کا مقصد امت مسلمہ کے عروج و زوال کے اسباب کو سامنے لانا ہے، میرے اور میرے ناقد کے درمیان قول فیصل ایک شاعر کا یہ شعر ہے۔

ان تجد عيبا فسد الخلاء   جل من لا عيب فيه وعلا

''اگر تجھے اس میں کوئی عیب نظر آئے تو اس خلاء کو ضرور پورا کر دینا کیونکہ بے عیب ذات صرف اللہ کی ہے جو جلیل القدر اور بلند مرتبے والا ہے''۔

میں بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اسے بابرکت بنائے، میرے اس نیک عمل کو قرب کا ذریعہ بنائے، مجھے اور میرے ان بھائیوں کو اپنی رحمت سے محروم نہ کرے جنہوں نے اسے پورا کرنے میں میری مدد کی، میں اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾ (الحشر)

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے، اے ہمارے رب! بیشک تو رؤف و رحیم ہے۔''

اور آخر میں یہ اشعار بھی پیش کرتا ہوں۔

انا الفقير الى رب البريات   انا المسكين فى مجموع حالاتى

انا الظلوم لنفسی وھی ظالمتی ۔۔۔ والخیر ان یاتینا من عندہ یاتی
لا استطیع لنفسی جلب منفعۃ ۔۔۔ ولاعن النفس لی دفع المضرات
والفقیر لی وصف ذات لازم ابداً ۔۔۔ کماالغنی ابداً وصف لہ ذاتی
وھذہ الحال حال الخلق اجمعھم ۔۔۔ وکلھم عندہ عبدلہ اتی

''میں کائنات کے پروردگار کی بارگاہ کا فقیر ہوں میں اپنے تمام حالات میں اسی کا محتاج ہوں''۔
''میں نے اپنی جان پر بے پناہ ظلم ڈھائے ہیں' میرا یہ نفس بڑا ظالم ہے اور بھلائی اگر ہمیں ملے گی تو تیری بارگاہ سے ملے گی''
''میں اپنی ذات کے لیے کسی منفعت اور دفع مضرت کا مالک نہیں ہوں''
''میں فقیر ہوں اور میرا یہ وصف ہمیشہ ہمیشہ ساتھ ہے' جیسے وہ غنی ہے اور اس کا یہ وصف اس کا ذاتی ہے اور ہمیشہ اس کے ساتھ ہے''۔
''اور یہی حال پوری مخلوق کا ہے' سب مخلوق اس کے نزدیک عبد کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی غلامی میں ترگرم عمل ہے۔''

سبحانک اللھم وبحمدک اشھدان لاالہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

''و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین''

کتابِ رشد وہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے
نور وسرور اور جذبہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت
اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن

مفسر قرآن، علامہ مفتی محمد جلال الدین قادری

آیات احکام کا مفصل لغوی وتفسیری حل امہات کتب تفسیر کی روشنی میں
مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔
اس لئے یہ کتاب طلباء، علماء، وکلاء، ججز
اور عوام وخواص کے لئے قیمتی سرمایہ
آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری کارنامے

تفسیر ضیاء القرآن ۵ جلد
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے
ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

تفسیرات احمدیہ
ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ابن کثیر

تفسیر سورۃ النساء

تفسیر خزائن العرفان

تفسیر احکام القرآن
مولانا جلال الدین قادری

الحسنات

تفسیر دُرِ منثور
علامہ جلال الدین سیوطی

تفسیر مظہری ۱۰ جلد
عارف باللہ حضرت قاضی
ثناء اللہ پانی پتی

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

یاایھا الذین امنوا
مفتی سعادت علی قادری

تفسیر بینات القرآن
مفسر الحافظ القاری محمد طیب نقشبندی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور 7221953-7220479
فیکس: 7238010
۹ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 7225085-7247350
۱۴ انفال سنٹر اردو بازار کراچی 2210212-2212011
2630411